ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ

آسان تفسیر القرآن

تفسیرِ ربانی

تالیف و ترتیب

حضرت مولانا مفتی اصغر علی ربانی صاحب مدظلہ العالی
استاذ و مفتی دار الافتاء جامعہ دار العلوم کراچی

جلد ہفتم

سورۃ الفرقان تا سورۃ الاحزاب

مکتبہ ربانیہ کراچی

Islamic Studies Publishers
Karachi-Pakistan

وقل رب زدني علما

مکتبہ ربانیہ کراچی

ISLAMIC STUDIES PUBLISHERS

آسان تفسیر القرآن

جملہ حقوق بحق مکتبۂ ربانیہ محفوظ ہیں۔

Islamic Studies Publishers
Karachi-Pakistan

باہتمام : عبید الرحمٰن ربانی

جلد ہفتم : سورۃ الفرقان تا سورۃ الأحزاب

طبع اوّل : ذی الحج ۱۴۳۹ھ بمطابق اگست 2018ء

ناشر : مکتبۂ ربانیہ کراچی

فون : 0314-6107967
0302-2426288
(92-21) 35031011

ای میل

rabbaniglobal@yahoo.com
ibnerabbani@gmail.com

عرض ناشر

الحمد للہ!! اگرچہ مکتبۂ ربانیہ نے

آسان تفسیر القرآن

کی تصحیح وطباعت میں ہر ممکن احتیاط سے کام لیا ہے، لیکن کبھی کبھی کتابت، طباعت اور جلد سازی میں غلطی ہو جاتی ہے، اگر کسی صاحب کو ایسی غلطی کا علم ہو تو براہ کرم مطلع فرما کر ممنون فرمائیں۔

(ادارہ)

ضروری انتباہ!!

اس کتاب کے جملہ حقوق کاپی رائٹ آفس میں رجسٹرڈ ہیں۔اس کتاب کی کتابت، تدوین وترتیب اور کسی بھی طریقے سے کاپی کرنا ”کاپی رائٹ ایکٹ 1962ء“ کے تحت قابل تعزیر جرم ہے اور اس کی خلاف ورزی پر بطور رجسٹرڈ کاپی رائٹ مالک (Owner) قانونی کارروائی کی جائے گی۔

(ادارہ)

ملنے کا پتہ

مکتبۂ ربانیہ کراچی

131/30 سیکٹر 36/A زیل یرم کے ایریا کورنگی کراچی
نزد جامعہ دار العلوم کراچی ۱۴

- ادارۃ المعارف، جامعہ دار العلوم کراچی
- بیت القرآن، اردو بازار کراچی
- دار الاشاعت، اردو بازار کراچی
- مکتبہ معارف القرآن، جامعہ دار العلوم کراچی
- ادارہ اسلامیات، اردو بازار کراچی
- مکتبہ فہم دین (جامع مسجد بیت السلام ڈیفنس)

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ

آسان تفسیر القرآن

تفسیرِ ربّانی

تالیف وترتیب

حضرت مولانا مفتی اصغر علی ربانی صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

اُستاذ و مفتی دار الافتاء جامعہ دار العلوم کراچی ۱۴

جلد ہفتم

سورۃ الفرقان تا سورۃ الاحزاب

مکتبہ ربانیہ کراچی

131/30 سیکٹر 36/A ڈبل روم کے ایریا کورنگی کراچی

نزد جامعہ دار العلوم کراچی ۱۴

بسم الله الرحمن الرحيم

فہرست آسان تفسیر القرآن (جلد ہفتم)

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
	سورة الفرقان	
۱	اللہ تعالیٰ کی تعریف	۲۹
۲	عجیب بیوقوفی	۳۱
۳	قرآن کی بے قدری	۳۳
۴	شُبہات	۳۴
۵	جواب	۳۵
۶	پیغمبر کی بابت خیالات	۳۶
۷	کافروں کی شُبہات کے جوابات	۳۷
۸	پیغمبر کیسا ہوتا؟	۳۸
۹	یہ نہ مانیں گے	۳۹
۱۰	مال و دولت پیغمبری کا معیار نہیں	۴۰
۱۱	قیامت کا انکار	۴۱
۱۲	دوزخ ہولناک ہے	۴۲
۱۳	وہاں موت بھی نہیں	۴۳

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۱۴	ایک موت سے کیا ہوگا؟	۴۴
۱۵	پرہیز گاروں کا انجام	۴۵
۱۶	ہر خواہش پوری ہوگی	۴۶
۱۷	معبودوں سے پوچھ گچھ	۴۶
۱۸	حقیقت کا اظہار	۴۸
۱۹	غفلت کا سبب	۴۸
۲۰	عذاب ٹل نہیں سکتا	۴۹
۲۱	ظالم سزا پائے گا	۵۰
۲۲	دوسرا اعتراض	۵۱
۲۳	آزمائش مقصود ہے	۵۲
۲۴	بڑی سرکشی	۵۳
۲۵	کافروں کو تنبیہ (وارننگ)	۵۵
۲۶	قیامت کا ذکر	۵۶
۲۷	کافروں کی حسرت	۵۷
۲۸	قرآن ضروری چیز ہے	۵۹
۲۹	ایک اور شبہ	۶۰
۳۰	قرآن کا کام	۶۱

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۳۱	پہلوں سے عبرت	۶۳
۳۲	دوسرے نافرمانوں کا حال	۶۵
۳۳	دوسری قوموں کا حال	۶۷
۳۴	غفلت کی وجہ	۶۷
۳۵	ہنسی کا نمونہ	۶۹
۳۶	خواہش کا بندہ	۷۰
۳۷	شریعت کے خلاف خواہشوں کی پیروی ایک قسم کی بت پرستی ہے	۷۲
۳۸	اللہ تعالیٰ کی قدرت	۷۲
۳۹	اللہ تعالیٰ کی قدرت کی کچھ اور نشانیاں	۷۴
۴۰	پانی کے فائدے (الف)	۷۵
۴۱	پانی کے فائدے (ب)	۷۷
۴۲	دوسمندروں کا ملنا	۷۸
۴۳	آدمی کے آپس کے رشتے	۸۰
۴۴	پیغمبر کی ہدایت	۸۱
۴۵	سجدہ کسے کریں	۸۲
۴۶	باقاعدہ نظام	۸۵
۴۷	نیکوں کی صفتیں (الف)	۸۷
۴۸	احکام ومسائل	۸۹

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۴۹	نیکوں کی صفتیں (ب)	۹۰
۵۰	نیکوں کی صفتیں (ج)	۹۳
۵۱	نیکوں کی صفتیں (د)	۹۴
۵۲	نیکوں کی صفتیں (ہ)	۹۶
۵۳	بیویوں اور اولاد کی فکر	۹۷
۵۴	نیکوں کا بدلہ	۹۸
	سورة الشعراء	
۱	سورۃ الشعراء کا تعارف	۱۰۱
۲	احکام ومسائل	۱۰۴
۳	انسان کا رویہ	۱۰۵
۴	اللہ تعالیٰ کی نشانیاں	۱۰۶
۵	پچھلے زمانہ کی حالات	۱۰۸
۶	حضرت موسیٰ علیہ السلام	۱۱۰
۷	فرعون سے گفتگو	۱۱۲
۸	حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حق میں لفظ "ضلال" کا مفہوم	۱۱۳
۹	موسیٰ علیہ السلام کا جواب	۱۱۴
۱۰	بقیہ جواب	۱۱۵

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۱۱	فرعون کی بوکھلاہٹ	۱۱۶
۱۲	فیصلہ کن جواب	۱۱۸
۱۳	موسیٰ کی لاٹھی اور روشن ہاتھ	۱۱۹
۱۴	موسیٰ سے مقابلے کی تیاری	۱۲۰
۱۵	جادوگر آگئے	۱۲۲
۱۶	جادوگروں کا صلہ	۱۲۳
۱۷	مقابلہ	۱۲۴
۱۸	جادوگر ہار مان گئے	۱۲۵
۱۹	فرعون غضبناک ہوا	۱۲۶
۲۰	مصر سے ہجرت	۱۲۸
۲۱	فرعونیوں کی خانہ خرابی	۱۳۱
۲۲	ایک اور واقعہ	۱۳۶
۲۳	قوم کا جواب	۱۳۸
۲۴	اللہ تعالیٰ کی صفتیں	۱۳۹
۲۵	ابراہیم علیہ السلام کی دعا	۱۴۱
۲۶	قیامت کا حال	۱۴۴
۲۷	بے کار تمنا	۱۴۶

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۲۸	نوح علیہ السلام کی قوم	۱۴۷
۲۹	خاص پیغام	۱۴۹
۳۰	نوح علیہ السلام کو قوم کی طرف سے دھمکی	۱۵۱
۳۱	منکر غرق ہو گئے	۱۵۲
۳۲	عاد کی قوم	۱۵۴
۳۳	حضرت ہود علیہ السلام کا خاص پیغام	۱۵۶
۳۴	جواب اور انجام	۱۶۰
۳۵	ہود علیہ السلام کی قوم کی ہلاکت	۱۶۲
۳۶	ثمود کا حال	۱۶۳
۳۷	ثمود کی قوم	۱۶۴
۳۸	حضرت صالح علیہ السلام کا خاص پیغام	۱۶۵
۳۹	ثمود کا جواب	۱۶۷
۴۰	اونٹنی کا معجزہ	۱۶۹
۴۱	پانی پینے کی باری	۱۶۹
۴۲	ثمود کا انجام	۱۷۰
۴۳	حضرت لوط علیہ السلام کی قوم	۱۷۱
۴۴	مختلف قوموں کی بیماریاں	۱۷۳

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۴۵	حضرت لوط علیہ السلام کا خاص پیغام	۱۷۴
۴۶	لوط علیہ السلام کی نجات	۱۷۶
۴۷	احکام و مسائل	۱۷۷
۴۸	حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم	۱۷۸
۴۹	حضرت شعیب علیہ السلام	۱۷۹
۵۰	شعیب علیہ السلام کی قوم کا تعارف	۱۸۰
۵۱	حضرت شعیب علیہ السلام کا خاص پیغام	۱۸۱
۵۲	تاجروں کی ذمہ داری	۱۸۲
۵۳	قوم کا جواب	۱۸۴
۵۴	شعیب علیہ السلام کی قوم کا انجام	۱۸۵
۵۵	قرآن مجید کا ذکر	۱۸۷
۵۶	نہ ماننے کے سو بہانے	۱۸۹
۵۷	مہلت بے کار ہے	۱۹۱
۵۸	قرآن حق ہے	۱۹۳
۵۹	پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی نرم مزاجی	۱۹۶
۶۰	اللہ تعالیٰ پر بھروسہ	۱۹۷
۶۱	کاہن اور شاعر	۱۹۸

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۶۲	آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر شاعر ہونے کا جھوٹا الزام	۱۹۹
۶۳	شاعروں کا حال	۲۰۰
	سورۃ النمل	
۱	سورۃ النمل کا خلاصہ	۲۰۲
۲	آخرت کے منکر	۲۰۴
۳	حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ	۲۰۶
۴	موسیٰ علیہ السلام سے خطاب	۲۰۸
۵	سفید ہاتھ کا معجزہ	۲۰۹
۶	دل میں یقین زبان سے انکار	۲۱۰
۷	حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام	۲۱۱
۸	پرندوں اور چوپاؤں میں بھی عقل وشعور ہے	۲۱۳
۹	حضرت سلیمان علیہ السلام کا لشکر	۲۱۴
۱۰	شکر کی ادائیگی	۲۱۵
۱۱	ہُدہُد کا واقعہ	۲۱۷
۱۲	احکام ومسائل	۲۱۹
۱۳	ملکۂ سبا	۲۲۰
۱۴	حضرت سلیمان علیہ السلام کا خط	۲۲۲

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۱۵	احکام و مسائل	۲۲۴
۱۶	ایسی تحریر جس میں کوئی قرآنی آیت لکھی ہو، کیا کسی کافر، مشرک کے ہاتھ میں دینا جائز ہے؟	۲۲۵
۱۷	آپس میں مشورہ	۲۲۵
۱۸	ملکہ کا فیصلہ	۲۲۷
۱۹	حضرت سلیمان علیہ السلام کا جواب	۲۲۹
۲۰	بلقیس کی آمد آمد	۲۳۱
۲۱	ملکہ کے آنے سے پہلے اس کا تخت منگانے کی حکمت	۲۳۲
۲۲	تخت آ گیا	۲۳۳
۲۳	اللہ تعالیٰ کا لشکر	۲۳۴
۲۴	عقل کا امتحان	۲۳۵
۲۵	کفر کی وجہ	۲۳۶
۲۶	بلقیس کا اسلام لانا	۲۳۷
۲۷	ثمود کے پیغمبر	۲۳۹
۲۸	مسلمانوں پر الٹا الزام	۲۴۰
۲۹	فسادی لوگ	۲۴۳
۳۰	منصوبہ دھرارہ گیا	۲۴۵
۳۱	عبرت	۲۴۶

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۳۲	لوط علیہ السلام کی اپنی قوم کو نصیحت	۲۴۷
۳۳	جواب بن نہ پڑا	۲۴۹
۳۴	آخر تباہ ہوئے	۲۵۰
۳۵	تین (۳) قصے	۲۵۲
۳۶	معبود کون ہے؟	۲۵۴
۳۷	معبود کی نشانیاں	۲۵۵
۳۸	زمین بطور قرار گاہ	۲۵۶
۳۹	ایک اور نشانی	۲۵۸
۴۰	غیبی مدد کا ایک عجیب واقعہ	۲۵۹
۴۱	ایک اور سوال	۲۶۰
۴۲	ایک اور خصوصیّت	۲۶۲
۴۳	توحید کی ایک اور دلیل	۲۶۳
۴۴	احکام و مسائل	۲۶۵
۴۵	آخرت	۲۶۵
۴۶	گناہوں کی سزا	۲۶۷
۴۷	جلدی مت کرو	۲۶۹
۴۸	ہر چیز لکھی ہوئی ہے	۲۷۰

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۴۹	سمجھدار ہی سمجھیں گے	۲۷۳
۵۰	قیامت کی علامت	۲۷۵
۵۱	کافروں کا حال	۲۷۷
۵۲	آخر سزا ملی	۲۷۹
۵۳	قیامت کا حال	۲۸۱
۵۴	جزا کی نوعیت	۲۸۳
۵۵	آدمی ذمہ دار ہے	۲۸۶
	سورۃ القصص	
۱	سُورۃ القصص کا خلاصہ	۲۸۸
۲	کمزوروں کی مدد	۲۸۹
۳	اللہ تعالیٰ کا حکم	۲۹۲
۴	پرورش کا انتظام	۲۹۳
۵	موسیٰ علیہ السلام فرعون کے محل میں	۲۹۵
۶	ماں سے آملے	۲۹۶
۷	موسیٰ علیہ السلام کی جوانی کا ایک واقعہ	۲۹۸
۸	پھر وہی واقعہ	۳۰۲
۹	حضرت موسیٰ علیہ السلام مدین میں	۳۰۵

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۱۰	پہلا کلام	۳۰٦
۱۱	احکام و مسائل	۳۰۸
۱۲	حضرت شعیب علیہ السلام سے ملاقات	۳۰۹
۱۳	موسیٰ علیہ السلام ملازم ہو گئے	۳۱۱
۱۴	مدین سے روانگی	۳۱۲
۱۵	احکام و مسائل	۳۱۴
۱٦	پیغمبری ملی	۳۱۵
۱۷	دو (۲) معجزے	۳۱٦
۱۸	ہارون علیہ السلام مددگار ہوئے	۳۱۸
۱۹	فرعون کے پاس	۳۱۹
۲۰	فرعون کا جواب	۳۲۱
۲۱	انجام کار	۳۲۳
۲۲	پیغمبری حق ہے	۳۲۴
۲۳	حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آخری پیغمبر ہیں	۳۲۷
۲۴	پیغمبر کی ضرورت	۳۲۸
۲۵	کھلی دعوت	۳۲۹
۲٦	خواہشوں کے غلام	۳۳۲

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۲۷	سمجھ داروں کا رویّہ	۳۳۴
۲۸	ہدایت اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے	۳۳۶
۲۹	مشرک کے لیے دُعا	۳۳۸
۳۰	احکام و مسائل	۳۳۹
۳۱	غلط بہانہ	۳۴۰
۳۲	اللہ تعالیٰ کا قانون	۳۴۴
۳۳	قیامت حق ہے	۳۴۶
۳۴	احکام و مسائل	۳۴۸
۳۵	ایک اور سوال	۳۴۹
۳۶	اللہ تعالیٰ ایک ہے	۳۵۰
۳۷	اللہ تعالیٰ کی قدرت	۳۵۲
۳۸	دن رات اللہ تعالیٰ ہی نے بنائے	۳۵۳
۳۹	دُنیا پر مغرور نہ ہو	۳۵۶
۴۰	نازیبا حرکتیں	۳۵۹
۴۱	قارون کی نادانی	۳۶۰
۴۲	دنیا کے چاہنے والے	۳۶۲
۴۳	عبرت ناک انجام	۳۶۵

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۴۴	حقیقتِ حال	۳۶۷
۴۵	بدلہ ملنے کا قانون	۳۶۸
۴۶	دُنیا کی بھی کامیابی	۳۶۹
۴۷	قرآن کا حق	۳۷۱
	سورة العنكبوت	
۱	سورت العنکبوت کا تعارف	۳۷۳
۲	ایمان کی آزمائش	۳۷۴
۳	شانِ نزول	۳۷۶
۴	بُروں کا حال	۳۷۶
۵	ایمان کا بدلہ	۳۷۸
۶	توحید کی اہمیت	۳۷۹
۷	منافقوں کا کردار	۳۸۱
۸	اللہ تعالیٰ دلوں کے راز جانتے ہیں	۳۸۳
۹	اپنا ہی بوجھ بہت ہے	۳۸۴
۱۰	گناہوں کی طرف بلانے والا بھی گناہ گار ہے گناہ کرنے والے کو جو عذاب ہوگا وہی اس کو بھی ہوگا۔	۳۸۵
۱۱	نوح علیہ السلام کی قوم کی تباہی	۳۸۶
۱۲	حضرت ابراہیم علیہ السلام	۳۸۸

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۱۳	دینے والا اللہ تعالیٰ ہے	۳۹۰
۱۴	دوبارہ پیدائش	۳۹۱
۱۵	بیرونی دنیا	۳۹۲
۱۶	اللہ تعالیٰ کا قانون	۳۹۳
۱۷	قوم کا جواب	۳۹۵
۱۸	پھر سمجھایا	۳۹۷
۱۹	ابراہیم علیہ السلام کی ہجرت	۳۹۸
۲۰	حضرت لوط علیہ السلام	۴۰۱
۲۱	غفلت کی انتہاء	۴۰۲
۲۲	تباہی کا حکم	۴۰۳
۲۳	بے گناہ بچ جائیں گے	۴۰۴
۲۴	فرشتوں نے سمجھایا	۴۰۵
۲۵	مدین والے	۴۰۷
۲۶	دوسرے گمراہ لوگ	۴۰۸
۲۷	حضرت موسیٰ علیہ السلام	۴۱۰
۲۸	عذاب کی مختلف صورتیں	۴۱۱
۲۹	مشرکوں کی حقیقت	۴۱۲

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۳۰	کافروں کی مثال	۴۱۳
۳۱	مکڑی کا گھر	۴۱۵
۳۲	مثال سے غرض	۴۱۶
۳۳	اللہ تعالیٰ کا ذکر	۴۱۸
۳۴	نماز کا تمام گناہوں سے روکنے کا مطلب	۴۲۰
۳۵	بحث ومباحثہ	۴۲۲
۳۶	کیا اس آیت میں موجودہ ”تورات وانجیل“ کے مضامین کی تصدیق کا حکم ہے؟	۴۲۴
۳۷	موجودہ ”تورات وانجیل“ کی ساری باتوں کو نہ سچ مانا جائے نہ جھوٹ	۴۲۴
۳۸	قرآن بھی آسمانی کتاب ہے	۴۲۵
۳۹	قرآن مجید کیا ہے؟	۴۲۶
۴۰	قرآن مجید بھی بطور معجزہ کافی ہے	۴۲۷
۴۱	عذاب یقینی ہے	۴۲۹
۴۲	وطن کا چھوڑنا	۴۳۱
۴۳	اللہ تعالیٰ ہی رزق دینے والا ہے	۴۳۴
۴۴	احکام ومسائل	۴۳۶
۴۵	اللہ تعالیٰ جاننے والا ہے	۴۳۶
۴۶	دنیا اور آخرت	۴۳۸

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۴۷	اللہ تعالیٰ کی ناشکری	۴۳۹
۴۸	علم والوں کیلئے نکتہ کی بات	۴۴۱
۴۹	کھلی ناشکری	۴۴۲
۵۰	قریش پر احسان	۴۴۳
۵۱	اپنے کئے کا پھل	۴۴۴
	سورة الروم	
۱	پختہ پیش گوئی	۴۴۵
۲	دو بڑی حکومتیں	۴۴۸
۳	دنیا میں انجام	۴۵۱
۴	پہلوں کا حال	۴۵۴
۵	قیامت یقینی ہے	۴۵۵
۶	قیامت میں کیا ہوگا	۴۵۶
۷	اللہ تعالیٰ کی عبادت	۴۵۷
۸	اللہ تعالیٰ کی پہچان (الف)	۴۵۹
۹	اللہ تعالیٰ کی پہچان (ب)	۴۶۱
۱۰	اللہ تعالیٰ کی پہچان (ج)	۴۶۳
۱۱	اختیار اسی کا ہے	۴۶۵

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۱۲	شرک کی مثال	۴۶۷
۱۳	یکسوئی	۴۶۹
۱۴	انسان کی فطرت	۴۷۰
۱۵	کھلی نشانیاں	۴۷۲
۱۶	شرک کی کیا وجہ؟	۴۷۴
۱۷	اللہ تعالیٰ کا قانون	۴۷۷
۱۸	احکام و مسائل	۴۷۹
۱۹	اللہ تعالیٰ کی قدرت	۴۷۹
۲۰	بُرے عملوں کا نتیجہ	۴۸۰
۲۱	کیا کرنا چاہئے	۴۸۳
۲۲	خوشگوار ہوائیں	۴۸۴
۲۳	رحمت کی بارش	۴۸۸
۲۴	انسان کی بے صبری	۴۸۹
۲۵	مردہ دل کیا سنیں گے؟	۴۹۱
۲۶	انسان کی پیدائش	۴۹۳
۲۷	صحیح نتیجہ	۴۹۶
۲۸	پوری بات واضح ہوگئی	۴۹۷

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
	سورۃ لقمٰن	
۱	سورۃ لقمان کا خلاصہ	۵۰۰
۲	قرآن ہدایت ہے	۵۰۱
۳	بے کار باتیں	۵۰۳
۴	کھیلوں کے سامان کی خرید وفروخت	۵۰۷
۵	انعام واکرام	۵۰۷
۶	حضرت لقمان	۵۰۹
۷	ماں باپ کا حق	۵۱۲
۸	اسلام کا بے مثال انصاف کا قانون	۵۱۵
۹	اللہ تعالیٰ ہر جگہ موجود ہے	۵۱۶
۱۰	اچھی باتیں	۵۱۷
۱۱	اللہ تعالیٰ کو مانو	۵۲۳
۱۲	نامعقول بہانہ	۵۲۵
۱۳	کافروں کا غم نہ کریں	۵۲۷
۱۴	اللہ تعالیٰ کی قدرت	۵۳۰
۱۵	اور نشانیاں	۵۳۲
۱۶	قیمتی نصیحت	۵۳۵
۱۷	احکام ومسائل	۵۳۷

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۱۸	انسان نادان ہے	۵۳۸
۱۹	سورۂ لقمان پر ایک نظر	۵۴۳
	سورۃ السجدۃ	
۱	سورۃ السجدہ کا خلاصہ	۵۴۴
۲	قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہے	۵۴۵
۳	تفسیر سورۃ السجدہ کی فضیلت	۵۴۶
۴	آسمانوں اور زمین کا چھ دن میں بنانا	۵۴۶
۵	اللہ تعالیٰ کی تدبیر	۵۴۸
۶	انسان کی پیدائش	۵۴۹
۷	مر کر جینا	۵۵۱
۸	قیامت میں آنکھیں کھلیں گی	۵۵۳
۹	برے عملوں کی سزا	۵۵۵
۱۰	احکام و مسائل	۵۵۶
۱۱	ایمان والے	۵۵۷
۱۲	مؤمن اور فاسق	۵۵۹
۱۳	ہم نے موسیٰ کو کتاب دی	۵۶۳
۱۴	فیصلہ کا دِن	۵۶۶

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
	سورة الاحزاب	
۱	سورۃ الاحزاب کا خلاصہ	۵۶۹
۲	ہدایتیں	۵۷۱
۳	اصل حقیقت	۵۷۵
۴	احکام ومسائل	۵۷۹
۵	اصلی بات	۵۷۹
۶	حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مرتبہ	۵۸۱
۷	احکام ومسائل	۵۸۴
۸	پیغمبروں سے پکّا وعدہ	۵۸۴
۹	اللہ تعالیٰ کی مدد	۵۸۶
۱۰	اُحزاب کی جنگ "قرطبی اور مظہری" کے حوالے سے	۵۸۹
۱۱	سیاست کے میدان میں جھوٹ کوئی نئی چیز نہیں	۵۹۱
۱۲	مسلمانوں کی جنگی تیاری	۵۹۲
۱۳	ایک عظیم معجزہ	۵۹۳
۱۴	منافقوں کی طعنہ بازی اور مسلمانوں کا بے مثال یقین	۵۹۴
۱۵	پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دُعا	۶۰۱
۱۶	غزوۂ بنوقُریظہ	۶۰۶

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۱۷	بھاگنے کا ارادہ	۶۰۸
۱۸	دل کا کھوٹ	۶۱۰
۱۹	اسلامی طرزِ عمل	۶۱۱
۲۰	منافق خطرے کے وقت	۶۱۳
۲۱	منافق خطرے کے بعد	۶۱۴
۲۲	مسلمانوں کیلئے نمونہ	۶۱۶
۲۳	مؤمنوں نے کیا کِیا؟	۶۱۸
۲۴	کافروں کا انجام	۶۲۰
۲۵	گھریلو زندگی	۶۲۳
۲۶	بات کرنے کے آداب	۶۲۸
۲۷	حکموں کا مقصد	۶۳۰
۲۸	مرد اور عورت کی برابری	۶۳۲
۲۹	حضرت زید رضی اللہ عنہ کا حضرت زینب سے نکاح	۶۳۶
۳۰	فضول رسم مٹ کر رہے گی	۶۳۷
۳۱	اللہ تعالیٰ کا حکم اٹل ہے	۶۴۰
۳۲	پیغمبر اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار ہیں	۶۴۱
۳۳	پیغمبروں کی شان	۶۴۲

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۳۴	احکام و مسائل	۶۴۴
۳۵	مسئلہ ختم نبوت	۶۴۶
۳۶	اللہ تعالیٰ کی یاد	۶۴۶
۳۷	پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان	۶۴۹
۳۸	ایمان والوں کو خوشخبری	۶۵۲
۳۹	غیر مدخولہ کی طلاق (یعنی: اس عورت کی طلاق جس کا شوہر سے ملاپ نہ ہوا ہو)	۶۵۴
۴۰	پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے حکم	۶۵۵
۴۱	خاص خاص رعایتیں	۶۵۸
۴۲	جھگڑوں کی روک تھام	۶۶۰
۴۳	کھانے کی دعوت	۶۶۳
۴۴	دعوتِ ولیمہ	۶۶۵
۴۵	احکام و مسائل	۶۶۶
۴۶	آزادی میں خلل	۶۶۶
۴۷	احکام مسائل	۶۶۸
۴۸	پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا احترام	۶۶۸
۴۹	پردہ کے اور حکم	۶۶۹
۵۰	دُرود و سَلام	۶۷۰

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۵۱	"درود شریف" کی فضیلت	۶۷۱
۵۲	"صلوٰۃ وسلام" کے معنیٰ	۶۷۳
۵۳	"صلوٰۃ وسلام" کے ذکر کردہ طریقہ کی حکمت	۶۷۳
۵۴	احکام ومسائل	۶۷۴
۵۵	تکلیف پہنچانا	۶۷۵
۵۶	بہانہ بازوں کا علاج	۶۷۸
۵۷	شانِ نزول	۶۸۰
۵۸	بدمعاشوں کی جھڑکی	۶۸۲
۵۹	قاعدہ یہی ہے	۶۸۴
۶۰	کافروں کا انجام	۶۸۶
۶۱	رہنماؤں کا حشر	۶۸۷
۶۲	قیمتی نصیحتیں	۶۸۹
۶۳	امانت کی ذمہ داری	۶۹۳

آیاتھا — ۷۷ سُوْرَةُ الْفُرْقَانِ مَكِّيَّةٌ رکوعاتھا — ٦

سورۃ الفرقان مکی ہے، اس میں ستتر آیتیں اور چھ رکوع ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی تعریف

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

تَبٰرَكَ الَّذِىْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ

بابرکت ہے وہ جس نے اتارا فرق کرنے والا کلام پر بندے اپنے تاکہ ہو وہ جہاں والوں واسطے

نَذِيْرَاۨ ۙ﴿۱﴾ الَّذِىْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ لَمْ يَتَّخِذْ

ڈرانے والا (۱) وہ جس ہے اسکی بادشاہت آسمانوں اور زمین اور نہیں بنایا اس نے

وَلَدًا وَّ لَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِى الْمُلْكِ وَ خَلَقَ كُلَّ شَىْءٍ

بیٹا اور نہیں ہے اس کا کوئی شریک میں بادشاہت اور پیدا کی ہر چیز

فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيْرًا ﴿۲﴾

پس ٹھیک کیا اس کو اندازہ کے ساتھ (۲)

بامحاورہ ترجمہ:۔ بڑی برکت دینے والی ہے وہ ذات جس نے اتاری ہے اپنے بندے پر فرق کرنے والی کتاب تاکہ ہو جائے وہ تمام جہان والوں کے لئے ڈرانے والا۔ (۱) وہ اللہ جس کے لئے بادشاہی ہے آسمانوں اور زمین کی، اور نہیں بنایا اس نے بیٹا اور نہیں اس کے لئے کوئی شریک بادشاہی میں، اور پیدا کیا اس نے ہر چیز کو، پس! اندازہ ٹھہرایا ہے اس کا ٹھیک طریقے پر۔ (۲)

المجلد السابع

تفسیر

"فُرْقَانَ" قرآن کریم کا لقب ہے، لغوی معنیٰ اس کے تمیز اور فرق کرنے کے ہیں، قرآن چونکہ اپنے واضح ارشادات کے ذریعہ حق و باطل میں تمیز اور فرق بتلاتا ہے، اور معجزہ کے ذریعہ حق و باطل میں امتیاز کر دیتا ہے؛ اس لئے اس کو فرقان کہا جاتا ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی تعریف فرمائی ہے کہ انسان اس کو اچھی طرح پہچان لے کہ اس نے قرآن حکیم جیسی عظیم الشان کتاب اتاری، جس میں انسان کے لئے تمام فائدہ مند چیزیں کھول کر رکھ دیں ہیں، تاکہ وہ انہیں حاصل کرے، اور بری چیزیں بھی واضح کر دیں، تاکہ وہ ان سے بچیں۔

انسان اس کتاب کے ذریعہ سچ اور جھوٹ اور برے بھلے میں کھلم کھلا فرق سمجھ سکتا ہے، پھر اس کو انسانوں تک پہنچانے اور اسے اچھی طرح سمجھانے کے لئے اپنے بندے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو چنا، تاکہ وہ انسانوں کو بھلائیاں سمجھائیں، اور ان کے اختیار کرنے والوں کو خوش خبری سنائیں اور برائیاں واضح کر کے ان کے اختیار کرنے والوں کو ڈرائیں کہ ان کا انجام اچھا نہ ہوگا، آسمانوں اور زمین کا مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے، اسے نہ ان کے پیدا کرنے میں کسی مددگار کی ضرورت پڑی اور نہ اس کے انتظام کے لئے کسی اور کی حاجت ہوئی، نہ اس کی اولاد ہے اور نہ اس کا کوئی شریک ہے، اس نے تنہا اپنی قدرت سے ہر چیز کو پیدا کیا اور تنہا اس کا انتظام کرتا ہے، ہر چیز کے لئے اس کی خصوصیتیں مقرر فرمائیں، اور ٹھیک اندازہ سے اس کو کام میں لگا دیا۔

تَبٰرَكَ الَّذِیْ: بڑی بابرکت ہے وہ ذات، یہ الفاظ بعض سورتوں کی ابتداء میں اور بعض کے آخر میں ذکر کئے گئے ہیں اور اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی بلند و بالا ذات کا ذکر کر کے اس کی صفتوں کا ذکر کرنا ہے، برکت کا عام معنیٰ زیادتی ہوتا ہے، تاہم امام رازی رحمۃ اللہ علیہ اور تمام شارحین اس بات پر متفق ہیں کہ ہر قسم کی زیادتی کا نام برکت نہیں، بلکہ برکت ایسی زیادتی جو اچھی ہو، گویا جس چیز میں معجزے یا کرامت کے طور پر اضافہ ہو جائے تو ہم کہیں گے کہ یہ چیز برکت والی ہے، جیسا کہ ایک سفر کے دوران ایک مرتبہ پانی ختم ہو گیا، تمام صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین

مشقت میں پڑ گئے، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: کسی کے پاس پانی کا ایک پیالہ ہوتو لے آئے، ایک پیالہ پانی آپ کی خدمت میں پیش کیا گیا، آپ نے اپنا ہاتھ مبارک اس پیالے میں رکھا تو انگلیوں کے نیچے سے پانی کے چشمے پھوٹنے لگے، پانی جوش مار کر اوپر آ رہا تھا جسے تمام صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے پیا، اونٹوں نے پیا حتیٰ کہ مشکیزے بھر لئے گئے، پھر آپ نے پیالے سے ہاتھ نکالا تو وہ اسی طرح پانی سے لبالب بھرا ہوا تھا، مطلب یہ کہ معجزے یا کرامت کے طور پر کسی چیز میں جو زیادتی آ جاتی ہے اسے برکت کہا جاتا ہے۔

نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِہٖ: جس نے فیصلہ کن کتاب، یعنی: قرآن پاک اتارا، یہ کتاب اس لئے فرقان ہے کہ یہ جائز اور ناجائز، حلال اور حرام، صحیح اور غلط کے درمیان فیصلہ کرتی ہے، یہ ہر چیز کو اس طرح کھول کر بیان کرتی ہے کہ کوئی شبہ باقی نہیں رہتا، اور یہ اتاری ہے اس نے اپنے بندے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر۔

لِیَكُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا: تاکہ وہ بندہ سارے جہان کے انسانوں کے لئے ڈر سنانے والا ہوجائے، اللہ تعالیٰ کا ہر پیغمبر اپنی امت کے اچھے کاموں پر انہیں خوشخبری دیتا رہا ہے اور برے کاموں کے انجام سے ڈراتا رہا ہے۔

الَّذِیْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ: جس کی بادشاہی آسمانوں اور زمین میں ہے، اور وہ ایسا پروردگار ہے، جس کا کوئی بیٹا نہیں بنایا، نہ حقیقی اور نہ مجازی، ویسے بھی خدا تعالیٰ کا فرمان ہے، نہ اس نے کسی کو جنا ہے اور کسی سے جنا گیا ہے، یعنی: نہ اس کا کوئی بیٹا ہے اور نہ کوئی باپ، اور نہ ہی اس کی بادشاہی میں اس کا کوئی شریک ہے، اس نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے، اور اسے ایک خاص اندازے کے مطابق مقرر کیا ہے، لہٰذا کسی چیز میں کوئی عیب نہیں ہے، اس نے ہر چیز کا ٹھیک اندازہ کر رکھا ہے اور ہر چیز کی تقدیر اسی کے قبضہ میں ہے۔

عجیب بیوقوفی

وَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اٰلِهَةً لَّا یَخْلُقُوْنَ شَیْـًٔا وَّ هُمْ یُخْلَقُوْنَ وَ

اور بنائے انہوں نے | سوا اس کے | معبود جو نہیں | پیدا کرتے | کچھ | اور | وہ | پیدا کئے گئے ہیں | اور

لَا يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ ضَرًّا وَّ لَا نَفْعًا وَّ لَا يَمْلِكُوْنَ مَوْتًا وَّ لَا

نہیں ان کے بس میں لئے اپنے کوئی نقصان اور نہ نفع اور نہ وہ مالک ہیں موت کے اور نہ

حَيٰوةً وَّ لَا نُشُوْرًا ③

زندگی کے اور نہ پھر جی اٹھنے کے (۳)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور لوگوں نے اس کے سوا اور معبود بنا رکھے ہیں جو معمولی سی چیز بھی پیدا نہیں کر سکتے حالانکہ وہ تو خود پیدا کئے گئے ہیں اور وہ اپنے حق میں نہ برے کے مالک ہیں نہ بھلے کے اور نہ مرنے کے اور نہ جینے کے اور نہ دوبارہ جی اٹھنے کے۔ (۳)

تفسیر

اس آیت میں ارشاد ہے کہ: ان لوگوں کا عجیب حال ہے، ساری مخلوق کے اندر ہماری قدرت کی نشانیاں گویا منہ سے بول رہی ہیں کہ ہمارے سوا کوئی معبود نہیں ہوسکتا، مگر انہیں کچھ نہیں سوجھتا، سب سے بڑھ کر نشانی ہم نے ان کے سامنے یہ ظاہر کردی کہ قرآن مجید جیسی عظیم الشان کتاب بھلائی اور برائی میں صاف صاف فرق بتادینے والی اپنے ایک بندے پر اتاری اور اس کو حکم دیا کہ اس کی آیتیں ان کو پڑھ کر سنادے، تاکہ انہیں معلوم ہوجائے کہ اللہ تعالیٰ سراپا رحمت ہے، یہ لوگ اتنی نشانیاں دیکھنے کے بعد بھی پتھروں، درختوں اور بتوں کی طرف سر جھکاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے منہ موڑ کر ان کی عبادت کرتے ہیں، انہیں اتنا نہیں سوجھتا کہ ان کے اپنے بنائے معبودوں نے آج تک ایک گھاس کا تنکا بھی پیدا کر کے نہیں دکھایا، بلکہ ان کی تو اپنی کوئی حقیقت نہیں بلکہ یہ تو پتھروں کو گڑ کر بنائے گئے ہیں، انہیں تو اپنے نفع و نقصان کی بھی قدرت نہیں، دوسرے کو تو نفع یا نقصان کیا پہنچاتے، نہ ان کے ہاتھ میں اپنا کسی کا مارنا یا جلانا ہے اور نہ مرنے کے بعد پھر زندہ ہوکر اٹھ بیٹھنا ان کے بس میں ہے۔

قرآن کی بے قدری

وَ قَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ هٰذَاۤ اِلَّاۤ اِفْكُ اِفْتَرٰىهُ وَ اَعَانَهٗ عَلَیْهِ

اور کہا ان لوگوں نے جو کافر ہوئے نہیں یہ مگر بے سری باتیں جو اس نے گھڑلی ہیں اور مدد کی اس کی پر اس

قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ ۚۛ فَقَدْ جَآءُوْ ظُلْمًا وَّ زُوْرًا ۚ﴿۴﴾

لوگوں دوسروں نے تحقیق آ گئے ظلم اور جھوٹ پر (۴)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور کہا ان لوگوں نے جنہوں نے کفر کیا کہ نہیں ہے یہ (قرآن) مگر جھوٹ جس کو اس شخص نے گھڑ لیا ہے اور مدد کی ہے اس کی اس پر دوسرے لوگوں نے، پس! تحقیق آئے ہیں یہ لوگ ظلم اور جھوٹ پر۔ (۴)

لفظی تحقیق: اِفْكٌ: بے بنیاد جھوٹ۔ اَعَانَ: مدد کی۔ ماضی کا صیغہ ہے، اِعَانَةٌ: سے جو ع۔ و۔ ن۔ سے بنا ہے۔ عَوْن: کے معنیٰ مدد کے ہیں۔ اِعَانَةٌ: اس سے متعدی مصدر ہے۔ مدد کرنا۔

تفسیر

اس آیت میں کافروں کے طریقوں کا بیان ہے، جو انہوں نے قرآن کے ساتھ اختیار کیا، ارشاد ہے کہ: اللہ تعالیٰ کا انکار کرنے والے کہتے ہیں کہ یہ قرآن جھوٹ کے سوا کچھ بھی نہیں، جو اس نے خود گھڑ لیا ہے اور کچھ دوسرے لوگوں نے اس کی مدد کی ہے۔

دیکھا! ان لوگوں نے سراسر ظلم اور جھوٹ پر کمر باندھ لی ہے جو ایسی بے نظیر کتاب کو معاذ اللہ جھوٹ بتاتے ہیں اور اس کی بابت جو منہ میں آتا ہے بک دیتے ہیں۔

یہ کتاب بالکل سچی ہے اور اس میں ایک بات بھی گھڑی ہوئی یا جھوٹ نہیں، اس میں وہ علم وحکمت کے خزانے بھرے ہوئے ہیں، جن میں سے غور کرنے والے قیامت تک اپنے علم کے مطابق اچھی اچھی چیزیں

معانقہ اعتماد المتاخرین ۱۲

ڈھونڈ کر نکالیں گے اور ان سے فائدہ اٹھائیں گے۔

شُبہات

وَ قَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ اكْتَتَبَهَا فَهِيَ تُمْلٰى عَلَيْهِ
اور کہا انہوں نے کہانیاں ہیں پہلوں کی لکھوالیا ہے انہوں نے پس وہ پڑھی جاتی ہیں پر ان

بُكْرَةً وَّ اَصِيْلًا۝۵
صبح اور شام (۵)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور کافر کہنے لگے یہ پہلوں کی قصے کہانیاں ہیں جو اس نے کہیں سے لکھوالی ہیں اور وہی صبح وشام اسے پڑھ کر سنائی جاتی ہیں۔(۵)

لفظی تحقیق: تُمْلٰی: پڑھی اور رٹی جاتی ہیں۔ مضارع مؤنث کا صیغہ ہے۔ اِمْلَاء: جس کا معنٰی ہے لکھوانا۔

تفسیر

مکہ کے کافر اسلام کو ہر طرح دبانا چاہتے تھے، اس کے لئے انہیں صاف جھوٹ بولنے سے شرم نہیں آتی تھی، کہتے تھے کہ یہ یہودی غلام پرانے قصے آپ کو سناتے رہتے تھے اور آپ ان سے لکھوا لیتے ہیں، بے وقوفوں کو اتنی سمجھ نہ تھی کہ ان تمام یہودیوں کو تو عربی بھی ٹوٹی پھوٹی ہی سی آتی تھی، وہ اس قدر اعلٰی عربی عبارتوں میں ایسے قصے کیسے لکھوا سکتے تھے۔

قرآن مجید کی عبارت کی برابری کرنے سے تو عرب کے بڑے بڑے ماہر زبان دان بھی عاجز آچکے تھے اور بڑے بڑے خطیب اور شاعر اس کی زبان کا لوہا مان چکے تھے، یہ مزدور غلام جنہیں عربی زبان سیکھنے کا کوئی موقعہ ہی نہ تھا، وہ تو محض اپنے آقاؤں کی خدمت کرتے تھے، انہیں ایسی شاندار عبارتیں بنانے کا سلیقہ نہیں ہوسکتا تھا، جو قرآن مجید کی خصوصیت ہے، شروع اسلام میں آپ کے پاس تھوڑے سے ایمان لے آنے والے دو وقت

جمع ہوتے تھے، اور آپ انہیں قرآن کی تازہ اتری ہوئی آیتیں سناتے تھے، اس پر کافروں نے یہ بات بنائی کہ دن بھر دوسروں سے کہانیاں لکھواتے ہیں اور صبح وشام انہیں کو نئے نئے طریقوں سے سناتے ہیں۔

جواب

قُلْ اَنْزَلَهُ الَّذِيْ يَعْلَمُ السِّرَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ

کہہ دے اتارا اسے اس نے جو جانتا ہے راز میں آسمانوں اور زمین تحقیق وہ ہے

غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝۶

بخشنے والا مہربان (۶)

بامحاورہ ترجمہ:۔آپ کہہ دیں! اس قرآن کو اس نے اتارا جو آسمانوں اور زمین کے چھپے ہوئے راز جانتا ہے، بے شک وہ بخشنے والا مہربان ہے۔(۶)

تفسیر

اس آیت میں ارشاد ہے کہ: ان ہٹ دھرم لوگوں سے کہہ دو کہ اپنے دل سے اس قرآن مجید کا حال پوچھیں، ایسی راز کی باتیں اللہ تعالیٰ کے کلام میں ہی ہوسکتی ہیں جو تمام رازوں کا جاننے والا ہے، جس کے علم میں آسمانوں اور زمین کا سارا حال واضح طور پر موجود ہے، اور تمام جہان کے ذرّے ذرّے سے واقف ہے، لیکن یہ اس کا رحم وکرم ہے کہ باوجود قدرت کے وہ تمہاری گستاخیوں سے درگزر کررہا ہے، کیونکہ یہ سب کچھ جاننے کے باوجود نہایت بخشنے والا مہربان بھی ہے یہ اس کی مغفرت اور بخشش ہی کی بدولت ہے جو تم کو ڈھیل دی جارہی ہے، کیونکہ اس کے علم میں یہ بھی ہے کہ بعض لوگ تم میں ایسے ہیں جو اس کتاب پر ایمان لائیں گے۔

پیغمبر کی بابت خیالات

وَ قَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ یَاْكُلُ الطَّعَامَ وَ یَمْشِیْ فِی الْاَسْوَاقِ ؕ

اور کہنے لگے کیا حال ہے اس پیغمبر کا کھاتا ہے کھانا اور چلتا پھرتا ہے میں بازاروں

بامحاورہ ترجمہ: اور کہنے لگے یہ کیسا پیغمبر ہے جو کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں پھرتا ہے۔ (مطلب یہ ہے کہ پیغمبر انسان کے بجائے فرشتہ ہونا چاہئے)۔

تفسیر

اس آیت میں ان خیالات کا ذکر ہے، جو پیغمبر ﷺ کی بابت وہ لوگ ظاہر کرتے تھے، اس کی وجہ یہ نہ تھی کہ وہ آپ کے حسب ونسب کا انکار کرتے تھے، وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ آپ ہر طرح سے شریف النسب ہیں، آپ نے کبھی جھوٹ نہیں بولا، کبھی کسی کو دھوکہ نہیں دیا، اپنے فائدے کے لئے کبھی کسی کو نقصان بھی نہیں پہنچایا، بلکہ ہمیشہ محتاجوں اور کمزوروں کی مدد کی، حاجت مندوں کی حاجت پوری کی، ان کو آپ کی ذاتی خوبیوں اور خاندانی شرف سے انکار نہ تھا، ان کو فقط اس میں اپنی موت نظر آتی تھی، کہ اس نے یہ نیا دین کیسا نکالا، جو اگر چل گیا تو ہمارے باپ دادا کی رسمیں سب ختم ہو جائیں گے، اور ہم جو اب سب کے سردار بنے بیٹھے ہیں، آپ کے غلام بن جائیں گے؛ اس لئے وہ نہیں چاہتے ہیں کہ لوگ آپ کی باتیں سنیں۔

ارشاد ہے کہ: وہ دوسروں کو آپ کی باتیں سننے سے یہ کہہ کر روکنے کی کوشش کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ایسے پیغمبر کی کیا یہ حیثیت ہو سکتی ہے کہ معمولی آدمیوں کی طرح کھانا کھائے، اور انہی کی طرح بازاروں میں پھرے، دنیا کے بادشاہوں کا پیغام شان وشوکت والے لے کر آتے ہیں، یہ اللہ تعالیٰ کا جو بادشاہوں کا بادشاہ ہے، پیغمبر ہونے کا دعویٰ کرتا ہے اور پھر معمولی آدمیوں کی طرح ہر کام خود کرتا ہے، نہ کوئی شان وشوکت کا اس کے پاس سامان ہے، اور نہ کوئی لاؤلشکر اس کے ساتھ ہے۔

کافروں کی شُبہات کے جوابات

کافر اور مشرک جو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغمبر ہونے اور قرآن پر اعتراض کیا کرتے تھے، یہاں سے ان کے اعتراضات اور پھر جوابات کا سلسلہ شروع ہو کر کچھ دور تک چلا ہے۔

پہلا اعتراض: یہ تھا کہ قرآن کوئی اللہ کیطرف سے اتارا ہوا کلام نہیں بلکہ آپ نے اس کو خود ہی گھڑ لیا ہے، یا یہ کہ پچھلے لوگوں کے قصے یہودیوں، عیسائیوں سے سن کر لکھوا لیتے ہیں اور چونکہ خود اُمّی ہیں، نہ لکھنا جانتے ہیں نہ پڑھنا؛ اس لئے لکھے ہوئے قصوں کو صبح و شام سنتے رہتے ہیں تا کہ وہ یاد ہو جائیں پھر لوگوں کے سامنے جا کر یہ کہہ دیتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔

اس اعتراض کا جواب قرآن کریم نے یہ دیا کہ یہ کلام خود اس پر گواہ ہے کہ اس کے اتارنے والے اللہ تعالیٰ ہیں، جو آسمانوں اور زمین کے سب خفیہ رازوں سے باخبر ہے؛ اسی لئے قرآن کو ایک کلام بنایا اور ساری دنیا اس کی مثال نہیں لاسکی، اگر اسکو تم خدا کا کلام نہیں مانتے کسی انسان کا کلام سمجھتے ہو تو تم بھی انسان ہو اس جیسا کلام زیادہ نہیں تو ایک سورت بلکہ ایک آیت ہی بنا کر دکھلا دو، اور یہ چیلنج جس کا جواب دینا عرب کے لوگوں کے لئے کچھ بھی مشکل نہیں مگر کسی کو اتنی جرأت نہیں ہوئی کہ قرآن کی ایک سورۃ کے مقابلہ میں اس جیسی دوسری سورۃ ہی لکھ لائے، حالانکہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت میں اپنا مال اپنی اولاد اور اپنی جان تک خرچ کرنے کو تیار ہو گئے، یہ مختصر سی بات نہ کر سکے کہ قرآن کی مثل ایک سورت لکھ لاتے، یہ اس بات کی واضح دلیل ہے، ورنہ دوسرے انسان بھی ایسا کلام لکھ کر لاسکتے۔

دوسرا اعتراض: یہ تھا کہ اگر یہ پیغمبر ہوتے تو عام انسان کی طرح کھاتے پیتے نہیں، بلکہ فرشتوں کی طرح کھانے پینے کی ضرورت نہیں ہوتی، اور اگر یہ بھی نہ ہوتا تو کم از کم ان کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے اتنے

خزانے یا باغات ہوتے کہ ان کو اپنے رزق روزی کی فکر نہ کرنا پڑتی، بازاروں میں چلنا پھرنا نہ پڑتا، اس کے علاوہ ان کا اللہ کیطرف سے پیغمبر ہونا ہم کیسے مان لیں کہ اول تو یہ فرشتہ نہیں، دوسرے کوئی فرشتہ بھی ان کے ساتھ نہیں رہتا جو ان کے ساتھ ان کے کلام کی تصدیق کیا کرے؛ اس لئے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان پر کسی نے جادو کر دیا ہے جس سے ان کا دماغ چل گیا اور یہ ایسی بے سروپا باتیں کہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا: دیکھو تو! یہ لوگ آپ کی شان میں کیسی کیسی عجیب عجیب باتیں کرتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہے کہ یہ سب گمراہ ہو گئے اور اب ان کو راہ ملنے کی کوئی صورت نہ رہی۔

پیغمبر کیسا ہوتا؟

لَوْلَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُوْنَ مَعَهٗ نَذِيْرًا ۟ۙ اَوْ يُلْقٰٓى اِلَيْهِ

کیوں نہ | اتارا گیا | طرف اس کی | کوئی فرشتہ | کہ ہوتا | ساتھ اس کے | ڈرانے والا (۷) | یا | ڈالا جاتا | طرف اس کی

يُلْقٰٓى اِلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ تَكُوْنُ لَهٗ جَنَّةٌ يَّاْكُلُ مِنْهَا ۭ وَ قَالَ

ڈالا جاتا | طرف اس کی | کوئی خزانہ | یا | ہوتا | اس کا | کوئی باغ کہ | کھاتا وہ | میں سے اس | اور | کہا

الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ۝۸

ظالموں نے | نہیں | پیروی کرتے تم | مگر | ایسے مرد کی جو جادو میں پھنسا ہوا ہے (۸)

بامحاورہ ترجمہ: اس کے پاس کوئی فرشتہ کیوں نہ بھیجا گیا جو اللہ تعالیٰ کیطرف سے لوگوں کو ڈرانے والا ہوتا۔ (۷) یا اسے کوئی خزانہ دے دیا جاتا یا اس کے پاس کوئی باغ ہوتا کہ اس میں کھایا کرتا، اور یہ ظالم کہتے ہیں کہ تم ایک جادو میں مبتلا آدمی کی پیروی کرتے ہو۔ (۸)

تفسیر

اس آیت میں ارشاد ہے کہ: فرشتوں کی فوج نہ سہی تو کم سے کم ایک فرشتہ ضرور ہی ہونا چاہیے تھا، جو ہر دم

اس کے ساتھ ساتھ رہتا اور اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرانے میں اس کا ساتھ دیتا، جس کا لوگوں پر رعب پڑتا، اور جس کی وجہ سے لوگ اس کی بات سنتے۔

مال و دولت کا ایک بہت بڑا حصہ اس کے قبضہ میں ہوتا، جس سے لوگوں کو خوب مال دیتا اور لوگ دوڑ دوڑ کر اس کے پاس آتے، یہ نہیں تو پھر یہ ایک بڑا زمیندار اور رئیس ہوتا، بڑے میوے دار درختوں سے بھرے ہوئے باغ اس کے پاس ہوتے، اس میں فراغت کے ساتھ کھاتا کھلاتا، جب اس کے پاس ان میں سے کچھ بھی نہیں، تو پھر ہم کیسے مان لیں کہ یہ اللہ کا پیغمبر ہے؟

اب تو لوگو! ہمارے خیال میں اگر تم نے اس کی سنی تو اس کے سوا کچھ نہیں کہ ایک ایسے شخص کی بات سنو گے، جس پر کسی نے جادو کر دیا ہو۔

یہ نہ مانیں گے

ع ۹ ۱۶ اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا ﴿٩﴾

دیکھ تو | کیسی | بیان کرتے ہیں | آپ پر | مثالیں | گمراہ ہو گئے | پس نہیں | پا سکتے | راستہ (۹)

با محاورہ ترجمہ:۔ دیکھو! یہ لوگ آپ پر کیسی مثالیں بٹھاتے ہیں یہ تو گمراہ ہو گئے، پس! اب راستہ نہیں پا سکتے۔(۹)

تفسیر

عرب کے اکثر لوگ واقعی ناسمجھی کی وجہ سے یا جان بوجھ کر اپنے طریقے کو بچانے کے لئے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اہمیت کو ہر طرح گھٹانے کی کوشش کرتے تھے، کبھی کہتے اس نے خود جھوٹ موٹ کہانیاں گھڑ کر ان کا نام قرآن رکھ لیا ہے، کبھی کہتے دوسروں سے سن کر کچھ قصے یاد کر لئے ہیں اور اسی کو دہراتا اور طرز بدل کر بار بار بیان کرتا رہتا ہے، کبھی کہتے کہ کسی نے اس پر جادو کر دیا ہے؛ اس لئے بہکی بہکی باتیں کرتا ہے، بعض لوگ آپ کو خود

جادوگر بتاتے ، یا کاہن یا شاعر کہتے ، جو ان کے نزدیک کسی جن کے زیر اثر ہوا کرتا تھا ، بعض لوگ صاف صاف آپ کو (معاذ اللہ) مجنون کہتے ، غرض ! آپ کو ایسے لوگوں کے برابر قرار دیتے ، جنہیں اونچے طبقے کے لوگوں میں کوئی حیثیت یا عزت حاصل نہیں ہوتی ۔

ارشاد ہے کہ : آپ نے دیکھا ، یہ لوگ اوروں کو آپ کی حالت سمجھانے کے لئے کیسی کیسی مثالیں بیان کرتے ہیں ، اور آپ کو ان میں سے کسی کے برابر ثابت کرنا چاہتے ہیں ، یہ مختلف چیزوں کا چھانٹنا اور آپ کو کبھی کس نام سے کبھی کس نام سے یاد کرنا خود اس بات کی علامت ہے کہ یہ خود گھبرائے ہوئے ہیں ، اور جانتے ہیں کہ ان میں سے کوئی چیز بھی آپ پر واقعتاً فٹ نہیں آتی ، حیران ہیں کیا کریں ۔

ظاہر ہے کہ ان کی جہالت یا ہٹ دھرمی انہیں بالکل لے ڈوبے گی ، یہ ٹھیک طریقہ سے بالکل بھٹک چکے ہیں ، ایسے آدمیوں سے کوئی امید نہیں کہ یہ کوئی ٹھیک رائے قائم کر سکیں گے ، ان کو ان کی خود غرضیوں نے باؤلا کر ڈالا ہے ، صرف یہ چاہتے ہیں کہ کسی طرح انہی کا پرانا طریقہ قائم رہے اور آپ کی بات کوئی نہ سنے ، ایسے لوگ سیدھی راہ کیسے پا سکتے ہیں ۔

اللہ کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : اسلام کی ابتداء غریبوں سے ہوئی اور آخر میں بھی غریب طبقے میں سمٹ کر رہ جائے گا ، اکثر نچلے اور درمیانے طبقے کے لوگ ہی ہدایت قبول کرتے ہیں ۔

مال و دولت پیغمبری کا معیار نہیں

تَبٰرَكَ الَّذِیْٓ اِنْ شَآءَ جَعَلَ لَكَ خَیْرًا مِّنْ ذٰلِكَ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ

برکت والا ہے وہ جو اگر چاہے کردے آپ کیلئے زیادہ اچھی چیزیں اس سے باغات کہ بہتی ہوں

مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ وَ یَجْعَلْ لَّكَ قُصُوْرًا ⑩

سے نیچے ان کے نہریں اور بنادے آپ کیلئے محل (۱۰)

بامحاورہ ترجمہ:۔ بڑی برکت والا ہے وہ (اللہ) چاہے تو آپ کو اس سے بھی بہتر چیزیں دے دے ایسے باغات جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں اور آپ کے واسطے محل بنا دے۔ (۱۰)

تفسیر

مکہ کے کافر قرآن کریم اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی بابت جو باتیں بناتے تھے، وہ محض اس لئے تھیں کہ ان کی اپنی شان وشوکت پر جو ان کے باپ دادا کی وجہ سے مدتوں میں جا کر قائم ہوئی تھی آنچ نہ آنے پائے، اس خود غرضی کے جذبے کے تحت وہ بوکھلا گئے تھے، کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ آپ کی صاف صاف باتیں ایک نہ ایک دن رنگ لا کر رہیں گی، اتنی ہمت نہ تھی کہ اپنا نقصان برداشت کر کے دین حق کی تائید کرتے اور نہ اتنی دور تک ان کی نظر جاتی تھی کہ انجام کار آپ کی بات ماننے میں سراسر انہی کا بھلا ہوگا، وہ یہ نہ سمجھ سکے کہ آپ کی باتیں ذاتی نفع کے لئے نہیں بلکہ اس سے ان کو اور ان کے ذریعے دنیا بھر کو زندگی بسر کرنے کا سیدھا اور صحیح راستہ بتانا مقصود ہے۔

قرآن مجید ان کی بیوقوفی ظاہر کرتا ہے، ان آیتوں میں ارشاد ہے کہ: اللہ تعالیٰ کے پاس کیا کچھ نہیں وہ چاہتا تو اے پیغمبر! آپ کو ان کے کہنے سے بھی بڑھ چڑھ کر ساز وسامان عطا کر دیتا، آپ کے سرسبز وشاداب ہرے بھرے باغ ہوتے، درختوں کے نیچے نہریں بہ رہی ہوتیں، اور آپ کے رہنے کے لئے ایک نہیں بہت سے عالی شان محل اور مکانات ہوتے، لیکن اس سے لوگوں کو آخرت میں کیا فائدہ ہوتا؟ انسان کا فائدہ تو اس میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم پورا کرنے کے لئے ہر وقت تیار رہے، اور آخرت میں اس کا بہترین اجر پائے۔

قیامت کا انکار

بَلْ كَذَّبُوْا بِالسَّاعَةِ ۚ وَاَعْتَدْنَا لِمَنْ كَذَّبَ بِالسَّاعَةِ سَعِيْرًا ﴿۱۱﴾

نہیں بلکہ جھٹلاتے ہیں وہ قیامت کو اور تیار کی ہے ہم نے اس کیلئے جو جھٹلائے قیامت کو آگ (۱۱)

بامحاورہ ترجمہ:۔ کچھ نہیں وہ قیامت کو جھٹلاتے ہیں اور جو قیامت کو جھٹلاتا ہے اس کے لئے ہم نے آگ بنا رکھی ہے۔ (۱۱)

تفسیر

اس آیت میں ارشاد ہے کہ: اللہ تعالیٰ کے پیغمبر کو جھٹلانے اور قرآن کا انکار کرنے کی کوئی وجہ نہیں، بات اتنی ہے کہ یہ مرنے کے بعد دوبارہ جینے اور آخرت میں عملوں کے حساب اور جزا و سزا پر یقین نہیں رکھتے، ان کے دل میں یہ خیال بیٹھا ہوا ہے کہ دنیا کی زندگی ہی ہے جو کچھ ہے، مرنے کے بعد کیا رکھا ہے؟ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ارشاد ہے کہ: ان سے کہہ دو، جو لوگ قیامت پر ایمان نہیں رکھتے، ان کے لئے ہم نے بھڑکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے، مرنے کے بعد پھر زندہ ہو کر اٹھنا ضروری ہے جو ہو کر رہے گا، اور ان فرمانوں کو اسی آگ میں جھونک دیا جائے گا، اور ہمیشہ اسی میں جلتے رہیں گے۔

دوزخ ہولناک ہے

إِذَا رَأَتْهُم مِّن مَّكَانٍ بَعِيدٍ سَمِعُوا لَهَا تَغَيُّظًا وَزَفِيرًا ﴿١٢﴾

جب دیکھے گی وہ آگ انہیں سے جگہ دور کی تو سنیں گے وہ اس کا جوش اور خروش (۱۲)

بامحاورہ ترجمہ: ۔ جب وہ آگ دور سے انہیں دیکھے گی تو وہ اس کا جھنجلانا اور چلّانا سنیں گے۔ (۱۲)

لفظی تحقیق: تَغَيُّظ: غصہ کا جوش مارنا۔ اس کا مادہ: غ۔ ی۔ ظ۔ ہے۔ غیظ، غصہ کے جوش کو کہتے ہیں۔

زَفِيرًا: چیخ۔ اس کا مادہ: ز۔ ف۔ ر۔ زَفِيْر کے معنٰی زور کی آواز کے ہیں، یہاں اس سے مراد وہ آواز ہیں، جو غصہ کے جوش میں نکلے۔

تفسیر

ارشاد ہے کہ: جس آگ سے انہیں ڈرایا جا رہا ہے وہ ایک جوش مارنے والی انتہائی ہولناک چیز ہے، اس کا تصور اس دنیا میں مشکل ہے۔

جب اسے یہ کافر جو اس وقت اپنی نادانی سے آخرت کا انکار کر رہے ہیں، دور سے نظر آئیں گے تو وہ غضب ناک شیر کی طرح غیظ وغضب میں بھر جائے گی، اور انتہائی ڈراؤنی آواز سے دھاڑنا شروع کر دے گی، اور ان کافروں کو اپنے سامنے دیکھ کر آپے سے باہر ہو جائے گی، اس کے جوش اور غضب کا کچھ ٹھکانا نہ ہوگا۔

وہاں موت بھی نہیں

وَ اِذَاۤ اُلْقُوْا مِنْهَا مَكَانًا ضَیِّقًا مُّقَرَّنِیْنَ دَعَوْا هُنَالِكَ ثُبُوْرًا ﴿۱۳﴾

اور جب ڈالے جائیں گے اس کی ایک جگہ تنگ میں آپس میں کئی کئی جکڑے ہوئے پکاریں گے وہ وہاں موت کو (۱۳)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور جب وہ اس کے اندر ایک تنگ جگہ میں ایک زنجیر میں کئی کئی بندھے ہوئے ڈالے جائیں گے تو وہ موت کو پکاریں گے۔ (۱۳)

لفظی تحقیق: مُقَرَّنِیْنَ: باہم جکڑے ہوئے۔ مُقَرَّن کی جمع ہے جو اسم مفعول ہے "تَقْرِیْن" سے جو: ق۔ ر۔ ن۔ سے بنا ہے۔ قَرْنٌ کے معنیٰ ملانے کے ہیں۔ "تَقْرِیْن" میں مبالغہ ہے، یعنی: سختی سے جکڑنا، بہت سے آدمیوں کو ملا کر جکڑ دینا ایک آدمی کے ہاتھ پاؤں گردن میں جکڑ دینا۔ ثُبُوْرًا: موت۔ اس کا مادہ: ث۔ ب۔ ر۔ ثُبُوْر کے معنی ہلاکت، تباہی، موت اور بربادی کے ہیں، یعنی: مصیبت سے گھبرا کر موت کو بلائیں گے۔

تفسیر

پچھلی آیتوں سے معلوم ہوا کہ دوزخ ایک آگ کی خندق ہے، جس کا جوش آنکھوں سے دیکھ کر اور کانوں سے سن کر کافروں کے ہوش اُڑ جائیں گے، ادھر کافروں کو دیکھ کر اس کا جوش اور بھی تیز ہو جائے گا، اس آیت میں بیان ہے کہ پھر جب ان کافروں کو آپس میں زنجیروں میں جکڑ کر اس کے تنگ کونے میں ڈال دیا جائے گا، تو پھر ان

کی بے چینی اور گھبراہٹ کا کچھ ٹھکانا ہی نہ ہوگا، پھوٹ پھوٹ کر روئیں گے، چلّائیں گے اور موت کو پکاریں گے کہ وہی آ کر تکلیف وعذاب سے ان کی جان چھڑائے، لیکن وہاں موت کہاں؟

دوزخ میں تنگ جگہ میں ڈالنے کے متعلق بعض روایتوں میں آتا ہے کہ دوزخیوں کو کسی تنگ وتاریک مقام پر اس طرح ٹھونس دیا جائے گا، جس طرح کسی پتھر میں کیل ٹھونک دیا جائے، اس کے علاوہ حشر کے دن کی تنگی بھی ہوگی؛ اسی لئے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا میں سکھایا ہے:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنْ ضِیْقِ الدُّنْیَا وَ ضِیْقِ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ.

ترجمہ: اے اللہ! میں تیری ذات کے ساتھ دنیا اور قیامت کے دن کی تنگی سے پناہ چاہتا ہوں۔

حشر کی تنگی کے متعلق روایتوں میں آتا ہے کہ لوگوں کو پاؤں ٹکانے کی جگہ بھی میسر نہیں آئے گی، اوپر سے گرمی اور پسینہ ہوگا، اور پھر دوزخ کی تنگی کا تو کیا ہی کہنا؟

ایک موت سے کیا ہوگا؟

لَا تَدْعُوا الْیَوْمَ ثُبُوْرًا وَّاحِدًا وَّ ادْعُوْا ثُبُوْرًا کَثِیْرًا ﴿۱۴﴾

مت بلاؤ آج موت ایک اور بلاؤ موت بہت سی (۱۴)

بامحاورہ ترجمہ: آج کے دن ایک موت کو نہیں (بلکہ) بہت سی موتوں کو پکارو۔ (۱۴)

تفسیر

اس آیت میں بے چینی اور اضطراب کی شدت کا حال اور بھی زیادہ واضح کیا گیا ہے، دنیا میں جب انسان کسی آفت سے بہت زیادہ گھبرا جاتا ہے تو موت کو پکارتا ہے، کیونکہ وہ سمجھتا ہے مر کر اس آفت سے چھوٹ جاؤں گا، بہر حال اس کی موت کی تمنا سے اس کے دکھ اور درد کا برداشت سے باہر ہونا ثابت ہوتا ہے، جس کے دور کرنے

کے لئے وہ موت کو پکار رہا ہے۔

ارشاد ہے کہ: ایک موت کے پکارنے سے دوزخ کے عذاب کا اندازہ جیسا کہ کرنا چاہئے نہیں کیا جاسکتا بہت سی موتوں کو پکارنا شاید اس تکلیف کو کچھ کم کر سکے۔

پرہیز گاروں کا انجام

قُلْ اَذٰلِكَ خَيْرٌ اَمْ جَنَّةُ الْخُلْدِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ؕ كَانَتْ

آپ کہیں کیا یہ بہتر ہے یا جنت ہمیشگی کی جس کا وعدہ کیا گیا ہے پرہیزگاروں سے ہوگا وہ

لَهُمْ جَزَآءً وَّ مَصِيْرًا ﴿۱۵﴾

ان کیلئے بدلہ اور لوٹنے کی جگہ (۱۵)

با محاورہ ترجمہ: آپ کہیں بھلا! یہ چیز بہتر ہے یا ہمیشہ رہنے والی جنت جس کا وعدہ پرہیز گاروں سے ہو چکا، وہ ان کا بدلہ ہوگا اور لوٹنے کی جگہ۔ (۱۵)

تفسیر

ارشاد ہے کہ: ان سے پوچھو کہ! اللہ کے پیغمبر اور ان کی باتوں کو جھٹلا کر ایسی مصیبت میں پھنسنا اچھا ہے یا ان کا کہنا مان کر اور قرآن مجید کے حکموں کے مطابق برے کاموں سے بچ کر جنت میں ہمیشہ کے لئے رہنا بہتر ہے، ان سے کہہ دو کہ اللہ تعالیٰ سے ڈر کر گناہوں سے بچنے والوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا ہے کہ ان کو ہمیشہ رہنے کے لئے جنت دی جائے گی اور وہ اس کا بدلہ ہوگا کہ انہوں نے دنیا کی زندگی اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار بن کر بسر کی ہوگی اور اس کے پیغمبر کے کہنے کے مطابق قرآن مجید کے حکموں پر عمل کرنے میں گزاری ہوگی۔

قیامت کے دن اور لوگ تو اپنے برے عملوں کی سزا میں مبتلا ہوں گے، اور مرنے سے بدتر حالت میں آگ کے اندر پڑے سسک رہے ہوں گے، اور ان فرمانبرداروں کا ٹھکانا جنت ہوگا۔

ہر خواہش پوری ہوگی

لَهُمْ فِيهَا مَا يَشَآءُوْنَ خٰلِدِيْنَ ؕ كَانَ عَلٰى رَبِّكَ وَعْدًا مَّسْـُٔوْلًا ⑯

واسطے ان کے اس میں ہیں جو وہ چاہیں ہمیشہ رہتے ہوئے ہو چکا یہ پر رب آپ کے وعدہ جو مانگے ملے گا (۱۶)

بامحاورہ ترجمہ:۔ ان کے واسطے وہاں ہے جو چاہیں ہمیشہ رہتے ہوئے یہ تیرے رب کا وعدہ ہے لازم۔ (۱۶)

لفظی تحقیق: مَسْئُوْلٌ: سوال کیا گیا۔

تفسیر

اس آیت میں جنت کی کیفیت کا زیادہ بیان ہے، ارشاد ہے کہ: ہمیشہ کا ٹھکانا ہونے کے علاوہ انہیں وہاں وہ سب کچھ ملے گا، جس کی وہ خواہش کریں گے اور پھر یہ ایک دو دفعہ نہیں، بلکہ جب اور جتنی دفعہ کسی خواہش کا اظہار کریں گے اتنی ہی دفعہ ان کی خواہش پوری ہوگی۔

اس کے بعد ارشاد ہے کہ: یہ ہمیشہ کی جنت جس میں رہنے والے کی تمنا ہر وقت اور ہمیشہ پوری ہوگی، کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس کا ذکر سرسری طور پر سننے والوں کے دل خوش کرنے کے لئے کر دیا گیا ہو، یہ آپ کے رب کا پکا وعدہ ہے جو یقیناً پورا ہوگا، اور اس لئے اس کے پورا کرنے کو اپنے اوپر لازم کر کے اپنے بندوں کو اجازت دی ہے کہ وہ اس کے پورا ہونے کی درخواست کیا کریں۔

معبودوں سے پوچھ گچھ

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَقُوْلُ ءَاَنْتُمْ

اور جس دن جمع کرے گا انہیں اور جنہیں پوجتے تھے وہ سوا اللہ کے پس کہے گا کیا تم نے

اَضْلَلْتُمْ عِبَادِيْ هٰٓؤُلَآءِ اَمْ هُمْ ضَلُّوا السَّبِيْلَ ﴿١٧﴾

بہکایا تھا بندوں میرے کو ان کو یا وہ خود بہکے راہ سے (۱۷)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور جس دن (اللہ تعالیٰ ان کو اور جن کی وہ عبادت کرتے تھے دونوں کو جمع کرینگے اور ان سے کہیں گے) کیا تم نے میرے ان بندوں کو بہکایا یا وہ خود ہی راستے سے بہک گئے۔ (۱۷)

تفسیر

اس آیت میں ارشاد ہے کہ: اللہ تعالیٰ سب کو ان کے جھوٹے معبودوں سمیت ایک جگہ جمع کریگا، پھر ان معبودوں سے پوچھے گا کہ یہ لوگ جو تمہارے سامنے کھڑے ہیں، بتاؤ! کیا تم نے ان سے کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ کا انکار کرکے یا اس کو مانتے ہوئے بھی تمہاری عبادت کریں، یا خود بہ خود گمراہ ہو کر یہ تمہاری عبادت کرنے لگے، آج اس کا فیصلہ ہمیں کرنا ہے کہ ان کے بہکانے والے تم تھے، یا خود تھے۔

وَ يَوْمَ يَحْشُرُهُمْ وَ مَا يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ: اللہ کے سوا معبودوں میں پیغمبر، اولیاء، فرشتے، اور جنات بھی ہونگے، تو اس وقت اللہ تعالیٰ ان سے فرمائیں گے، کیا دنیا میں تم نے میرے ان بندوں کو گمراہ کیا؟ یہ لوگ تمہاری عبادت کرتے تھے، کیا تم نے اپنے عبادت کا حکم دیا تھا؟ اور انہیں شرک میں مبتلا کیا تھا؟ یا یہ لوگ خود سیدھے راستے سے بھٹک گئے تھے، "سورہ مائدہ" میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے براہِ راست اس قسم کے سوال کا ذکر بھی آتا ہے۔ (آیت ۱۱۶) اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے سوال کریں گے کہ کیا تو نے ان لوگوں کو کہا تھا کہ مجھے اور میری والدہ کو اللہ کے سوا معبود بنالو؟ تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نہایت عاجزی کے ساتھ جواب دیں گے کہ پروردگار! آپ کی ذات پاک ہے، بھلا! میں وہ بات کیسے کرسکتا ہوں جس کے کرنے کا مجھے حق نہیں ہے۔

حقیقت کا اظہار

قَالُوْا سُبْحٰنَكَ مَا كَانَ يَنْۢبَغِيْ لَنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ مِنْ دُوْنِكَ مِنْ اَوْلِيَآءَ

وہ کہیں گے پاک ہیں آپ نہ تھا لائق ہمارے لئے یہ کہ بنائیں ہم سوا آپ کے کوئی مددگار

بامحاورہ ترجمہ:۔ بولیں گے اے اللہ! آپ کی ذات پاک ہے ہمارے لائق نہیں کہ آپ کے سوا کسی کو اپنا مددگار بنائیں۔

غفلت کا سبب

وَ لٰكِنْ مَّتَّعْتَهُمْ وَ اٰبَآءَهُمْ حَتّٰى نَسُوا الذِّكْرَ ۚ وَ كَانُوْا قَوْمًۢا بُوْرًا ﴿۱۸﴾

اور لیکن فائدہ دیا آپ نے ان کو اور ان کے باپ دادوں کو یہاں تک کہ بھول گئے وہ آپ کی یاد اور تھے وہ لوگ تباہ ہونے والے(۱۸)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور لیکن آپ ان کو اور ان کے باپ دادوں کو فائدے پہنچاتے رہے یہاں تک کہ وہ آپ کی یاد بھلا بیٹھے اور اور یہ تباہ ہونے والے لوگ بن گئے۔(۱۸)

لفظی تحقیق: **بُوْرًا:** تباہ ہونے والے۔ "بَائِرٌ" کی جمع ہے۔

تفسیر

قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے سامنے اس کے بھلا دینے والے بندے ایک طرف اور ان کے گھڑے ہوئے معبود دوسری طرف برابر یا آمنے سامنے کھڑے ہوں گے ان لوگوں کا جرم ثابت کرنے کیلئے ان کے خود

اپنے بنائے معبودوں سے سوال ہوگا، کیا تم نے اس سے کہا تھا کہ یہ تمہاری عبادت کریں اور مجھ سے منہ موڑ لیں یا یہ خود مجھے چھوڑ کر تمہیں اپنا ولی، مددگار اور معبود بنا بیٹھے؟ وہ جواب دیں گے کہ ہماری کیا مجال تھی جو انہیں اپنی عبادت کے لئے کہتے، ہمارے پاس ان کو دینے کیلئے تھا ہی کیا؟ ہم خود آپ ہی کے سہارے جیتے تھے اور آپ ہی ہمارے ولی اور مددگار تھے، ان لوگوں کو اتنی سی بات بھی نہ سوجھی کہ جو خود محتاج ہو وہ دوسرے کی کیا مدد کر سکتا ہے۔

مَا كَانَ يَنۢبَغِيْ لَنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ مِنْ دُوْنِكَ مِنْ اَوْلِيَآءَ: مطلب یہ کہ مشرک لوگ دنیا میں جن نیک لوگوں (پیغمبروں، ولیوں کو) کو اپنا مشکل کشا اور حاجت رواں سمجھتے رہے، وہ قیامت والے دن اپنی معبود ہونے کا صاف انکار کردیں گے، وہ کہیں گے کہ ہم نے تو ان کو نہیں کہا تھا کہ ہمیں اپنا معبود بنالو، انہوں نے تو شیطان کے بہکاوے میں آکر اور اپنی خواہش کی بناء پر ہمیں اپنا معبود بنالیا، اس میں ہمارا کوئی دخل نہیں ہے، پھر وہ نیک لوگ کہیں گے کہ مولا کریم! اصل بات یہ ہے کہ آپ نے ان کو اور ان کے باپ دادوں کو دنیا میں طرح طرح کا فائدہ پہنچایا، ان کو اپنی نعمتوں سے نوازا، دنیا کی زندگی میں ان کو خوشحال بنایا، یہاں تک کہ یہ آپ کی یاد کو ہی بھول گئے، یہ لوگ دنیا کی خوشحالی میں اس قدر لگ گئے کہ اپنے پروردگار کو بھی بھلا بیٹھے، ور یہ تباہ و برباد ہونے والے لوگ بن گئے۔

عذاب ٹل نہیں سکتا

فَقَدْ	كَذَّبُوْكُمْ	بِمَا	تَقُوْلُوْنَ	فَمَا	تَسْتَطِيْعُوْنَ	صَرْفًا	وَّ
تحقیق	وہ تو تمہیں جھلا چکے	اس میں جو	تم کہتے تھے	پس اب نہ	تم کر سکتے ہو	پھیرنا	اور

لَا	نَصْرًا
نہ	مدد کرنا

بامحاورہ ترجمہ: سو! وہ تو تمہیں تمہاری بات میں جھوٹا ٹھہرا چکے اب نہ تم ٹال سکتے ہو اور نہ مدد کر سکتے ہو۔

لفظی تحقیق: صَرْف: لوٹانا۔ مراد یہ ہے کہ نہ تم اپنی بات بدل سکتے ہو اور نہ سزا ٹال سکتے ہو، نَصْر: مدد

کرنا۔یعنی: یہ بھی نہیں کر سکتے کہ آپس میں ایک دوسرے کی مدد کرو، تمہیں اپنے جن جھوٹے معبودوں کی مدد پر بھروسہ تھا انہیں نے تو تمہیں ٹکا سا جواب دے ہی دیا۔

تفسیر

لوگوں کے اپنے بنائے ہوئے معبودوں کا جواب قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے بھرے دربار میں ان کے عبادت گذار جب سن لیں گے تو ان کو ارشاد ہوگا کہ اب بولو کیا کہتے ہو، دنیا میں جنہیں تم معبود کہتے تھے، انہوں نے تو تمہاری عبادت کا جواب دے دیا، اور وہ تمہیں کھلم کھلا جھوٹا کہہ رہے ہیں کہ ہمیں کیا پڑی تھی کہ ہم ان سے کہتے کہ تم ہماری بندگی کرو، ان کی بندگی سے ہمارا کیا فائدہ تھا، جو ہم انہیں ورغلاتے، یہ جھوٹ کہتے ہیں کہ ہم ان کے معبود ہیں؟ اب تم اپنی بات سے پھر نہیں سکتے اور نہ اپنے سر سے عذاب ٹال سکتے ہو، اب کوئی تمہارا مددگار بھی نہیں۔

ظالم سزا پائے گا

وَ مَنْ يَّظْلِمْ مِّنْكُمْ نُذِقْهُ عَذَابًا كَبِيْرًا ⑲

اور جو ظالم ہے تم میں چکھائیں گے ہم اسے عذاب بڑا (۱۹)

بامحاورہ ترجمہ:۔اور جو تم میں ظالم ہے اسے ہم بڑا عذاب چکھائیں گے،یعنی: جو تم میں جتنا سرکش ہوگا اتنی ہی اس کی سزا سخت ہوگی۔(۱۹)

تفسیر

جب مشرکوں کے اپنے بنائے ہوئے معبود ان سے لاتعلقی کر دیں گے تو اللہ تعالیٰ ان عبادت کرنے

والوں سے فرمائیں گے۔

فرمایا: "وَمَنْ يَّظْلِمْ مِّنْكُمْ نُذِقْهُ عَذَابًا كَبِيْرًا" تم میں سے جو کوئی ظلم کریگا، ہم اس کو بڑا عذاب چکھائیں گے، ظلم میں ہر قسم کی زیادتی شامل ہے مگر یہاں خاص طور پر ظلم سے، یعنی: کفر اور شرک مراد ہے۔

دوسرا اعتراض

وَ مَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّآ اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ

اور نہیں بھیجے ہم نے سے پہلے آپ سے پیغمبروں مگر وہ یقیناً البتہ کھاتے تھے کھانا

وَ يَمْشُوْنَ فِي الْاَسْوَاقِ ؕ

اور چلتے پھرتے تھے میں بازاروں

بامحاورہ ترجمہ: ۔اور ہم نے آپ سے پہلے جتنے پیغمبر بھیجے سب کھانا کھاتے تھے اور بازاروں میں چلتے تھے۔

تفسیر

ارشاد ہے کہ: آدمیوں میں آدمی ہی کو پیغمبر بنا کر بھیجنا مناسب ہے اور ہمیشہ سے یہی ہوتا چلا آیا ہے اے پیغمبر! ہم نے آپ سے پہلے انسانوں کی ہدایت کے لئے بہت سے پیغمبر بھیجے، سب کے سب آدمی تھے، سب کے سب کھانا بھی کھاتے تھے، ضرورت کے مطابق بازاروں میں بھی چلتے تھے۔

اس آیت میں مشرکوں کے اس اعتراض کا جواب ہے جو انہوں نے کہا تھا کہ یہ کیسا پیغمبر ہے جو کھاتا، پیتا اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے، اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: آپ سے پہلے ہم نے جو بھی پیغمبر بھیجے وہ کھانا کھاتے تھے اور بازاروں میں چلتے پھرتے تھے، مشرک اور کافر پیغمبر کے آدمی ہونے کو اور ان کے کھانے

پینے اور بازاروں میں چلنے کو پیغمبری کے خلاف سمجھتے تھے، اور کہتے تھے کہ ہماری طرح کھانے پینے اور چلنے پھرنے والا پیغمبر کیسے ہوسکتا ہے؟ مگر اللہ تعالیٰ نے ان کے اس غلط خیال کو رد کیا اور فرمایا کہ: تمام پیغمبر انسان تھے۔

آزمائش مقصود ہے

وَ جَعَلْنَا بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَةً ؕ اَتَصْبِرُوْنَ ۚ وَ كَانَ

اور | کیا ہم نے | بعض تمہارے کو | بعض کیلئے | آزمائش | کیا تم ثابت قدم رہتے ہو | اور | ہے

رَبُّكَ بَصِيْرًا ﴿۲۰﴾ ع ۲ ۱۱ ۱۷

رب آپ کا | سب کچھ دیکھنے والے (۲۰)

بامحاورہ ترجمہ:۔اور ہم نے تمہیں ایک دوسرے کی آزمائش کا ذریعہ بنایا ہے، دیکھیں کہ تم ثابت قدم بھی رہتے ہو، اور آپ کا رب سب کچھ دیکھتا ہے۔ (۲۰)

تفسیر

وَ جَعَلْنَا بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَةً: ہم نے تم میں سے بعض کو بعض کے لئے آزمائش کا ذریعہ بنایا ہے، اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے مختلف طبقوں کو ایک دوسرے کے لئے آزمائش کا ذریعہ بنایا ہے، مثلاً: اللہ تعالیٰ کے پیغمبر منکروں کے لئے آزمائش کا ذریعہ ہیں اور وہ پیغمبر کے لئے آزمائش کا ذریعہ ہیں، جب کافر اور مشرک توہین آمیز باتیں کرتے ہیں تو یہ چیزیں اللہ تعالیٰ کے پیغمبر اور ایمان والوں کے لئے آزمائش ہوتی ہیں کہ وہ کس حد تک صبر سے کام لیتے ہیں، اسی طرح اللہ تعالیٰ کے پیغمبر اور ایمان والوں کے لئے نافرمان لوگ آزمائش کا ذریعہ ہیں کہ وہ ان کی اطاعت کرکے اپنے لئے آخرت کا سامان پیدا کرتے ہیں یا نافرمانی کرکے ہمیشہ کے لئے دوزخ کا ایندھن بنتے ہیں؛ اسی لئے فرمایا کہ: ہم نے تم میں سے بعض کو بعض کے لئے آزمائش کا ذریعہ بنایا ہے، اب دیکھنا یہ ہے کہ تم اس آزمائش میں کس حد تک پورا اُترتے ہو۔

وَ كَانَ رَبُّكَ بَصِيْرًا: تیرا پروردگار سب کو دیکھ رہا ہے، دنیا جہان کی ہر چیز اس کی نگاہ میں ہے وہ انسانوں کی نیت اور ارادے کو بھی جانتا ہے اور پھر وہ ہر ایک کے ساتھ اس کے عمل کے مطابق ہی سلوک کریگا۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان مبارک ہے: جب تم میں سے کوئی شخص ایسے شخص کو دیکھے جو تم میں مالدار اور جسم میں فضیلت رکھتا ہو، یعنی: اللہ نے اس کو مال بھی زیادہ دیا ہے اور صحت بھی اچھی عطا کی ہے، تو اسے چاہئے کہ وہ اپنے سے کم تر آدمی کی طرف دیکھے۔

"ترمذی شریف" کی روایت میں ہے کہ اگر ایسا کروگے تو اللہ تعالیٰ کی نعمت کو حقیر نہیں سمجھو گے، بلاشبہ تم سے اعلیٰ حیثیت کے لوگ بھی ہیں مگر تم سے کمزور، اور غریب لوگ بھی تو ہیں، ان کی طرف دیکھو گے تو اپنی حالت پر اللہ کا شکر ادا کروگے، اور اگر اُوپر والوں کی طرف ہی دیکھتے رہے تو پھر ناشکر گزاری میں مبتلا ہو کر اللہ کی نعمتوں سے محروم ہو جاؤ گے۔

بڑی سرکشی

الجزء ١٩

وَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا لَوْ لَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا

اور | کہا | ان لوگوں نے | جو نہیں امید رکھتے | ملاقات ہماری کی | کیوں | نہ | اترے گئے | پر ہم

الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ نَرٰى رَبَّنَا ؕ لَقَدِ اسْتَكْبَرُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ وَ عَتَوْ

فرشتے | یا | دیکھ لیتے ہم | رب اپنے کو | بہت بڑے بن رہے ہیں | میں | دلوں اپنے | اور | حد سے بڑھ گئے

عُتُوًّا كَبِيْرًا ﴿٢١﴾

حد سے بڑھنا | بڑا | (۲۱)

با محاورہ ترجمہ:۔ اور بولے وہ لوگ جو ہم سے ملنے کی امید نہیں رکھتے، ہم پر فرشتے کیوں نہ اُتارے گئے، یا ہم اپنے رب کو دیکھ لیتے، بڑا تکبر رکھتے ہیں اپنے جی میں اور شرارت میں بہت سر چڑھ گئے ہیں۔ (۲۱)

تفسیر

اس آیت میں ان کا حال بتایا گیا ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ سے ملنے کی امید نہیں رکھتے وہ کہتے ہیں کہ ہم سے فرشتے آکر کیوں نہیں کہہ دیتے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں پیغام بھیجا ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے پیغمبر ہیں، یا پھر ہم اللہ تعالیٰ ہی کو دیکھ لیتے اور وہ ان کے پیغمبر ہونے کی تصدیق کر دیتے، یہ سرکشی کی انتہاء ہے یہ اس قدر متکبر ہوئے ہیں کہ سوا فرشتوں کے کسی کی بات ہی نہیں سنتے، اور اتنے منہ پھٹ ہو گئے کہ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ کو کچھ کہنا ہے تو ہم سے خود آکر بات کرے۔ (نعوذ باللہ)

وَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا: یعنی: جو مرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کے دربار میں پہنچنے کی کوئی توقع نہیں رکھتے۔ "رجا" کا معنیٰ امید بھی ہوتا ہے اور خوف بھی۔ خوف کی صورت میں اس کا معنیٰ یہ ہوگا کہ نہ انہیں اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہونے کی امید ہے اور نہ خوف، وہ گستاخی کی یہ باتیں کہتے تھے کہ ہم پر فرشتے کیوں نہیں اتارے جاتے۔ اگر پیغمبر پر فرشتے وحی لاتے ہیں تو وہ ہمارے پاس کیوں نہیں آتے تاکہ ہمیں بھی یقین ہو جائے کہ وہ واقعی اللہ تعالیٰ کا پیغام لاتے ہیں، ہم خود اپنے پروردگار کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں اور اس سے خود بات کریں، گویا کافروں اور مشرکوں نے ایمان لانے کے لئے فرشتوں اور اللہ تعالیٰ کو اپنے سامنے لا کھڑا کرنے کی شرط لگا دی۔ فرمایا: انہوں یہ بات کر کے اپنے جی میں کس قدر تکبر کیا کہ وہ فرشتوں اور اللہ تعالیٰ کو اپنے سامنے دیکھنا چاہتے ہیں، یہ مطالبہ کر کے انہوں نے حد سے بڑھ کر سرکشی کی، کام تو ان کے کفر اور شرک والے ہیں مگر اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ سے آمنے سامنے کرنے کا اہل سمجھتے ہیں، یہ بڑی بے ادبی اور گستاخی کی بات ہے۔

کافروں کو تنبیہ (وارننگ)

يَوْمَ يَرَوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ لَا بُشْرٰى يَوْمَئِذٍ لِّلْمُجْرِمِيْنَ وَ يَقُوْلُوْنَ
جس دن دیکھیں گے وہ فرشتوں کو نہیں خوشخبری اس دن واسطے مجرموں کے اور وہ کہیں گے

حِجْرًا مَّحْجُوْرًا ﴿۲۲﴾ وَ قَدِمْنَآ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ
کوئی آڑ ہو روکی ہوئی (۲۲) اور پہنچے ہم طرف اسکی جو وہ کرتے تھے کام پس کرڈالا ہم نے اسے

هَبَآءً مَّنْثُوْرًا ﴿۲۳﴾ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ يَوْمَئِذٍ خَيْرٌ مُّسْتَقَرًّا وَّ
دھول پھیلی ہوئی (۲۳) والے جنت اس روز بہت اچھے ہیں ٹھکانے کے لحاظ سے اور

اَحْسَنُ مَقِيْلًا ﴿۲۴﴾
بہتر ہیں آرامگاہ کے لحاظ سے (۲۴)

بامحاورہ ترجمہ:۔جس دن کہ فرشتوں کو دیکھیں گے اس دن گنہگاروں کے لئے کوئی خوش خبری نہیں ہے اور کہیں گے (کاش!) ہمارے درمیان آڑ ہوتی بنائی ہوئی۔(۲۲) اور ہم آپہنچے ان کے کیے ہوئے کاموں کے پاس، پس! ان کو اڑتی ہوئی غبار بنا ڈالا۔(۲۳) اس دن جنت کے لوگوں کا اچھا ٹھکانہ ہوگا اور اچھی آرام گاہ ہوگی۔(۲۴)

لفظی تحقیق: حِجْراً: کے معنیٰ روک اور آڑ کے ہیں۔ مَحْجُوْراً: وہ چیز جس کے آگے آڑ کھڑی کردی جائے۔ یہ یہاں مبالغہ کے لئے ہے، یعنی: آڑ کے آگے ایک اور آڑ ہو۔ هَبَآءً: خاک کے ذرے جو سورج کی شعاع سے چمکتے ہیں اور جنہیں غبار بھی کہتے ہیں۔

تفسیر

ارشاد ہے کہ: جس دن فرشتے ان کے سامنے آئیں گے، ان مجرموں کی کم بختی آجائے گی، اور کہیں گے۔

ٹھہراؤ! انہیں ہمارے اور ان کے درمیان دوہری تیری آڑ کھڑی کرو، رہا ان کا یہ کہنا کہ اللہ خود آئے تو ہم ان کے عملوں کے پاس پہلے ہی پہنچے ہوئے ہیں اور ان کے عملوں کو خاک کے ذروں کی طرح اڑا دیا ہے۔

فرشتوں کے اور اللہ تعالیٰ کے دیکھنے کے دن فقط جنت والے ہر لحاظ سے اچھے ہوں گے ان کی قیام گاہ اور آرام گاہ بھی اچھی ہوگی، ان مجرموں کو اس دن کوئی خوشی نصیب نہ ہوگی۔

اس وقت یہ لوگ کہیں گے، کاش! ہمارے اور اس خوفناک منظر کے درمیان کوئی آڑ ہوتی اور ہمیں یہ خوفناک منظر دیکھنا نہ ہوتا۔

قیامت کا ذکر

وَ يَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ بِالْغَمَامِ وَ نُزِّلَ الْمَلٰٓئِكَةُ
اور جس دن پھٹ جائے گا آسمان سے بادل اور اتارے جائیں گے فرشتے

تَنْزِيْلًا ﴿٢٥﴾ اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذِ الْحَقُّ لِلرَّحْمٰنِ ؕ وَ كَانَ يَوْمًا عَلَى
اتارنا (۲۵) حکومت اس دن سچی لئے رحمٰن کے ہے اور ہے وہ دن پر

الْكٰفِرِيْنَ عَسِيْرًا ﴿٢٦﴾
کافروں سخت (۲٦)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور جس دن آسمان پھٹ جائے بادل پر سے اور اتارے جائیں فرشتے لگاتار۔ (۲۵) اس دن بادشاہی سچی رحمٰن کی ہے۔ (یعنی: لوگوں کو جزا سزا دینے میں کسی کا کوئی دخل نہیں چلے گا) اور وہ دن کافروں پر مشکل ہوگا۔ (۲٦)

لفظی تحقیق: **تَشَقَّقُ**: پھٹ جائے۔ اصل میں "تَتَشَقَّقُ" تھا۔ جو مضارع کا صیغہ ہے۔ "شَقٌّ" سے جس کا مادہ: ش۔ق۔ق۔ ہے، "شَقٌّ" کے معنی پھاڑ ڈالنا، اس میں بولتے اور لکھتے وقت اول کی "ت" گر جاتی

ہے۔غَمَامِ : ابر۔غ۔م۔م۔سے" غَمٌّ " کے اصل معنٰی کسی چیز پر لیٹ کر اسے ڈھانک لینے کے ہیں، یہ ابر کی طرح کی ایک چیز ہوگی۔ جو اللہ تعالیٰ کی خاص تجلّی کو ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہوگی۔ آسمان پھٹ جائے گا۔ اور اوپر سے یہ سفید بادل نیچے اترتا نظر آئے گا۔

تفسیر

ارشاد ہے کہ: قیامت کے دن کو یاد کرو، اس روز آسمان پھٹ جائے گا، اور ایک بادل اوپر سے اترتا ہوا نظر آئے گا، پھر بے شمار فرشتے اوپر سے اُترنے شروع ہوں گے، اور لگاتار اُترتے ہی چلے آئیں گے، اس بادل میں اللہ تعالیٰ کی تجلّی ہوگی، جو حشر کے میدان میں اترے گا، اور اس کے اردگرد بے شمار فرشتوں کا ہجوم ہوگا۔

اس دن لوگوں کو معلوم ہوگا، کہ اصلی بادشاہت کس چیز کا نام ہے یہ اصلی بادشاہت ایسی ہوگی کہ اس میں اللہ تعالیٰ کے سامنے کسی کی بادشاہت نہیں چلے گی، یہ دن اللہ تعالیٰ کا انکار کرنے والوں کے لئے بہت سخت ہوگا جو باوجود اللہ تعالیٰ کے رحمٰن ہونے کے اس کی رحمت سے محروم ہوں گے۔

کافروں کی حسرت

وَ يَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيْهِ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِي اتَّخَذْتُ
اور جس دن کاٹے گا ظالم پر ہاتھوں اپنے کہے گا اے کاش کہ! میں پکڑ لیتا

مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِيْلًا ﴿۲۷﴾ يٰوَيْلَتٰى لَيْتَنِيْ لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا
ساتھ پیغمبر کے راستہ (۲۷) اے خرابی! میری کاش کہ میں نہ بناتا فلانے کو

خَلِيْلًا ﴿۲۸﴾ لَقَدْ اَضَلَّنِيْ عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ اِذْ جَآءَنِيْ ؕ وَ كَانَ
دوست (۲۸) البتہ تحقیق بہکایا اس نے سے نصیحت بعد اس کے جب وہ پہنچی پاس میرے اور ہے

الشَّيْطٰنُ لِلْاِنْسَانِ خَذُوْلًا ﴿۲۹﴾

شیطان لیے انسان کے چھوڑ جانے والا (۲۹)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور جس دن گنہگار سخت حسرت سے اپنے ہاتھوں کو کاٹ کاٹ کر کھائے گا (اور) کہے گا اے کاش! میں نے پیغمبر کے ساتھ دین کا راستہ پکڑا ہوتا۔ (۲۷) ہائے خرابی میری! کاش میں نے فلاں کو دوست نہ بنایا ہوتا۔ (۲۸) اس نے مجھے گمراہ کیا نصیحت سے جب وہ میرے پاس آئی اور شیطان آدمی کو وقت پر دغا دینے والا ہے۔ (چنانچہ کافروں کی اس حسرت کے وقت اس نے کوئی ہمدردی نہ کی)۔ (۲۹)

لفظی تحقیق: خَذُوْل: چھوڑ کر چل دینے والا۔ مبالغہ کا صیغہ ہے، خ۔ذ۔ل۔ سے "خَذْل" کے معنٰی وقت پڑنے پر چھوڑ کر چل دینا، ضرورت کے وقت کام نہ آنا۔

تفسیر

اس آیت میں ان لوگوں کی حسرت اور ندامت کا بیان ہے جو دنیا میں اللہ تعالٰی پر ایمان نہ لانے والوں کو قیامت کے دن ہوگی، آدمی دنیا میں دوسروں کو دیکھ کر خود بھی گمراہ ہو جاتا ہے اور اسلام کا سیدھا راستہ چھوڑ کر غلط راستوں پر چل پڑتا ہے، قیامت میں حقیقت سے واقف ہو کر پچھتائے گا، اور اپنے ہاتھ دانتوں سے کاٹے گا اور زبان سے پچھتاوا ظاہر کرتا جائے گا کہ ہائے! میں نے پیغمبر کی بتائی ہوئی راہ کیوں نہ اختیار کی، میں ان لوگوں کا غلام کیوں بنا رہا جو اپنی دنیاوی خواہشیں پوری کرنے کے سوا کچھ جانتے ہی نہ تھے، اس وقت وہ پچھتائے گا کہ میں نے فلاں اور فلاں کو دوست کیوں بنایا؟ اس نے تو مجھے سیدھے راستہ سے ہٹا دیا اور ان باتوں سے جن میں میری بہتری تھی مجھے دور کر دیا۔

ارشاد ہے کہ: وہ لوگ جو دوسروں کو اچھے راستہ سے ہٹا کر غلط راستے پر ڈال دیتے ہیں شیطان ہیں، خواہ جنوں میں سے ہوں یا آدمیوں میں سے، شیطان کا خاصہ ہے کہ وقت پر دغا دے کر چھوڑ کر چل دیتا ہے۔

قرآن ضروری چیز ہے

وَ قَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ

اور کہا پیغمبر نے اے رب میرے! تحقیق قوم میری نے ٹھہرایا اس قرآن کو

مَهْجُوْرًا ﴿۳۰﴾ وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا مِّنَ الْمُجْرِمِيْنَ ؕ

چھوڑا ہوا (۳۰) اور اسی طرح کیا ہم نے واسطے ہر پیغمبر کے دشمن سے مجرموں

وَ كَفٰى بِرَبِّكَ هَادِيًا وَّ نَصِيْرًا ﴿۳۱﴾

اور کافی ہے رب آپ کا ہدایت کرنے والا اور مدد کرنے والا (۳۱)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور پیغمبر نے کہا اے میرے رب! میری قوم نے تو اس قرآن کو چھوڑ دیا۔(۳۰) اور اسی طرح ہم نے پیغمبر کیلئے مجرموں میں سے دشمن بنا رکھے ہیں، اور آپ کا رب راہ دکھانے اور مدد کرنے کو کافی ہے۔(۳۱)

لفظی تحقیق: مَهْجُوْرًا: چھوڑا ہوا۔

تفسیر

اس آیت میں ارشاد ہے کہ: پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے شکایت کی کہ لوگ قرآن مجید کی اہمیت کو نہیں سمجھتے اور اس کو پرانی کہانیوں کا مجموعہ، خرافات، شعر، جادو کا منتر اور جانے کیا کیا برے برے نام دے کر چھوڑ بیٹھے، نہ اسکو سنا، نہ سمجھا، نہ عمل کیا، اس کی وجہ سے یہ تباہی کی طرف جا رہے ہیں، میرا بس چلے تو ان کو زبردستی ان کو گمراہی سے روک دوں۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ: آپ اس بارے میں پریشان نہ ہو، دنیا میں ہم نے یہی طریقہ رکھا ہے کہ جب بھی کوئی پیغمبر آیا، فسادی اور مجرم لوگ اس کے دشمن بن گئے، آپ ان سرکشوں کی مخالفت کی پرواہ

مت کریں، ہدایت اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے اور وہی ہدایت کرنے کے لئے کافی ہے، اور یہ آپ کا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے، اور اللہ آپ کے ذریعے اپنا پیغام دنیا بھر میں پھیلا کر رہے گا۔

وَ كَفٰى بِرَبِّكَ هَادِيًا وَّ نَصِيْرًا: آپ کا پروردگار ہدایت دینے اور مدد کرنے کے لئے کافی ہے، وہ آپ کو یونہی نہیں چھوڑ دے گا بلکہ آپ کی پوری پوری مدد کریگا، اور آپ کی بات کو لوگوں کے دلوں میں اتار دے گا، اور آپ کو غلبہ عطا فرمائے گا۔

ایک اور شبہ

وَ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ لَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً

اور کہا ان لوگوں نے جو کافر ہوئے کیوں نہ اتارا گیا پر اس قرآن اکٹھا

وَّاحِدَةً ۚ كَذٰلِكَ ۚ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَ رَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا ﴿۳۲﴾

ایک ہی بار یہ اس لئے تاکہ مضبوط کریں ہم سے اس دل آپ کا اور ٹھہر ٹھہر کر پڑھیں ہم اس کو تھوڑا تھوڑا (۳۲)

عند المتقدمین ۱۲ الربع

با محاورہ ترجمہ: اور وہ لوگ جو کافر ہیں کہنے لگے اس پر سارا قرآن ایک ہی دفعہ کیوں نہ اتارا گیا، یہ اس لئے کہ ہم اس کے ذریعہ آپ کے دل کو مضبوط اور اس کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھ کر سنائیں۔ (۳۲)

تفسیر

اس آیت میں اس بات کا ذکر ہے کہ کافر یہ کہتے ہیں کہ محمد پیغمبر ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اور قرآن کو اللہ تعالیٰ کی کتاب بتاتے ہیں، تو وہ ساری کی ساری انہیں ایک دم کیوں نہ مل گئی، یہ ٹھہر ٹھہر کر تھوڑی تھوڑی آیتیں کیوں اترتی ہیں۔

ارشاد ہے کہ: اے پیغمبر! تھوڑی تھوڑی آیتیں اس لئے اترتی ہیں کہ ہرایک آیت کو اچھی طرح سمجھ کر اس کا مفہوم آپ کے دل میں بیٹھ جائے اور مضبوط اعتقاد حاصل ہو جائے۔ تاکہ آپ کے دل کو قوت پہنچے، اور عمل کرنے کے اندر آسانیاں پیدا ہوں۔

کافر اور مشرک قرآن پاک پر طرح طرح کے اعتراض کرتے تھے، کبھی کہتے کہ یہ اپنا بنایا ہوا ہے، کبھی کہتے ہیں کہ پیغمبر یہ باتیں دوسروں سے سیکھتا ہے اور پھر قرآن بنا کر پیش کرتا ہے، اور کبھی وہ اسے پرانے لوگوں کی قصے کہانیاں بتاتے۔ اب آگے اللہ تعالیٰ نے ان کا ایک نیا اعتراض نقل کیا ہے کہ یہ قرآن اس شخص پر ایک ہی بار کیوں نہیں اتارا گیا؟ اس سے پہلے "انجیل، تورات" اور دوسرے صحیفے ایک ہی بار اُترے ہیں مگر قرآن کو تھوڑا تھوڑا کرکے لمبے عرصہ پر کیوں پھیلا دیا گیا ہے۔ کہتے، معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص تھوڑا تھوڑا سوچ سوچ کر بناتا رہتا ہے اور پھر کہتا ہے کہ اِسے اللہ تعالیٰ نے میری طرف اُتارا ہے۔

اللہ نے فرمایا: ہم نے قرآن کو اسی طرح یعنی تھوڑا تھوڑا اس لئے اُتارا، تاکہ اس کتاب کے ساتھ ہم آپ کے دل کو مضبوط کریں، کیونکہ وحی کے بار بار اُترنے سے ہر بار دل میں یقین اور مضبوطی پیدا ہوگی، اور ہم نے اس کو ٹھہر ٹھہر کر اُتارا ہے، اس میں بڑی حکمت ہے، جو چیز آہستہ آہستہ آئے گی وہ اچھے طریقے سے پختہ ہوتی جائے گی، برخلاف اس کے جو چیز جلدی جلدی سامنے آئے گی، اس پر مضبوطی حاصل نہیں ہوگی۔

قرآن کا کام

وَ لَا يَأْتُوْنَكَ بِمَثَلٍ اِلَّا جِئْنٰكَ بِالْحَقِّ وَ اَحْسَنَ تَفْسِيْرًا ﴿۳۳﴾

اور وہ نہیں لاتے آپ کے پاس کوئی کہانی مگر لے آتے ہیں ہم آپ کے پاس ٹھیک بات اور اس سے بہتر واضح کرکے (۳۳)

اَلَّذِيْنَ يُحْشَرُوْنَ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ اِلٰى جَهَنَّمَ ۙ اُولٰٓئِكَ شَرٌّ

وہ جو گھیر کر لائے جائیں گے پر چہروں اپنے کے طرف دوزخ کی وہی لوگ بدتر ہیں

ع۴ ۳ ۱

مَّكَانًا وَّ اَضَلُّ سَبِيلًا ﴿۳۴﴾

درجہ میں اور بہت بھٹکے ہوئے راستہ سے (۳۴)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور نہیں لاتے آپ کے پاس کوئی مثل مگر پہنچا دیتے ہیں ہم آپ کو ٹھیک بات اور اس سے بہتر کھول کر۔ (۳۳) جو لوگ گھیر لائے جائیں گے منہ کے بل دوزخ کی طرف ان کا ٹھکانا بہت برا ہے اور وہ سیدھے راستے سے بھٹکے ہوئے ہیں۔ (۳۴)

لفظی تحقیق: مِثْلٍ: مثال۔ گھڑی ہوئی، ملتی جلتی بات جس سے اصل بات کی بھلائی یا برائی مقصود ہو، یہاں اس سے مراد ایسی بات جس سے قرآن کی توہین ہو۔

تفسیر

ارشاد ہے کہ: ان کی فضول باتوں کا جواب ہم قرآن مجید میں حق اور سچی بات بیان کر کے دے دیتے ہیں، جو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کی بابت صاف اور سیدھی بات کھول کر بتا دیتی ہے، ان بیکار باتیں کرنے والوں کا دماغ الٹ گیا ہے، ان کو قیامت کے دن الٹا کر کے منہ کے بل دوزخ کی طرف کھینچ کر لے جایا جائے گا، یہ لوگ درجے اور مقام کے لحاظ سے بدترین لوگ ہیں، یہ ٹھیک بات کو چھوڑ کر بالکل غلط باتوں میں پھنسے ہوئے ہیں۔

وَلَا يَأْتُونَكَ بِمَثَلٍ اِلَّا جِئْنٰكَ بِالْحَقِّ: نہیں لاتے یہ لوگ آپ کے پاس کوئی کام کی مثال مگر ہم آپ کے پاس حق لاتے ہیں، مطلب یہ ہے کہ ہماری کسی آیت پر جب یہ لوگ کوئی اعتراض کرنے کے لئے کوئی مثال لاتے ہیں تو ہم فوراً دوسری آیت اتار کے ان کے اعتراض کو دور کر دیتے ہیں، چنانچہ قرآن پاک کی بہت سی آیتیں ان سوالوں کے جواب میں اتریں۔

اپنوں یا غیروں نے کوئی چیز پوچھی تو اللہ نے اس کے جواب میں آیت اتار کے مسئلے کا حل پیش کر دیا، تو گویا تھوڑا تھوڑا قرآن اُترنے کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ ہر اعتراض کا جواب ساتھ کے ساتھ ملتا رہا۔

اور ضرورت کے مطابق تفسیر بھی لاتے ہیں، جب کوئی مسئلہ وضاحت طلب ہوتا ہے تو اسکی وضاحت کر دیتے ہیں، قرآن کے تھوڑا تھوڑا اُترنے کے ذریعے تمام مسائل حل ہوتے جاتے ہیں، اگر پورا قرآن ایک بار نازل کر دیا جاتا تو اس کا سمجھنا اور اعتراض کا جواب دینا مشکل ہو جاتا، لہذا اس کا تھوڑا تھوڑا اُترنا ہی اللہ تعالیٰ کی حکمت کے مطابق ہے۔

اَلَّذِیْنَ یُحْشَرُوْنَ عَلٰی وُجُوْهِهِمْ اِلٰی جَهَنَّمَ: وہ لوگ جو جمع کئے جائیں گے اپنے چہروں کے بل دوزخ کی طرف۔ یہ لوگ حشر کے میدان میں پاؤں کی بجائے سر کے بل چلیں گے، صحیح حدیث میں آتا ہے کہ پوچھنے والے نے پوچھا کا فر آدمی اپنے چہرے کے بل کیسے چلائے جائیں گے؟ تو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس اللہ نے اسے دنیا میں پاؤں پر چلایا، کیا وہ چہرے کے بل چلانے پر قادر نہیں ہے؟

جن کو چہروں کے بل چلایا جائے گا وہ ٹھکانے کے اعتبار سے بدترین قسم کے لوگ ہونگے۔ ان کو بہت ہی برا ٹھکانہ ملے گا، اور راستے کے اعتبار سے بھی یہ لوگ سخت گمراہ ہوں گے، دنیا میں بھی انہوں نے غلط راستہ اختیار کیا اور گمراہی میں مبتلا رہے، آخرت میں بھی یہ بھٹکتے ہی پھریں گے، اور انہیں جنت والا راستہ میسر نہیں ہوگا۔

پہلوں سے عبرت

وَ لَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَی الْكِتٰبَ وَ جَعَلْنَا مَعَهٗۤ اَخَاهُ هٰرُوْنَ

اور البتہ تحقیق دی ہم نے موسیٰ کو کتاب اور کر دیا ساتھ اس کے بھائی اسکے ہارون کو

وَزِیْرًاۚۖ (۳۵) فَقُلْنَا اذْهَبَاۤ اِلَی الْقَوْمِ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَاؕ

مددگار (۳۵) پس کہا ہم نے جاؤ! دونوں طرف ان لوگوں کی جنہوں نے جھٹلایا آیتوں ہماری کو

فَدَمَّرْنٰهُمْ تَدْمِیْرًاؕ (۳۶)

پس تباہ کر دیا ہم نے انہیں بری طرح (۳۶)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور ہم نے موسیٰ کو کتاب دی اور اس کے ساتھ اس کے بھائی ہارون کو اس کا مددگار بنا دیا۔ (۳۵) پھر ہم نے کہا تم دونوں ان لوگوں کے پاس جاؤ جنہوں نے ہماری نشانیوں کو جھٹلایا، پھر ہم نے انہیں اکھاڑ کر دے مارا۔ (۳۶)

لفظی تحقیق: **تَدْمِيْرًا**: تباہ کر دینا۔ اس کا مادہ: د۔م۔ا۔ ہے، "دمارٌ" کے معنٰی تباہی کے ہیں۔
تَدْمِيْرًا: ہلاک کرنا۔ اس سے مراد عظیم تباہی ہے، گویا جڑ سے ہی کھود کر پھینک دیا۔

تفسیر

ارشاد ہے کہ: ان سے پہلے بھی بہت سے لوگوں نے سرکشی کی ہے، وہ شیطان کے بہکاوے میں آ کر اللہ تعالیٰ کو بالکل بھول گئے، اپنے اپنے گروہ بنالیے، اور جو ان میں زبردست تھے، وہ ان گروہوں کے سردار بن بیٹھے، طاقتوروں نے کمزوروں کو دبانا شروع کیا، اور لگے ان سے جانوروں کی طرح کام لینے، انہی میں سے ایک زمانے میں ایک گروہ مصریوں کا بن گیا تھا، جن کا سردار فرعون کہلاتا تھا، وہ ایسا سرکش تھا کہ خدائی کا دعویٰ کر بیٹھا تھا، اور اپنی قوم کے لوگوں سے اپنی عبادت کراتا تھا، اور بنی اسرائیل جو ان میں پرآ کر بس گئے تھے، اس نے ان پر قیامت ڈھا رکھی تھی۔

ارشاد ہے کہ: ہم نے فرعون اور اس کی قوم کی طرف موسیٰ کو اپنا پیغمبر بنا کر بھیجا اور انہیں کتاب عطا کی اور ان کے بھائی ہارون کو پیغمبری عطا کر کے ان کا ہاتھ بٹانے کے لئے ان کے ساتھ کر دیا، ان دونوں کے سپرد یہ ہوا کہ فرعون کی قوم کو جا کر سمجھاؤ کہ سرکشی چھوڑ دیں اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کریں، لیکن اس قوم نے ان کی نہ سنی، آخر ہم نے اس قوم کو تباہ و برباد کر دیا۔

موسیٰ علیہ السلام اللہ کے حکم سے بنی اسرائیل کو لے کر راتوں رات بحر قلزم پر پہنچ گئے، جب فرعون کو پتہ چلا تو اس نے اپنے لشکر کے ساتھ بنی اسرائیل کا پیچھا کیا، موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کے لئے تو اللہ تعالیٰ نے سمندر میں راستہ بنا دیا اور وہ سلامتی کے ساتھ دوسرے کنارے پر پہنچ گئے، مگر فرعون اپنے لشکر کے ساتھ اسی راستے پر سمندر

کے بیچ میں پہنچا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہم نے ان کی جڑ کو بنیاد سے ہی اکھاڑ دیا، اللہ تعالیٰ نے پانی کو حکم دیا، وہ آپس میں مل گیا اور ساری قوم وہیں ڈوب گئی، ان میں سے ایک شخص بھی باقی نہ بچا، اللہ نے اپنے پیغمبر ﷺ کی توجہ ان حالات کی طرف دلائی ہے کہ دیکھو! ہم نے مجرموں کو کس طرح تباہ و برباد کر دیا، اللہ تعالیٰ مجرموں کو مہلت دیتا رہتا ہے، پھر آخر ان کو اپنی پکڑ میں لے لیتا ہے، اسلام کا بول بالا ہوگا۔

دوسرے نافرمانوں کا حال

وَ قَوْمَ نُوْحٍ لَّمَّا كَذَّبُوا الرُّسُلَ اَغْرَقْنٰهُمْ وَ جَعَلْنٰهُمْ

اور　قوم　نوح کی　جب　جھٹلایا انہوں نے　پیغمبروں کو　ڈبو دیا ہم نے ان کو　اور　کر دیا ہم نے ان کو

لِلنَّاسِ اٰيَةً ۭ وَ اَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝۳۷ۚۖ وَّ عَادًا

واسطے لوگوں کے　نشانی　اور　تیار کر دیا ہم نے　واسطے ظالموں کے　عذاب　دردناک (۳۷)　اور　تباہ کیا عاد

وَّ ثَمُوْدَاۡ وَ اَصْحٰبَ الرَّسِّ وَ قُرُوْنًۢا بَيْنَ ذٰلِكَ كَثِيْرًا ۝۳۸ وَ

اور　ثمود کو　اور　والوں　کنوئیں کو　اور　جماعتوں کو　اس کے بیچ میں　بہت سی (۳۸)　اور

كُلًّا ضَرَبْنَا لَهُ الْاَمْثَالَ ۡ وَ كُلًّا تَبَّرْنَا تَتْبِيْرًا ۝۳۹

ہر ایک　بیان کیں ہم نے　واسطے اس کے　مثالیں　اور　ہر ایک کو　برباد کیا ہم نے　بری طرح (۳۹)

بامحاورہ ترجمہ: ۔اور نوح کی قوم جب انہوں نے پیغمبروں کو جھٹلایا ہم نے ان کو ڈبو دیا اور ان کو لوگوں کے لئے عبرت کی نشانی کر دیا اور ہم نے ظالموں کے لئے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔(۳۷) اور ہلاک کیا ہم نے عاد و ثمود کو اور کنوئیں والوں کو اور اس کے بیچ میں بہت سی جماعتوں کو۔(۳۸) اور سب کو ہم نے مثالیں کہہ سنائیں اور سب کو ہم نے بری طرح تباہ و برباد کر دیا۔(۳۹)

لفظی تحقیق: الرَّسُّ: ایک خاص کنواں ہے۔ "رَسٌّ" کنوئیں کو کہتے ہیں۔ اصحاب الرس (کنوئیں والے) یہ لوگ ایک کنوئیں کے قریب بستے تھے۔ تَتْبِیْرًا: ریزہ ریزہ کرنا۔ اس کا مادہ: ت۔ ب۔ ر۔ ہے، تَبْر: ٹکڑے ٹکڑے ہوجانا۔ تَتْبِیْرًا: ریزہ ریزہ کر کے بکھیر دینا۔

تفسیر

ارشاد ہے کہ: فرعون اور اس کی قوم کی طرح ہم نے نوح علیہ السلام کی قوم کو بھی ہلاک کیا تھا، کیونکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں کا انکار کردیا تھا، جب وہ کسی طرح نہ مانے تو اللہ تعالیٰ نے ایک زبردست طوفان بھیجا اور انہیں اس میں ڈبودیا اور انہیں دوسرے لوگوں کے لئے عبرت بنادیا، اور ظالموں کے لئے ہم نے دکھ دینے والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔ مرنے کے بعد وہ اس میں مبتلا ہوں گے، اسی طرح عاد، ثمود، کنوئیں والے اور بہت سرکش لوگ جو ان کے درمیانی زمانے میں آئے، سب نافرمانی کی وجہ سے تباہ ہو چکے ہیں، لیکن جب وہ نہ مانے تو ہم نے انہیں بھی تباہ اور برباد کردیا۔

وَ قَوْمَ نُوْحٍ لَّمَّا كَذَّبُوا الرُّسُلَ: نوح علیہ السلام کی ساڑھے نوسو سال تبلیغ کے باوجود چند گنتی کی آدمی ایمان لائے اور باقی ساری قوم نے آپ کو جھٹلایا، جس کے نتیجے میں ان پر ہلاکت وتباہی آئی، چالیس دن تک آسمان سے موسلادھار بارش برستی رہی اور نیچے سے زمین کے چشمے بھی پھوٹ پڑے، اور پانی کا سیلاب اس قدر زیادہ ہوگیا کہ اونچی سے اونچی پہاڑی کے اوپر بھی پانی چڑ گیا، ظاہر ہے کہ ایسی حالت میں نہ کوئی جانور بچ سکتا تھا اور نہ کوئی انسان، سوائے ان لوگوں کے جو نوح علیہ السلام کی کشتی میں سوار ہو گئے، اور نافرمانوں کو ہم نے باقی لوگوں کے لئے ایک عبرت کی نشانی بنادیا، اور ظلم کرنے والوں کے لئے ہم نے دردناک عذاب بھی تیار کر رکھا ہے، جو انہیں قیامت کو ملے گا۔

وَ اَصْحٰبَ الرَّسِّ: اور کنوئیں والوں کو بھی اللہ تعالیٰ نے ہلاک کیا، یہ کنوئیں والے کون تھے؟ کسی صحیح

حدیث میں ان کے حالات نہیں ملتے، بعض کہتے ہیں کہ یہ قوم تہامہ کے مقام پر آباد تھی، اور بعض اُسے یمن میں یمامہ کے باشندے بتاتے ہیں، بعض نے ان کا وطن شام کا مقام انطاکیہ بتایا ہے، مفسرین نے اس قوم کا ذکر مختصر طور پر کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف اپنا ایک پیغمبر بھیجا۔

دوسری قوموں کا حال

وَ قُرُوْنًا بَيْنَ ذٰلِكَ كَثِيْرًا: اس کے درمیان ہم نے اور بھی بہت سی قوموں اور جماعتوں کو ہلاک کیا، جب انہوں نے اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں کی نافرمانی کی، ان کو اذیتیں پہنچائیں، اللہ تعالیٰ کے ایک ہونے کا انکار کیا تو ان پر بھی تباہی آئی۔ تاہم بہت سے ایسے پیغمبر اور ان کی قوموں کا حال بالکل بیان نہیں کیا "سورۃ المؤمنون" میں ہے کہ ہم نے آپ سے پہلے بہت سے پیغمبر بھیجے ہیں۔ (آیت۔۷۸) ان میں سے بعض کا ذکر ہم نے آپ سے کیا ہے، اور بعض کا نہیں۔

وَ كُلًّا ضَرَبْنَا لَهُ الْاَمْثَالَ: اور سب کے لئے ہم نے مثالیں بیان کی ہیں تاکہ وہ سمجھ جائیں، جب اللہ تعالیٰ کا پیغمبر آتا ہے تو وہ اپنی زبان میں خدا کا پیغام لوگوں کے ذہن میں بٹھانے کی کوشش کرتا ہے، اور پورے طریقے سے بات سمجھاتا ہے، لیکن اکثر و بیشتر یہی ہوا کہ لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے پیغمبر کو جھٹلایا، توحید اور قیامت کا انکار کیا، اور پھر ایسے تمام نافرمانوں کو ہم نے ملیامیٹ کر دیا، ان میں سے ایک کو بھی زندہ نہ چھوڑا۔

غفلت کی وجہ

وَ لَقَدْ اَتَوْا عَلَى الْقَرْيَةِ الَّتِيْٓ اُمْطِرَتْ مَطَرَ السَّوْءِ ؕ اَ

اور البتہ تحقیق آئے وہ پر بستی جس پر برسایا گیا مینہ تباہی کا کیا

فَلَمْ يَكُوْنُوْا يَرَوْنَهَا ۚ بَلْ كَانُوْا لَا يَرْجُوْنَ نُشُوْرًا ﴿۴۰﴾ وَ اِذَا

پس نہ تھے یہ دیکھتے اس کو نہیں بلکہ یہ نہیں امید رکھتے مر کر جی اٹھنے کی (۴۰) اور جب

رَاَوْكَ اِنْ يَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا ؕ

دیکھتے ہیں آپ کو نہیں بناتے آپ کو مگر ہنسی مذاق کا ذریعہ

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور یہ لوگ اس بستی کے پاس ہو آئے ہیں جس پر تباہی کا مینہ برسا کیا یہ انہیں دیکھتے نہ تھے، نہیں بلکہ یہ امید نہیں رکھتے مر کر جی اٹھنے کی۔(۴۰) اور جب یہ لوگ آپ کو دیکھتے ہیں تو ان کو آپ سے کچھ کام نہیں سوا ہنسی مذاق کرنے کے۔

لفظی تحقیق: **هُزُوًا:** ہنسی اڑانا۔ اس کا مادہ: ہ۔ ز۔ ء۔ ہے، "هُزُوٌ" کے معنٰی کسی سے مسخرہ پن کرنا۔ استہزاء اسی سے بنا ہے۔

تفسیر

ارشاد ہے کہ: یہ مکہ کے لوگ جو اے پیغمبر! آپ کی بات نہیں سنتے اور اپنے ہی بے ہودہ کاموں میں پھنسے رہنا چاہتے ہیں، کئی بار اس بستی کے پاس سے گذر چکے ہیں، جن پر پتھروں کا مینہ برسا، ان سے مراد لوط علیہ السلام کی قوم کی بستیاں ہیں، جن کے پاس سے یہ لوگ مکہ سے شام کی طرف جاتے ہوئے گذرتے تھے، اس جگہ اب بجائے آبادی کے سڑے ہوئے پانی کی ایک جھیل ہے، یہاں کے لوگ برے کاموں میں مبتلا تھے، آخر ان پر اللہ تعالیٰ کا عذاب آیا، بستیاں الٹ دی گئیں اور اوپر سے ان پر پتھروں کا مینہ برسا۔

ارشاد ہے کہ: کیا انہیں سوجھتا نہیں کہ یہ بستیاں بالکل تباہ ہو گئیں، نہیں! یہ ان کا حال اپنی آنکھوں سے دیکھتے ضرور ہیں، لیکن اپنے آپ کو دنیا میں محفوظ سمجھتے ہیں اور آخرت پر انہیں یقین نہیں، جو سمجھیں کہ مرنے کے بعد دوبارہ جینا ہوگا اور برے کاموں کی سزا ملے گی، دنیا میں اگر بچے بھی رہے تو آخر کار ایک دن مرنا ہے اور دوبارہ

زندہ ہوکر برے عملوں کی سزا بھگتنی ہے۔

ارشاد ہے کہ: یہ اس وقت کی سلامتی کا یقین اور آخرت کا انکار ہی ہے جو انہیں بدمست کئے ہوئے ہیں، اب جب آپ کو دیکھتے ہیں تو انہیں سوائے اس کے کچھ کام نہیں کہ آپ کی ہنسی اُڑائیں۔

وَ لَقَدْ اَتَوْا عَلَى الْقَرْيَةِ الَّتِيْٓ اُمْطِرَتْ مَطَرَ السَّوْءِ: اور یہ مکے والے اس بستی پر سے گذرتے ہیں جس پر پتھروں کی بارش برسائی گئی۔

فرمایا: مکے والے تجارتی سفر پر جاتے ہیں تو ان اُجڑی ہوئی بستیوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں، کیا یہ ان کو دیکھتے نہیں؟ یعنی: ان سے عبرت حاصل نہیں کرتے، امام ابن کثیرؒ اور مفسرینؒ لکھتے ہیں کہ یہاں بڑے بڑے چھ شہر آباد تھے، جن کی آبادی چار لاکھ سے زیادہ تھی، وہاں ان بستیوں کے کھنڈرات اور بحر مردار بھی نظر آتا ہے، وہاں کوئی انسان زندہ نہ بچا، آج بھی بحر مردار کے بعض حصوں میں کوئی پانی کا جانور بھی زندہ نہیں رہتا، یہ ساری نشانیاں ہیں، اللہ نے فرمایا کہ: مکے والے ان کو دیکھ کر بھی عبرت حاصل نہیں کرتے۔

بَلْ كَانُوْا لَا يَرْجُوْنَ نُشُوْرًا: کہ یہ لوگ مر کر دوبارہ جی اٹھنے پر یقین ہی نہیں رکھتے، اگر ان کو مر کر دوبارہ جی اٹھنے پر اور عملوں کے بدلے پر یقین ہوتا تو نافرمانی کی اتنی بڑی جرأت نہ کرتے، دراصل عقیدہ قیامت کا انکار لوگوں کو آخرت کے فکر سے آزاد کر دیتا ہے، لہذا وہ غافل ہوجاتے ہیں اور بالآخر اللہ کی پکڑ میں آجاتے ہیں۔

ہنسی کا نمونہ

اَهٰذَا الَّذِيْ بَعَثَ اللّٰهُ رَسُوْلًا ﴿۴۱﴾ اِنْ كَادَ لَيُضِلُّنَا عَنْ اٰلِهَتِنَا

کیا یہی ہے جسے بھیجا ہے اللہ نے پیغمبر بنا کر (۴۱) یقیناً قریب تھا کہ ضرور بہکا لے جاتا ہمیں سے معبودوں ہمارے

لَوْلَآ اَنْ صَبَرْنَا عَلَيْهَا ۚ وَ سَوْفَ يَعْلَمُوْنَ حِيْنَ يَرَوْنَ

اگر نہ ہوتا یہ کہ ہم جمے رہیں پر ان اور عنقریب جان لیں گے جس وقت دیکھیں گے

الْعَذَابَ مَنْ اَضَلُّ سَبِيْلًا ﴿۴۲﴾
عذاب　کون　بہکا ہوا ہے　راستہ سے (۴۲)

بامحاورہ ترجمہ: کیا یہی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے۔(۴۱) یہ تو ہمیں ہمارے معبودوں سے بہکا دیتا، اگر ہم ان پر جمے نہ رہتے اور عنقریب جان لیں گے جس وقت عذاب دیکھیں گے کہ راہ سے بھٹکا ہوا کون ہے۔(۴۲)

تفسیر

اس آیت میں ارشاد ہے کہ: جب وہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتے تو ہنس کر کہتے کہ کیا یہی ہیں وہ جنہیں اللہ نے اپنا پیغمبر بنا کر بھیجا ہے، یہ تو اچھا تھا کہ ہم اپنے معبودوں پر جمے رہے، ورنہ یہ تو باتیں بنا بنا کر ہمیں ان سے بہکا ہی دیتے۔

آگے ارشاد ہے کہ: اس بے وقوفی میں مبتلا ہیں کہ یہ ٹھیک کام کر رہے ہیں، حالانکہ یہ سیدھے راستے سے بہت دور جا پڑے ہیں، تھوڑے ہی دن کے بعد ان پر واضح ہو جائے گا کہ گمراہ کون تھا۔ جب عذاب سر پر آ پڑے گا، اس وقت آنکھیں کھلیں گی۔

خواہش کا بندہ

اَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ ؕ اَفَاَنْتَ تَكُوْنُ عَلَيْهِ
کیا دیکھا آپ نے　اس شخص کو　جس نے بنالیا　معبود اپنا　خواہش اپنی کو　کیا　آپ　ہو جائیں گے　پر اس

وَكِيْلًا ﴿۴۳﴾ۙ اَمْ تَحْسَبُ اَنَّ اَكْثَرَهُمْ يَسْمَعُوْنَ اَوْ يَعْقِلُوْنَ ؕ
نگران (۴۳)　یا　گمان کرتے ہیں آپ　کہ　اکثر ان میں سے　سنتے ہیں　یا　سمجھتے ہیں

ع ۴ / ۲

اِنْ هُمْ اِلَّا كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ سَبِيْلًا ﴿۴۴﴾

نہیں وہ مگر طرح مویشیوں کے بلکہ وہ زیادہ بھٹکے ہوئے ہیں راستہ سے(۴۴)

بامحاورہ ترجمہ:۔ بھلا! دیکھا آپ نے اس شخص کو جس نے اپنی خواہشوں کو اپنا معبود بنالیا کہیں آپ اس کا ذمہ لے سکتا ہیں۔(۴۳) یا آپ خیال کرتے ہیں کہ ان میں سے اکثر سنتے ہیں یا سمجھتے ہیں، وہ تو چوپایوں کی طرح بلکہ ان سے بھی زیادہ راہ سے بہکے ہوئے ہیں۔(۴۴)

تفسیر

ایسے لوگوں کے نزدیک صرف خواہش ہی ان کا معبود ہے، جدھر خواہش جاتی ہے اُدھر ہی وہ جاتے ہیں، ان کے نزدیک حق اور باطل میں فرق کرنے والی اور کوئی چیز نہیں ہے، ان کے نزدیک جوانکی خواہش کہے وہی حق ہے، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے: آسمان کے سائے کے نیچے اللہ تعالیٰ کے سوا سب سے بڑا معبود خواہش ہے، جس کی اتباع کی جاتی ہے، کیا آپ ان پر نگران ہیں؟ مطلب یہ کہ خواہش کے پجاریوں کی ذمہ داری آپ پر نہیں آتی بلکہ اللہ تعالیٰ خود ہی ان سے قیامت کو نپٹ لے گا، اوران سے وہی سلوک کرے گا جس کے یہ لوگ حقدار ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے قانون کی پابندی ہر شخص کے لئے انتہائی ضروری ہے، مگراس پابندی کی خلاف ورزی کرنے والی پہلی چیز انسان کی خواہش ہے، جب انسان اپنی خواہش کے پیچھے چل نکلتا ہے تو پھر وہ اللہ تعالیٰ کے قانون کی کچھ پرواہ نہیں کرتا بلکہ وہی کچھ کرتا ہے جو اس کی خواہش ہوتی ہے۔

اِنْ هُمْ اِلَّا كَالْاَنْعَامِ: یہ تو جانوروں کی طرح ہیں۔ بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ ہیں، بے عقل لوگوں کی جانوروں سے بھی بدتر ہونے کی دلیل یہ ہے کہ جانوروں میں تو اللہ تعالیٰ نے عقل کا مادہ نہیں رکھا، جب کہ انسان کو عقل وشعور عطا کیا، جس کے ذریعے وہ حق وباطل میں فرق کرسکتا ہے۔

جانور ایک ایسی مخلوق ہے جو اپنے مالک کو پہچانتی ہے اور اس کا حکم مانتی ہے، کسی بھی خدمت گزار جانور کو آواز دو تو وہ فوراً متوجہ ہوتا ہے، جانور کھلانے پلانے والے کی آواز پر چونک پڑتا ہے، مگر کافر اور مشرک انسان ہونے کے باوجود اپنے مالک کو نہیں پہچانتے اور نہ ہی اس کی آواز پر لبیک کہتے ہیں۔

جانوروں میں بھی اتنا شعور ہوتا ہے کہ وہ اپنے مالک کو پہچانتے ہیں، مگر کافر اور مشرک جانوروں سے بھی گئے گزرے ہیں جو اپنے حقیقی مالک کو نہیں پہچانتا۔ جانور بے شعور ہو کر بھی اپنی زندگی کا مقصد پورا کر رہا ہے جب کہ کافر اور مشرک انسان ہو کر بھی اپنی زندگی کے مقصد سے غافل ہیں؛ اسی لئے فرمایا کہ: جو لوگ اپنی خواہش کو ہی اپنا معبود بنالیتے ہیں، وہ حقیقی معبود سے کٹ جاتے ہیں اور ایسے لوگ جانوروں سے بھی بدتر ہیں۔

شریعت کے خلاف خواہشوں کی
پیروی ایک قسم کی بت پرستی ہے

اَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ: اس آیت میں اس شخص کو جو اسلام و شریعت کیخلاف اپنی خواہش کا پیروی کرتا ہو، یہ کہا گیا ہے کہ اس نے اپنی خواہشوں کو معبود بنالیا ہے، حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ: شریعت کے خلاف خواہشات بھی ایک بت ہے جس کی پوجا کیجاتی ہے پھر دلیل کے طور پر یہ آیت تلاوت فرمائی۔

اللہ تعالیٰ کی قدرت

اَلَمْ تَرَ اِلٰى رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ ۚ وَلَوْ شَآءَ لَجَعَلَهٗ

کیا نہیں دیکھا آپ نے طرف رب اپنے کی کیسے لمبا کیا سایہ کو اور اگر چاہتا تو کردیتا اسے

سَاكِنًا ۚ ثُمَّ جَعَلْنَا الشَّمْسَ عَلَيْهِ دَلِيْلًا ﴿٤٥﴾ ثُمَّ قَبَضْنٰهُ

ٹھہرا ہوا پھر کیا ہم نے سورج کو پر اس کے نشانی (۴۵) پھر سمیٹا ہم نے اسے

اِلَيْنَا قَبْضًا يَّسِيْرًا ﴿۴۶﴾

طرف اپنی سمیٹنا آہستہ آہستہ (۴۶)

بامحاورہ ترجمہ: کیا آپ نے دیکھا اپنے رب کی طرف کہ اس نے سایہ کو کیسے لمبا کیا، اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو اسے ٹھہرائے رکھتا پھر ہم نے سورج کو سائے کا راستہ بتانے والا مقرر کیا۔ (۴۵) پھر ہم نے اس کو آہستہ آہستہ سمیٹ کر اپنی طرف کھینچ لیا۔ (۴۶)

تفسیر

اس آیت میں ارشاد ہے کہ: یہ تبدیلی تمہیں چیزوں کے سایہ کے اندر بالکل صاف نظر آجائے گی، چیزوں کا سایہ پیدا ہوتا ہے، پھر سکڑنے لگتا ہے اور دوپہر کے وقت سکڑ کر بالکل کم ہوجاتا ہے، لیکن سورج ڈھلنے پر پھر بڑھنے لگتا ہے، اور جب خوب لمبا ہوجاتا ہے، تو رات پڑتے ہی غائب ہوجاتا ہے، سایہ کے پیدا ہونے اور بڑھنے گھٹنے کا سبب سورج ہے، یہی اس کی شروع سے آخر تک حالتیں ظاہر کرتا ہے، آخر جب سورج غائب ہوجاتا ہے، تو سایہ بھی غائب ہوجاتا ہے۔ اسی پر ہر چیز کو قیاس کرلو، پیدا ہونا، بڑھنا گھٹنا اور دیر سویر غائب ہوجانا ہر چیز میں پایا جائے گا، سایہ ہو یا کچھ اور ہو، دنیا کی ہر چیز ان ہی مرحلوں سے گزرتی ہے اور یہ سب اللہ تعالیٰ کے ارادہ اور اس کی قدرت سے ہوتا ہے، اگر وہ چاہتا تو سب کو ایک حالت میں ٹھہرا دیتا۔

اَلَمْ تَرَ اِلٰى رَبِّكَ: کیا آپ نے اپنی رب کی اس بات کی طرف نہیں دیکھا کہ اس نے سائے کو کس طرح لمبا کیا، ہر چیز کا سایہ گھٹتا بڑھتا رہتا ہے، اور وہ چاہتا تو اس سائے کو ایک جگہ ٹھہرا دیتا، اور ہر چیز کا سایہ گھٹنے بڑھنے کی بجائے ہمیشہ ایک ہی حالت پر قائم رہتا، گویا سایہ میں کمی زیادتی اللہ تعالیٰ کی قدرت کی دلیل ہے، سورج کی روشنی کی وجہ سے چیزوں کے سائے بنتے اور آگے پیچھے ہوتے ہیں، گویا سائے کا گھٹنا اور بڑھنا سورج کے ساتھ جڑا ہوا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی قدرت کی کچھ اور نشانیاں

وَ هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الَّیْلَ لِبَاسًا وَّ النَّوْمَ سُبَاتًا وَّ جَعَلَ
اور وہی ہے جس نے کردیا لئے تمہارے رات کو اوڑھنا اور نیندکو راحت اور کردیا

النَّهَارَ نُشُوْرًا ﴿۴۷﴾ وَ هُوَ الَّذِیْۤ اَرْسَلَ الرِّیٰحَ بُشْرًۢا بَیْنَ
دن کو اٹھ کر چلنے پھرنے کیلئے (۴۷) اور وہی ہے جس نے بھیجیں ہوائیں خوشخبری کے طور پر آگے

یَدَیْ رَحْمَتِهٖ ۚ وَ اَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً طَهُوْرًا ﴿۴۸﴾
آگے رحمت اپنی کے اور اتارا ہم نے سے آسمان پانی پاک کرنے والا (۴۸)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور وہی ہے جس نے رات کو تمہارے لئے اوڑھنا بنادیا اور نیند کو آرام اور دن کو اٹھ کر باہر نکلنے کے لئے بنادیا۔ (۴۷) اور وہی ہے جس نے خوشخبری لانے والی ہوائیں چلائیں اپنی رحمت کے آگے آگے اور ہم نے آسمان سے پاک کرنے والا پانی اتارا۔ (۴۸)

لفظی تحقیق: سُبَاتً: آرام وراحت۔

تفسیر

ارشاد ہے کہ: اللہ کو پہچاننا ہو تو رات اور دن کے فرق ہی سے پہچان سکتے ہو، رات ایک پردہ کی طرح ہے، جو انسان کو چاروں طرف سے ڈھانپ لیتی ہے اور لباس کے مانند اس پر لپٹ جاتی ہے، آدمی کاروبار چھوڑ کر آرام کرتا ہے، دن کو انسان پھر اٹھ کھڑا ہوتا ہے اور ہر طرف چہل پہل ہو جاتی ہے، پھر اللہ تعالیٰ کی قدرت کی ایک نشانی دیکھو، ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں چلتی ہے، جو بارش کی علامت ہوتی ہیں، اور پھر اللہ تعالیٰ کی رحمت سے بارش برتی ہے اور آسمان سے پاک صاف پانی برستا ہے۔

وَ النَّوۡمَ سُبَاتًا: انسانی صحت کے لئے نیند بہت ضروری ہے،۔طبیبوں کے مطابق دن رات میں چھ سات گھنٹے سونا ضروری ہے،مختلف طبیعتوں کے اعتبار سے اس میں کمی زیادتی بھی ہوتی ہے، اگر کئی دن تک نیند نہ آئے تو دماغ میں خشکی پیدا ہوجاتی ہے، یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کی دلیلیں ہیں، اگر انسان دان رات کے اس نظام پر ہی غور کرے تو اسے اللہ تعالیٰ کی قدرت سمجھ میں آسکتی ہے، وہ جان سکتا ہے کہ یہ پورا نظام اللہ تعالیٰ ہی کا قائم کردہ ہے، اس میں کسی دوسرے کا کوئی دخل نہیں ہے۔

وَ هُوَ الَّذِیۡۤ اَرۡسَلَ الرِّیٰحَ: اللہ تعالیٰ بارش سے پہلے اپنی رحمت کی خوشخبری دینے والی ہواؤں کو بھیجتا ہے۔ظاہر ہے کہ بارش سے پہلے ہوائیں چلتی ہیں جن کے ذریعے سے پانی سے بھرے بادل اٹھتے ہیں، پھر جہاں اللہ تعالیٰ کو بارش برسانی ہوتی ہے، ہوائیں بادلوں کو وہاں لے جاتی ہے، اِن ہواؤں کو دیکھ کر ہی انسان پر اُمید ہوتے ہیں کہ اب اللہ تعالیٰ کی رحمت سے بارش برسے گی اور خشک سالی دور ہوگی۔اور کھیتیاں اور درخت پھل پیدا کریں گے، گھاس اور چارہ ہوگا، اور اس طرح انسانوں اور جانوروں کے لئے کھانے پینے اور زندہ رہنے کے سامان کا انتظام ہوگا، گویا یہ ہوائیں ہیں جو بارش کی آمد سے پہلے بارش کی خوشخبری دیتی ہیں۔

پانی کے فائدے (الف)

لِّنُحۡیِۦَ بِهِۦ بَلۡدَةً مَّیۡتًا وَّ نُسۡقِیَهُۥ مِمَّا خَلَقۡنَاۤ اَنۡعَامًا وَّ اَنَاسِیَّ

تاکہ زندہ کریں ہم سے اس زمین بنجر اور پلائیں ہم اس کو سے اس جو پیدا کیا ہم نے چوپائے اور آدمی

كَثِیۡرًا ﴿۴۹﴾ وَ لَقَدۡ صَرَّفۡنٰهُ بَیۡنَهُمۡ لِیَذَّكَّرُوۡا ۖ فَاَبٰۤی اَكۡثَرُ

بہت سے (۴۹) اور البتہ تحقیق طرح طرح بانٹا ہم نے اس کو درمیان ان کے تاکہ وہ یاد کریں انکار کیا بہت سے

النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا ﴿۵۰﴾ وَ لَوْ شِئْنَا لَبَعَثْنَا فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ نَّذِيْرًا ﴿۵۱﴾

لوگوں نے مگر ناشکری (۵۰) اور اگر ہم چاہتے تو اٹھاتے میں ہر بستی ایک ڈرانے والا (۵۱)

بامحاورہ ترجمہ:۔ تاکہ ہم زندہ کریں اس کے ساتھ بنجر زمین کو، اور پلائیں ہم یہ پانی ان بہت سے جانوروں اور انسانوں کو جن کو ہم نے پیدا کیا۔ (۴۹) اور البتہ تحقیق ہم نے تقسیم کیا ہے پانی کو اُن کے درمیان تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں، پھر بھی بہت سے لوگ ناشکری کئے بغیر نہیں رہتے۔ (۵۰) اور اگر ہم چاہتے تو بھیجتے ہر بستی میں ڈرسنانے والا۔ (۵۱)

تفسیر

ارشاد ہے کہ: اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے دنیا میں اس بات کا انتظام کیا کہ پریشان کن گرمی اور خشکی کے بعد ٹھنڈی ہوائیں چلیں اور مینہ برسنے کی خوشخبری لائیں، پھر آسمان سے پاک اور پاک کرنے والا پانی برسے، جس سے آبادیوں کے آس پاس کی زمینوں میں دوبارہ جان پڑے، ہر طرف سبزہ اُگے، ہرے بھرے کھیت لہلہائیں، باغوں میں رونق آئے اور اس پانی کو پی کر اللہ کی مخلوق میں سے بہت سے چوپائے اور آدمی اپنی پیاس بجھائیں، اس نے اپنی قدرت کا اظہار اس طرح بھی کیا کہ ہر مقام پر برابر مینہ نہ برسے۔ بلکہ کہیں زیادہ کہیں کم، کہیں کسی وقت کہیں کسی وقت۔ تاکہ لوگ یہ نہ سمجھ لیں کہ یہ تو دستور کے مطابق آپ ہی آپ برس جاتا ہے اور کھل جاتا ہے، بلکہ ہر وقت یہ بات یاد رکھیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے ہے، مقصود یہ ہے کہ انسان اللہ کی کھلی نشانیاں دیکھ کر اُسے پہچانے۔

ارشاد ہے کہ: ہم چاہتے تو ہر بستی میں ایک پیغمبر بھیج دیتے، تاکہ وہ ہر وقت لوگوں کو ان کے برے عملوں کے نتیجوں سے ڈراتا، لیکن عقلمندوں کے لئے اس وقت ایک ہی پیغمبر، یعنی: محمد ﷺ اور ایک ہی قرآن بالکل کافی ہے، مگر جب کہ وہ اپنی عقل سے کام لیں۔

پانی کے فائدے (ب)

لِّنُحْيِۦَ بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا: جب زمین بالکل خشک ہوکر سبزہ اُگانے کے قابل نہیں رہتی تو اللہ تعالیٰ رحمت کی بارش کے ذریعے پانی پہنچاتا ہے، اور زمین نرم ہوکر پیداوار کے قابل ہوجاتی ہے، اس میں سبزیاں، پھل اور اناج پیدا ہوتا ہے۔

فرمایا: پانی کا ایک فائدہ تو یہ ہے کہ اس سے زمین سیراب ہوتی ہے، اور دوسرا یہ کہ پانی انسانوں، حیوانوں اور پودوں کے لئے بنیادی ضرورت ہے، پودوں کا ذکر آیت کے پہلے حصے میں ہوا کہ پانی کے ذریعے ہم مردہ زمین کو زندگی بخشتے ہیں، اور انسانوں اور حیوانوں کا ذکر اس آیت میں آگیا ہے کہ یہ دونوں پانی کے محتاج ہیں، اگرچہ پانی کی ضرورت ہر قسم کے جانوروں کے لئے ہے، مگر یہاں پر مویشیوں کا ذکر انسانوں کی مناسبت سے کیا ہے کہ ان کو پانی کی بہت زیادہ ضرورت ہوتی ہے، کیونکہ یہ مویشی انسان سے زیادہ مانوس ہیں، انسان کے خادم ہیں اور انسان اُن کا دودھ پیتے ہیں، تمام جانوروں، درندوں، پرندوں اور کیڑے مکوڑوں کو بھی پانی کی ضرورت ہے اور ان کی زندگی کا دارومدار بھی پانی پر ہے۔

وَلَقَدْ صَرَّفْنٰهُ بَيْنَهُمْ: ہم نے پانی کو مختلف طبقوں میں تقسیم کیا ہے، یعنی: پانی پہنچانے کو تمام خطوں میں ایک جیسا نہیں رکھا بلکہ کہیں زیادہ موجود ہے، کہیں مشقت سے حاصل ہوتا ہے اور کہیں نایاب ہے، زمین کے نیچے پانی عام طور پر میٹھا ہوتا ہے، مگر بعض علاقوں میں کھارا بھی ہے، بارش، ندی، نالے اور دریاؤں کا پانی انسانی زندگی میں استعمال ہوتا ہے، مگر کھاری پانی نہ پینے کے کام آتا ہے اور نہ کھیتی باڑی کے، پانی کا سب سے بڑا ذخیرہ سمندر ہے مگر وہ پینے کے قابل نہیں ہے، بڑے بڑے صحراؤں میں پانی بالکل نایاب ہے۔

کافروں کا ایک اعتراض یہ بھی تھا کہ اللہ نے ہر ہر بستی اور ہر ہر مقام پر اپنے پیغمبر کیوں نہ بھیجے، اس کے جواب میں اللہ نے فرمایا ہے کہ: اگر ہم چاہتے تو ہر بستی میں ڈرانے کیلئے پیغمبر بھیج دیتے، یہ کام ہماری قدرت سے

باہر نہیں ہے مگر یہ ہماری حکمت کی خلاف ہے، اللہ تعالیٰ نے مختلف علاقوں میں خاص خاص لوگوں میں اپنے پیغمبر بھیجے، ان پر وحی اتاری اور اس طرح لوگوں کی ہدایت ورہنمائی کا انتظام فرمایا، اور پھر آخر میں تمام انسان کے لئے اپنا آخری پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا۔

دو سمندروں کا ملنا

فَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَ جَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا ﴿۵۲﴾ وَ هُوَ

پس نہ اطاعت کریں کافروں کی اور مقابلہ کریں ان سے ساتھ اسکے مقابلہ زوردار (۵۲) اور وہی ہے

الَّذِيْ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَّ هٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ ۚ

جس نے ملایا دو سمندروں کو یہ میٹھا خوشگوار اور یہ کھاری کڑوا

وَ جَعَلَ بَيْنَهُمَا بَرْزَخًا وَّ حِجْرًا مَّحْجُوْرًا ﴿۵۳﴾

اور کردیا درمیان ان دونوں کے پردہ اور آڑ پوشیدہ (۵۳)

بامحاورہ ترجمہ: سو! آپ کافروں کا کہنا مت مانیں اور اس قرآن کے ذریعے بڑے زور سے مقابلہ کریں۔ (۵۲) اور وہی ہے جس نے دو سمندروں کو ملا کر چلایا ایک میٹھا پیاس بجھانے والا اور ایک کھاری کڑوا اور ان دونوں کے بیچ میں پردہ اور پوشیدہ آڑ رکھی۔ (۵۳)

لفظی تحقیق: فُرَاتٌ: میٹھا، خوشگوار، اس کا مادہ: ف۔ر۔ت۔ ہے ایسا پانی جس کے پینے سے مزہ آئے اور پیاس بجھے ٹھنڈا میٹھا پانی۔ حِجْرًا مَّحْجُوْرًا: آڑ جو پوشیدہ ہو۔

تفسیر

اس آیت میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو تاکید ہے کہ ان کافروں کی ایک نہ سنیں، اور قرآن کی تعلیم کے ذریعے ان کا

سر توڑ مقابلہ کریں، آگے اللہ تعالیٰ کی قدرت کی ایک اور نشانی بیان کی گئی ہے، تاکہ غافل لوگ کسی طرح اللہ تعالیٰ کو پہنچانیں، لو دیکھو! اسی زمین کے اوپر اور اندر کھاری اور میٹھے دو قسم کے پانی کے دریا اور چشمے بہہ رہے ہیں، اور دونوں کے بیچ میں دُہری تہری آڑیں ہیں، جو ایک دوسرے کو جدا جدا رکھتی ہیں، حتیٰ کہ جہاں کہیں میٹھے اور کھاری پانی کے دریا مل کر بہتے ہیں، وہاں بھی ایک کے مزے کو دوسرا خراب نہیں کرتا، جس کی گواہی سمندر کے قریب بسنے والے دیتے ہیں۔

فَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ: آپ کافروں کی بات نہ مانیں بلکہ ان کے خلاف قرآن پاک کے ذریعے بہت بڑا جہاد کریں، اللہ تعالیٰ نے قرآن اتار کر انسان کی ہدایت کا سامان مہیا فرمایا، جہاد اپنے اندر وسیع مفہوم رکھتا ہے، اس سے مراد محض جنگ نہیں بلکہ جنگ بھی جہاد کا ایک حصہ ہے، جہاد سے مراد اپنی تمام ظاہری اور باطنی قوتوں کو دشمن کے مقابلے میں خرچ کرنا ہے، دشمن کے خلاف جہاد تو وقتی طور پر ہوتا ہے جو بالآخر ختم ہوجاتا ہے مگر قرآن کے ذریعے جس جہاد کا حکم دیا گیا ہے وہ لگاتار ہے، جب تک پوری دنیا کفر، شرک، بدعات اور گناہوں سے پاک نہ ہوجائے۔ جب تک لوگوں کی فکر پاک نہ ہوجائے، جب تک ظلم و ناانصافی کا خاتمہ نہ ہوجائے یہ جہاد جاری رہیگا۔

قرآن کے مخالفین بھی اپنی کوشش جاری رکھیں گے، لوگوں کے دلوں میں شکوک وشبہات پیدا کرنے کے لئے غلط پروپیگنڈا کریں گے، ان سب کے خلاف جہاد کرنا جہاد کبیر ہے۔

اس آیت کی تفسیر میں بعض مفسرین نے آنکھوں دیکھا حال بیان کیا ہے، جن سے اللہ تعالیٰ کی اس بیان کردہ حقیقت کی تصدیق ہوتی ہے، بنگال میں اراکان سے لیکر چاٹگام تک دریا کی شان یہ ہے کہ اس کے پیٹ میں دو مختلف قسموں کے پانی چلتے ہیں، ایک پانی سفید ہے، جب کہ دوسرا سیاہ، سفید پانی میٹھا ہے اور سیاہ پانی کڑوا ہے، سیاہ پانی میں سمندر کی طرح موجیں اٹھتی ہیں جب کہ سفید پانی سکون سے چلتا ہے، کشتی بھی سفید پانی میں ہی چلتی ہے، اور دونوں کے بیچ میں ایک دھاری سی برابر چلی گئی ہے، تو اس طرح گویا ایک دریا میں دو مختلف قسم کے

پانی الگ الگ نظر آتے ہیں، معلوم ہوتا ہے کہ یہ دو الگ الگ دریا ہیں حالانکہ وہ دو کناروں کے درمیان اکٹھے بہہ رہے ہیں۔

بنگال کے ضلع باریسال میں دو ندیاں ایک جگہ سے نکلتی ہیں مگر ایک کا پانی کڑوا اور ناقابل استعمال ہے جب کہ دوسرے کا پانی میٹھا اور لذیذ ہے۔

یہ بات بھی دیکھنے میں آتی ہے کہ زمین کے نیچے کا پانی کہیں کھاری ہے اور کہیں میٹھا، کسی ایک ہی بستی میں کھاری اور میٹھے پانی کے کنوئیں قریب قریب ہوتے ہیں، مگر یہ پانی زمین کے نیچے خلط ملط نہیں ہوتا، مدینہ طیبہ کے اکثر کنوؤں کا پانی کھاری تھا، مگر بئر رومہ کا پانی میٹھا تھا، جو یہودیوں کی ملکیت تھا، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے ترغیب دلانے پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ کنواں پینتیس ہزار (۳۵۰۰۰) درہم میں خرید کر مسلمانوں کے لئے وقف کر دیا تھا۔

آدمی کے آپس کے رشتے

وَ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّ صِهْرًا ؕ

اور وہی ہے جس نے بنایا سے پانی آدمی پھر مقرر کیے ان کے نسبی رشتے اور دامادی کے رشتے

وَ كَانَ رَبُّكَ قَدِیْرًا ﴿۵۴﴾ وَ یَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا

اور ہے رب آپ کا قدرت والا (۵۴) اور پوجتے ہیں سے سوا اللہ کے اسے جو نہ

یَنْفَعُهُمْ وَ لَا یَضُرُّهُمْ ؕ وَ كَانَ الْكَافِرُ عَلٰی رَبِّهٖ ظَهِیْرًا ﴿۵۵﴾

نفع دے انہیں اور نہ ضرر دے انہیں اور ہے کافر خلاف رب اپنے کے مددگار (۵۵)

وَ مَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّ نَذِیْرًا ﴿۵۶﴾

اور نہیں بھیجا ہم نے آپ کو مگر خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا (۵۶)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور وہی ہے جس نے آدمی کو پانی سے بنایا، پھر اس کا خاندان اور سسرال بنا دیئے اور آپ کا رب سب کچھ کرسکتا ہے۔ (۵۴) اور اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اس چیز کو پوجتے ہیں جو نہ ان کو فائدہ دے سکتی ہے نہ نقصان، اور کافر اپنے رب کے خلاف مددگار رہے۔ (۵۵) اور ہم نے آپ کو خوشخبری دینے اور ڈرانے کے لئے بھیجا ہے۔ (۵٦)

تفسیر

اس آیت میں بیان کیا گیا ہے کہ انسان نطفے سے بنا ہے اور پھر خاندانی اور شادی بیاہ کے رشتے قائم کردیئے، اسے سوچنا چاہیئے کہ اسے کس نے بنایا ہے اور اس کی سہولت کے لئے ان میں آپس کا اتفاق کس نے پیدا کیا اور اس کا جواب سوا اس کے کچھ نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا جو ہر شے پر قادر ہے، اور اُسی نے آپس میں اتفاق اور پیار محبت پیدا فرمایا، باوجود اس کے کچھ لوگ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر ایسی چیزوں کی عبادت کرتے ہیں، جو انہیں نہ نفع دے سکیں نہ نقصان، بہرحال پیغمبروں کا کام عملوں کے نتیجوں سے خبردار کردینا ہے اور بس!

پیغمبر کی ہدایت

قُلْ مَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِلَّا مَنْ شَآءَ اَنْ يَّتَّخِذَ
کہہ دیجئے نہیں مانگتا میں تم سے پر اس کوئی اجرت ہاں جو چاہے کہ پکڑے

اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ﴿۵۷﴾ وَ تَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِيْ لَا يَمُوْتُ وَ
طرف رب اپنے کی راستہ (۵۷) اور بھروسہ کر پر زندہ جسے نہ موت آئے گی اور

سَبِّحْ بِحَمْدِهٖ ؕ وَ كَفٰى بِهٖ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِيْرًا ﴿۵۸﴾
بیان کر خوبیاں اس کی اور کافی ہے وہ سے گناہوں بندوں اپنے کے خبر رکھنے والا (۵۸)

بامحاورہ ترجمہ:۔ آپ کہیں میں تم سے اس تبلیغ پر کچھ مزدوری نہیں مانگتا، بس! یہ چاہتا ہوں کہ جو چاہے اپنے رب کا راستہ پکڑے۔(۵۷) اور آپ اس حیی وقیوم پر بھروسہ کریں جسے کبھی فنا نہیں اور اس کی خوبیاں بیان کریں اور وہ اپنے بندوں کے گناہوں کی خبر رکھنے کے لئے کافی ہے۔(۵۸)

تفسیر

اس آیت میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ارشاد ہے کہ: ان کی یہ غلط فہمی دور کردو اور صاف طور پر کہہ دو کہ اللہ کے بندو! میں تم سے کچھ نہیں مانگتا، مجھے تمہاری کمائی میں سے ایک پائی بھی نہیں چاہیئے، میرا مقصد تو یہ ہے کہ انسانوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف پہنچنے کا راستہ بتادوں اور جو اس راستہ کی تلاش میں ہو اس کی رہنمائی کروں، پھر ارشاد ہے کہ اے پیغمبر! اس زندہ وتوانا "حی وقیوم" پر بھروسہ کریں جو ہمیشہ رہیگا، اس کی خوبیاں بیان کرنے میں ہر وقت مصروف رہیں اور "سبحان الله وبحمده" کا ورد کریں اور ان میرے نافرمان بندوں کی بابت فکر نہ کریں، ان کے کاموں سے میں خوب واقف ہوں اور میری اور قدرت ان کو ان کے عملوں کی سزا جزا دینے کے لئے کافی ہے۔

سجدہ کیسے کریں

ٱلَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ مَا بَيْنَهُمَا فِىْ سِتَّةِ اَيَّامٍ

وہ جس نے | پیدا کیا | آسمانوں کو | اور | زمینوں کو | اور جو کچھ بیچ میں ہے ان دونوں کے | میں | چھ | دنوں

ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ۚ اَلرَّحْمٰنُ فَسْـَٔلْ بِهٖ خَبِيْرًا ﴿۵۹﴾

پھر | قائم ہوا | پر | عرش | وہ بڑی رحمت والا | پس پوچھئے بابت اس کی خبر رکھنے والے سے(۵۹)

مع عند المتقدمین ۱۲

وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمُ اسْجُدُوْا لِلرَّحْمٰنِ قَالُوْا وَ مَا الرَّحْمٰنُ ۗ
اور جب کہا جائے سے ان سجدہ کرو رحمٰن کو کہیں وہ اور کیا ہے رحمٰن

اَنَسْجُدُ لِمَا تَاْمُرُنَا وَ زَادَهُمْ نُفُوْرًا ۩ ﴿۶۰﴾
کیا ہم سجدہ کریں جسے تو سجدہ کرنے کو کہے ہم کو اور بڑھا دیتا ہے یہ کہنا ان کی نفرت (۶۰)

(یہ سجدہ کی آیت ہے اس کو پڑھ کر یا سن کر سجدہ کرنا واجب ہے)

ع ۵ (۲) ۴ النصف

بامحاورہ ترجمہ:۔ (وہ اللہ) جس نے پیدا کیا آسمانوں اور زمینوں کو اور جو کچھ ان کے درمیان میں ہے چھ دنوں میں، پھر عرش پر قائم ہوا، وہ بڑی رحمت والا ہے، سو! اس کے بارے میں خبر رکھنے والوں سے پوچھو۔ (۵۹) جب ان سے کہے کہ رحمٰن کو سجدہ کرو تو کہتے ہیں رحمٰن کیا ہے؟ کیا ہم اس کو سجدہ کریں جس کے لئے تو ہم کو حکم دیتا ہے، اس طرح کہنے سے ان کی نفرت اور بڑھ جاتی ہے۔ (۶۰)

تفسیر

وہ اللہ جس نے آسمان اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان میں ہے چھ دن میں بنائے، اور پھر یہ سب کچھ پیدا کر کے عرش پر قائم ہوا، اور وہ بڑی رحمت والا ہے، اس کی بابت کچھ جاننا چاہتے ہو تو کسی جاننے والے سے پوچھو، یہ مشرک لوگ رحمٰن کو کیا جانیں، ان سے تو جب کہا جاتا ہے کہ رحمٰن کو سجدہ کرو تو، کہتے ہیں کہ رحمٰن کیا ہے؟ کیا ہم اس کے آگے سجدہ کریں؟ جس کے آگے سجدہ کرنے کا تو حکم دے۔ ان جاہلوں کی تو رحمٰن کا نام لیتے ہی نفرت اور زیادہ ہو جاتی ہے۔ اور انکار کا ایک اور بہانہ مل جاتا ہے کہ تو نے اللہ کو چھوڑ کر اب ایک اور رحمٰن نکالا، یہ تو اپنا حکم چلانا چاہتا ہے اور کچھ نہیں۔

وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمُ اسْجُدُوْا لِلرَّحْمٰنِ: جب ان کافروں سے کہا جاتا ہے کہ رحمٰن کے سامنے سجدہ کرو تو وہ اس سے بدکتے ہیں۔ کہتے ہیں رحمٰن کیا ہے؟ ہم کسی رحمٰن کو نہیں جانتے، واقعہ حدیبیہ میں بھی معاملہ اسی بات پر آ کر رُک گیا تھا، صلح نامہ کی تحریر کے شروع میں جب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے "بسم اللہ الرحمن الرحیم" لکھوایا، تو

مشرکوں نے فوراً اعتراض کر دیا کہ ہم کسی رحمٰن اور رحیم کو نہیں جانتے، لہذا "بسمک اللّٰھُمَّ" لکھو جیسا کہ پہلے لکھا کرتے تھے، چنانچہ ایسے ہی لکھا گیا۔

مشرکوں کا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک اعتراض یہ بھی تھا کہ ہمیں تو توحید کی دعوت دیتے ہو اور خود اللہ تعالیٰ کے ساتھ رحمٰن اور رحیم کو پکارنے کے لئے بھی کہتے ہو، اللہ نے اس اعتراض کا جواب بہت سی جگہوں پر دیا ہے۔

خدا تعالیٰ کی ذات تو ایک ہی ہے، البتہ اس کے نام اور وصف بہت سے ہیں، اللہ تعالیٰ کو جس نام سے بھی پکاروگے، وہ راضی ہوگا، وہ رحمٰن، رحیم، ستار، غفار، اور رازق ہے، اس کے تمام نام بھلے ہیں اور اسے کسی بھی نام سے پکارا جاسکتا ہے، اور صرف اسی کے سامنے سجدہ کیا جاسکتا ہے، اس کے سوا کسی کے لئے سجدہ جائز نہیں۔

ابن ابی حاتم محدث رحمۃ اللہ علیہ نے روایت بیان کی ہے جسے امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی نقل کیا ہے، فرماتے ہیں کہ: پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینے کی کسی گلی سے بازار میں جارہے تھے، راستے میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ ملے، ایران کے لوگ اپنے بادشاہ کو سجدہ کرتے تھے، تو سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سجدہ کرنا چاہا، اس پر آپ نے ان کو سمجھایا، اے سلمان! مجھے سجدہ نہ کرو بلکہ اس زندہ ہستی کو سجدہ کرو جس کو موت نہیں، دوسری حدیث میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یہ الفاظ بھی آتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو سجدہ جائز ہوتا تو میں عورت سے کہتا کہ وہ اپنے خاوند کے سامنے سجدہ کرے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے شوہر کا بڑا حق رکھا ہے، لیکن سجدہ کرنا اس کو بھی جائز نہیں۔

فَسْـَٔلْ بِهٖ خَبِيْرًا: یعنی: آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کرنا پھر اپنی شان کے مطابق عرش پر قائم ہونا، سب اللہ رحمٰن کا کام ہے، اس کی تصدیق وتحقیق مطلوب ہو تو کسی باخبر سے پوچھئے، باخبر سے مراد حق تعالیٰ یا جبرائیل امین ہیں، اور یہ احتمال بھی ہے کہ اس سے مراد کتابوں کے علماء ہوں جن کو اپنے اپنے پیغمبروں کے ذریعہ اس معاملہ کی خبر ہے۔

با قاعدہ نظام

تَبٰرَكَ الَّذِیْ جَعَلَ فِی السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّ جَعَلَ فِیْهَا سِرٰجًا
بابرکت ہے وہ جسنے بنائے میں آسمان برج اور رکھا میں ان چراغ

وَّ قَمَرًا مُّنِیْرًا۝۶۱ وَ هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الَّیْلَ وَ النَّهَارَ خِلْفَةً
اور چاند روشن کرنیوالا (۶۱) اور وہی ہے جس نے بنائے رات اور دن ایک دوسرے کے پیچھے آنیوالے

لِّمَنْ اَرَادَ اَنْ یَّذَّكَّرَ اَوْ اَرَادَ شُكُوْرًا۝۶۲
لئے اس کے جو ارادہ کرے اس کا کہ سمجھے یا ارادہ کرے شکر کا (۶۲)

بامحاورہ ترجمہ:۔ بڑی برکت والی ہے اس کی ذات جس نے آسمان میں برج بنائے اور رکھ دیا ان میں سورج کا چراغ اور روشن کر دیا چاند کو۔(۶۱) اور وہی ہے جس نے رات اور دن بنائے آگے پیچھے آنے والے اس شخص کے واسطے جو نصیحت حاصل کرنا یا شکر گزاری کرنا چاہے۔یعنی اس میں سمجھنے والے کیلئے دلیلیں اور شکر گزاری کرنے والے کیلئے انعام ہیں۔(۶۲)

لفظی تحقیق: سِرٰجًا: چراغ۔یہاں اس سے مراد سورج ہے۔بُرُوْج: (حصّے) برج کی جمع ہے، آسمان کے بارہ حصے ہیں جن میں سے ہر ایک کو برج کہتے ہیں۔خِلْفَةً: ایک دوسرے کے پیچھے آنے والا۔

تفسیر

اللہ تعالیٰ کے پہنچانے کے لئے سب سے زیادہ واضح نشانی رات اور دن کا لگا تار ایک دوسرے کے پیچھے آنا جانا ہے، دراصل انسان سوچتا ہی نہیں ورنہ ایک چیز کو بار بار ایک ہی طریقہ سے ہوتے دیکھ کر معمولی عقل والا انسان بھی اتنا تو سمجھ ہی سکتا ہے کہ اس طریقہ کا ان کے لئے کوئی مقرر کرنے والا ہے۔

چنانچہ اس آیت میں ارشاد ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ ہے جو بڑی برکت والا ہے جس نے اس نظام کے قائم

کرنے کے لئے آسمان پیدا کیا اور ان میں سورج اور چاند بنائے اور پھر آسمان کے حصے مقرر کر دیے جن میں ستارے حرکت کرتے رہتے ہیں اور اسی حرکت کی بدولت سورج اور چاند کا مقام باقاعدہ بدلتا رہتا ہے جس کی وجہ سے دن اور رات پیدا ہوتے ہیں اور یہ حرکت اس قدر باقاعدہ ہے کہ رات اور دن اپنے اپنے وقت پر ایک دوسرے کی جگہ آگے پیچھے آتے رہتے ہیں، اس نظام میں انسان کے لئے بے شمار فائدے ہیں انہیں دیکھ کر عقل والے اگر چاہیں تو اللہ تعالیٰ کو آسانی کیساتھ پہنچان سکتے ہیں اور اس کی شکر گزاری کر سکتے ہیں۔

تَبٰرَكَ الَّذِيْ جَعَلَ فِي السَّمَآءِ بُرُوْجًا: بعض فرماتے ہیں: کہ برج سے مراد آسمان کے بڑے بڑے ستارے ہیں جو رات کو نظر آتے ہیں اور ان میں کسی کی روشنی سفید، کسی کی سرخ اور کسی کی نیلی ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ نے ان میں مختلف قسم کی خاصیتیں رکھی ہیں۔ اور بعض فرماتے ہیں کہ آسمان کے مختلف مقامات پر بڑے بڑے قلعے اور دروازے بنے ہوئے ہیں، جہاں اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی ڈیوٹیاں لگا رکھی ہیں اور وہ وہاں پر پہرہ دیتے ہیں، ان قلعوں اور دروازوں کو برج کا نام دیا گیا ہے۔

چاند اور سورج زمینی مخلوقات کیلئے بہت فائدہ مند ہیں، چاند کی مدھم اور دھیمی روشنی اپنے اندر خاص اثرات رکھتی ہے، مثلاً: پھلوں میں رس چاندنی کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے، انسانوں، جانوروں اور نباتات پر بھی اس کے خاص اثرات پڑتے ہیں، سمندروں میں مدو جزر (جوار بھاٹا) بھی چاند کے اثرات کی وجہ سے ہوتا ہے، یہ چیزیں اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کی وحدانیت کی دلیل ہیں۔

وَ هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الَّيْلَ وَ النَّهَارَ خِلْفَةً: صحیح حدیث میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے، اللہ تعالیٰ اپنی شفقت کا ہاتھ رات کو پھیلا دیتا ہے تاکہ دن کے وقت برائی کرنے والا رات کو توبہ کر لے، اسی طرح فرمایا: اللہ تعالیٰ اپنا ہاتھ دن کے وقت پھیلا دیتا ہے تاکہ رات کو گناہ کرنے والا دن کے وقت معافی مانگ لے، دن رات کی تبدیلی کی ایک یہ حکمت بھی بیان کی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے سورج، چاند اور پھر رات دن کا سلسلہ اس لئے قائم کیا ہے تاکہ لوگ پورے طریقے سے اس

میں غور وفکر کریں اور پھر خدا تعالیٰ کی پہچان حاصل کریں، تمام تبدیلیاں خواہ بڑی ہوں یا چھوٹی، سب اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں، رات اور دن کے فائدوں کو دیکھ کر انسان کو شکر گزار بننا چاہیئے۔

نیکوں کی صفتیں (الف)

وَ عِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِیْنَ یَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّ اِذَا

اور بندے رحمٰن کے وہ لوگ ہیں جو چلتے ہیں پر زمین آرام آرام سے اور جب

خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ﴿۶۳﴾ وَ الَّذِیْنَ یَبِیْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ

گفتگو کرتے ہیں ان سے نادان لوگ تو کہتے ہیں سلجھی ہوئی بات (۶۳) اور وہ جو رات گزارتے ہیں لئے رب اپنے کے

سُجَّدًا وَّ قِیَامًا ﴿۶۴﴾ وَ الَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا

سجدہ کرتے ہوئے اور کھڑے ہوئے (۶۴) اور وہ جو کہتے ہیں اے رب ہمارے! پھیر دے سے ہم

عَذَابَ جَهَنَّمَ ۖ اِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا ﴿۶۵﴾ ۖ اِنَّهَا سَآءَتْ

عذاب دوزخ کا تحقیق عذاب اس کا ہے چمٹ جانے والا (۶۵) تحقیق وہ برا ہے

مُسْتَقَرًّا وَّ مُقَامًا ﴿۶۶﴾

ٹھہرنے کا ٹھکانا اور رہنے کا گھر (۶۶)

بامحاورہ ترجمہ: اور رحمٰن کے بندے وہ لوگ ہیں جو زمین پر دبے پاؤں چلتے ہیں اور جب ان سے ناسمجھ لوگ بات کرتے ہیں تو وہ کہتے ہیں نرم بات۔ (۶۳) اور وہ لوگ ہیں جو اپنے رب کے آگے سجدہ اور قیام میں رات کاٹتے ہیں۔ (۶۴) اور وہ لوگ جو کہتے ہیں اے ہمارے رب! ہٹا ہم سے دوزخ کا عذاب، بیشک اس کا عذاب چمٹنے والا ہے۔ (۶۵) وہ بری جگہ ہے ٹھہرنے کی اور رہنے کی۔ (۶۶)

لفظی تحقیق: هَوْنًا: آہستہ نرمی سے۔ اس سے مراد ہے کہ اتراتے ہوئے، اکڑتے ہوئے، ادھر ادھر

نگاہیں دوڑاتے ہوئے نہیں بلکہ عاجزانہ طور پر نیچی نظریں کیے ہوئے آہستہ آہستہ رفتار سے چلتے ہیں۔ **غَرَامًا**: وہ آفت جو پیچھے ہی پڑ جائے جانے کا نام ہی نہ لے۔ اس طرح کہ آدمی کو بے بس کردے۔

تفسیر

یہ عباد الرحمٰن کی پہلی صفت ہے کہ وہ دنیا کی اس عارضی زندگی میں تکبر نہیں کرتے بلکہ اللہ کی زمین پر چلتے وقت پر سکون اور پر وقار نظر آتے ہیں، ان کی چال ڈھال میں کمال درجے کا وقار ہوتا ہے، اس کے برخلاف کافر اور مشرک ہمیشہ غرور میں مبتلا رہتے ہیں، یہ ان کا تکبر ہی تھا، جس کی وجہ سے انہوں نے خدائے رحمان کے سامنے سجدہ کرنے سے انکار کر دیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ دیکھا کہ ایک نوجوان سینہ آگے نکال کر اکڑتے ہوئے جا رہا تھا، آپ نے اس کو بلا کر کہا کہ اکڑ کی چال اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں ہے، سوائے جہاد کے وقت کافروں کے مقابلے میں کہ ایسے موقع پر اکڑنا درست ہے، تاکہ دشمن پر رعب ہو، "سورہ لقمان" میں ہے: اپنی چال میں میانہ روی اختیار کرو، جس طرح غرور تکبر والی چال درست نہیں، اسی طرح ضعیفوں والی چال ڈھال بھی ٹھیک نہیں۔ (آیت: ۱۹) پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں آتا ہے کہ آپ تواضع کیساتھ چلتے تھے، مگر پاؤں زمین سے اٹھا کر، بیماروں کی طرح پاؤں زمین پر گھسیٹ کر چلنا بھی ٹھیک نہیں، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم چلتے وقت آگے کی طرف جھکے ہوئے ہوتے تھے، گویا کہ آپ کسی ڈھلوان سے اتر رہے ہیں، سینہ تان کر تکبر کی چال چلنا اللہ تعالیٰ کو ہرگز پسند نہیں۔

وَ الَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اصْرِفْ: یہ وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! ہم سے دوزخ کے عذاب کو دور کر دے، اللہ تعالیٰ کے بندوں کو ہمیشہ یہ فکر رہتی ہے کہ کہیں وہ دوزخ کے عذاب کا شکار نہ ہو جائیں: اس لئے وہ ہمیشہ اس سے پناہ مانگتے رہتے ہیں، "سورہ بقرہ" میں موجود ہے اللہ کے بندے اپنے پروردگار سے جہاں دنیا اور آخرت کی بھلائی مانگتے ہیں، وہ یہ بھی درخواست کرتے ہیں۔ (آیت: ۲۰۱) اے

پروردگار! ہمیں دوزخ کے عذاب سے محفوظ رکھنا،" سورہ آل عمران" میں ہے، جو شخص دوزخ سے بچا کر جنت میں داخل کردیا گیا وہ کامیاب ہوگیا۔ (آیت:۱۸۵) اللہ تعالیٰ کے بندے ہمیشہ ایسی کامیابی کی دعائیں کرتے ہیں، بہرحال اللہ کے بندوں کی ایک صفت یہ ہے کہ وہ دوزخ کے عذاب سے پناہ چاہتے ہیں کیونکہ بیشک دوزخ کا عذاب چمٹ جانے والا ہے، بیشک یہ دوزخ رہائش کی بہت بری جگہ اور بہت برا ٹھکانا ہے۔

"مسند احمد" میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ دوزخ میں پڑا ہوا ایک شخص ایک ہزار سال تک" یا حَنَّانُ یَا مَنَّانُ "یعنی: اے شفقت کرنے والے اور احسان کرنے والے خدا پکارتا رہیگا، بالآخر اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرمائیں گے کہ جاؤ! اس شخص کو پکڑ کر لے آؤ، فرشتے جاکر دیکھیں گے تو سب دوزخی اُوندھے منہ پڑے ہوں گے اور اس شخص کی پہچان نہیں ہوسکے گی، واپس آکر اللہ تعالیٰ کے سامنے صورت حال بیان کریں گے، اللہ تعالیٰ فرمائیں گے، جاؤ اس کو لے کر آؤ۔ فرشتے اس شخص کو پکڑ کر لے آئیں گے جب وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہوگا، تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے، اے میرے بندے! دوزخ کا ٹھکانا کیسا ہے؟ وہ کہے گا، بہت ہی برا ہے، نہایت ہی تکلیف دہ ہے، اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: جاؤ! واپس اسی میں چلے جاؤ، وہ بندہ عرض کرے گا اے میرے رب! آپ کی رحمت سے مجھے یہ امید تو نہ تھی کہ ایک دفعہ دوزخ سے نکالنے کے بعد پھر اسی میں داخل کردیں۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت جوش میں آئے گی اور حکم ہوگا کہ اس کو دوزخ سے رہا کردو، غرضیکہ دوزخ بہت ہی برا ٹھکانا ہے، اللہ تعالیٰ اس سے محفوظ رکھے۔ (آمین)

احکام ومسائل

وَ اِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا: یعنی: جب جہالت والے ان سے بات کرتے ہیں تو وہ کہتے ہیں، "سلام"، یہاں جاہلوں کا ترجمہ جہالت والوں سے کرکے یہ بات واضح کردی گئی ہے کہ مراد اس سے بے علم آدمی نہیں بلکہ وہ جو جہالت کے کام اور جاہلانہ باتیں کرے، خواہ حقیقت میں وہ علم والا بھی ہو، اور لفظ

"سلام" سے مراد یہاں عرفی "سلام" نہیں بلکہ سلامتی کی بات ہے، "قرطبی" نے نحاس سے نقل کیا ہے کہ اس جگہ سلام تسلیم کے معنٰی میں ہے سلامت رہنا، مراد یہ ہے کہ جاہلوں کے جواب میں وہ سلامتی کی بات کہتے ہیں جس سے دوسروں کو تکلیف نہ پہنچے اور گنہگار نہ ہو، بے وقوف جاہلانہ باتیں کرنے والوں سے یہ حضرات انتقامی معاملہ نہیں کرتے بلکہ ان سے درگزر کرتے ہیں۔

وَ الَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّ قِيَامًا: یعنی: وہ رات گزارتے ہیں اپنے رب کے سامنے سجدہ کرتے ہوئے اور قیام کرتے ہوئے۔رات کی عبادت کا ذکر خصوصیت سے اسلئے کیا گیا کہ یہ وقت سونے آرام کرنے کا ہے، اس میں نماز وعبادت کے لئے کھڑے ہونے میں خاص مشقت بھی ہے اور اس میں ریا کاری کا خطرہ بھی نہیں ہے، ان کا دن رات اللہ کی اطاعت میں گزرتا ہے، دن کو تعلیم وتبلیغ اور اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد وغیرہ کے کام ہیں رات کو اللہ تعالیٰ کے سامنے عبادت کرنا ہے، تہجد کی نماز کی حدیث میں بڑی فضیلت آئی ہے، "ترمذی" نے حضرت ابواُمامہؓ سے روایت کیا کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: تہجد کی پابندی کرو کیونکہ وہ تم سے پہلے بھی سب نیک بندوں کی عادت رہی ہے، اور وہ اللہ تعالیٰ سے تم کو قریب کرنے والی اور گناہوں کا کفارہ ہے، اور گناہوں سے روکنے والی چیز ہے۔

نیکوں کی صفتیں (ب)

وَ الَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَ لَمْ يَقْتُرُوْا وَ كَانَ

اور وہ لوگ جب خرچ کرتے ہیں نہ بے جا اڑاتے ہیں اور نہ تنگی کرتے ہیں اور ہوتا ہے

بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا ﴿۶۷﴾ وَ الَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ

ان کا خرچ اس کے درمیان ٹھہرا ہوا (۶۷) اور وہ لوگ جو نہیں پکارتے ساتھ اللہ کے معبود دوسرا

وَ لَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَ لَا

اور نہیں قتل کرتے جان کو جسے محفوظ قرار دیا اللہ نے مگر ساتھ حق کے اور نہیں

يَزْنُوْنَ ۚ وَ مَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا ﴿۶۸﴾

بدکاری کرتے اور جو کرے گا یہ کام پڑے گا گناہ میں (۶۸)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور وہ لوگ کہ جب وہ خرچ کرتے ہیں تو نہ وہ فضول خرچ کرتے ہیں اور نہ وہ کنجوسی کرتے ہیں، اوران کا گذاران اس کے درمیان ہوتا ہے۔(۶۷) اور (عبادالرحمان) وہ لوگ ہیں جو نہیں پکارتے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور کو معبود۔ اور نہیں قتل کرتے اس جان کو کہ جس کے قتل کرنے کو اللہ نے حرام قرار دیا ہے۔ مگر حق کے ساتھ۔ اور نہیں وہ بدکاری کرتے، اور جو شخص ایسا کرے گا، وہ گناہوں میں جا پڑے گا۔(۶۸)

لفظی تحقیق: لَمْ يَقْتُرُوْا: نہیں تنگی کی۔

تفسیر

اللہ کے بندے وہ ہیں کہ جب خرچ کرتے ہیں تو نہ فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ کنجوسی کرتے ہیں، ایک فضول خرچی تو یہ ہے کہ انسان حرام اور ناجائز کاموں میں خرچ کرے جیسا کہ عورتوں، شادیوں اور پارٹیوں پر کیا جاتا ہے، یا پھر مکان کی زیب وزینت پر حد سے زیادہ مال خرچ کیا جاتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں آتا ہے کہ جو میانہ روی اختیار کرتا ہے وہ محتاج نہیں ہوتا۔

جس طرح فضول خرچی ناپسندیدہ ہے، اسی طرح کنجوسی بھی ناپسندیدہ ہے، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کنجوسی سے بڑھ کر کوئی بیماری نہیں ہے، اپنے بال بچوں کی جائز ضرورتیں بھی پوری نہ کرنا کنجوسی ہے، غریبوں، مسکینوں اور رشتہ داروں کا حق ادا نہ کرنا یہ بھی کنجوسی کی علامت ہے، اور فضول خرچی کے درمیان میانہ روی بہترین راستہ ہے، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا بھی سکھلائی ہے:

"اے پروردگار! میں تجھ سے میانہ روی کا سوال کرتا ہوں۔"

وَ الَّذِیْنَ لَا یَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ: یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ کے ساتھ کسی دوسرے کو معبود نہیں پکارتے، صحیحین میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں آتا ہے کہ انہوں نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ سب سے بڑا گناہ کون سا ہے؟ آپ نے فرمایا: سب سے بڑا گناہ یہ ہے کہ اللہ کا شریک ٹھہرائے، حالانکہ اسی نے تمہیں پیدا کیا ہے م، اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کو اس کی عبادت میں یا صفت میں شریک کرے گا یا اللہ تعالیٰ کی طرح کسی کو نفع نقصان پہچانے والا سمجھ کر اس سے حاجت طلب کرے گا یا مراد مانگے گا یا کسی کو نذر ونیاز پیش کریگا تو یہ شرک ہوگا جسے سب سے بڑا جرم شمار کیا گیا ہے، جسکی کبھی بخشش نہیں ہوگی۔

وَ لَا یَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ: کہ وہ کسی جان کو ناحق قتل نہیں کرتے، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ: صرف تین صورتوں میں قتل کرنا جائز ہے، ایک ایسا قتل جو قتل کے بدلے میں قصاص کے طور پر کیا جائے، دوسرا مرتد کا قتل ہے جو دین اسلام سے پھر جائے اور سمجھانے کے باوجود دین میں واپس نہ آئے، اور تیسرا قتل شادی شدہ بدکار کا ہے جسے سنگسار کر دیا جائے، یہ تینوں سزائیں حاکم اور قاضی کے سوا کسی کو دینے کا اختیار نہیں ہے۔

وَ لَا یَزْنُوْنَ: جو بدکاری نہیں کرتے۔ جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے، بدکاری بھی کبیرہ گناہوں میں سے ایک گناہ ہے پھر اس میں بھی سب سے بڑا گناہ وہ بدکاری ہے جو اپنے پڑوسی کی بیوی سے کی جائے کیونکہ پڑوسی کا پڑوسی پر بڑا حق ہوتا ہے، ایک پڑوسی دوسرے پڑوسی کے مال اور عزت کا نگران ہوتا ہے۔

وَ مَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِكَ یَلْقَ اَثَامًا: جو کوئی شخص ایسا کام کرے گا، وہ گناہوں میں جا پڑے گا، بعض فرماتے ہیں کہ: "اَثَام" دوزخ کی ایک وادی کا نام ہے۔ جس میں سخت سزا دی جائے گی، اگر یہ معنیٰ ہو تو جملے کا مطلب یہ ہوگا کہ ایسا شخص دوزخ کی اس وادی میں جا پڑے گا۔

نیکوں کی صفتیں (ج)

يُّضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَ يَخْلُدْ فِيْهٖ مُهَانًا ﴿٦٩﴾ اِلَّا

دُگنا کیا جائے گا لئےاس کے عذاب دن قیامت کے اور ہمیشہ رہیگا میں اس ذلیل وخوار ہوکر (۶۹) مگر

مَنْ تَابَ وَ اٰمَنَ وَ عَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ

جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور کیا کام نیک پس یہ لوگ بدل دے گا اللہ

سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿٧٠﴾

برائیاں ان کی بھلائیوں میں اور ہے اللہ بخشنے والا مہربان (۷۰)

بامحاورہ ترجمہ:۔اس کو قیامت کے دن دُگنا عذاب ہوگا اور اس میں خوار ہوکر پڑا رہیگا۔(۶۹) مگر جس نے توبہ کی اور یقین لایا اور کچھ نیک کام کیا سو ان لوگوں کی برائیوں کو اللہ تعالیٰ بھلائیوں میں بدل دے گا، اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔(۷۰)

لفظی تحقیق: مُهَانًا: ذلیل وخوار۔اسم مفعول ہے۔

تفسیر

ارشاد ہے کہ: جو شخص دنیا میں ان گناہوں سے جو آیت میں بیان کی گئی ہیں باز نہیں آتا، اس کو مرنے کے بعد قیامت کے دن دُگنا عذاب ملے گا، مدتوں اسی عذاب میں پڑا رہیگا، کیونکہ یہ سب بڑے بڑے گناہ ہیں، یعنی: شرک وکفر ناحق قتل اور بدکاری۔

يُضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ: قیامت والے دن اس کے عذاب کو دگنا کر دیا جائیگا، نہ اس کا جرم ختم ہوگا اور نہ سزا ختم ہوگی، بلکہ بڑھتی ہی چلی جائے گی؛ اس لئے فرمایا کہ: اس کی سزا کو دُگنا کر دیا جائے گا اور وہ اس میں ذلیل وخوار ہوکر رہے گا، یہ تو ایک گناہ کی سزا ہے، اگر اس کے علاوہ دوسرے جرم بھی ہیں تو ہر جرم کی

الگ الگ سزا ملے گی اور وہاں سے نکلنے کی کوئی صورت نہ ہوگی۔

مگر جس شخص نے توبہ کرلی، وہ ایمان لے آیا، اور اچھے عمل اختیار کیے۔ پس یہی لوگ ہیں کہ جن کی برائیوں کو اللہ تعالیٰ نیکیوں میں تبدیل کردے گا۔ یعنی پہلے جرم معاف ہوکر ان کی جگہ نیکیاں لکھ دی جائیں گی، جب تک انسان کے ہوش وحواس قائم ہیں اور اس پر موت کا غرغرہ طاری نہیں ہوجاتا، اس کے لئے توبہ کا دروازہ کھلا ہے، وہ ہر گناہ سے حتیٰ کہ کفر اور شرک جیسے بدترین گناہوں سے بھی توبہ کرکے اللہ کے نیک بندوں میں شامل ہوسکتا ہے، حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی روایت میں آتا ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت والے دن اللہ تعالیٰ ایک بندے کو حاضر کرنے کا حکم دیں گے، جب وہ حاضر ہوگا تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ: اس کے چھوٹے چھوٹے گناہوں کو شمار کیا جائے، پھر اس سے پوچھا جائے گا کہ کیا تم نے یہ گناہ کئے، وہ شخص اقرار کرتا جائے گا اور ساتھ ساتھ ڈرا ہوا بھی ہوگا کہ کہیں اللہ تعالیٰ بڑے بڑے جرموں کے متعلق نہ پوچھ لیں، پھر حکم ہوگا، جاؤ! ہم نے تمہارے یہ چھوٹے چھوٹے گناہ معاف کردیئے اور ان کے بدلے میں ایک ایک نیکی دے دی، وہ شخص دلیر ہوجائے گا کہ گناہوں کے بدلے میں نیکیاں ہی مل رہی ہیں تو کیوں نہ بڑے بڑے گناہوں کا ذکر بھی ہوجائے تاکہ ان کے بدلے میں بھی نیکیاں مل جائیں، پھر وہ عرض کرے گا کہ اے اللہ! ابھی میرے بعض گناہوں کا ذکر نہیں ہوا، یہ بیان کرتے ہوئے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے مسکرائے اور فرمایا کہ: دیکھو! یہ شخص پہلے تو اپنے گناہوں سے ڈر رہا تھا مگر اب اللہ کی مہربانی دیکھ کر اتنا دلیر ہوگیا کہ خود ان کو یاد کر رہا ہے، بہر حال بعض لوگوں پر اللہ تعالیٰ اس قدر راضی ہوجائے گا کہ ان کے گناہوں کی جگہ ان کے نام نیکیاں لکھ دی جائیں گی، یہ سب سچے دل سے توبہ کرنے کی وجہ سے ہوگا۔

نیکوں کی صفتیں (د)

وَ مَنْ تَابَ وَ عَمِلَ صَالِحًا فَاِنَّهٗ یَتُوْبُ اِلَى اللّٰهِ مَتَابًا ﴿۷۱﴾

اور جو توبہ کرے اور کام کرے نیک پس تحقیق وہ لوٹ رہا ہے طرف اللہ کی سچا لوٹنا (۷۱)

وَ الَّذِیۡنَ لَا یَشۡهَدُوۡنَ الزُّوۡرَ ۙ وَ اِذَا مَرُّوۡا بِاللَّغۡوِ
اور وہ لوگ نہیں حاضر ہوتے جھوٹ کے پاس اور جب گذریں فضول بات کے پاس

مَرُّوۡا كِرَامًا ﴿۷۲﴾
توگذریں سنجیدہ لوگوں کی طرح (۷۲)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور جو کوئی توبہ کرے اور نیک کام کرے، سو! وہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کر رہا ہے۔ (۷۱) اور وہ لوگ جو جھوٹ میں شامل نہیں ہوتے، اور جب بیہودہ باتوں کے پاس سے گذرتے ہیں تو سنجیدگی کے ساتھ گزر جاتے ہیں۔ (۷۲)

تفسیر

اس آیت میں ایمان والوں سے کہا جارہا ہے کہ جس سے نادانی یا غفلت کی وجہ سے کوئی بڑا گناہ ہو جائے تو اس کا علاج توبہ ہے، یعنی: پختہ ارادہ کرلینا کہ ایسا گناہ پھر نہ کروں گا۔

آگے پھر اللہ کے نیک بندوں کی صفتیں بیان کی جارہی ہیں، ارشاد ہے کہ: یہ لوگ جھوٹ کے کاموں میں حاضر نہیں ہوتے اور نہ جھوٹی گواہی دیتے ہیں، جہاں گناہ کی باتیں ہوتی ہیں ان جگہوں سے دور رہتے ہیں۔

وَ الَّذِیۡنَ لَا یَشۡهَدُوۡنَ الزُّوۡرَ: بعض حضرات اس سے مراد جھوٹی گواہی لیتے ہیں، یعنی: اللہ تعالیٰ کے بندے وہ ہیں جو جھوٹی گواہی نہیں دیتے کہ جھوٹی گواہی بھی کبیرہ گناہوں میں شامل ہے، جھوٹی گواہی سے یا تو کسی کا جائز حق مارا جاتا ہے یا ناجائز حق ثابت ہوتا ہے، کسی کا بھی حق مارنا بھی بہت بڑا گناہ ہے، عبادالرحمٰن کی ایک صفت یہ بھی ہے کہ نہ وہ جھوٹی گواہی دیتے ہیں اور کسی جھوٹے معاملے میں شریک ہوتے ہیں۔

مَرُّوۡا كِرَامًا: کہ جب وہ کسی بیہودہ کام کے پاس سے گزرتے ہیں، تو وہ شریفانہ طریقے پر گزر جاتے ہیں، ہر بیہودہ، ناجائز اور فحش بات کو لغو کہا جاتا ہے، حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور امام اعظم امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ

لغویات سے گانا بجانا مراد لیتے ہیں، کھیل تماشہ، گانا بجانا، عشق و محبت کی داستانیں سب لغویات میں شامل ہیں۔

وَ مَنْ تَابَ وَ عَمِلَ صَالِحًا فَاِنَّهٗ يَتُوْبُ اِلَى اللّٰهِ مَتَابًا: بظاہر یہ وہی مضمون ہے جو اس سے پہلی آیت میں آیا ہے اور "قرطبی" نے قفال سے نقل کیا ہے کہ یہ توبہ پہلی توبہ سے مختلف اور الگ ہے کیونکہ پہلا معاملہ کافروں اور مشرکوں کا تھا جو قتل و بدکاری میں بھی مبتلا ہوئے تھے، پھر ایمان لے آئے تو ان کی برائیاں نیکیوں سے بدل دی گئیں، اور یہاں مسلمان گنہگاروں کی توبہ کا ذکر ہے اسی لئے پہلی توبہ کے ساتھ ایمان لانے کا ذکر تھا، اس دوسری توبہ میں ایمان کا ذکر نہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ توبہ ان لوگوں کی ذکر کی گئی ہے، جو پہلے سے مؤمن ہی تھے مگر غفلت سے قتل و بدکاری میں مبتلا ہو گئے تو ان کے بارے میں یہ آیت اتری۔

"وَ الَّذِيْنَ لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ" کی دوسری تفسیر: یعنی: یہ لوگ جھوٹی اور بیکار مجلسوں میں شریک نہیں ہوتے، سب سے بڑا جھوٹ تو شرک و کفر ہے اس کے بعد عام جھوٹ اور گناہ کے کام ہیں۔ مطلب آیت کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے مقبول بندے ایسی مجلسوں میں شرکت نہیں کرتے ہیں، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: اس سے مراد مشرکوں اور کافروں کی عیدیں اور میلے ٹھیلے ہیں، حضرت مجاہد اور محمد بن حنیفہ نے فرمایا کہ: اس سے مراد ناچ گانے کی محفلیں ہیں۔ عمرو بن قیس نے فرمایا کہ: بے حیائی اور ناچ رنگ کی محفلیں مراد ہیں۔ زہری، امام مالک نے فرمایا کہ: شراب پینے پلانے کی مجلسیں مراد ہیں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ ان باتوں میں کوئی اختلاف نہیں، یہ ساری ہی مجلسیں جھوٹی مجلسوں میں شامل ہیں۔

نیکوں کی صفتیں (۵)

وَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوْا عَلَيْهَا صُمًّا وَّ

اور وہ لوگ جب نصیحت کی جائے انکو ساتھ آیت رب اپنے کی نہیں گرتے پر ان بہرے اور

عُمْيَانًا۝٧٣ وَ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَ
اندھے بن کر(۷۳) اور وہ لوگ کہتے ہیں اے رب ہمارے! عطا کر ہمیں سے بیویوں ہماری اور

ذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّ اجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا۝٧٤
اولاد ہماری سے ٹھنڈک آنکھوں کی اور کر ہمیں پرہیزگاروں کا امام (۷۴)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور وہ لوگ کہ جب انہیں ان کے رب کی باتیں سمجھائی جائیں نہیں گر پڑتے ان کے آگے بے سوچے سمجھے بہروں اور اندھوں کی طرح۔(۷۳) اور وہ لوگ جو کہتے ہیں اے ہمارے رب! ہماری بیویوں اور اولادوں کی طرف سے ہمیں ٹھنڈک عطاء فرما اور ہم کو پرہیزگاروں کا پیشوا بنا۔(۷۴)

تفسیر

ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ کے بندوں کی مزید صفتوں کا بیان ہے، ارشاد ہے کہ: جب انہیں ان کے پروردگار کی آیتیں پڑھ کر سنائی جائیں تو وہ اس میں غور وفکر کرتے ہیں۔ بے سوچے سمجھے بہروں اور اندھوں کی طرح اس پر نہیں گر پڑتے۔

نیک لوگ اللہ تعالیٰ سے یہ دعا مانگتے رہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! ہماری بیویوں اور بچوں کو ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک بنا کہ دیکھ کر ہماری طبیعت کو چین، آنکھوں کو راحت اور دل کو خوشی نصیب ہو اور اے پروردگار ہمیں توفیق دے کہ ہم پرہیزگاری میں اور گناہوں سے بچنے میں سب سے آگے بڑھ جائیں۔

بیویوں اور اولاد کی فکر

وَ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا : اور اللہ تعالیٰ کے بندے وہ ہیں جو کہتے ہیں کہ اے پروردگار! بخش دے ہمیں ہماری بیویوں اور اولادوں کیطرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک، مطلب یہ کہ ہماری بیویوں کو ایسی

ہدایت عطا فرما کہ وہ ہمارے لئے خوشی کا باعث بن جائیں اور اولاد بھی ایسی ہو کہ جسے دیکھ کر دل مطمئن اور آنکھیں ٹھنڈی ہوں، جس کامل ایمان آدمی کی بیوی فرمانبردار ہو، اس کا عقیدہ اور اخلاق درست ہوں اور عمل صالح ہو تو وہ اس کے لئے خوشی کا ذریعہ ہوگی، اسی طرح جس کی اولاد نیک اور باعمل ہوگی وہ بھی اس شخص کے لئے اطمینان کا ذریعہ ہوگی، اس کے برخلاف اگر بیوی یا اولاد کا عقیدہ خراب ہوگا، یا عمل میں کوتاہی ہوگی، اخلاق غیر معیاری ہوگا تو ایسے شخص کو خوشی اور اطمینان حاصل نہیں ہوگا؟

حدیث میں آتا ہے کہ کسی شخص کے مرنے کے بعد اس کی اولاد اس کے حق میں جو دعا کرتی ہے، اللہ تعالیٰ اس کا صلہ مرنے والے کو دیتا ہے، حدیث کے الفاظ ہیں: "وہ نیک اولاد جو اس کے لئے دعا کرے" ظاہر ہے کہ اگر اولاد نیک ہوگی تو وہ دعا بھی کرے گی اور اس کا فائدہ بھی ہوگا اور اگر اولاد نیک ہی نہیں ہے تو وہ والدین کو ان کے مرنے کے بعد کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکے گی؛ اسی لئے اللہ تعالیٰ کے بندے یہ تمنا رکھتے ہیں کہ ان کی اولاد اطاعت کے راستے پر چلے، وہ فائدہ مند علم حاصل کرے اور اچھی باتیں سیکھے تاکہ اس کو دیکھ کر دل کو خوشی اور آنکھوں کو ٹھنڈک حاصل ہو، اگر اولاد نالائق، نافرمان اور بدمعاش ہوگی تو مومن کا دل مطمئن نہیں ہوگا، بدکار اولاد والدین اور خاندان کو بدنام کرتی ہے اور ان کی عزت وشرافت خراب کرتی ہے، مطلب یہ ہے کہ ہر مؤمن آدمی کو اپنی بیوی اور اولاد کی فکر کرنی چاہیئے کہ وہ سیدھے راستے پر قائم رہے، ان کو خود بھی سمجھانا چاہیئے اور صحیح راستے پر ڈالنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔

نیکوں کا بدلہ

أُولَٰٓئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوْا وَ يُلَقَّوْنَ فِيْهَا تَحِيَّةً وَّ

یہ لوگ بدلہ دیئے جائیں گے اونچا مکان سے وجہ صبر اپنے کی اور ملادیئے جائیں گے میں ان دعائے خیر اور

سَلٰمًا ﴿۷۵﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ حَسُنَتْ مُسْتَقَرًّا وَّ مُقَامًا ﴿۷۶﴾ قُلْ
سلام سے (۷۵) ہمیشہ رہنے والے میں ان خوب ہے وہ ٹھکانا اور مسکن (۷۶) کہہ دیجئے

مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّىْ لَوْلَا دُعَآؤُكُمْ ۚ فَقَدْ كَذَّبْتُمْ فَسَوْفَ
نہیں پرواہ کرتا ہے تمہاری رب میرا اگر نہ ہو پکار تمہاری پس تحقیق جھٹلایا تم نے پس اب ہوگا

يَكُوْنُ لِزَامًا ﴿۷۷﴾
یہ جھٹلانا جان کا وبال (۷۷)

ع ۶

بامحاورہ ترجمہ:۔ ان کو بدلہ میں بالا خانے ملیں گے اس لئے کہ وہ ثابت قدم رہے اور فرشتے ان کو لینے آئیں گے وہاں دعا سلام کہتے ہوئے۔ (۷۵) ہمیشہ رہیں گے اس میں خوب جگہ ہے ٹھہرنے کی اور خوب جگہ ہے رہنے کی۔ (۷۶) آپ کہئے میرا رب تمہاری کوئی پرواہ نہ کرتا اگر تمہاری پکار نہ ہوتی۔ اب جبکہ (اے کافرو!) تم نے حق کو جھٹلا دیا اب اسکا وبال تمہیں چمٹ کر رہے گا۔ (۷۷)

لفظی تحقیق: غُرْفَةَ: بالا خانہ۔ "غ ر ف" کے معنٰی بلندی اور رفعت کے ہیں۔ "غُرْفَةَ" سے یہاں بلند اور عالی شان مکان مراد ہے۔ يَعْبَؤُا: پرواہ کرتا ہے۔ مضارع کا صیغہ ہے۔ ع ب ءٌ کے معنٰی شمار میں لانا۔ کچھ قدر سمجھنا۔ توجہ کے قابل ماننا۔ پروا کرنا۔ لِزَامٌ: چمٹنے والی چیز۔ لِزُوم: کے معنٰی چمٹ جانا۔

تفسیر

اچھے لوگوں کی صفتیں بیان فرما کر ان کی جزا بتلائی جا رہی ہے، ارشاد ہے کہ: نیک لوگوں کو مرنے کے بعد اونچے اونچے مکان ملیں گے، کیونکہ انہوں نے تکلیفیں اور مشقتیں برداشت کر کے اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل کیا اور اس کی اطاعت میں ثابت قدم رہے جنت میں ان کی بڑی آؤ بھگت ہوگی اور فرشتے ان کا دعا و سلام کیساتھ استقبال کرینگے اور آپس میں بھی یہ ایک دوسرے کو مبارکباد دیں گے اور سلام دعا کریں گے، یہ لوگ انہیں بالا خانوں میں

ہمیشہ رہا کریں گے، جو ٹھہرنے اور رہنے کی اچھی جگہ ہے۔

أُولَٰٓئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوْا: پیغمبر ﷺ کا فرمان ہے کہ: جنتیوں کے لئے عجیب وغریب بالائی منزلیں ہوں گی، جو اس قدر شفاف ہوں گی کہ اندر کا منظر باہر سے نظر آئے گا، اور باہر کا منظر اندر سے دیکھا جاسکے گا، یہ ان کے صبر کا بدلہ ہوگا۔

حَسُنَتْ مُسْتَقَرًّا وَّ مُقَامًا: یہ ان کے لئے بہترین قرار گاہ (ٹھہرنے کی جگہ) ہوگی اور بہترین رہنے کا مقام ہوگا، جنت کی خوبصورتی، پاکیزگی اور سہولتوں کا کوئی اندازہ نہیں لگا سکتا۔

آپ ﷺ کا فرمان ہے: جنت میں ایک کوڑا بھر جگہ ساری دنیا اور اس میں موجود ہر چیز سے بہتر ہے، وہاں جنتیوں کے سامنے اعلان کرنے والا اعلان کرے گا، اے جنت والو! اب تم ہمیشہ کے لئے تندرست رہو گے، اور بیمار نہیں ہوگے تم ہمیشہ زندہ رہو گے۔ اور کبھی موت نہیں آئے گی تم ہمیشہ جوان رہو گے۔ اور تم پر بڑھاپا نہیں آئے گا، تم ہمیشہ خوشحال رہو گے اور کبھی بدحالی اور تکلیف کا شکار نہیں ہوگے؛ اسی لئے فرمایا کہ: جنت کے بالاخانے ٹھہرنے کی بہترین جگہ اور رہنے کے لئے بہترین مقام ہوگا۔

آخر میں اللہ تعالیٰ نے تنبیہ فرمائی ہے، اے پیغمبر! آپ کافروں سے کہہ دیں کہ میرے پروردگار کو تمہاری کچھ پرواہ نہیں اگر تم اس کو نہیں پکارو گے، اگر تم خدا تعالیٰ کی اطاعت یا اس کی عبادت نہیں کرو گے تو اس کی خدائی میں کوئی فرق نہیں پڑے گا۔

پس! تم نے جھٹلا دیا ہے، یعنی: تم نے اللہ کی توحید، پیغمبری، اور قیامت کا انکار کر دیا ہے، اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ عنقریب تم سے جہاد ہوگا، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ بدر کی جنگ کے موقع پر پورا ہوگیا، اللہ تعالیٰ کی پکڑ آئی تو قریش کے ستر (۷۰) بڑے بڑے سردار مارے گئے، اور ستر (۷۰) قیدی بنے اور باقی بھاگ گئے۔

سورۃ الشعراء کا تعارف

یہ سورت مکہ میں اتری، اس میں ۲۲۷ آیتیں اور گیارہ رکوع ہیں۔ اس سورت میں شاعروں اور پیغمبروں میں فرق بتایا گیا ہے۔ مکہ کے کافر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پیغمبر ماننے کیلئے تیار نہ تھے، لیکن قرآن مجید کی تلاوت سنکر حیران رہ جاتے تھے اور کچھ نہ بن پڑتا تو کہتے تھے کہ یہ شاعر ہے، شاعران کے ہاں زبان کی فصاحت وبلاغت میں سب سے اونچے درجے کا شخص مانا جاتا تھا اور کہتے تھے کہ آپ کو یہ شاعری کوئی جنّ سکھاتا ہے، جسے وہ آدمی سے اونچے درجہ کی مخلوق مانتے تھے۔ اِس سورت میں پیغمبروں کی تبلیغ کا ذکر ہے، حضرت نوح علیہ السلام، ابراہیم علیہ السلام، موسیٰ علیہ السلام، ہارون علیہ السلام، ہود علیہ السلام، صالح علیہ السلام، شعیب علیہ السلام اور آخر میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق بیان کیا گیا ہے کہ وہ کس طرح اللہ تعالیٰ کا پیغام اپنی اپنی امت تک پہنچاتے رہے۔

اللہ تعالیٰ کی توحید اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیغمبر ہونے میں کافروں کے شک کو دور کیا گیا ہے اور ان کو سخت عذاب سے ڈرایا گیا ہے، اور اخلاقی تعلیمات کا ذکر ہیں، توحید کی دلیلیں ہیں، اور موت کے بعد دوبارہ اٹھائے جانے کا ذکر ہے۔

قرآن مجید کی فصاحت بلاغت دیکھ کر بھی بس یہیں تک پہنچ سکے کہ اسے بھی کوئی جنّ سکھاتا ہے، اس سے آگے ان کی پرواز نہ تھی، ان کے اس دعویٰ کی قرآن مجید میں جگہ جگہ تردید کی گئی ہے کہ نہ انسان ایسی کتاب بنا سکتا ہے اور نہ جنّوں کی مجال ہے کہ وہ بنا سکیں، ساری کتاب کیا اس میں سے کوئی اس کی ایک سورت کے برابر بھی بنا کر پیش نہیں کر سکتا، مصیبت یہ تھی کہ وہ نہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مانتے اور نہ وحی کو مانتے اور نہ اس پیغام کو جو اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں نے انسانوں کو پہنچایا کچھ اہمیت دیتے تھے، اس سورت میں نہایت شاندار اور پُر رعب انداز سے انہیں بہت سی پچھلی امتوں کا حال بتا کر سمجھایا گیا ہے کہ ان میں سے ہر ایک کے پاس اللہ تعالیٰ کا پیغمبر آیا اور اس نے اللہ تعالیٰ کا پیغام اپنے وقت میں اپنی اپنی امت کو پہنچایا، لیکن بدقسمتی سے انہوں نے اس کا کہنا نہ مانا؛ اس لئے

مختلف قسم کی مصیبتوں میں مبتلا ہو کر تباہ ہوئے، اس سے اللہ تعالیٰ کے پیغام کی پوری اہمیت انسان کے دل میں پورے طور پر بٹھانی مقصود ہے اور یہ بھی واضح کر دیا گیا ہے کہ بنیادی طور پر سب پیغمبروں کا پیغام ایک ہے اور وہ ہے اللہ تعالیٰ کی توحید۔

مکہ کے مشرکوں کو خاص طور پر تنبیہ کی گئی کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے آخری پیغمبر ہیں اور قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہے۔ جسے انہیں دے کر اللہ تعالیٰ نے تمہارے پاس بھیجا ہے، اس میں ان تمام پیغمبروں کی تمام کتابوں اور صحیفوں کا نچوڑ ہے جو اس سے پہلے آئے تھے، یہ کتاب عربی زبان میں ہے اس لئے کہ عرب کے لوگوں کو سب سے پہلے سمجھانا مقصود ہے تاکہ وہ اس کو سمجھ کر اور ہمارے پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس پر عمل کرنا سیکھ کر دنیا کو سمجھائیں اور سکھائیں اور قرآن کا عملی نمونہ بن کر دکھائیں۔ پھر بتایا گیا ہے کہ شاعر اور نبی میں زمین وآسمان کا فرق ہے، اس فرق کو سمجھا کر ان کو نافرمانی کے انجام سے ڈرا گیا ہے۔

آیاتها ـ ۲۲۷ — سُوْرَةُ الشُّعَرَآءِ مَكِّيَّةٌ — رکوعاتها ـ ۱۱

سورۃ الشعراء مکی ہے، اس میں دو سو ستائیس آیتیں اور گیارہ رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

طٰسٓمّٓ ① تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ② لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ

طٰسٓمّٓ (۱) یہ آیتیں ہیں کتاب واضح کی (۲) شاید آپ ہلاک کرنے والے ہیں جان اپنی کو

اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ③ اِنْ نَّشَاْ نُنَزِّلْ عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ

کہ نہیں ہوتے وہ ایمان لانے والے (۳) اگر ہم چاہیں تو اتاریں پر ان سے آسمان

اٰيَةً فَظَلَّتْ اَعْنَاقُهُمْ لَهَا خٰضِعِيْنَ ﴿۴﴾

ایک نشانی پس ہو جائیں گردنیں ان کی اس کے آگے جھکنے والی (۴)

بامحاورہ ترجمہ:۔ طٰسٓمّٓ۔(۱) یہ آیتیں ہیں کھلی کتاب کی۔(۲) شاید آپ اس بات پر کہ وہ ایمان نہیں لاتے اپنے آپ کو ہلاک کر ڈالیں گے۔(۳) اگر ہم چاہیں تو آسمان سے ان پر ایک کھلی نشانی اُتاریں پھر ان کی گردنیں اس کے آگے نیچی رہ جائیں۔(۴)

لفظی تحقیق: بَاخِعٌ: مار ڈالنے والا۔ خٰضِعِيْنَ: جھکنے والے۔ خَاضِعٌ: عاجزی سے جھکنے والا آدمی۔ اَعْنَاقُ: گردنیں۔ عُنُقٌ: گردن کا جھکنا سارے آدمی کے جھکنے کی نشانی ہے۔

تفسیر

ارشاد یہ ہے کہ: یہ آیتیں جو تمہیں پڑھ کر سنائی جارہی ہیں ان میں تمہاری ہمیشہ کی زندگی کا راز چھپا ہوا ہے، یہ اس کتاب کی آیتیں ہیں جو پاک صاف زندگی حاصل کرنے کا طریقہ واضح الفاظ میں سمجھاتی ہے اور جس کے بتائے ہوئے طریقہ کو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عملی طور پر ہمیشہ کے لئے جاری کرنے والے ہیں، پھر پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ارشاد ہے کہ اگر یہ قرآن مجید کی بات نہ سنیں اور اس کی بناء پر آپ کے بتلائے ہوئے طریقے کو نہ مانیں تو کیا ان کے غم میں آپ اپنی جان ہلاک کر ڈالو گے، اس قدر ان بے وقوفوں کے غم میں مت گھلو، اگر ہمیں منظور ہوتا تو ایک ایسی نشانی آسمان سے اتارتے کہ ان سب کی گردنیں اس کے آگے عاجزی کے ساتھ جھک جاتیں، لیکن نہیں ہمیں تو ان کی آزمائش منظور ہے۔

اس سورۃ کی ابتداء حروفِ مقطعات "طٰسٓمّٓ" سے ہوئی ہے۔ ان سے اللہ تعالیٰ کی جو بھی مراد اور منشاء ہے، ہمارا اس پر ایمان ہے اور ہم اس کی تصدیق کرتے ہیں۔

تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ: یہ کھول کر بیان کرنے والی کتاب کی آیتیں ہیں جو آپ کو پڑھ کر سنائی جارہی ہیں، یہ آیتیں ایسے عمدہ طریقے پر احکام کو بیان کرتی ہیں کہ حق و باطل کو الگ الگ کر دیتی ہیں اور کوئی کمی باقی نہیں رہنے دیتیں، بعض جگہوں کی آیتیں دوسری جگہ کی آیت کی تفسیر کرتی ہے، پھر اللہ تعالیٰ ان آیتوں کی تفسیر اپنے پیغمبر کی زبان سے کرواتے ہیں۔

آگے اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری پیغمبر اور آپ کے پیروکاروں کو تسلی دی ہے۔ کافروں کے ایمان نہ لانے کی وجہ سے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سخت فکرمند رہتے تھے، اور آپ کو بہت غم ہوتا تھا۔ اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ: آپ اتنا غم نہ کریں بلکہ اپنا کام کرتے جائیں اور نتیجہ خدا تعالیٰ پر چھوڑ دیں، کیا آپ اپنے آپ کو اس بات پر ہلاک کردینگے کہ یہ لوگ ایمان کیوں نہیں لاتے، ان لوگوں کے غم میں اپنی جان کھپانے کی ضرورت نہیں، وہ اپنے بدعملی کے خود ذمہ دار ہیں۔ دوزخیوں کے متعلق آپ سے نہیں پوچھا جائے گا کہ یہ لوگ دوزخ میں کیوں گئے؟ بلکہ خود ان سے پوچھا جائے گا کہ تم دوزخ میں کیوں پہنچے؟

احکام ومسائل

اس آیت سے ایک تو یہ معلوم ہوا کہ کسی کافر کے بارے میں اگر یہ معلوم بھی ہو جائے کہ اس کی تقدیر میں ایمان لانا نہیں ہے، تب بھی اس کو تبلیغ کرنے سے رُکنا نہیں چاہیئے، دوسرے یہ معلوم ہوا کہ دین کی محبت میں میانہ روی چاہیئے اور جو شخص ہدایت نہ پائے اس پر زیادہ غم نہ کیا جائے۔

فَظَلَّتْ اَعْنَاقُهُمْ لَهَا خٰضِعِيْنَ: علامہ زمخشری نے فرمایا کہ: اصل کلام "فَظَلُّوْا لَهَا خَاضِعِيْنَ" ہے، یعنی: کافر اس بڑی نشانی کو دیکھ کر تابع ہو جائیں، اور جھک جائیں لیکن یہاں "اَعْنَاقُ" کا لفظ یہ ظاہر کرنے کے لئے لایا گیا ہے کہ خضوع کی جگہ ظاہر ہو جائے، کیونکہ جھکنا وغیرہ اور عاجزی کرنا سب سے

پہلے گردن پر ظاہر ہوتا ہے۔

انسان کا رویّہ

وَ مَا يَأْتِيهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنَ الرَّحْمٰنِ مُحْدَثٍ اِلَّا كَانُوْا

اور نہیں آتی پاس ان کے کوئی نصیحت طرف سے رحمٰن کی نئی مگر ہوجاتے ہیں

عَنْهُ مُعْرِضِيْنَ۝۵ فَقَدْ كَذَّبُوْا فَسَيَأْتِيهِمْ اَنْبٰٓؤُا مَا كَانُوْا

سے اس منہ موڑ والے (۵) پس تحقیق جھٹلا چکے ہیں وہ پس عنقریب آئیں گی پاس ان کے خبریں اس کی کہ تھے یہ

بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ۝۶

سے جس مذاق کرتے (۶)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور جب بھی کوئی نئی تازی نصیحت رحمٰن سے ان کے پاس پہنچتی تو یہ منہ موڑتے۔

(۵) سو! یہ تو جھٹلا چکے اب ان پر اس بات کی حقیقت آگے کھلے گی جس کا یہ مذاق اڑاتے تھے۔(۶)

لفظی تحقیق: اَنْبٰٓؤُا: نَبَاءٌ کی جمع ہے۔ "نَبَاءٌ" کے معنیٰ خبر، عظیم الشان واقعہ۔ یہاں اس سے قرآن کی آیتوں کی ہنسی اڑانے کا برا نتیجہ مراد ہے، یعنی: عنقریب انہیں دنیا ہی میں ذلت اور رسوائی نصیب ہوگی اور آخرت میں تو جو ہوگا وہ ہوگا۔

تفسیر

ارشاد ہے کہ: اے پیغمبر! آپ ان کے غم میں اپنے آپ کو مت گھلاؤ، ان کا تو ہم امتحان لے رہے ہیں، ورنہ ابھی سب کو ایک دم سیدھا کر دیا ہوتا، انہیں کوئی ایسا ہولناک آسمانی نظارا دکھا دیا ہوتا کہ سب کی گردنیں بے اختیار ہو کر جھک جاتیں، لیکن ہم انہیں زبردستی منوانا نہیں چاہتے، البتہ ایسی نشانیاں وقتاً فوقتاً ضرور بھیجتے رہتے

ہیں، جنہیں یہ اپنی عقل سے پہچان سکیں اور ایمان لاسکیں، اب ان میں جو عقلمند ہیں وہ ضرور ان نشانیوں کو پہچان کر ایمان لے آئیں گے، افسوس ہے کہ! یہ عقل سے کام نہیں لیتے اور ان نشانیوں کو سرسری طور پر دیکھ کر ٹال جاتے ہیں اور فقط ٹالتے ہی نہیں بلکہ ہماری آیتوں کے ساتھ مذاق کرتے ہیں اور ان کی ہنسی اڑاتے ہیں، یہ لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے پیغمبروں، قرآن اور قیامت کے ساتھ مذاق کیا کرتے تھے، جب ان کی حقیقت سامنے آئیگی تو پھر ان کو پتہ چلے گا کہ وہ دنیا میں کس راستے پر چلتے رہے اس وقت یہ پچھتائیں گے مگر اس وقت کا پچھتانا کسی کام نہ آئے گا اور انہیں اپنے کئے کا بدلہ مل کر رہے گا۔

اللہ تعالیٰ کی نشانیاں

أَوَلَمْ يَرَوْا إِلَى الْأَرْضِ كَمْ أَنْبَتْنَا فِيهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ

کیا نہیں دیکھا انہوں نے طرف زمین کی کس قدر اُگائیں ہم نے میں اس ہر قسم کی جوڑے

كَرِيمٍ ۝٧ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً ۖ وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُؤْمِنِينَ ۝٨

عمدہ (۷) تحقیق اس کے اندر البتہ نشانی ہے اور نہیں ہیں اکثر میں سے ان ایمان والے (۸)

وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ۝٩ ع ۵

اور تحقیق رب آپ کا البتہ وہ زبردست ہے رحم والا (۹)

بامحاورہ ترجمہ: کیا وہ زمین کو نہیں دیکھتے ہم نے اس میں ہر قسم کے عمدہ جوڑے اگائے ہیں۔ (۷) اس میں البتہ نشانی ہے اور بہت لوگ ان میں ماننے والے نہیں۔ (۸) اور آپ کا رب البتہ زبردست اور رحم والا ہے۔ (۹)

تفسیر

ارشاد ہے کہ: ان میں اس قدر ڈھٹائی آخر کیوں آ گئی ہے کہ یہ آنکھیں ہوتے ہوئے اندھے بنتے ہیں، کیا انہیں دکھائی نہیں دیتا کہ اس زمین کے اندر سے خوبصورت، خوشنما، لذیذ اور کارآمد پھل، پھول، میوے، ترکاریاں، غلّہ اور دوسرے مختلف قسموں کے پودے پیدا ہوتے ہیں، بظاہر اس زمین میں سوا مٹی اور پتھر کے کچھ نہیں، لیکن وقت آنے پر ایسی رنگ بہ رنگ کی چیزیں اس میں سے نکلتی ہیں جسکی کوئی مثال نہیں، پھر بھی اکثر لوگ دیکھتے ہیں اور ایمان نہیں لاتے، یادرکھو! اللہ تعالیٰ سب کا رب ہے اور اس میں بڑی قوت ہے اور وہی سب سے بڑا مہربان ہے۔

اکثر کافر اور مشرک ایمان لانے کی شرط کے طور پر طرح طرح کی نشانیاں طلب کرتے تھے، اللہ نے ان کے اس بیہودہ مطالبہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: کیا انہوں نے زمین کیطرف نہیں دیکھا کہ ہم نے اس میں کتنے عمدہ قسم کی جوڑے اُگائے ہیں بھلا اس سے بڑا معجزہ اور نشانی کیا ہو سکتی ہے؟ ایک اناج کے پودے کو ہی دیکھو، کسی پھلدار درخت پر نگاہ ڈالو، پھولوں کی مختلف قسموں کو دیکھو کہ اللہ تعالیٰ نے ان میں کیسے کیسے رنگ بھرے ہیں اور کیسی کیسی خوشبوئیں پیدا کی ہیں۔ اللہ نے چھوٹے چھوٹے دانوں کی صورت میں اناج پیدا کر کے انسانوں کی خوراک کا بندوبست کیا ہے اور چارہ پیدا کر کے جانوروں کی زندگی کا سامان مہیا کیا ہے، اللہ تعالیٰ نے زمین میں اُگانے کی ایسی قوت رکھ دی ہے کہ وہ تمام جانداروں کے لئے خوراک اُگاتی ہے، یہ چیزیں خدا تعالیٰ کی قدرت اور اس کی وحدانیت کی منہ بولتی تصویریں ہیں۔ ان کو دیکھ کر کوئی بھی انصاف کرنے والا انسان اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے بغیر نہیں رہ سکے گا۔

ہر چیز میں ایسی نشانیاں ہیں جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ خدا تعالیٰ ہے جو ان سب کا بنانے والا ہے، مگر جو لوگ ضدی ہیں انہیں اتنی واضح نشانیاں بھی نظر نہیں آتیں، لہٰذا وہ ظلم و ناانصافی پر ہی قائم رہتے ہیں اور نئے

نئے مطالبات پیش کرتے رہتے ہیں۔

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً: بیشک ان مشاہدات، یعنی: زمین سے پیدا ہونے والی چیزوں میں نشانی ہے، مگر حقیقت یہ ہے کہ کافروں اور مشرکوں کی اکثریت ضد کی وجہ سے ایمان قبول نہیں کرتی، اگر ان کو شرک کے گناہ ہونے میں شبہ ہو کہ ہم پر عذاب فوراً کیوں نہیں آجاتا تو اس وجہ سے ہے کہ بیشک تیرا پروردگار عزیز، یعنی: زبردست اور مہربان ہے، اس کی مہربانی کا تقاضا ہے کہ وہ جلدی پکڑ نہیں کرتا بلکہ مہلت دیتا رہتا ہے، پھر جب مقررہ مدت پوری ہو جاتی ہے تو نافرمانوں کو اپنی پکڑ میں لے لیتا ہے۔

پچھلے زمانہ کی حالات

وَ اِذْ نَادٰی رَبُّكَ مُوْسٰۤی اَنِ ائْتِ الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۱۰﴾ قَوْمَ

اور جب پکارا رب آپ کے نے موسیٰ کو کہ آ اس قوم جو ظالم ہے (۱۰) قوم

فِرْعَوْنَ ؕ اَلَا یَتَّقُوْنَ ﴿۱۱﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّیْۤ اَخَافُ اَنْ یُّكَذِّبُوْنِ ﴿۱۲﴾

فرعون کی کیا انہیں مجھ سے ڈر نہیں لگتا (۱۱) کہا اے رب میرے! تحقیق میں ڈرتا ہوں کہ مجھے جھوٹا کہیں (۱۲)

وَ یَضِیْقُ صَدْرِیْ وَ لَا یَنْطَلِقُ لِسَانِیْ فَاَرْسِلْ اِلٰی هٰرُوْنَ ﴿۱۳﴾

اور تنگ ہو جائے سینہ میرا اور نہ چلے زبان میری پس بھیج دیجئے طرف ہارون کی (۱۳)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور جب آپ کے رب نے موسیٰ کو پکارا کہ جاؤ! اس ظالم قوم کے پاس۔ (۱۰) جو فرعون کی قوم ہے کیا وہ مجھ سے ڈرتے نہیں۔ (۱۱) کہا (موسیٰ نے) اے رب! میں ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے جھٹلائیں گے۔ (۱۲) اور میرا سینہ تنگ ہوگا اور میری زبان اچھی طرح نہیں چلتی سو آپ ہارون کی طرف بھی وحی بھیج دیں۔ (۱۳)

لفظی تحقیق: يَتَّقُوْنَ اور يُكَذِّبُوْنِ اصل میں يَتَّقُوْنِ اور يُكَذِّبُوْنِ ہے، وقف کی وجہ سے دونوں کے آخر کی "یَا" گر گئی۔ جس کے معنٰی مجھ سے اور مجھے کے ہیں۔

تفسیر

پہلی علامتیں جس سے اللہ کی قدرت پہچانی جاسکتی ہے، زمین سے مختلف قسم کی چیزوں کا پیدا ہونا اور انسانوں کی آنکھوں کے سامنے ظاہر ہونا ہے، اس کی طرف توجہ دلانے کے بعد اب پہلی قوموں کے حالات سنائے جاتے ہیں تاکہ انسان ان حالات سے عبرت حاصل کرے اور اللہ کے پیغمبر اور کتابوں کو معمولی چیز سمجھ کر چھوڑ دے، ان کی اہمیت کو سمجھے اور ان سے اللہ تعالیٰ کی قدرت کا اور اس کی رحمت کا کچھ اندازہ کرے۔

ارشاد ہے کہ: اس زمانے کو یاد کرو جب اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنا پیغمبر بنایا اور کوہِ طور پر بلا کر ان کو حکم دیا کہ یہ میرا پیغام لے کر فرعون کی سرکش قوم کے پاس جاؤ، ان کی عجیب حالت ہے، وہ سرکشی میں بہت زیادہ بڑھ گئے ہیں انہیں میرا خوف نہیں رہا اور میرے غضب سے نہیں ڈرتے، اللہ کا فرمان سن کر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے رب! میں آپ کے حکم پر عمل کرنے کو تیار ہوں، لیکن اس سے ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے چھوٹتے ہی جھوٹا کہہ دینگے اور میری بات ہی نہیں سنیں گے اور میرا کوئی ساتھی اور حمایتی میرے ساتھ نہ ہوگا، ایسا نہ ہو کہ اس سے مجھے ایسا صدمہ پہنچے کہ میرا دم گھٹنے لگے اور زبان نہ چل سکے؛ اس لئے میری مدد کیلئے میرے بھائی ہارون کو بھی پیغمبر بنا کر میرے ساتھ کر دیجئے۔

موسیٰ علیہ السلام کو مدین سے واپسی پر سفر کے دوران ہی پیغمبری ملی تھی، اور وہیں حکم ہوا تھا کہ فرعون کے پاس جاؤ اور اس قوم کو جا کر کہو، کیا وہ خدا کی ناراضگی اور غصے سے ڈرتے نہیں؟

اللہ تعالیٰ کا حکم سن کر موسیٰ علیہ السلام نے بعض رکاوٹوں اور کمزریوں کا ذکر کیا جو انہیں نظر آ رہی تھیں، چنانچہ عرض کیا پروردگار! میں خوف کھاتا ہوں کہ فرعون اور اس کی قوم مجھے جھٹلا دیں گے، وہ لوگ نہ مجھے پیغمبر مانیں گے اور نہ

میری بات کو مانیں گے،موسیٰ علیہ السلام اسی قوم میں پیدا ہوئے تھے،اسی ماحول میں پل کر جوان ہوئے،لہذا وہ ان کی عادتوں سے خوب واقف تھے،اسی بناء پر انہوں نے خدشہ ظاہر کیا کہ وہ لوگ میری بات نہیں سنیں گے،انہوں نے یہ بھی عرض کیا،میرا دل تنگ ہوتا ہے اور میری زبان بھی اچھے طریقے سے نہیں چلتی،موسیٰ علیہ السلام کی زبان میں کچھ لکنت تھی؛اس لئے عرض کیا پروردگار!میرے بھائی ہارون کی طرف بھی وحی بھیجیں تاکہ وہ میرے کام میں میرا مددگار بن جائے،"سورہ طٰہٰ"میں واضح طور پر عرض کیا میرے بھائی ہارون علیہ السلام کو میرا وزیر یعنی مددگار معاون بنادے تاکہ ہم دونوں مل کر تبلیغ کا کام اچھے طریقے سے کرسکیں۔"سورہ قصص"میں اس طرح ہے کہ ہارون علیہ السلام میرا بھائی ہے،اس کی زبان بات کرنے میں میری زبان سے زیادہ صاف ہے وہ اپنی بات کو اچھے طریقے سے بیان کرسکتا ہے۔(آیت:۳۴)اسے میرے ساتھ بھیج دے جو کہ میری تائید اور تصدیق کریگا،میں جو بات کروں گا،ہارون علیہ السلام اس کی تصدیق وتائید کرے گا تو بات چل نکلے گی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام

وَ لَهُمْ عَلَيَّ ذَنْۢبٌ فَاَخَافُ اَنْ يَّقْتُلُوْنِ ﴿١٤﴾ قَالَ كَلَّا ۚ فَاذْهَبَا

اور ان کا پرمجھ ایک گناہ ہے پس میں ڈرتا ہوں کہ قتل کرڈالیں گے وہ مجھے (۱۴) فرمایا ہرگز نہیں پس جاؤ دونوں ساتھ

بِاٰيٰتِنَآ اِنَّا مَعَكُمْ مُّسْتَمِعُوْنَ ﴿١٥﴾ فَاْتِيَا فِرْعَوْنَ فَقُوْلَآ اِنَّا

ساتھ نشانیوں ہماری کے بیشک ہم ہیں ساتھ تمہارے سننے والے ہیں (۱۵) پس جاؤ تم فرعون کے پاس پس کہو تحقیق ہم

رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٦﴾ اَنْ اَرْسِلْ مَعَنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿١٧﴾

پیغمبر ہیں رب کے جہان والے (۱۶) کہ بھیج دیجئے ساتھ ہمارے بنی اسرائیل کو (۱۷)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور(موسیٰ نے کہا)انکا مجھ پر ایک گناہ کا دعویٰ ہے،سو!میں ڈرتا ہوں کہ وہ مجھ کو مار ڈالیں گے۔(۱۴)(اللہ تعالیٰ نے)فرمایا:کبھی نہیں!تم دونوں ہماری نشانیاں لے کر جاؤ ہم تمہارے

ساتھ سنتے ہیں۔(۱۵) سو! جاؤ فرعون کے پاس اور کہو کہ ہم رب العالمین کے بھیجے ہوئے ہیں۔(۱۶) یہ کہ ہمارے ساتھ بنی اسرائیل کو بھیج دے۔(۱۷)

لفظی تحقیق: اَنْ یَّقْتُلُوْنِ: یہ کہ مجھے مار ڈالیں۔ اصل میں یَّقْتُلُوْنِیْ ہے۔ "اَنْ" کی وجہ سے نون اور وقف کی وجہ سے یا متکلم دونوں گر گئے۔

تفسیر

حضرت موسیٰ علیہ السلام عرض کررہے ہیں کہ میرے ہاتھوں غیر ارادی طور پر ان کا ایک آدمی مکّا لگنے سے مرگیا تھا، اس بات کا ڈر ہے کہ وہ مجھے اس کے بدلے قتل ہی نہ کرڈالیں اور آپ کا پیغام پہنچانے کی نوبت ہی نہ آئے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے ارشاد ہوا کہ: ایسا ہرگز نہیں ہوگا، جاؤ! تم دونوں فرعون کے پاس اور اس سے کہو کہ ہم دونوں ان سارے جہانوں کے پروردگار کے بھیجے ہوئے ہیں اگر وہ کوئی الٹی سیدھی باتیں کرے تو ہماری دی ہوئی نشانیاں اسے دکھاؤ، ہم ہر وقت تم دونوں کے ساتھ ہیں اور تمہارے اور فرعون کے درمیان جو باتیں ہوں گی، انہیں سن رہے ہوں گے، اس سے کہو کہ بنی اسرائیل پر تو نے جو ظلم وستم کر رکھا ہے وہ انسانیت کے بالکل خلاف ہیں انہیں میرے ساتھ بھیج دے تا کہ انہیں آزادی کے ساتھ ان کے دیس میں لے کر بساؤں۔

پہلے آچکا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے سے وہ خود اور ان کی اولاد اور اولاد کی اولاد ملک شام میں بستے چلے آرہے تھے، حضرت یوسف علیہ السلام نے انہیں مصر میں لاکر بسایا ان کے بعد فرعون نے انہیں غلام بنالیا اور ان پر بہت زیادتیاں کیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام ان کو اس غلامی سے نجات دلانے کیلئے بھیجے گئے تھے۔

ان آیتوں میں واقعہ زیادہ تفصیل سے ذکر نہیں کیا گیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ قرآن پاک میں مختلف جگہوں پر چھیالیس مرتبہ سے زیادہ بیان کیا گیا ہے، پر کہیں کم ہے اور کہیں زیادہ، کہیں واقعہ کا ایک پہلو بیان کیا گیا ہے تو کہیں دوسرا، اس جگہ پر موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کے درمیان ہونیوالی بات کو زیادہ وضاحت سے

بیان نہیں کیا گیا۔

اَنْ اَرْسِلْ مَعَنَا بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ: کہ بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ بھیج دے، بنی اسرائیل کا اصل وطن شام اور فلسطین تھا، حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانے میں آپ کے خاندان کے تقریباً بہتر (۷۲) افراد مصر میں آ کر آباد ہوئے تھے، موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ تک ساڑھے چار سو یا پانچسو سال کا عرصہ گزر چکا تھا، اس دوران میں بنی اسرائیل کی تعداد بہت بڑھ چکی تھی، چنانچہ جب مصر سے نکلے تھے تو ان کی تعداد چھ لاکھ ستر ہزار تک پہنچ چکی تھی، اللہ تعالیٰ کا ارادہ یہ تھا کہ انہیں ان کے اصلی وطن شام میں دوبارہ آباد کیا جائے اور اس مقصد کیلئے فرعون کی غلامی سے آزادی کی ضرورت تھی، اللہ نے یہی مطالبہ دے کر موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کو فرعون کے پاس جانے کا حکم دیا۔

فرعون سے گفتگو

قَالَ اَلَمْ نُرَبِّكَ فِیْنَا وَلِیْدًا وَّ لَبِثْتَ فِیْنَا مِنْ عُمُرِكَ
کہا کیا نہیں پالا ہم نے تجھے اندر اپنے بچہ سا اور ٹھہرا رہا تو میں ہم سے عمر اپنے

سِنِیْنَ ﴿۱۸﴾ وَ فَعَلْتَ فَعْلَتَكَ الَّتِیْ فَعَلْتَ وَ اَنْتَ مِنَ
برسوں (۱۸) اور کیا تو نے وہ کام اپنا جو تو نے کیا اور تو ہے سے

الْكٰفِرِیْنَ ﴿۱۹﴾ قَالَ فَعَلْتُهَآ اِذًا وَّ اَنَا مِنَ الضَّآلِّیْنَ ﴿۲۰﴾
ناشکروں (۱۹) کہا کیا میں نے وہ کام جب کیا اور میں چوکنے والوں میں تھا (۲۰)

بامحاورہ ترجمہ: فرعون نے موسیٰ سے کہا کیا ہم نے تجھے اپنے ہاں بچہ سا نہیں پالا اور تو ہم میں اپنی عمر کے کئی سال رہا۔ (۱۸) اور کر گیا تو اپنا وہ کام جو تو کر گیا اور تو ناشکرا ہے۔ (۱۹) موسیٰ علیہ السلام نے کہا میں نے جو کچھ کیا اس وقت کیا جب میں بے خبر تھا۔ (۲۰)

لفظی تحقیق: وَلِیْدًا: بچہ۔ صفت کا صیغہ ہے، و۔ل۔د سے۔ یہ فعیل بمعنی مفعول ہے۔ اِذًا: جب کیا۔

"اِذً" کے معنیٰ جب کے ہیں، مضاف الیہ کو حذف کر کے اس کی جگہ اس پر تنوین آجاتی ہے۔ کٰفِرِیْنَ: ناشکر گزار۔ کافر کی جمع ہے جو کفر سے اسم فاعل ہے کفر کے اصل معنیٰ ناشکر گزاری کے ہیں۔

تفسیر

ارشاد ہے کہ: حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کا پیغام لے کر فرعون کے پاس پہنچے، یہ پیغام انہیں وادیٔ ایمن میں مدین سے واپس آتے وقت ملا تھا اس کا ذکر پہلے "سورہ طٰہٰ" میں آچکا ہے اور آگے بھی آئے گا، مصر میں پہنچ کر اپنے بھائی ہارون کو ساتھ لیا اور فرعون کے پاس پہنچے اور اللہ تعالیٰ کا پیغام اسے سنایا، فرعون نے انہیں دیکھتے ہی پہچان لیا، کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کے گھر میں پلے تھے اور بولا تو وہی نہیں جسے ہم نے بچہ سا اپنے گھر میں پالا، تو نے تو اپنے بچپن کی عمر سالہا سال تک ہم ہی میں گذاری ہے، پھر تو نے ایک ایسا کام کیا جو نہ کرنا چاہیئے تھا، یعنی: ہمارے ایک آدمی کو مار کر بھاگ گیا تیرا نام تو ناشکر گذاروں میں ہے، کیونکہ تو نے ہمیں ہمارے احسان کا بدلہ یہ دیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ بے شک میرے ہاتھ سے ایک قبطی مارا گیا، لیکن یہ کام تو غلطی سے ہوا، میں نے اسے ٹھیک کرنے کیلئے ایک مکّا مارا تھا، مجھے نہ خبر تھی کہ ایک مکّے میں اس کا دم ہی نکل جائے گا، اس میں شکر اور ناشکری کا کیا سوال ہے انسان سے بھول چوک میں جانے کیا کیا ہو جاتا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حق میں لفظ "ضلال" کا مفہوم

قَالَ فَعَلْتُهَآ اِذًا وَّ اَنَا مِنَ الضَّآلِّيْنَ۔ یہاں "ضلال" کا مطلب "بے خبری" ہے۔ اور اس سے مراد قبطی کا بلا ارادہ قتل ہو جانا ہے، اس معنیٰ کی تائید حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ اور ابن زید رحمۃ اللہ علیہ کی روایات سے بھی ہوتی ہے کہ دراصل عربی میں "ضلال" کے کئی معنیٰ آتے ہیں، اور ہر جگہ اس کا مطلب گمراہی نہیں ہوتا، یہاں بھی اسکا ترجمہ "گمراہ" کرنا درست نہیں۔

موسیٰ علیہ السلام کا جواب

فَفَرَرْتُ مِنْكُمْ لَمَّا خِفْتُكُمْ فَوَهَبَ لِي رَبِّي حُكْمًا وَّ
پس بھاگ گیا میں | میں سے تم | جب | ڈرا میں تم سے | پس عطا کی | مجھے | رب میرے نے | دانشمندی | اور

جَعَلَنِي مِنَ الْمُرْسَلِينَ ﴿۲۱﴾
کیا مجھ کو | میں سے پیغمبروں | (۲۱)

بامحاورہ ترجمہ:۔ پھر میں تم سے ڈر کر تمہارے پاس سے بھاگ گیا، پھر میرے رب نے مجھے علم و دانش عطا کیا اور مجھ کو پیغمبر بنا دیا۔(۲۱)

تفسیر

حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون سے کہہ رہے ہیں کہ تیرے ظلم و ستم سے جو تو نے بنی اسرائیل پر توڑ رکھا تھا، میں اچھی طرح واقف تھا میں جانتا تھا کہ تو اپنے زور میں مغرور ہے اور اس معاملے کو اچھی طرح چھان بین کر کے میرا عذر قبول نہ کرے گا اور اندھا دھند فیصلہ کر کے مجھے قتل کرا دے گا؛ اس لئے میں تم لوگوں سے ڈر کر یہاں سے بھاگ گیا۔

یہاں سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جواب کا سلسلہ جو اس آیت میں ذکر ہے، پھر جاری ہوتا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ: یہاں سے بھاگ جانے کے کچھ دن بعد اللہ تعالیٰ نے مجھے دانش مندی اور حکمت عطا فرمائی اور اپنا پیغمبر بنایا، اور میرے بھائی کو بھی میرے ساتھ جوڑ دیا، چنانچہ ہم دونوں اس کے حکم سے تیرے پاس آئے ہیں، اب تو اس رب العالمین کو اپنا رب مان، ظلم و ستم سے ہاتھ اٹھا اور بنی اسرائیل کو آزاد کر تا کہ میں انہیں لے جا کر ان کے آبائی وطن میں امن و امان کے ساتھ بساؤں اور اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق ان کی تربیت کروں۔

بقیہ جواب

وَ تِلْكَ نِعْمَةٌ تَمُنُّهَا عَلَيَّ اَنْ عَبَّدْتَّ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۲۲﴾ قَالَ

اور وہ کوئی نعمت ہے جس کا احسان رکھتا ہے تو مجھ پر کہ غلام بنایا تو نے بنی اسرائیل کو (۲۲) کہا

فِرْعَوْنُ وَ مَا رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۳﴾ قَالَ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ

فرعون نے اور کیا چیز ہے رب جہان والوں کا (۲۳) کہا رب آسمانوں کا اور زمین کا

وَ مَا بَيْنَهُمَا ؕ اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِيْنَ ﴿۲۴﴾

اور جو درمیان ان دونوں کے اگر ہو تم یقین کرنے والے (۲۴)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور کیا وہ احسان ہے جو تو مجھ پر رکھتا ہے کہ تو نے بنی اسرائیل کو غلام بنایا۔ (۲۲) فرعون بولا: رب العالمین کون ہے؟ (۲۳) موسیٰ نے کہا وہ رب ہے آسمانوں کا زمین کا اور جو کچھ ان کے بیچ میں ہے اگر تم یقین کرو۔ (۲۴)

تفسیر

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دلیری کو دیکھ کر جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیغمبروں کو عطا ہوتی ہے، فرعون نے حیرت زدہ ہو کر کہا کہ تو ہمارے ہاں ہی لاڈ پیار کے ساتھ پلا، پل کر جوان ہوا اور ہماری مہربانی سے تجھے زندگی کے عیش و آرام حاصل ہوئے، اس کے بعد تو ہماری قوم کے ایک آدمی کو قتل کر کے بھاگ گیا، تو نے ہمارا اتنا بھی لحاظ نہ کیا کہ ہم نے تجھے پالا ہے۔

اس کے جواب میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پہلے تو کہا کہ میں نے اسے جان بوجھ کر قتل نہیں کیا تھا، اتفاقاً وہ میرے ایک ہی مکے سے مر گیا، یہ کام مجھ سے تو بغیر ارادہ کے ہوا، مگر تو نے تو مدتوں سے بنی اسرائیل کو غلام بنا رکھا ہے، ان سے غلاموں کی طرح کام لیتا ہے اور ان کے لڑکوں کو قتل کر دیتا ہے یہ سب تو تو جان بوجھ کر کر رہا ہے، کیا تو

اس حالت میں میری پرورش کا احسان جتاتا ہے؟ یہ بھی تیرے ظلم وستم کا نتیجہ تھا کہ میری ماں نے صندوق میں رکھ کر مجھے دریا میں بہادیا، اس ڈر سے کہ تو مجھے بھی اور بنی اسرائیل کے بچوں کی طرح قتل نہ کرڈالے اور میں بہتا بہتا تیرے محل میں پہنچ گیا اور تیری بیوی کو مجھ پر پیار آیا اور تو نے ہار کر میری پرورش کی اجازت دی، ورنہ یقیناً میں بھی بنی اسرائیل کے اور بچوں کی طرح قتل کردیا جاتا؛ اس لئے یہ پرورش کا احسان جو تو مجھ پر جتاتا ہے کوئی احسان نہیں ہے تو ایسا کرنے پر مجبور تھا اور پھر ایک کی پرورش کرنا اور لاکھوں بچوں کا قتل کرنا کہاں کا انصاف ہے، اس کے مقابلے میں بنی اسرائیل پر تیرا ظلم وستم تیرے اپنے ارادہ کے ساتھ ہے اور یقیناً تو اس کیلئے ملامت کے قابل ہے۔

جب اس کے احسان کا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا تو اس نے گفتگو کا رخ بدل دیا اور انجان بن کر پوچھا یہ رب العالمین کون ہے؟ (معاذ اللہ) حضرت موسیٰ علیہ السلام سمجھ گئے کہ یہ جان بوجھ کر انجان بنتا ہے، ورنہ کیا اس کی آنکھیں نہیں ہیں، جو آسمان اور زمین کی فراخی کو دیکھتے ہوئے بھی اسے اپنی چھوٹی سی سلطنت پر اتنا گھمنڈ ہو کہ رب العالمین کا انکار کردے۔

موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: رب العالمین وہ ہے جس نے آسمان بنائے، زمین پیدا کی، اور پھر ان دونوں کے درمیان جو چیزیں ہیں ان سب کو پیدا کیا اگر تو جان بوجھ کر انکار کرے تو اور بات ہے، ورنہ اگر تم یقین کرنے کیلئے تیار ہو تو اس جہاں کو اس عجیب وغریب نظام کو دیکھ کر ہو نہیں سکتا کہ تم رب العالمین کو نہ پہچانو اور اس کے قائم ہونے کا یقین نہ کرو۔

فرعون کی بوکھلاہٹ

قَالَ لِمَنْ حَوْلَهٗٓ اَلَا تَسْتَمِعُوْنَ ﴿۲۵﴾ قَالَ رَبُّكُمْ وَ رَبُّ اٰبَآئِكُمُ

کہا واسطے اردگردلوگوں سے کیا سُن نہیں رہے ہو تم! (۲۵) کہا موسیٰ نے وہ رب تمہارا اور رب تمہارے باپ دادوں

الْاَوَّلِيْنَ ﴿۲۶﴾ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَكُمُ الَّذِيْٓ اُرْسِلَ اِلَيْكُمْ لَمَجْنُوْنٌ ﴿۲۷﴾

پہلوں کا (۲۶) کہا تحقیق پیغمبر تمہارا جو بھیجا گیا ہے طرف تمہاری البتہ باؤلا ہے (۲۷)

بامحاورہ ترجمہ:۔ فرعون نے کہا اپنے اردگرد والوں سے کیا تم سنتے نہیں ہو (کہ یہ کیا کہہ رہا ہے)۔ (۲۵) موسیٰ نے کہا: وہ تمہارا اور تمہارے پہلے باپ دادوں کا رب ہے۔ (۲۶) فرعون نے کہا تمہارا پیغمبر جو تمہاری طرف بھیجا گیا ضرور باؤلا ہے۔ (۲۷)

تفسیر

دنیا میں چالاک لوگ اپنے حمایتیوں کے بل بوتے پر آگے بڑھتے ہیں، اگر انہیں ان کی آواز پر لبیک کہنے والا کوئی نہیں ملتا تو وہ اپنا سا منہ لے کر رہ جاتے ہیں، فرعون بھی اپنے درباریوں کے بل بوتے پر چل رہا تھا، اس کی اکڑ جبھی تک اس کے ساتھ رہ سکتی تھی، جب تک اس کے درباری اس کی حمایت کرتے رہیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی آواز کی کڑک سے اس کا دل ہل گیا، سوچنے لگا اگر میرے خوشامدی لوگوں میں اس سے کھلبلی مچ گئی تو میری خدائی نہیں بچے گی، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب دلیری سے کہا، تو فرعون بوکھلا گیا اور بجائے کچھ جواب دینے کے اردگرد نظر ڈالی اور درباریوں کی طرف متوجہ ہوا اور بولا: کیا تم سن نہیں رہے ہو؟ یہ کیا کہہ رہا ہے، اتنے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ وہی رب العالمین تمہارا اور تمہارے پہلے باپ دادوں کا رب ہے، فرعون نے چلا کر کہا: لوگو! ضرور یہ پیغمبر ہونے کا دعوے دار جو کہتا ہے کہ مجھے رب العالمین نے تمہاری طرف اپنا پیغمبر بنا کر بھیجا ہے، عقل سے کورا ہے۔ کیونکہ تمہارا رب تو میں ہوں، یہ کون سا رب نکلا ہے جس نے اسے پیغام دے کر ہماری طرف بھیجا ہے۔

فیصلہ کن جواب

قَالَ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَ الْمَغْرِبِ وَ مَا بَيْنَهُمَا ؕ اِنْ كُنْتُمْ
کہا موسیٰ نے وہ رب ہے مشرق کا اور مغرب کا اور انکا جو بیچ میں ہے انکے اگر ہو تم
تَعْقِلُوْنَ ۝۲۸ قَالَ لَئِنِ اتَّخَذْتَ اِلٰهًا غَيْرِيْ لَاَجْعَلَنَّكَ مِنَ
سمجھدار (۲۸) بولا فرعون البتہ اگر بنایا تو نے کوئی معبود سوا میرے تو ضرور کر ڈالوں گا میں تجھے میں سے
الْمَسْجُوْنِيْنَ ۝۲۹ قَالَ اَوَلَوْ جِئْتُكَ بِشَيْءٍ مُّبِيْنٍ ۝۳۰
قیدیوں (۲۹) کہا موسیٰ نے اور جو میں آیا ہوں لیکر پاس تیرے ایک چیز کھول دینے والی (۳۰)

بامحاورہ ترجمہ:۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا رب العالمین مشرق کا اور مغرب کا اور جو کچھ اس کے بیچ میں ہے سب کا رب ہے اگر تم سمجھ سکتے ہو۔(۲۸) فرعون نے کہا: اگر تو نے میرے سوا کوئی خدا بنایا تو ضرور تجھے قید میں ڈالدوں گا۔(۲۹) موسیٰ نے کہا: اگر میں تیرے پاس واضح دلیل لے کر آؤں (تو پھر بھی تو مجھے قید میں ڈال دیگا۔)۔(۳۰)

تفسیر

موسیٰ علیہ السلام نے بھی موقعہ دیکھ کر رب العالمین کی ایک اور زبردست خصوصیت پیش کی اور فرعون سے کہا کہ تیرے پاس تو صرف مصر کی حکومت ہے، جو ساری زمین کے مقابلہ میں کوئی حیثیت نہیں رکھتی، میں تو اس اللہ کا بھیجا ہوا آیا ہوں، جس کی حکومت سارے آسمانوں پر، ساری زمین پر مشرق سے لے کر مغرب تک پھیلی ہوئی ہے، تو ایک چھوٹے سے زمین کے ٹکڑے پر قابض ہو کر اکڑ دکھا رہا ہے، اس چھوٹی سی حکومت پر اتنا بڑا غرور بالکل بیکار ہے، فرعون کے پاس اس کا کوئی جواب نہ تھا۔ لڑنے مرنے پر اُتر آیا اور لگا اپنی زور آوری دکھانے، فرعون نے

موسیٰ علیہ السلام سے کہا: تو جانتا بھی ہے کہ تو کس کے سامنے کھڑا باتیں کر رہا ہے، مجھ جیسے زبردست بادشاہ کے سامنے کسی اور کو اپنا حاکم، بادشاہ اور معبود کہنا کھلی بغاوت ہے، تو نہیں جانتا کہ میں تجھے اس گستاخی کی سخت سزا دے سکتا ہوں اور یقیناً اگر تو ان باتوں سے باز نہ آیا تو تجھے اور بہت سے قیدیوں کے ساتھ قید خانہ میں ڈال کر رہوں گا، موسیٰ علیہ السلام نے اس کے جواب میں کہا: اچھا اگر میں کوئی ایسی دلیل پیش کر دوں، جس کے بعد شک وشبہ کی گنجائش ہی نہ رہے اور جو اس جھگڑے کا کو دوٹوک فیصلہ کر دے تب تو مجھے قید میں ڈالے گا؟

موسیٰ کی لاٹھی اور روشن ہاتھ

قَالَ فَأْتِ بِهٖٓ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۳۱﴾ فَاَلْقٰى عَصَاهُ فَاِذَا

کہا تو لا اسے اگر ہے تو میں سے سچوں (۳۱) پس ڈال دی لاٹھی اپنی پس اچانک

هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ ﴿۳۲﴾ وَّ نَزَعَ يَدَهٗ فَاِذَا هِيَ بَيْضَآءُ لِلنّٰظِرِيْنَ ﴿۳۳﴾ ع ۲

وہ اژدہا تھا کھلم کھلا (۳۲) اور باہر کھینچا ہاتھ اپنا پس اچانک وہ چمکدار ہو گیا واسطے دیکھنے والوں کے (۳۳)

بامحاورہ ترجمہ:۔ فرعون نے موسیٰ سے کہا اگر تو سچوں میں سے ہے تو وہ چیز لیکر آ۔ (۳۱) سو! موسیٰ علیہ السلام نے اپنی لاٹھی ڈال دی پھر وہ اسی وقت ایک اژدہا بن گیا۔ (۳۲) موسیٰ علیہ السلام نے اپنا ہاتھ بغل میں داخل کر کے باہر کھینچا، پس! اچانک چمک رہا تھا دیکھنے والوں کے سامنے۔ (۳۳)

تفسیر

فرعون کو کچھ اطمینان ہو چلا تھا کہ میرے لوگ میری ہی طرف ہیں، اسی سے شیر ہو کر اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دھمکی دی تھی کہ تم مجھے جانتے نہیں ہو؟ اگر میرے سوا کسی اور کو رب ماننے سے باز نہ آئے تو قید خانے میں ڈال دوں گا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: بھلا! اگر میں کوئی ایسی نشانی دکھاؤں کہ جس کے دیکھنے کے بعد رب

العالمین کے ماننے میں اور مجھے اس کا پیغمبر ماننے میں تم لوگوں کو کسی شبہ کی گنجائش ہی نہ رہے تب تو اس پیغام پر جو تمہیں پہنچا رہا ہوں عمل کرو گے؟ فرعون نے سوچا کہ ایسی نشانی اس کے پاس کیا ہوگی، یوں ہی باتیں بناتا ہے، فرعون بولا: اچھا اگر تو سچا ہے تو لا وہ نشانی دکھا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی لاٹھی ہاتھ سے زمین پر ڈال دی اور وہ فوراً ایک بڑا اژدہا بن کر پھنکارے مارتا ہوا اِدھر اُدھر دوڑنے لگا، اِدھر ہاتھ کو بغل سے نکالا تو وہ چمک رہا تھا اور دیکھنے والوں کی آنکھیں چکاچوند ہونے لگیں، فرعون ایسا گھبرایا کہ سارے خدائی کے دعوے بھول گیا۔

ادھر اژدہا منہ پھاڑے پھنکارتا ہوا دوڑا چلا آرہا تھا، اِدھر روشن ہاتھ کی چمک سے آنکھیں چندھیا رہی تھیں، سمجھا ہوگا کہ اب مرا یہ اژدہا نگل کر ہی چھوڑے گا، یا تو دھمکی دے رہا تھا اور یا لگا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خوشامد کرنے اور چیخنے چلّانے کہ بس بس! بچانا، بچانا۔ دربار میں بھگدڑ مچ گئی اور لوگ اُٹھ اُٹھ کر گرنے لگے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سوچا کہ شاید اب یہ لوگ مان جائیں گے، اژدہا کو پکڑ لیا اور وہ پھر لاٹھی ہوگیا، ہاتھ کو چھپالیا چمک جاتی رہی اور فرعون کی جان میں جان آگئی۔

موسیٰ سے مقابلے کی تیاری

قَالَ لِلْمَلَاِ حَوْلَهٗٓ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ ﴿۳۴﴾ يُّرِيْدُ اَنْ

کہا سے سرداروں جو اسکے اردگرد تھے بیشک یہ البتہ جادوگر ہے سیانا (۳۴) چاہتا ہے کہ

يُّخْرِجَكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهٖ ۖ فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ ﴿۳۵﴾ قَالُوْٓا

نکال دے تمہیں سے زمین تمہاری ذریعے جادو اپنے کے پس کیا حکم دیتے ہو تم (۳۵) بولے

اَرْجِهْ وَ اَخَاهُ وَ ابْعَثْ فِي الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ ﴿۳۶﴾ يَاْتُوْكَ

ڈھیل دے اسے اور بھائی اسکے کو اور بھیج میں شہروں اکٹھا کرنے والوں کو (۳۶) لے آئیں پاس تیرے

بِكُلِّ سَحَّارٍ عَلِيْمٍ ﴿۳۷﴾

ہر ایک بڑے جادوگر ماہر کو (۳۷)

بامحاورہ ترجمہ:۔فرعون نے اپنے اردگرد کے سرداروں سے کہا یہ تو کوئی ماہر جادوگر ہے۔(۳۴) چاہتا ہے کہ تمہارے دیس سے تمہیں نکال دے اپنے جادو کے زور سے سواب کیا حکم دیتے ہو۔(۳۵) فرعون کے سرداروں نے کہا ڈھیل دے دو اس کو اور اس کے بھائی کو اور شہروں میں بلانے والے لوگوں کو بھیج دو۔(۳۶) تاکہ وہ تیرے پاس بڑے بڑے ماہر جادوگروں کو لے آئیں۔(۳۷)

لفظی تحقیق: اَرْجِهْ: مہلت دے۔ امر سے "اِرْجَاءٌ" ہے۔ سَحَّارٌ: بڑا جادوگر۔ مبالغہ کا صیغہ ہے، فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جادوگر سمجھا؛ اس لئے بڑے جادوگر مقابلہ کیلئے آئے۔ حٰشِرِیْنَ: جمع کرنے والے۔ "حاشِر" کی جمع ہے۔

تفسیر

فرعون اپنی طاقت پر مغرور تھا اور جب غرور کسی کے سر میں سما جاتا ہے تو آسانی سے نہیں نکلتا، پھر تو وہ اکثر جب ہی جاتا ہے، جب سرے سے سر ہی جاتا رہے، نہ رہے بانس نہ رہے بانسری۔ موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی اور چمکدار ہاتھ سے فرعون ہوش گنوا بیٹھا تھا، جب ہوش ٹھکانے آیا تو پھر وہی باتیں کرنے لگ گیا کہ جو کچھ ہوں میں ہوں، اتنا فرق ضرور ہوا کہ اپنے لوگوں سے مشورہ لینے لگا اور سمجھا کہ ایسے خطرناک جادوگر کے مقابلے میں اکیلا کامیاب نہیں ہوسکوں گا، اردگرد جو بڑے لوگ دربار میں حاضر تھے، ان سے کہا کہ یہ کوئی بڑا ماہر جادوگر ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ تمہیں نکال کر اپنی حکومت قائم کرے۔ اب بتلاؤ کہ! اس کا کیا علاج کرنا چاہیئے، سب نے عرض کیا کہ موسیٰ اور اس کے بھائی کو تو ابھی کچھ کہنا ٹھیک نہیں، بہتر ہے کہ ہوشیار لوگوں کو بڑے بڑے شہروں میں بھیجا جائے تاکہ وہ بڑے بڑے جادوگروں کو ہر جگہ سے اکٹھا کر کے لے آئیں اور ان کا موسیٰ سے ڈٹ کر مقابلہ کرا دیا جائے۔

جادوگر آگئے

فَجُمِعَ السَّحَرَةُ لِمِيْقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۳۸﴾ وَّ قِيْلَ لِلنَّاسِ

پس جمع کیے گئے جادوگر مقررہ وقت پر ایک دن معین (۳۸) اور کہا گیا سے لوگوں

هَلْ اَنْتُمْ مُّجْتَمِعُوْنَ ﴿۳۹﴾ لَعَلَّنَا نَتَّبِعُ السَّحَرَةَ اِنْ كَانُوْا

کیا تم جمع ہو جاؤ گے (۳۹) شاید ہم پیروی کریں جادوگروں کی اگر ہوں

هُمُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿۴۰﴾

وہ غلبہ پانے والے (۴۰)

بامحاورہ ترجمہ:۔ پھر جادوگر اکٹھے کیے گئے ایک مقرر دن کے وعدہ پر۔(۳۸) اور لوگوں سے کہا گیا کیا تم بھی اکٹھے ہو گے۔(۳۹) شاید ہم جادوگروں کی پیروی کریں اگر وہ غالب ہوں۔(۴۰)

لفظی تحقیق: **مِيْقَاتِ:** ایک خاص مقرر وقت۔ یہ اسم آلہ کے وزن پر مصدر ہے، جب کسی کام کیلئے کوئی وقت مقرر ہو جائے تو اسے میقات کہتے ہیں۔ **اَلسَّحَرَةُ:** جادوگر۔ ساحر کی جمع ہے۔

تفسیر

مطلب پرست انسان کسی سے دب کر نہیں رہنا چاہتے، اگر کوئی اسے دبانا چاہے تو اکڑ جاتا ہے اپنے اندر مقابلہ کی طاقت نہ ہو تو اپنے حمایتیوں کو اکٹھا کر لیتا ہے اور انہیں اپنے مدمقابل سے لڑا دیتا ہے، خود بھی ان کی مدد میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتا، فرعون نے جب دیکھا کہ میں خود موسیٰ علیہ السلام سے مقابلہ نہیں کر سکتا، اس کی لاٹھی تو زمین پر گرتے ہی اژدہا بن جاتی ہے، اس کا روشن ہاتھ آنکھوں میں چکا چوند پیدا کر دیتا ہے، لوگوں کے ہوش گم ہو جاتے ہیں، درباریوں کے مشورے سے سارے ملک سے بڑے بڑے جادوگر اپنے آدمی بھیج کر اکٹھے کیے۔

اور موسیٰ علیہ السلام سے مقابلہ کیلئے عید کا جانا پہچانا دن مقرر ہوگیا، شہر میں اعلان کر دیا کہ جادوگروں کا اور موسیٰ کا مقابلہ ہے، بڑا زوردار مقابلہ ہوگا، چلو چلو! میدان میں جمع ہو جاؤ۔ آؤ آؤ! اپنے جادوگروں کا دل بڑھاؤ، مجمع جتنا زیادہ ہوگا، اتنی ہی ان کی ہمت بڑھے گی، پکی امید ہے کہ میدان ہمارے ہی ہاتھ رہے گا، اگر ہمارے جادوگروں نے ان دونوں کو شکست دے دی تو پھر ہم اپنے موجودہ طریقے پر قائم رہتے ہوئے انہی کی پیروی کرتے رہیں گے اور ہمیں اپنا دین تبدیل نہیں کرنا پڑے گا۔

جادوگروں کا صلہ

فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ قَالُوْا لِفِرْعَوْنَ اَئِنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا

پس جب آئے جادوگر کہا انہوں نے سے فرعون کیا یقیناً لیے ہمارے ضرور بڑا انعام ہوگا اگر ہوئے

نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿۴۱﴾ قَالَ نَعَمْ وَاِنَّكُمْ اِذًا لَّمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿۴۲﴾

ہم غالب آنے والے (۴۱) کہا ضرور اور یقیناً تم اس وقت البتہ خاص درباریوں میں ہو جاؤ گے (۴۲)

بامحاورہ ترجمہ: ۔ پھر جب جادوگر آئے تو فرعون سے کہنے لگے ہمارے لئے کوئی انعام بھی ہے اگر ہم غالب آ گئے۔ (۴۱) فرعون نے کہا: ہاں! تب تو تم میرے خاص درباری ہو جاؤ گے۔ (۴۲)

تفسیر

جادوگر ملک بھر سے کھینچ کر بلا لیے گئے، اعلان کر دیا گیا کہ بڑے میلہ والے دن سورج چڑھے ہمارے جادوگر موسیٰ سے مقابلہ کریں گے، پوری امید ہے کہ وہی غالب رہیں گے اور موسیٰ علیہ السلام کو ہٹا کر ہم انہی کی پیروی کھلم کھلا کر سکیں گے، ہارنے کے بعد موسیٰ اس قابل نہ رہیں گے کہ ہم پر بے انصافی کا الزام لگا سکیں۔

آخر کار میلے کا دن آیا اور فرعون اپنے درباریوں سمیت وہاں پہنچ گیا، لوگ بھی گروہ در گروہ آئے اور سارا

میدان بھر گیا، اتنے میں جادوگر بھی آپہنچے اور موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ مقابلہ کرنے سے پہلے فرعون سے معاملہ کی بات چیت کی، جیسے: کہ بازی گروں کا اب بھی دستور ہے کہ کرتب دکھانے سے پہلے بلانے والے سے اپنا مزدوری طے کرالیتے ہیں، پھر یہاں بلانے والا بادشاہ تھا اور کام بھی معمولی نہ تھا، جادوگر بولے ہم جیتیں تو ہمارا انعام تو ضرور بالضرور بڑا بھاری ہونا چاہیے، کیا ہم اس کا یقین رکھیں؟ فرعون جادوگروں سے فوراً بولا! مال ودولت، انعام واکرام تو رہا الگ، میں تمہیں اپنا خاص درباری بنالوں گا اور تم میرے خاص چہیتے بن جاؤ گے، فکر مت کرو، اگر جیت گئے تو پھر تم ہی تم ہو اور سب ہی تمہارے پروانے بن جائیں گے۔

جادوگر تو اسی لئے آئے تھے کہ اگر ہم کامیاب ہوگئے تو ہمیں انعام واکرام ملے گا، ہماری عزت افزائی ہوگی اور اس طرح ہمیں ملک بھر میں شہرت حاصل ہوگی۔ جادوگروں اور پیغمبر علیہم السلام میں یہی تو بنیادی فرق ہے، جادوگر دنیا کے مال ودولت اور عزت کے خواہشمند ہوتے ہیں، جب کہ اللہ کے پیغمبروں کا یہ اعلان ہوتا ہے، اے لوگو! میں دین کا پیغام پہنچانے پر تم سے کوئی معاوضہ طلب نہیں کرتا۔ کیونکہ میرا اجر تو رب العالمین کے پاس ہے۔

مقابلہ

قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰٓى اَلْقُوْا مَآ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ ﴿۴۳﴾ فَاَلْقَوْا حِبَالَهُمْ

کہا سے ان موسیٰ نے ڈالو تم جو تم ڈالنے والے ہو (۴۳) پس ڈالا انہوں نے رسّیوں اپنی کو

وَ عِصِيَّهُمْ وَ قَالُوْا بِعِزَّةِ فِرْعَوْنَ اِنَّا لَنَحْنُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿۴۴﴾

اور لاٹھیوں اپنی کو اور بولے قسم عزت کی فرعون کی یقینا البتہ ہم ہی جیتیں گے (۴۴)

فَاَلْقٰى مُوْسٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا يَاْفِكُوْنَ ﴿۴۵﴾

پس ڈالی موسیٰ نے لاٹھی اپنی پس اچانک وہ نگلنے لگی اُسے جو ڈھونگ انہوں نے رچایا تھا (۴۵)

بامحاورہ ترجمہ:۔ موسیٰ علیہ السلام نے ان سے کہا ڈالو جو تم ڈالتے ہو۔ (۴۳) پھر انہوں نے اپنی رسیاں اور

لاٹھیاں ڈالیں اور بولے فرعون کے اقبال سے ہماری ہی فتح ہے۔(۴۴) پھر موسیٰ علیہ السلام نے اپنی لاٹھی ڈالی پس وہ لاٹھی اچانک ہی ان چیزوں کو نگلنے لگی جو انہوں نے ڈھونگ بنایا تھا۔(۴۵)

تفسیر

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جادوگروں سے کہا کہ پہلے تم ہی اپنی اپنی رسیاں اور لاٹھیاں ڈالو، یہ سنکر جادوگروں نے فرعون کے نام کے جے بولتے ہوئے موٹے موٹے رسّے اور ڈنڈے زمین پر پھینکے اور کہا کہ فرعون کے اقبال سے ہماری ہی فتح ہو کر رہے گی، مگر جیسے مثل مشہور ہے کہ جھوٹ کے پاؤں نہیں ہوتے، اسی طرح جادو کی بھی کوئی مضبوط جڑ نہیں ہوتی، وہ رسّیاں اور لاٹھیاں لوگوں کے خیال میں سانپوں کی طرح لہراتی ہوئی معلوم ہونے لگیں اور اصل میں وہی رہیں جو تھیں، موسیٰ علیہ السلام نے یہ ڈھونگ دیکھ کر اللہ تعالیٰ کا نام لیا اور اس کے حکم سے اپنی لاٹھی زمین پر ڈال دی، لاٹھی اللہ تعالیٰ کی قدرت سے سچ مچ اژدہا بن گئی، زمین پر پڑتے ہی اس نے ان جادوگروں کی ڈالی ہوئی رسیوں اور لاٹھیوں کے خیالی سانپوں کو نگلنا شروع کر دیا اور دیکھتے ہی دیکھتے سارا میدان صاف ہو گیا۔

یہ دیکھ کر تمام لوگ خوفزدہ ہو کر بھاگنے لگے اور اس طرح جادوگروں کا بنایا ہوا سارا کھیل بگڑ گیا اور وہ مغلوب ہو گئے۔

جادوگر ہار مان گئے

فَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ ﴿۴۶﴾ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۷﴾

پس ڈال دیے گئے جادوگر سجدہ کرتے ہوئے (۴۶) بولے ایمان لائے ہم ساتھ رب جہانوں کے (۴۷)

رَبِّ مُوْسٰى وَ هٰرُوْنَ ﴿۴۸﴾ قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۚ

رب موسیٰ اور ہارون کا (۴۸) کہا ایمان لے آئے تم پر اس پہلے اس کے کہ میں حکم دوں تمہیں

اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمُ الَّذِيْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ ۚ

تحقیق وہ البتہ تمہارا بڑا ہے جس نے سکھایا تمہیں جادو

بامحاورہ ترجمہ:۔ پھر جادوگر سجدہ میں گرے پڑے۔(۴۶) جادوگروں نے کہا ہم جہانوں کے رب پر ایمان لائے۔(۴۷) جو موسیٰ اور ہارون کا رب ہے۔(۴۸) فرعون بولا: تم نے اسے مان لیا حالانکہ ابھی میں نے تمہیں حکم نہیں دیا، بیشک یہ تمہارا بڑا ہے جس نے تمہیں جادو سکھایا ہے۔

تفسیر

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی نے زمین پر پڑتے ہی جادوگروں کے خیالی سانپوں کو نگلنا شروع کردیا، جادوگر سمجھ گئے کہ یہ جادو نہیں بلکہ معجزہ ہے، اور بے اختیار سجدے میں گر پڑے اور یک زبان ہوکر بول اٹھے کہ ہم نے یقین کرلیا کہ رب العالمین سچا اور برحق ہے جو موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کا رب ہے، وہی سارے جہان کا رب ہے اور ہم اپنا رب بھی اسی کو مانتے ہیں، یہ دونوں سچ کہتے ہیں۔ فرعون کو یہ رنگ دیکھ کر تاؤ آگیا اور جادوگروں کو ڈانٹ کر کہا: یہ تم کیا کررہے ہو؟ یہ تمہیں کیا سوجھی کہ بغیر میرے فیصلہ اور حکم کے انتظار کیے موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کے رب پر ایمان لے آئے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تمہارا استاد ہے اور تم کو جادو اسی نے سکھایا ہے اور تم سب مشورہ کرکے میرے آدمیوں کو بہکا کر اپنا طرف دار بنانے اور میرے ملک پر قبضہ کرنے آئے ہو، سچ ہے جو لوگ ملک و مال کے نشہ میں مست ہوں انہیں سوا اس کے کچھ نہیں سوجھتا کہ جو ہمارے خلاف کہتا ہے وہ باغی اور عوام کا دشمن ہے، اس کو کسی نہ کسی طرح نیچا دکھانا چاہیئے، طاقتور لوگ تو اکثر ذرا سا بھی اپنے خلاف کہنے والوں کو فوراً قتل کرادیتے ہیں۔

فرعون غضبناک ہوا

فَلَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۬ۚ لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَ اَرْجُلَكُمْ مِّنْ

پس البتہ عنقریب جان لوگے البتہ کاٹ ڈالوں گا ہاتھ تمہارے اور پاؤں تمہارے سے

خِلَافٍ وَّ لَاُوصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿٤٩﴾ قَالُوْا لَا ضَيْرَ ۡ اِنَّاۤ اِلٰى

طرف دوسری اور البتہ سولی دوں گا میں تم کو سب کے سب کو (۴۹) بولے نہیں کچھ ڈر تحقیق ہم طرف

رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ﴿٥٠﴾ اِنَّا نَطْمَعُ اَنْ يَّغْفِرَ لَنَا رَبُّنَا خَطٰيٰنَاۤ اَنْ

رب اپنے کے لوٹ جانے والے ہیں (۵۰) تحقیق ہم امید رکھتے ہیں کہ بخش دے ہمیں رب ہمارا خطائیں ہماری کہ

كُنَّاۤ اَوَّلَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٥١﴾ ع ۱۸ / ۷ ۳

ہوئے ہم پہلے ایمان لانے والوں میں ہیں (۵۵۱)

بامحاورہ ترجمہ:۔سو! اب تم جان لوگے کہ میں تمہارے ہاتھ اور پاؤں الٹی طرف سے کاٹ دوں گا اور تم سب کے سب کو سولی پر چڑھا دونگا۔(۴۹) جادوگر بولے: کچھ ڈر نہیں ہمیں اپنے رب کی طرف پھر جانا ہے۔(۵۰) ہم آرزو رکھتے ہیں کہ ہمارا رب ہماری خطائیں معاف کردے؛ اس لئے کہ ہم پہلے ایمان لانے والے۔(۵۱)

تفسیر

فرعون جادوگروں پر غصے سے لال پیلا ہوگیا، پہلے تو کہا کہ یہ موسیٰ تمہارا استاد معلوم ہوتا ہے اور تم سب نے گٹھ جوڑ کرلیا ہے جو تم نے اس کی بات مان لی اور اس کے فرمانبردار بن گئے، پھر صاف صاف کہا کہ پہلے تو تمہارے ایک طرف کے ہاتھ کاٹوں گا، پھر اس کی دوسری طرف کے پاؤں کاٹوں گا، پھر سولی پر چڑھا دوں گا اور تم سب کے سب کا یہی حشر کرونگا، جاؤ گے کہاں؟ جادوگروں نے اس کی متکبرانہ باتیں سنکر جواب دیا کہ ہم جانتے ہیں کہ تو ہمیں سزا دے سکتا ہے، لیکن ہم تیری سزا سے نہیں ڈرتے ہم پر حق پوری طرح واضح ہوگیا ہے، ہمارا رب وہی ہے جو موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کا رب ہے ہمیں ہر صورت میں اسی کے پاس جانا ہے، تیرے ہاتھ سے سزا پاکر مرے تو اور زیادہ سرخ رو ہوں گے، ہم تو آس لگائے ہوئے ہیں کہ ہمارا رب ہماری پچھلی خطائیں بخش

دے گا، کیونکہ ہم اس کے پیغمبروں کی تبلیغ کے بعد اس مجمع کے لوگوں میں سے سب سے پہلے ایمان لانے والے ہیں اور تم جیسے سخت مخالفوں کے بیچ دھڑلے کے ساتھ حق کو قبول کرنے کا سب سے پہلے اعلان کیا ہے۔

قَالُوْا لَا ضَيْرَ ۡ اِنَّاۤ اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ۔یعنی: جب فرعون نے جادوگروں کے ایمان قبول کرنے پر قتل کی اور ہاتھ پاؤں کاٹنے اور سولی چڑھانے کی دھمکی دی تو جادوگروں نے بڑی بے پرواہی سے یہ جواب دیا کہ تو جو کچھ کرسکتا ہے کرلے، ہمارا کوئی نقصان نہیں، ہم قتل بھی ہونگے تو اپنے رب کے پاس چلے جائینگے، جہاں آرام ہی آرام ہے۔

یہاں غور کرنے کی بات یہ ہے کہ یہ جادوگر جو عمر بھر جادوگری کے کفر میں مبتلا رہے اور فرعون کے خدائی کے دعوٰی کو ماننے والے اور اس کے نام کی جے پکارنے والے تھے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ دیکھ کر اپنی پوری قوم اور فرعون جیسے ظالم بادشاہ کے خلاف ایمان کا اعلان کردیں یہی ایک حیرت انگیز چیز تھی مگر یہاں تو صرف ایمان کا اعلان ہی نہیں بلکہ ایمان کا وہ گہرا رنگ چڑھ جانے کا مظاہرہ ہے کہ قیامت و آخرت گویا ان کو سامنے نظر آنے لگی، جس کے مقابلے میں دنیا کی ہر سزا اور مصیبت سے بے نیاز ہوکر کہدیا کہ جو تیرا جی چاہے کرلے ہم تو ایمان سے پھرنے والے نہیں، یہ بھی حقیقت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام ہی کا معجزہ ہے جو لاٹھی اور چمکدار ہاتھ کے معجزہ سے کم نہیں، اسی طرح کے بہت سے واقعے ہمارے پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھوں ظاہر ہوئے ہیں کہ ایک منٹ میں ستر برس کے کافر میں ایسی تبدیلی آگئی کہ صرف مؤمن ہی نہیں ہوگیا بلکہ غازی بن کر شہید ہونے کی تمنا کرنے لگا۔

مصر سے ہجرت

وَ اَوْحَيْنَاۤ اِلٰى مُوْسٰۤى اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِيْۤ اِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ ﴿۵۲﴾

اور وحی بھیجی ہم نے طرف موسیٰ کی کہ لے نکل راتوں رات بندوں میرے کو یقیناً تمہارا پیچھا کیا جائے گا (۵۲)

فَاَرْسَلَ فِرْعَوْنُ فِي الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ ﴿۵۳﴾ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ
پس بھیجا فرعون نے میں شہروں اکٹھا کرنے والوں کو (۵۳) تحقیق یہ لوگ

لَشِرْذِمَةٌ قَلِيْلُوْنَ ﴿۵۴﴾ وَ اِنَّهُمْ لَنَا لَغَآئِظُوْنَ ﴿۵۵﴾ وَ اِنَّا
ایک جماعت ہے تھوڑی سی (۵۴) اور تحقیق وہ ہمیں غصہ دلا رہے ہیں (۵۵) اور یقیناً ہم

لَجَمِيْعٌ حٰذِرُوْنَ ﴿۵۶﴾
البتہ سب کے سب اسلحہ سے لیس ہیں (۵۶)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور ہم نے موسیٰ کی طرف وحی بھیجی کہ میرے بندوں کو راتوں رات لے کر نکل جائیں یقیناً صبح ہوتے ہی فرعون کی طرف سے تمہارا پیچھا کیا جائیگا۔ (۵۲) پھر فرعون نے شہروں میں اکٹھا کرنے والوں کو بھیجا۔ (۵۳) (اور اُن سے کہا کہ موسیٰ اور اُس کی قوم) ایک چھوٹی سی جماعت ہے۔ (۵۴) جو ہمیں غصہ دلا رہی ہے۔ (۵۵) حالانکہ ہم سب مسلّح ہیں۔ (۵۶)

لفظی تحقیق: شِرْذِمَةٌ: چھوٹی سی جماعت مٹھی بھر لوگ۔ غَآئِظُوْنَ: غصہ دلانے والے۔ اسم فاعل ہے غیظ کے معنیٰ غضب ناک کرنا۔ ایسا رویہ جو دوسرے کو غصہ دلائے۔ حٰذِرُوْنَ: قوت اور اور سامانِ جنگ رکھنے والے۔ اسم فاعل "حَاذِر" کی جمع ہے۔ "حذر" جنگ کی تیاری۔ "حَاذِرہ" وہ جو لڑنے کا سامان اور بل بوتا رکھتا ہے۔

تفسیر

اس جگہ پر درمیانی واقعوں کا ذکر نہیں کیا گیا بلکہ جادوگروں کے مقابلہ کا ذکر کرنے کے بعد بنی اسرائیل کے مصر سے نکلنا اور فرعونیوں کی ہلاکت کا واقعہ بیان کیا گیا ہے، ارشاد ہوتا ہے: اور ہم نے موسیٰ کی طرف وحی کی

کہ میرے بندوں کو لے کر راتوں رات نکل جاؤ۔

بنی اسرائیل کے نکلنے کا واقعہ اس طرح پیش آیا کہ بنی اسرائیل ہر سال شہر سے باہر کھلے میدان میں چند دن کیلئے کوئی میلہ رچایا کرتے تھے، اس مرتبہ بھی جب وہ دن قریب آئے تو انہوں نے جشن منانے کی تیاری شروع کی، قرآن پاک میں آتا ہے کہ انہوں نے تقریب کے موقع پر پہننے کیلئے بعض قبطیوں سے کچھ زیورات بھی مانگ کر لے لیے، مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ: موسیٰ علیہ السلام نے لوگوں کو سمجھا دیا تھا کہ سفر کے دوران استعمال کیلئے خوراک کا مختصر ذخیرہ بھی اپنے ساتھ لے لیں، اُدھر کسی وبائی مرض کی وجہ سے قبطیوں کے گھروں میں کچھ نوجوان مر گئے تھے، جس کی وجہ سے وہ لوگ زیادہ تر اُدھر مصروف ہو گئے۔ اِدھر بنی اسرائیل کو راتوں رات نکلنے کا حکم مل گیا، فرعونی لوگوں نے اس بات کا زیادہ نوٹس نہ لیا کہ بنی اسرائیل ابھی تک لوٹ کر کیوں نہیں آئے، وہ جانتے تھے کہ بنی اسرائیل ہر سال چند دن جشن منانے کے لئے جایا ہی کرتے ہیں، بہر حال بنی اسرائیل کو حکم ہوا کہ رات کے وقت نکل جاؤ اور ساتھ ہی ساتھ اس بات سے بھی آگاہ کر دیا گیا کہ تمہارا پیچھا کیا جائے گا مگر گھبرانا نہیں، اللہ تعالیٰ تمہیں کامیابی عطا کرے گا۔

بنی اسرائیل کے نکلنے کے بعد فرعونیوں کو خیال آیا کہ اس مرتبہ سارے کے سارے بنی اسرائیلی میلے میں چلے گئے ہیں اور ان کا ایک آدمی بھی پیچھے نہیں رہا، آخر بات کیا ہے؟ انہیں بنی اسرائیل کے بھاگنے کا شبہ پیدا ہونے لگا، چنانچہ فرعون نے فیصلہ کیا کہ بنی اسرائیل کا پیچھا کر کے معلوم کیا جائے کہ وہ کہاں گئے ہیں، پس! فرعون نے شہروں میں اکٹھا کرنے والوں کو بھیجا، منصوبہ یہ تھا کہ تمام فوجی جوان اور سردار اکٹھے ہو کر بنی اسرائیل کا پیچھا کریں، آج کل کی اصطلاح کے مطابق پورے ملک میں ہنگامی حالت نافذ کر دی گئی، تمام سرکاری ملازمین اور فوجیوں کی چھٹیاں منسوخ کر کے انہیں اپنی اپنی ڈیوٹیوں پر حاضر ہو جانے کا حکم دے دیا گیا، بہت سے تیز رفتار گھڑ سواروں کے ذریعے چھاؤنیوں سے فوجیوں اور سرکردہ عہدیداروں اور دوسرے اہم لوگوں کو اکٹھا کیا گیا، اس

وقت مصر میں ایک ہزار بڑے بڑے شہر اور بہت سی چھوٹی چھوٹی بستیاں تھیں، سب میں آدمی بھیج کر لشکر جمع کیا گیا، ان کو بنی اسرائیل کے پیچھا کرنے کے فیصلے سے آگاہ کیا گیا اور ساتھ ساتھ امید بھی دلائی کہ اس مہم سے گھبرانا نہیں، یہ بنی اسرائیل ایک چھوٹی سی جماعت ہے جسے ہم نے پکڑنا ہے، اور ہماری تعداد کے حساب سے یہ ایک معمولی سا کام ہے، نیز: اپنے لوگوں کو اُبھارنے کیلئے یہ بھی کہا، اور بیشک بنی اسرائیل ہمیں غصہ دلاتے ہیں، ظاہر ہے کہ بنی اسرائیل کا راتوں رات نکل جانا فرعون کیلئے غصے کا باعث تھا، لہٰذا اس نے اپنے لوگوں کو پیچھا کرنے پر آمادہ کیا اور ساتھ یہ بھی کہا کہ بیشک ہم سب مسلّح ہیں ہمیں ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔

فرعونیوں کی خانہ خرابی

فَاَخْرَجْنٰهُمْ مِّنْ جَنّٰتٍ وَّ عُيُوْنٍ ﴿۵۷﴾ وَّ كُنُوْزٍ وَّ مَقَامٍ كَرِيْمٍ ﴿۵۸﴾

پس نکالا ہم نے انہیں سے باغوں اور چشموں (۵۷) اور خزانے اور ٹھکانے عمدہ سے (۵۸)

كَذٰلِكَ ؕ وَ اَوْرَثْنٰهَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۵۹﴾ فَاَتْبَعُوْهُمْ مُّشْرِقِيْنَ ﴿۶۰﴾

اسی طرح اور وارث بنایا ہم نے ان کا بنی اسرائیل کو (۵۹) پس پیچھا کیا فرعونیوں نے ان کا سورج نکلتے وقت (۶۰)

فَلَمَّا تَرَآءَ الْجَمْعٰنِ قَالَ اَصْحٰبُ مُوْسٰٓى اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ ﴿۶۱﴾

پس جب دیکھا ایک دوسرے کو فریقوں نے کہنے لگے ساتھی موسیٰ کے یقیناً ہم پکڑ لیے گئے (۶۱)

قَالَ كَلَّا ۚ اِنَّ مَعِيَ رَبِّيْ سَيَهْدِيْنِ ﴿۶۲﴾ فَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنِ

موسیٰ نے کہا ہرگز نہیں تحقیق میرے ساتھ میرا رب ہے جلد راہ بتائے گا مجھے (۶۲) پس وحی بھیجی ہم نے طرف موسیٰ کی کہ

اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْبَحْرَ ؕ فَانْفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ

مار لاٹھی اپنی سمندر کو پس پھٹ گیا سمندر اور ہو گیا ہر حصہ مانند پہاڑ

الْعَظِيْمِ ﴿٦٣﴾ وَ اَزْلَفْنَا ثَمَّ الْاٰخَرِيْنَ ﴿٦٤﴾ وَ اَنْجَيْنَا مُوْسٰى وَ
بڑے کے (٦٣) اور پہنچادیا ہم نے پھر دوسروں کو (٦٤) اور نجات دی ہم نے موسیٰ کو اور

مَنْ مَّعَهٗۤ اَجْمَعِيْنَ ﴿٦٥﴾ ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِيْنَ ﴿٦٦﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ
جو ساتھ اسکے تھے سب کو (٦٥) پھر ڈبو دیا ہم نے دوسروں کو (٦٦) تحقیق میں اس

لَاٰيَةً ؕ وَ مَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿٦٧﴾ وَ اِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ
نشانی ہے اور نہ تھے اکثر ان کے ماننے والے (٦٧) اور تحقیق رب آپ کا البتہ وہی

الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿٦٨﴾
زبردست رحم والا (٦٨)

وقف لازم ع ٨

بامحاورہ ترجمہ:۔ پس! ہم نے نکال باہر کیا انہیں باغوں اور چشموں۔ (٥٧) اور خزانوں اور عمدہ مکانوں سے۔ (٥٨) اسی طرح اور وارث کیا ہم نے ان کا بنی اسرائیل کو۔ (٥٩) پس! فرعونیوں نے انکا پیچھا کیا ان کا سورج نکلے۔ (٦٠) پھر جب دونوں جماعتیں مقابل ہوئیں تو حضرت موسیٰؑ کے ساتھی کہنے لگے ہم تو پکڑ لیے گئے۔ (٦١) موسیٰ علیہ السلام نے کہا ہرگز نہیں میرے ساتھ میرا رب ہے وہ جلد ہی مجھے کوئی راستہ بتائے گا۔ (٦٢) پھر ہم نے موسیٰ کو حکم بھیجا کہ اپنی لاٹھی سمندر میں مارو، پھر دریا پھٹ گیا تو ہر حصہ بڑے پہاڑ کی طرح ہو گیا۔ (٦٣) اور اس جگہ کے پاس ہم نے دوسروں (فرعون اور اسکی قوم) کو پہنچا دیا۔ (٦٤) اور موسیٰ اور اس کے سب ساتھیوں کو ہم نے بچالیا۔ (٦٥) پھر دوسروں (فرعون اور اسکی قوم) کو ہم نے ڈبو دیا۔ (٦٦) بیشک اس میں نشانی ہے اور بہت سے ان میں ماننے والے نہیں تھے۔ (٦٧) اور آپ کا رب زبردست ہے رحم والا ہے۔ (٦٨)

لفظی تحقیق: سَيَهْدِيْنِ: عنقریب راہ بتائے گا مجھے۔ اصل میں "سَيَهْدِيْنِيْ" ہے آخر کی یائے متکلم وقف کی وجہ سے گر گئی۔ اِنْفَلَقَ: پھٹ گیا۔ ماضی ہے۔ اَزْلَفْنَا: قریب کر دیا ہم نے۔ ماضی کا صیغہ ہے۔

"زلف" کے معنیٰ قریب کے ہیں۔

تفسیر

ارشاد ہے کہ: اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو رات کے وقت مصر سے نکل جانے کی تدبیر جو سمجھائی اس سے یہ مقصد بھی حاصل ہو گیا کہ فرعون اور اس کے لشکر اور سردار لوگ اپنے باغ، چشمے، خزانے اور آرام کے مکانات اور ٹھکانے چھوڑ کر باہر نکل پڑے اور پھر وہاں واپس آنا انہیں نصیب نہ ہوا، حقیقت میں اللہ تعالیٰ ہی نے انکو انکے گھروں اور باغوں سے نکالا، یہ سب چیزیں جن کے وہ مالک تھے اور جن پر اترا کر وہ بنی اسرائیل کو تنگ کر رہے تھے، ہم نے بنی اسرائیل کے نام مقرر کر دیں کہ ایک وقت آنے پر وہ ان سب کے مالک ہو جائیں گے، چنانچہ سورج نکلتے وقت فرعون اپنے لاؤ لشکر سمیت بنی اسرائیل کو پکڑنے نکل کھڑا ہوا، جب دونوں ایک دوسرے کو دکھائی دینے لگے تو موسیٰ علیہ السلام کے ساتھی گھبرائے کہ ہم تو یقیناً پکڑ لیے گئے، کیونکہ آگے سمندر کی موجیں ہیں اور پیچھے فرعون کی فوجیں ہیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ پر پورا بھروسہ تھا، فرمایا کہ: یہ ممکن نہیں کہ ہم پکڑے جائیں، اللہ تعالیٰ کے حکم سے نکلے ہیں وہ میرے ساتھ ہے وہ مجھے ضرور کوئی راستہ بتائے گا۔

وَاَوْرَثْنٰهَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ: مفسرین کے نزدیک اس آیت سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ فرعونیوں کے سمندر میں ڈوب کر ہلاک ہونے کے بعد بنی اسرائیل تو اُن کے باغوں، چشموں، خزانوں اور عمدہ مکانوں کے وارث نہیں بنے۔

حقیقت یہ ہے کہ جب بنی اسرائیل سمندر کو پار کر گئے تو پھر وہ واپس مصر نہیں آئے بلکہ آگے صحرائے سینا پہنچ گئے، اسی دوران موسیٰ اور ہارون علیہما السلام اللہ تعالیٰ کو پیارے ہو گئے پھر نئی نسل آئی اور انہوں نے حضرت یوشع علیہ السلام کی قیادت میں جہاد کیا، شام و فلسطین پر دوبارہ قبضہ کیا۔

وَ اَوْرَثْنٰهَا: اس آیت کے بارے میں حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ ممکن

ہے بنی اسرائیل صحرائے سینا میں ۴۰ سال بھٹکنے کے بعد دوبارہ مصر گئے ہوں اور انہوں نے فرعونیوں کی ان چیزوں پر قبضہ بھی کیا ہو جس کا ذکر اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے کیا ہے، بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ جب فرعون غرق ہو گیا اور اس کے ساتھ اس کا بارہ تیرا لاکھ کا لشکر بھی ڈوب گیا تو موسیٰ علیہ السلام نے کچھ اسرائیلیوں کو واپس مصر بھیج دیا تھا، تاکہ جا کر وہاں کا انتظام سنبھال لیں، مگر ان میں سے کوئی بھی روایت ضعف سے خالی نہیں، کیونکہ بنی اسرائیل اس وقت واپس مصر نہیں گئے، بلکہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانے میں انہیں مصر پر دوبارہ اقتدار حاصل ہوا جو کہ بہت عرصہ بعد کی بات ہے۔

بعض مفسرین نے اس آیت کے بارے میں فرمایا ہے کہ: اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو فرعون کے غرق کرنے کے بعد مصر کی طرف واپس لوٹا دیا تھا اور جتنی چیزیں فرعون کی قوم کے پاس تھی ان سب کا بنی اسرائیل کو وارث بنا یا دیا۔ (روح المعانی: ج: ۱۰/ص ۸۳)

قَالَ اَصْحٰبُ مُوْسٰۤى اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ ﴿۶۱﴾ قَالَ كَلَّا ۚ اِنَّ مَعِیَ رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ ﴿۶۲﴾: اس وقت جبکہ فرعونی لشکر جو انکا پیچھا کر رہا تھا جب بالکل سامنے آ گیا تو پوری قوم بنی اسرائیل چلا اُٹھی کہ ہم تو پکڑ لئے گئے، اور پکڑے جانے میں شبہ اور دیر ہی کیا تھی کہ پیچھے یہ فرعون کا لشکر اور آگے سمندر، یہ صورت حال موسیٰ علیہ السلام سے چھپی نہ تھی، مگر وہ اللہ تعالیٰ کے وعدہ پر یقین کئے ہوئے اس وقت بھی بڑے زور سے کہتے ہیں، ہرگز نہیں! ہم پکڑے نہیں جاسکتے اور وجہ یہ بتلاتے ہیں کہ میرے ساتھ میرا رب ہے، جو مجھے راستہ دیگا، ایمان کا امتحان ایسے ہی مواقع میں ہوتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام پر ذرہ برابر بھی خوف نہیں تھا، گویا کہ ان کو اپنا اور بنی اسرائیل کے بچاؤ کا راستہ آنکھوں سے نظر آ رہا تھا، اسی طرح واقعہ ہجرت کے وقت غارِ ثور میں چھپنے کے وقت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پیش آیا تھا، دشمن جو آپ کے پیچھے تھے، اس غار کے منہ پر آ کھڑے ہوئے، ذرا نیچے نظر کریں تو آپ ان کے سامنے آ جائیں، اس وقت حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو گھبراہٹ ہوئی تو آپ نے یہی جواب دیا کہ آپ کوئی غم اور خوف نہ کریں اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔

ارشاد ہے کہ: ہم نے موسیٰ کو حکم دیا اپنی لاٹھی سمندر پر مارو، مارتے ہی سمندر پھٹ گیا، اوراس میں راستے بن گئے، پانی سمٹ کر جگہ جگہ اکٹھا ہو گیا اور ہر ایک حصہ ایسا ہو گیا جیسے ایک بڑا پہاڑ ہے، پانی کے ان پہاڑوں کے درمیانی راستوں میں بنی اسرائیل اتر کر سمندر کے کنارے سے دوسری طرف سلامتی کے ساتھ پہنچ گئے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو فرعون کے ہاتھوں گرفتار ہونے سے بھی بچایا اور سمندر میں ڈوبنے سے بھی بچایا اس طرح موسیٰؑ کی بات سچ ثابت ہوئی کہ نہ گرفتار ہوئے اور نہ ڈوبے، اتنے میں فرعون اور اسکا لشکر بھی سمندر کے قریب پہنچ گیا، سمندر میں راستے بنے ہوئے اور بنی اسرائیل کو ان میں سے گذرتے ہوئے دیکھ کر یہ بھی ان راستوں میں اتر گئے، بنی اسرائیل تو سب کے سب پار ے پہنچ گئے تھے۔ مگر فرعون اور اس کے ساتھی ابھی دریا کے بیچ میں ہی تھے کہ پانی کے حصے پھر آپس میں مل گئے۔

یہ ہماری قدرت کی نشانی تھی، لیکن اکثر لوگ نشانی دیکھ کر بھی ایمان نہیں لاتے، خیر! اللہ بڑی قدرت والا ہے کہ فرعون جیسے سرکش کو تباہ کر دیا وہ بڑا ہی مہربان ہے کہ کمزور اور مظلوم بنی اسرائیل کو نجات دی۔

فَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰى: ہم نے موسیٰ کی طرف وحی بھیجی کہ اپنی لاٹھی کو سمندر پر مارو، یہ وہی لاٹھی تھی جسے مقابلے کے میدان میں پھینکا تھا تو یہ بہت بڑا اژدھا بن گئی، اور پھر اس نے جادوگروں کے بنائے ہوئے تمام سانپوں کو نگل لیا، اب اس کو پانی پر مارنے کا حکم ہوا، جونہی آپ نے پانی پر لاٹھی ماری تو پانی پھٹ گیا لاٹھی مارنے کی جگہ میں پانی پہاڑوں جیسے بڑے بڑے برف کے تودوں کے شکل میں کھڑا ہو گیا اور بیچ میں چلنے کیلئے راستہ بن گیا، بنی اسرائیل کے بارہ قبیلے تھے اور سمندر میں بارہ راستے بن گئے تا کہ ہر قبیلہ ایک ایک راستے پر چلتا ہوا سمندر کو پار کر لے۔

جب آپ سمندر کے بالکل کنارے پر پہنچ گئے تو آپ کے ساتھی یوشع بن نون علیہ السلام نے پوچھا، اے اللہ کے پیغمبر! آپ کو کیا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا کہ: مجھے سمندر پر لاٹھی مارنے کا حکم ہے، انہوں نے کہا پھر دیر کیا ہے؟ پھر موسیٰ علیہ السلام نے پانی پر لاٹھی مار کر کہا کہ مجھے چلنے کا راستہ دے دے، بس! اسی وقت پانی پھٹ گیا اور درمیان میں

بارہ راستے صاف نظر آنے لگے، ہوا کو حکم ہوا کہ ان راستوں کو خشک کر کے چلنے کے قابل بنا دو، چنانچہ ایسا ہی ہوا، پھر بارہ راستوں کے درمیان روشن دان بن گئے جن کے ذریعے بارہ قبیلے ایک دوسرے کو دورانِ سفر دیکھ سکتے تھے۔

وَ اَزْلَفْنَا ثَمَّ الْاٰخَرِیْنَ: پھر ہم نے پہنچا دیا وہاں پر دو دوسروں، یعنی: فرعونیوں کو، جب فرعون اور اس کے لشکر نے دیکھا کہ بنی اسرائیل سمندر کے بیچوں بیچ بنے ہوئے راستوں سے جا رہے ہیں تو انہوں نے بھی پیچھے جانا چاہا، پہلے تو انہوں نے کچھ غور و فکر کیا، مگر جیسا کہ روایتوں میں آتا ہے کہ جبرائیل علیہ السلام سیاہ گھوڑے پر سوار ہو کر آئے اور انہوں نے اپنا گھوڑا فرعون کے گھوڑے کے آگے لگا دیا جسے دیکھ کر فرعون کا گھوڑا بھی سمندر میں اتر گیا اور پھر اس کے پیچھے سارا لشکر اسی راستے پر چل نکلا، جب وہ سارے کے سارے سمندر کے اندر پہنچ گئے تو اتنے میں بنی اسرائیل سمندر کو پار کر کے دوسرے کنارے پر پہنچ چکے تھے، جب آخری اسرائیلی خشکی پر پہنچا تو عین اسی وقت آخری فرعونی سمندر میں اتر چکا تھا، چنانچہ اللہ کے حکم سے سمندر کا کھڑا پانی پھر سے آپس میں مل گیا، نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ اور آپ کے تمام ساتھیوں کو بچا لیا، ان میں سے ایک بھی ضائع نہ ہوا، پھر ہم نے دوسروں، یعنی: فرعونیوں کو سمندر میں ڈبو کر ہلاک کر دیا، اس سارے واقعہ میں غور و فکر کرنے والوں کیلئے نشانی ہے کہ اللہ تعالیٰ کس طرح اپنے فرمانبرداروں کو محفوظ رکھتا ہے، اور نافرمانوں کو تباہ و برباد کر دیتا ہے، حقیقت یہ ہے کہ اس قسم کی بیشمار نشانیاں دیکھنے کے باوجود لوگوں کی اکثریت ایمان سے خالی رہتی ہے، بیشک آپ کا رب غالب بھی ہے اور بہت بڑا مہربان بھی ہے، وہ ہر نافرمان، مشرک اور کافر کیلئے زبردست ہے اور اس کو سزا دینے پر قادر ہے، جب کہ ہر اطاعت گزار کیلئے نہایت شفیق اور مہربان ہے۔

ایک اور واقعہ

وَ اتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ اِبْرٰهِيْمَ ﴿٦٩﴾ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَ قَوْمِهٖ مَا

اور پڑھیے پر ان خبر ابراہیم کی (۶۹) جب کہا سے باپ اپنے اور سے قوم اپنی کے

تَعْبُدُوْنَ۝۷۰ قَالُوْا نَعْبُدُ اَصْنَامًا فَنَظَلُّ لَهَا عٰكِفِيْنَ۝۷۱ قَالَ

پوجتے ہو تم (۷۰) بولے پوجتے ہیں ہم بتوں کو پس بیٹھے رہتے ہیں پاس ان کے جمے ہوئے (۷۱) کہا

هَلْ يَسْمَعُوْنَكُمْ اِذْ تَدْعُوْنَ۝۷۲ اَوْ يَنْفَعُوْنَكُمْ اَوْ يَضُرُّوْنَ۝۷۳

کیا سنتے ہیں تمہاری آواز جب تم انہیں پکارتے ہو (۷۲) یا نفع پہنچاتے ہیں تمہیں یا نقصان دیتے ہیں (۷۳)

با محاورہ ترجمہ:۔ آپ ان کو ابراہیم کی خبر سنا دیں۔ (۶۹) جب اس نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا کہ تم کس کو پوجتے ہو؟ (۷۰) قوم کے لوگوں نے کہا کہ بتوں کو پوجتے ہیں پھر ہم انہی کے پاس جمے بیٹھے رہتے ہیں۔ (۷۱) ابراہیم نے کہا کیا وہ سنتے ہیں تمہاری آواز جب تم پکارتے ہو؟ (۷۲) یا کچھ بھلا کرتے ہیں تمہارا یا برا۔ (۷۳)

لفظی تحقیق: اُتْلُ: پڑھ۔ امر کا صیغہ ہے۔ "تِلَاوَةٌ" کے معنیٰ پڑھ کر سنانا، اُتْلُ عَلَيْهِمْ: ابراہیم کی خبر انہیں پڑھ کر سنا دے۔

تفسیر

اے پیغمبر! ذرا آپ ان مشرکوں کو ابراہیم علیہ السلام کی خبر پڑھ کر سنا دیں، یہ لوگ ابراہیم علیہ السلام کی اولاد اور ان کے دین حنیف کے پیروکار ہونے کے دعویدار ہیں۔ ذرا ان پر واضح کر دیں کہ ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم کے سامنے کونسا دین پیش کیا؟ اور تم کہاں جا پہنچے ہو، تمہیں تو ابراہیم کے دین سے دور کا واسطہ بھی نہیں ہے۔

اس وقت کو یاد کرو جب ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا کہ تم کس چیز کی پوجا کرتے ہو؟ وہ کہنے لگے کہ ہم تو ان بتوں کی پوجا کرتے ہیں، پس! ہم تو ہر وقت انہی پر جھکے رہتے ہیں، صنم وہ بت ہوتے ہیں جو کسی انسان، جانور، سیارے یا ستارے کی شکل پر بنایا گیا ہو اور وثن وہ بت ہوتا ہے جو ان گھڑا پتھر، لکڑی وغیرہ ہو، مشرکوں نے بھی مختلف ناموں اور مختلف شکلوں پر بیشمار خدا بنا رکھے تھے، حتیٰ کہ بیت اللہ شریف کی دیواروں

کے ساتھ بھی تین سو ساٹھ بت لگا رکھے تھے اور ہر وقت ان کی پوجا میں لگے رہتے تھے، کبھی ان کو غسل دیتے کبھی کپڑے پہناتے، کبھی ان کے سامنے نذر و نیاز پیش کرتے اور کبھی ان سے حاجت مانگتے۔ ابراہیم علیہ السلام کے زمانے کے مشرکوں کا بھی یہی حال تھا کہنے لگے کہ ہم تو ہر وقت اِن بتوں کی پوجا کرتے رہتے ہیں۔

اب ابراہیم علیہ السلام نے مشرکوں کے جھنجھوڑنے کیلئے چوٹ لگائی، کہنے لگے کیا یہ تمہاری بات کو سنتے ہیں جب کہ تم ان کو پکارتے ہو؟ ظاہر ہے کہ وہ تو مٹی، پتھر اور دھات کے بنے ہوئے بت تھے، بھلا وہ کیسے کسی کی پکار سن سکتے تھے؟ مشرک لاجواب تھے، وہ بتوں کی سننے کا دعویٰ نہیں کر سکتے تھے، پھر ابراہیم علیہ السلام نے دوسرا سوال کیا، کیا وہ تمہیں نفع پہنچا سکتے ہیں یا نقصان پہنچا سکتے ہیں؟ آخر! بتاؤ تو سہی کہ تم کس مقصد کیلئے ان بتوں کی پوجا کر رہے ہو؟

قوم کا جواب

قَالُوْا بَلْ وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا كَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ ﴿۷۴﴾ قَالَ اَفَرَءَيْتُمْ

بولے بلکہ پایا ہم نے باپ دادا اپنے کو اسی طرح کرتے تھے (۷۴) کہا کیا پس دیکھتے ہو

مَّا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ ﴿۷۵﴾ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمُ الْاَقْدَمُوْنَ ﴿۷۶﴾ فَاِنَّهُمْ

جسے ہو تم پوجتے (۷۵) تم بھی تمہارے باپ دادا بھی پہلے (۷۶) پس یقیناً

عَدُوٌّ لِّيْٓ اِلَّا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۷۷﴾

وہ دشمن ہیں میرے سوا رب سارے جہان کے (۷۷)

بامحاورہ ترجمہ:۔ مشرک بولے بلکہ ہم نے تو اپنے باپ دادا کو یہی کام کرتے پایا ہے۔ (۷۴) ابراہیم نے کہا کیا دیکھا تم نے جنہیں تم پوجتے ہو۔ (۷۵) اور تمہارے اگلے باپ دادا پوجتے رہے ہیں۔ (۷۶) سو! وہ میرے دشمن ہیں سوائے رب العالمین کے۔ (۷۷)

تفسیر

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب ان سے کہا کہ یہ پتھر کے گھڑے ہوئے بت ہیں اور تم نے خود اپنے کاریگروں سے گھڑوائے ہیں، یہ تو سنیں نہ دیکھیں، لاکھ پکارو ممکن نہیں کہ یہ تمہاری پکار سنیں یا پلٹ کر کچھ جواب دیں، نہ کسی کو پیدا کرسکیں، نہ کسی کو مار سکیں، نہ یہ تمہیں نفع پہنچا سکیں اور نہ تمہارا کچھ بگاڑ سکیں، تو وہ جواب میں کہنے لگے، یہ باتیں چھوڑو، ان سے کام نہیں چلے گا، ہم یہ کچھ نہیں جانتے، فقط ایک بات جانتے ہیں، ہم نے اپنے باپ دادا کو یہی کرتے دیکھا ہے وہ ان کی پوجا پاٹ کرتے تھے۔ ان پر چڑھاوے چڑھاتے تھے، ان کے سامنے آس جمائے بیٹھے رہتے تھے، ہم بھی ان کی دیکھا دیکھی وہی سب کچھ کررہے ہیں اور کرتے رہیں گے جو وہ عمر بھر کرتے رہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ سن کر کہا کہ دیکھو جی! اگر تمہارے باپ دادا غلط راستے پر چلتے رہے تھے تو ضروری نہیں کہ تم بھی اسی راستے پر چلو، اللہ تعالیٰ نے تمہیں بھی عقل دی ہے، یہ نہیں کہ فقط وہی عقل مند تھے اور تم ان کے قدم پر چلنے کیلئے مجبور ہو، سنو! یہ جنہیں تمہارے باپ دادا پوجتے پوجتے مرگئے، ان سب کو میں نفرت کی نگاہ سے دیکھتا ہوں، یہ کسی کام کے نہیں، میرا معبود تو وہ ہے جو اس سارے جہان کا پالنے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی صفتیں

الَّذِیْ خَلَقَنِیْ فَهُوَ یَهْدِیْنِ ﴿۷۸﴾ وَ الَّذِیْ هُوَ یُطْعِمُنِیْ وَ

جس نے پیدا کیا مجھے پس وہی میری رہنمائی کرتا ہے (۷۸) اور وہی ہے جو کھلاتا ہے مجھے اور

یَسْقِیْنِ ﴿۷۹﴾ وَ اِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ یَشْفِیْنِ ﴿۸۰﴾ وَ الَّذِیْ یُمِیْتُنِیْ

پلاتا ہے مجھے (۷۹) اور جب بیمار ہو جاؤں میں پس وہی شفاء دیتا ہے مجھے (۸۰) اور جو مارے گا مجھے

ثُمَّ يُحْيِيْنِ ﴿٨١﴾ وَ الَّذِيْٓ اَطْمَعُ اَنْ يَّغْفِرَ لِيْ خَطِيْٓـَٔتِيْ
پھر زندہ کریگا مجھے (۸۱) اور جس سے پوری امید ہے کہ بخشے گا مجھے خطائیں میری

يَوْمَ الدِّيْنِ ﴿٨٢﴾
دن قیامت کے (۸۲)

بامحاورہ ترجمہ:۔ جس نے مجھے پیدا کیا، سو! وہی مجھے راہ دکھائے گا۔(۷۸) اور وہی مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے۔(۷۹) اور جب میں بیمار ہوں تو وہی شفا دیتا ہے۔(۸۰) اور وہی مجھے موت دے گا پھر دوبارہ زندہ کرے گا۔(۸۱) اور جس سے توقع ہے کہ قیامت کے دن میری خطائیں معاف کردیگا۔(۸۲)

تفسیر

ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ کی صفتیں انہیں سمجھا رہے ہیں کہ وہ ایسی بڑی قدرت والا ہے کہ اس نے مجھے پیدا کیا، اب وہی مجھے صحیح راستہ دکھائے گا، جس پر مجھے چلنا چاہیئے۔

کھانے کے وقت مجھے کھلاتا ہے، پیاس کے وقت پانی پلاتا ہے، بیمار ہوجاتا ہوں تو مجھے شفا بخشتا ہے، ہر وقت میری نگرانی کرتا ہے، میرے حالات دیکھتا ہے، میری دعا اور فریاد سنتا ہے اور جب وقت آجائے گا اور اس دنیا میں میری عمر ختم ہوجائے گی تو مجھے موت دے گا اور حشر کے روز مجھے زندہ کر کے اٹھائے گا اور میں آس لگائے بیٹھا ہوں کہ جس دن وہ اپنے بندوں کے عمل کا جائزہ لے کر ان کی بابت اپنے فیصلے کرے گا تو اپنی رحمت سے میری خطاؤں کو معاف کردے گا۔

فَهُوَ يَهْدِيْنِ: پس! وہی میری رہنمائی کرتا ہے، اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کر کے یونہی نہیں چھوڑ دیا بلکہ ساتھ ساتھ اس کی ہدایت کا بندوبست بھی کردیا ہے، انسان کو عقل اور سوجھ بوجھ عطا فرمائی، تاکہ وہ اپنے اردگرد کے ماحول میں غور وفکر کرے، اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں دیکھے اور پھر اس کے ایک ہونے پر ایمان لائے،

یہی نہیں بلکہ اس نے انسان کی ہدایت کیلئے وقتاً فوقتاً پیغمبر بھیجے، انہوں نے آ کر اللہ تعالیٰ کا راستہ دکھایا، پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی کتابیں اتار کر انسانوں کی رہنمائی کیلئے مستقل انتظام فرمادیا؛ اسی لئے ابراہیم علیہ السلام نے کہا کہ میرا رب تو وہ ہے جس نے نہ صرف مجھے پیدا کیا بلکہ میری رہنمائی کا بندوبست بھی کر دیا۔

وَ اِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ: اور جب میں بیمار ہوتا ہوں تو وہی مجھے تندرستی عطا کرتا ہے، بیماری اور تندرستی دونوں اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں؛ اسی لئے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو یہ دعا سکھائی ہے" اَذْهِبِ الْبَأْسَ رَبَّ النَّاسِ وَاشْفِ اَنْتَ الشَّافِيْ لَا شِفَاءَ اِلَّا شِفَاءُكَ "اے سب لوگوں کے پروردگار! تکلیف کو دور کر دے، اور شفا دے کہ تو ہی شفا دینے والا ہے، تیرے سوا کہیں بھی شفاء نہیں ہے۔

ابراہیم علیہ السلام کی دعا

رَبِّ هَبْ لِيْ حُكْمًا وَّ اَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ ﴿۸۳﴾ وَ اجْعَلْ لِّيْ

اے میرے رب! عطا فرما مجھے حکمت اور ملا مجھے ساتھ نیک لوگوں کے (۸۳) اور بنا لئے میرے

لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْاٰخِرِيْنَ ﴿۸۴﴾ وَ اجْعَلْنِيْ مِنْ وَّرَثَةِ جَنَّةِ

ذکر سچا میں آئندہ آنے والوں (۸۴) اور کر مجھے میں سے وارثوں جنت

النَّعِيْمِ ﴿۸۵﴾ وَ اغْفِرْ لِاَبِيْٓ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الضَّآلِّيْنَ ﴿۸۶﴾ وَ لَا

نعمتوں والی کے (۸۵) اور بخش دیجئے باپ میرے کو تحقیق وہ ہے سے راہ بھولے ہوؤں (۸۶) اور نہ

تُخْزِنِيْ يَوْمَ يُبْعَثُوْنَ ﴿۸۷﴾ يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّ لَا بَنُوْنَ ﴿۸۸﴾

رسوا کر مجھے اس دن کہ اٹھائے جائیں (۸۷) اس دن کہ نہ نفع دے گا مال اور نہ بیٹے (۸۸)

اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ﴿۸۹﴾

مگر جو کوئی آئے اللہ کے پاس ساتھ دل پاک صاف کے (۸۹)

بامحاورہ ترجمہ:۔ (ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی) اے میرے رب! مجھے دانائی عطا کر اور مجھے نیکوں میں شامل فرما۔(۸۳) اور باقی رکھ میرا ذکر آیندہ آنے والوں میں۔(۸۴) اور مجھے نعمتوں والی جنت کے وارثوں میں سے بنا۔(۸۵) اور میرے باپ کو معاف فرما وہ گمراہوں میں سے ہے۔(۸۶) اور جس دن سب جی اٹھیں مجھے رسوا نہ کرنا۔(۸۷) جس دن نہ مال کام آئے اور نہ بیٹے۔(۸۸) مگر جو کوئی اللہ تعالیٰ کے پاس کفر وشرک سے صحیح سالم دل لے کے آئے گا۔(۸۹)

لفظی تحقیق: لِسَانَ صِدْقٍ: ذکر جمیل۔لسان زبان کو کہتے ہیں مگر یہاں اس سے مراد وہ باتیں ہیں جو زبان سے نکلیں، صِدْقٍ کے معنیٰ سچائی نیکی۔لِسَانَ صِدْقٍ: نیک ذکر۔قَلْبٍ سَلِيْمٍ: ایسا دل جو برائی، گندے خیالات اور شرک کفر سے بچا ہوا ہو۔

تفسیر

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پہلے انہیں اللہ تعالیٰ کی صفتیں سمجھائیں جن کی بنا پر وہ انسان کے معبود ہونے کا مستحق ہے اور پھر اس کی عبادت کرنے کا طریقہ بھی ان کے سامنے واضح کر دیا، اصل عبادت دعا ہی کا نام ہے۔ خواہ وہ کسی شکل میں ہو؛ اس لیے آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ میرے رب مجھے دانائی عطا فرما کہ میں آپ کو پہچان لو، اور آپ کے حکم پر سمجھ بوجھ کر چلوں اور مجھے آیندہ آنے والے لوگوں میں نیک نام کر، کہ مجھے اچھا کہیں، اور میرے طریقہ پر چلیں اور مجھے نعمتوں والی جنت کا وارث بنا دیں اور یہ میرا باپ غلط راستے پر پڑا ہے، اسے ہدایت عطا فرما، جو اس کی بخشش کا ذریعہ ہو اور مجھے قیامت کے دن جب سب لوگ دوبارہ اٹھائے جائیں گے رسوا نہ کرنا، اس دن تو مال اور اولاد کچھ بھی کام نہ آئے گا، ہاں! جو اللہ کے سامنے پاک صاف، کفر و شرک سے محفوظ دل لے کر حاضر ہوگا وہی کامیابی پائے گا۔

رَبِّ هَبْ لِيْ حُكْمًا : اے میرے رب! مجھے حکمت (دانائی) عطا فرما، جس کے ذریعے جہان کی چیزوں کی حقیقت اچھی طرح معلوم ہو جاتی ہے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو جس کام پر لگایا تھا، اس کیلئے حکمت و دانائی کی ضرورت تھی، لہذا آپ نے ان چیزوں کیلئے دعا کی اور ساتھ یہ بھی عرض کیا کہ مجھے نیکو کاروں کے ساتھ ملا دے، اس سے آخرت میں نیک لوگوں سے ملاقات مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ میرا انجام اچھا فرما اور مجھے عزت والے مقام میں جگہ عطا فرما، یہ دعا اللہ کے سب پیغمبر اور نیک لوگ کرتے رہے ہیں۔

ایک حدیث میں پیغمبر ﷺ کی یہ دعا بھی منقول ہے۔ اَللّٰهُمَّ اَحْيِنَا مُسْلِمِيْنَ وَاَمِتْنَا مُسْلِمِيْنَ وَاَلْحِقْنَا بِالصّٰلِحِيْنَ غَيْرَ خَزَايَا وَلَا مُبَدَّلِيْنَ. اے اللہ! ہمیں اسلام پر زندہ رکھ اور اسلام کی حالت میں ہی موت دے اور نیکوں کے ساتھ ملا دے، اس حال میں نہ رسوائی ہو اور نہ تبدیلی، اس سے مراد وہ قوت ہے کہ جس کے ذریعے نیک عمل صحیح طریقے پر کیے جا سکے۔

وَاجْعَلْ لِّيْ لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْاٰخِرِيْنَ : اور میرے لیے سچی زبان، یعنی: میرا ذکر خیر پچھلے لوگوں میں بھی باقی رکھ؛ اسی لیے اللہ والے بھی چاہتے ہیں کہ ان کا طریق باقی رہے تاکہ اجر و ثواب ملتا رہے، مطلب یہ ہے کہ میرے بعد آنے والی نسلیں بھی میرے طریقے پر چلیں اور اس طرح میرا ذکر خیر ہوتا رہے۔

وَاغْفِرْ لِاَبِيْٓ : میرے باپ کو معاف کر دے۔ ابراہیم علیہ السلام کی باپ کیلئے بخشش کی دعا ایک وعدہ کی بناء پر تھی، جو وہ اپنے والد سے کر چکے تھے۔ "سورہ مریم" میں ہے کہ بتوں کی مذمت کی وجہ سے جب ابراہیم علیہ السلام کو ان کے والد نے گھر سے نکال دیا تو جاتے وقت انہوں نے کہا تھا، میں تیرے لیے اپنے رب سے بخشش کی دعا کروں گا، بیشک میرا پروردگار بڑا مہربان ہے۔ (مریم: ۴۷)، چنانچہ اسی وعدے کے مطابق آپ نے بخشش کی دعا کی جو آیت میں ہے، مگر جب آپ پر واضح ہو گیا کہ آپ کا والد اللہ کا دشمن ہے تو آپ نے پھر کبھی اس کیلئے بخشش کی دعا نہیں کی۔

يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ : جس دن نہ مال کام آئے گا اور نہ بیٹے۔ لیکن حدیث سے یہ ثابت

ہوتا ہے کہ بعض مال اور اولاد کام بھی آئیں گے، حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب آدمی مرجاتا ہے تو اس کا اعمال نامہ بند ہو جاتا ہے، مگر تین چیزیں اس کو مرنے کے بعد بھی اس کے اعمال نامے میں لکھی جاتی ہیں، پہلی چیز صدقہ جاریہ ہے کہ آدمی اپنا مال اچھی جگہ لگا صرف کر گیا جس سے لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں۔ دوسری وہ چیز علم ہے جس سے دوسرے لوگ فائدہ اٹھائیں اور تیسری نیک اولاد ہے جو باپ کے حق میں دعائیں کرے۔ حدیث میں آتا ہے کہ بچپن میں فوت ہونے والا بچہ بھی والدین کے حق میں سفارش کرے گا تو نیک اولاد موت کے بعد بھی فائدہ مند ہوتی ہیں۔ تو اس آیت میں اولاد کا فائدہ مند نہ ہونا کافر کیلئے ہے کہ ایسے شخص کو نہ مال کام آئے گا اور نہ اس کی اولاد۔

وَ لَا بَنُوْنَ: اس جگہ قرآن کریم نے ولا "بَنُوْنَ" فرمایا، جس کے معنٰی نرینہ اولاد کے ہیں، عام اولاد کا ذکر غالباً اس لئے نہیں کیا کہ مشکل وقت میں کام آنے کی اُمید دنیا میں بھی نرینہ اولاد، یعنی: لڑکوں ہی سے ہوسکتی ہے لڑکیوں سے کسی مصیبت کے وقت امداد ملنے کا تو یہاں بھی احتمال کم ہی ہوتا ہے؛ اس لئے قیامت میں لڑکوں کے فائدہ مند نہ ہونیکا ذکر کیا گیا جن سے دنیا میں نفع کی امید رکھی جاتی تھی۔

قیامت کا حال

وَ اُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۹۰﴾ وَ بُرِّزَتِ الْجَحِيْمُ لِلْغٰوِيْنَ ﴿۹۱﴾

اور قریب لائی جائیگی جنت واسطے پرہیزگاروں کے (۹۰) اور ظاہر کردی جائیگی دوزخ لئے گمراہوں کے (۹۱)

وَ قِيْلَ لَهُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ ﴿۹۲﴾ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ هَلْ

اور کہا جائیگا سے ان کہاں ہیں وہ کہ تھے تم پوجتے جنہیں (۹۲) سے سوا اللہ کے کیا

يَنْصُرُوْنَكُمْ اَوْ يَنْتَصِرُوْنَ ﴿۹۳﴾ فَكُبْكِبُوْا فِيْهَا هُمْ وَ

مدد کرسکیں گے وہ تمہاری یا اپنا بچاؤ کرسکیں گے (۹۳) پس اوندھے ڈالے جائیں گے میں اس وہ اور

الْغَاوٗنَ ﴿۹۴﴾ وَ جُنُوْدُ اِبْلِيْسَ اَجْمَعُوْنَ ﴿۹۵﴾

گمراہ لوگ (۹۴) اور لشکر ابلیس کے سارے (۹۵)

بامحاورہ ترجمہ: اور پاس لائی جائے گی جنت پرہیزگاروں کے۔(۹۰) اور کھول دی جائے گی دوزخ گمراہوں کے سامنے۔(۹۱) اور ان سے کہا جائے گا کہاں ہیں وہ جنہیں تم پوجتے تھے۔(۹۲) اللہ کے سوا کیا مدد کریں گے تمہاری یا بدلہ لے سکیں گے اپنا؟ (۹۳) پھر اُوندھے ڈالے جائیں اس میں وہ اور دوسرے گمراہ لوگ۔ (۹۴) اور ابلیس کے لشکر سب کے سب۔(۹۵)

لفظی تحقیق: اُزْلِفَتْ: قریب لائی جائیگی۔ ماضی مجہول ہے، جس کے معنٰی نزدیکی کے ہیں۔ بُرِّزَتِ: سامنے ظاہر کردی جائے گی۔ "تبریز" سے ہے، برز ظاہر ہونا۔ "تبریز": ظاہر کرنا۔ کُبْكِبُوْا: اوندھے منہ ڈال دیئے جائیں گے، ماضی مجہول کا صیغہ ہے۔ غَاوٗنَ: راہ سے ہٹے ہوئے، جمع ہے، "غاوی" کی جو اسم فاعل ہے، اس کا مقصد "غیّ" ہے جس کے معنٰی گمراہی اور بے راہ ہو جانے کے ہیں۔

تفسیر

قیامت کے دن پرہیزگاروں کو اپنے سامنے جنت نظر آئے گی، اور اس کو دیکھ کر خوش ہوں گے اور گمراہ لوگ دوزخ کو کھلم کھلا دیکھیں گے اور دہشت کے مارے لرزنے لگیں گے تو ان سے کہا جائیگا کہ آج وہ تمہارے گھڑے ہوئے معبود کہاں ہیں جن کی تم عبادت کیا کرتے تھے؟ کیا وہ کچھ تمہاری مدد یا اپنا بچاؤ کر سکتے ہیں وہ لوگ کچھ جواب نہ دے سکیں گے اور ان کو پکڑ کر اُوندھے منہ دوزخ میں پھینک دیا جائیگا۔ اسی طرح اور سارے لوگ بھی جو اللہ تعالٰی کے مقرر کیے ہوئے سیدھے راستہ سے دنیا میں ہٹے ہوئے تھے دوزخ میں منہ کے بل ڈال دیئے جائیں گے اور جتنے لوگ شیطان کے مددگار تھے اور اپنے اختیار کیے ہوئے برے راستہ کی طرف اوروں کو بلاتے تھے سارے کے سارے اکٹھے کر کے شیطان کے ساتھ دوزخ میں پھینک دیئے جائیں گے، اللہ تعالٰی

ہمیں بچائے۔آمین

وَ قِيْلَ لَهُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ ﴿۹۲﴾ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ: کہاں ہیں تمہارے وہ جھوٹے خدا جن کی تم اللہ تعالیٰ کے سوا پوجا کرتے تھے، کیا آج وہ تمہاری مدد کر سکتے ہیں؟ یا وہ بدلہ لے سکتے ہیں؟ مگر وہ کوئی جواب نہیں دے سکیں گے، پھر وہ اور دوسرے گمراہ دوزخ میں اوندھے منہ ڈال دیے جائیں گے، مشرکو اور ان کے سب معبودوں کا ایک ہی ٹھکانا ہوگا۔ اور کوئی ان کی مدد کو نہیں پہنچے گا۔ صرف یہی نہیں بلکہ شیطان کے تمام لشکر بھی دوزخ میں پھینک دیے جائیں گے۔ جو لوگوں کو بہکا بہکا کر کفر اور شرک پر آمادہ کرتے رہے۔

بے کار تمنا

قَالُوْا وَ هُمْ فِيْهَا يَخْتَصِمُوْنَ ﴿۹۶﴾ تَاللّٰهِ اِنْ كُنَّا لَفِيْ ضَلٰلٍ
کہیں گے اور وہ میں اس جھگڑ رہے ہوں گے (۹۶) قسم اللہ کی! تحقیق تھے ہم البتہ میں گمراہی

مُّبِيْنٍ ﴿۹۷﴾ اِذْ نُسَوِّيْكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۸﴾ وَ مَاۤ اَضَلَّنَاۤ اِلَّا
کھلی ہوئی (۹۷) جبکہ برابر ٹھہراتے تھے ہم تمہیں پروردگار جہان کے (۹۸) اور نہیں بہکایا ہمیں مگر

الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۹۹﴾ فَمَا لَنَا مِنْ شَافِعِيْنَ ﴿۱۰۰﴾ وَ لَا صَدِيْقٍ حَمِيْمٍ ﴿۱۰۱﴾
ان مجرموں نے (۹۹) پس نہیں لئے ہمارے کوئی سفارشی (۱۰۰) اور نہ دوست مخلص (۱۰۱)

فَلَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰۲﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ
پس کاش کہ ہوتا ہمیں دوبارہ جانا پس ہوتے ہم میں سے ایمان والوں (۱۰۲) تحقیق اس کے اندر

لَاٰيَةً ؕ وَ مَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰۳﴾ وَ اِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ
البتہ نشانی ہے اور نہیں ہیں اکثر ان کے ایمان لانے والے (۱۰۳) اور تحقیق رب آپ کا البتہ وہ

الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۰۴﴾ ع ۵/۹
زبردست ہے رحم والا ہے (۱۰۴)

بامحاورہ ترجمہ:۔اور کہیں گے وہ آپس میں جھگڑتے ہوئے۔(۹۶) اللہ کی قسم ہم کھلی غلطی میں تھے۔ (۹۷) جبکہ ہم تمہیں پروردگار عالم کے برابر ٹھہراتے تھے۔(۹۸) اور ہم کو راہ سے جو بہکایا، سو! ان مجرموں نے۔ (۹۹) پس! کوئی نہیں ہماری سفارش کرنے والے۔(۱۰۰) اور نہ کوئی محبت والا دوست۔(۱۰۱) اگر ہمیں دوبارہ جانے دیا جائے تو ہم بھی ایمان والے ہو جائیں۔(۱۰۲) اس بات میں نشانی ہے، اور بہت سے ان میں ماننے والے نہیں۔(۲۳) بے شک آپ کا رب طاقت والا ہے رحم والا ہے۔(۱۰۴)

لفظی تحقیق: حَمِيْمٍ: گرم جوشی دکھانے والا، قریب کا دوست۔ محبت کی گرم جوشی دکھانا، یہاں گمراہ دوست مراد ہے۔

تفسیر

دوزخ میں داخل ہونے کے بعد ابلیس کی پیروی کرنے والے سارے آپس میں جھگڑیں گے، ایک دوسرے کو الزام لگائیں گے، آخر مجبوراً اعتراف کریں گے، کہ ہم کھلم کھلا گمراہی میں مبتلا تھے کہ تمہیں اللہ تعالیٰ کے برابر مرتبہ دیتے تھے، ہمیں تو ان مجرموں نے راہ سے بھٹکایا۔ آج نیک آدمیوں میں سے ہمارا کوئی ساتھی نہیں، جو لوگ نیک لوگوں سے میل جول رکھتے تھے وہ مزے میں ہیں، ہمیں کوئی نہیں پوچھتا، جنہیں ہم نے معبود بنا رکھا تھا، وہ اپنی ہی مصیبت میں گرفتار ہیں۔ ہماری سفارش کیا کریں گے؟ کیا ہی اچھا ہوتا کہ ہم دوبارہ دنیا میں بھیج دیئے جاتے اور پکّے ایمان والے بن کر دکھاتے۔ قصہ کے ختم کے بعد پھر ارشاد ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حالات میں بھی ہماری پہچان کی نشانی ہے، اکثر لوگ ماننے والے نہیں، اللہ تعالیٰ یقیناً قوت والا اور رحم کرنے والا ہے۔

نوح علیہ السلام کی قوم

كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوْحِ ۨ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۰۵﴾ۚۖ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ نُوْحٌ

جھٹلایا قوم نوح نے پیغمبروں کو (۱۰۵) جب کہا سے ان بھائی ان کے نوح نے

اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۰۶﴾ اِنِّیْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ ﴿۱۰۷﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ

کیا نہیں ڈرتے تم (۱۰۶) تحقیق میں لیے تمہارے پیغمبر ہوں معتبر (۱۰۷) پس ڈرو اللہ سے اور

اَطِیْعُوْنِ ﴿۱۰۸﴾ وَ مَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا

کہنا مانو میرا (۱۰۸) اور نہیں مانگتا میں تم سے پر اس کوئی اجر نہیں میرا اجر مگر

عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۰۹﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوْنِ ﴿۱۱۰﴾

فقط رب العالمین پر (۱۰۹) پس ڈرو اللہ سے اور کہنا مانو میرا (۱۱۰)

بامحاورہ ترجمہ: نوح کی قوم نے پیغمبروں کو جھٹلایا۔(۱۰۵) جب ان سے ان کے بھائی نوح نے کہا کیا تم کو ڈر نہیں۔(۱۰۶) میں تمہارے لئے معتبر پیغام لانے والا ہوں۔(۱۰۷) سو! ڈرو اللہ تعالیٰ سے اور میرا کہا مانو۔(۱۰۸) اور میں تم سے اس کا کچھ بدلہ نہیں مانگتا میرا بدلہ اسی رب العالمین پر ہے۔(۱۰۹) سو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میر کہا مانو۔(۱۱۰)

لفظی تحقیق: وَاَطِیْعُوْنِ: دونوں جگہ اصل میں اَطِیْعُوْنِیْ ہے، وقف کی وجہ سے یائے متکلم گر گئی، یہ لفظ اس صورت میں بار بار آیا ہے۔ ہر جگہ اس کی یہی صورت اور معنٰی ہیں۔

تفسیر

حضرت نوح علیہ السلام دنیا میں پہلے پیغمبر تھے، ان کی قوم نے ان کی بات نہ مانی، اور ان کے پیغمبر ہونے کا انکار کیا، حضرت نوح علیہ السلام نے کہا، تم اللہ تعالیٰ سے کیوں نہیں ڈرتے، میں اللہ تعالیٰ کا معتبر پیغمبر ہوں، اللہ سے ڈرو اور میرا کہنا مانو، میں تم سے اپنا پیغام پہنچانے کا کوئی بدلہ نہیں مانگتا، میں تم سے مال و دولت نہیں مانگتا، میرا اجر میرے رب کے پاس ہے، میں تو فقط تمہارے بھلے کیلئے کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میرا کہنا مانو۔ اس کے بعد موقع کے مطابق لوگوں کو خاص ہدایتیں بھی دیتے رہے۔

اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ نُوْحٌ: جب ان کو ان کے بھائی نوح نے کہا، کہ تم ڈرتے کیوں نہیں؟ تم میری بات کا نہ صرف انکار کر رہے ہو، بلکہ مجھے طرح طرح کی ذہنی اور جسمانی تکلیفیں بھی پہنچا رہے ہو، کیا تم خدا تعالیٰ کی پکڑ سے خوف نہیں کھاتے؟ یہاں پر نوح علیہ السلام کو قوم کا بھائی کہا گیا ہے، حقیقت بھی یہی ہے کہ آپ اپنی قوم اور برادری ہی کے ایک فرد تھے؛ اس لیے نسب میں ان کے بھائی لگتے تھے، بعض پیغمبروں کو اللہ تعالیٰ نے غیر قوموں کی طرف بھی بھیجا ہے، مثلاً: لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے مگر اللہ نے ان کو شرق اردن کی دوسری قوم کی طرف بھیجا، آپ ان کے خاندانی بھائی نہیں تھے، بھائی بندی کے بعض دوسرے ذریعے بھی ہے، مثلاً: ایک ہی دین کے پیروکار آپس میں دینی بھائی ہوتے ہیں، ایک ملک کے باشندے یا ایک زبان بولنے والے لوگوں میں بھی بھائی بندی کا رشتہ موجود ہوتا ہے، جب کسی غیر ملک میں جا کر ایک ہی ملک کے رہنے والے دو آدمی اکٹھے ہوتے ہیں تو وہ ملکی بھائی کہلاتے ہیں، بہر حال نوح علیہ السلام ملکی، قومی اور نسبی اعتبار سے اپنی قوم کے فرد اور ان کے بھائی تھے؛ اسی لئے فرمایا کہ: نوح کی قوم سے ان کے بھائی نے کہا کہ تم ڈرتے کیوں نہیں؟ دیکھو! میں تمہاری طرف امانتدار پیغمبر بنا کر بھیجا گیا ہوں، ظاہر ہے کہ تبلیغ کرنے میں اللہ کا ہر پیغمبر امانت دار ہوتا ہے، جو تبلیغ کا حق ٹھیک ٹھیک ادا کرتا ہے۔

خاص پیغام

قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ لَكَ وَاتَّبَعَكَ الْاَرْذَلُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ قَالَ وَمَا عِلْمِیْ

بولے کیا ہم بات مان لیں تیری جبکہ تیرے ساتھی بن رہے ہیں نیچے درجہ کے لوگ (۱۱۱) کہا اور کیا جانوں میں

بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ اِنْ حِسَابُهُمْ اِلَّا عَلٰی رَبِّیْ لَوْ

اس کو جو ہیں وہ کرتے رہے (۱۱۲) نہیں پوچھ گچھ ان سے مگر پر رب میرے اگر

تَشْعُرُوْنَ ﴿۱۱۳﴾ وَمَآ اَنَا بِطَارِدِ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۱۴﴾ اِنْ اَنَا اِلَّا

تم عقل سے کام لو (۱۱۳) اور نہیں میں ڈانٹ دینے والا ایمان والوں کو (۱۱۴) نہیں میں مگر

نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۱۵﴾ قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ يٰنُوْحُ لَتَكُوْنَنَّ
ڈرانے والا کھول کر (۱۱۵) بولے البتہ اگر نہ باز آیا تو اے نوح! ضرور ہوگا تو

مِنَ الْمَرْجُوْمِيْنَ ﴿۱۱۶﴾
پتھراؤ سے مرنے والوں میں (۱۱۶)

بامحاورہ ترجمہ:۔ بولے کہ کیا ہم تیری بات مان لیں حالانکہ تیرے ساتھی گھٹیا لوگ ہو رہے ہیں۔ (۱۱۱) نوح نے کہا مجھے کیا خبر ہے کہ وہ کیا کام کرتے رہے ہیں۔ (۱۱۲) ان کا حساب لینا تو میرے رب ہی کا کام ہے اگر تم سمجھ رکھتے ہو۔ (۱۱۳) اور میں ایمان والوں کو ہانک دینے والا نہیں۔ (۱۱۴) میں تو کھول کر ڈر سنانے والا ہوں۔ (۱۱۵) قوم کے لوگ بولے، اے نوح! اگر تو باز نہ آیا تو ضرور ہم تجھے پتھر مار مار کر ہلاک کر دیں گے۔ (۱۱۶)

لفظی تحقیق: طَارِدِ: ہانک دینے والا۔ اسم فاعل ہے، ط۔ر۔د سے جس کے معنٰی ڈانٹ کر باہر نکال دینا ہیں۔ لَمْ تَنْتَهِ: نہ باز آیا تو۔ تَنْتَهِيْ: مضارع کا صیغہ ہے "اِنْتِهَاء"۔ "لَمْ" کی وجہ سے آخر کی یا گر گئی۔ یہ ن۔ہ۔ی سے بنا ہے۔ نہی کا معنٰی روکنا۔ "اِنْتِهَاء": کے معنٰی رُک جانا۔

تفسیر

حضرت نوح علیہ السلام کا پیغام سن کر ان کی قوم نے کہا کہ ہم تیری بات کیسے مانیں تیرے ماننے والے تو گھٹیا اور کم درجہ کے لوگ ہیں، حضرت نوح علیہ السلام نے کہا، میں ان کے کام اور مرتبہ سے واقف نہیں اور نہ واقف ہونے کی ضرورت ہے، اگر غور کرو تو سیدھی سی بات ہے کہ ان کی باتوں کا حساب اللہ تعالٰی کے ذمہ ہے، ایمان والے سب آپس میں برابر ہیں، میں ایسے لوگوں کو جو میری بات سننے اور ماننے کیلئے تیار ہیں، کیسے دھتکار دوں مجھے تو ہر ایک کو اس کے برے اعمال سے صاف طور پر ڈرانا ہے اور بس، قوم کے لوگ بولے اگر تو باز نہ آیا تو ہم ضرور تجھے پتھر مار

مار کر ہلاک کر ڈالیں گے۔

قَالَ وَمَا عِلْمِىْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ: نوح علیہ السلام نے فرمایا: مجھے کیا علم ہے جو کچھ وہ کرتے رہے ہیں ان کا حساب تو میرے رب کے پاس ہے، اگر تم کچھ شعور رکھتے ہو، مطلب یہ کہ جن لوگوں نے دل سے ایمان قبول کیا ہے ان کی نیت اور ارادے کو تو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے، ان کے عمل سے بھی اللہ تعالیٰ واقف ہے، تم ان کو حقیر سمجھتے ہو مگر اللہ تعالیٰ تو ان کو ایسا نہیں سمجھتا، لہذا میں ان کو اپنی مجلس سے کیوں اٹھا دوں۔ میں تو تمہارے کہنے پر ایسا کام کرنے کیلئے تیار نہیں ہوں، تمہارا خیال غلط ہے کہ ہدایت قبول کرنے والے کمین لوگ ہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں یہی ایمان والے عزت واحترام کے قابل ہیں۔

یہاں پر کسی کے خاندان اور قبیلے کا لحاظ نہیں بلکہ ایمان اور اخلاص کی قدر و قیمت ہے۔ یہاں تو یہ دیکھا جاتا ہے کہ کس کا دل ایمان اور توحید سے روشن ہے؟ کون شخص ہے جو اطاعت کرتا ہے؟

نوح علیہ السلام کو قوم کی طرف سے دھمکی

نوح علیہ السلام کی قوم دلیل کے ساتھ تو کوئی بات نہ کر سکی؛ اس لئے انہوں نے آپ کو دھمکیاں دینی شروع کر دیں، کہنے لگے، اے نوح! اگر تو تبلیغ سے باز نہ آیا تو ہم تجھے پتھر مار مار کر ہلاک کر دیں گے، یہ قوم کا غرور اور تکبر بول رہا تھا، وہ سمجھتے تھے کہ یہ اکیلا آدمی ہے، چند کمزور قسم کے لوگ اس کے حمایتی ہیں، ہم جو چاہیں ان کے ساتھ کر گزریں گے، چنانچہ انہوں نے نوح علیہ السلام کو بہت زیادہ تکلیفیں دینا شروع کر دیں، آپ کو مار مار کر بیہوش کر دیتے تھے، ذرا ہوش آتا تو پھر اللہ کا پیغام سنانے لگتے، ان تمام تر تکلیفوں کے باوجود نوح علیہ السلام نے اپنا کام جاری رکھا۔

منکر غرق ہوگئے

قَالَ رَبِّ اِنَّ قَوْمِیْ كَذَّبُوْنِ ﴿١١٧﴾ فَافْتَحْ بَیْنِیْ وَ بَیْنَهُمْ النصف

کہا نوح نے اے رب میرے! تحقیق قوم میری نے جھٹلایا مجھے (۱۱۷) پس فیصلہ کر میرے اور درمیان ان کے

فَتْحًا وَّ نَجِّنِیْ وَ مَنْ مَّعِیَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿١١٨﴾ فَاَنْجَیْنٰهُ وَ مَنْ

ایک فیصلہ اور نجات دے مجھے اور انکو جو ساتھ ہیں میرے میں سے ایمان والوں (۱۱۸) پس بچالیا ہم نے اسے اور جو

مَّعَهٗ فِی الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ﴿١١٩﴾ ثُمَّ اَغْرَقْنَا بَعْدُ الْبٰقِیْنَ ﴿١٢٠﴾

ان کے ساتھ تھے میں کشتی بھری ہوئی (۱۱۹) پھر غرق کر دیا ہم نے اس کے بعد باقی لوگوں کو (۱۲۰)

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً ؕ وَ مَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿١٢١﴾ وَ اِنَّ

تحقیق میں اس البتہ نشانی ہے اور نہیں ہے اکثر ان کے ایمان لانے والے (۱۲۱) اور تحقیق

رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ ﴿١٢٢﴾ ع ۱۸/۶ ۱۰

رب آپ کا البتہ وہ زبردست ہے رحم والا ہے (۱۲۲)

بامحاورہ ترجمہ: نوح نے کہا اے میرے رب! میری قوم نے مجھے جھٹلایا۔ (۱۱۷) سو! میرے اور ان کے درمیان کوئی فیصلہ کر دے اور مجھ کو اور جو میرے ساتھ ایمان والے ہیں انہیں بچا لے۔ (۱۱۸) پھر ہم نے ان کو اور ان کے ساتھیوں کو بچا لیا بھری ہوئی کشتی میں۔ (۱۱۹) پھر اس کے بعد باقی لوگوں کو ڈبو دیا۔ (۱۲۰) اس بات میں البتہ نشانی ہے اور ان میں بہت سے لوگ ماننے والے نہیں۔ (۱۲۱) اور آپ کا رب البتہ زبردست ہے رحم والا ہے۔ (۱۲۲)

لفظی تحقیق: مَشْحُوْنِ: بھری ہوئی۔ اسم مفعول ہے۔ مَشْحُوْنِ سے مراد یہ ہے کہ کشتی آدمیوں، چوپایوں اور پرندوں سے بھری ہوئی تھی۔

تفسیر

جب حضرت نوح علیہ السلام ان کی طرف سے ناامید ہو گئے تو اللہ تعالیٰ سے عرض کیا۔ اے میرے رب! ان لوگوں نے تو مجھے جھوٹا سمجھا یہ میری بات کو ذرا بھی اہمیت نہیں دیتے اب آپ انہیں دنیا سے غارت کر دیجئے اور مجھے اور میرے ساتھی ایمان والوں کو بچا لیجئے، اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کو کشتی بنانے کا حکم دیا۔ پھر جو ان کے ساتھ کشتی میں بیٹھ گئے وہ تو بچ گئے، باقی سب غرق ہو گئے۔

ارشاد ہے کہ: اس واقعہ سے بھی ہماری قدرت ظاہر ہے، لیکن اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے، آپ کا رب بڑی قوت والا اور بڑی رحمت والا ہے۔

فَاَنْجَیْنٰهُ وَ مَنْ مَّعَهٗ: پس! ہم نے نجات دی نوح اور ان کے ساتھیوں کو بھری ہوئی کشتی کے ذریعے، یہاں پر کشتی بنانے اور پھر طوفان آنے کا ذکر نہیں کیا، نوح علیہ السلام کی دعا کے بارے میں صرف اتنا فرمایا ہے کہ ہم نے آپ کو اور آپ کے ساتھ والے بہتر (۷۲) یا اسّی (۸۰) افراد کو بچا لیا جو کشتی میں سوار ہو گئے تھے، نوح علیہ السلام نے یہ کشتی اللہ تعالیٰ کے حکم سے بنائی تھی، جس کی لمبائی ساڑھے چار سو فٹ تھی، یہ تین منزلہ کشتی تھی اور ہمارے زمانے کے سفینہ حجاج جیسے بڑے بحری جہاز کے مانند تھی، جس میں جانوروں کا ایک ایک جوڑا اور باقی انسان تھے، جن میں نوح علیہ السلام کے دو بیٹے اور ان کی بیویاں بھی شامل تھیں۔

اس کے بعد ہم نے باقی سب انسانوں اور جانوروں کو پانی میں ڈبو کر ہلاک کر دیا، یہ اتنا بڑا سیلاب تھا جس کی مثال دنیا کی تاریخ میں نہیں ملتی۔

اس سارے واقعہ میں ایک نشانی ہے جسے مکہ والے اور بعد میں آنے والے بھی دیکھ لیں کہ مجرموں کے ساتھ کیسا سلوک ہوتا ہے، اس کشتی کو بھی اللہ تعالیٰ نے نشانی کے طور پر باقی رکھا ہے جو کہ انسانی تاریخ کا ایک نمونہ ہے۔

عاد کی قوم

كَذَّبَتْ عَادُ اِلْمُرْسَلِيْنَ ﴿١٢٣﴾ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ هُوْدٌ اَلَا

جھٹلایا عاد نے پیغمبروں کو (۱۲۳) جب کہا سے ان بھائی ان کے نے ہود نے کیا

تَتَّقُوْنَ ﴿١٢٤﴾ اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ﴿١٢٥﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوْنِ ﴿١٢٦﴾

نہیں ڈرتے تم (۱۲۴) تحقیق میں لیے تمہارے پیغمبر ہوں معتبر (۱۲۵) پس ڈرو اللہ سے اور کہنا مانو میرا (۱۲۶)

وَ مَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى

اور نہیں مانگتا میں تم سے پر اس کوئی اجر نہیں اجر میرا مگر فقط

رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٢٧﴾

رب عالمین پر (۱۲۷)

بامحاورہ ترجمہ: ۔ عاد نے پیغمبروں کو جھٹلایا۔ (۱۲۳) جب ان کے بھائی ہود نے کہا ان سے کیا تمہیں ڈر نہیں۔ (۱۲۴) میں تمہارے پاس معتبر پیام لانے والا ہوں۔ (۱۲۵) سو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میرا کہا مانو۔ (۱۲۶) اور میں تم سے اس کا کچھ بدلہ نہیں مانگتا، میرا بدلہ تو اسی رب العالمین کے پاس ہے۔ (۱۲۷)

تفسیر

نوح علیہ السلام کے طوفان کے بعد جو لوگ کشتی میں بیٹھ کر ڈوبنے سے بچ گئے تھے ان سے دنیا پھر آباد ہوئی، کچھ مدت امن وامان سے گذری، لیکن جب آبادی زیادہ ہوگئی اور لوگ اِدھر اُدھر پھیل گئے تو پھر جو جس کے جی میں آیا کرنے لگا، ان میں سے ایک گروہ جو عاد کی قوم کہلاتا تھا، سرکشی میں بہت بڑھ گیا، یہ لوگ خوب ہٹے کٹے توانا اور تندرست تھے، ملک سرسبز تھا، مال ودولت کی کمی نہ تھی، آخر مغرور ہو کر یہ بھی انہیں برائیوں میں مبتلا ہو گئے جو

انسان کو تباہ کرنے والی ہیں۔

پھر جب لوگ حد سے بڑھ گئے اور دین کی باتیں چھوڑ کر شہرت کی خاطر فضول کاموں میں لگ گئے تو ان کو بے کار باتوں سے روکنے اور دین کی باتیں بتانے کیلئے انہی کی برادری کے ایک آدمی ہود علیہ السلام کو ان کی طرف پیغمبر بنا کر بھیجا گیا۔

انہوں نے آکر پہلے تو وہی عام پیغام دیا، جو سب پیغمبر دیا کرتے ہیں، یعنی: اللہ تعالیٰ سے ڈرو، میں اس کا معتبر پیغمبر ہوں، تمہاری بھلائی کی بات کہتا ہوں میری اطاعت کرو، میں تم سے مال و دولت وغیرہ نہیں مانگتا، صرف اللہ تعالیٰ کے حکم سے تمہیں سمجھاتا ہوں، اس کا اجر مجھے رب تعالیٰ ہی دے گا۔

ان آیتوں کے مضمون سے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ کو تسلی دی گئی کہ اتنی زیادہ فکر نہ کریں کہ یہ لوگ آپ کی بات کیوں نہیں مانتے، بلکہ آپ اپنا فرض ادا کرتے رہیں اور نتیجہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کردیں، اب اسی سلسلے میں پہلی قوموں کا حال بیان کیا جارہا ہے، مطلب یہ ہے کہ اگر مکہ کے مشرک بہت بڑے سرکش ہیں تو ان سے پہلی قوموں کے لوگ بھی کوئی کم سرکش نہیں تھے، انہوں نے بھی اپنے اپنے پیغمبروں کو سخت تکالیف پہنچائیں، ان کو جھٹلایا مگر وہ خود ہی ہلاک ہوئے، اس بارے میں فرعون کی قوم اور ابراہیم علیہ السلام کی قوم اور نوح علیہ السلام کی قوم کا ذکر ہو چکا ہے، فرعون کی قوم اور نوح علیہ السلام کی قوم کو اللہ تعالیٰ نے پانی میں ڈبو کر ہلاک کیا، اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم کے لوگ بھی بڑے ظالم اور سرکش تھے، انہوں نے آپ کو سات سال تک قید میں رکھا، پھر آپ کو بڑی آگ میں پھینک دیا مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو صحیح سلامت بچالیا، پھر ان پر اللہ کی پکڑ آئی اور وہ تباہ و برباد ہوئے، ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے عاد کی قوم کا ذکر فرمایا ہے کہ: انہوں اپنے پیغمبر حضرت ہود علیہ السلام کے ساتھ کیا سلوک کیا اور ان کا انجام کیا ہوا۔

كَذَّبَتْ عَادُ ِالْمُرْسَلِيْنَ ۔ عاد کی قوم نے بھی اپنے پیغمبروں کو جھٹلایا، ان کے پیغمبر نے اپنی قوم سے

فرمایا:تم ڈرتے کیوں نہیں؟ اللہ کے پیغمبر کو جھٹلاتے ہو،کفر وشرک تمہارا دین رات کا کام ہے،مگر اس کے باوجود تم اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے ڈرتے نہیں،یادرکھو!میں تمہاری طرف خدا کا بھیجا ہوا پیغمبر ہوں اور امانتدار ہوں،میں تمہیں اللہ کا پیغام بغیر کسی کمی زیادتی کے پہنچاتا ہوں،اللہ تعالیٰ سے ڈرو،اور میری بات مانو۔

حضرت ہود علیہ السلام کا خاص پیغام

اَ تَبْنُوْنَ بِكُلِّ رِيْعٍ اٰيَةً تَعْبَثُوْنَ ﴿۱۲۸﴾ وَ تَتَّخِذُوْنَ مَصَانِعَ

کیا بناتے ہو تم ہر اونچی مقام پر ایک نشان کھیلنے کیلئے (۱۲۸) اور بناتے ہو تم شاندار عمارتیں

لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُوْنَ ﴿۱۲۹﴾ وَ اِذَا بَطَشْتُمْ بَطَشْتُمْ جَبَّارِيْنَ ﴿۱۳۰﴾

شاید تمہیں ہمیشہ رہنا ہے (۱۲۹) اور جب پکڑ کرتے ہو پکڑ کرتے ہو ظالم بن کر (۱۳۰)

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوْنِ ﴿۱۳۱﴾ وَ اتَّقُوا الَّذِيْٓ اَمَدَّكُمْ بِمَا

پس ڈرو اللہ سے اور اطاعت کرو میری (۱۳۱) اور ڈرو اس سے جس نے مدد کی تمہاری سے اس جو

تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳۲﴾ اَمَدَّكُمْ بِاَنْعَامٍ وَّ بَنِيْنَ ﴿۱۳۳﴾ وَ جَنّٰتٍ وَّ عُيُوْنٍ ﴿۱۳۴﴾

تم جانتے ہو (۱۳۲) مدد کی تمہاری سے مویشیوں اور سے بیٹوں (۱۳۳) اور سے باغات اور سے چشموں (۱۳۴)

اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۳۵﴾

تحقیق میں خوف کرتا ہوں پر تم سے عذاب ایک دن بڑے کے (۱۳۵)

بامحاورہ ترجمہ:۔کیا تم ہر اُونچی زمین پر ایک یادگار بناتے ہو کھیلنے کو۔(۱۲۸)اور بناتے ہو شاندار عمارتیں گویا تم ہمیشہ رہو گے (آمیں)۔(۱۲۹)اور جب تم پکڑ کرتے پکڑ کرتے ہو ظالم بن کر۔(۱۳۰)سو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔(۱۳۱)اور ڈرو اس ذات سے جس نے تم کو مدد پہنچائی ان چیزوں کیساتھ جن کو تم جانتے ہو۔(۱۳۲)مدد کی تمہاری چوپایوں اور بیٹوں کیساتھ۔(۱۳۳)اور باغات اور چشموں

کیساتھ۔(۱۳۴) میں ڈرتا ہوں تم پر ایک بُرے دن کے عذاب سے۔(۱۳۵)

لفظی تحقیق: رِیۡعٍ: اونچی جگہ۔ اسم ہے۔ رِیۡعٌ: اونچا ٹیلہ و بلند مقام۔

تفسیر

عاد اونچے مینار، پُرتکلف محل اور عمارتیں بناتے رہتے تھے اور اگر کسی کمزور پر قابو پالیتے تو اس کو اتنا ستاتے کہ درندوں کو بھی مات کر دیتے، حضرت ہود علیہ السلام نے انہیں سمجھایا کہ اللہ تعالیٰ کے بندو! کھیل وکود اور نام و نمود کیلئے اپنی دولت اور وقت کیوں ضائع کرتے ہو، تم عالیشان عمارتیں بنا کر اور اس میں نقش ونگار کر کے فضول خرچی کرر ہے ہو، رہائش یا کسی دوسرے ضروری مقصد کیلئے کوئی عمارت تعمیر کی جائے تو اس میں تو کوئی حرج نہیں مگر اتنی بڑی بڑی عمارتیں بنانا جن کا کوئی فائدہ نہ ہو، محض فضول خرچی ہے، کیا تم دنیا ہی میں ہمیشہ رہو گے؟ اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور جو میں کہتا ہوں وہ کرو، اللہ تعالیٰ نے تمہیں فراغت کے سامان دیئے ہیں، یہ مویشی، اولاد، باغ اور چشمے اور سب اسی کا دیا ہوا ہے، دنیا میں اس سے ڈر کر نہ چلے تو ایک بڑا بھاری دن آنے والا ہے، مجھے خوف ہے کہ تم اس دن اپنی نافرمانی کیوجہ سے عذاب میں پھنسو گے۔

عاد کی قوم، حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد میں سے سامی نسل سے تعلق رکھتی تھی، ان کا مرکز یمن کے علاقے میں وادیٔ داہنا اور ریگستانی علاقہ تھا، یہ لوگ فن تعمیر کے ماہر تھے انہوں نے بیشمار عمارتیں تعمیر کیں، جن میں قصرِ عمدان یا غمدان چالیس منزلہ تھا، اس کے کھنڈرات حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور تک پائے جاتے تھے، مصر سے لیکر ترکستان، ہندوستان اور ایشیا کے دوسرے ملکوں پر ان کا دبدبہ تھا، اہرام مصر بھی ساڑھے پانچ ہزار سال پرانے ہیں، کچھ سلامت ہیں اور کچھ ٹوٹ پھوٹ گئے ہیں، جس طرح مصر کے بادشاہوں کو بڑی بڑی عمارتیں بنانے کا شوق تھا، اسی طرح قوم عاد بھی اپنی شہرت کیلئے عالیشان عمارتیں تعمیر کرتی تھیں۔

عاد کی قوم کے لوگ اونچے ٹیلوں پر اُونچی اُونچی عمارتیں، مینار اور گنبد وغیرہ بناتے تھے، لفظ مصانع جو مصنع

کی جمع ہے، آجکل یہ لفظ فیکٹری یا کارخانے کیلئے بولا جاتا ہے، اس لفظ کا دوسرا معنی مختلف کاریگریاں یا فن ہیں، تاہم یہاں پر عالیشان مکانات، محلات، مینار، گنبد اور کبوتر اڑانے کے اونچے چبوترے مراد ہیں، جنہیں عاد کی قوم کے لوگ تعمیر کرتے تھے، قرآن پاک کی رُو سے بغیر ضرورت ایسی قیمتی عمارات تعمیر کرنا فضول خرچی میں داخل ہے، عبث ہر وہ چیز ہے جس کا نتیجہ انسان کے حق میں آخرت کے اعتبار سے اچھا نہ نکلے اور یہ قابل مذمت ہے، پرانی قوموں میں اس قسم کی عبث عمارتیں مصریوں کے ہاں بھی پائی جاتی ہیں، مشہور اہرامِ مصر اور شاہی مقبرے ہیں، برصغیر میں تاج محل آگرہ، مقبرہ جہانگیر، مقبرہ نور جہاں، قطب صاحب کی لاٹ وغیرہ اسی طرح کی عمارتیں ہیں، حیدر آباد دکن میں کسی امیر آدمی نے قصر فلک نما بنا کر افضل الدولہ کو تحفے میں دیا تھا، یہ پہاڑی کے اوپر بنا ہوا عالیشان محل ہے جس کے چالیس کمرے ہیں اور ہر کمرے کی آرائش، زیب وزینت، فرنیچر، پردے، رنگ وروغن اور ماحول الگ الگ ہے، اسی طرح پاکستان کی تاریخ میں جناح صاحب کا مقبرہ کروڑوں کی لاگت سے تعمیر ہوا ہے، لاہور میں مینار پاکستان ہے، اس کے علاوہ کھیلوں کیلئے بڑے بڑے اسٹیڈیم اور کمپلیکس تعمیر ہوئے ہیں، جن پر کروڑوں روپیہ خرچ ہوا ہے یہ سب عمارتیں شہرت کیلئے کی گئی ہیں، وگرنہ ان کا حقیقی فائدہ کچھ نہیں، ان کی بجائے اگر یہی روپیہ اسکول، کالج یا لائبریریاں بنانے پر خرچ ہوتا تو لوگوں کو اجتماعی فائدہ ہوتا، غریب لوگوں کے لئے مکانات تعمیر ہوتے تو ان کے بچوں کو سردی اور گرمی سے بچاؤ حاصل ہو جاتی، جس سے ہزاروں خاندان فائدہ اٹھا سکتے تھے۔

"طبرانی" نے جید سند کے ساتھ روایت بیان کی ہے جسے "صاحبِ تفسیر مظہری" نے بھی نقل کیا ہے، پیغمبر ﷺ کا فرمان ہے کہ: جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کے بارے میں برائی کا ارادہ فرماتا ہے تو اس کی دولت کو مٹی اور گارے میں لگا دیتا ہے، دیکھ لیں! آج بلڈنگ بازی کا شوق کن لوگوں کے سروں پر سوار ہو چکا ہے، آخرت کی کچھ فکر نہیں، محض دنیا کی نمائش کیلئے عمارات تعمیر کی جا رہی ہیں، اگر محض رہائش مقصود ہو تو کم خرچ سے تھوڑی جگہ پر بھی بن سکتی ہے، اس کے آرائش کے اخراجات کو کم کیا جا سکتا ہے، مگر لوگ ان کو اس طرح تعمیر کر رہے ہیں گویا کہ

ہمیشہ ان میں رہا کریں۔

شداد اسی قوم کا ایک فرد تھا، جس نے ارم کا باغ تعمیر کرایا تھا، اس نے دنیا میں جنت کا نمونہ تیار کروایا، وہ بھی سمجھتا تھا کہ اس میں ہمیشہ رہے گا، مگر اس کو باغ میں داخلہ بھی نصیب نہ ہوا، ابھی دروازے پر ہی تھا کہ موت آگئی۔

اس آیت سے یہ بات واضح ہوتی ہے، ایسی عمارتیں بنانا جن کا کوئی خاص مقصد نہ ہو، محض شہرت کا اظہار ہو ان کا آخرت میں کوئی فائدہ نہ ہو اور یہ سب عبث ہے، اور حضرت ہود علیہ السلام کے بیان سے ان کی مذمت ثابت ہوتی ہے۔

ہود علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا، اللہ تعالیٰ کی اس ذات سے ڈر جاؤ جس نے تمہیں مدد پہنچائی ہے ان چیزوں کے ساتھ جن کو تم جانتے ہو، یعنی: اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے بیشمار نعمتیں پھیلادی ہیں جو روزانہ تمہارے دیکھنے میں آتی ہیں اور تم انہیں اچھی طرح جانتے ہو۔

اللہ نے یہاں انعام کے طور پر بیٹوں کا ذکر بھی کیا ہے، بیٹے بیٹیاں بھی اللہ تعالیٰ کی نعمت ہیں، مگر بیٹوں کا ذکر اس لئے فرمایا ہے کہ یہ انسان کیلئے زیادہ فائدہ مند ہوتے ہیں، محنت، مشقت کے سارے بھاری کام بیٹے انجام دیتے ہیں، مال و جان کی حفاظت کے ذمہ دار ہوتے ہیں اور انسان کی نسل بھی انہیں سے چلتی ہے، بیٹیاں تو فطری طور پر پردہ دار ہوتی ہیں اور نرم و نازک ہوتی ہیں، ان سے بھاری کام نہیں لیے جاسکتے۔

اس نے تمہیں مدد پہنچائی باغوں اور چشموں کا انتظام فرمایا، جس سے تمہارے باغات اور کھیتیاں پیدا ہوئیں اور جن سے تمہاری خوراک کیلئے پھل، اناج پیدا ہوتے ہیں، یہ اللہ کے خصوصی انعام ہیں جن کا شکریہ ادا کرنا ضروری ہے۔

فرمایا: اِنِّیۡۤ اَخَافُ عَلَیۡكُمۡ عَذَابَ یَوۡمٍ عَظِیۡمٍ : ہود علیہ السلام نے اپنی قوم کو خبردار کیا کہ میں تم پر بڑے دن کے عذاب کا خوف کھاتا ہوں، آپ نے انہیں بتلادیا کہ تمہارے عمل اس طرح کے ہیں کہ تم پر اللہ کی

پکڑ آسکتی ہے، لہٰذا اس کی سرکشی سے باز آجاؤ، غرور وتکبر اور فضول خرچی کو کرنا، کمزوروں پر ظلم کرنا چھوڑ دو، ورنہ مجھے خطرہ ہے کہ کہیں تم بڑے سخت عذاب میں پکڑے نہ جاؤ۔

جواب اور انجام

قَالُوْا سَوَآءٌ عَلَيْنَآ اَوَعَظْتَ اَمْ لَمْ تَكُنْ مِّنَ الْوٰعِظِيْنَ ﴿۱۳۶﴾

بولے برابر ہے پرہم خواہ نصیحت کرے تو یا نہ ہوتو سے نصیحت کرنے والوں (۱۳۶)

اِنْ هٰذَآ اِلَّا خُلُقُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۳۷﴾ وَ مَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ﴿۱۳۸﴾

نہیں یہ مگر عادت پہلوں کی (۱۳۷) اور نہیں ہم عذاب دیئے جانے والے (۱۳۸)

فَكَذَّبُوْهُ فَاَهْلَكْنٰهُمْ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَ مَا كَانَ

پھر جھٹلایا انہوں نے پس ہلاک کردیا ہم نے انہیں تحقیق میں اس البتہ نشانی ہے اور نہیں ہے

ع ۱۸ / ۱۱ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳۹﴾ وَ اِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۴۰﴾

اکثران کے ایمان لانے والے (۱۳۹) اور تحقیق رب آپکا البتہ وہ زبردست ہے رحم والا ہے (۱۴۰)

بامحاورہ ترجمہ: قوم کے لوگوں نے کہا ہمارے نزدیک برابر ہے خواہ تو نصیحت کرے یا نصیحت کرنے والا نہ بنے۔ (۱۳۶) کچھ نہیں مگر یہ اگلے لوگوں کی عادت ہے۔ (۱۳۷) اور ہم پر عذاب آنے والا نہیں۔ (۱۳۸) یوں انہوں نے اس کو جھٹلایا، سو! ہم نے انہیں تباہ کردیا اس میں البتہ نشانی ہے اور ان میں بہت لوگ ماننے والے نہیں۔ (۱۳۹) اور آپ کا رب البتہ طاقت والا ہے رحم والا ہے۔ (۱۴۰)

لفظی تحقیق: وَعَظْتَ: نصیحت کی تو نے۔ ماضی مجہول کا صیغہ ہے، و۔ع۔ظ سے۔ "وَعْظٌ" کسی کے بھلے کی اس سے کہنا خیر خواہی اور نصیحت کرنا۔

تفسیر

عاد کی قوم ڈھٹائی سے اپنے انہی کاموں میں لگی رہی جو سراسر فضول تھے، وہ تعمیر کے فن اور نقش ونگار میں بڑے ماہر تھے، دولت کو انہی کاموں میں برباد کرتے تھے، کمزوروں اور غریبوں کو بہت ستاتے تھے، حضرت ہود علیہ السلام کی نصیحت کو انہوں نے ٹھکرا دیا کہ ہمارے نزدیک تیرا سمجھانا نہ سمجھانا برابر ہے، یہ باتیں تو پہلے لوگوں سے چلی آرہی ہیں، کہنے والے اپنی ہی کہتے اور کرنے والے اپنی ہی کرتے رہے، موت آئی مر گئے عذاب ثواب کیسا؟

آخر ہم نے ان کو تباہ وبرباد کر دیا نہ وہ رہے نہ وہ ان کی عمارتیں اور مینار رہے، ایک سخت آندھی آئی اور سب کچھ مٹ گیا یہ ہماری قدرت کی نشانی ہے، لیکن اکثر لوگ غافل ہیں، نہیں مانتے، حقیقت یہ ہے کہ آپ کا رب بڑی قوت والا ہے اور ساتھ ہی اس کی رحمت بھی بڑی ہے۔

ہود علیہ السلام کے اس وعظ ونصیحت کے جواب میں قوم نے کہا کہ ہمارے لیے برابر ہے تو ہمیں نصیحت کرے یا نہ کرے، مطلب یہ کہ اے ہود! تو جو مرضی کہتا رہے، تمہارے وعظ ونصیحت کا ہم پر کچھ اثر نہیں ہوتا، ہم تمہاری بات ماننے کیلئے ہرگز تیار نہیں، "سورہ ہود" میں یہ الفاظ بھی موجود ہیں کہ قوم نے کہا: تو ہمارے پاس کوئی واضح چیز لے کر نہیں آیا، لہذا ہمیں تمہاری باتوں پر یقین نہیں آتا بلکہ ہم تو تمہارے متعلق یہ سمجھتے ہیں (آیت: ۵۳) کہ تم پر ہمارے معبودوں کی مار پڑ گئی ہے، تمہارا دماغ چلا گیا ہے، (آیت: ۵۴) (نعوذ باللہ) تم ایسی بہکی بہکی باتیں کرتے ہو مگر افسوس کہ قوم کا یہ کردار غرور اور جہالت کی وجہ سے تھا۔

حضرت ہود علیہ السلام کے تمام تر وعظ کے جواب میں قوم کہنے لگی، یہ تو پہلے لوگوں کی عادت ہے جو تم پیش کر رہے ہو۔ "خُلُقُ" یا "اَخلاق" عادت کو کہتے ہیں خواہ اچھی عادت ہو یا بری ہو۔ کہنے لگے کہ پہلے بھی لوگ اسی طرح ہی ڈرایا کرتے تھے۔ جس طرح تم ہمیں کسی غائبانہ عذاب سے ڈرا رہے ہو، مگر ہم نے تو ایسی کسی سزا کو آتے نہیں دیکھا، لہذا ہمیں تمہاری ان باتوں پر یقین نہیں آتا۔

اِنْ ھٰذَا: کا اشارہ اس طرف بھی ہوسکتا ہے کہ جو کچھ آج ہم کر رہے ہیں، یہی کچھ ہمارے پرانے باپ دادا کیا کرتے تھے، مگر تم ہمیں ان کے راستے سے ہٹانا چاہتے ہو، دوسری جگہ پر ہے کہ تم ہمیں اپنے باپ دادوں، ان کے معبودوں، ان کے طریقوں اور ان کے رسم و رواج سے ہٹانا چاہتے ہو، لہذا ہم تمہاری بات ماننے کیلئے تیار نہیں بلکہ اپنے باپ دادوں کے پرانے طریقے پر ہی چلتے رہیں گے، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور مکہ کے مشرکوں کے درمیان بھی ایسا ہی معاملہ پیش آیا۔

ہود علیہ السلام کی قوم نے یہ بھی کہا کہ ہم تمہاری بات کو نہیں مانتے اور نہ تمہاری طرف سے کسی سزا کی پیشنگوئی کو مانتے ہیں اور نہیں ہیں ہم کہ ہمیں سزا دی جائے، مگر اللہ نے فرمایا کہ: جس اللہ نے ان کو پیدا کیا ہے وہ بڑی طاقت کا مالک ہے، وہ چاہے تو معمولی سی چیز کے ساتھ انہیں ہلاک کر دے۔

ہود علیہ السلام کی قوم کی ہلاکت

عاد کی قوم نے اپنے پیغمبر ہود علیہ السلام کو کھلم کھلا جھٹلا دیا، جس کا نتیجہ بالآخر یہی نکلا کہ ہم نے اس پوری قوم کو ہوا کے ذریعے ہلاک کر دیا یہ بڑے طاقتور لوگ تھے، مگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجی ہوئی ہوا کا مقابلہ نہ کر سکے، ان پر سات رات اور آٹھ دن تک مسلسل ہوا چلتی رہی، اس طرح پڑے تھے جس طرح کھجور کے بڑے بڑے تنے اکھاڑ کر پھینک دیے گئے ہوں، اللہ تعالیٰ نے سب کو ہلاک کر دیا، زندہ بچ جانے والوں میں صرف ہود علیہ السلام اور ان کے ایماندار ساتھی تھے، باقی سب ختم ہو گئے۔

اس واقعہ میں عبرت کی نشانی ہے، مکے کے مشرک بھی اور دوسرے نافرمان بھی غور کریں اور دیکھیں کہ غرور و تکبر اور نافرمانی کا انجام کیا ہوتا ہے، انہیں جان لینا چاہیئے کہ اگر انہوں نے بھی کفر و شرک کیا، کمزوروں پر ظلم و ستم ڈھائے اور پیغمبر کی بات کو جھٹلایا تو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچ نہیں سکیں گے۔

پچھلی قوموں کے حالات دیکھ کر بھی لوگ عبرت نہیں پکڑتے تھے، بلکہ ان کی اکثریت ایمان سے محروم رہتی تھی اور بالآخر وہ بھی تباہ ہوجاتی تھی۔

ثمود کا حال

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿١٤١﴾ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ صٰلِحٌ

جھٹلایا ثمود نے پیغمبروں کو (۱۴۱) جب کہا سے ان بھائی ان کے صالح نے

اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿١٤٢﴾ اِنِّیْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ ﴿١٤٣﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ

کیا نہیں ڈرتے تم (۱۴۲) تحقیق میں لیے تمہارے پیغمبر ہوں معتبر (۱۴۳) پس ڈرو اللہ سے اور

اَطِیْعُوْنِ ﴿١٤٤﴾ وَ مَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا

اطاعت کرو میری (۱۴۴) اور نہیں مانگتا میں تم سے پر اس کوئی بدلہ نہیں اجر میرا مگر

عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿١٤٥﴾

پر رب جہانوں کے (۱۴۵)

بامحاورہ ترجمہ: ثمود نے پیغمبروں کو جھٹلایا۔ (۱۴۱) جب ان سے ان کے بھائی صالح نے کہا کیا تم ڈرتے نہیں۔ (۱۴۲) بے شک میں تمہارے لیے پیغمبر ہوں معتبر۔ (۱۴۳) پس! ڈرو اللہ سے اور میرا کہا مانو۔ (۱۴۴) اور میں تم سے اس کا بدلہ نہیں چاہتا، میرا بدلہ اسی سارے جہان کے پالنے والے کے ذمے ہے۔ (۱۴۵)

تفسیر

عاد کی قوم کا ذکر ختم ہوا، اللہ تعالیٰ کے پیغمبر حضرت ہود علیہ السلام کی بات نہ ماننے کا نتیجہ ان کے لئے بہت برا ہوا، سخت آندھی آئی مکان، باغ، مینار سب اُڑ گئے، آدمی اُڑ اُڑ کر پٹخنیاں کھا کر گرے اور مر گئے، ان کا ذکر پڑھو

اور عبرت حاصل کرو اور اللہ کی نافرمانی اور اس کے پیغمبروں کی بات نہ ماننے کا نتیجہ سوا تباہی کے کچھ نہیں۔

عاد کے بعد ایک اور قوم پیدا ہوئی اور اُبھری، یہ ثمود کی قوم تھی۔ انہوں نے بھی ویسی ہی سرکشی اختیار کی، آخر انہیں سمجھانے کیلئے حضرت صالح علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اپنا پیغمبر بنا کر بھیجا، انہوں نے بھی پہلے وہی پیغام دیا جو سارے پیغمبر دیا کرتے ہیں، انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کے بندو تمہیں اللہ کے غضب سے ڈر نہیں لگتا، جو تم اس کی مرضی کے خلاف کاموں میں پھنسے ہوئے ہو، میں اللہ تعالیٰ کا پیغمبر ہوں، اللہ سے ڈرو اور جو میں کہوں وہ کرو، میں تم سے مال ودولت وغیرہ کچھ نہیں چاہتا، مجھے میرے کام کا صلہ وہی رب العالمین دے گا، جس نے مجھے یہ کام دیا اور اس کے پورا کرنے کا حکم دیا ہے۔

ثمود کی قوم

تسلی کے مضمون میں عاد کی قوم کا ذکر ہو چکا ہے۔ ان آیتوں میں ثمود کی قوم کا ذکر ہے جو حضرت صالح علیہ السلام کی قوم تھی، یہ لوگ عاد ثانی بھی کہلاتے ہیں، جزیرہ نما عرب کے شمال میں یہ لوگ وادیٔ تبوک سے لے کر وادی قریٰ تک آباد تھے، اس علاقے میں اس قوم کی سترہ سو بڑی بڑی بستیاں تھیں، ترکوں کے زمانے میں تبوک تک ریل بھی جاتی تھی اور وہاں پر ریلوے اسٹیشن بھی تھا، جس کی عمارت آج بھی موجود ہے، اس جگہ کا نام اب بھی مدائن صالح ہے، قوم عاد کی طرح قوم ثمود بھی بڑی ترقی یافتہ قوم تھی، ان کی بستیوں کے کھنڈرات اب بھی نظر آتے ہیں، ثمود کی قوم کے لوگ زیادہ تر تجارت پیشہ تھے، کھیتی باڑی بھی کرتے تھے اور بڑے خوش حال تھے، پہاڑوں کو کھود کر نہایت آرام دہ نقش ونگار والے مکانات بناتے تھے، ثمود کی قوم کی طرح یہ لوگ بھی اپنے مکان پتھروں کو تراش تراش کر بناتے تھے۔

عاد کی قوم کے بعد ثمود کی قوم نے بڑی ترقی کی، یہ بھی سام ابن نوح کی اولاد میں سے، سامی نسل کے لوگ تھے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تعلق بھی اسی نسل کے ساتھ تھا۔

اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ صٰلِحٌ: جب کہا ان کو ان کے بھائی صالح نے، بھائی اس لیے کہا کہ آپ اپنی قوم کے فرد تھے، انہی کی برادری اور خاندان سے تعلق تھا، انہوں نے قوم سے فرمایا: تم ڈرتے کیوں نہیں؟ تم کفر، شرک، ناپ تول کی کمی زیادتی کی بیماری میں مبتلا ہو، اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے بے خوف ہو چکے ہو، یاد رکھو! میں تمہاری طرف اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا پیغمبر ہوں، لہٰذا اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میری بات مانو، اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ، آپ نے قوم سے یہ بھی فرمایا کہ: میں تم تک اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچا رہا ہوں اور اس کام کیلئے تم سے کوئی بدلہ طلب نہیں کرتا، کیونکہ میرا بدلہ تو تمام جہانوں کے پروردگار کے ذمے ہے، تمام پیغمبر یہی بات کہتے رہے۔

حضرت صالح علیہ السلام کا خاص پیغام

اَ تُتْرَكُوْنَ فِيْ مَا هٰهُنَآ اٰمِنِيْنَ ﴿۱۴۶﴾ فِيْ جَنّٰتٍ وَّ عُيُوْنٍ ﴿۱۴۷﴾

کیا چھوڑے جاؤ گے میں اس جو یہاں ہے بے فکر (۱۴٦) میں باغوں اور چشموں (۱۴۷)

وَّ زُرُوْعٍ وَّ نَخْلٍ طَلْعُهَا هَضِيْمٌ ﴿۱۴۸﴾ وَ تَنْحِتُوْنَ مِنَ

اور کھیتوں اور کھجور جن کا خوشہ گتھا ہوا ہے (۱۴۸) اور تراشتے ہو تم سے

الْجِبَالِ بُيُوْتًا فٰرِهِيْنَ ﴿۱۴۹﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوْنِ ﴿۱۵۰﴾ وَ لَا

پہاڑوں مکانات اتراتے ہوئے (۱۴۹) پس ڈرو اللہ سے اور اطاعت کرو میری (۱۵۰) اور مت

تُطِيْعُوْٓا اَمْرَ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۱۵۱﴾ الَّذِيْنَ يُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ

مانو بات کو حد سے نکل جانے والوں کی (۱۵۱) جو فساد کرتے ہیں میں زمین

وَ لَا يُصْلِحُوْنَ ﴿۱۵۲﴾

اور نہیں اصلاح کرتے (۱۵۲)

بامحاورہ ترجمہ: کیا تم یہاں کی چیزوں میں بے فکر چھوڑے جاؤ گے۔ (۱۴٦) باغوں میں اور چشموں

میں۔(۱۴۷)اور کھیتوں میں اور کھجوروں میں جن کے خوشہ خوب گھتے ہوئے ہیں۔(۱۴۸)اور تراشتے ہو پہاڑوں سے گھر اتراتے ہوئے۔(۱۴۹)سو اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میرا کہا مانو۔(۱۵۰)حد سے نکلے ہوؤں کی مت مانو۔(۱۵۱)جو ملک میں خرابی کرتے ہیں اور اصلاح نہیں کرتے۔(۱۵۲)

لفظی تحقیق: طَلۡعُهَا هَضِيۡمٌ: نرم پھولا ہوا۔ایسا خوشہ جو بہت گھتا ہوا اور پھولا ہوا ہو۔ یہ اس بات کی علامت ہے کہ پھل خوب آئے گا، اگر خوشہ چھترا اور کم پھولا ہوا ہو تو پھل زیادہ نہیں آتا۔

تفسیر

ثمود کی قوم بھی خوش حال تھی، میووں کے باغ، بہتے ہوئے چشمے، کھیتی کیاری، کھجوروں کے جھنڈ سب کچھ ان کے قبضہ میں تھے، عاد تعمیر کی فن میں استاد تھے اور ثمود پتھر تراشی میں ماہر تھے اور دونوں اپنی اپنی دھن میں مست تھے، حضرت صالح علیہ السلام نے انہیں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے روکا اور کہا اللہ تعالیٰ سے ڈرو، اور میرا کہا مانو، نافرمانی سے تم تباہ ہو جاؤ گے، اپنے مغرور لوگوں کی پیروی مت کرو، یہ تو ملک میں فساد پھیلانے والے ہیں بگاڑنا جانتے ہیں سنوارنا نہیں جانتے، تم میری بات مانو اللہ تعالیٰ نے مجھے تمہاری اصلاح کیلئے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے۔

فِيۡ جَنّٰتٍ وَّ عُيُوۡنٍ: صالح علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا کہ کیا تم یہ گمان کرتے ہو کہ تمہارے باغات اور ان کو سیراب کرنے والے چشمے اور نہریں اسی طرح جاری رہیں گی اور کیا تم اس غلط خیال میں مبتلا ہو کہ تمہاری کھیتیاں اور کھجوریں بھی اسی طرح لہلہاتی اور پھل دیتی رہیں گی، کھجوروں کے وہ درخت کہ جن کے خوشے نہایت ہی نرم ہیں، ظاہر ہے کھجور کے جب نئے شگوفے پھوٹتے ہیں تو وہ نہایت ہی نرم و نازک اور ملائم ہوتے ہیں، پھر جب پھل اچھی طرح آجاتا ہے تو وہ اپنے وزن کی وجہ سے معمولی سا جھک بھی جاتا ہے۔

کھجور کے درخت میں اللہ تعالیٰ نے یہ عجیب وغریب حکمت رکھی ہے کہ اس میں نر اور مادہ ہوتے ہیں، مادہ درخت کا خوشہ نکلنے والا حصہ بند سا ہوتا ہے، جیسے: دو جوتے آپس میں ملے ہوئے ہوں، جب مذکورہ درخت کا بور

مادہ درخت کے مذکورہ حصہ پر پڑتا ہے تو اس سے پیوندکاری ہوکر پھل اچھا آتا ہے، اگر نر درخت کا بور مادہ درخت تک نہ پہنچ سکے تو پھلا ادھورا رہ جاتا ہے، عرب اور دوسرے گرم ملکوں میں کھجور نہایت ہی مفید اور دیر تک باقی رہنے والا پھل ہے، جو بیک وقت بطور پھل اور خوراک استعمال ہوتا ہے، ثمود کی قوم کے پاس کھجوروں کے بہت سے باغ تھے، جس کی وجہ سے وہ بڑے خوشحال لوگ تھے۔

وَ تَنۡحِتُوۡنَ مِنَ الۡجِبَالِ بُیُوۡتًا فٰرِهِیۡنَ: تم پہاڑوں میں شاندار مکان بناتے ہو، جیسا کہ پہلے عرض کیا، عاد کی قوم کی طرح ثمود کی قوم بھی تعمیر کے فن کے ماہر تھی، یہ لوگ پہاڑوں کو تراش کر ان کے اندر نہایت ہی خوبصورت نقش ونگار والے مکانات تعمیر کرتے تھے، حالانکہ یہ مکانات ہمیشہ باقی رہنے والے نہیں ہیں، لہٰذا حقیقت کو سمجھنے کی کوشش کرو، اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے ڈرو اور میری بات مانو، میں تمہیں سچی بات بتاتا ہوں، دنیا کی خوشنمائی سے نکل کر آخرت کی فکر کرو کہ اسی میں تمہاری بہتری ہے، یہ دنیا اور اس کی تمام رونقیں جلد ہی ختم ہونے والی ہیں، تمہاری موت کے بعد ایک ہمیشہ کی زندگی شروع ہونے والی ہے، جہاں تمہارے یہ باغات، مکانات اور آرام وراحت کی کوئی چیز کام نہیں آئے گی اور تم اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے بچ نہیں سکو گے۔

الَّذِیۡنَ یُفۡسِدُوۡنَ فِی الۡاَرۡضِ: جو کہ زمین میں فساد برپا کرتے ہیں اور اصلاح نہیں کرتے، ظاہر ہے کہ اصلاح معاشرہ تو نیکی کے ذریعے ہوتی ہے، غریب پروری اور عدل وانصاف سے ہوتی ہے، نہ کہ جوابازی اور شراب نوشی کے ذریعے، تمام برے کام فساد کی بنیاد بنتے ہیں، مشرک، کافر اور منافق قسم کے لوگ زمین میں فساد پھیلانے کا سبب بنتے ہیں۔

ثمود کا جواب

قَالُوۡۤا اِنَّمَاۤ اَنۡتَ مِنَ الۡمُسَحَّرِیۡنَ ﴿۱۵۳﴾ مَاۤ اَنۡتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثۡلُنَا ۚۖ

بولے بات یہی ہے کہ تو ہے سے جادو کئے ہوئے میں (۱۵۳) نہیں تو مگر ایک آدمی ہمیں جیسا

فَأْتِ بِاٰيَةٍ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۱۵۴﴾ قَالَ هٰذِهٖ نَاقَةٌ لَّهَا

پس لے آ کوئی نشانی اگر ہے تو سے سچوں (۱۵۴) کہا یہ ہے اونٹنی لئے اس کے

شِرْبٌ وَّ لَكُمْ شِرْبُ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۱۵۵﴾ وَ لَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ

باری ہے پانی پینے کی اور لیے تمہارے باری ایک دن مقرر کی (۱۵۵) اور مت چھیڑنا اس کو سے برے ارادے

فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۵۶﴾

پس پکڑ لے تمہیں عذاب دن بڑے کا (۱۵۶)

بامحاورہ ترجمہ: ثمود کے لوگ بولے تجھ پر تو کسی نے جادو کر دیا ہے۔(۱۵۳) حالانکہ تو بھی ہم جیسا ایک آدمی ہے اگر تو سچا ہے تو کوئی معجزہ لیکر آ؟ (۱۵۴) صالح علیہ السلام نے کہا یہ اونٹنی ہے ایک دن پانی پینے کی باری اس کی اور ایک دن تمہاری۔(۱۵۵) اور اس کو دکھ مت پہنچانا ورنہ ایک ہولناک دن کا عذاب تمہیں پکڑ لے گا۔(۱۵۶)

تفسیر

صالح علیہ السلام کی قوم نے جواب دیا کہ تیری تو عقل جاتی رہی ہے، ضرور کسی نے تجھ پر جادو کر دیا ہے، اگر تو پیغمبر ہے تو کوئی انوکھی نشانی دکھا، بھلا! اس چٹان میں سے ایک جیتی جاگتی اونٹنی ہی نکال دے، پھر حضرت صالح علیہ السلام نے دعا کی اور اونٹنی نکل آئی، صالح علیہ السلام نے قوم کے لوگوں سے کہا، جس دن یہ پانی پیے، اپنے جانوروں کو روک لو اور جس دن نہ پیے۔ اس دن اپنے جانوروں کو پلا لو، اگر اس اونٹنی کو کوئی تکلیف پہنچی تو ایک بہت ہولناک دن آئے گا اور اس میں تم پر ایسا عذاب آئے گا کہ تم بالکل تباہ ہو جاؤ گے۔

آپ کی قوم نے اللہ تعالیٰ کا پیغام سن کر اس کو ماننے کے بجائے نہایت متکبرانہ طریقے سے یوں جواب دیا، کہنے لگے تجھ پر کسی نے جادو کر دیا ہے، یہ الزام صرف ثمود نے ہی نہیں لگایا بلکہ دوسرے پیغمبروں کو بھی یہی کہا

گیا، ثمود کی قوم نے حضرت صالح علیہ السلام پر یہ اعتراض بھی کیا، کہنے لگے، تو تو ہمارے جیسا ہی انسان ہے، تمہیں ہم پر کون سی فضیلت حاصل ہے جو تم پیغمبری کا دعویٰ کر رہے ہو، اللہ تعالیٰ انسانوں میں سے ہی پیغمبر منتخب کرتا ہے، مگر ان کی سوچ سمجھ کامل ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ نے خود پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان سے بھی کہلوایا: آپ کہہ دیں کہ! میں بھی تمہارے جیسا انسان ہوں، البتہ مجھ پر وحی کی جاتی ہے۔ (الکہف:۱۱۰) مگر وحی آنا کوئی معمولی چیز نہیں ہے، یہ تو اللہ تعالیٰ کا خاص چناؤ ہوتا ہے۔

اونٹنی کا معجزہ

پہلے ثمود کی قوم نے صالح علیہ السلام کا انسان ہونے کی بناء پر انکار کیا، پھر کہنے لگے، اگر تو سچا ہے تو اپنے پیغمبر ہونے کی کوئی نشانی پیش کر اور نشانی بھی ایسی ہو جو ہم خود مانگیں، یہ لوگ چٹانیں تراش کر گھر بناتے تھے، پتھروں کے ساتھ خاص لگاؤ تھا، لہذا انہوں نے نشانی بھی ایسی طلب کی، کہنے لگے کہ اس سامنے والی چٹان سے ایک اونٹنی نکال کر دکھائیں، اس وقت بہت سے لوگ جمع تھے، صالح علیہ السلام نے نماز پڑھی اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی، چنانچہ تمام لوگوں کے سامنے چٹان پٹی اور اس میں سے اونٹنی نکلی، پھر اس نے بچہ بھی جنا یہ بہت لمبی چوڑی اونٹنی تھی، ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی روایت میں آتا ہے کہ میں نے وہ مقام دیکھا ہے جس جگہ صالح علیہ السلام کی اونٹنی بیٹھتی تھی، یہ جگہ نوے فٹ ہے، اللہ نے اپنی قدرت کاملہ سے یہ نشانی دکھلائی، اونٹنی اِدھر اُدھر گھومتی پھرتی تھی، دوسرے جانور اس کی شکل وصورت سے گھبراتے تھے۔

پانی پینے کی باری

بہر حال جب وہ اونٹنی چٹان سے نکلی تو اللہ کا حکم ہوا، صالح علیہ السلام نے کہا کہ یہ اونٹنی ہے جو تم نے طلب کی ہے، اس کیلئے پانی پینے کی باری ہے اور تمہارے لئے بھی پانی پینے کی باری ہے ایک مقررہ دن پر، ایک دن چشمے سے یہ

اونٹنی پانی پیا کرے گی اور دوسرے دن تم اپنے جانوروں کو پلایا کرو گے، چنانچہ دن مقرر کر لیے گئے، ایک دن اکیلی اونٹنی پانی پیتی تھی اور دوسرے دن باقی جانور۔

ثمود کا انجام

فَعَقَرُوْهَا فَاَصْبَحُوْا نٰدِمِيْنَ ﴿١٥٧﴾ فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ ؕ اِنَّ فِيْ

پس ٹانگیں کاٹ دی اس کی پس ہو گئے پچھتاتے (۱۵۷) پس آ پکڑا انہیں عذاب نے تحقیق میں

ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَ مَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿١٥٨﴾ وَ اِنَّ رَبَّكَ

اس کے البتہ نشانی ہے اور نہیں ہیں اکثر ان کے ایمان لانے والے (۱۵۸) اور تحقیق رب آپ کا

لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿١٥٩﴾ ع ٨ ١٩ ١٢

البتہ وہ زبردست ہے رحم والا ہے (۱۵۹)

بامحاورہ ترجمہ:۔ پھر انہوں نے اونٹنی کی ٹانگیں کاٹ ڈالی پھر پچھتاتے رہ گئے۔ (۱۵۷) پھر ان کو عذاب نے آ پکڑا، البتہ اس واقعہ میں نشانی ہے، اور ان میں بہت سے لوگ ماننے والے نہیں۔ (۱۵۸) اور آپ کا رب البتہ زبردست ہے رحم کرنے والا ہے۔ (۱۵۹)

تفسیر

فَعَقَرُوْهَا: انہوں نے اونٹنی کے پاؤں کاٹ ڈالے، جب اونٹنی گر پڑی تو تمام ساتھیوں نے مل کر اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے، اونٹنی کا بچہ بھی ساتھ تھا، ماں کو قتل ہوتے دیکھ کر اس نے ایک خوفناک چیخ ماری اور پھر وہ اسی چٹان میں غائب ہو گیا، جہاں سے اونٹنی نکلی۔

اونٹنی کے قتل پر صالح علیہ السلام نے قوم کی سخت ڈانٹ ڈپٹ کی، فرمایا کہ: تمہیں تین دن کی مہلت دی گئی ہے،

اس کے بعد تم پر سخت عذاب آنے والا ہے، یہ جان کر قوم کے لوگ سخت پشیمان ہوئے کہ وہ کیا کر بیٹھے ہیں، یہ پشیمانی توبہ والی نہیں تھی، بلکہ غلط کام کرنے کی محض ندامت تھی اور ان کی اکڑ اپنی جگہ قائم تھی، جب تین دن گزر گئے تو ان کو عذاب نے آن پکڑا، نیچے سے زلزلہ آیا اور اُوپر سے سخت قسم کی چیخ آئی، جس سے اس قوم کے سترہ سو شہر اور قصبے ملیامیٹ ہو گئے، زلزلے سے ان کی عمارتیں تباہ ہو گئیں، کچھ ان کے نیچے دب کر مر گئے اور باقیوں کے چیخ کی وجہ سے جگر پھٹ گئے اور وہ سارے کے سارے ہلاک ہو گئے۔ تقریباً چار سو افراد بچے جو صالح علیہ السلام پر ایمان لا چکے تھے، پھر ان کو حکم ہوا کہ وہاں سے چلے جائیں، چنانچہ صالح علیہ السلام ایمان والوں کو لے کر اس اُجڑی ہوئی بستی سے نکل گئے۔

اللہ تعالیٰ نے صالح علیہ السلام کی قوم کا واقعہ بیان کرنے کے بعد پھر نصیحت والی بات دہرائی ہے، اس واقعہ میں تمام لوگوں کے لئے نشانی ہے، خواہ وہ مکہ کے رہنے والے ہوں یا دنیا کے کسی علاقے سے تعلق رکھتے ہوں، سب کو جان لینا چاہیئے کہ خدا کے نافرمانوں کا کیا حشر ہوتا ہے، ان تباہ شدہ قوموں کی عمارتیں اور کھنڈرات یہ سبق دے رہے ہیں کہ دیکھو! اللہ کے پیغمبر کی نافرمانی نہ کرنا، ورنہ تمہارا حشر بھی ان جیسا ہوگا۔

وَ اِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ: بیشک آپکا پروردگار قدرت کا مالک ہے وہ جب چاہے پکڑ کرے اور سزا دے دے، وہ انتہائی مہربان بھی ہے کہ اپنے بندوں کی نہایت ہی خطرناک حالات میں حفاظت بھی کرتا ہے اور ان کو راہ دکھلاتا ہے، چنانچہ اللہ نے صالح علیہ السلام کو اور آپ کے ساتھیوں کو اس عذاب والی بستی سے چلے جانے کا حکم دیا اور آپ وہاں سے حضر موت کی طرف چلے گئے۔

حضرت لوط علیہ السلام کی قوم

كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوْطِ ۨالْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۶۰﴾ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ لُوْطٌ

جھٹلایا قوم نے لوط کی پیغمبروں کو (۱۶۰) جب کہا سے ان بھائی ان کے لوط نے

اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۶۱﴾ اِنِّیْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ ﴿۱۶۲﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ
کیا نہیں ڈرتے تم (۱۶۱) تحقیق میں لیے تمہارے پیغمبر ہوں معتبر (۱۶۲) پس ڈرو اللہ سے اور

اَطِیْعُوْنِ ﴿۱۶۳﴾ وَ مَاۤ اَسْــٴَـلُكُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا
اطاعت کرو میری (۱۶۳) اور نہیں مانگتا میں تم سے پر اس کوئی بدلہ نہیں اجر میرا مگر

عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۶۴﴾
پر رب جہانوں کے (۱۶۴)

بامحاورہ ترجمہ: لوط کی قوم نے پیغمبروں کو جھٹلایا۔(۱۶۰) جب ان سے ان کے بھائی لوط نے کہا کیا تم ڈرتے نہیں۔(۱۶۱) میں تمہاری طرف معتبر پیغمبر بنا کر بھیجا گیا ہوں۔(۱۶۲) سو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میرا کہا مانو۔(۱۶۳) اور میں تم سے اس کا کچھ بدلہ نہیں مانگتا، میرا بدلہ اسی جہانوں کے رب پر ہے۔(۱۶۴)

تفسیر

ثمود کی قوم کے بعد ایک اور قوم کو شیطان نے ورغلایا اور اس کے سمجھانے کیلئے اللہ تعالیٰ نے لوط علیہ السلام کو اپنا پیغمبر بنا کر بھیجا، انہوں نے بھی دوسرے پیغمبروں کی طرح ان کو پہلے عام نصیحت کی کہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کے غضب سے ڈرو، تم اتنے نڈر کیوں ہو گئے ہو کہ ایک بدترین کام میں اس بے فکری کے ساتھ مبتلا ہو، تمہاری خیریت اسی میں ہے کہ میری بات مانو اور اللہ تعالیٰ سے ڈر کر چلو، میں تمہارے بھلے کی کہتا ہوں اور اس پر تم سے کچھ بدلہ نہیں مانگتا، مجھے وہی رب العالمین اس کا صلہ دے گا جس نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمہیں سمجھاؤں اور ٹیڑھی راہ سے ہٹا کر سیدھے راستہ پر ڈالوں، ہر پیغمبر نے سب سے پہلے اپنی قوم سے یہی کہا کہ مجھے تمہاری اصلاح منظور ہے اپنے لیے شہرت، مال، متاع وغیرہ حاصل کرنا میرا مقصد نہیں اصلی رہنما کی پہچان یہی ہے۔

اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ لُوْطٌ: حضرت لوط علیہ السلام کا واقعہ اس طرح پیش آیا کہ آپ نے حضرت ابراہیم

علیہ السلام کے ساتھ ہی بابل سے ہجرت کی، جب حضرت ابراہیم علیہ السلام پر آپ کی قوم کے لوگوں نے جینا تنگ کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہجرت کا حکم دیدیا، چنانچہ آپ اپنی بیوی سارہ اور بھتیجے لوط علیہ السلام کے ساتھ بابل سے چل نکلے، بابل سے آپ حاران، پھر مصر اور پھر شام وفلسطین آئے، اس ہجرت کا واقعہ "سورۂ عنکبوت" میں ہے، اس وقت حضرت لوط علیہ السلام ہی ابراہیم علیہ السلام پر ایمان لائے تھے اور دوسری آپ کی بیوی تھی، چنانچہ یہ تینوں ہجرت کر کے جب مصر سے شام وفلسطین کی طرف روانہ ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے لوط علیہ السلام کو بھی نبوت عطا فرمائی اور حکم دیا کہ شرقِ اردن کے علاقے میں جا کر اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچاؤ، اس وقت شرقِ اردن میں چھ بڑے بڑے شہر سدوم، عمورہ، دوامہ اور صعود وغیرہ تھے، جن کی آبادی چار لاکھ سے کم نہ تھی، سدوم کو مرکزی حیثیت حاصل تھی، یہ علاقہ بڑا سرسبز تھا، کھیتی باڑی اور باغ عام تھے، بڑے پیمانے پر تجارت بھی ہوتی تھی، چھوٹے چھوٹے دیہات اور قصبے بھی موجود تھے تو ان لوگوں کی طرف اللہ تعالیٰ نے لوط علیہ السلام کو پیغمبر بنا کر بھیجا۔

بہر حال شرقِ اردن پہنچ کر لوط علیہ السلام نے ان لوگوں کو مخاطب کیا، سب سے پہلے توحید کی دعوت دی۔ کفر، شرک کی برائی بیان کی اور فرمایا: کیا تم ڈرتے نہیں کہ ان برائیوں کی وجہ سے ایک دن پکڑے جاؤ گے، آپ نے انہیں فرمایا: میں تمہارے لیے امانتدار پیغمبر ہوں، میں تمہیں اللہ کا پیغام پہنچا رہا ہوں، پس! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میری بات مانو اور میں اس کام کیلئے تم سے کوئی بدلہ نہیں مانگتا، کیونکہ میرا بدلہ رب العالمین کے ذمے ہے۔

مختلف قوموں کی بیماریاں

پچھلی قوموں میں کفر اور شرک کی بیماری تو تھیں ہی البتہ ہر قوم میں اس کے سوا بعض اخلاقی بیماریاں بھی پائی جاتی تھیں، عاد اور ثمود تکبر اور ظلم میں مبتلا تھیں، وہ بے جا بڑی بڑی عمارتیں، گنبد اور مینار بناتے تھے، جن کا کوئی خاص فائدہ نہ تھا، بلکہ محض دکھاوا مقصود تھا، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم بھی بدترین قسم کے شرک میں مبتلا تھی،

یہ لوگ چاند، سورج اور ستاروں کے پجاری تھے، اس کے علاوہ پتھر کے بت بنا کر ان کی پوجا کرتے تھے، اس کے ساتھ ساتھ بڑے مغرور تھے اور اپنے برے عقیدے اور عمل کے خلاف کوئی بات سننا گوارہ نہیں کرتے تھے، فرعون اور اس کی قوم کا بھی یہی حال تھا وہ بھی اپنے آپ کو سب سے بڑا رب کہتا تھا، جہاں تک لوط علیہ السلام کی قوم کا تعلق ہے تو ان میں کفر وشرک کے علاوہ ہم جنسی کی بیماری پائی جاتی تھے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے یہ بیماری سب سے پہلے اسی قوم میں آئی، ان سے پہلے یہ بیماری کسی قوم میں نہیں پائی جاتی تھی۔

حضرت لوط علیہ السلام کا خاص پیغام

اَتَاْتُوْنَ الذُّكْرَانَ مِنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۶۵﴾ وَ تَذَرُوْنَ مَا خَلَقَ لَكُمْ

کیا آتے ہو تم مردوں کے پاس سے جہان والوں (۱۶۵) اور چھوڑتے ہو جو پیدا کیا لیے تمہارے

رَبُّكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ ؕ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ عٰدُوْنَ ﴿۱۶۶﴾ قَالُوْا لَئِنْ

رب تمہارے نے سے بیویوں تمہاری بلکہ تم لوگ حد سے نکل جانے والے ہو (۱۶۶) بولے البتہ اگر

لَّمْ تَنْتَهِ يٰلُوْطُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُخْرَجِيْنَ ﴿۱۶۷﴾ قَالَ اِنِّيْ لِعَمَلِكُمْ

نہ باز آیا تو اے لوط! البتہ ہوجائے گا سے نکالے ہوؤں (۱۶۷) کہا میں تو واسطے تمہارے عمل

مِّنَ الْقَالِيْنَ ﴿۱۶۸﴾ رَبِّ نَجِّنِيْ وَ اَهْلِيْ مِمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶۹﴾

سے نفرت کرنے والوں میں (۱۶۸) اے رب! نجات دے مجھے اور میرے گھر والوں کو اس سے جو وہ کرتے ہیں (۱۶۹)

با محاورہ ترجمہ: کیا تم جہاں والوں میں سے مردوں کے ساتھ بدفعلی کرتے ہو۔ (۱۶۵) اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے جو عورتیں پیدا کی ہیں ان کو چھوڑتے ہو بلکہ تم لوگ حد سے بڑھنے والے ہو۔ (۱۶۶) قوم کے لوگ بولے اے لوط! اگر تو باز نہ آیا تو تو نکال دیا جائیگا۔ (۱۶۷) لوطؑ نے کہا میں البتہ تمہارے کام سے بیزار ہوں۔ (۱۶۸) اے میرے رب! مجھے اور میرے ماننے والوں کو اس کام سے بچا جو وہ کرتے ہیں۔ (۱۶۹)

تفسیر

اپنا کام اپنا مرتبہ اچھی طرح قوم کو سمجھانے کے بعد حضرت لوط علیہ السلام نے ان سے کہا کہ یہ تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم جنسی خواہش کو پوری کرنے کیلئے مردوں کے پیچھے دوڑتے ہو اور اللہ تعالیٰ نے جو فطری طریقہ اس کیلئے مقرر کیا ہے، یعنی: عورتوں کو تمہارا جوڑا بنا دیا ہے تا کہ ان سے نکاح کرو اور جنسی خواہش حلال طریقے سے پوری کرو اس کو چھوڑ بیٹھے ہو، بلکہ تم انسانیت کی حد سے نکل جانے والے ہو، یہ سنکر قوم نے جواب دیا کہ: بس! خاموش رہو، اگر تم وعظ ونصیحت سے باز نہ آئے تو یہاں سے نکال دیئے جاؤ گے، حضرت لوط علیہ السلام نے یہ سن کر کہا مجھے تمہارے اس فعل سے سخت نفرت ہے، میں تمہاری اس حرکت پر کیسے چپ رہوں، اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ مجھے اور میرے گھر والوں کو اس برے کام سے محفوظ فرما، یعنی: اس کام اور اس کے نتیجے میں آنے والے عذاب سے بچا۔

اَتَاْتُوْنَ الذُّكْرَانَ مِنَ الْعٰلَمِیْنَ: کیا جہان بھر میں جنسی خواہش پوری کرنے کیلئے تم مردوں کے پاس آتے ہو؟ اور تمہاری بیویوں میں سے تمہارے پروردگار نے جو کچھ تمہارے لئے پیدا کیا ہے، اس کو چھوڑ دیتے ہو، مطلب یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ہم بستری کی خواہش پوری کرنے کیلئے تمہارے لئے تمہاری بیویاں پیدا کی ہیں، تم ان کی طرف توجہ نہیں کرتے، بلکہ اپنے ہم جنس مردوں کے ساتھ جنسی خواہش پوری کرتے ہو، یہ کتنی خلاف فطرت بات ہے، حقیقت یہ ہے کہ تم حد سے بڑھنے والے نہایت ہی ظالم لوگ ہو، تم یہ کام انسانیت کی حد سے گزر کر کر رہے ہو، "سورۃ المعارج" میں ہے، جو کوئی جائز ذرائع کے علاوہ کوئی دوسرا ذریعہ اختیار کرے گا تو وہ زیادتی کرنے والا ہو گا۔ (آیت: ۳۱) اللہ تعالیٰ نے بیوی یا اپنی باندی کے ذریعے خواہش پوری کرنے کو جائز اور حلال قرار دیا ہے، باقی تمام ذریعے حرام ہیں، چنانچہ مشت زنی بھی مکروہ تحریمی میں آتی ہے کہ اس سے کئی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں، جانوروں کے ساتھ بدفعلی بھی حرام ہے، اپنی بیوی سے بدفعلی کرنا بھی حرام ہیں، اللہ کے پیغمبر کا فرمان

ہے: جس شخص نے اپنی عورت سے بدفعلی کی، اس نے گویا اس چیز کا انکار کر دیا جو محمد پر اُتاری گئی، یہ اتنا گندا کام ہے کہ اللہ نے اس کو فحش کے لفظ سے تعبیر کیا ہے۔

لوط علیہ السلام کی قوم سے پہلے یہ گندا کام کسی قوم میں نہیں پایا جاتا تھا، اس کے بعد یہ عام ہو گیا، حتیٰ کہ برطانوی پارلیمنٹ نے یہ قانون پاس کر دیا ہے کہ اگر دو بالغ مرد آپس کی رضامندی سے یہ گندا کام کریں تو ان پر کوئی جرم عائد نہیں ہوتا۔

لوط علیہ السلام کی نجات

فَنَجَّيْنٰهُ وَ اَهْلَهٗۤ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۷۰﴾ اِلَّا عَجُوْزًا فِي الْغٰبِرِيْنَ ﴿۱۷۱﴾ ثُمَّ

پس نجات دی ہم نے اسکو اور گھر والوں اس کے کو سب کو (۱۷۰) مگر ایک بڑھیا میں پیچھے رہنے والوں (۱۷۱) پھر

دَمَّرْنَا الْاٰخَرِيْنَ ﴿۱۷۲﴾ وَ اَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ۚ فَسَآءَ مَطَرُ

اکھاڑ پھینکا ہم نے دوسروں کو (۱۷۲) اور برسایا ہم نے پر ان ایک مینہ پس برا تھا مینہ

الْمُنْذَرِيْنَ ﴿۱۷۳﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَ مَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ

ان ڈرائے ہوؤں کا (۱۷۳) تحقیق میں اس البتہ نشانی ہے اور نہ تھے اکثر ان کے

مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷۴﴾ وَ اِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۷۵﴾ ع ۹ ۱۶ ۱۳

ماننے والے (۱۷۴) اور تحقیق رب آپ کا البتہ وہ زبردست ہے رحم والا ہے (۱۷۵)

بامحاورہ ترجمہ:۔ پھر ہم نے نجات دی لوط کو اور اس کے گھر والوں کو۔ (۱۷۰) مگر ایک بڑھیا رہ گئی رہنے والوں میں (انکی بیوی)۔ (۱۷۱) پھر تباہ کر دیا ہم نے دوسروں کو۔ (۱۷۲) اور ان پر ایک مینہ برسایا، سو کیا برا مینہ تھا ان لوگوں پر جن کو عذاب سے ڈرایا گیا تھا۔ (۱۷۳) البتہ اس واقعہ میں نشانی ہے، اور ان میں اکثر ماننے والے نہیں تھے۔ (۱۷۴) اور یقیناً آپ کا رب طاقتور ہے اور رحم کرنے والا ہے۔ (۱۷۵)

تفسیر

حضرت لوط علیہ السلام کی دعا قبول ہوئی، عذاب کے فرشتے آئے اور حضرت لوط علیہ السلام سے کہا تم اپنے لوگوں کو لے کر راتو رات یہاں سے چلے جاؤ، چنانچہ ارشاد ہے کہ: ہم نے لوط اور اس کے گھر والوں کو تو بچا لیا، لیکن ان میں سے ایک بڑھیا ہلاک ہونے والوں میں پیچھے رہ گئی، پھر ہم نے ان کی قوم کے باقی لوگوں کو بری طرح ہلاک کیا، ان کی بستیوں کو اکھاڑ کر اُوندھا پٹک دیا اور اُوپر سے پتھروں کا مینہ برسا دیا، ان کو پہلے عذاب سے ڈرایا گیا تھا لیکن وہ نہ مانے آخر یہ تباہ کرنے والا مینہ ان کیلئے بہت برا ثابت ہوا، اس واقعہ میں ہمارے غضب اور رحمت کی بڑی نشانی ہے، پھر بھی اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے یاد رکھ! تیرا رب بڑی قوت والا اور بڑی رحمت والا ہے۔

فَنَجَّيْنٰهُ وَ اَهْلَهٗۤ اَجْمَعِيْنَ: ہم نے لوط اور آپ کے گھر والوں سب کو نجات دی، یعنی: اس سزا سے بچا لیا جو اس قوم پر نازل ہوا، مگر ایک بڑھیا اس عذاب سے نہ بچ سکی جو پیچھے رہنے والوں میں تھی، یہ لوط علیہ السلام کی بیوی تھی جو لوط علیہ السلام کے ساتھ بستی سے نہیں گئی تھی، بلکہ قوم کے ساتھ پیچھے ہی رہ گئی تھی، لہذا وہ بھی عذاب کا شکار ہوگئی، حالانکہ وہ لوط علیہ السلام کے اہل خانہ میں سے تھی، بعض کہتے ہیں کہ آپ کی بیوی تھوڑی دور تک آپ کے ساتھ نکلی تھی، مگر پھر قوم کی محبت میں پلٹ آئی، اللہ تعالیٰ نے دو کافرہ عورتوں کا ذکر قرآن پاک میں کیا جو اس کے پاک پیغمبروں کے گھروں میں تھیں، یہ حضرت نوح اور حضرت لوط علیہما السلام کی بیویاں تھیں، یہ دونوں عورتیں ہمارے نیک بندوں کے گھروں میں تھیں مگر انہوں نے ان کے ساتھ خیانت کی، (التحریم: ۱۰)، یعنی: ایمان سے خالی تھیں، اور انہوں نے اپنے شوہروں کا ساتھ دینے کی بجائے کافروں کا ساتھ دیا، البتہ لوط علیہ السلام کی بیٹیاں ایماندار تھیں، انہوں نے آپ کے ساتھ بستی کو چھوڑ دیا اور اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچ گئیں۔

احکام ومسائل

وَ اَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ۚ فَسَآءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِيْنَ: اس آیت سے ثابت ہوا کہ بدفعلی کرنے

والے پر دیوار گرانے یا بلند مقام سے نیچے پھینکنے کی سزا جائز ہے، جیسے: حنفیہ کا مسلک ہے، کیونکہ لوط کی قوم اسی طرح ہلاک کی گئی تھی کہ ان کی بستیوں کو اوپر اٹھا کر الٹا زمین پر پھینک دیا گیا تھا۔ (شامی: کتاب الحدود)

حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم

كَذَّبَ اَصْحٰبُ لْئَيْكَةِ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۷۶﴾ اِذْ قَالَ لَهُمْ شُعَيْبٌ اَلَا
جھٹلایا والوں ایکہ نے پیغمبروں کو (۱۷۶) جب کہا سے ان شعیب نے کیا

تَتَّقُوْنَ ﴿۱۷۷﴾ اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ﴿۱۷۸﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ
نہیں ڈرتے تم (۱۷۷) تحقیق میں طرف تمہاری پیغمبر معتبر (۱۷۸) پس ڈرو اللہ سے اور

اَطِيْعُوْنِ ﴿۱۷۹﴾ وَ مَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا
اطاعت کرو میری (۱۷۹) اور نہیں مانگتا میں تم سے پر اس کوئی بدلہ نہیں اجر میرا مگر

عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۸۰﴾
پر رب جہانوں کے (۱۸۰)

بامحاورہ ترجمہ: ایکہ والوں نے پیغمبروں کو جھٹلایا۔ (۱۷۶) جب شعیب نے ان سے کہا کیا تم ڈرتے نہیں۔ (۱۷۷) بیشک میں تمہاری طرف معتبر پیغمبر بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ (۱۷۸) سو! اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مانو۔ (۱۷۹) اور میں اس پر تم سے کوئی بدلہ نہیں مانگتا میرا بدلہ تو جہانوں کے پیدا کرنے والے پر ہے۔ (۱۸۰)

لفظی تحقیق: اَصْحٰبُ لْئَيْكَةِ: ایکہ والے۔

تفسیر

یہ لوگ مدین کے رہنے والے تھے، جو ایکہ کی پوجا کرتے تھے، جو اس کے قریب کے جنگل کا ایک

درخت تھا ایسے ہی جیسے اکثر ہندو پیپل کی پوجا کرتے ہیں، حضرت شعیب علیہ السلام اسی قوم کے ایک فرد تھے، لیکن چونکہ یہاں ان کی قوم کو ایک درخت کا پجاری کہا گیا ہے؛ اس لیے شعیب کو ان کا بھائی نہیں کہا گیا، کیونکہ وہ مدین کی قوم میں ہونے کی حیثیت سے ان کے بھائی ہیں نہ کہ درخت کے پجاری ہونے کی حیثیت سے۔

شعیب علیہ السلام بھی پہلے وہی پیغام دیا جو اور سب پیغمبروں نے دیا، یعنی: اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور مجھے اس کا پیغمبر مانو، مجھے اپنا پیغام جوں کا توں پہنچانے کیلئے اللہ نے اپنا پیغمبر مقرر کیا ہے، اور میں اس حیثیت سے بالکل اعتماد کے قابل ہوں، میں تمہیں اپنی پیروی کیلئے اس لئے نہیں کہتا کہ مجھے تم سے کچھ لالچ ہے اور اپنے لیے مال وجاہ تم سے حاصل کرنا چاہتا ہوں، میرے کام کا بدلہ تو مجھے رب العالمین ہی دے گا۔

میں تم سے کچھ نہیں مانگتا، یہ بات سارے پیغمبر اس لیے کہتے رہے ہیں کہ لوگ انہیں غرض مند سمجھ کر ان سے بہک نہ جائیں۔

حضرت شعیب علیہ السلام

اس سورۂ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے نصیحت اور عبرت کی غرض سے چند پیغمبروں کا ذکر فرمایا ہے، پچھلی آیتوں میں لوط علیہ السلام کا ذکر ہوا، اب شعیب علیہ السلام کے حالات بیان کیے جا رہے ہیں، آپ کے بھیجنے کے سلسلہ میں دو جگہ کا نام آتا ہے، مدین اور ایکہ۔ بعض کہتے ہیں کہ: مدین اور ایکہ کے لوگ دو مختلف قومیں تھیں اور اللہ تعالیٰ نے دونوں کی طرف آپ کو پیغمبر بنا کر بھیجا اور بعض کہتے ہیں کہ یہ ایک ہی قوم تھی، مدین ان کے قبیلے کا نام تھا اور اسی نام کی بستی بھی تھی، ایکہ گھنے جنگلات کو کہتے ہیں۔ (روح المعانی) اور یہ لوگ اپنے علاقے میں واقع جنگل سے بھی فائدہ اٹھاتے تھے؛ اس لیے ان کو اصحاب الایکہ، یعنی: جنگل والے بھی کہا گیا ہے، بہر حال اللہ تعالیٰ نے مدین اور ایکہ کی طرف شعیب علیہ السلام کو پیغمبر بنا کر بھیجا، ان کا سلسلہ نسب پانچویں یا چھٹی پشت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے جا ملتا ہے۔

پیغمبروں کے یہ واقعے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی تسلی کیلئے بیان کیے جا رہے ہیں، تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ کو خبر ہو کہ مختلف قوموں نے اپنے اپنے پیغمبروں کے ساتھ کیسا سلوک کیا، پیغمبروں نے کیا کیا تکلیفیں برداشت کیں مگر صبر و ہمت سے کام لیا، لہٰذا آپ کے ساتھ پیش آنے والے حالات کوئی نئی چیز نہیں ہے، حق کے راستے پر چلنے والوں پر اس قسم کی آزمائش آیا ہی کرتی ہیں؛ اس لیے آپ بھی ان کو برداشت کریں، اللہ تعالیٰ کا واضح فرمان ہے: آپ باہمت پیغمبروں کی طرح صبر کریں اور نافرمانوں کو سزا دلوانے میں جلدی نہ کریں۔ (الاحقاف: ۳۵)

شعیب علیہ السلام کی قوم کا تعارف

شعیب علیہ السلام کی قوم بھی بڑی ترقی یافتہ قوم تھی، یہ زیادہ تر تجارت پیشہ لوگ تھے، ان کی بستیاں بڑی شاہراہ پر واقع تھیں، خراسان اور ہندوستان کے تجارتی قافلے اسی شاہراہ کے ذریعے مصر اور شام جاتے تھے اور افریقہ کے قافلے اسی راستہ سے اِدھر اُدھر آتے تھے، اس قوم کی اخلاقی بیماری یہ تھی کہ یہ لوگ ناپ تول میں کمی زیادتی کرتے تھے، جس کی وجہ سے لوگوں کے حقوق ضائع ہوتے تھے، شعیب علیہ السلام کے قوم سے خطاب کے بعض حصے "سورہ ہود" میں بھی موجود ہیں، آپ نے قوم کی توجہ اس طرف دلائی کہ تجارت میں ڈنڈی مار کر لوگوں کے حقوق ضائع نہ کرو، بلکہ تمام حقوق ٹھیک ٹھیک ادا کرو اور اس کے بعد (آیت: ۸۶) جو کچھ بچ رہے ہیں، وہی تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم میں ایمان والے ہو اور جو چیز تم بے ایمانی سے حاصل کروگے، وہ خیر و برکت سے خالی ہوگی، یہی بیماری مدینہ والوں میں بھی پائی جاتی تھی، یہودی زیادہ تر تجارت پیشہ لوگ تھے، اور وہ دیتے وقت کم تولتے تھے جس کا ذکر "سورہ مطففین" میں موجود ہے۔

حضرت شعیب علیہ السلام کا خاص پیغام

اَوْفُوا الْکَیْلَ وَ لَا تَکُوْنُوْا مِنَ الْمُخْسِرِیْنَ ﴿۱۸۱﴾ وَ زِنُوْا
پورا کرو ماپ کو اور مت ہو میں سے کم کرنے والوں (۱۸۱) اور تولو

بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِیْمِ ﴿۱۸۲﴾ وَ لَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْیَآءَهُمْ
سے ترازو ٹھیک (۱۸۲) اور مت گھٹاؤ لوگوں کی چیزوں کو

وَ لَا تَعْثَوْا فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِیْنَ ﴿۱۸۳﴾ وَ اتَّقُوا الَّذِیْ خَلَقَکُمْ
اور مت دوڑو میں زمین فساد پھیلاتے ہوئے (۱۸۳) اور ڈرو اس سے جس نے پیدا کیا تمہیں

وَ الْجِبِلَّةَ الْاَوَّلِیْنَ ﴿۱۸۴﴾
اور مخلوقات پہلی کو (۱۸۴)

بامحاورہ ترجمہ:۔ (حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا) پورا کرو ماپ کو اور نقصان دینے والے مت بنو۔(۱۸۱) اور تولو سیدھی ترازو سے۔(۱۸۲) اور مت کم دو لوگوں کو ان کی چیزوں میں اور مت دوڑو ملک میں خرابی پھیلاتے ہوئے۔(۱۸۳) اور ڈرو اس سے جس نے تمہیں اور پہلی مخلوق کو بنایا یعنی پہلے لوگوں کو پیدا کیا۔(۱۸۴)

لفظی تحقیق: قِسْطَاسِ: ترازو۔ مطلب یہ ہے کہ جو چیزیں ناپ کر دی جاتی ہیں انہیں پورا پورا ناپو اور جو وزن سے بکتی ہیں ان کا ٹھیک ٹھیک ترازو سے وزن کرو۔ جِبِلَّةٌ: مخلوق۔

تفسیر

حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کے لوگ لالچی اور حریص تھے، معاملات میں انتہائی خودغرضی سے کام لیتے

تھے، گاہک سے دام تو پورے لیتے تھے، لیکن ناپ تول میں کمی کرتے تھے اور لوگوں کا حق مارتے تھے، حضرت شعیب علیہ السلام نے انہیں سمجھایا کہ تم عدل وانصاف سے کام لو، یعنی: پورا دو پورا لو، نہ کم دو نہ زیادہ لو، لوگوں کی ضرورت کی چیزوں میں کمی کرنا اور اپنے دام پورے لے لینا یہ تمہیں کس نے سکھایا، یہ گھٹیا پن کا بدترین درجہ ہے، دوسری بری بات ان میں یہ تھی کہ وہ ڈاکو بھی تھے، لوگوں کو مار پیٹ کر ان کا مال چھین لیتے تھے ان کی ان حرکتوں سے لوگ بہت تنگ تھے، مگر انہیں اس کا کچھ احساس نہ تھا، کسی کو نقصان پہنچے یا کسی کی جان جائے ان کی بلا سے ان کے پاس مال آجائے، حضرت شعیب علیہ السلام نے ان سے کہا دیکھو! ان کاموں سے باز آؤ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو جس نے تمہیں پیدا کیا تم سے پہلے لوگوں کا پیدا کرنے والا بھی وہی ہے۔

بہرحال شعیب علیہ السلام نے قوم کو ان کی اخلاقی کمزوری کی طرف توجہ دلاتے ہوئے فرمایا: پورا کرو ماپ اور نہ بنو گھٹانے والوں میں، قرآن کے اُترتے وقت مد اور صاع وغیرہ کے پیمانے ہوتے تھے، انہی پیمانوں کے متعلق فرمایا کہ: جب گندم، جو کھجوریں یا دوسرے اناج ماپ کر دو تو پورا پورا ماپو اور اس میں کمی نہ کرو کہ اس سے لینے والے کا حق ضائع ہوگا۔

اور جب کسی چیز کو تول کر دو تو سیدھی ترازو کے ساتھ تولو، اس میں کمی زیادتی نہ کرو، تولنے میں ڈنڈی مارنا لوگوں کے حق میں خیانت کرنا ہے۔ جس کی پکڑ ہوگی۔

تاجروں کی ذمہ داری

"ترمذی شریف" میں کی روایت میں آتا ہے کہ ایک دفعہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بازار تشریف لے گئے تو آپ نے تاجروں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: اے تاجروں کے گروہ! آج دو چیزیں تمہارے سپرد ہیں، انہیں دو چیزوں میں کوتاہی کرنے کی وجہ سے پہلے کئی امتیں تباہ ہوئیں، یہ دو چیزیں ماپ اور تول ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ شعیب علیہ السلام کے علاوہ بھی کئی قومیں اس بیماری میں مبتلا رہی ہیں؛ اسی لیے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خبردار کیا کہ آج تم یہ

دو چیزیں تمہارے سپرد ہیں، دیکھنا کسی کا حق ضائع نہ کرنا ورنہ تم بھی پچھلی قوموں کی طرح تباہ ہو جاؤ گے۔

حدیث میں سچے اور امانت دار تاجروں کی بڑی فضیلت آئی ہے، پیغمبر ﷺ کا ارشاد مبارک ہے: سچا اور امانتدار تاجر قیامت والے دن پیغمبروں صدیقوں اور شہیدوں کے ساتھ ہوگا۔ اس کے برخلاف جھوٹی قسم اٹھا کر گاہک کو مطمئن کرنے والے کے متعلق فرمایا: ایسا مال بِک تو جاتا ہے مگر خدا تعالیٰ اس کی برکت کو مٹا دیتا ہے، ایسی کمائی حرام کی کمائی ہوگی اور پھر یہ کسی اچھے ٹھکانے پر بھی نہیں لگے گی، بلکہ مقدمہ، بیماری، رسم ورواج یا لہو ولعب میں ہی صرف ہوگی، جو مال حرام راستے سے آیا۔ وہ اسی راستے سے چلا گیا، برخلاف اس کے جو مال جائز اور حلال راستے سے آتا ہے وہ تمام گھر والوں کیلئے برکت کا سبب ہوتا ہے۔

تاجروں کا ایک اور عیب یہ ہے کہ اگر مال میں کوئی نقص ہو تو وہ اسے ظاہر نہیں کرتے بلکہ چھپا جاتے ہیں اور اس طرح گاہک کو عیب دار مال چلا جاتا ہے۔ یہ بھی بددیانتی ہی کی ایک قسم ہے، اگر کپڑے کا کوئی نقصان تھان پھٹا ہوا ہے، یا اس کی پیمائش کم ہے تو گاہک کو بتا دینا چاہیئے کہ اس میں یہ عیب ہے اور اس کی قیمت میں اس قدر فرق ہے، اب یہ گاہک کی مرضی ہے کہ وہ ایسے مال کو خریدنا پسند کرتا ہے، یا نہیں، کم از کم تاجر نے تو اپنی ذمہ داری پوری کر دی، اسی طرح دیسی مال کو ولائتی یا ولائتی کو دیسی کہہ کر فروخت کرنا بھی بددیانتی میں آتا ہے، ہمارے ہاں اکثر ایسا ہوتا ہے چیز یہاں بنتی ہے مگر مہر دوسرے ملکوں کی لگا دی جاتی ہے، یہ گاہک کو دھوکہ دینا ہے، اور یہی چیز حرام ہے، بعض اوقات ناپنے میں کمی کی جاتی ہے اگر کپڑے کو میٹر کے حساب سے فروخت کیا ہے تو ناپتے وقت میٹر کی بجائے گز استعمال کیا ہے، یا کلو کی بجائے سیر دے دیا ہے، یہ سب باتیں دھوکہ دہی میں آتی ہیں؛ اسی لیے فرمایا کہ: لوگوں سے ان کی چیز مت گھٹاؤ۔

وَ لَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ: اور نہ چلو زمین میں فساد کرتے ہوئے، خدا کے دین اور شریعت کو توڑنا ہی زمین میں فساد پھیلانا ہے، مکہ والے بھی ایسا ہی کرتے تھے ان کی کوشش ہوتی تھی کہ باہر سے آنے والا کوئی شخص پیغمبر ﷺ سے ملنے نہ پائے، وہ جانتے تھے کہ جو کوئی آپ کے پاس پہنچ جاتا تھا تو وہ ایمان

لے آتا تھا، حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کا حال حدیث میں بیان ہوا ہے کہ انہوں نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنا چاہا تو مکہ کے کافروں نے دو دفعہ آپ کی پٹائی کی، اسی طرح حضرت عمرو ابن عبسہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ وہ مکہ آئے تو دیکھا کہ قوم کے لوگ اس قدر مشتعل ہیں کہ آپ تک پہنچنا ہی مشکل ہے، کہتے ہیں کہ میں بڑی مشکل سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچا اور ایمان قبول کیا، مکہ والوں کی یہ باتیں سب زمین میں فساد پھیلانے میں شمار ہیں۔

قوم کا جواب

قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِيْنَ ﴿۱۸۵﴾ وَ مَآ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ

بولے اور کچھ نہیں تو ہے سے جادو کئے ہوؤں (۱۸۵) اور نہیں تو مگر آدمی

مِّثْلُنَا وَ اِنْ نَّظُنُّكَ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۱۸۶﴾ فَاَسْقِطْ عَلَيْنَا كِسَفًا

طرح ہماری اور البتہ ہم گمان کرتے ہیں تجھے میں سے جھوٹوں (۱۸۶) پس گرا پر ہم کوئی ٹکڑا

مِّنَ السَّمَآءِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۱۸۷﴾

سے آسمان اگر ہے تو سے سچوں (۱۸۷)

بامحاورہ ترجمہ:۔ (قوم کے لوگوں نے) کہا تجھ پر تو کسی نے جادو کر دیا ہے۔ (۱۸۵) اور تو بھی ہم جیسا ایک آدمی ہے بلکہ ہمارے خیال میں تو تُو جھوٹا ہے۔ (۱۸۶) اگر تو سچا ہے تو ہم پر آسمان کا کوئی ٹکڑا گرا دے۔ (۱۸۷)

تفسیر

حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم نے ان کا کہنا نہ مانا اور ان کے سمجھانے کے جواب میں کہا کہ معلوم ہوتا ہے کہ تجھ پر کسی نے جادو کر دیا ہے جو ایسی بہکی بہکی باتیں کرتا ہے، اچھا خاصا ہمارے جیسا آدمی ہو کر یہ تجھے کیا سوجھی کہ

پیغمبر بن بیٹھا اور لگا نصیحت کرنے، اب ہم سوا اس کے کہ تجھے جھوٹا سمجھیں اور کیا کہہ سکتے ہیں؟ ہم تیرے پیغمبر ہونے کا دعویٰ نہیں مانتے، تو اگر سچا ہے تو کوئی ایسی انوکھی بات دکھا جو اوروں سے نہیں ہو سکتی اور کچھ نہیں تو آسمان کا کوئی ٹکڑا ہی توڑ کر ہم پر گرا دے اکثر لوگ اپنے سمجھانے والے سے لاپروائی کے ساتھ ایسی ہی باتیں کہہ دیتے ہیں، وہ سمجھتے ہیں کہ نہ یہ ایسا کر سکے گا نہ ہم اسے پیغمبر مانیں گے۔

شعیب علیہ السلام کی قوم کا انجام

قَالَ رَبِّيْٓ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۸۸﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمْ عَذَابُ

کہا رب میرا خوب جانتا ہے جو تم کرتے ہو (۱۸۸) سو انہوں نے جھٹلایا اس کو پس پکڑا ان کو عذاب نے

يَوْمِ الظُّلَّةِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۸۹﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ

دن سائبان کے تحقیق وہ تھا عذاب ایک دن بڑے سخت کا (۱۸۹) تحقیق میں اس

لَاٰيَةً ؕ وَ مَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۹۰﴾ وَ اِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ

البتہ نشانی ہے اور نہیں ہیں اکثر ان کے ماننے والے (۱۹۰) اور تحقیق رب آپ کا البتہ وہ

۱۰ ع ۶ ۱۴

الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۹۱﴾

زبردست ہے رحم والا ہے (۱۹۱)

بامحاورہ ترجمہ: شعیب علیہ السلام نے کہا میرا رب خوب جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔(۱۸۸) پھر انہوں نے اس کو جھٹلایا پھر ان کو سائبان والے دن کے عذاب نے پکڑ لیا، بیشک وہ ایک بڑے سخت دن کا عذاب تھا۔(۱۸۹) البتہ اس بات میں نشانی ہے، اور ان میں سے بہت سے لوگ ماننے والے نہیں ہیں۔(۱۹۰) اور یقیناً آپ کا رب زبردست ہے رحم والا ہے۔(۱۹۱)

لفظی تحقیق: ظُلَّة: سائبان۔ ظُلَّةٌ: وہ چیز جو سر پر سایہ کرے سائبان، چھت یا شامیانہ بن کر چھا جائے۔

تفسیر

حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کی بستی میں ایک دن سخت گرمی پڑی، گرمی سے گھبرا کر لوگ گھروں سے باہر نکل پڑے، سورج کی گرمی سے چھپنے کی کوئی جگہ نہ تھی، آسمان پر سائبان کی طرح بادل نظر آیا جسے دیکھ کر انہیں خیال پیدا ہوا کہ شاید اس کے سایہ میں ٹھنڈک ہو، سب لوگ اس کے نیچے جمع ہو گئے، یکا یک اس میں سے آگ برسنی شروع ہوگئی، ادھر زلزلہ آ گیا اور ہولناک گرج اور چمک پیدا ہوئی اور ساری قوم تباہ ہوگئی، حضرت شعیب علیہ السلام اور ان کے ساتھی بچ گئے، اس ہولناک دن کا نام "یَوْمِ الظُّلَّةِ" (یعنی: سائبان والا دن) ہے، حضرت شعیب علیہ السلام نے قوم کا مطالبہ سن کر بس اتنا کہہ دیا تھا کہ تمہارے برے عملوں سے اللہ تعالیٰ واقف ہے، میں تمہیں سمجھا چکا اور اس کی مخالفت کے خراب نتیجے سے تمہیں خبردار کر چکا، اب اگر تم نہیں مانتے تو وہ جانے اور تم جانو، اس کے بعد "یَوْمِ الظُّلَّةِ" کا واقعہ پیش ہوا، ارشاد ہے کہ: اس واقعہ میں ہماری قدرت کی نشانی ہے پھر بھی اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے، بہرحال آپ کا رب بڑی قدرت والا ہے اور ساتھ ہی مہربان بھی ہے۔

شعیب علیہ السلام نے فرمایا: میرا پروردگار خوب جانتا ہے جو کچھ تم کر رہے ہو، وہ بہتر جانتا ہے کہ کس مجرم کو کس وقت سزا میں پکڑنا ہے، سزا دینا میرا کام نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی پکڑ وقتِ مقررہ پر آ جائیگی، لہٰذا اس کا انتظار کرو۔

اللہ نے اس قوم کا حال بیان کر کے مکہ والوں کو عبرت دلائی ہے کہ دیکھنا اللہ تعالیٰ کے پیغمبر کی نافرمانی کر کے تم بھی کہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب میں نہ آ جا، چنانچہ اللہ نے فرمایا: اس واقعہ میں عقلمندوں کیلئے نشانی ہے، وہ پچھلی قوموں کا حال دیکھ کر سنبھل سکتے ہیں اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لا سکتے ہیں، مگر حقیقت یہ ہے "مُّؤْمِنِیْنَ" ان میں اکثر ایمان لانے والے نہیں ہیں اور بیشک آپ کا رب البتہ زبردست ہے اور نہایت مہربان ہے، وہ نافرمانوں کو سخت سزا دینے والا ہے، جب کہ مومنوں کیلئے بڑا ہی شفیق اور مہربان ہے۔

قرآن مجید کا ذکر

وَ اِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۹۲﴾ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ﴿۱۹۳﴾

اور تحقیق یہ البتہ اتارا ہوا ہے رب جہانوں کے (۱۹۲) اترا اسے لے کر فرشتہ معتبر (۱۹۳)

عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ﴿۱۹۴﴾ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ

پر دل آپ کے تاکہ ہوں آپ سے ڈرانے والوں (۱۹۴) زبان عربی

مُّبِيْنٍ ﴿۱۹۵﴾ وَ اِنَّهٗ لَفِيْ زُبُرِ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۹۶﴾ اَوَ لَمْ يَكُنْ لَّهُمْ اٰيَةً

واضح میں (۱۹۵) اور تحقیق وہ ہے البتہ میں کتابوں پہلوں کی (۱۹۶) اور کیا نہیں ہے لیے ان کے یہ ایک نشانی

اَنْ يَّعْلَمَهٗ عُلَمٰٓؤُا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۱۹۷﴾

کہ جانتے ہیں اسے پڑھے لکھے لوگ بنی اسرائیل کے (۱۹۷)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور یہ قرآن مجید رب العالمین کا اتارا ہوا ہے۔(۱۹۲) اس کو ایک معتبر فرشتہ لے کر اترا ہے۔(۱۹۳) آپ کے دل پر تاکہ آپ ڈر سنانے والوں میں سے ہوں۔(۱۹۴) کھلی عربی زبان میں۔(۱۹۵) اور اس کا ذکر پہلی کتابوں میں موجود ہے۔(۱۹۶) کیا یہ ان کے واسطے نشانی نہیں کہ بنی اسرائیل کے پڑھے لکھے لوگ اس کی خبر رکھتے ہیں۔(۱۹۷)

لفظی تحقیق: زُبُر: کتابیں۔ زبور کی جمع ہے، یہاں اس سے مراد آسمانی صحیفے ہیں جو پہلے پیغمبروں پر اترے۔

تفسیر

شروع سورت میں ارشاد ہوا تھا کہ یہ قرآن ایک واضح اور کھلی کتاب ہے جو اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی

ہدایت کیلئے نازل کی ہے مگر یہ لوگ اس کا انکار کرتے ہیں، تو ان کی سمجھ کا قصور ہے، اس انکار کی سزا انہیں بھگتنا پڑے گا، اس بات کو پہلے لوگوں کے قصے بیان کرکے واضح کیا گیا ہے، اس کے بعد اب تنبیہ کی جاتی ہے کہ یہ قرآن اللہ تعالیٰ کی نازل کی ہوئی کتاب ہے، جسے معتبر فرشتہ جبرائیل لے کر آیا ہے اور اے پیغمبر! آپ کے دل میں اسے اتار دیا، کیونکہ آپ کو انسانوں کیلئے ڈر سنانے والا بنا کر بھیجا گیا ہے، تاکہ انہیں بتادیں کہ برے کاموں کا نتیجہ ان کے حق میں بہت برا ہوگا، پہلے پیغمبروں پر جو کتابیں آئیں ان میں اس آخری کتاب کا ذکر موجود ہے، مطلب یہ ہے کہ قرآن کا ذکر اور اس کی پیشن گوئیاں پہلی آسمانی کتابوں میں بھی موجود ہیں، بنی اسرائیل کے عالم اسے خوب پہچانتے ہیں، کیا یہ اس بات کی نشانی نہیں کہ یہ کتاب برحق ہے جس میں کسی کو شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔

نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ: اس کو ایک امانتدار فرشتہ جبرائیل علیہ السلام لے کر اترا ہے، روح سے مراد جبرائیل فرشتہ ہے جو تمام پیغمبروں پر وحی لیکر اترتا رہا، اور وہ امانت دار ہے کہ اللہ تعالیٰ کا پیغام بغیر کسی کمی اور زیادتی کے ٹھیک اس کے پیغمبروں تک پہنچاتا رہا ہے، یہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک نہایت محترم فرشتہ ہے، جس نے اس قرآن پاک کو اتارا ہے آپ کے قلبِ مبارک پر، تاکہ ہوجائیں آپ ڈر سنانے والوں میں سے، گویا اتارنے کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ مجرموں کو ان کے برے انجام سے آگاہ کردیا جائے، اللہ نے "سورۃ المدثر" میں بھی اسی بات کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اے کمبل اوڑھنے والے! آپ اٹھ کھڑے ہوں اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو ان کے برے انجام سے ڈرادیں، ہر پیغمبر جو نیکی والوں کو اچھے انجام کی خوشخبری اور برائی والوں کو برے انجام سے ڈراتا ہے۔

بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ: جو بالکل واضح عربی زبان میں ہے، اس سے یہ بھی مراد لیا جاسکتا ہے کہ عربی زبان میں نازل ہونے والا یہ قرآنِ پاک اللہ تعالیٰ کے حکموں کو کھول کھول کر بیان کرتا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ قرآن پاک وہی ہے جو عربی میں ہے، کسی دوسری زبان میں ہونے والا ترجمہ قرآن تو کہلا سکتا ہے مگر قرآن نہیں ہوسکتا، بعض بے دین قسم کے لوگ کہتے ہیں کہ ہم عربی کو سمجھتے نہیں، لہذا اگر نماز اپنی

زبان اردو، پنجابی، وغیرہ میں پڑھ لیا کریں تو مطلب بھی سمجھ میں آئے گا اور نماز اچھے طریقے سے ادا ہوگی، یہ سخت بے دینی کی بات ہے، بجائے اس کے کہ نماز اور قرآن پاک کی چند سورتوں کا ترجمہ سیکھ لیا جائے، انہوں نے نماز کو اردو میں منتقل کرنے کی تجویز پیش کردی ہے، کتنے افسوس کی بات ہے کہ !لوگ انگریزی، فارسی، فرانسیسی اور جرمن زبانیں سیکھنے کو کوئی مشکل نہیں سمجھتے، مگر قرآن پاک کی زبان عربی کو باری آتی ہے تو اس کو سیکھنے کے بجائے قرآن اور نماز کے ترجمے پر گزارہ کرنا چاہتے ہیں، آدمی تھوڑی سی کوشش کرے تو نماز کی حد تک تو قرآن کے الفاظ اور ترجمہ سیکھ سکتا ہے اور پھر پوری دلجمعی کے ساتھ نماز ادا کرسکتا ہے۔

اَوَ لَمْ یَكُنْ لَّهُمْ اٰیَةً: کیا ان کیلئے یہ نشانی کافی نہیں ہے کہ اس قرآن پاک کو بنی اسرائیل کے علماء جانتے ہیں کہ یہ واقعی وہی کتاب ہے جسکی پیشن گوئیاں پہلی کتابوں میں موجود ہیں، چنانچہ مصنف مزاج بنی اسرائیل کے علماء اس کی گواہی دیتے تھے، ان میں حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اور بعض دوسرے علماء شامل ہیں، جو پہلی کتابوں کے عالم تھے اور جنہیں اللہ تعالیٰ نے ایمان کی دولت بھی نصیب فرمائی، انہوں نے تصدیق کی یہ قرآن اللہ تعالیٰ کی سچی کتاب ہے، کیا بنی اسرائیل کے علماء کے یہ گواہی مکہ کے مشرکوں کیلئے کافی نہیں کہ وہ بھی اس کو اللہ تعالیٰ کی سچی کتاب مان کر ایمان لائے، اس کے باوجود یہ لوگ انکار کرتے ہیں؟

نہ ماننے کے سو بہانے

وَ لَوْ نَزَّلْنٰهُ عَلٰى بَعْضِ الْاَعْجَمِیْنَ ﴿۱۹۸﴾ فَقَرَاَهٗ عَلَیْهِمْ مَّا كَانُوْا

اور اگر اتارتے ہم اسے پر کسی عجمی (۱۹۸) پس وہ پڑھتا اسے پر ان نہ تھے

بِهٖ مُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۹۹﴾ كَذٰلِكَ سَلَكْنٰهُ فِیْ قُلُوْبِ الْمُجْرِمِیْنَ ﴿۲۰۰﴾ لَا

پر اس ایمان لانے والے (۱۹۹) اسی طرح چلا دیا ہم نے انکار میں دلوں مجرموں (۲۰۰) نہ

یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ حَتّٰى یَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِیْمَ ﴿۲۰۱﴾ فَیَاْتِیَهُمْ بَغْتَةً

ایمان لائیں گے وہ پر اس یہاں تک کہ دیکھ لیں عذاب دردناک (۲۰۱) جو آپڑے گا ان پر اچانک

وَّ هُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۲۰۲﴾ فَيَقُوْلُوْا هَلْ نَحْنُ مُنْظَرُوْنَ ﴿۲۰۳﴾

اور وہ نہ جانتے ہوں گے(۲۰۲) تب کہیں گے کیا ہمیں مہلت دی جائے گی(۲۰۳)

بامحاورہ ترجمہ:۔اور اگر ہم اتارتے اس قرآن کو عربی زبان والے کے علاوہ کسی دوسرے پر۔(۱۹۸) اور وہ ان کو اسے پڑھ کر سناتا تو بھی اس پر یقین نہ لاتے۔(۱۹۹) اسی طرح ہم نے مجرموں، یعنی: کافروں کے دلوں میں انکار اتار دیا۔(۲۰۰) وہ نہ مانیں گے جب تک دردناک عذاب نہ دیکھ لیں گے۔(۲۰۱) جو اچانک ان پر آپڑے گا اور انہیں خبر بھی نہ ہوگی۔(۲۰۲) پھر حسرت سے کہنے لگیں گے ہمیں کچھ مہلت بھی دی جائے گی؟(۲۰۳)

لفظی تحقیق: اَعْجَمِیْنَ: ٹوٹی پھوٹی عربی جاننے والے۔ اَعْجَمِیْ کی جمع ہے، وہ شخص جو اچھی طرح یا بالکل عربی نہ جانتا ہو، خواہ وہ عرب ہی میں سے ہو، برخلاف اس کے عجمی وہ ہے جو عرب سے باہر باشندہ ہو، خواہ وہ عربی زبان کا ماہر ہی کیوں نہ ہو۔

تفسیر

پہلے ارشاد ہوا کہ: قرآن عربی میں آیا تو انہوں نے نہ مانا، اس آیت میں ارشاد ہے کہ: فرض کرو ہم ایسے شخص پر قرآن مجید اتارتے جو عربی تھوڑی بہت جانتا یا بالکل عربی سے ناواقف ہوتا اور وہ اسے ان کے سامنے پڑھتا تب بھی یہ ماننے والے نہ تھے، ان کے دل میں تو انکار گھس گیا ہے، یہ تو غرض میں اندھے ہو رہے ہیں، جب تک ان پر کوئی بڑا عذاب نہ آپڑے، یہ ماننے والے نہیں، وہ عذاب ان پر ٹوٹنے والا ہے، مگر وہ اچانک آئے گا اور انہیں خبر بھی نہ ہوگی، اس وقت ہاتھ مل کر کہیں گے، ہائے! اب ہمیں کچھ مہلت مل جاتی تو ہم مان کر دکھاتے، بھلا! پھر کہیں مہلت مل سکتی ہے؟

وَلَوْ نَزَّلْنٰهُ عَلٰى بَعْضِ الْاَعْجَمِيْنَ: اور اگر ہم اتارتے اس قرآن کریم کو کسی عجمی (غیر عربی) پر

پھر وہ ان کو پڑھ کر سناتا تو پھر بھی یہ لوگ ایمان نہ لاتے، پھر ان کا بہانہ یہ ہوتا کہ ہم عربی ہیں اور عجمی کی بات کیسے سمجھ سکتے ہیں، کافر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اللہ کا پیغمبر عربی ہے اور قرآن بھی عربی ہے کہ یہ اس کے خود کا بنایا ہوا ہے، اگر یہ قرآن کسی غیر عربی پر اترتا اور ہمیں پڑھ کر سناتا تو ہم مان جاتے کہ واقعی یہ خدا کا کلام ہے، جو ایک غیر عربی کی زبان سے ادا ہو رہا ہے، مطلب یہ منکروں نے ہر صورت میں انکار ہی کرنا ہوتا ہے، وہ کوئی بھی حیلہ بہانہ تلاش کر سکتے ہیں۔

مہلت بے کار ہے

اَ فَبِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُوْنَ ۝ اَفَرَءَيْتَ اِنْ مَّتَّعْنٰهُمْ سِنِيْنَ ۝

کیا پس عذاب ہمارے کو جلدی مانگتے ہیں (۲۰۴) ذرا دیکھیں آپ اگر ہم فائدہ پہنچائیں انہیں برسوں (۲۰۵)

ثُمَّ جَآءَهُمْ مَّا كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ ۝ مَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا

پھر آئے ان کے پاس جو تھا ان سے وعدہ کیا گیا (۲۰۶) نہ کام آئے گا ان کے جو تھے وہ

يُمَتَّعُوْنَ ۝ وَ مَآ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ اِلَّا لَهَا مُنْذِرُوْنَ ۝

فائدہ اٹھاتے (۲۰۷) اور نہیں ہلاک کی ہم نے کوئی بستی مگر اس کیلئے ڈرانے والے تھے (۲۰۸)

ذِكْرٰى ۛ وَ مَا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ۝

یاد دلانے کو اور نہیں ہم ظلم کرنے والے (۲۰۹)

بامحاورہ ترجمہ: کیا وہ ہمارا عذاب جلدی مانگتے ہیں۔ (۲۰۴) ذرا دیکھیں آپ اگر ہم انہیں برسوں فائدہ پہنچاتے رہیں۔ (۲۰۵) پھر پہنچے انہیں جس چیز کا ان سے وعدہ تھا۔ (۲۰۶) تو وہ جو فائدہ اٹھاتے رہیں ان کے کیا کام آئے گا۔ (۲۰۷) اور ہم نے کوئی بستی ہلاک نہیں کیا جس کے لئے ڈرانے والے نہ تھے۔ (۲۰۸) یاد دلانے کو اور ہمارا کام نہیں ظلم کرنا۔ (۲۰۹)

تفسیر

ارشاد ہے کہ: کیا یہ چاہتے ہیں کہ عذاب جلدی آجائے، مطلب یہ ہے کہ ان کا رویہ اس قدر مخالفانہ ہے کہ عذاب کو خود دعوت دے رہے ہیں مگر جب وہ آجائے تو پھر مہلت مانگنے لگیں گے، ان سے یہ کہہ دو کہ یہاں جو تمہیں فرصت ملی ہوئی ہے، اسے غنیمت سمجھو اور آیندہ کی بہتری کیلئے کچھ سامان فراہم کرلو ورنہ اگر اسی غفلت کے اندر عذاب آگیا تو یہ ساری سالہا سال کی عیش و عشرت کی مدت اس وقت چند گھڑی کے برابر معلوم ہوگی اس مدت کی قدر کرو اور جلدی مت مچاؤ۔

آگے ارشاد ہے کہ: ہم کسی بستی کو تباہ کرنے سے پہلے اس کے اندر ڈرانے والے پیغمبر بھیج دیتے ہیں جو انہیں نصیحت کرتے ہیں ہم کسی پر ظلم کرنے والے نہیں ہم تو پہلے اپنا پیغمبر بھیج کر نیک و بد سمجھا دیتے ہیں۔

اَفَرَءَيْتَ اِنْ مَّتَّعْنٰهُمْ سِنِيْنَ: یہ جس طرح آج عیش و آرام میں پڑے ہوئے ہیں، اسی طرح ہم ان کو مزید سال ہا سال تک اس دنیا میں فائدہ پہنچاتے رہیں پھر سال ہا سال کے عیش و آرام کے بعد اگر ان پر عذاب آجائے تو یہ مال و دولت اور مرتبہ ان کو کچھ فائدہ نہیں دیگا، کوئی چیز ان کو اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے نہیں بچا سکے گی، دنیا میں عیش و عشرت کے یہ ساز و سامان دھرے کے دھرے رہ جائیں گے، اور اس وقت یہ لوگ افسوس کریں گے۔

آگے اللہ نے تسلی کے سلسلے میں فرمایا: ہم نے کسی بستی کو ہلاک نہیں کیا مگر یہ کہ اس کے لئے ڈرانے والے ہوتے تھے، پہلے اللہ تعالیٰ پیغمبر بھیج کر ان کو کفر کے برے انجام سے ڈراتا ہے اور پھر کسی قوم پر پکڑ کرتا ہے، یہ نصیحت کی باتیں ہیں جو لوگوں کو سمجھائی جاتی ہیں، تاکہ وہ ایمان قبول کرلیں، ایسا نہیں ہوتا کہ بغیر خبردار کیے اچانک کسی قوم پر عذاب آجائے، "سورہ بنی اسرائیل" میں بھی ہے، ہم کسی قوم کو اس وقت تک سزا نہیں دیتے جب تک کہ ان کی طرف پیغمبر نہیں بھیجتے جو ان کو خدا تعالیٰ کا پیغام پہنچاتا ہے۔ (آیت: ۱۵) پھر جب وہ انکار پر جے

رہتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب آ جاتا ہے، اور ہم ظالم نہیں ہیں، یعنی: کسی پر زیادتی نہیں کرتے کہ پیغمبر بھیجے بغیر کسی قوم پر عذاب اتار دیں۔ یہ ہمارے طریقے کے خلاف ہے۔

قرآن حق ہے

وَ مَا تَنَزَّلَتْ بِهِ الشَّيٰطِيْنُ ﴿۲۱۰﴾ وَ مَا يَنْۢبَغِيْ لَهُمْ وَ مَا
اور نہیں اترے اسے لیکر شیطان (۲۱۰) اور نہ وہ مناسب ہے لیے ان کے اور نہ

يَسْتَطِيْعُوْنَ ﴿۲۱۱﴾ اِنَّهُمْ عَنِ السَّمْعِ لَمَعْزُوْلُوْنَ ﴿۲۱۲﴾ فَلَا تَدْعُ
وہ اس کی طاقت رکھتے ہیں (۲۱۱) تحقیق وہ تو سے اس کے سننے برطرف کردیے گئے ہیں (۲۱۲) پس نہ پکار

مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَكُوْنَ مِنَ الْمُعَذَّبِيْنَ ﴿۲۱۳﴾ وَ اَنْذِرْ
ساتھ اللہ کے معبود اور کوئی پس ہو جائیں گے آپ سے عذاب دیے گیوں (۲۱۳) اور ڈرا دے

عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ﴿۲۱۴﴾ وَ اخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ
رشتہ داروں اپنے کو جو زیادہ قریب ہیں (۲۱۴) اور جھکا بازو اپنے واسطے اس کے جو پیروی کرے آپ کی

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۱۵﴾
سے ایمان والوں (۲۱۵)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور اس قرآن کو شیطان لیکر نہیں اترے۔ (۲۱۰) اور نہ وہ اس کے لائق ہیں۔

(۲۱۱) ان کو تو سننے کی جگہ سے برطرف کر دیا گیا ہے۔ (۲۱۲) سو! تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسرا معبود مت پکاریں ورنہ آپ بھی عذاب میں گرفتار لوگوں میں ہو جاؤ گے۔ (۲۱۳) اور اپنے قریب کے رشتہ داروں کو ڈر سنا دیں۔

(۲۱۴) اور آپ کے ساتھ ایمان والے ہیں ان کے واسطے اپنے بازو نیچے رکھیں۔ (۲۱۵)

تفسیر

عرب میں بہت سے لوگ جادوگر تھے، جنہیں کاہن کہا جاتا ہے، لوگوں کا خیال تھا کہ ان کے پاس جن اور شیطان غیب کی خبریں لاتے ہیں اور مختصر جملوں میں انہیں غیب کی باتیں بتاتے ہیں، بلکہ وہ لوگ شاعروں کے استاد بھی جنوں اور شیطانوں ہی کو مانتے تھے، قرآن مجید کو سن کر انہوں نے یہی کہا کہ (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بھی کاہن یا شاعر ہیں، جو ان باتوں میں اوروں سے بڑھ گئے ہیں۔ (نعوذ باللہ)

ان آیتوں میں اس کا رد کیا گیا ہے کہ پہلے ارشاد ہوا کہ: قرآن مجید کو ایک معتبر فرشتہ لے کر اترا ہے، اس کے بعد ارشاد ہے کہ: شیطان خبیث ایسا پاک کلام کیسے لاسکتا ہے، نہ تو وہ اس کی طاقت رکھتا ہے اور نہ غیب کی باتیں لاسکتا ہے، ان کو تو آسمان پر جانے اور فرشتوں کی باتیں سننے سے روک دیا گیا ہے۔

ان کی کیا مجال کہ آسمانوں پر جا کر غیب کی خبریں اڑا لائیں اگر وہ آسمانوں پر جائیں تو ان پر انگار برستے ہیں اور وہ دُم دبا کر بھاگتے ہیں ان لوگوں کی عقل پر پتھر پڑ گئے ہیں جو کاہنوں کے ٹوٹے پھوٹے فقروں اور قرآن مجید جیسے عظیم الشان کلام میں تمیز نہیں کرسکتے۔

آگے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ارشاد ہے کہ: اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر یا اس کے ساتھ کسی اور کو معبود پکارنا اور اس کی عبادت کرنا ایسی تباہ کرنے والی حرکت ہے کہ اس کی شامت سے عذاب آئے اور پھر آئے، ایسی حرکت کے بعد عذاب سے بچنے کی امید غلط خیال ہے، یہ تو ایسی آفت ہے کہ اگر بالفرض کوئی بڑی اور پاک ہستی جیسے خود آپ کی ذات بھی خدانخواستہ اس میں مبتلا ہوجائے تو اس کی سزا سے نہیں بچ سکتی، شرک اور اس کی سزا کے بیچ میں کوئی چیز آڑے نہیں آسکتی، اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچنے کی ایک ہی صورت ہے کہ اس کے ساتھ کسی کو اس کی ذات وصفات میں شریک نہ کیا جائے۔

اے پیغمبر! آپ کو لازم ہے کہ لوگوں کو توحید کا سبق سکھانے کیلئے فقط اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں اور اس

کے سوا کسی کو نہ پکاریں، پھر یہ خالص توحید کی تعلیم لوگوں میں اس طرح پھیلائیں کہ پہلے اپنے گھر والوں ارقریبی رشتہ داروں کو شرک وکفر کے خراب نتیجوں سے صاف الفاظ میں ڈرادیں اور جو آپ کی سنے اور مانے اس کے ساتھ شفقت اور مہربانی سے پیش آئیں تاکہ مسلمان آپ سے آپس میں برتاؤ کرنے کا طریقہ سیکھیں اور اتفاق اور اتحاد کے ساتھ دین اسلام پر عمل کر کے دنیا بھر کے لوگوں کیلئے نمونہ بنیں۔

ان آیتوں میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو جو نصیحت اور ہدایت کی گئی ہے، اس میں مسلمانوں کو دنیا میں رہنے کا طریقہ بتادیا گیا ہے اور سمجھا دیا گیا ہے کہ دوسروں کی تعلیم کا صحیح طریقہ کیا ہے۔ اول آپ وہی طرزِ عمل پورے طور پر اختیار کرو جو دوسروں کو سکھانا چاہتے ہو، پھر اپنے قریبی رشتہ داروں اور ساتھیوں کو اس طرز پر ڈالو، جب آپ خود اور آپ کے قریبی رشتہ دار اور ساتھی اس راستہ پر جو آپ سکھانا چاہتے ہو قائم ہو جائیں تو پھر دوسرے عقل مند لوگ آپ کی اچھی عادتیں نیک خصلتیں، آپس کا برتاؤ اور سلجھے ہوئے معاملات دیکھ کر خود بخود آپ کے ماننے والے ہوجائیں گے۔

وَمَا تَنَزَّلَتْ بِهِ الشَّيٰطِيْنُ: ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اسی غلط خیال کی تردید کی ہے اور واضح کیا ہے کہ شیطان اور جن قرآن نہیں بنا سکتے اور نہ ہی انہوں نے یہ اتارا ہے، مشرک لوگ محض اپنی بیوقوفی اور ضد کی بناء پر ایسا کہتے ہیں۔

شیطانوں کے تو یہ لائق ہی نہیں ہے کہ وہ قرآن اتار سکیں اور نہ وہ ایسا کرنے کی استطاعت رکھتے ہیں، ان کے تو بس کی بات ہی نہیں ہے، قرآن کا نزول تو درکنار شیطانوں کو تو اس جگہ سے بھی دور رکھا جاتا ہے، جہاں سے قرآن سنا جاسکتا ہے، ان کو تو قریب تک نہیں پھٹکنے دیا جاتا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ شیطانوں کا کلام تو شر وفساد پر مبنی ہوگا۔ جس سے لوگوں کی سوچ اور فکر خراب ہوں اور عقیدے بگڑیں، شیطانوں کا تو کام ہی بداخلاقی، بداعمالی، فحاشی بدکاری اور لڑائی جھگڑا پیدا کرنا ہے، اس کے برخلاف اللہ تعالیٰ کا پاک کلام پڑھنے سے فکر صحیح اور عقیدہ درست ہوتا ہے، انسان کے اخلاق واعمال اچھے

ہوتے ہیں اور وہ شر و فساد سے دور رہتے ہیں۔

وَ اَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ: اور آپ اپنے قریبی رشتہ داروں کو عذاب سے ڈرائیں، تبلیغ کا ابتداء اپنے گھر سے کرنا ایک بہت بڑا اصول ہے، جب یہ آیت اتری تو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سارے قریش کو اکٹھا کیا، "بخاری شریف" میں آتا ہے کہ آپ نے اپنی پھوپھی، بیٹی اور چچا کو بھی خطاب کیا، آپ نے عمومی خطاب بھی کیا اور خصوصی بھی، آپ نے خبردار کیا کہ ایمان لاکر اپنی جانوں کو دوزخ کی آگ سے بچالو، میں اللہ تعالیٰ کے سامنے تمہارے لئے کسی چیز کا مالک نہیں ہوں، پھر فرمایا: تم مجھ سے مال تو لے سکتے ہو، مگر میں تمہیں دوزخ کی سزا سے نہیں بچاسکوں گا؛ اس لیے اپنی فکر آپ کرلو۔ آپ صفا پہاڑ پر کھڑے ہوگئے اور فرمایا: "یَا صَبَاحَاهُ" یہ نعرہ عرب میں نہایت خطرے کے موقع پر اپنے لوگوں کو جمع کرنے کیلئے لگایا کرتے تھے، جب یہ آواز سن کر چالیس کے قریب آدمی جمع ہوگئے تو آپ نے فرمایا: اے لوگو! اگر میں تم سے کہوں کہ اس پہاڑ کے پیچھے تمہارا دشمن ہے جو تم پر حملہ آور ہونا چاہتا ہے تو کیا تم میری بات پر یقین کرلوگے؟ لوگوں نے کہا کہ ہاں! ہم ضرور یقین کرلیں گے، کیونکہ ہم نے کبھی آپ پر جھوٹ کا تجربہ نہیں کیا، یعنی: آپ ہمیشہ سچ بولتے ہیں، اس کے بعد آپ نے فرمایا: اگر یہ بات ہے تو پھر میں تمہیں خبردار کرتا ہوں کہ بڑے عذاب کے آنے سے پہلے اپنے آپ کو بچالو اور کلمہ طیبہ پڑھ لو، کامیاب ہوجاؤ گے، اس پر قریش سخت ناراض ہوئے اور سب سے پہلے آپ کے چچا ابولہب نے کہا تمہاری تباہی ہو، کیا اس مقصد کیلئے ہمیں جمع کیا تھا؟ غرضیکہ کسی نے آپ کی بات نہ مانی اور چلے گئے۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نرم مزاجی

وَ اخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ: آپ اپنے بازو اپنے ماننے والوں کیلئے پست کردیں ان لوگوں میں سے جو ایمان لائے ہیں، بحیثیت حاکم اور امیر جماعت بھی آپ ایمان والوں کے ساتھ نرمی اختیار کریں، البتہ جب کوئی اللہ تعالیٰ کے حکموں کی خلاف ورزی کرے تو پھر وہ سختی کا حقدار ہے

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ نرم مزاج دنیا میں کوئی نہ تھا، حدیث میں آتا ہے کہ جب کوئی شخص اللہ کی حدود کو توڑتا تو آپ کو ایسا غصہ آتا کہ کوئی بھی آپ کے سامنے ٹھہر نہیں سکتا تھا، آپ مظلوم کو اس کا حق دلائے بغیر چین سے نہیں بیٹھتے تھے، لیکن عام حالات میں جو بھی آپ کے قریب آتا آپ سے محبت کرنے لگتا۔

اللہ تعالیٰ پر بھروسہ

فَاِنْ عَصَوْكَ فَقُلْ اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿٢١٦﴾ وَ تَوَكَّلْ عَلَى

پس اگر نافرمانی کریں آپ کی تو کہہ دیں تحقیق میں بیزار ہوں اس سے جو تم کرتے ہو (۲۱۶) اور بھروسہ کریں پر

الْعَزِیْزِ الرَّحِیْمِ ﴿٢١٧﴾ الَّذِیْ یَرٰىكَ حِیْنَ تَقُوْمُ ﴿٢١٨﴾ وَ تَقَلُّبَكَ

زبردست رحم والے کے (۲۱۷) جو دیکھتا ہے آپ کو جب آپ اٹھتے ہیں (۲۱۸) اور پلٹنا آپ کا

فِی السّٰجِدِیْنَ ﴿٢١٩﴾ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ﴿٢٢٠﴾

میں سجدہ کرنے والوں (۲۱۹) بیشک وہ وہی سننے والا جاننے والا (۲۲۰)

بامحاورہ ترجمہ:۔ پھر اگر آپ کی نافرمانی کریں تو آپ کہہ دیں میں تمہارے کام سے بیزار ہوں۔ (۲۱۶) اور بھروسہ کریں اس زبردست رحم والے پر۔ (۲۱۷) جو آپ کو دیکھتا ہے جب آپ اٹھتے ہیں۔ (۲۱۸) دیکھتا ہے آپ کا نمازیوں میں اٹھنے بیٹھنے کو۔ (۲۱۹) بیشک وہی سننے والا جاننے والا ہے۔ (۲۲۰)

لفظی تحقیق: تَقَلُّبَ: چلنا، پھرنا، حالتیں بدلنا۔ قَلْبٌ: کے معنیٰ الٹ پلٹ کرنے کے ہیں۔

تفسیر

ارشاد ہے کہ: اگر اس پر بھی یہ لوگ آپ کی نہ مانیں تو ان سے صاف کہہ دیں کہ میں تمہارے کاموں سے نفرت کرتا ہوں، آپ کے مخالف کیسے ہی، کتنے ہی، اور کوئی بھی ہوں آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے، اللہ تعالیٰ زبردست ہے اور بڑا رحیم وکریم بھی ہے، اس پر بھروسہ کریں اور ان لوگوں سے بے خوف وخطر ہو کر نفرت اور

بے تعلقی کا اظہار کریں اور اللہ کی عبادت میں مشغول ہو جائیں۔

وہ آپ کو برابر دیکھ رہا ہے، اس وقت بھی جب آپ دوسرے نمازیوں کے ساتھ مل کر قیام، رکوع اور سجود کرتے ہیں اور ان کو نماز کا طریقہ سکھاتے پھرتے ہیں، یقیناً اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا اور سنتا ہے۔

کاہن اور شاعر

هَلْ أُنَبِّئُكُمْ عَلٰى مَنْ تَنَزَّلُ الشَّيٰطِيْنُ ﴿٢٢١﴾ تَنَزَّلُ عَلٰى كُلِّ

کیا بتاؤں میں تم کو پر کس اترتے ہیں شیطان (۲۲۱) اترتے ہیں وہ ہر ایک

اَفَّاكٍ اَثِيْمٍ ﴿٢٢٢﴾ يُّلْقُوْنَ السَّمْعَ وَ اَكْثَرُهُمْ كٰذِبُوْنَ ﴿٢٢٣﴾ وَ

جھوٹے گنہگار (۲۲۲) لا ڈالتے ہیں سنی سنائی اور بہت سے ان میں جھوٹے ہیں (۲۲۳) اور

الشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ ﴿٢٢٤﴾

رہے شاعر ان کی پیروی کرتے ہیں بے راہ لوگ (۲۲۴)

بامحاورہ ترجمہ: میں تمہیں بتاؤں کہ شیطان کس پر اترتے ہیں۔ (۲۲۱) وہ اترتے ہیں ہر جھوٹے گنہگار پر۔ (۲۲۲) جو سنی سنائی بات لا ڈالتے ہیں اور اکثر ان میں جھوٹے ہیں۔ (۲۲۳) اور شاعروں کی بات پر وہی چلتے ہیں جو بے راہ ہیں۔ (۲۲۴)

تفسیر

ارشاد ہوا کہ: یہ لوگ اس قرآن کو شیطانوں کی فضول بکواس کی طرح اور بیکار بے معنی سمجھتے ہیں (نعوذ باللہ) اور حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو کاہن یا شاعر سمجھتے ہیں، یہ ان کی دھاندلی اور ہٹ دھرمی ہے ان کو کیا یہ نہیں سوجھتا کہ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) قول کے سچے، بات کے پکے، دیانت میں مشہور ہیں، اور نیکو کار گناہوں اور بدکاریوں سے بیزار اور سارے اچھے اخلاق کا نمونہ ہیں، ایسی کامل ہستی کے پاس شیطانوں کا کیا کام، وہ تو ان

لوگوں سے میل جول رکھتے ہیں، جو جھوٹے اور دغاباز ہوتے ہیں، بدکاریوں اور گناہوں میں مبتلا ہوتے ہیں، شیطان تو ایسے ہی لوگوں کے پاس آتے ہیں اور ان باتوں کو ان کے پاس لا ڈالتے ہیں، جنہیں وہ چوری چھپے سن کر اڑا لاتے ہیں اور اپنی طرف سے اس میں جھوٹ ملاتے ہیں، ان کا کام سوا جھوٹ باندھنے کے کچھ نہیں، ایسے لوگوں کو تم کاہن ہو، کچھ کہو، حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ان میں سے نہیں ہوسکتے، رہے شاعر تو ان کی حقیقت یہ ہے کہ ان کا کام جذبات کا ابھارنا ہے اور جذبات کا شکار وہی لوگ ہوتے ہیں جنہیں ان کی عقل نے ٹھیک راستہ پر نہیں ڈالا ہوتا ہے۔

اے پیغمبر! آپ کہہ دیں کیا میں تم کو وہ شخص بتاؤں جس پر کہ شیاطین اترتے ہیں؟ وہ تو ہر جھوٹے اور ہر گنہگار شخص پر اترتے ہیں، شیطان سو جھوٹ ملا کر کاہن اور نجومی کے کان میں ڈال دیتے ہیں جو فیس لیکر آگے لوگوں کو خبریں بتاتے ہیں، ان میں سے کوئی ایک بات سچی ہوگئی تو بس مشہوری ہوگئی اور جاہلوں کا ٹولہ پیچھے چل پڑا، اور ان میں سے اکثر جھوٹے ہوتے ہیں، شیطانوں کی حیثیت تو یہ ہے، برخلاف اس کے اللہ کا نبی تو پاک ہوتا ہے، اس کا اخلاق بہترین ہوتا ہے، اس کا دل پاکیزہ ہوتا ہے اور وہ بہترین عادتوں کا مالک ہوتا ہے، جس پر اللہ کی طرف سے فرشتہ جبرائیل قرآن لیکر اترتا ہے، بھلا! شیطانوں کی کیا مجال کہ وہاں دم مار سکیں، ان کا داؤ تو جھوٹے اور گنہگار شخص پر چلتا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر شاعر ہونے کا جھوٹا الزام

مشرک لوگ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق طرح طرح کی باتیں کرتے تھے، کبھی کاہن کہتے، کبھی جادوگر اور کبھی شاعر، کبھی مجنون، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: قرآن کریم شاعری کی کتاب نہیں ہے، شعر و شاعری کے فن سے واقف لوگ خود بھی اقرار کرتے تھے کہ قرآن پاک کو شعر و شاعری کی کتاب نہیں کہا جاسکتا، چنانچہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کے بھائی انیس رضی اللہ عنہ جو خود بہت بڑے شاعر تھے، انہوں نے اپنے بھائی کو کہا جو کہ حدیث میں موجود ہے،

کہتے ہیں کہ میں نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا پیش کیا ہوا کلام سنا ہے، یہ کاہنوں والا کلام نہیں کیونکہ بحیثیت کاہن میں بھی ان کے کلام سے واقف ہوں، پھر کہتے ہیں، میں نے اُسے شعر و شاعری کے وزن پر بھی پرکھا ہے، مگر اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ یہ کسی شاعر کا کلام بھی نہیں ہے، بلکہ یہ تو خدا تعالیٰ کا کلام ہے، جو اس کے علم کے ساتھ اتارا گیا ہے۔

شاعر شعور سے بنا ہے، جس کا معنیٰ سمجھ بوجھ ہوتا ہے، کسی حقیقت کو عام آدمی سمجھ تو سکتا ہے، مگر اسے اچھے انداز میں بیان نہیں کرسکتا، شاعر میں یہ صلاحیت موجود ہوتی ہے کہ وہ اپنی دل کی بات کو نہایت پراثر انداز میں اشعار کی زبان میں پیش کرسکتا ہے، شعر اس لیے بھی پسندیدہ ہوتا ہے۔ کہ ایک شاعر اپنی زبان میں دوسرے لوگوں کی ترجمانی کرتا ہے۔

شعر میں وزن، قافیہ اور ردیف ہوتا ہے، جس کی وجہ سے نثر کی نسبت شعر میں زیادہ کشش پائی جاتی ہے، البتہ اس ضمن میں اصولی بات یہ ہے شعر ایک کلام ہے جس کا اچھا حصہ اچھا ہے اور برا حصہ بہر حال برا ہے، شعروں میں اچھی اور بری دونوں باتیں پائی جاتی ہیں اور دونوں کے خیالات کو شعر میں پیش کیا جاسکتا ہے۔

وَ الشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ: اور شاعروں کے پیچھے چلنے والے اکثر گمراہ لوگ ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے یہاں پر اس فن کے خرابیاں بیان کی ہیں، خرابی تو یہی ہے کہ شاعروں کی پیروی کرنے والے اکثر گمراہ لوگ ہوتے ہیں، مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے وہ مستثنیٰ ہیں وہ گمراہ نہیں ہیں اور نہ ان کے ماننے والے گمراہ ہیں۔

شاعروں کا حال

اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِيْ كُلِّ وَادٍ يَّهِيْمُوْنَ ﴿۲۲۵﴾ وَ اَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ

کیا نہ دیکھا آپ نے کہ وہ میں ہر میدان پریشان گھومتے پھرتے ہیں (۲۲۵) اور یہ کہ وہ کہتے ہیں

مَا لَا يَفْعَلُوْنَ ﴿۲۲۶﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ

جو نہیں کرتے (۲۲۶) مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور کام کیے اچھے اور

ذَكَرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّ انْتَصَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا ؕ وَ
یادکیاانہوں نے اللہ کو بہت اور بدلہ لیا اسکے بعد کہ ان پر ظلم ہوا اور

ع ۱۱ ۱۵

سَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ ﴿۲۲۷﴾
آگے جان لیں گے وہ جنہوں نے ظلم کیا کس پہلو پر جاکر گرتے ہیں (۲۲۷)

بامحاورہ ترجمہ: آپ نے شاعروں کو دیکھا نہیں کہ کہ وہ ہر میدان میں سر مارتے پھرتے ہیں۔(۲۲۵) اور یہ کہ وہ کہتے ہیں جو کرتے نہیں۔(۲۲۶) مگر وہ لوگ جو یقین لائے اور اچھے کام کیے اور اللہ تعالیٰ کی یاد بہت کی اور بدلہ لیا اس کے بعد کہ ان پر ظلم ہوا اور عنقریب ظالم لوگ جان لیں گے کہ کس ٹھکانے پر ٹکے ہیں۔(۲۲۷)

لفظی تحقیق: **يَهِيْمُوْنَ:** سرگرداں ہوتے ہیں۔مضارع کا صیغہ ہے۔**هَيْمَان:** بیکار اِدھر اُدھر گھومنا، کسی خیال میں مست ہو کر دیوانہ وار پھرنا، **اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ:** کون سے ٹھکانے پر جا کر ٹھہرتے ہیں۔ یعنی: ان کا کیا انجام ہوتا ہے ان کے برے اعمال کا کیا نتیجہ ہوگا۔

تفسیر

کیا آپ نے دیکھا نہیں کہ شاعر لوگ خیالوں کی ہر وادی میں بھٹکتے پھرتے ہیں، طرح طرح کے خیالات باندھتے ہیں اور ایسی بے تکی باتیں کرتے ہیں، جن کی کوئی جڑ بنیاد نہیں ہوتی، بلکہ محض خیالی گھوڑے دوڑاتے رہتے ہیں، شاعر لوگ وہ کچھ کہتے ہیں جو خود نہیں کرتے، گویا ان کی باتوں اور انکے کاموں میں فرق پایا جاتا ہے، ان کے کلام میں بالعموم عشق و محبت کے قصے ہوتے ہیں، وہ بھی فرضی؛ اسی لئے فرمایا کہ: ان کے پیچھے چلنے والے بھی گمراہ لوگ ہوتے ہیں، جو سچ اور جھوٹ میں فرق نہیں کر سکتے، ظاہر ہے کہ جس چیز کی بنیاد ہی جھوٹ اور وہم پر ہو اس کا اتباع گمراہی کے سوا کیا ہو سکتا ہے؟ مگر حقیقت میں جو کوئی شاعر اپنے کلام میں جس قدر جھوٹے اور فرضی خیالات اور تصورات بیان کرتا ہے، لوگوں سے اس کو اتنی ہی زیادہ داد ملتی ہے، گمراہ شاعروں کے ذکر کے بعد اب اگلی

آیت میں اچھے مؤمن شاعروں کا ذکر ہے کہ وہ شاعر جنہوں نے ایمان قبول کیا، اچھے عمل کئے اور اللہ تعالیٰ کو بہت یاد کرتے ہیں اور اپنے اوپر ظلم کئے جانے کے بعد بدلہ لیتے ہیں، ظاہر ہے کہ ایسے شاعروں کا کلام حقیقت ہوگا، ایسے شاعر نہ تو بے حقیقت خیالی گھوڑے دوڑائیں گے نہ ان کے قول وفعل میں فرق ہوگا، لہٰذا ان کے پیچھے چلنے والے گمراہ بھی نہیں ہونگے جیسے حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ۔

ظلم کرنے والے عنقریب جان لیں گے کہ وہ کس کروٹ پر پلٹتے ہیں، یعنی: مرنے کے بعد ان کا انجام کیا ہوگا، جنت یا دوزخ؟

سورۃ النمل کا خلاصہ

یہ سورت مکہ مکرمہ میں اتری، اس کے سات رکوع اور ۹۴ آیتیں ہیں، اس میں بیان کیا گیا ہے کہ سارے جہان کا پیدا کرنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے، اس نے انسان کو پیدا کر کے اس کی ہدایت کیلئے وقتاً فوقتاً پیغمبر بھیجے اور پیغمبری کا سلسلہ قائم کیا، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسی سلسلہ کی آخری کڑی ہیں، ان پر یہ قرآن مجید اتارا اور اس میں انسان کو بتایا کہ اسے زندگی میں کیا کرنا چاہیئے، انسان کو اس دنیا میں ایک مقررہ مدت تک رہنا ہے، اس کے بعد اس کی یہاں کی زندگی ختم ہوجائے گی، ہر انسان جو اس دنیا میں آیا ایک نہ ایک دن مرجائے گا اور آخر کار یہ سارا جہان فنا ہوجائے گا، پھر حساب وکتاب کیلئے انسان سارے کے سارے دوبارہ زندہ کئے جائیں گے، ہر شخص کی کاموں کی جو اس نے دنیا میں کیے تھے جانچ پڑتال کی جائے گی اور جیسے جس کے عمل ہوں گے ویسی ہی اس کو جزا سزا ملے گی اور یہ بالکل اسی قانون کے مطابق ہوگی، جو اس قرآن مجید میں کھول کھول کر واضح الفاظ میں بیان کردیا گیا ہے، قرآن مجید کے منکروں کو دکھ، درد، بے چینی و بے آرامی ہوگی اور اس کے ماننے والوں کو راحت خوشی ملے گا، پیغمبروں کے نہ ماننے والوں کی عبرت کیلئے پہلی امتوں اور ان کے پیغمبروں کا حال بیان کیا گیا ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے بعد بنی اسرائیل کے دو بڑے بادشاہوں کا جو اللہ کے پیغمبر بھی تھے ذکر ہے، جن کے نام

داؤد اور سلیمان علیہ السلام تھے، حضرت سلیمان علیہ السلام حضرت داؤد علیہ السلام کے بیٹے تھے، جن کی بادشاہت دور تک پھیلی ہوئی تھی، انسانوں کے علاوہ جانور بھی ان کے فرمانبردار تھے اور وہ جانوروں کی قسما قسم کی بولیاں بھی سمجھتے تھے، ان سے متعلق دو واقعات کا بیان ہے۔

پہلا واقعہ چیونٹی کا۔ نمل چیونٹی کو کہتے ہیں، اور اسی پر اس سورت کا نام "سورۃ النمل" رکھا گیا ہے، دوسرا واقعہ ہُد ہُد کا، اس کے بعد دو قوموں کا بیان ہے، اس کے بعد اللہ تعالیٰ کے ایک ہونے اور اس کی نشانیوں کا بیان ہے، دنیا کے حالات دو واقعات سے نصیحت حاصل کرنے پر زور دیا گیا ہے، دُنیا کے خاتمہ کی علامتیں بتائی گئی ہیں، قیامت کے حالات واضح کیے گئے ہیں اور بتایا ہے کہ ان باتوں کے جاننے کے بعد انسان کیلئے سوا اس قرآن کے حکم پر چلنے کے کوئی اور چارہ کار نہیں۔

اٰیاتها ۔ ۹۳ سُوْرَۃُ النَّمْلِ مَکِّیَّۃٌ رکوعاتها ۔ ۷

سورۃ النمل مکی ہے، اس میں ترانوے آیتیں اور سات رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

طٰسٓ ۚ تِلْكَ اٰيٰتُ الْقُرْاٰنِ وَ كِتَابٍ مُّبِيْنٍ ۝۱ هُدًى وَّ
طٰسٓ۔ یہ آیتیں ہیں قرآن کی اور کتاب واضح کی (۱) رہنمائی اور

بُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۝۲ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ يُؤْتُوْنَ
خوشخبری لیے مؤمنوں کے (۲) جو قائم رکھتے ہیں نماز اور دیتے ہیں

الزَّكٰوةَ وَ هُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۝۳
زکوٰۃ اور وہ ساتھ آخرت وہ یقین رکھتے ہیں (۳)

بامحاورہ ترجمہ: ۔طٰسٓ۔ یہ آیتیں ہیں قرآن مجید کی اور واضح کتاب کی۔ (۱) جو رہنمائی اور خوشخبری ہے ایمان والوں کیلئے۔ (۲) جو نماز کو قائم رکھتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور انہیں آخرت پر یقین ہے۔ (۳)

تفسیر

ارشاد ہے کہ: یہ آیتیں ہیں قرآن مجید کی اور واضح کتاب کی، اس سے ان لوگوں کو ہدایت حاصل ہوگی اور خوش خبری بھی ملے گی جو اللہ تعالیٰ پر اور اس کے پیغمبر پر ایمان لا کر اس کے حکم کے مطابق پابندی کے ساتھ باقاعدہ نمازیں ادا کرتے اور زکوٰۃ دیتے رہیں گے اور مرنے کے بعد جی اٹھنے پر یقین رکھتے ہوں گے۔

تِلْكَ اٰيٰتُ الْقُرْاٰنِ وَ كِتَابٍ مُّبِيْنٍ: قرآن پاک کی ایک آیت دوسری آیت کا مطلب بیان کرتی ہے، قرآن پاک سراسر ہدایت ہے اور ہر موقع پر رہنمائی کرتا ہے اور واضح کرتا ہے کہ اس راستے پر چلو گے تو کامیابی نصیب ہوگی۔

آخرت کے منکر

اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ زَيَّنَّا لَهُمْ اَعْمَالَهُمْ فَهُمْ

تحقیق جو لوگ نہیں ایمان لاتے ساتھ آخرت مزین کردیے ہم نے لئے ان کے عمل ان کے پس وہ

يَعْمَهُوْنَ ﴿۴﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَهُمْ سُوْٓءُ الْعَذَابِ وَ هُمْ فِي

بھٹکتے پھرتے ہیں (۴) یہی وہ لوگ ہیں لئے جن کے برا عذاب ہے اور وہی میں

الْاٰخِرَةِ هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ ﴿۵﴾ وَ اِنَّكَ لَتُلَقَّى الْقُرْاٰنَ مِنْ لَّدُنْ

آخرت سب سے زیادہ نقصان پانے والے ہیں (۵) اور تحقیق آپ کو البتہ دیا جارہا ہے قرآن سے پاس

حَكِيْمٍ عَلِيْمٍ ۝۶
حکمت والے علم والے (۶)

بامحاورہ ترجمہ:۔ جولوگ آخرت کونہیں مانتے ان کی نظروں میں ان کے برے کام ہم نے اچھے کر دکھلائے، سو! وہ بھٹکتے پھرتے ہیں چنانچہ نہ ان کے عقیدے درست اور نہ عمل۔(۴) یہ وہی ہیں جن کے واسطے بری طرح کا عذاب ہے اور وہی آخرت میں بھی سب سے زیادہ خسارہ پانے والے ہیں۔(۵) اور آپ کوتو قرآن ایک حکمت والے خبردار رب کی طرف سے پہنچایا جاتا ہے۔(۶)

لفظی تحقیق: تُلَقّٰى: دیا جاتا ہے۔مضارع کا صیغہ ہے۔ تُلَقِّيَةٌ: کے معنیٰ کسی چیز کو کسی سے لاکر ملادینا۔

تفسیر

اس آیت میں ارشاد ہے کہ: جولوگ آخرت کونہیں مانتے ان کی نظروں میں جو کچھ ہے، وہ یہی دنیا ہے، وہ اسی کو چمک دمک پر قربان ہیں، وہ انہی کاموں کو اچھا سمجھتے ہیں، جن سے دنیا میں مال ودولت حاصل ہو، عزت بڑھے، کھائیں پئیں، موج اڑائیں اور عالی شان مکانوں میں رہیں، وہ انہی کاموں میں پھنسے ہوئے ہیں اور بے کار وقت ضائع کررہے ہیں۔

انہیں مرنے کے بعد سوا نامرادی کے کچھ نصیب نہ ہوگا، اے ہمارے پیغمبر! آپ کوتو حکیم وعلیم رب نے یہ قرآن عطا کیا ہے، دیکھیں اس میں کیا کیا اعلیٰ مضامین بھرے ہوئے ہیں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ: جولوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ہم نے ان کے اعمال ان کیلئے مزین کردیے ہیں، یعنی: ان کے برے عمل بھی ان کو اچھے کر کے دکھائے جاتے ہیں؛ اس لئے وہ اس کو بہتر سمجھ کر گمراہی میں پھنسے رہتے ہیں، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ سرگرداں پھر رہے ہیں، انہیں راستہ دکھائی نہیں دیتا اور وہ دور کی گمراہی میں بھٹک رہے ہیں۔

ایسے لوگوں کے متعلق فرمایا کہ ان کیلئے بہت بڑا عذاب ہوگا اور وہ آخرت میں انتہائی نقصان اٹھانے والے ہوں گے، ظاہر ہے کہ جن لوگوں کا آخرت پر ایمان ہی نہیں ہے وہ آخرت کی تیاری کیا کریں گے اور پھر وہاں کامیاب کیسے ہوں گے؟ ان کیلئے تو وہاں سراسر نقصان ہی نقصان ہوگا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ

اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِاَهْلِهٖٓ اِنِّيْٓ اٰنَسْتُ نَارًا ۭ سَاٰتِيْكُمْ مِّنْهَا

جب کہا موسیٰ نے گھروالی اپنی سے تحقیق میں دیکھتا ہوں ایک آگ ابھی لاتا ہوں تمہارے پاس اس سے

بِخَبَرٍ اَوْ اٰتِيْكُمْ بِشِهَابٍ قَبَسٍ لَّعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ ۝ فَلَمَّا

کچھ خبر یا لاتا ہوں کوئی سلگتا ہوا انگارا تاکہ تم سینکو (۷) پس جب

جَاۗءَهَا نُوْدِيَ اَنْۢ بُوْرِكَ مَنْ فِي النَّارِ وَمَنْ حَوْلَهَا ۭ وَ

آیا اس آگ کے پاس آواز دی گئی کہ برکت دیا گیا وہ جو میں آگ اور جو گرد ہے اس کے اور

سُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

پاک ہے اللہ پروردگار جہانوں کا (۸)

بامحاورہ ترجمہ:۔ جب موسیٰ نے اپنے گھر والی سے کہا میں نے ایک آگ دیکھی ہے، میں ابھی وہاں سے تمہارے پاس کچھ خبر لاتا ہوں یا کوئی انگارا سلگتا ہوا لاتا ہوں تا کہ تم سینکو۔ (۷) پھر جب اس کے پاس پہنچے آواز آئی کہ برکت ہو اس پر جو اس آگ میں تجلی فرما رہا ہے اور اس پر جو اس کے آس پاس ہے اور پاک ہے اللہ جو رب ہے سارے جہانوں کا۔ (۸)

تفسیر

اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِاَهْلِهٖٓ: جب کہ کہا موسیٰ علیہ السلام نے اپنی گھر والی سے، یہ واقعہ مدین سے مصر واپس آتے

ہوئے سفر کے دوران پیش آیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعونیوں کے حالات قرآن پاک میں مختلف انداز میں بیان ہوئے ہیں، کبھی آپ کا واقعہ ابتدائی زندگی سے شروع ہوتا ہے اور کبھی درمیان سے، "سورۃ الشعرآء" میں بھی آپ کا ذکر اس وقت سے شروع ہوا تھا، جب آپ کو اللہ تعالیٰ نے فرعون کے پاس دین کی تبلیغ کیلئے بھیجنے کا فیصلہ کیا، اب اس جگہ پر واقعہ تھوڑا پیچھے سے شروع کیا گیا ہے، ایک قبطی کے قتل کے بعد موسیٰ علیہ السلام مدین چلے گئے، وہاں دس سال تک حضرت شعیب علیہ السلام کی خدمت میں حاضر رہے، پھر آپ نے اپنی والدہ اور بھائی سے ملاقات کی خواہش ظاہر کی تو شعیب علیہ السلام نے اجازت دے دی اور آپ کی بیوی، کچھ بکریاں اور خادم بھی ساتھ کر دیے، سردی کا موسم تھا، رات کے وقت آگ کی ضرورت محسوس ہوئی، مگر چقماق نے اپنا کام نہ کیا، آپ نے دور سے آگ دیکھی تو وہاں جانے کا ارادہ کیا، اس موقع پر آپ نے اپنی گھر والی سے فرمایا: تم لوگ یہیں ٹھہرو، میں وہاں سے تمہارے لئے کوئی خبر لاتا ہوں، ظاہر ہے کہ راستہ صحیح طور پر معلوم نہیں تھا، آپ نے سوچا کہ جہاں آگ جل رہی ہے وہاں کچھ لوگ ہوں گے، جن سے راستہ بھی معلوم کیا جاسکے گا؛ اس لیے آپ نے فرمایا کہ: میں کوئی خبر لاتا ہوں، یا آگ کا کوئی شعلہ سلگا کر تمہارے پاس لاتا ہوں، تا کہ تم اسے سینک سکو۔ ظاہر ہے کہ سخت سردی میں گرمی کی ضرورت بھی محسوس ہو رہی تھی، چونکہ چقماق نے آگ نہیں پکڑی تھی؛ اس لیے آپ نے وہاں سے کوئی شعلہ لاکر آگ جلانے کا ارادہ ظاہر فرمایا۔

پس جب موسیٰ علیہ السلام اس آگ کے پاس آئے تو آپ کو آواز دی گئی کہ برکت دی گئی ہے اس کو جو اس آگ کے اندر ہے اور جو اس کے ارد گرد ہے، "مَنْ" موصولہ ہوتا ہے اور معنیٰ یہ بنتا ہے کہ آگ کے اندر کون ہے؟ تاہم مفسرین کرام نے اس جملے کی تشریح مختلف طریقوں سے بیان کی، بعض فرماتے ہیں کہ: آگ کے اندر فرشتے تھے، جن سے آگ ظاہر ہو رہی تھی اور ان ہی کے متعلق کہا گیا ہے کہ وہ بابرکت ہیں۔

موسیٰ علیہ السلام سے خطاب

يٰمُوْسٰٓى اِنَّهٗٓ اَنَا اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ وَ اَلْقِ عَصَاكَ ؕ

اے موسیٰ! تحقیق یہ حقیقت ہے میں اللہ ہوں قوت والا حکمت والا (۹) اور ڈال لاٹھی اپنی

فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَآنٌّ وَّلّٰى مُدْبِرًا وَّ لَمْ يُعَقِّبْ ؕ

پس جب دیکھا اسے ہلتے جیسا کہ وہ سانپ ہے پیچھے لوٹا پیٹھ پھیر کر اور نہ پیچھے

يٰمُوْسٰى لَا تَخَفْ ۫ اِنِّىْ لَا يَخَافُ لَدَىَّ الْمُرْسَلُوْنَ ۝

اے موسیٰ! مت ڈر تحقیق میں نہیں ڈرتے پاس میرے میرے پیغمبر (۱۰)

بامحاورہ ترجمہ: اے موسیٰ! میں اللہ ہی ہوں قوت والا حکمت والا۔ (۹) اور اپنی لاٹھی ڈال دے پھر جب موسیٰ نے اس کو دیکھا ہلتے ہوئے گویا کہ وہ سانپ ہے تو پیٹھ پھیر کر بھاگے، اور مڑ کر نہ دیکھا، اے موسیٰ! مت ڈر، میرے پاس میرے پیغمبر ڈرا نہیں کرتے۔ (۱۰)

لفظی تحقیق: لَمْ يُعَقِّبْ: پیچھے مڑ کر نہ دیکھا۔ مضارع ہے۔ جَآنٌّ: پتلے اور لمبے سانپ کو کہتے ہیں، موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی سانپ کی شکل میں بدل چکی تھی۔

تفسیر

پیچھے بیان ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام جب آگ کے پاس پہنچے تو آواز آئی، یہ آگ معمولی نہیں ہے اللہ اس روشنی کے پردے میں اپنی قدرتِ کاملہ کی شان ظاہر فرما رہا ہے، موسیٰ علیہ السلام حیران تھے کہ یہ کون بول رہا ہے کہ پھر آواز آئی کہ امرِ واقعی یہ ہے کہ میں اللہ ہوں، ہر طرح کی قدرت رکھتا ہوں اور ہر بات کی بھید اور اس کی مصلحت سے واقف ہوں، ہر بات ہر موقعہ پر اسی طرح ہوتی ہے، جس طرح میں مناسب سمجھتا ہوں۔

پھر ارشاد ہوا کہ: یہ جو لکڑی کی لاٹھی آپ کے ہاتھ میں ہے اسے زمین پر پھینک دیں، زمین پر گرتے ہی وہ لاٹھی تیزی سے حرکت کرنے والا سانپ بن کر اِدھر اُدھر دوڑنے لگی، موسیٰ علیہ السلام گھبرائے اور پیٹھ پھیر کر بھاگے، پیچھے مڑ کر نہ دیکھا، آواز آئی ڈرو مت، میرے پاس آ کے پیغمبر کسی چیز سے ڈرا نہیں کرتے، آپ نے میری قدرت دیکھ لی کہ لکڑی پلک جھپکنے میں سانپ بن کر لہرانے لگی، اب قدرت کی ایک اور نشانی دیکھئے، اس سانپ کو ہاتھ سے پکڑیں، پھر یہ وہی لاٹھی بن جائے گی جیسا کہ تھی، سچ ہے! اللہ تعالیٰ کو اپنے کسی بندے سے کوئی خاص کام لینا ہے تو وہ اسے اپنی قدرت کی کوئی ایسی جھلک دکھا دیتا ہے، جس سے اس کا دل مضبوط ہو جاتا ہے۔

سفید ہاتھ کا معجزہ

إِلَّا مَنْ ظَلَمَ ثُمَّ بَدَّلَ حُسْنًا بَعْدَ سُوْٓءٍ فَإِنِّيْ غَفُوْرٌ

مگر جس نے ظلم کیا پھر بدلے میں نیکی کی بعد برائی کے تحقیق میں بخشنے والا

رَّحِيْمٌ ﴿١١﴾ وَ اَدْخِلْ يَدَكَ فِيْ جَيْبِكَ تَخْرُجْ بَيْضَآءَ مِنْ غَيْرِ

مہربان ہوں (۱۱) اور داخل کر ہاتھ اپنا میں گریبان اپنے نکلے گا وہ چمک دار بغیر کسی

سُوْٓءٍ فِيْ تِسْعِ اٰيٰتٍ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَ قَوْمِهٖ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا

عیب کے میں نو (۹) نشانیاں طرف فرعون اور قوم اس کی کے تحقیق وہ ہیں

قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿١٢﴾

لوگ حد سے نکلے ہوئے (۱۲)

بامحاورہ ترجمہ: مگر جس نے ظلم کیا پھر بدلے میں برائی کے پیچھے نیکی کی تو میں بخشنے والا مہربان ہوں۔

(۱۱) اور ڈال دیں اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں کہ چمکتا ہوا نکلے گا بغیر کسی عیب کے، یہ ان نشانیوں میں سے ہے جن کو لے کر فرعون اور اس کی قوم کے پاس جائیں، وہ حد سے نکلے ہوئے لوگ ہیں۔ (۱۲)

تفسیر

اِلَّا مَنْ ظَلَمَ: مگر جس سے کوئی لغزش ہوگئی ہو پھر اس نے اس کو اچھائی میں بدل لیا ہو برائی کے بعد، تو میں اس کو معاف کرنے والا اور مہربان ہوں، اس آیت سے موسیٰ کو یہ تسلی دی جارہی ہے کہ پیغمبری ملنے سے پہلے جو قبطی کو مارا تھا، اس واقعہ کو یاد کر کے پریشان نہ ہوں، کیونکہ ہم نے اس کو معاف کر دیا۔

پھر ارشاد ہوا کہ: تم اپنا ہاتھ بغل میں رکھو اور پھر نکالو وہ سفید ہو کر چمکنے لگے گا، یہ چمکنا کسی عیب (برص) کی وجہ سے نہیں بلکہ معجزہ کے طور پر ہے، اس کے بعد سات معجزے اور دیئے اور حکم دیا کہ یہ نو معجزے لے کر فرعون اور اس کی قوم کے پاس جاؤ، یہ لوگ انسانیت کی حد سے باہر نکل گئے ہیں، ظلم وستم پر کمر باندھ لی ہے، اپنے آپ ہی کو سب کچھ سمجھتے ہیں اور ہماری طرف سے بالکل غافل ہو گئے ہیں۔

دل میں یقین زبان سے انکار

فَلَمَّا جَآءَتْهُمْ اٰيٰتُنَا مُبْصِرَةً قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۳﴾ وَ

پس جب آئیں پاس ان کے نشانیاں ہماری آنکھیں کھولنے والی بولے یہ جادو ہے کھلا (۱۳) اور

جَحَدُوْا بِهَا وَ اسْتَيْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّ عُلُوًّا ؕ فَانْظُرْ

انکار کردیا ان کا حالانکہ یقین کرلیا تھا دلوں ان کے نے بوجہ انکار اور تکبر کے پس دیکھ لے

ع۱۴ ۱۶ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۱۴﴾

کیسا ہوا انجام فساد پھیلانے والوں کا (۱۴)

بامحاورہ ترجمہ:۔ پھر جب ان کے پاس ہماری نشانیاں سمجھانے کو پہنچیں تو فرعون کے لوگ یہ بولے کھلا جادو ہے۔ (۱۳) اس کا انکار کردیا انہوں نے حالانکہ اپنے دلوں میں ان نشانیوں کی سچائی کا یقین تھا مگر

ـبے انصافی اور غرور کی وجہ سے زبان سے انکار کیا تھا، سو! دیکھ لیں فسادیوں کا انجام کیسا ہوا۔ (۱۴)

تفسیر

ارشاد ہے کہ: موسیٰ علیہ السلام ہماری نشانیاں لیکر فرعون اور اس کی قوم کے پاس پہنچے، نشانیاں اتنی روشن اور واضح تھیں کہ ان کے دیکھنے کے بعد ان کے دل میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہ رہنی چاہیے تھی۔

یہ انکار محض انسانیت کی حد سے نکل جانے اور تکبر کی وجہ سے تھا، ورنہ ان کے دل میں اس بات کا یقین ہو چکا تھا کہ یہ نشانیاں سچی ہیں، اس میں بناوٹ اور شعبدہ بازی بالکل نہیں ہے، لیکن اس کا کیا علاج کہ انسان ایک بات کو سچا مانتا ہے، لیکن اس کی اکڑ اور ضد اُسے روکتی ہے، یہی اکڑ انسان کو لے ڈوبتی ہے، دیکھ لو! ان فسادی لوگوں کا انجام کیا ہوا، سب کے سب سمندر کی تہہ میں ڈبو دیئے گئے۔

حضرت داوٗد اور حضرت سلیمان علیہما السلام

وَ لَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ وَ سُلَيْمٰنَ عِلْمًا ۚ وَ قَالَا الْحَمْدُ لِلّٰهِ

اور البتہ تحقیق دیا ہم نے داوٗد اور سلیمان کو علم اور دونوں نے کہا شکر اللہ کا

الَّذِيْ فَضَّلَنَا عَلٰى كَثِيْرٍ مِّنْ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۵﴾ وَ وَرِثَ

جس نے فضیلت دی ہمیں پر بہت سوں سے بندوں اپنے ایمان والوں (۱۵) اور وارث ہوا

سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ وَ قَالَ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ وَ

سلیمان داوٗد کا اور کہا اے لوگو! سکھائی گئی ہے ہم کو بولی پرندوں کی اور

اُوْتِيْنَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ ؕ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَضْلُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۶﴾

دیا گیا ہمیں میں سے ہر چیز تحقیق یہ البتہ وہی بڑائی ہے کھلی (۱۶)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور ہم نے داؤد اور سلیمان کو علم دیا، اور انہوں نے کہا شکر اللہ تعالیٰ کا جس نے ہمیں اپنے بہت سے ایمان والے بندوں پر فضیلت دی۔(۱۵) اور وارث ہوا سلیمان داود کا، اور سلیمان نے کہا اے لوگو! ہمیں پرندوں کی بولیاں سکھائی گئی ہے اور ہمیں ہر چیز میں سے دیا گیا ہے، بیشک یہ اللہ تعالیٰ کی بہت فضیلت ہے۔(۱۶)

تفسیر

ان آیتوں میں دو باپ بیٹے حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا ذکر ہے۔

ارشاد ہے کہ: ہم نے داؤد علیہ السلام اور سلیمان علیہ السلام کو خاص خاص علم عطا کئے تھے، داؤد علیہ السلام پہاڑوں کی تسبیح سنتے تھے، لوہے سے چیزیں بنا لیتے تھے، سلیمان علیہ السلام پرندوں کی بولیاں سمجھتے تھے اور جانتے تھے کہ یہ خاص مرتبہ اللہ تعالیٰ نے انہیں عطا کیا ہے وہ اللہ کا شکر کرتے تھے، سلیمان علیہ السلام لوگوں سے کہتے کہ ہمیں اللہ تعالیٰ نے جانوروں کی بولی سمجھنا سکھا دیا ہے اور دنیا میں سب کچھ دیا ہے یہ اس کی کھلی ہوئی مہربانی اور رحمت ہے۔

بیشک ہم نے داؤد اور سلیمان کو علم عطا فرمایا، اس علم سے مراد وہ علم جو اللہ تعالیٰ وحی کے ذریعے اپنے پیغمبروں کو عطا کرتے ہیں، وہ علم مراد نہیں جو استادوں سے یا اپنے تجربہ سے حاصل کیا جائے، دین کا اتنا علم ہر شخص کیلئے نہایت ضروری ہے، جس کے ذریعے انسان اپنے فرائض سے باخبر ہو سکے اور اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کے حق ادا کر سکے، یہی علم ہے جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی پہچان حاصل ہوتی ہے، اس کی عبادت کا طریقہ معلوم ہوتا ہے، حلال وحرام اور جائز وناجائز میں فرق پیدا ہوتا ہے، توحید اور شرک کی سمجھ آتی ہے، انسان ایمان، اخلاص منافقت اور بے دینی کو پہچانتا ہے۔

وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ: اور سلیمان علیہ السلام داؤد علیہ السلام کے وارث ہوئے، اس مقام پر وراثت سے مراد مالی

وراثت نہیں بلکہ جانشینی ہے، چونکہ داؤد علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے پیغمبر تھے؛ اس لیے آپ کی مالی وراثت تو سلیمان علیہ السلام کو نہیں پہنچی بلکہ آپ کی علمی وراثت آپ کو پہنچی، دلیل اس پر یہ ہے کہ اگر اس وراثت سے جائیداد کی وراثت مراد ہوتی تو پھر یہ صرف سلیمان علیہ السلام کو ہی کیوں پہنچتی، جب کہ داؤد علیہ السلام کے انیس (۱۹) بیٹے تھے، جن میں سے سلیمان علیہ السلام سب سے چھوٹے تھے، سارے بیٹے حکومت کے خواہشمند تھے مگر اللہ تعالیٰ نے یہ علمی وراثت سلیمان علیہ السلام کو عطا فرمائی، اگر مالی وراثت ہوتی تو سب بیٹوں اور بیویوں کو ملنی چاہئے تھی، حقیقت یہ ہے کہ سلیمان علیہ السلام کے علاوہ کوئی دوسرا بیٹا آپ کی خلافت کے لائق نہیں تھا۔

پرندوں اور چوپاؤں میں بھی عقل وشعور ہے

اس واقعہ سے ثابت ہوا کہ پرندے، چرندے اور تمام حیوانات میں بھی عقل وشعور کسی نہ کسی درجہ میں موجود ہے، البتہ ان کی عقل اس درجہ کی نہیں کہ ان کو شریعت کے حکم کا پابند بنایا جاتا اور انسان اور جنات کو عقل وشعور کا وہ کامل درجہ عطا ہوا ہے جس کی بناء پر وہ شریعت کے حکم کے پابند بنائے گئے ہیں اور ان پر عمل کر سکیں، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ: کبوتر سب پرندوں میں زیادہ عقلمند ہے کیونکہ وہ سینکڑوں میل کی پرواز کے باوجود بھولے بھٹکے بغیر گھر آ جاتے ہیں، ابن عطیہ نے فرمایا کہ: چیونٹی ذہین عقلمند جانور ہے، اس کی سونگنے کی صلاحیت بڑی تیز ہے جو کوئی دانہ اس کے قبضہ میں آتا ہے اس کے دو ٹکڑے کر دیتی ہے تاکہ اُگے نہیں اور سردی کے زمانے کیلئے اپنی غذا کا ذخیرہ جمع کرتی ہے۔

فائدہ: آیت میں "مَنطِقَ الطَّيْرِ "، یعنی: پرندوں کی بولی کی تخصیص ہُدہُد کے واقعہ کی وجہ سے ہے جو پرندہ ہے، ورنہ حضرت سلمان علیہ السلام کو پرندے، چرندے اور کیڑے مکوڑوں کی بولیاں سکھائی گئی تھیں، جیسا کہ اگلی آیت میں چیونٹی کی بولی سمجھنے کا ذکر موجود ہے، امام قرطبی نے اپنی تفسیر میں اس مقام پر مختلف پرندوں کی بولیاں اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا اس پر یہ فرمانا کہ یہ بات کہہ رہا ہے تفصیل سے نقل کیا ہے اور تقریباً ہر پرندہ کی

بولی کوئی نصیحت کا جملہ ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کا لشکر

وَ حُشِرَ لِسُلَيْمٰنَ جُنُوْدُهٗ مِنَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ وَ الطَّيْرِ
اور جمع کئے گئے واسطے سلیمان کے لشکر اس کے سے جنوں اور انسانوں اور پرندوں

فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ ﴿۱۷﴾ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَتَوْا عَلٰى وَادِ النَّمْلِ ۙ قَالَتْ
پس وہ حد کے اندر رو کے جاتے (۱۷) یہاں تک کہ جب پہنچے پر وادی چیونٹیوں کی کہا

نَمْلَةٌ يّٰۤاَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْ ۚ لَا يَحْطِمَنَّكُمْ
ایک چیونٹی نے اے چیونٹیو! داخل ہو جاؤ ٹھکانوں اپنے میں نہ روند ڈالے تمہیں

سُلَيْمٰنُ وَ جُنُوْدُهٗ ۙ وَ هُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۸﴾
سلیمان اور لشکر اس کا اور انکو نہ پتہ چلے (۱۸)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور اکھٹے کئے گئے سلیمان علیہ السلام کیلئے ان کے لشکر جنوں، انسانوں اور پرندوں میں سے، پس ان کو تقسیم کیا جاتا تھا۔ (۱۷) یہاں تک کہ جب چیونٹیوں کے میدان میں پہنچے تو ایک چیونٹی نے کہا اے چیونٹیو! اپنے گھروں میں گھس جاؤ! تم کو سلیمان اور اس کی فوجیں کہیں پیس نہ ڈالیں اور ان کو پتہ بھی نہ چلے۔ (۱۸)

تفسیر

حضرت سلیمان علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے دنیا میں ہر چیز عطا کر دی تھی، ہر قسم کی مخلوق کو ان کے تابع کر دیا تھا، جب کوچ کرتے تو جن، آدمی اور پرندے اپنی اپنی جگہ پر سلیقہ سے موجود ہوتے، یعنی: ہر ہر جنس کی مخلوق الگ الگ ٹولیوں میں کھڑی ہو جاتی اور اپنی مقرر جگہ سے نکل کر گڑبڑ نہ مچاتے۔ ایک دفعہ سلیمان علیہ السلام لشکر سمیت

سفر کر رہے تھے کہ ایک میدان میں گذر ہوا جہاں چیونٹیوں نے اپنی بستی بسا رکھی تھی۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے کان میں آواز آئی کہ ایک چیونٹی، چیونٹیوں سے کہہ رہی ہے، اے چیونٹیو! سلیمان علیہ السلام کا لشکر آ رہا ہے ایسا نہ ہو کہ وہ تمہیں نہ دیکھیں اور بے خبری میں پاؤں کے نیچے مسل ڈالیں؛ اس لئے جلدی کرو اپنے اپنے گھروں میں گھس جاؤ۔

اللہ تعالیٰ نے سلیمان علیہ السلام کو بے مثال حکومت عطا فرمائی تھی، جس کی درخواست انہوں نے خود کی تھی، اے اللہ! مجھے ایسی سلطنت عطا فرما کہ اس جیسی حکومت میرے بعد کسی کو نہ ملے۔ (ص:۳۵) چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے جنوں، انسانوں اور پرندوں کے علاوہ ہوا کو بھی آپ کے تابع کر دیا، سلیمان علیہ السلام جہاں چاہتے ہوا کے ذریعے اڑنے والے تخت پر چلے جاتے۔

شکر کی ادائیگی

فَتَبَسَّمَ ضَاحِكًا مِّنْ قَوْلِهَا وَ قَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِيْٓ اَنْ اَشْكُرَ

پس مسکرا دیئے ہنستے ہوئے سے بات اُسکی اور کہا اے رب میرے! قسمت میں لکھ میری کہ میں شکر کروں

نِعْمَتَكَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَ عَلٰي وَالِدَيَّ وَ اَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا

نعمت آپ کی کا جو بخشی آپ نے مجھے اور پر والدین میرے اور یہ کہ میں کروں نیک کام

تَرْضٰىهُ وَ اَدْخِلْنِيْ بِرَحْمَتِكَ فِيْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۹﴾

جسے آپ پسند کریں اور داخل کر مجھے اپنی رحمت سے میں بندوں اپنے جو نیک ہیں (۱۹)

بامحاورہ ترجمہ: سلیمان علیہ السلام مسکرا دیئے ہنستے ہوئے اس کی بات پر اور کہا اے میرے رب! مجھے توفیق دے کہ میں آپ کے احسان کا شکر کروں جو آپ نے مجھ پر اور میرے ماں باپ پر کیا اور نیک کام کروں جو آپ کو پسند ہو اور مجھے اپنی رحمت سے اپنے نیک بندوں میں شامل فرما دے۔ (۱۹)

لفظی تحقیق: اَوْزِعْ: توفیق دے۔امر کا صیغہ ہے۔اِیْزَاعٌ: اس لفظ کے معنٰی روکنے کے ہیں۔ اِیْزَاعٌ: کے معنٰی کسی چیز پر بند کردینا، مراد یہ ہے کہ میری خاص عادت ایسی بنادے کہ میں آپ کی نعمتوں پر ہمیشہ آپ کا شکرادا کرتا رہوں۔

تفسیر

اس آیت میں بیان ہے کہ چیونٹی کی یہ بات سن کر حضرت سلیمان علیہ السلام مسکرائے اور ساتھ اللہ تعالیٰ کا اپنے اوپرانعام بھی یاد آیا اور عرض کیا، یااللہ! مجھ پر آپ نے بڑا فضل کیا کہ اپنی مخلوق کی باتیں سمجھنے اور ان کو اپنا احترام کرتے دیکھنے کے قابل بنایا، اے اللہ! مجھے ایسی عادت عطا فرما کہ آپ نے مجھ پر اور میرے ماں باپ پر کرم فرمایا ہے، میں ہمیشہ اس کا شکرادا کرتا رہوں اور ہمیشہ مجھ سے ایسے عمل ہوں جو آپ کو پسندیدہ ہوں اور مجھے اپنے نیک لوگوں میں شامل فرما۔

فَتَبَسَّمَ ضَاحِكًا مِّنْ قَوْلِهَا: آپ اس چیونٹی کی بات سے مسکرا کر ہنس پڑے، دل میں کہا کہ یہ چیونٹی کتنی بھولی بھالی ہے، جو سمجھ رہی ہے کہ میں اس کی بات کو نہ سن رہا ہوں نہ سمجھ رہا ہوں حالانکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنے بہت سے نیک اور ایماندار بندوں پر فضیلت عطا فرمائی ہے اور مجھے جانوروں کی بولیاں بھی سکھلادی ہیں۔

وَ اَدْخِلْنِیْ بِرَحْمَتِكَ فِیْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِیْنَ: اور داخل کر مجھے اپنی رحمت کے ساتھ اپنے نیک بندوں میں، اس بات کا ایک پہلو یہ ہے کہ انسان کو اچھے لوگوں کے ساتھ رہنا سہنا نصیب ہوجائے جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی کہا تھا: پروردگار مجھے حکمت عطا فرما اور مجھے نیکوکاروں میں ملادے۔(شعرآء: ۸۳)"سورہ یوسف" میں حضرت یوسف علیہ السلام کی دعا میں بھی یہی ذکر ہے، یااللہ! مجھے اسلام کی حالت میں وفات دینا، اور مجھے

نیکوکاروں کے ساتھ ملا دینا۔(آیت:۱۰۱) ہمارے لئے اس میں سبق ہے کہ ہمیں بھی یہی دعا کرنی چاہیئے کہ اے اللہ! اپنی مہربانی سے ہمارے عقیدوں کو پاک کر دے، تا کہ ہمارے اعمال درست ہوں اور ہمیں اچھے لوگوں کیساتھ رہنا نصیب ہو۔

وَ اَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ: کہ یا اللہ! مجھے ایسے عمل کی توفیق دیجئے جو آپ کے نزدیک مقبول ہو، پیغمبروں کی عادت ہے کہ اپنے نیک عمل کے قبول ہونے کیلئے دعا کرتے تھے جیسے حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام نے بیت اللہ کی تعمیر کے وقت دعا فرمائی، اے ہمارے رب! ہماری طرف سے اس عمل کو قبول فرما۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو عمل نیک ہے صرف اس کو کر کے بے فکر ہونا نہیں چاہیئے، بلکہ اللہ تعالیٰ سے قبولیت کی دعا بھی مانگنی چاہیئے۔

وَ اَدْخِلْنِیْ بِرَحْمَتِكَ فِیْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِیْنَ: عمل صالح اور اسکے قبول ہونے کے باوجود جنت میں داخل ہونا خدا تعالیٰ کے فضل و کرم ہی سے ہوگا۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: کوئی شخص اپنے عمل کے بھروسہ پر جنت میں داخل نہیں ہوگا، صحابہ نے عرض کیا اے اللہ کے پیغمبر! آپ بھی، تو آپ نے فرمایا کہ: ہاں! میں بھی، سوا اس کے اللہ تعالیٰ مجھے اپنی رحمت میں چھپا لے۔

ہُدہُد کا واقعہ

وَ تَفَقَّدَ الطَّیْرَ فَقَالَ مَالِیَ لَاۤ اَرَی الْهُدْهُدَ ۖ اَمْ كَانَ مِنَ

اور حاضری لی پرندوں کی پس کہا مجھے کیا ہوا کہ نہیں دیکھتا میں ہدہد کو کیا ہے وہ سے

الْغَآىِٕبِیْنَ ﴿۲۰﴾ لَاُعَذِّبَنَّهٗ عَذَابًا شَدِیْدًا اَوْ لَاۡاَذْبَحَنَّهٗۤ اَوْ

غائب ہونے والوں (۲۰) البتہ عذاب دوں گا میں اسے عذاب سخت یا ذبح ہی کر ڈالوں گا اسے یا

لَیَاْتِیَنِّیْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ ﴿۲۱﴾ فَمَكَثَ غَیْرَ بَعِیْدٍ فَقَالَ اَحَطْتُّ

لے آئے کوئی وجہ کھلی (۲۱) پس ٹھہرے تھوڑی دیر پس کہا (ہدہد نے) معلوم کی ہے میں نے

بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ وَ جِئْتُكَ مِنْ سَبَاٍۭ بِنَبَاٍ يَّقِيْنٍ﴿۲۲﴾

وہ بات جو نہیں معلوم کی آپ نے اور آیا ہوں میں آپ کے پاس سے سبا ایک خبر یقینی لے کر (۲۲)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور (جب سلیمان علیہ السلام نے) پرندوں کی حاضری لی تو کہا کیا بات ہے کہ میں ہُدہُد کو نہیں دیکھتا، کیا وہ غائب ہے؟ (۲۰) میں اسے سخت سزا دوں گا یا اسے ذبح ہی کر ڈالوں گا یا میرے سامنے کوئی کھلی وجہ پیش کرے۔ (۲۱) پس تھوڑی دیر رُکے اور ہُدہُد نے آ کر کہا، میں ایک چیز کی خبر لایا ہوں جس کی آپ کو خبر نہ تھی، اور میں آپ کے پاس ملک سبا سے ایک یقینی خبر لے کر آیا ہوں۔ (۲۲)

لفظی تحقیق: تَفَقَّدَ: حاضری لینا۔ سُلْطٰنٌ: مضبوط۔ دلیل۔

تفسیر

ارشاد ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے پرندوں کی حاضری لی، ہُدہُد کو غیر حاضر پایا تو کہا کہ وہ کیوں غیر حاضر ہے، اگر اس نے کوئی معقول اور قابل قبول وجہ غیر حاضری کی نہ بتائی تو میں اس کو سخت سزا دوں گا، یا ذبح ہی کر ڈالوں گا، تھوڑی دیر میں ہُدہُد بھی آ گیا اور کہا میں ایسی بات معلوم کر کے آیا ہوں جو آپ کو معلوم نہیں، میں اس وقت "ملک سبا" سے آ رہا ہوں جو یمن کا ایک حصہ ہے اور وہاں کے حالات کی اور لوگوں کی پختہ خبر لایا ہوں جو آپ سنیں گے تو حیران ہوں گے۔

سلیمان علیہ السلام ضرورت کے مطابق پرندوں اور جنوں کی حاضری بھی لیتے تھے اور پھر بعض کام بھی ان سے لیتے تھے، چنانچہ ارشاد ہوتا ہے: سلیمان علیہ السلام نے پرندوں کی حاضری لی، غالباً اس وقت آپ ہُدہُد نامی پرندے سے کوئی کام لینا چاہتے تھے مگر وہ نظر نہ آیا، تو آپ نے کہا، کیا بات ہے کہ مجھے ہُدہُد نظر نہیں آ رہا ہے، اس پرندے کے متعلق مشہور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو ایسی صلاحیت عطا فرمائی ہے کہ اسے زمین کے نیچے پانی نظر آ جاتا ہے، اور یہ اس کی نشاندھی کر دیتا ہے، اس موقع پر بھی سلیمان علیہ السلام لشکر کے ساتھ کہیں جا رہے تھے، پانی کا ذخیرہ ختم ہو

چکا تھا اور پانی کی تلاش کیلئے ہُدہُد کی ضرورت تھی کہ وہ کسی جگہ زمین کے نیچے کے پانی کی نشاندھی کرے تو جنوں کے ذریعے فوراً نکلوالیا جائے، مگر ہُدہُد نظر نہیں آرہا تھا۔

بہرحال سلیمان علیہ السلام نے ہُدہُد کو نہ پاکر کہا کہ کیا بات ہے کہ مجھے ہُدہُد نظر نہیں آرہا ہے، یا وہ غیر حاضر ہے؟ کہنے لگے، اگر ایسی بات ہے تو میں اسے سخت سزا دوں گا، یا میں اسے ذبح ہی کرڈالوں گا، یا اگر وہ سزا سے بچنا چاہتا ہے، تو کوئی کھلی دلیل پیش کرے، یعنی: اپنی غیر حاضری کا کوئی معقول عذر پیش کرے۔

ہُدہُد ایک مشہور پرندہ ہے۔ جسے عربی، اردو اور پنجابی وغیرہ میں ہُدہُد ہی کہا جاتا ہے، البتہ سرائیکی میں درکھان پکھی کہا جاتا ہے، اس کی لمبی چونچ اور سر پر تاج ہوتا ہے اور یہ مٹیالے رنگ کا چت کبرے پرندا ہوتا ہے، یہ چڑیا سے بڑا اور فاختہ سے چھوٹا ہوتا ہے، یہ اپنی چونچ کے ذریعے زمین کو کریدتا رہتا ہے اور وہاں سے کیڑے مکوڑے نکال نکال کر کھاتا ہے، مٹیالے رنگ کے اس پرندے کو اللہ تعالیٰ نے پرواز کی بڑی قوت عطا کی ہے، یہ بڑی لمبی حتیٰ کہ سینکڑوں میل تک اڑان کرسکتا ہے، مصر اور فلسطین وغیرہ کے علاقے میں سردی کے موسم میں عموماً پایا جاتا ہے۔

احکام ومسائل

وَ تَفَقَّدَ الطَّيْرَ: حضرت سلیمان علیہ السلام کو حق تعالیٰ نے انسانوں کے علاوہ جنوں، جنگلی جانوروں اور پرندوں پر حکومت عطا فرمائی تھی، حاکم کے ذمہ لازم ہے کہ اپنے ہر طبقہ کی نگرانی اور خبر گیری کرے، اس کے مطابق اس آیت میں بیان فرمایا: سلیمان علیہ السلام نے اپنی رعایا کے پرندوں کی خبر گیری کی اور یہ دیکھا کہ ان میں کون حاضر ہے کون غیر حاضر۔

حضرت سلیمان علیہ السلام اپنی رعایا کے ہر طبقہ پر نظر رکھتے اور ان کے حالات سے اتنے باخبر رہتے تھے کہ ہُدہُد جو پرندوں میں چھوٹا اور کمزور بھی ہے اور اس کی تعداد بھی دنیا میں بہ نسبت دوسرے پرندوں کے بہت کم ہے،

اس کی بھی حضرت سلیمان علیہ السلام نے خبر گیری کی؛ اس لئے حاکم کو چاہیئے کہ اپنی رعایا کے ہر طبقے خصوصاً کمزور طبقے کی خبر گیری کرے کہ کون کس حال میں ہے۔

لَاُعَذِّبَنَّهٗ عَذَابًا شَدِيْدًا: انتہائی غور وفکر کے بعد یہ حاکمانہ سیاست کا اظہار ہے کہ غیر حاضر رہنے والے کو سزا دی جائے۔

اَوْ لَيَاْتِيَنِّيْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ: یعنی: اگر ہد ہد نے اپنی غیر حاضری کا کوئی عذر واضح پیش کر دیا تو وہ اس سزا سے بچ سکتا ہے، اس میں اشارہ ہے کہ حاکم کو چاہیئے کہ جن لوگوں سے عمل میں خطاء ہو جائے ان کو عذر پیش کرنے کا موقع دے، عذر صحیح ثابت ہو تو سزا کو معاف کر دے۔

اَحَطْتُّ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ: ہد ہد نے اپنا عذر بتلاتے ہوئے کہا کہ میں نے ایسی چیز معلوم کی ہے جو آپ کے علم میں نہیں، امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ: اس سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ پیغمبر عالم الغیب نہیں ہوتے جس سے ان کو ہر چیز کا علم ہو سکے۔

وَ جِئْتُكَ مِنْ سَبَاٍۭ بِنَبَاٍ يَّقِيْنٍ: "سباء"، یمن کا ایک مشہور شہر ہے جسکا ایک نام مارب بھی ہے۔ اس کے اور یمن کے دار الحکومت صنعاء کے درمیان تین دن کا سفر ہے۔

ملکہ سبا

اِنِّيْ وَجَدْتُّ امْرَاَةً تَمْلِكُهُمْ وَ اُوْتِيَتْ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ وَّلَهَا

تحقیق پایا میں نے ایک عورت کو بادشاہی کرتی ہے ان پر اور دی گئی ہے وہ سے ہر چیز اور اس کا

عَرْشٌ عَظِيْمٌ ﴿۲۳﴾ وَجَدْتُّهَا وَ قَوْمَهَا يَسْجُدُوْنَ لِلشَّمْسِ

ایک تخت ہے بڑا (۲۳) پایا میں نے اسے اور قوم اس کی کو سجدہ کرتے ہیں سورج کو

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ

سوا اللہ کے اور آراستہ کر دیا لیے ان کے شیطان نے عمل ان کے کو پس روک دیا ان کو

عَنِ السَّبِيْلِ فَهُمْ لَا يَهْتَدُوْنَ ﴿۲۴﴾ اَلَّا يَسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِيْ

سے راستہ پس وہ نہیں راہ پاتے (۲۴) کیوں نہیں سجدہ کرتے اللہ کو جس نے

يُخْرِجُ الْخَبْءَ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ يَعْلَمُ مَا تُخْفُوْنَ

نکالا چھپا ہوا میں آسمانوں اور زمین اور وہ جانتا ہے جو تم چھپاتے ہو

وَ مَا تُعْلِنُوْنَ ﴿۲۵﴾ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ﴿۲۶﴾

اور جو ظاہر کرتے ہو (۲۵) اللہ وہ ہے کہ نہیں کوئی معبود سوا اس کے مالک عرش عظیم کا (۲۶)

السجدۃ ۸

بامحاورہ ترجمہ:۔ میں نے ایک عورت کو پایا جوان پر بادشاہی کرتی ہے اور اس کو ہر چیز ملی ہے اور اس کا ایک بڑا تخت ہے۔(۲۳) میں نے پایا اس کو اور اس کی قوم کو کہ وہ اللہ کے سوا سورج کو سجدہ کرتی ہے اور شیطان نے انہیں ان کے برے کام اچھے بنا کر دکھا رکھے ہیں پس شیطان نے ان کو سیدھے راستہ سے روک دیا ہے، پس! وہ ہدایت نہیں پاتے۔(۲۴) کیوں وہ سجدہ نہیں کرتے اللہ کو جو آسمانوں اور زمین میں چھپی ہوئی چیزیں نکالتا ہے اور جانتا ہے جو کچھ تم چھپاتے ہو اور جو ظاہر کرتے ہو۔(۲۵) اللہ کے سوا بندگی نہیں وہ بڑے تخت کا مالک ہے۔(۲۶)

تفسیر

ہدہد نے بیان کیا کہ وہاں ایک ملکہ حکمران ہے جس کے پاس ہر قسم کی چیزیں دی گئی ہیں اور اس کا ایک بڑا تخت ہے۔ جس پر بیٹھ کر وہ حکومت کے کام کرتی ہے، مفسرین کرام بیان کرتے ہیں کہ: یہ عظیم تخت اسی (۸۰) ہاتھ لمبا، پچاس (۵۰) ہاتھ چوڑا، اور چالیس (۴۰) ہاتھ اونچا تھا، جس پر بہت قیمتی ہیرے اور موتی لگے ہوئے تھے۔

ہدہد نے اپنا سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے مزید انکشاف کیا کہ میں نے اس ملکہ اور اس کی قوم کو سورج

کے سامنے سجدہ کرتے ہوئے پایا ہے، اللہ کو چھوڑ کر گویا کہ سباء کی قوم سورج کو پوجتی تھی، سورج کے پجاری مصر میں بھی تھے اور ایران میں بھی، سورج کی پوجا کرنے والے برصغیر میں بھی پائے جاتے ہیں، کراچی کے مجوسی اب بھی سورج نکلتے وقت سمندر کے کنارے پر کھڑے ہوجاتے ہیں، جب سورج نکلتا ہے تو اس کو سجدہ اور سلام کرتے ہیں۔

وَ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ: ہُدہُد نے کہا اس مشرک قوم کے برے عملوں کو شیطان نے ان کو نظر میں اچھا کر دکھایا ہے، وہ جو کچھ کرتے تھے شیطان کہتا تھا کہ تم بہت اچھا کام کررہے ہو، لہذا وہ سورج کی پوجا چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو پہچاننے کی بجائے سورج کی پوجا کو ہی حقیقت سمجھ رہے ہیں اور اس طرح شیطان نے ان کو سیدھے راستے سے روک رکھا ہے، ہُدہُد نے کہا وہ ہدایت نہیں پاتے، غلط راستے پر چل کر صحیح راستے سے محروم ہوچکے ہیں، مقصد یہ تھا کہ سلیمان علیہ السلام اس مشرک قوم کے خلاف کاروائی کریں۔

ہُدہُد نے سبا کی قوم کے شرک کا ذکر کرنے کے بعد پھر خود ہی توحید کی باتیں ذکر کی،۔ کہنے لگے: سبا کی قوم اللہ تعالیٰ کو سجدہ کیوں نہیں کرتی جو آسمان اور زمین کی پوشیدہ چیزیں نکلتا ہے، یعنی: اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے جو آسمانوں سے پوشیدہ پانی اتار کے اس سے طرح طرح کی سبزیاں اُگاتا ہے، زمین کے نیچے سے پانی، تیل، لوہا، سیسہ، سونا چاندی اور دوسری معدنیات نکالتا ہے۔

اور عرشِ عظیم کا مالک بھی وہی خدا ہے، پھر دوسروں کے سامنے کیوں سجدہ کرتے ہیں، یہاں تک سارا بیان ہُدہُد کا ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کا خط

قَالَ سَنَنْظُرُ اَصَدَقْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۲۷﴾ اِذْهَبْ

کہا کہ ابھی ہم دیکھ لیں گے آیا سچ کہا تو نے یا ہے تو سے جھوٹوں میں (۲۷) لے جا تو

بِّكِتٰبِیْ هٰذَا فَاَلْقِهْ اِلَیْهِمْ ثُمَّ تَوَلَّ عَنْهُمْ فَانْظُرْ مَاذَا
میرا خط یہ پس ڈال دے اسے طرف ان کی پھر دور ہٹ جا سے ان پھر دیکھ کیا

یَرْجِعُوْنَ ﴿۲۸﴾ قَالَتْ یٰۤاَیُّهَا الْمَلَؤُا اِنِّیْۤ اُلْقِیَ اِلَیَّ كِتٰبٌ كَرِیْمٌ ﴿۲۹﴾
جواب دیتے ہیں وہ (۲۸) کہنے لگی اے درباروالو! تحقیق میں ڈالا گیا ہے طرف میری ایک خط شاندار (۲۹)

اِنَّهٗ مِنْ سُلَیْمٰنَ وَ اِنَّهٗ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ﴿۳۰﴾ اَلَّا
تحقیق وہ ہے سے سلیمان اور تحقیق وہ ہے شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم والا ہے (۳۰) کہ مت

تَعْلُوْا عَلَیَّ وَ اْتُوْنِیْ مُسْلِمِیْنَ ﴿۳۱﴾
بڑائی چاہو پر مجھ اور چلے آؤ میرے پاس فرمانبردار ہو کر (۳۱)

ع ۲ ۱۷ ۱۷

بامحاورہ ترجمہ: سلیمان علیہ السلام نے کہا ہم ابھی دیکھتے ہیں کہ تو نے سچ کہا یا تو جھوٹا ہے۔ (۲۷) یہ میرا خط لے جاؤ (اور) ان کے سامنے ڈال دے، پھر ان کے پاس سے ہٹ جا، پھر دیکھ وہ کیا جواب دیتے ہیں۔ (۲۸) (ملکہ سبا بلقیس) کہنے لگی اے درباروالو! میرے پاس ایک شاندار خط ڈالا گیا ہے۔ (۲۹) وہ سلیمان کی طرف سے ہے اور وہ یہ ہے شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور رحم والا ہے۔ (۳۰) میرے مقابلے میں زور نہ دکھاؤ اور فرنبردار ہو کر میرے سامنے حاضر ہو جاؤ۔ (۳۱)

تفسیر

ہُدہُد کا بیان سنکر حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا: میں تیرے سچ اور جھوٹ کی جانچ ابھی کیے لیتا ہوں، یہ میرا خط ہے اُسے لے جا اور ان لوگوں کے سامنے لے جا کر ڈال دے اور اس کے بعد ایک کنارے ہو کر انتظار کر کہ وہ اس کے جواب میں کیا کہتے ہیں، ہُدہُد حضرت سلیمان علیہ السلام کا خط لے کر ملک سبا پہنچا، اور ملکہ کے پاس پہنچا دیا، مفسرین نے اس ملکہ کا نام بلقیس لکھا ہے کہ ہُدہُد نے بلقیس کے سونے کے کمرے میں روشندان سے

داخل ہو کر جب وہ سورہی تھی اس کے سینہ پر ڈال دیا، بلقیس نے خط پڑھا اور دربار میں آکر اپنے درباریوں اور مشورہ دینے والوں کو جمع کیا اور ان سے کہا میرے پاس ایک بڑا شاندار خط آیا ہے اور پہنچا بھی نرالے طریقے سے ہے، یہ خط حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف سے ہے لکھتے ہیں اللہ رحمٰن ورحیم کا نام لے کر کہتا ہوں کہ میرے سامنے شیخی نہ چلانا سیدھی طرح سے فرمانبردار بن کر حاضر ہو جاؤ۔

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ: اصل مضمون کے علاوہ اس خط میں سلیمان علیہ السلام نے اپنا تعارف بھی کرایا تھا اور اس کی ابتداء اس طرح تھی، یہ خط اللہ کے بندے سلیمان ابن داؤد علیہما السلام کی طرف سے ہے، اور سلامتی ہو اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے۔

قَالَتْ يٰۤاَيُّهَا الْمَلَؤُا اِنِّيْۤ اُلْقِيَ اِلَيَّ كِتٰبٌ كَرِيْمٌ: کریم کے لفظی معنی عمدہ کے ہیں، اور محاورہ میں کسی خط کو عمدہ جب کہا جاتا ہے، جبکہ اس پر مہر لگائی گئی ہو؛ اسی لئے اس آیت میں "كِتٰبٌ كَرِيْمٌ" کی تفسیر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ، قتادہ رضی اللہ عنہ، زہیر رضی اللہ عنہ وغیرہ نے مہر شدہ سے کی ہے، جس سے معلوم ہوا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے خط پر اپنی مہر لگائی تھی، ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب عجم کے بادشاہوں کی یہ عادت معلوم ہوئی کہ جس خط پر مہر نہ ہو اس کو نہیں پڑھتے تو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی بادشاہوں کے خطوط لکھنے کیلئے مہر بنوائی، اور روم اور ایران کے بادشاہوں کو جو تبلیغ ودعوت کے خط بھیجے ان پر مہر لگائی، اس سے معلوم ہوا کہ خط پر مہر لگانے سے اس آدمی کی بھی عزت افزائی ہوتی ہے جسکو خط لکھا جارہا ہو، آجکل عادت خط کو لفافہ میں بند کر کے بھیجنے کی ہوگئی ہے، یہ بھی مہر کے قائم مقام ہے، جس جگہ خط لکھنے والے کی عزت افزائی مقصود ہو کھلا خط بھیجنے کے بجائے لفافہ میں بند کر کے بھیجنا سنت کے زیادہ قریب ہے۔

احکام ومسائل

مسئلہ: خط لکھنے کی اصل سنت تو یہی ہے کہ ہر خط کے شروع میں "بسم اللہ" لکھی جائے، لیکن قرآن وسنت

سے حضراتِ فقہاء نے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ جس جگہ "بسم اللہ" یا اللہ تعالیٰ کا کوئی نام لکھا جائے اگر اس جگہ اس کاغذ کے بے ادبی سے محفوظ رکھنے کا کوئی اہتمام نہیں بلکہ وہ پڑھ کر ڈال دیا جاتا ہے تو ایسے خط اور ایسی چیز میں "بسم اللہ" یا اللہ تعالیٰ کا کوئی نام لکھنا جائز نہیں کہ وہ اس طرح اس بے ادبی کے گناہ کا شریک ہو جائے گا، آجکل جو عام طور پر ایک دوسرے کو خطوط لکھے جاتے ہیں انکا حال سب جانتے ہیں کہ نالیوں اور گندگیوں میں پڑے نظر آتے ہیں؛ اس لئے مناسب یہ ہے کہ سنت ادا کرنے کی نیت سے زبان سے "بسم اللہ" کہہ لے تحریر میں نہ لکھے اور جہاں ان کو محفوظ رکھنے کا انتظام ہو تو وہاں "بسم اللہ" لکھنے میں کوئی حرج نہیں۔

ایسی تحریر جس میں کوئی قرآنی آیت لکھی ہو، کیا کسی کافر، مشرک کے ہاتھ میں دینا جائز ہے؟

یہ خط حضرت سلیمان علیہ السلام نے بلقیس کو اس وقت بھیجا ہے جبکہ وہ مسلمان نہیں تھیں، حالانکہ اس خط میں "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" لکھا ہوا تھا، جس سے معلوم ہوا کہ ایسا کرنا جائز ہے، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے جو خطوط بادشاہوں کو لکھے ہیں حالانکہ وہ مشرک تھے، ان میں بھی بعض قرآنی آیتیں لکھی ہیں، وجہ دراصل یہ ہے کہ قرآن کریم کا کسی کافر کے ہاتھ میں دینا تو جائز نہیں لیکن ایسی کوئی کتاب یا کاغذ جس میں کسی مضمون کے ضمن میں کوئی آیت آگئی ہو وہ عرف میں قرآن نہیں کہلاتا؛ اس لئے اس کا حکم بھی قرآن کا حکم نہیں ہوگا، وہ کسی کافر کے ہاتھ میں بھی دے سکتے ہیں اور بے وضو کے ہاتھ میں بھی دے سکتے۔

سلیمان علیہ السلام کے اس خط سے معلوم ہوا کہ خط مختصر ہو اور ضروری بات آجائے اور غیر ضروری باتیں نہ لکھی جائیں۔

آپس میں مشورہ

قَالَتْ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَفْتُوْنِيْ فِيْٓ اَمْرِيْ ۚ مَا كُنْتُ قَاطِعَةً اَمْرًا

کہنے لگی | اے | درباروالو! | مشورہ دو مجھے | میں | کام میرے | نہیں | ہوں میں | قطعی فیصلہ کرنے والی | کسی کام کا

حَتّٰى تَشْهَدُوْنِ ﴿۳۲﴾ قَالُوْا نَحْنُ اُولُوْا قُوَّةٍ وَّ اُولُوْا بَاْسٍ

یہاں تک کہ حاضر ہو تم میرے پاس (۳۲) بولے ہم والے سخت قوت اور والے لڑائی

شَدِيْدٍ ۙ وَّ الْاَمْرُ اِلَيْكِ فَانْظُرِيْ مَاذَا تَاْمُرِيْنَ ﴿۳۳﴾

سخت اور کام تیرے اختیار میں ہے سو! تو دیکھ لے کیا حکم کرتی ہے (۳۳)

بامحاورہ ترجمہ: ملکہ کہنے لگی اے دربار والو! مجھے میرے کام میں مشورہ دو میں کوئی بات طے نہیں کرتی جب تک تم موجود نہ ہو۔ (۳۲) وہ بولے ہم زور اور قوت والے ہیں اور بڑے لڑنے والے ہیں، معاملہ تیرے اختیار میں ہے، سو! تو سوچ لے کیا حکم کرنا ہے۔ (۳۳)

تفسیر

سبا کی ملکہ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے خط کی مہر وغیرہ کے ساتھ حفاظت کے طریقے اور عبارت کی شان وشوکت سے سمجھ لیا کہ یہ کسی بڑے بادشاہ کا خط ہے جو بڑے دبدبے اور طاقت والا ہے، درباریوں کی طرف مخاطب ہو کر کہا، اس معاملے میں مجھے مشورہ دو کہ مجھے کیا کرنا چاہیئے، میری عادت تم جانتے ہو میں کسی بڑے اہم کام کے کرنے کا فیصلہ نہیں کرتی، جب تک کہ تم سب کو جمع کر کے تمہاری رائے نہ لے لوں، انہوں نے جواب دیا کہ ہمارے پاس جسمانی طاقت بھی اور جنگ کا سامان بھی موجود ہے، لڑائی کے وقت ہم پیچھے ہٹنے والے نہیں، کسی کے رعب میں آکر دبنے کی ضرورت نہیں، تجھے اختیار ہے کہ جو تو فیصلہ کرے گی، ہم اسے ماننے کیلئے تیار ہیں، بہر حال! ان لوگوں نے اپنی حیثیت کے مطابق رائے دی مگر فیصلہ ملکہ پر ہی چھوڑ دیا۔

ملکہ کو اطمینان ہوا کہ میرے لوگ کسی سے ڈرنے والے نہیں، میرے لئے ہر ایک سے لڑنے مرنے کو تیار ہیں، لیکن وہ عقل کی تیز اور انجام کو سوچنے والی بھی تھی، لڑائی میں جلدی کرنا مناسب نہ سمجھا، خط کے الفاظ اور طرزِ بیان سے سمجھ چکی تھی کہ یہ کوئی طاقت ور بادشاہ ہے؛ اس لئے ابھی سے لڑائی کی ٹھان لینا مناسب نہیں۔

ملکہ کا فیصلہ

قَالَتْ اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً اَفْسَدُوْهَا وَ جَعَلُوْٓا
ملکہ نے کہا تحقیق کہ بادشاہ جب گھس آتے ہیں کسی شہر میں خراب کردیتے ہیں اسکو اور بناڈالتے ہیں

اَعِزَّةَ اَهْلِهَآ اَذِلَّةً ۚ وَ كَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ ﴿۳۴﴾ وَ اِنِّيْ مُرْسِلَةٌ
معزز لوگوں کو اسکے ذلیل اور وہ بھی ایسا ہی کریں گے (۳۴) اور میں تو بھیج رہی ہوں

اِلَيْهِمْ بِهَدِيَّةٍ فَنٰظِرَةٌۢ بِمَ يَرْجِعُ الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۳۵﴾
طرف ان کی ایک بہت بڑا ہدیہ پھر دیکھتی ہوں کیا جواب لے کر لوٹتے ہیں تحفہ لیکر جانے والے (۳۵)

بامحاورہ ترجمہ: ملکہ کہنے لگی بادشاہ جب کسی شہر میں گھستے ہیں تو اسے خراب کردیتے ہیں اور وہاں کے سرداروں کو بے عزت کرڈالتے ہیں اور وہ ایسا ہی کچھ کریں گے۔(۳۴) میں ان کیلئے کچھ تحفے بھیجتی ہوں، پھر دیکھتی ہوں کہ قاصد کیا جواب لے کر لوٹتے ہیں۔(۳۵)

لفظی تحقیق: اَعِزَّةٌ: عزیز کی جمع ہے، عزت والے۔ اَذِلَّةٌ: ذلیل کی جمع، بے قدر۔ اَلْمُرْسَلُوْنَ: مُرْسَل کی جمع ہے، قاصد جسے کسی کام کیلئے کسی کے پاس بھیجا جائے۔

تفسیر

ملکہ بلقیس نے درباریوں کی بات سنی، اگر نادان ہوتی تو جوش میں آجاتی کہ میں خود حکمران ہوں میرے اوپر کسی اور کے حکم چلانے کے کیا معنٰی، وہ سمجھ چکی تھی کہ خط جو اسے ملا ہے کسی معمولی بادشاہ کا لکھا ہوا نہیں ہے، خط میں اسلام لانے کا حکم تھا، وہ کوئی ننھی بچی تو نہ تھی جو اسلام کے معنٰی نہ سمجھتی ہو، اس نے سمجھا اور ٹھیک سمجھا کہ یہ خط لکھنے والا اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسانوں کی ہدایت کیلئے پیغمبر ہے، ورنہ ایسی جرأت سے پیغام نہ دیتا، اس نے

سوچا اور ٹھیک سوچا کہ ابھی نہ اطاعت کا اظہار کرے اور نہ خواہ مخواہ لڑائی مول لے، کہنے لگی، ۔کوئی بادشاہ لشکر لے کر جب کسی ملک میں گھس آتا ہے تو وہ ملک کو تہ و بالا کر دیتا ہے، ہار جیت تو رہی درکنار، یوں ہی لوگوں کا بھرکس نکل جاتا ہے، معزز لوگ ذلیل ہو جاتے ہیں، مال دار غریب ہو جاتے ہیں، میری رائے ہے کہ کچھ نفیس تحفے دے کر اپنے لوگوں کو بھیجوں تا کہ وہ اپنی آنکھ سے اس خط بھیجنے والے کی شان و شوکت کا اندازہ لگائیں، میں یہاں انتظار کروں کہ وہ میرے تحفہ کے جواب میں کیا کہتے ہیں، چنانچہ اس نے یہی کیا۔

وَ اِنِّیْ مُرْسِلَةٌ اِلَیْهِمْ بِهَدِیَّةٍ: میں ان کی طرف کچھ تحفے بھیجنے والی ہوں، پس! دیکھتی ہوں کہ میرے بھیجے ہوئے لوگ کیا جواب لاتے ہیں، ملکہ کا مقصد یہ تھا اگر سلیمان علیہ السلام دنیا کے بادشاہوں کی طرح ہیں تو وہ تحفے تحائف لے کر خوش ہو جائے گا اور حملہ نہیں کرے گا اور اگر کوئی اچھا آدمی ہے تو پھر اس سے اچھے طریقے سے نپٹا جائے گا، تفسیری روایتوں میں آتا ہے کہ ملکہ نے تحفے میں پانچسو لونڈیاں، پانچسو غلام اور سونے کی پانچسو اینٹیں سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں تحفہ کے طور پر بھیجیں، یہ سارا مال سمندری راستے سے کشتیوں میں لاد کر سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں بھیجا گیا۔

اسی دوران اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علی علیہ السلام کو وحی کے ذریعے خبر دے دی کہ ملکہ ان کیلئے اس قسم کے تحفے بھیج رہی ہے، آپ نے اپنے دربار کے جنوں کو حکم دیا کہ نو میل تک ایسی سڑک بنا دی جائے جس کا فرش سونے کی اینٹوں کا ہو، پھر سڑک کے کنارے ایسے جانور کھڑے کر دیے گئے جن کا پیشاب اور لید سونے کی اینٹوں پر پڑتا تھا، سلیمان علیہ السلام نے بھی اپنے دربار کو سرے سے سجایا، وہاں پر حکومت کے لوگوں کے لئے مختلف سونے کی بنی ہوئی کرسیاں اور صوفے سیٹ لگائے گئے، غرضیکہ انہوں نے حیرت انگیز طریقے سے شاہی دربار کو سجایا۔

مفسرین بیان کرتے ہیں کہ: جب ملکہ کا قافلہ اپنے تحفے لے کر قریب پہنچا تو وہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ ہم تو سونے کی صرف پانچسو اینٹیں لائے ہیں، جبکہ یہاں تو نو میل لمبی سڑک ہی سونے کی اینٹوں سے بنائی گئی ہے، انہوں نے اپنے تحفوں کو سلیمان علیہ السلام کے مقابلے میں بالکل حقیر سمجھا، بعض کہتے ہیں کہ: انہوں نے سونے کی پانچسو

اینٹیں وہیں پھینک دیں کہ اتنا معمولی سا تحفہ سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں کیسے پیش کریں گے؟ پھر جب وہ شاہی دربار میں پہنچے تو وہاں کے انتظامات دیکھ کر حیران رہ گئے کہ ہم تو تحفوں کے ذریعے سلیمان علیہ السلام کو مرعوب کرنا چاہتے تھے، مگر یہاں تو معاملہ ہی کچھ اور ہے، بہر حال جب یہ شاہی قافلہ سلیمان علیہ السلام کے دربار میں پہنچا تو آپ نے ان کا باوقار طریقے سے استقبال کیا، ان کو بہترین جگہوں پر بٹھایا اور ان کی تواضع کی۔

بعض روایت میں ہے کہ اپنی سونے کی اینٹیں وہیں ڈال دیں، پھر جوں جوں آگے بڑھتے گئے دونوں طرف جنگلی جانوروں اور پرندوں کی صفیں دیکھیں، پھر جنوں کی صفیں دیکھیں تو بیحد متاثر ہو گئے مگر جب دربار تک پہنچے اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے حاضر ہوئے تو آپ خندہ پیشانی سے پیش آئے، ان کی مہمانی کا اکرام کیا مگر ان کے تحفے واپس کر دیے اور بلقیس کے سب سوالات کے جوابات دیے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کا جواب

فَلَمَّا جَآءَ سُلَيْمٰنَ قَالَ اَتُمِدُّوْنَنِ بِمَالٍ ۫ فَمَآ اٰتٰىنِۦَ اللّٰهُ

پس جب پہنچا (قاصد) سلیمان کے پاس کہا کیا امداد کرتے ہو میری مال سے سو! جو دیا ہے مجھے اللہ نے

خَيْرٌ مِّمَّآ اٰتٰىكُمْ ۚ بَلْ اَنْتُمْ بِهَدِيَّتِكُمْ تَفْرَحُوْنَ ۝ ارْجِعْ

بہتر ہے اس سے جو تمہیں دیا ہے بلکہ تم ہی ہو جو اپنے ہدیہ پر پھولتے ہو (۳۶) واپس جاؤ

اِلَيْهِمْ فَلَنَاْتِيَنَّهُمْ بِجُنُوْدٍ لَّا قِبَلَ لَهُمْ بِهَا وَ لَنُخْرِجَنَّهُمْ

ان کے پاس ہم ان پر آ پڑیں گے لشکروں کے ساتھ کہ نہیں طاقت ان کو ان کے مقابلے کی اور البتہ ہم نکال دیں گے انہیں

مِّنْهَآ اَذِلَّةً وَّ هُمْ صٰغِرُوْنَ ۝

سے اس ذلیل کر کے اور وہ دبے ہوئے ہوں گے (۳۷)

بامحاورہ ترجمہ:۔ پھر جب سلیمان کے پاس ملکہ کا قافلہ پہنچا تو سلیمان نے کہا کیا تم مال سے میری مدد

کرتے ہو، سو! جو اللہ تعالیٰ نے مجھے دیا ہے وہ اس سے بہتر ہے جو تمہیں دیا ہے، ہاں! تم ہی اپنے ہدیہ پر اتراتے ہو۔(۳۶) لوٹ جاؤ! ان کے پاس ہم ابھی ان پر پہنچتے ہیں بے شمار لشکر لیکر جس کا مقابلہ ان کے بس کا نہیں ہم انہیں وہاں سے بے عزت کر کے نکال دیں گے اور وہ ذلیل وخوار ہوں گے۔(۳۷)

لفظی تحقیق: اَتُمِدُّوْنَنِ: کیا میری امداد کرتے ہو۔ اصل میں اَتُمِدُّوْنَنِیْ ہے، پڑھنے اور لکھنے میں آخری "یا" گرگئی جو ضمیر متکلم ہے، ہمزہ استفہام کے بغیر "تُمِدُّوْنَ" مضارع کا صیغہ ہے امداد سے۔

تفسیر

سلیمان علیہ السلام کے پاس بلقیس کے قاصد تحفے لیکر پہنچے تو انہوں نے کہا، کیا مجھے مال ودولت اور یہ سب لالچ دلانے والی چیزیں تحفتاً بھیج کر بہلانا چاہتے ہو، تحفے دیکر یا لیکر تم لوگ خوش ہوا کرو۔ مجھے ان کی پرواہ نہیں، مجھے اللہ تعالیٰ نے تم سے بہت زیادہ اچھی چیزیں دی ہیں، تم اپنے ملک واپس جاؤ! اور کہہ دو کہ میں اس قدر لشکر اور سازوسامان لیکر تمہاری طرف آرہا ہوں کہ جن کے آگے تمہیں ٹھہرنے کی ہمت نہ ہوگی، اگر تم نے میرے پہلے خط پر عمل نہ کیا تو میری فوج تمہیں تمہارے ملک سے نکال کر ہی دم لے گی اور تم وہاں سے ذلیل کر کے نکال دیئے جاؤ گے، بلقیس کے قاصد واپس چلے گئے اور صورت حال کا نقشہ بلقیس کے سامنے رکھ دیا۔

فَمَآ اٰتٰىنِ َ اللّٰهُ خَيْرٌ مِّمَّآ اٰتٰىكُمْ: اللہ تعالیٰ نے مجھے تم سے بہتر عطا کر رکھا ہے، تم نے راستے میں دیکھا کہ جس سڑک پر سے تم گذر کر آئے ہو وہ سونے کی اینٹوں کی بنی ہوئی ہے جس پر میرے مویشی لید اور پیشاب وغیرہ کرتے ہیں۔ بھلا مجھے تمہاری ان پانچسو سونے کی اینٹوں کی کیا ضرورت ہے اور پھر یہ بھی ہے کہ تمہیں تو اللہ تعالیٰ نے صرف دنیا کا مال دیا ہے، لیکن مجھے اس مال کے علاوہ علم، دین، شریعت اور پیغمبری بھی عطا فرمائی ہے، لہذا مجھے جو کچھ عطا کیا گیا ہے وہ تم سے بہت بہتر ہے، جہاں تک فوج، لشکر اور جنگی سازوسامان کا تعلق ہے تو میرے پاس نہ صرف انسانوں کی فوج ہے بلکہ جنوں اور پرندوں کے لشکر بھی ہیں، اللہ نے تمام جانور بھی میرے

تابع کر دیئے ہیں، لہذا نہ تو تم مال میں مجھ سے زیادہ ہو اور نہ جنگ کے میدان میں میرا مقابلہ کر سکتے ہو۔

اِرْجِعْ اِلَيْهِمْ: تم اپنے بھیجنے والوں کی طرف واپس جاؤ، ہمیں ان تحفوں کی ضرورت نہیں ہے، ہم تو صرف یہ چاہتے ہیں کہ وہ لوگ فرمانبردار بن کر ہمارے پاس چلے آئیں، اور اگر وہ ایسا نہیں کرتے تو پھر ہم سبا والوں کی طرف ایسا لشکر لائیں گے جس کا وہ مقابلہ نہیں کر سکیں گے، ہم ان پر حملہ آور ہوں گے اور انہیں بے عزت کر کے ان کے ملک سے نکال دیں گے اور وہ ذلیل و خوار ہو کر رہ جائیں گے۔ ان کی سلطنت بھی چھن جائیگی، اور ان کو قیدی بھی بنالیا جائیگا۔

جب سبا کا یہ قافلہ دھمکی آمیز پیغام لے کر اپنے ملک واپس پہنچا تو ملکہ کو سارے حالات سے آگاہ کیا کہ سلیمان علیہ السلام کو تحفوں کی ضرورت نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نے انہیں بہت کچھ دیا ہے وہ تو صرف اطاعت چاہتے ہیں، ملکہ دانشمند تھی فوراً بات کی تہ تک پہنچ گئی اور جنگ کی بجائے اطاعت گزاری اختیار کرنے کا فیصلہ کیا، چنانچہ ملکہ نے روانگی کی تاریخ مقرر کی اور اپنے درباریوں کے ساتھ شام و فلسطین کے سفر پر روانہ ہو گئیں تا کہ سلیمان علیہ السلام کے پاس خود حاضر ہو کر اپنی اطاعت گزاری کا یقین دلا سکیں۔

بلقیس کی آمد

قَالَ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَيُّكُمْ يَاْتِيْنِىْ بِعَرْشِهَا قَبْلَ اَنْ يَّاْتُوْنِىْ

کہا سلیمان نے اے درباروالو! کون ہے تم میں جو لائے پاس میرے تخت اس کا پہلے اس کے کہ وہ آئیں پاس میرے

مُسْلِمِيْنَ ﴿٣٨﴾ قَالَ عِفْرِيْتٌ مِّنَ الْجِنِّ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ

فرمانبردار بن کر (۳۸) بولا ایک دیو سے جنوں میں لے آؤں گا آپ کے پاس اس سے پہلے

اَنْ تَقُوْمَ مِنْ مَّقَامِكَ ۚ وَ اِنِّىْ عَلَيْهِ لَقَوِىٌّ اَمِيْنٌ ﴿٣٩﴾

کہ آپ کھڑے ہوں سے جگہ اپنی اور تحقیق میں پر اس البتہ قوت والا امانت دار ہوں (۳۹)

بامحاورہ ترجمہ:۔ سلیمان نے کہا اے درباروالو! تم میں کون ہے جو اس کا تخت اس کے فرمانبردار بن کر میرے پاس آنے سے پہلے لے آئے۔(۳۸) جنوں میں سے ایک دیو بولا میں آپ کو وہ لائے دیتا ہوں اس سے پہلے کہ آپ اپنی جگہ سے اٹھیں، اور میں اس پر قوت رکھنے والا امانت دار ہوں۔(۳۹)

تفسیر

حضرت سلیمان علیہ السلام کو جب بلقیس کے آنے کا معلوم ہوا تو آپ نے اپنے درباریوں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا: کوئی تم میں ایسا ہے کہ بلقیس کے پہنچنے سے پہلے جواب قریب آپہنچی ہے، اس کا تخت یہاں اٹھا لائے، جنوں میں سے ایک طاقتور دیو نے اٹھ کر کہا کہ میں لا سکتا ہوں اور اس سے پہلے کہ آپ اپنی جگہ سے اُٹھیں مجھ میں اس کام کو کرنے کی قوت بھی ہے اور میں اس تخت میں سے کچھ چراؤں گا بھی نہیں کیوں کہ میں امانت دار ہوں۔

سبا کی ملکہ کے آنے سے پہلے اس کا تخت منگانا غالباً اس غرض سے ہے کہ وہ لوگ میرا معجزہ بھی دیکھ لیں کیونکہ اتنا بڑا تخت اور پھر اس کا ایسے سخت پہروں میں ہونے کے باوجود یہاں آجانا کہ ان کو اطلاع تک نہ ہو، انسان کے بس سے باہر ہے۔

ملکہ کے آنے سے پہلے اس کا تخت منگانے کی حکمت

حضرت سلیمان علیہ السلام کو چونکہ یہ اطلاع مل گئی تھی کہ بلقیس ان کی دعوت سے متاثر ہونے کی بناء پر فرمانبردار بن کر آرہی ہے تو ارادہ فرمایا کہ: وہ ہماری شاہانہ قوت وشوکت کے ساتھ ساتھ ہمارا ایک پیغمبرانہ معجزہ بھی دیکھ لے تو اس کے ایمان لانے کیلئے زیادہ مددگار ہوگا، اللہ تعالیٰ نے جنوں کو معجزہ کے طور پر سلیمان علیہ السلام کے تابع اور فرمانبردار بنایا تھا جو انکے ہر حکم پر عمل کرتے تھے، شاید اللہ تعالیٰ کی طرف سے اشارہ پا کر انہوں نے یہ ارادہ فرمایا کہ بلقیس کے پہنچنے سے پہلے اسکا تخت یہاں پہنچا دیا جائے؛ اس لئے حاضرین کو جن میں جنات بھی تھے، تخت

لانے کیلئے دریافت فرمایا کہ تم میں سے کوئی ایسا ہے جو اس کا تخت اس کے میرے پاس آنے سے پہلے لے آئے، اور اس کے سارے مال و دولت میں تخت کا انتخاب بھی شاید اس لئے کیا گیا کہ وہ اسکی سب سے زیادہ محفوظ چیز تھی، جس کو سات شاہی محلات کے درمیان ایک محفوظ محل کے اندر رکھا تھا کہ اسکے اپنے آدمیوں تک کا بھی وہاں سے گزر نہ تھا، اس کا اتنے سخت پہرے میں ہونے کے باوجود اتنی دور پہنچ جانا سلیمان علیہ السلام کے پاس اللہ تعالیٰ کی قدرت سے ہی ہوسکتا ہے۔

تخت آگیا

قَالَ الَّذِیْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ اَنَا اٰتِیْكَ بِهٖ قَبْلَ

کہا اس نے جس کے پاس علم تھا کتاب کا میں لائے دیتا ہوں آپکے پاس اسے پہلے

اَنْ یَّرْتَدَّ اِلَیْكَ طَرْفُكَ ؕ

اس کے کہ واپس آئے طرف آپ کی نگاہ آپ کی

بامحاورہ ترجمہ:۔ پھر وہ شخص بولا جس کے پاس کتاب کا علم تھا میں اس کو آپکے پاس لائے دیتا ہوں آپ کی آنکھ جھپکنے سے پہلے (بس اس کا یہ کہنا تھا کہ تخت حاضر ہوگیا)۔

تفسیر

جب دیو اپنی خدمت پیش کرچکا تو حاضرین میں سے ایک علم والا شخص بولا، میں بلقیس کا تخت آپ کے پاس پلک جھپکنے سے پہلے لے آوں گا، مفسرین نے اس شخص کو حضرت سلیمان علیہ السلام کا خالہ ذات بھائی آصف بن برخیا کہا ہے اور وہ آسمانی کتابوں کا عالم تھا اور تخت کا پلک جھپکنے میں آجانا اس کی کرامت تھی۔

اللہ تعالیٰ کا شکر

فَلَمَّا رَاٰهُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَهٗ قَالَ هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّیْ ۖ لِيَبْلُوَنِیْٓ
پس جب دیکھا اسے رکھا ہوا پاس اپنے کہا یہ سے فضل رب میرے کا تاکہ آزمائے مجھے

ءَاَشْكُرُ اَمْ اَكْفُرُ ؕ وَ مَنْ شَكَرَ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ۚ وَ
آیا میں شکر کرتا ہوں یا ناشکری اور جس نے شکر کیا تو پس اس نے شکر کیا لیے جان اپنے کے اور

مَنْ كَفَرَ فَاِنَّ رَبِّیْ غَنِیٌّ كَرِيْمٌ ﴿۴۰﴾
جس نے ناشکری کی پس تحقیق رب میرا بے پرواہ کریم (۴۰)

بامحاورہ ترجمہ:۔ پھر جب سلیمان نے آصف بن برخیا کے کہنے کے بعد تخت کو اپنے سامنے رکھا ہوا دیکھا تو کہا یہ میرے رب کا فضل ہے تاکہ وہ جانچے کہ میں شکر کرتا ہوں یا ناشکری، اور جو شکر کرے گا سو اپنے واسطے کرے گا۔اور جو ناشکری کرے گا تو میرا رب بے پرواہ ہے کرم والا ہے۔(۴۰)

تفسیر

حضرت سلیمان علیہ السلام نے پلک جھپکنے میں بلقیس کا تخت اپنے تخت کے سامنے رکھا دیکھا، اپنے حال پر اللہ تعالیٰ کی اتنی بڑی عنایت دیکھ کر اس کا شکر ادا کیا اور فرمایا کہ: یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم ہے، اس میں میرا امتحان لینا مقصود ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں یا ناشکری کرتا ہوں، اس کی نعمت کا کوئی شکر ادا کرے تو اس میں خود شکر ادا کرنے والے ہی کا بھلا ہے، اس کی نیکی کا پھل خود اسے ہی ملے گا، اللہ تعالیٰ کو کسی کے شکر کی پرواہ نہیں وہ کریم ہے جو اپنے کرم سے سب کے کام بناتا ہے جو شکر کرے گا اسے شکر کا نیک بدلہ ملے گا اور جو ناشکری کرے گا وہ آگے چل کر پچھتائے گا کہ اس نے اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا کرنے کا ایک بڑا موقعہ ہاتھ سے

کھود یا، حضرت سلیمان علیہ السلام کے قصہ کے ضمن میں انسان کو ایک بات سکھائی جا رہی ہے جو کچھ اسے ملتا ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملتا ہے، چاہیئے کہ ہر وقت اللہ کا شکر ادا کرتا رہے، اسی میں انسان کا بھلا ہے۔

عقل کا امتحان

قَالَ نَكِّرُوْا لَهَا عَرْشَهَا نَنْظُرْ اَتَهْتَدِيْٓ اَمْ تَكُوْنُ مِنَ

کہا شکل بدل دو اس کیلئے تخت اس کے کی ہم دیکھیں کیا وہ سمجھ جاتی ہے یا ہوتی ہے سے

الَّذِيْنَ لَا يَهْتَدُوْنَ ﴿۴۱﴾ فَلَمَّا جَآءَتْ قِيْلَ اَهٰكَذَا عَرْشُكِ ؕ

ان لوگوں جو نہیں سمجھتے (۴۱) پس جب وہ آئی کہا گیا کیا ایسا ہی ہے تخت تیرا

بامحاورہ ترجمہ:۔ سلیمان نے اپنے لوگوں سے کہا اس کے لئے اس کے تخت کی شکل بدل دو ہم دیکھیں وہ حقیقت کو سمجھتی ہے یا نہیں۔(۴۱) پھر جب وہ آ پہنچی تو اس سے کہا گیا کیا تیرا تخت ایسا ہی ہے؟

تفسیر

قَالَ نَكِّرُوْا لَهَا عَرْشَهَا : سلیمان کہنے لگے سبا کی ملکہ کے تخت میں کچھ تبدیلی کر دو تا کہ ہم اس کی عقل کا امتحان لے سکیں، مقصد یہ ہے کہ ہم دیکھیں کہ وہ سمجھ رکھتی ہے یا بے سمجھ لوگوں میں سے ہے۔ اگر عقلمند ہوگی تو فوراً سمجھ جائیگی کہ یہ تو اسی کا تخت ہے جسے وہ اپنے محل میں بند کر کے آئی ہے، پھر جب ملکہ سلیمان علیہ السلام کے پاس پہنچ گئی تو اس کا بڑے اچھے طریقے سے استقبال کیا اور اس سے کہا گیا کیا تیرا تخت بھی ایسا ہے؟ اس سوال و جواب سے ملکہ کی عقل کا امتحان مقصود تھا؛ اس لئے اس سے یہ سوال نہیں کیا گیا کہ کیا یہ تیرا تخت ہے بلکہ اس سے کہا گیا کہ کیا تیرا تخت اسی طرح ہے۔

کفر کی وجہ

قَالَتْ كَاَنَّهٗ هُوَ ۚ وَ اُوْتِيْنَا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهَا وَ كُنَّا

بولی گویا یہ وہی ہے اور دیا گیا ہمیں علم سے پہلے اس اور ہو گئے ہم

مُسْلِمِيْنَ﴿۴۲﴾ وَ صَدَّهَا مَا كَانَتْ تَّعْبُدُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ اِنَّهَا

اطاعت کرنے والے(۴۲) اور روکا اسے اس نے جو تھی وہ پوجتی سے سوا اللہ کے تحقیق وہ

كَانَتْ مِنْ قَوْمٍ كٰفِرِيْنَ﴿۴۳﴾

تھی سے قوم کفر کرنے والے(۴۳)

بامحاورہ ترجمہ:۔ بلقیس نے کہا: لگتا ہے کہ یہ وہی ہے اور ہم کو پہلے سے معلوم ہو چکا ہے اور ہم مسلمان ہو چکے ہیں۔(۴۲) اور روکا تھا اس کو اسلام لانے سے اس چیز نے جسکو وہ پوجتی تھی اللہ کے سوا مطلب یہ ہے کہ اس کافر قوم کے کفریہ اور شرکیہ رسم ورواج اور طور طریقوں نے ملکہ کو ایمان لانے سے روکا تھا البتہ وہ کافر قوم میں سے تھی۔(۴۳)

تفسیر

بلقیس نے تخت کی طرف دیکھا اور سوچ میں پڑ گئی، اکثر باتیں تو وہی تھیں جو اس کے تخت میں تھیں، لیکن کچھ بدلی ہوئی بھی تھیں، حیران تھی کہ کیا جواب دے، آخر وہ خیال آیا جو اس نے پہلے ہی سلیمان علیہ السلام کی بابت قائم کر لیا تھا، یعنی: وہ بہت بڑی طاقت والے انسان ہیں اور دنیا کے پیدا کرنے والے نے انہیں وہ کچھ دیا ہے جو دوسروں کو میسر نہیں ہوا، پھر بھی اس نے جواب احتیاط کے ساتھ دیا اور کہا معلوم تو ایسا ہی ہوتا ہے کہ یہ وہی ہے، اس کے ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیا کہ ہمیں تو اس نشانی کے دیکھنے سے پہلے ہی معلوم ہو گیا تھا کہ (سلیمان علیہ السلام) اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہیں اور ہم نے ان کا فرمانبردار ہونے کا فیصلہ کر لیا تھا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بلقیس اپنی

دانشمندی سے اس نتیجہ پر پہلے ہی پہنچ چکی تھی کہ اصلی معبود اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ جس نے سلیمان علیہ السلام کو بے مثال حکومت عطا فرمائی۔

سلیمان علیہ السلام کا خط پہنچتے ہی اسے یقین ہو گیا کہ یہ سارے جہاں کے پیدا کرنے والے کے پیغمبر ہیں، آگے آیت سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ دل میں ایمان رکھتی تھی، لیکن اعلان اس لیے نہ کرتی تھی کہ اس کی ساری کی ساری قوم تو سورج کی پجاری تھی اور یہ بھی انہی کے ساتھ سورج کی پوجا میں شریک تھی، اب جو سلیمان علیہ السلام کے پاس آئی تو اس کا چھپا ہوا ایمان جو آپ کے خط سے اُبھر چکا تھا، تخت کی نشانی دیکھ کر پختہ ہو گیا اور اس نے اس کا کھلم کھلا اقرار کر لیا۔

وَ صَدَّهَا مَا كَانَتْ تَّعْبُدُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ: اس کو روک دیا تھا ایمان لانے سے ان چیزوں نے جن کی وہ اللہ تعالیٰ کے سوا عبادت کرتی تھی، بیشک وہ کافر قوم کی ایک فرد تھی، اکثر لوگ اپنی جاہلانہ رسم ورواج میں پھنس کر ہی ہدایت سے محروم رہتے ہیں، اس زمانے کا حال بھی مختلف نہیں، پوری کی پوری قومیں محض رسم ورواج کی پابند ہو کر رہ گئی ہیں، کوئی اکا دکا سمجھدار آدمی ہو بھی تو وہ بھی انہی کے طور طریقوں کو اپنانے پر مجبور ہوتا ہے، آج بھی لوگ کسی حقیقت کو سوچنے سمجھنے کی بجائے لکیر کے فقیر بن کر ہدایت سے محروم ہیں، عام قوموں، فرقوں اور جماعتوں کا بھی یہی حال ہے۔

بعض آدمیوں کے بارے میں حیرت ہوتی ہے کہ بڑے بڑے دانشور، بیرسٹر، اور باریک بین ہونے کے باوجود کفر وشرک میں مبتلا رہتے ہیں، وجہ یہی ہے کہ ملکی اور خاندانی رسم ورواج ان کے مزاج میں رچ بس چکا ہوتا ہے، جس سے چھٹکارا ممکن نہیں ہوتا۔

بلقیس کا اسلام لانا

قِيْلَ لَهَا ادْخُلِي الصَّرْحَ ۚ فَلَمَّا رَاَتْهُ حَسِبَتْهُ لُجَّةً وَّ

کہا گیا | سے اس | داخل ہو | محل میں | پس جب | اسے دیکھا | گمان کیا اسے | گہرا پانی | اور

كَشَفَتْ عَنْ سَاقَيْهَا ؕ قَالَ اِنَّهٗ صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ مِّنْ قَوَارِيْرَ ؕ

کھول لیں پنڈلیاں اپنی کہا تحقیق وہ محل ہے جڑا ہوا سے شیشوں

قَالَتْ رَبِّ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ وَ اَسْلَمْتُ مَعَ سُلَيْمٰنَ

بولی اے رب میرے! میں نے ظلم کیا جان اپنی پر اور اب ایمان لائی ساتھ سلیمان کے

لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۴﴾ ع ۳ ۱۴ ۱۸

اللہ پر جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے (۴۴)

بامحاورہ ترجمہ:۔ بلقیس سے کہا گیا آپ محل میں داخل ہو جاؤ جب ملکہ نے محل میں داخل ہو کر فرش کو دیکھا تو اس نے اُسے گہرا پانی گمان کیا اور اپنی پنڈلیاں کھول لیں، اُس کے اس طرزِ عمل پر سلیمان نے کہا یہ تو ایک محل ہے شیشوں سے جڑا ہوا، بولی اے رب میں نے اپنی جان پر ظلم کیا۔ اب میں سلیمان کے ساتھ اس اللہ پر ایمان لائی جو سارے جہان کا رب ہے۔ (۴۴)

لفظی تحقیق: **مُّمَرَّدٌ:** مضبوط بنایا ہو۔ **صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ:** سے مراد ایسا محل جس کے فرش پر بجائے چونے گچ کے مضبوط اور شیشے جڑ دیئے گئے ہوں۔

تفسیر

سلیمان علیہ السلام کے ایک محل میں شیشوں کا فرش تھا، یہ شیشے دور سے پانی کی طرح چمکتے تھے یا ان کے نیچے سچ مچ پانی، جسے اوپر سے شیشوں سے جڑ دیا گیا تھا، سلیمان علیہ السلام نے چاہا کہ بلقیس پر مشرکوں کے خیال کا غلط ہونا ثابت کریں؛ اس لیے اسے اس محل میں داخل ہونے کا حکم دیا، دروازہ ہی میں سے فرش چمکدار معلوم ہوا اور وہ اسے گہرا پانی سمجھی، پائنچے چڑھائے تاکہ بھیگ نہ جائیں، اس سے اس کی پنڈلیاں کھل گئیں۔

سلیمان علیہ السلام دیکھ رہے تھے فرمایا: یہ پانی نہیں شیشہ کا فرش ہے، اس پر سپاٹ آئینہ جڑا ہوا ہے، بلقیس سمجھ

گئی کہ مجھے دھوکہ ہوا، انسان ایسے ہی دھوکے کی وجہ سے شرک میں مبتلا ہوتا ہے، میں نے اب تک شرک کر کے اپنی جان کیلئے تباہی مول لی، میں نے توبہ کی اور سلیمان علیہ السلام کی طرح پروردگار عالم پر ایمان لائی، پہلے جو کچھ کہا تھا وہ اسلام کا اقرار تھا اور یہ دل سے ایمان اور یقین کا اظہار تھا۔

قَالَتْ رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ: ملکہ کہنے لگی اے پروردگار! بیشک میں نے اپنی جان پر ظلم کیا ہے کہ میں اب تک کفر و شرک میں مبتلا رہی ہوں اور کفر و شرک کی حقیقت یہ ہے کہ یہ محض ایک دھوکہ ہے، جس طرح ملکہ کو پانی کا دھوکہ ہوا اسی طرح کافروں اور مشرکوں کو دھوکہ ہوتا ہے، وہ ایسی چیزوں کو معبود بنا لیتے ہیں، جن میں معبود ہونے کی کوئی صلاحیت نہیں ہوتی اور اس طرح وہ خدا تعالیٰ سے غافل ہو جاتے ہیں، ملکہ سبا نے بھی ایسا ہی دھوکہ کھایا، مگر فوراً سنبھل گئی اور اپنے پر ظلم کرنے کا اعتراف کر لیا اور پھر واضح طور پر اقرار کیا، اب میں سلیمان علیہ السلام کے ساتھ اللہ تعالیٰ پر ایمان لا چکی ہوں، اپنی پچھلی زندگی کی غلطی کا اقرار کرتی ہوں اور اعلان کرتی ہوں کہ اللہ رب العالمین کے سوا کوئی قدرت والا نہیں، نہ کوئی نفع پہنچانے والا ہے نہ کوئی نقصان پہنچانے والا ہے۔

ثمود کے پیغمبر

وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ

اور البتہ تحقیق بھیجا ہم نے طرف ثمود کی بھائی ان کے صالح کو کہ بندگی کرو اللہ کی

فَاِذَا هُمْ فَرِیْقٰنِ یَخْتَصِمُوْنَ ﴿۴۵﴾ قَالَ یٰقَوْمِ لِمَ تَسْتَعْجِلُوْنَ

پس اچانک وہ دو فریق ہو گئے آپس میں جھگڑتے (۴۵) کہا اے قوم میری! کیوں جلدی کرتے ہو

بِالسَّیِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ

برائی مانگنے میں پہلے بھلائی سے

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور ہم نے ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح کو (پیغمبر بنا کر) بھیجا تھا کہ اپنی قوم سے

کہیں کہ اللہ تعالیٰ کی بندگی کرو پھر وہ تو دو فریق ہو کر لگے جھگڑنے۔ (۴۵) صالح نے کہا اے میری قوم! جلدی مانگتے ہو برائی کو بھلائی سے پہلے یعنی تم اللہ تعالیٰ کی رحمت و بخشش مانگنے کے بجائے اپنے اوپر عذاب کا مطالبہ کر رہے ہو۔

تفسیر

اللہ تعالیٰ نے کچھ پیغمبروں کا حال قرآن مجید میں اس لیے بیان فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے منکروں پر یہ حقیقت واضح ہو جائے کہ انسان کی ہدایت کیلئے اللہ تعالیٰ نے دنیا میں وقتاً فوقتاً اپنے پیغمبر بھیجے اور ان کے ذریعہ انسان کو بتایا کہ اس دنیا کا مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے اسی کے فرمانبردار ہو کر رہو اور سرکشی اور خودسری سے باز آؤ۔ اسی سلسلے میں ارشاد ہے کہ: ہم نے ثمود کی قوم کے اندر انہیں کے ایک فرد صالح (علیہ السلام) کو ان کے سمجھانے کیلئے اپنا پیغمبر بنا کر بھیجا، انہوں نے ان سے کہا کہ اپنی طاقت پر مغرور ہو کر دنیا میں فساد پھیلانے کا باعث مت بنو، تمہاری یہ قوت اور خوش حالی اللہ تعالیٰ کی عطا کی ہوئی ہے، اس کا حکم مانو اور جیسے وہ کہے اس کا کہا مانو۔

ثمود کی قوم سے یہ امید کی جاتی تھی کہ وہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر حضرت صالح علیہ السلام کی بات مان لیں گے لیکن وہ دو فریق بن گئے، ایک نے ان کی بات سنی دوسرے نے سن کر ان سنی کر دی پھر ان کے آپس کے جھگڑے ہونے لگے۔

حضرت صالح علیہ السلام نے مخالفین کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرایا، انہوں نے کہا ہم تو نہیں مانتے جا عذاب لے آ، حضرت صالح علیہ السلام نے سمجھایا کہ تم نے میری بات سن کر یہ نہ کیا کہ ایمان لاتے، توبہ کرتے اور نیک زندگی بسر کرتے پہلے ہی سے لگے عذاب کو جلدی مانگنے یہ تو تباہی کے طور طریقے ہے۔

مسلمانوں پر الٹا الزام

لَوْ لَا تَسْتَغْفِرُوْنَ اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۴۶﴾ قَالُوا اطَّيَّرْنَا

کیوں نہیں مغفرت طلب کرتے اللہ سے تاکہ پر تم رحم کیا جائے (۴۶) بولے منحوس پایا ہم نے

بِكَ وَ بِمَنْ مَّعَكَ ؕ قَالَ طٰٓئِرُكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ بَلْ اَنْتُمْ
تجھے اور انہیں جو ہیں ساتھ تیرے کہا تمہاری نحوست کا علم پاس اللہ کے ہے بلکہ تم

قَوْمٌ تُفْتَنُوْنَ ﴿۴۷﴾
ایک قوم ہو جسے آزمایا جارہا ہے (۴۷)

با محاورہ ترجمہ: ۔ تم اللہ تعالیٰ سے گناہ کیوں نہیں بخشواتے تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔ (۴۶) صالح علیہ السلام کی قوم ثمود کے لوگ بولے ہم نے تجھے اور تیرے ساتھ والوں کو منحوس دیکھا، صالح علیہ السلام نے کہا تمہاری اس نحوست کا سبب اللہ کے علم میں ہے بلکہ بات یہ ہے کہ تم لوگ آزمائے جارہے ہو۔ (۴۷)

لفظی تحقیق: اِطَّیَّرْنَا: منحوس پایا ہم نے۔ ماضی کا صیغہ ہے اِطَّیُّرٌ: سے "طَیْر" کے معنٰی اڑنے کے ہیں، پھر طائر سے مراد فال نحوست لی جانے لگی، کیوں کہ عرب پرندوں کے اڑنے کے طریقے سے بدفالی لیا کرتے تھے۔ "اِطَّیُّرٌ" اصل میں "اِتَطَیُّرٌ" کی دوسری شکل ہے اس سے مراد ہے۔ بدفالی لینا۔ منحوس سمجھنا۔ تُفْتَنُوْنَ: جانچے جاتے ہو، مضارع مجہول ہے۔

تفسیر

حضرت صالح علیہ السلام اپنی قوم سے کہہ رہے ہیں کہ تمہیں تو یہ چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرتے برے کاموں سے باز آتے اور پچھلی بدکاریوں سے استغفار کرتے، اس طرح سے تم پر رحم کیے جانے کی امید ہوسکتی تھی، تم تو لگے الٹا چلنے، اور اپنے منہ سے جلدی عذاب مانگنے، قوم نے یہ سنکر جواب میں کہا کہ اے صالح! ہم تجھے منحوس سمجھتے ہیں، تیری وجہ سے آپس میں تفرقہ پڑ گیا، پیار ومحبت کی زندگی گئی گذری ہوئی، لوگ ایک دوسرے کے دشمن ہوگئے، کاروبار میں فرق آگیا اب نہ وہ پہلی سی چہل پہل ہے اور نہ ہی وہ ہنسی دل لگی ہے، حضرت صالح

علیہ السلام نے فرمایا: یہ تو تمہاری بداعمالیوں کی نحوست ہے، یہ ساری مصیبتیں تمہارے برے عملوں کا نتیجہ ہیں، اللہ تعالیٰ نے تمہیں ہماری نافرمانی کفر کی وجہ سے آفتوں میں مبتلا کیا ہے، تا کہ دیکھیں کہ تم کفر سے باز آتے ہو یا نہیں۔

لَوْ لَا تَسْتَغْفِرُوْنَ اللّٰهَ: تم اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی کیوں نہیں مانگتے، تا کہ تم پر رحم کیا جائے، اگر اللہ کی طرف رجوع کروگے، برائیوں سے باز آجاؤ گے تو اللہ تعالیٰ تم پر رحم فرما کر تمہارے پچھلے گناہوں کو معاف کردیگا، مگر تم الٹا عذاب کا مطالبہ کررہے ہو، کتنی عجیب اور نقصان دِہ بات ہے، اس قسم کی الٹ دماغی صرف صالح علیہ السلام کی قوم ثمود کا ہی حصہ نہیں تھا، بلکہ دوسرے نافرمانوں نے بھی ایسا ہی مطالبہ کیا، چنانچہ شعیب علیہ السلام کی قوم نے بھی آپ سے یہی مطالبہ کیا، اگر تو سچا ہے تو ہم پر آسمان کا کوئی ٹکڑا گرادے، (الشعرآء: ۱۸۷) اور یہی بات پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے مشرکوں نے بھی کی تھی کہ ہم پر آسمان کا کوئی ٹکڑا گرادے۔ (بنی اسرائیل: ۹۲) اس قسم کی باتیں وہ اپنے غرور وتکبر کی بناء پر کرتے تھے۔ اور سمجھتے تھے کہ ہمارا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا اور ہم اسی طرح عیش وعشرت کرتے رہیں گے، مگر جب کسی قوم پر عذاب آیا تو پھر ان کی جڑ بنیاد ہی اکھاڑ کر رکھ دی گئی۔

اللہ تعالیٰ کے ہر پیغمبر نے اپنی اپنی قوم کو محبت اور پیار کے انداز میں سمجھانے کی کوشش کی مگر وہ نہ مانے، اللہ تعالیٰ نے یہاں پر صالح علیہ السلام کی قوم کا ذکر کیا ہے کہ جب آپ نے نصیحت والی باتیں کیں تو وہ کہنے لگے، اے صالح! ہم تجھے اور تیرے ایماندار ساتھیوں کو منحوس سمجھتے ہیں، جب سے تم نے یہ مذہب نکالا ہے اور تمہاری یہ جماعت پیدا ہوئی ہے تو ہمارے ہاں قحط پڑ گیا ہے، بارش رُک گئی ہے اور ہم پر طرح طرح کی مصیبتیں آپڑی ہیں، گھر گھر میں لڑائی شروع ہوگئی ہے، باپ بیٹے سے اور بھائی بھائی سے اُلجھ رہا ہے، اسی طرح خاوند اور بیوی کے درمیان لڑائی پیدا ہوچکی ہے، یہ سارے فتنے تمہاری نحوست کی وجہ سے برپا ہورہے ہیں، اس کے جواب میں صالح علیہ السلام نے کہا بری قسمت تو اللہ کے پاس ہے، اس میں کسی مخلوق کا کوئی اختیار نہیں، یہ تکلیفیں میرے اور

میرے ساتھیوں کی وجہ سے نہیں بلکہ تمہاری بدعملیوں، کفر، شرک اور گناہوں کی وجہ سے آرہی ہیں۔

پہلے زمانے میں لوگ پرندوں کو اڑا کر فال لیا کرتے تھے، مثلاً: پرندے کو اڑایا، اگر وہ اُڑ کر دائیں طرف گیا تو فال لیتے کہ ہمارا کام بن جائیگا اور اگر پرندہ بائیں طرف چلا جاتا تو بدفالی سمجھتے کہ ہمارا یہ کام پورا نہیں ہوگا، لہٰذا اس کو چھوڑ دیتے۔ حدیث میں آتا ہے بدفالی لینا شرک کی ایک قسم ہے، یہ بیماری آج بھی پائی جاتی ہے، کہیں اُلو بیٹھا دیکھ لیا تو اسے ویرانی پر محمول کر دیا، گھر سے نکلتے وقت اگر کالی بلی یا کالا کتا سامنے سے گذر گیا تو بدفالی سمجھ لی کہ اب کام نہیں ہوگا، واپس چلو! حدیث میں آتا ہے کہ حضرت معاویہ بن سُلمی رضی اللہ عنہ جب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام لائے تو انہوں نے عرض کیا جاہلیت کے زمانے میں ہم پرندوں کو اڑا کر فال لیا کرتے تھے، یہ کیسا ہے؟ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ محض وہم ہے اور اسے کسی کام میں رکاوٹ نہیں بننا چاہیئے، بلکہ اپنا کام جاری رکھو، فال کی بناء پر کسی کام کو نہ چھوڑو۔

صالح علیہ السلام نے قوم کے لوگوں سے کہا کہ تم ہماری موجودگی کو منحوس سمجھتے ہو، حالانکہ تمہاری نحوست کا علم تو اللہ کے پاس ہے، وہ تمہاری نافرمانی کی وجہ سے قحط سالی اور دوسری مصیبتیں لاتا ہے، یہ سب تمہارے شرک کی نحوست ہے جسے تم ہماری سرزمہ لگا رہے ہو، فرمایا: حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں آزمائش میں ڈال رکھا ہے مگر تم ناکام ہو رہے ہو۔

فسادی لوگ

وَ كَانَ فِي الْمَدِيْنَةِ تِسْعَةُ رَهْطٍ يُّفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ وَ لَا

اور تھے میں شہر نو(۹) بڑے شخص فساد کرتے تھے میں زمین اور نہ

يُصْلِحُوْنَ ﴿٤٨﴾ قَالُوْا تَقَاسَمُوْا بِاللّٰهِ لَنُبَيِّتَنَّهٗ وَ اَهْلَهٗ ثُمَّ

اصلاح کرتے تھے (۴۸) بولے قسم کھاؤ آپس میں اللہ کی البتہ رات کو حملہ کرینگے اس پر اور اس کے گھر والوں پر پھر

لَنَقُوْلَنَّ لِوَلِيِّهٖ مَا شَهِدْنَا مَهْلِكَ اَهْلِهٖ وَ اِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿۴۹﴾

کہہ دیں گے ہم اس کے دعویدار سے نہیں دیکھا ہم نے ہلاک ہونا اس کے گھر والوں کا اور تحقیق ہم البتہ سچے ہیں (۴۹)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور اس شہر میں نو شخص تھے جو ملک میں فساد کرتے تھے اور اصلاح نہ کرتے تھے۔ (۴۸) وہ آپس میں بولے اللہ کی قسم کھاؤ کہ ہم رات کے وقت حملہ کر کے اسے اور اس کے گھر والوں کو مار ڈالیں گے، پھر اس کے دعویدار سے کہیں گے کہ ہم نے نہیں دیکھا جب اس کا گھر تباہ ہوا اور بے شک ہم سچ کہتے ہیں۔ (۴۹)

لفظی تحقیق: لَنُبَيِّتَنَّهٗ: رات کو جا پڑیں گے ہم اس پر۔ "نُبَيِّتُ" مضارع کا صیغہ ہے۔ تَبْيِيْتٌ: رات کے وقت کوئی کام کرنا۔

تفسیر

جب کسی قوم کی شامت آتی ہے تو اس میں کچھ ایسے فسادی لوگ پیدا ہو جاتے ہیں جنہیں سوا اس کے کوئی کام نہیں ہوتا کہ دوسروں کو ستائیں، مار، پیٹ، لوٹ مار دغابازی، قتل وغارت، اپنی خواہشوں کی بے روک ٹوک پیروی، نیک لوگوں سے دشمنی رکھنا اور ان کو مٹانے اور نیچا دکھانے کی دھن میں ہر وقت لگے رہنا، بس یہی ان کے کام ہوتے ہیں۔

ارشاد ہے کہ: ثمود کے شہر حجر میں نو آدمی بڑے چھٹے ہوئے بدمعاش تھے جن کی اپنی اپنی جماعتیں تھیں اور جتھے بنے ہوئے تھے، یہ سب لوگ صالح علیہ السلام کے دشمن تھے، بلکہ کفر وشرک میں بھی بڑھے ہوئے تھے، صالح علیہ السلام کا سارا وعظ ان غنڈوں کے خلاف جاتا تھا اور وہ سمجھتے تھے کہ اگر لوگ ان پر ایمان لے آئے تو ان کی چودھراہٹ اور غنڈہ گردی ختم ہو کر رہ جائیگی، اسی طرح کے لوگ ہی نبیوں کے مخالف رہے ہیں اور آج بھی حق کے مقابلے کیلئے ایسے لوگ پیش پیش ہوتے ہیں، ملک میں دنگا مچانا، فساد پھیلانا ان کا کام تھا، ہر وقت خرابی اور بگاڑ میں لگے رہتے تھے، نیکی کا خیال بھی ان کے پاس نہ پھٹکتا تھا، انہوں نے جمع ہو کر فیصلہ کیا کہ سب اس بات کی قسم

کھاؤ کہ رات کے وقت صالح اور ان کے گھر والوں پر دھاوا بول دیں گے اور ان کو قتل کر ڈالیں گے، پھر اگر ان کے کسی والی وارث نے خون کا دعویٰ کیا تو صاف مکر جائیں گے کہ ہمیں معلوم نہیں یہ کیوں اور کس کے ہاتھ سے ہلاک ہوئے، ہم موقعہ پر موجود ہی نہ تھے جو دیکھتے۔

منصوبہ دھرا رہ گیا

وَ مَكَرُوْا مَكْرًا وَّ مَكَرْنَا مَكْرًا وَّ هُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ۝۵۰ فَانْظُرْ

اور بنایا انہوں نے ایک خفیہ منصوبہ اور بنایا ہم نے ایک منصوبہ اور وہ نہ جانتے تھے (۵۰) پس دیکھ

كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ مَكْرِهِمْ ۙ اَنَّا دَمَّرْنٰهُمْ وَ قَوْمَهُمْ اَجْمَعِيْنَ۝۵۱

کیسا ہوا انجام ان کے خفیہ منصوبہ کا کہ ہم نے تباہ کر دیا انہیں اور ان کی قوم کو سب کے سب کو (۵۱)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور انہوں نے ایک منصوبہ بنایا اور ہم نے بھی ایک منصوبہ بنایا جس کی ان کو خبر نہ ہوئی۔(۵۰) پھر دیکھ ان کے منصوبہ کا کیا انجام ہوا کہ ہم نے ان کو اور ان کی ساری کی ساری قوم کو ہلاک کر ڈالا۔(۵۱)

تفسیر

اس آیت میں ارشاد ہے کہ: ثمود کے غنڈے سرداروں نے حضرت صالح علیہ السلام اور ان کے گھر والوں کو جان سے مار ڈالنے کی تدبیر سوچی کہ رات کو حملہ کر کے سب کو قتل کر ڈالیں گے، بعد میں پوچھ گچھ ہوئی تو صاف مکر جائیں گے، ان ہی لوگوں نے اتفاق کر کے پہلے اونٹنی کو ہلاک کیا، پھر جب ان سے کہہ دیا گیا کہ تین دن کے بعد تم سب ہلاک ہو جاؤ گے اور اس کی نشانیاں بھی ظاہر ہونی شروع ہو گئیں، تب انہوں نے کہا کہ ہم تو مرتے ہی ہیں، لیکن صالح اور ان کے گھر والوں کو بھی زندہ نہ چھوڑیں گے، آیت میں اس کا بیان ہے انہوں نے حملہ کا منصوبہ

بنایا،لیکن اللہ تعالیٰ نے حضرت صالح علیہ السلام اوران کے گھر والوں کی حفاظت کا پہلے ہی سامان کررکھا تھا۔

آگے ارشاد ہے کہ: دیکھ لو! ان کا انجام کیا ہوا، خود بھی تباہ ہوئے اور دوسروں کو بھی اپنے ساتھ تباہ کیا، چنانچہ جب تین دن گذر چکے تو ہولناک زلزلوں اور خوفناک کڑک سے ساری آبادی تباہ ہوگئی۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: انہوں نے بھی ایک تدبیر کی اور ہم نے بھی ایک تدبیر کی اور ہماری تدبیر ایسی تھی، جس کا وہ شعور نہیں رکھتے تھے، یعنی: ہماری منصوبہ بندی کی وہ گرد تک بھی نہیں پہنچ سکتے تھے، چنانچہ جب یہ لوگ رات کے وقت حملہ کرنے کیلئے نکلے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں راستے میں ہی ہلاک کردیا اور یہ صالح علیہ السلام تک پہنچنے ہی نہ پائے، ان لوگوں کی ہلاکت کے متعلق تین قسم کی تفسیری روایتیں ملتی ہیں ایک یہ کہ ان پر آسمان سے پتھر برسائے گئے، دوسری یہ کہ ان پر اُوپر سے ایسی چیخ ماری گئی جس سے ان کے جگر پھٹ گئے اور ہلاک ہوگئے، تیسری روایت یہ ہے کہ ان کو زمین میں دھنسا کر ہلاک کیا گیا، یہ نو (۹) آدمی تو اس طرح مارے گئے اور باقی نافرمانوں کے متعلق "سورہ ہود" میں ہے کہ اللہ نے ان سے فرمایا: اپنے گھروں میں تین دن تک فائدہ اٹھالو، یہ ایسا وعدہ ہے جو جھوٹا نہیں ہوگا۔ (آیت: ۶۵)، چنانچہ پھر ایسی ہی ہوا کہ تین دن کے بعد ساری قوم ہلاک ہوگئی، ایک سخت کڑک اور زلزلے نے انہیں اس طرح الٹا کر رکھ دیا گویا وہ کبھی وہاں آبادی ہی نہ تھے، کسی کو بھی زندہ نہیں چھوڑا، ان کی بستیوں کو عبرت کا نشان بنادیا۔

عبرت

فَتِلْكَ بُيُوْتُهُمْ خَاوِيَةًۢ بِمَا ظَلَمُوْا ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ

پس یہ ہیں گھر ان کے گرے پڑے ہیں بسبب اس کے کہ ظلم کیا انہوں نے تحقیق میں اس البتہ نشانی ہے ان لوگوں کیلئے

يَّعْلَمُوْنَ ﴿۵۲﴾ وَ اَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ كَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴿۵۳﴾

جو جانتے تھے (۵۲) اور نجات دی ہم نے ان کو جو ایمان لائے اور تھے پرہیز کرتے (۵۳)

بامحاورہ ترجمہ:۔ سو! یہ ان کے گر پڑے گھر ہیں ان کے ظلم کی وجہ سے البتہ اس میں ان لوگوں کیلئے نشانی ہے جو جانتے ہیں۔(۵۲) اور ہم نے انہیں بچایا جو ایمان لے آئے تھے اور (کفر و شرک اور گناہوں سے) بچتے رہتے تھے۔(۵۳)

لفظی تحقیق: خَاوِيَةٌ: گرے ہوئے۔اسم فاعل مؤنث ہے۔

تفسیر

حضرت صالح علیہ السلام کی نصیحت کو ان کی قوم نے نہ مانا بلکہ ان کے دشمن ہو گئے، آخر ان کے کفر اور ظلم کی سزا انہیں ملی، زبردست گڑگڑاہٹ کے ساتھ سخت زلزلہ آیا ساری قوم ایک دم تباہ ہوگئی، گھر گر پڑے۔ باغات سوکھ گئے، اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے صالح علیہ السلام کو اور ان لوگوں کو جو ان پر ایمان لے آئے تھے اور ظلم وستم اور گناہوں سے بچ کر چلتے تھے بچالیا، ان کا حال سنکر سمجھداروں کو عبرت حاصل کرنی چاہیئے، مکہ سے شام کی طرف جاتے ہوئے وادی القریٰ میں سے گذرنا ہوتا ہے۔ وہاں ثمود کی بستیوں کے کھنڈرات ہیں، مکہ کے لوگ شام جاتے تو انہیں دیکھتے ہیں۔

وَ اَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا: اور ہم نے ایمان والوں کو اس عذاب سے بچالیا، حضرت صالح علیہ السلام پر ایمان لانے والے بھی ہزاروں آدمی تھے جو اللہ کی پکڑ سے محفوظ رہے، ایک تو وہ ایمان لانے کی وجہ سے بچ گئے اور ان کی دوسری صفت یہ تھی کہ وہ کفر وشرک اور گناہوں سے بچتے تھے، انہوں نے ایمان لانے کے بعد تقویٰ کو اختیار کیا اور اس طرح اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچ گئے۔

لوط علیہ السلام کی اپنی قوم کو نصیحت

وَ لُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖۤ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ وَ اَنْتُمْ

اور ہم نے لوطؑ کو بھیجا جب کہا اس نے سے قوم اپنی کیا اتر آئے تم بے حیائی پر حالانکہ تم

تُبْصِرُوْنَ﴿۵۴﴾ اَئِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ

سمجھتے دیکھتے ہو (۵۴)　کیا تم　آتے ہو　مردوں کے پاس　شہوت پوری کرنے　چھوڑ کر

النِّسَآءِ ؕ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ﴿۵۵﴾

عورتوں کو　بات یہ ہے کہ　تم　قوم　جاہل ہو　(۵۵)

با محاورہ ترجمہ:۔ اور بھیجا ہم نے لوط کو جب اس نے اپنی قوم سے کہا کیا تم بے حیائی پر اتر آئے ہو حالانکہ تم جانتے ہو۔(۵۴) کیا تم عورتوں کو چھوڑ کر مردوں کے پاس خواہش پوری کرنے آتے ہو بات یہ ہے کہ تم اس کے انجام سے بے خبر ہو۔(۵۵)

تفسیر

اس سورت میں مکہ والوں کو سمجھایا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو کفر، شرک اور بری عادتوں سے بچانے کیلئے پہلی امتوں میں اپنے پیغمبر بھیجے، پھر جنہوں نے ان کا کہنا نہ مانا اور اپنی نافرمانی پر اڑے رہے ان پر تباہی آن پڑی اور وہ تباہ و برباد ہوئے۔

اس سلسلہ میں ارشاد ہے کہ: ہم نے لوط علیہ السلام کو ایک نافرمان قوم کو سمجھانے کیلئے بھیجا، انہوں نے ان کے برے کام کی برائی انہیں کھول کر سمجھائی اور کہا کہ تم دیکھتے، بھالتے اور جانتے بوجھتے ہو کر ایسی گھناونی عادت میں کس طرح پھنس گئے کہ تم عورتوں کو چھوڑ کر مردوں کے ساتھ خواہش پوری کرنے کیلئے دوڑتے ہو اور ذرا نہیں شرماتے، اس کی وجہ کیا ہو سکتی ہے، سوا اس کے کہ تم عقل کے ہوتے ہوئے دیوانے بن گئے ہو اور جان بوجھ کر جاہلوں کے سے کام کرتے ہو، اس بری عادتوں کو چھوڑ دو۔

یہ واقعے اللہ تعالیٰ نے پہلے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے کے مشرکوں کی نصیحت اور عبرت کیلئے بیان کئے ہیں، اب اسی طرح لوط علیہ السلام اور ان کی قوم کے واقعہ کا ذکر ہو رہا ہے، وہ لوگ بھی ان کے وعظ و نصیحت کو برداشت نہیں کرتے

تھے، بلکہ انہیں اپنے راستے میں ایک رکاوٹ سمجھتے تھے، انہوں نے بھی لوط علیہ السلام کو ختم کرنے کی کوشش کی مگر

اللہ تعالیٰ کی طرف سے سخت ترین عذاب کا شکار ہوئے۔

جواب بن نہ پڑا

فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَخْرِجُوْٓا اٰلَ لُوْطٍ مِّنْ

پس نہ تھا جواب قوم اس کی کا مگر یہی کہ کہتے تھے نکال دو لوگوں کو لوط کے سے

قَرْيَتِكُمْ ۚ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ ﴿۵۶﴾ فَاَنْجَيْنٰهُ وَ اَهْلَهٗٓ

شہر اپنے تحقیق یہ لوگ ستھرا رہنا چاہتے ہیں (۵۶) پس بچا دیا ہم نے اسے اور گھر والوں اس کے کو

اِلَّا امْرَاَتَهٗ ۫

سوا عورت اس کی کے

بامحاورہ ترجمہ:۔ پھر اس کی قوم کا کچھ جواب نہ تھا مگر یہی کہتے تھے کہ نکال دو لوط کے گھر والوں کو اپنے شہر سے کیونکہ یہ لوگ اس بدفعلی سے ستھرے رہنا چاہتے ہیں۔(۵۶) پھر ہم نے بچایا اس کو اور اس کے گھر والوں کو سوا اس کی عورت کے۔

تفسیر

حضرت لوط علیہ السلام نے اپنی بے حیا قوم کو ایسا شرمندہ کیا کہ وہ کوئی جواب نہ دے سکے، معقول بات کا جواب ہی نہیں ہوسکتا، ایک ہی جملہ میں آپ نے ان کی بے وقوفی اور ان کی کام کے برائی بھی بیان کر دی اور ان کی جہالت پر انہیں شرمندہ بھی کر دیا اور ان کے اس برے کام کی معقول وجہ بھی بتادی، ایسی درست اور نصیحت والی بات کا وہ کیا جواب دیتے مگر اس کا کیا علاج کہ بعض جھگڑالو آدمی جب کسی بات کا معقول جواب نہیں دے سکتے تو فساد اور

ہاتھا پائی پر اتر آتے ہیں اور ضد میں آکر ایسے کام کر بیٹھتے ہیں، جو کوئی انسان تو کبھی نہیں کر سکتا، ہاں! اگر وہ نرا جانور اور وہ بھی درندہ ہی بات جائے تو اور بات ہے۔

ارشاد ہے کہ: حضرت لوط علیہ السلام کی قوم سے لوط علیہ السلام کی بات کا کوئی جواب نہ بن پڑا، ہار کر یہی بولے کہ لوط علیہ السلام کو اور اس کے سارے گھر والوں کو اپنے شہر سے نکال دو، ورنہ یہ اسی طرح ناک میں دم کرتے رہینگے، یہ لوگ ستھرے اور پاک صاف بنتے ہیں ان کا یہاں کچھ کام نہیں، ذرا خیال کیجئے کہ! ان کا دماغ کس قدر الٹ گیا تھا، وہ صفائی اور ستھرائی کو بری بات سمجھنے لگے تھے، اور گندگی میں لت پت رہنے کو اچھا جانتے تھے، انسان صورت ہو کر خنزیر سیرت ہو گئے تھے، ان ناپاک لوگوں کو ہم نے تباہ کر دیا اور لوط علیہ السلام کو اور ان کے گھر والوں کو بچا کر دوسری جگہ بھیج دیا، فقط لوط علیہ السلام کی عورت اپنی قوم کے ساتھ تباہ ہوئی۔

فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَخْرِجُوْٓا: آخر ان کا جواب یہ تھا کہ لوط علیہ السلام کے گھر والوں کو اپنی بستی سے نکال دو، یہ بڑے پاکباز لوگ بنے پھرتے ہیں جو ہمیں گندا کہتے ہیں، کہنے لگے ان کا ان گندی بستیوں میں کیا کام، ان کو نکال باہر کرو کہ یہ کسی اچھی جگہ پر چلے جائیں، مگر اللہ تعالیٰ کو کچھ اور ہی منظور تھا، صالح علیہ السلام اور لوط علیہ السلام کی قومیں اپنے اپنے پیغمبروں کو ختم کرنا یا نکالنا چاہتی تھیں، مگر اللہ تعالیٰ نے ان کو ذلیل وخوار کر کے اس دنیا سے ہی نکال دیا، "سورہ قمر" اور دوسری سورتوں میں یہ بھی موجود ہے کہ اگر بستی میں کوئی مہمان آجاتا تو اس کے ساتھ بدفعلی کا ارتکاب کر ڈالتے، یہ ایسی گندی قوم تھی، آخر کار خدا تعالیٰ کا غضب جوش میں آیا تو اللہ نے فرشتوں کو انسانی شکل میں بھیج کر قوم پر عذاب نازل کیا جس کی تفصیلات دوسری سورتوں میں موجود ہیں۔

آخر تباہ ہوئے

قَدَّرْنٰهَا مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿۵۷﴾ وَ اَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ۚ فَسَآءَ

ہم نے اسکا فیصلہ کر دیا تھا کہ وہ رہ جانے والوں میں ہوگی (۵۷) اور برسایا ہم نے پر ان ایک مینہ پس برا تھا

مَطَرُ الْمُنْذَرِیْنَ ۝۵۸ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ سَلٰمٌ عَلٰی عِبَادِهِ

مینہ ان ڈرائے ہوؤں کا (۵۸) آپ کہہ دیں حمد وثنا لئے اللہ کے ہے اور سلام پر بندوں ان

الَّذِیْنَ اصْطَفٰی ؕ آٰللّٰهُ خَیْرٌ اَمَّا یُشْرِكُوْنَ ۝۵۹

جنہیں پسند کیا کیا اللہ بہتر ہے یا جسے وہ شریک ٹھہراتے ہیں (۶۹)

بامحاورہ ترجمہ:۔ ہم نے اس کا فیصلہ کر دیا تھا کہ ان کی بیوی پیچھے رہ جانے والوں میں سے ہوگی۔ (۵۷) اور ہم نے ان پر ایک بارش برسائی، پس بری ہوئی بارش ان لوگوں کی جن کو عذاب سے ڈرایا گیا تھا۔ (۵۸) آپ کہہ دیں! حمد وثنا اللہ تعالیٰ کیلئے ہے اور سلام ان بندوں پر جنہیں اس نے پسند کیا بھلا اللہ بہتر ہے یا جسے وہ شریک کرتے ہیں وہ بہتر ہے۔ (۵۹)

لفظی تحقیق: قَدَّرْنَا: مقرر کیا ہم نے۔

تفسیر

جس کو جس سے لگاؤ اور گہرا تعلق ہو وہ اسی کے ساتھ شامل کیا جائیگا، چنانچہ ہم نے اسی کے مطابق لوط علیہ السلام کی بیوی کی بابت فیصلہ کیا کہ وہ انہیں میں شامل رہے گی، جو لوط علیہ السلام اور ان کے گھر والوں کے شہر سے چلے جانے کے بعد شہر میں باقی رہ گئے تھے جن پر عذاب نازل ہوا تھا، یہ وہ سب لوگ تھے جنہوں نے لوط علیہ السلام کی نصیحت ماننے سے انکار کر دیا تھا اور اپنی عادت کو برا مانتے ہوئے بھی جاری رکھنے کا فیصلہ کر چکے تھے، ان کی ساری بستی الٹ دی گئی اور اوپر پتھروں کی بارش ہوئی ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ کا عذاب آنے سے پہلے واضح طور پر ڈرایا گیا تھا لیکن انہوں نے اس ڈرانے پر کوئی توجہ نہ دی، فسادیوں اور بدکاروں کا انجام بیان کرنے کے بعد ارشاد ہے کہ: اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا میں مشغول رہو اور اس کے پسندیدہ بندوں پر درود وسلام بھیجو اور مشرکوں کا انجام دیکھ کر سوچو کہ اللہ تعالیٰ اچھا ہے یا وہ اچھے ہیں جنہیں یہ لوگ اس کے ساتھ شریک کرتے ہیں۔

تین (۳) قصّے

مکہ کے مشرکوں کو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کے انجام سے ڈرانے کیلئے اس سورت میں تین قصے بیان کیے گئے ہیں، پہلا سلیمان علیہ السلام کا قصہ جس میں بتایا گیا کہ اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبروں کی ان کے دشمنوں کے مقابلہ میں مدد کرتا ہے، بلقیس کو حضرت سلیمان علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی قوت پر بھروسہ کر کے صاف کہہ دیا کہ اگر میرا کہنا نہ مانا تو اتنا بڑا لشکر لے کر تمہارے ملک پر چڑھائی کروں گا کہ تم اسکے مقابلہ کی تاب نہ لاسکو گے اور یقیناً ملک بدر اور ذلیل وخوار ہو جاؤ گے۔

بلقیس کے دن بھلے تھے، جو اس نے انجام پر نظر کر کے اطاعت قبول کی ایسے ہی مکہ والوں نے مخالفت پر کمر باندھی اور سلیمان علیہ السلام اور بلقیس کے قصہ سے عبرت حاصل نہ کی، آخر مسلمانوں کو حکم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا نام لے کر ان کی اسلام دشمنی کا مزہ انہیں چکھاؤ، بدر کی لڑائی میں فیصلہ ہو گیا اور دشمن ذلیل وخوار ہو کر دنیا ہی سے چل بسے۔

دوسرا قصہ حضرت صالح علیہ السلام کا ہے کہ بدکرداروں نے ان پر رات کو حملہ کرنے کا منصوبہ بنایا اور کہا کہ صالح علیہ السلام کو قتل کر ڈالو اور کوئی خون بہا مانگے تو مکر جاؤ کہ ہم نے قتل نہیں کیا۔ آخر ہمارے جتھہ کے مقابلے میں انہیں خاموش ہونا پڑے گا، ان کا منصوبہ کارگر نہ ہوا، اللہ تعالیٰ نے صالح علیہ السلام کو بچا لیا اور دشمنوں کو تباہ کر ڈالا۔

مکہ کے بڑے بڑے سرداروں نے بھی ایسا ہی کیا اور حضرت صالح علیہ السلام کے قصے سے سبق حاصل نہ کیا۔ بڑے بڑے سرداروں نے فیصلہ کر لیا کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو سب مل کر رات کے وقت قتل کر ڈالو، آپ کے کنبہ والے ہم سب سے خون بہا نہیں لے سکتے، متفقہ قوت میں وہ بے بس ہو جائیں گے، آخر یہاں بھی وہی انجام ہوا کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم قتل کا منصوبہ بنانے والوں سے بچ کر نکل گئے اور ہجرت کر کے مدینہ پہنچے، منصوبہ بندی کرنے والے ناکام ہوئے۔

تیسرا قصہ حضرت لوط علیہ السلام کا سنایا کہ ان کی قوم نے انہیں شہر سے نکالنے کا تہیہ کرلیا، لیکن اللہ تعالیٰ نے لوط علیہ السلام کو ہدایت کی کہ تم رات کو خود ہی اس شہر سے چلے جاؤ، چنانچہ وہ چلے گئے اور دشمن تباہ و برباد کردیئے گئے۔

مکہ والوں نے اس قصہ سے بھی عبرت حاصل نہ کی، آخر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو ہجرت کا حکم ہوا اور دشمن بھی بعد میں مغلوب ہوئے۔

ان قصوں سے مکہ کے مشرکوں نے تو کوئی سبق نہ سیکھا، لیکن مسلمانوں کو تو سبق سیکھنا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبروں اور ان کے ماننے والوں کی مدد کرتا ہے اور نافرمانی کرنے والوں کا انجام سوا تباہی کے کچھ نہیں ہوتا۔

وَ اَمۡطَرۡنَا عَلَیۡهِمۡ مَّطَرًا: اور ہم نے ان پر بارش برسائی قوم کی تباہی کا وقت آچکا تھا، اللہ نے ان پر بارش کے ذریعے پانی نہیں اتارا بلکہ ان پر پتھر برسائے گئے اور پتھر بھی ایسے (سورۃ الذّٰریات: ۳۴) جن پر مجرموں کے نام لکھے تھے کہ یہ پتھر فلاں کو لگے گا، اللہ نے پتھروں پر نام لکھ کر ان نافرمانوں کو مارے، ایک تو یہ سزا تھی اور دوسری یہ کہ ہم نے اس زمین کا نچلا حصہ اوپر اور اوپر والا حصہ نیچے کردیا (سورہ ہود: ۸۲) یعنی زمین کو بالکل الٹ دیا، کیونکہ وہ لوگ کام ہی الٹے کرتے تھے کہ عورتوں کو چھوڑ کر مردوں سے خواہش پوری کرتے تھے، "سورۃ الحجر" میں ایک تیسری سزا کا بھی ذکر ہے، دِن چڑھے ان کو ایک زبردست چیخ نے پکڑ لیا اور اس طرح وہ پوری قوم تباہ ہوگئی (آیت: ۷۲)۔

اصولی بات یہ ہے کہ جب بھی کوئی اہم بات کرنا ہو تو پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کی جاتی ہے اور پھر اس کے پیغمبروں پر درود وسلام بھیجا جاتا ہے اور اس کے بعد اصل بات شروع کی جاتی ہے، ان آیتوں میں یہی چیز سکھلائی گئی ہے اللہ تعالیٰ اس مقام پر توحید جیسا اہم مضمون بیان کرنا چاہتے ہیں اور اس کے لئے یہی طریقہ اختیار کیا گیا، ارشاد ہوتا ہے کہ: اے پیغمبر! آپ کہہ دیں کہ سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کیلئے ہیں، پچھلی آیتوں میں نافرمانوں کی تباہی کا حال بیان کر کے اللہ کا شکر ادا کرنے کی نصیحت کی گئی ہے کہ اچھا ہوا یہ لوگ اپنے انجام کو پہنچ گئے، ورنہ دنیا میں فتنہ وفساد کا سبب بنتے، اس قسم کی مثال بعض دوسری جگہوں پر بھی ملتی ہے، مثلاً: "سورۃ الانعام"

میں ہے، ظالموں کی جڑ کاٹ دی گئی اور سب تعریفیں اللہ کیلئے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔ (آیت:۴۵)
گویا ظالموں اور نافرمانوں کی جڑ کٹنے پر اللہ تعالیٰ کی تعریف کرنی چاہیئے۔

معبود کون ہے؟

اَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ اَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ
بھلا کس نے بنائے آسمان اور زمین اور اتارا لیے تمہارے سے آسمان

مَآءً فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ حَدَآىِٕقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ
پانی پھر اُگائے ہم نے سے اس باغ والے رونق نہ تھا لیے تمہارے کہ

تُنْۢبِتُوْا شَجَرَهَا ءَ اِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ بَلْ هُمْ قَوْمٌ يَّعْدِلُوْنَ ﴿۶۰﴾
اُگاؤ درخت ان کے کیا ہے معبود کوئی ساتھ اللہ کے نہیں بلکہ وہ قوم ہیں جو راہ سے مڑ گئے ہیں (۶۰)

بامحاورہ ترجمہ:۔ بھلا! کس نے بنائے آسمان اور زمین اور اُتارا تمہارے لئے آسمان سے پانی پھر ہم نے اس سے رونق والے باغ اُگائے، تمہارا کام نہ تھا کہ تم ان کے درخت اُگاتے، کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے؟ کوئی نہیں بلکہ وہ لوگ سیدھے راستے سے مڑ جاتے ہیں۔ (۶۰)

لفظی تحقیق: حَدَآىِٕقَ: باغات۔ حَدِيْقَةٌ: کی جمع ہے۔ بَهْجَةٌ: رونق۔ يَعْدِلُوْنَ: راہ سے مڑتے ہیں، عدل کے معنٰی برابر کرنے کے بھی ہے اور مڑ جانے کے بھی ہیں، ترجمہ میں مڑ جانے کے معنٰی لئے گئے ہیں، برابری کے معنٰی لیے جائیں تو اس سے مراد شرک ہوگا۔ یعنی: وہ اللہ کے غیر کو اللہ تعالیٰ کے برابر کرتے ہیں۔

تفسیر

اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں بیان کر کے پوچھا جا رہا ہے کہ کیا کوئی اور ایسا کر سکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے

آسمان بنائے زمین بنائی، بادلوں سے مینہ برسا کر طرح طرح کے میوہ دار خوش نما باغ پیدا کیے، تم میں کسی کے بس کا بھی نہیں کہ ان کے درخت اُگا سکو، پھل تو کیا پیدا کرو گے، اب اس کو سوچو کہ ان سب کا بنانے والا ہی معبود کہلانے کا حقدار ہے یا کوئی اور؟ ارشاد ہے کہ جواب ظاہر ہے۔ لیکن اس کا کیا علاج کہ یہ لوگ سیدھے راستے سے ہٹے جا رہے ہیں۔

ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ: جب ان میں سے کوئی بھی چیز کسی کے اختیار میں نہیں ہے۔ تو پھر یہ بتلاؤ! کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی دوسرا معبود بھی ہے، جس نے ان میں سے کوئی کام بھی کیا ہو۔ زمین و آسمان یا ان کی کسی چیز کو پیدا کیا ہو، آسمانوں کو بنایا ہو، بارش برسائی ہو یا درخت اُگائے ہوں، اگر یہ بات نہیں ہے تو پھر خدا کے ساتھ شریک کیوں بناتے ہو؟ حقیقت یہ ہے، یہ ایسے لوگ ہیں جو اتنے واضح دلیلوں کے باوجود حقیقت کو ماننے سے منہ موڑتے ہیں، ان تمام دلیلوں پر اگر انسان اپنی عقل کے ساتھ غور کرے تو اس کی سمجھ میں آسکتا ہے کہ جب ان میں سے کوئی چیز بھی اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے اختیار میں نہیں ہے تو پھر ان کو اللہ تعالیٰ کا شریک کیوں بنایا جائے۔

معبود کی نشانیاں

اَمَّنْ جَعَلَ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّ جَعَلَ خِلٰلَهَآ اَنْهٰرًا وَّ جَعَلَ

بھلا کس نے بنایا زمین کو ٹھہرنے کی جگہ اور بنائیں درمیان اس کے ندیاں اور رکھے

لَهَا رَوَاسِيَ وَ جَعَلَ بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ حَاجِزًا ؕ ءَ اِلٰهٌ مَّعَ

لیے اس کے گڑھے ہوئے (پہاڑ) اور رکھی درمیان دو سمندروں کے آڑ کیا ہے کوئی معبود ساتھ

اللّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ؕ﴿۶۱﴾

اللہ کے نہیں بلکہ اکثر ان میں سے نہیں جانتے (۶۱)

بامحاورہ ترجمہ:۔ بھلا! زمین کو ٹھہرنے کے لائق کس نے بنایا اور اس کے بیچ میں ندیاں بنائیں اور

اس کو مضبوطی کے ساتھ جمائے رکھنے کیلئے پہاڑ رکھے اور سمندروں کے بیچ میں آڑ رکھی کہ ایک کا پانی دوسرے کے ساتھ گڈمڈ نہیں ہوتا، کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے؟ کوئی نہیں بلکہ ان میں سے بہت ساروں کو سمجھ نہیں۔(۶۱)

لفظی تحقیق: **اَمَّنْ**: بھلا کس نے۔ اس آیت اور اس سے پہلی آیت اور بعد کی تین آیتوں کے شروع میں "اَمَّنْ" کا لفظ آیا ہے یہ اصل میں "اَمْ مَنْ" ہے۔ جو ملا کر "اَمَّنْ" لکھا گیا ہے۔ "اَمْ" کے معنیٰ یا ہیں اور "مَنْ" حرف استفہام ہے کہ پہلی بات کے ساتھ ایک اور بات بتاؤ۔ **حَاجِزْ**: روکنے والا۔ "حَاجِزْ" جو بیچ میں آکر دو چیزوں کو خلط ملط ہونے سے روک دے۔

تفسیر

ارشاد ہے کہ: بھلا! یہ تو بتاؤ کہ زمین کو جانداروں کے ٹھہرنے کے قابل کس نے بنایا؟ خشکی، تری، گرمی، اور سردی کو اس طرح مناسب رکھا کہ جاندار زندہ رہ سکیں اور ان کے استعمال کیلئے پودے کافی مقدار میں پیدا ہوتے رہیں، پانی جگہ جگہ پہنچانے کیلئے ندی، نالے بنائے اور زمین کو مضبوط کرنے کے لئے اس پر پہاڑ قائم کیے، کھاری اور میٹھے پانی کے سمندر مل کر بہنے پر بھی ایک دوسرے سے خلط ملط نہیں ہوتے اور دونوں کے پانی اپنا اپنا مزہ برقرار رکھتے ہیں، بتاؤ تو سہی کہ! اور کوئی ایسا کرسکتا ہے؟ جب نہیں تو پھر وہ معبود کیسے ہوا؟ پھر بھی اکثر لوگ اوروں کو اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہراتے ہیں، یہ ان کی سمجھ کی خرابی نہیں تو اور کیا ہے بلکہ اکثر لوگ ٹھیک سمجھ ہی نہیں رکھتے۔

زمین بطور قرارگاہ

اَمَّنْ جَعَلَ الْاَرْضَ قَرَارًا: زمین کو قرارگاہ، یعنی: ٹھہرنے کی جگہ کس نے بنایا؟ آدم علیہ السلام کو زمین پر

اُتارنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تمہارے لیے زمین ٹھہرنے کی جگہ اور ایک وقت، یعنی: قیامت تک فائدہ اٹھانے کا سروسامان ہے۔ (البقرة:۳٦)، اللہ تعالیٰ نے زمین کو بنایا ہی ایسا کہ انسان اس پر سہولت کے ساتھ سارے کام کرسکتا ہے، زمین نہ تو اتنی سخت ہے کہ اکھاڑی نہ جاسکے اور نہ ہی اتنی نرم ہے کہ انسان اس میں دھنس جائے، اس زمین میں لوگ کھیتی باڑی کرتے ہیں، کنویں کھودتے ہیں، اس پر مکان تعمیر کرتے ہیں اور دوسرے کاروبار کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے توحید کی ایک اور دلیل بیان فرمائی کہ بتلاؤ تو وہ کون ہے، جس نے زمین میں نہریں چلائی ہیں، اللہ تعالیٰ نے ایسا انتظام فرمادیا ہے کہ پہاڑوں پر بارش ہوتی ہے تو وہ دریاؤں اور ندی نالوں کی صورت میں میدانی علاقوں کو سیراب کرتی ہے، پہاڑوں پر جمنے والی برف پگھلتی ہے تو دریاؤں میں سارا سال پانی آتا رہتا ہے، جس سے زمین سیراب ہوتی ہے، یہ بھی اللہ تعالیٰ ہی کا کام ہے۔

وَ جَعَلَ لَهَا رَوَاسِيَ: اور زمین پر بوجھل پہاڑ رکھ دیے ہیں تاکہ زمین ڈگمگانے نہ پائے، پھر ان پہاڑوں سے پانی کے علاوہ درخت، جڑی بوٹیاں، پتھر اور معدنیات حاصل ہوتی ہیں، جو لوگوں کے لئے نہایت کارآمد چیزیں ہیں، زمین پر پہاڑ اسی نے ٹکائے ہیں۔

وَ جَعَلَ بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ حَاجِزًا: میٹھے اور کھارے سمندروں کے درمیان آڑ پیدا کردی ہے جس کی وجہ سے میٹھا اور کھاری پانی آپس میں خلط ملط نہیں ہوتے، یہ تمام چیزیں اللہ تعالیٰ کی توحید کی دلیل ہیں تو بھلا بتلاؤ! کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی دوسرا معبود بھی ہے جو ان میں سے کوئی کام کرسکے؟ اللہ تعالیٰ کے سوا تو کوئی معبود نہیں، بلکہ اکثر لوگ بے علم اور بے سمجھ ہیں جو ان تمام دلیلوں اور نشانیوں کے باوجود شرک کرتے ہیں، اگر یہ لوگ ان دلیلوں پر ہی غور کر لیتے تو بات ان کی سمجھ آجاتی اور یہ اللہ تعالیٰ کی تدبیر اور اس کی عبادت میں دوسروں کو شریک نہ کرتے، یہ بڑے بے سمجھ لوگ ہیں۔

ایک اور نشانی

اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوْٓءَ وَيَجْعَلُكُمْ

بھلا کون جواب دیتا ہے بے بس کو جب پکارے اسے اور ہٹاتا ہے مصیبت اور کرتا ہے تم کو

خُلَفَآءَ الْاَرْضِ ؕ ءَ اِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ﴿٦٢﴾

وارث زمین کا کیا ہے کوئی معبود ساتھ اللہ کے بہت کم نصیحت حاصل کرتے ہو تم (۶۲)

بامحاورہ ترجمہ:۔ بھلا! کون پہنچتا ہے بے کس کی پکار کو جب وہ اُسے پکارے اور دور کرتا ہے مصیبت کو اور تم کو زمین کا وارث بناتا ہے، کیا اب بھی کوئی معبود ہے اللہ تعالیٰ کے ساتھ؟ مگر تم بہت کم نصیحت حاصل کرتے ہو۔ (۶۲)

لفظی تحقیق: **مُضْطَرٌّ:** مصیبت میں پھنسا ہوا۔ اسم مفعول ہے "اضطرار" سے جو: ض، ر، ر سے بنا ہے، "ضُرٌّ" اور "ضَرَرٌ": دکھ مصیبت اور آفت کو کہتے ہیں، اصل میں "اضترار" ہے۔ "ت" ض کے بعد ہونے کی وجہ سے "ت" کو "ط" سے بدل دیا۔ "اضطرار" کے معنیٰ ہیں دُکھ اور مصیبت کی وجہ سے بے چین ہونا، "مضطر" مصیبت میں گھرا ہوا۔

تفسیر

عرب کے مشرک بھی اور مشرکوں کی طرح اللہ تعالیٰ کو سب سے بڑا معبود مانتے تھے، لیکن پوجا بتوں کی کرتے تھے، انہوں نے دنیا کے بادشاہوں پر قیاس کر کے یہ غلط خیال قائم کر لیا تھا کہ بڑے تو آرام سے بیٹھے رہتے ہیں اور چھوٹے ان کا کام کرتے ہیں، بتوں کو وہ وہی درجہ دیتے تھے، جو دنیا کے بادشاہوں کے ہاں وزیر، خزانچی وغیرہ کا ہوتا ہے، ہاں! اگر کوئی مصیبت آ پڑتی جیسے جہاز کا طوفان میں پھنس جانا وغیرہ، تو اس وقت اللہ تعالیٰ ہی کو پکارتے تھے، ان مشرکوں سے پوچھا جا رہا ہے کہ یہ بت تو بہرے، گونگے ہیں۔ نہ کسی کی پکار سنیں اور نہ کچھ

جواب دیں، تم خود جب کوئی اور چارۂ کار نہیں رہتا تو اللہ تعالیٰ ہی کو پکارتے ہو اور وہی بے کس، و بے بس کی پکار سنتا ہے اور چاہتا ہے تو مصیبت دور کرتا ہے۔

مُضْطَرَّ: میں عام تکلیف زدہ آدمی کے علاوہ گنہگار بھی شامل ہے جب وہ گناہ میں ڈوب جاتا ہے اور رہائی کا کوئی راستہ نظر نہیں آتا تو پھر اقرار کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا گناہوں کو معاف کرنیوالا بھی کوئی نہیں پھر اگر انسان اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی کا اظہار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ معاف بھی کر دیتا ہے، پھر وہی تمہیں دوسروں کی جگہ زمین پر اقتدار عطا فرماتا ہے، یعنی: ایک نسل کے بعد دوسری نسل اس کی جگہ لے لیتی ہے اور یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا، کیا کسی اور میں ایسا کرنے کی طاقت ہے؟ جب نہیں ہے تو اوروں کو معبود کیوں بناتے ہو، بات یہ ہے کہ تم عقل سے پوری طرح کام نہیں لیتے، غور کرو تو صحیح نتیجے پر پہنچو، تم غور ہی نہیں کرتے۔

غیبی مدد کا ایک عجیب واقعہ

امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں حافظ ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے ایک واقعہ نقل کیا ہے، یہ بزرگ چھٹی اور ساتویں صدی ہجری کے محدث اور بہت بڑے تاریخ دان ہیں جن کی تاریخ کی کتاب اسّی (۸۰) جلدوں میں ہے جن میں سے کچھ جلدیں چھپ بھی چکی ہیں تو انہوں نے کسی شخص کا واقعہ لکھا ہے کہ میں خچر پر کرائے کا سامان لاد کر لے جاتا تھا، ایک دفعہ کسی مسافر نے مجھ سے کرائے پر سامان لے جانے کا معاملہ طے کیا، میں نے سامان خچر پر لادا اور جانے پہنچانے راستے پر چل د۔ مسافر کہنے لگا کہ یہ راستہ دور ہے تم اس راستے سے چلو جو نزدیک ہے، میں نے کہا کہ میں تو اس راستے سے واقف نہیں ہوں مگر مسافر نے بار بار کہا کہ وہ خود اس راستے سے واقف ہے؛ اس لئے انہیں کوئی پریشانی نہیں آئے گی، چنانچہ وہ نئے راستے سے چل دیے، یہاں تک کہ ایسی خوفناک وادی میں پہنچ گئے جہاں ہر طرف انسانی جسموں کی ہڈیاں بکھری پڑی تھیں، مسافر نے اس مقام پر رُکنے کیلئے کہا، جب خچر کو روک دیا تو مسافر کی شکل میں آنے والا ڈاکو کھل کر سامنے آ گیا، اس نے لنگوٹا کس لیا،

اور چھرا لے کر مجھے قتل کرنے کے لئے بڑھا، میں سمجھ گیا کہ یہ شخص جان بوجھ کر مجھے اس راستے پر لایا ہے، تاکہ مجھے قتل کر کے میرے خچر اور سامان پر قبضہ کر لے، میں نے بھاگنا چاہا مگر اس نے تعاقب کیا وہ تھا بھی مجھ سے طاقتور، لہذا میں اس کے سامنے بے بس تھا، میں نے اس کی منت کی کہ میرا مال لے لو مگر مجھے قتل نہ کرو، وہ اپنے ارادے سے باز آنے والا نہیں تھا، بالآخر میں نے کہا کہ موت سے پہلے مجھے دو رکعت نماز ہی پڑھ لینے دو، وہ مان گیا اور میں نے نماز شروع کر دی، اس وقت پریشانی کی حالت یہ تھی کہ قرآن پاک کا کوئی حصہ زبان پر نہیں آرہا تھا، بڑی کوشش کے بعد صرف یہی ایک آیت میری زبان سے ادا ہوئی "اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَ یَکْشِفُ السُّوْٓءَ" اچانک میں نے دیکھا کہ سامنے سے ایک تیز گھڑسوار ہماری طرف آرہا ہے جس کے ہاتھ میں نیزہ تھا، وہ قریب پہنچا اور اپنا نیزہ اس ڈاکو کے سینے میں مار کر اس کو ہلاک کر دیا، یہ کام کرنے کے بعد گھڑسوار فوراً واپس ہوا، میں اس کے پیچھے بھاگا اور پوچھا کہ تم کون ہو جس نے مجھے اس مشکل وقت میں بچایا ہے، تو وہ کہنے لگا کہ میں اسی ہستی کا بھیجا ہوا ہوں جو مجبور و بیکس آدمی کی فریاد سنتا ہے اور جسے تو نے پکارا تھا۔

ایک اور سوال

اَمَّنْ یَّهْدِیْكُمْ فِیْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَ مَنْ یُّرْسِلُ

بھلا کون ہے جو راہ دکھاتا ہے تمہیں میں اندھیروں خشکی اور سمندر کے اور کون بھیجتا ہے

الرِّیٰحَ بُشْرًۢا بَیْنَ یَدَیْ رَحْمَتِهٖ ؕ ءَ اِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ تَعٰلَی

ہوائیں خوشخبری دینے والی آگے آگے رحمت اس کی کے کیا ہے کوئی معبود ساتھ اللہ کے برتر ہے

اللّٰهُ عَمَّا یُشْرِكُوْنَ ﴿۶۳﴾ؕ

اللہ سے اس جو یہ شریک کرتے ہیں (۶۳)

بامحاورہ ترجمہ:۔ بھلا کون! راہ بتاتا ہے تمہیں خشکی میں اور سمندر کے اندھیروں میں، اور کون چلاتا ہے

خوشخبری لانے والی ہوائیں رحمت والی بارش سے پہلے؟ کیا اب بھی کوئی معبود ہے اللہ تعالیٰ کے ساتھ، اللہ تعالیٰ بہت بلند ہے اس سے جسے یہ اس کا شریک بتلاتے ہیں۔ (۶۳)

تفسیر

جب تک چاروں طرفوں کا پتہ نہ لگ جائے آدمی کیلئے ایک جگہ سے دوسری جگہ کا راستہ ڈھونڈنا ناممکن ہے، شمال، جنوب، مشرق، مغرب ان چاروں کا معلوم کرنا رات کے وقت ستاروں کے ذریعے ممکن ہے، رات کے وقت اندھیرے کے اندر آدمی جنگل بیابان میں ہو یا جہاز میں، سوا اس کے کہ حیران اور سرگرداں پھرے اور کچھ نہیں کرسکتا، آدمی کے پاس لاکھ بُت ہوں اسے راستہ نہیں سمجھا سکتے اور نہ خود ہی سیدھے کہیں پہنچ سکتے ہیں۔

ارشاد ہے کہ: اللہ تعالیٰ نے اُوپر ستارے بنا کر انہیں چمکایا اور ان کے لئے جگہ اور مقام مقرر کیے، اسی نظام کی بدولت تم خشکی اور سمندر میں آسانی سے راستہ ڈھونڈ لیتے ہو، پھر ایک اور انتظام تمہارے لئے یہ کیا کہ زمین پر ضرورت کے وقت رحمت کی بارش کا بندوبست کردیا۔ بارش سے پہلے ٹھنڈی ہوائیں چلتی ہیں، لوگ ان ہواؤں کے چلنے سے خوش ہوتے ہیں کہ اب بارش آئے گی اور خشکی اور گرمی ختم ہوگی، کیا یہ انتظام سوا اللہ تعالیٰ کے کوئی کرسکتا ہے؟ پھر اس کے سوا کسی اور کو معبود ماننے کے کیا معنیٰ؟ اللہ تعالیٰ ہر چیز سے جسے تم اس کا شریک ٹھہراتے ہو بلند اور برتر ہے، اس کے بلند مرتبہ کی جھلک بھی ان بتوں کو نصیب نہیں ہوسکتی جنہیں تم اس کا شریک ٹھہراتے ہو۔

اَمَّنْ يَّهْدِيْكُمْ فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ: بھلا کون ہے! جو زمین اور سمندر کی تاریکیوں میں تمہاری رہنمائی کرتا ہے، بعض اوقات سمندروں میں جہاز اور کشتیاں بھٹک جاتی ہیں، راستہ معلوم نہیں ہوتا یا جب کوئی قافلہ جنگلوں اور ریگستانوں میں سفر کررہا ہوتا ہے تو راستہ بھول جاتا ہے، بھلا! ایسے مشکل وقت میں رہنمائی کرنے والی کون سی ذات ہے جو راستہ دکھلا کر منزل تک پہنچادے؟ ہر مشکل وقت میں اللہ تعالیٰ ہی رہنمائی

کرتا ہے اور وہی مشکلوں کو دور کرتا ہے۔

ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ: کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی اور بھی شریک ہے؟ ہرگز نہیں! اللہ تعالیٰ کی ذات تو بلند و برتر ہے، سب قدرتوں کا مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے جب کہ باقی سب عاجز مخلوق ہیں، یہ کسی کے اختیار میں کچھ نہیں، مگر اس کے باوجود لوگ دوسروں کو شریک بناتے ہیں، حالانکہ خدا تعالیٰ شرک سے بلند ہے۔

ایک اور خصوصیّت

اَمَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ
بھلا کون پیدا کرتا ہے مخلوق کو پھر لوٹائے گا اسے اور کون روزی دیتا ہے تمہیں سے

السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ءَ اِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ
آسمان اور زمین کیا ہے کوئی معبود ساتھ اللہ کے کہیے لاؤ تم دلیل اپنی

اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۶۴﴾
اگر ہو تم سچے (۶۴)

با محاورہ ترجمہ:۔ بھلا! مخلوق کو کس نے پہلی مرتبہ پیدا کیا اور پھر دوبارہ لوٹائے گا؟ اور کون روزی دیتا ہے تمہیں آسمان سے اور زمین سے؟ کیا کوئی معبود ہے اللہ کے ساتھ آپ کہیے کہ اگر تم سچے ہو تو اپنی دلیل لاؤ۔ (۶۴)

لفظی تحقیق: يُعِيْدُ: لوٹانا، پھر پہلی حالت پر لانا۔

تفسیر

اس آیت میں مشرکوں سے پوچھا جا رہا ہے کہ بتاؤ مخلوق کو کس نے پیدا کیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ مخلوق کو

صرف اللہ تعالیٰ نے ہی پیدا کیا اور صرف پیدا ہی نہیں کیا بلکہ آسمان اور زمین سے اس کی پرورش کا سامان بھی مہیا کر دیا، چنانچہ جیسے وہ خالق ہے ایسے ہی رب اور رازق بھی ہے، اگر وہ یہ سنکر بھی کہیں کہ ہاں اور معبود بھی عبادت کے لائق ہیں تو اُن سے کہیے کہ اچھا تم ان کے عبادت کے لائق اور حقدار ہونے پر اپنی کوئی دلیل پیش کرو اگر تم سچے ہو، یہ نہیں مانتے تو کوئی اس بات کی پختہ دلیل پیش کریں کہ یہ کسی اور کا کام ہے اگر سچے بننا چاہتے ہو تو ایسا کرنا پڑے گا، ورنہ سوا غفلت اور ضد کے کچھ نہیں۔

اَمَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ: حضرت آدم علیہ السلام کے بعد ان کی نسل در نسل ہر روز لاکھوں بچے پیدا ہوتے ہیں، اور قیامت تک ہوتے رہیں گے، پھر جب قیامت آئے گی، تو ہر چیز فنا ہو جائیگی، پھر اللہ تعالیٰ ان کو دوبارہ زندگی بخشے گا اور وہ عملوں کے حساب و کتاب کیلئے اللہ کے سامنے پیش ہوں گے، جس نے انسان کو پہلی دفعہ پیدا کیا ہے وہ اس کے دوبارہ اٹھانے پر بھی قدرت رکھتا ہے۔

توحید کی ایک اور دلیل

قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ ؕ

آپ کہدیں نہیں جانتا جوکوئی میں آسمانوں اور زمین غیب کو مگر اللہ

وَ مَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ﴿۶۵﴾ بَلِ ادّٰرَكَ عِلْمُهُمْ فِي

اور نہیں جانتے وہ کب زندہ کرکے اٹھائے جائیں گے (۶۵) بلکہ دوڑ کر تھکا علم ان کا میں

ع ۵ ۸ ۱ الْاٰخِرَةِ ۫ بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْهَا ۫ بَلْ هُمْ مِّنْهَا عَمُوْنَ ﴿۶۶﴾

آخرت بلکہ وہ میں شک سے اس بلکہ وہ سے اس اندھے ہیں (۶۶)

بامحاورہ ترجمہ: ۔آپ کہیں آسمان اور زمین میں اللہ تعالیٰ کے سوا جو کوئی ہے چھپی ہوئی چیزوں کی خبر نہیں رکھتا اور ان کو (تو یہ بھی) خبر نہیں کہ کب دوبارہ اٹھائے جائیں۔ (۶۵) بلکہ ان کا علم آخرت کے بارے میں

تھک کر رہ گیا اور وہ کوئی صحیح بات نہیں کر سکتے، بلکہ ان کو اس میں شبہ ہے، بلکہ وہ اس سے اندھے ہیں۔(۶۶)

لفظی تحقیق: ادّٰرَكَ: پیچھے دوڑا۔"تَدٰرُكَ" ہے جو ماضی کا صیغہ ہے"تَدٰرُكٌ" سے۔"تَدٰرُكَ" کے معنٰی ہیں کسی چیز کو پکڑنے کیلئے لگاتار دوڑنا، بھاگ کر پیچھے سے پکڑنے کی کوشش کرنا، یہاں مراد ہے کہ آخرت کا مفہوم سمجھنے کیلئے ان کا علم لگاتار دوڑتا ہی رہا مگر اسے حاصل نہ کر سکا۔عَمُوْنَ:"عَمِیٌّ" کی جمع ہے، دل کا اندھا۔

تفسیر

پچھلی پانچ آیتوں میں وہ خصوصیات بیان کی گئی ہیں جو حقیقی معبود میں ہونی چاہئیں، پھر پوچھا گیا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی میں یہ خصوصیات موجود ہیں؟ ظاہر ہے کہ نہیں ہیں پھر اس کے سوا کسی اور کو معبود ماننا گمراہی، نادانی اور سوچنے کی کمی کا نتیجہ نہیں ہے تو کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ جھوٹے معبودوں سے بلند و برتر ہے، مشرکوں کے پاس اس کی کوئی پختہ دلیل نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور بھی معبود ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی ایک اور صفت کا ذکر ہے، جو اسی کے ساتھ خاص ہے، ارشاد ہے کہ: قوت اور قدرت کے ساتھ ہی وہ تمام آسمانوں اور زمین اور سارے جہان کی چھپی ہوئی چیزوں سے واقف ہے، ایسا علم مخلوق میں سے کسی کو حاصل نہیں جس کو صاف الفاظ میں یوں کہا گیا ہے کہ غیب کا علم اللہ تعالیٰ کے سوا نہ آسمان کے رہنے والوں میں سے کسی کو ہے اور نہ زمین کے رہنے والوں میں سے کسی کو، ایسے ہی یہ بھی کوئی نہیں جانتا کہ قیامت کب آئے گی اور وہ کب زندہ کر کے دوبارہ اٹھائے جائیں گے؟ آگے ارشاد ہے کہ: آخرت کے بارے میں ان کا علم تھک کر رہ گیا ہے، بعض شک میں گرفتار ہیں، بعض دل کے اندھے انکار ہی کر بیٹھے ہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے"شرح بخاری" میں حضرت موسیٰ اور خضر علیہما السلام کا واقعہ نقل کیا ہے، فرماتے ہیں کہ: اللہ تعالیٰ کے یہ نیک بندے جس کشتی پر سوار تھے اس کے کنارے پر ایک چڑیا آ کر بیٹھ گئی، اس نے سمندر میں چونچ مار کر ایک آدھ قطرہ پانی کا لیا تو خضر علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: اے

موسیٰ! میرے اور تیرے علم کی مثال اللہ تعالیٰ کے علم کے مقابلے میں اتنی بھی نہیں جتنا اس چڑیا نے سمندر سے پانی حاصل کرلیا ہے۔

وَ مَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ: ذرّے ذرّے کا علم تو فقط خدا تعالیٰ کو ہے، مخلوق کو تو اتنا بھی علم نہیں کہ وہ کب اٹھائے جائیں گے، قیامت کا واقع ہونے کا علم صرف اللہ کو ہے۔

بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْهَا: بلکہ وہ تو شک میں پڑے ہوئے ہیں، "سورۃ النباء" میں وضاحت موجود ہے، یہ کس چیز کے بارے میں پوچھتے ہیں، بہت بڑی خبر یعنی قیامت کے بارے میں جس کے متعلق وہ اختلاف کرتے ہیں، کوئی کہتا ہے کہ آئے گی اور کوئی انکار کرتا ہے، یہ لوگ قیامت کے واقع ہونے کے بارے میں شک میں پڑے ہوئے ہیں۔(آیت: ۳)

بَلْ هُمْ مِّنْهَا عَمُوْنَ: بلکہ یہ لوگ آخرت کے بارے میں اندھے ہیں، "عَمُوْنَ" کا معنیٰ ظاہری آنکھوں کا اندھا پن نہیں بلکہ ان لوگوں کے دل اندھے ہیں جن میں صحیح بات نہیں آتی۔

احکام ومسائل

قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ: پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہے کہ آپ لوگوں کو بتلا دیں کہ جتنی مخلوق آسمانوں میں ہے جیسے فرشتے اور جتنی مخلوق زمین میں ہے، جیسے: انسان اور جن وغیرہ ان میں سے کوئی بھی غیب کو نہیں جانتا سوائے اللہ تعالیٰ کے، آیت نے پوری وضاحت کے ساتھ یہ بتلایا ہے کہ علم غیب اللہ تعالیٰ کی صفت ہے، جس میں کوئی فرشتہ یا پیغمبر بھی شریک نہیں ہوسکتا۔

آخرت

وَ	قَالَ	الَّذِيْنَ	كَفَرُوْٓا	ءَ	اِذَا	كُنَّا	تُرٰبًا	وَّ	اٰبَآؤُنَآ	اَىِٕنَّا
اور	کہا	ان لوگوں نے	جو کافر ہوئے	کیا	جب	ہو جائیں گے ہم	مٹی	اور	باپ دادا ہمارے	کیا پھر ہم

لَمُخْرَجُوْنَ ﴿٦٧﴾ لَقَدْ وُعِدْنَا هٰذَا نَحْنُ وَاٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ

نکال لیے جائیں گے (٦٧) البتہ تحقیق وعدہ کیا گیا یہ ہم سے باپ دادوں ہمارے سے پہلے

اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿٦٨﴾

نہیں یہ مگر کہانیاں پہلوں کی (٦٨)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور وہ لوگ جو کافر ہیں، بولے کیا جب ہم اور ہمارے باپ دادا مٹی ہو جائیں گے کیا ہم زمین سے نکالے جائیں گے؟ (٦٧) یہ تو پہلے سے ہم سے اور ہمارے باپ دادوں سے وعدہ ہوتا چلا آرہا ہے کچھ نہیں یہ تو پہلے لوگوں کے افسانے ہیں۔ (٦٨)

تفسیر

اس سے پہلے ذکر ہوا کہ مخلوق میں سے کسی کو قیامت کا علم نہیں کہ کب آئے گی اس کی خبر صرف اللہ تعالیٰ کو ہے، کیونکہ اس کے سوا غیب کا علم کسی کو نہیں، آخرت کے بارے میں بہت سے کبھی تو شک میں گرفتار ہو جاتے ہیں اور کبھی بالکل انکار ہی کر بیٹھتے ہیں۔

اس آیت میں ارشاد ہے کہ: جو لوگ اللہ تعالیٰ کو نہیں مانتے وہ آخرت کی حقیقت سے ٹھیک طور پر واقف نہیں ہو سکتے وہ کہتے ہیں کہ مرنے میں تو شک نہیں، لیکن یہ کیسے مان لیں کہ جب مرنے کے بعد خاک میں مل گئے اور مٹی ہو گئے، تو ہم اور ہمارے باپ دادے جن کو مٹی میں ملے ہوئے مدت گذری، دوبارہ پھر مٹی میں سے نکال کر زندہ کر دیئے جائیں گے، یہ تو صرف باتیں ہی باتیں ہیں، عمر بھر سے ہم انہیں سنتے چلے آئے ہیں اور ہم سے پہلے ہمارے باپ دادا بھی اسی طرح سنتے چلے گئے، ہزار ہا صدیاں گذر گئیں، ہم نے تو کسی انسان کو مٹی میں سے پیدا ہوتے نہ سنا نہ دیکھا۔ یہ بات یونہی کبھی کسی کے منہ سے نکل گئی ہوگی کہ مرنے کے بعد انسان دوبارہ زندہ ہوگا، اس کے عمل کا حساب و کتاب ہوگا اور اسے جزا سزا ملے گی اور پہلوں سے نقل کرتے ہوئے پچھلے بھی انہی کہانیوں کو

سنتے ہی چلے گئے، یہی کہانیاں اس قرآن میں رکھ دی گئیں اور حقیقت کچھ بھی نہیں۔

"سورۃ السجدۃ" میں ہے کافروں نے کہا: جب ہم مٹی میں گم ہو جائیں گے، یعنی: ہمارے جسمانی اجزاء مٹی میں رَل مل جائیں گے تو کیا ہم دوبارہ زندہ کیے جائیں گے۔ (آیت: ۱۰) یہاں بھی فرمایا کہ: جب ہم اور ہمارے باپ دادا مر کر مٹی میں مل جائیں گے تو کیا ہم اس زمین سے دوبارہ نکالے جائیں گے، ظاہر ہے مر کر جی اٹھنے اور جزا سزا کا مسئلہ تو اسلام کے اہم ترین مسئلوں میں سے ہے، اسی بات کا یقین ہی انسان کو اللہ تعالیٰ کے حکموں کو ماننے پر آمادہ کرتا ہے، مگر جب یہ مسئلہ مکہ کے کافروں کے سامنے بیان کیا جاتا تو وہ اس پر تعجب کا اظہار کرتے کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ کوئی شخص مرنے کے سینکڑوں ہزاروں سال بعد دوبارہ زندہ کیا جائے، حالانکہ اس وقت تک تو اس کے جسم کا ذرہ ذرہ خاک میں مل کر خاک ہو چکا ہوگا، "سورۃ سبا" میں اس مضمون کو اس طرح بیان کیا ہے کہ کافر لوگ آپس میں اس قسم کی گفتگو کرتے تھے کہ کیا ہم تمہیں اس شخص کے متعلق بتائیں جو کہتا: جب تمہارے جسم ذرہ ذرہ ہو جائیں گے تو تمہیں دوبارہ زندہ کیا جائیگا۔ (آیت: ۷) پھر خود ہی کہنے لگے: اس بات کا وعدہ ہم سے اور ہمارے باپ دادا کے ساتھ اس سے پہلے بھی کیا گیا کہ مرنے کے بعد سب کو دوبارہ اٹھایا جائے گا۔

"سورۃ بنی اسرائیل" میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: اے پیغمبر! ان سے کہہ دیں تم بھر بھری ہڈیوں کی بات کرتے ہو اگر پتھر اور لوہے جیسی سخت مخلوق بھی بن جاؤ گے تو اللہ تعالیٰ پھر بھی تمہیں زندہ کر کے سامنے لا کھڑا کرے گا اور تم سے حساب کتاب لے گا۔

گناہوں کی سزا

قُلْ سِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۶۹﴾

آپ کہہ دیں چلو پھرو میں زمین پھر دیکھو کیسا ہوا انجام مجرموں کا (٦٩)

وَ لَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَ لَا تَكُنْ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ ﴿۷۰﴾

اور مت غم کر پران اور مت ہو میں تنگی اس سے جو یہ فریب کاریاں کرتے ہیں (۷۰)

وَ يَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۷۱﴾

اور کہتے ہیں کب پورا ہوگا یہ وعدہ اگر ہو تم سچے (۷۱)

بامحاورہ ترجمہ:۔ آپ کہہ دیں! چلو پھرو زمین میں اور دیکھو کہ مجرموں کا انجام کیسا ہوا۔ (۶۹) (اے پیغمبر!) آپ ان پر غم نہ کھائیں اور آپ ان کی چھپی تدبیروں سے تنگ دل نہ ہوں۔ (۷۰) اور کہتے ہیں کہ یہ وعدہ کب پورا ہوگا اگر تم سچے ہو۔ (۷۱)

تفسیر

اس آیت میں پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے ارشاد ہے کہ: یہ لوگ زمین میں چل پھر کر دیکھیں کہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کی بات نہ ماننے والوں کا کیا حال ہوا وہ دنیا میں ویسے ہی تباہ ہوئے جیسے پیغمبروں نے انہیں ڈرایا تھا، اور آخرت کے عذاب کا وعدہ بھی اسی طرح پورا ہوکر رہے گا، جس طرح دنیا کے عذاب کا وعدہ پورا ہوا، دنیا میں اگر کوئی اللہ تعالیٰ کے مہلت دینے سے بچ بھی گیا وہ آخرت میں نہیں بچ سکے گا۔ پھر اگر یہ نہ مانیں تو آپ غمگین مت ہوں اور نہ ان کی شرارتوں سے تنگ دل ہوں، آپ سمجھانے کا حق ادا کر چکے اب یہ ہم جانے ہمارا کام، یہ پوچھتے ہیں کہ قیامت کب آئے گی اور بروں کو سزا کب ملے گی اگر سچے ہو تو بتاؤ! اسکا جواب اگلی آیت میں ہے۔

فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ: زمین میں چل کر دیکھو لو۔ کہ مجرموں کا انجام کیسا ہوا، وہ مجرم جو طرح طرح کے جرم کرتے تھے، حتیٰ اسلام کو مٹانا چاہتے تھے، باطل کی حمایت کرتے تھے، کفر و شرک کو زندہ رکھنا چاہتے تھے، ایمان والوں کے دشمن تھے، اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں کی مخالفت کرتے تھے، اور عام لوگوں پر ظلم وستم ڈھاتے تھے، ان کے انجام کی کہانیاں آثارِ قدیمہ کے کھنڈرات میں دیکھ لو، ان کی اُجڑی ہوئی بستیاں پکار

پکار کر کہہ رہی ہیں، کہ یہاں کبھی ظالم و سرکش لوگ آباد تھے۔ جن کا نام و نشان تک مٹ گیا، دنیا میں کوئی قوم جس قدر زیادہ سرکش تھی، اس کو سزا بھی اسی قدر زیادہ ملی۔

جلدی مت کرو

قُلْ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ رَدِفَ لَكُمْ بَعْضُ الَّذِيْ تَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿۷۲﴾

آپ کہہ دیں کیا دور ہے کہ آ گیا ہو قریب تمہارے کچھ اس میں جس کی تم جلدی مچا رہے ہو (۷۲)

وَ اِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا

اور تحقیق رب آپ کا البتہ والا فضل پر لوگوں اور لیکن اکثر ان کے نہیں

يَشْكُرُوْنَ ﴿۷۳﴾ وَ اِنَّ رَبَّكَ لَيَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُوْرُهُمْ

شکر کرتے (۷۳) اور تحقیق رب آپ کا البتہ جانتا ہے جو چھپاتے ہیں سینے ان کے

وَ مَا يُعْلِنُوْنَ ﴿۷۴﴾

اور جو وہ ظاہر کرتے ہیں (۷۴)

با محاورہ ترجمہ:۔ آپ کہہ دیں! ہوسکتا ہے کہ قریب آ چکا ہو اس عذاب کا کچھ حصہ جو تم جلدی مانگ رہے ہو۔ (۷۲) اور آپ کا رب تو لوگوں پر فضل کرنے والا ہے لیکن ان میں سے بہت سے شکر نہیں کرتے۔ (۷۳) اور آپ کا رب جانتا ہے جو ان کے سینوں میں چھپا ہے اور جو کچھ وہ ظاہر کرتے ہیں۔ (۷۴)

لفظی تحقیق: رَدِفَ: پیٹھ سے آ لگا ہو۔ ماضی کا صیغہ ہے، ر۔د۔ف سے۔ ردف کے معنٰی سوار کے پیچھے بیٹھنا، ایسے شخص کو ردیف اور ردف کہتے ہیں۔ یہاں اس سے مراد قریب آ لگنا ہے "لَكُمْ" میں لام زاید ہے۔

تُكِنُّ: چھپاتے ہیں۔ مضارع کا صیغہ ہے "اِكْنَانٌ" سے جو، ک۔ن۔ن سے بنا ہے۔

تفسیر

پہلے ارشاد ہوا کہ: عملوں کی جزا سزا کیلئے آخرت مقرر کی گئی ہے، کسی کو معلوم نہیں کب آئے گی؟ مگر آئے گی ضرور، لوگ اس کا یقین نہیں کرتے، لیکن بدکرداروں کا انجام دنیا میں دیکھ کر انہیں سمجھ لینا چاہئیے کہ جن کو یہاں سزا نہیں ملی انہیں ایک دن مل کر رہے گی، مر کر بھی سزا سے پیچھا نہ چھوٹے گا، اس دن کا نام آخرت ہے، مکہ کے کافر جو بے صبری کر رہے ہیں اور پوچھتے ہیں کہ اگر سچے ہو تو بتاؤ کہ! آخرت کب آئے گی۔

اس آیت میں ارشاد ہے کہ: ان سے کہہ دو کہ اس کا مقرر وقت تو اللہ ہی کو معلوم ہے، چنانچہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ سے نکلے ابھی ڈیڑھ سال بھی نہ گذرا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے مشرکوں پر بدر کے میدان میں شکست کا عذاب بھیج دیا اور مکہ کے مشرکوں کے ستر (۷۰) سردار مارے گئے اور ستر (۷۰) گرفتار کر لیے گئے اور اللہ تعالیٰ کا وعدہ پورا ہو گیا، ہلاکت و بربادی بھی قیامت ہی کا حصہ ہے جو کہ اپنے وقت پر آئے گی مگر اس کا نمونہ دنیا میں بھی آسکتا ہے، دیر یا سویر آئے گی ضرور اور کیا دور ہے کہ تمہاری بدکرداروں کی سزا کا کچھ حصہ ردیف کی طرح تمہارے قریب ہی پہنچ گیا ہو، اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ قیامت تم سے اتنی قریب ہے جتنا سواری پر پیچھے بیٹھنے والا آگے بیٹھنے والے کے قریب ہوتا ہے، یہ نہیں سمجھتے کہ عذاب میں دیر لگنا اللہ تعالیٰ کی طرف سے مہلت ہے، لیکن یہ اس کے فضل کا شکر کرنا تو در کنار الٹا منہ سے جلدی عذاب مانگ رہے ہیں، ان سے کہہ دو کہ ان کے سینوں میں چھپی ہوئی شرارتیں اور اعلانیہ گناہ سب اللہ تعالیٰ کو معلوم ہیں۔

ہر چیز لکھی ہوئی ہے

وَ مَا مِنْ غَآئِبَةٍ فِي السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴿۷۵﴾

اور نہیں سے غائب میں آسمانوں اور زمین مگر میں کتاب واضح (۷۵)

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَقُصُّ عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَكْثَرَ الَّذِيْ
تحقیق یہ قرآن بیان کرتا ہے سامنے بنی اسرائیل کے بہت سی چیزیں

هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۷۶﴾ وَاِنَّهٗ لَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۷۷﴾
کہ وہ میں جن جھگڑتے ہیں (۷۶) اور تحقیق وہ البتہ ہدایت اور رحمت ہے لیے ایمان والوں کے (۷۷)

بامحاورہ ترجمہ: ۔اور کوئی چیز نہیں جو آسمان اور زمین میں غائب ہو مگر کھلی کتاب، یعنی: لوح محفوظ میں موجود ہے (حقیقت یہ ہیکہ چیزوں کا چھپا ہوا ہونا یا ظاہر ہونا مخلوق کے اعتبار سے ہے وگرنہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کوئی چیز پوشیدہ نہیں)۔(۷۵) یہ قرآن بنی اسرائیل کو بہت سی چیزیں جن میں وہ جھگڑ رہے ہیں سناتا ہے۔ (۷۶) اور بے شک وہ ایمان لانے والوں کیلئے ہدایت اور رحمت ہے۔(۷۷)

لفظی تحقیق: کِتٰبٍ مُّبِیْن: واضح کتاب۔ یہ لفظ لوح محفوظ کیلئے اکثر آیا ہے، یعنی: وہ دفتر جس میں ہر چیز جو ہوگی یا ہوئی ہے لکھی ہوتی ہے۔

تفسیر

پیچھے ارشاد ہوا کہ: ان کے عملوں کی سزا انہیں مل کر رہے گی، اور دور نہیں کہ کچھ سزا عنقریب دنیا ہی میں مل جائے، اللہ تعالیٰ کو ان کے ظاہری عمل بلکہ ان کے دلوں میں چھپے ہوئے بھید اور شرارتیں ذرہ ذرہ معلوم ہیں، اس جہان کی ہر چیز چھوٹی، بڑی، چھپی، کھلی، آسمان میں یا زمین میں ہر ایک بات جو ہوگئی یا ہوگی، ایک ایک کر کے ایک واضح کتاب میں جوں کی توں لکھی ہوئی ہے، جلدی مچاؤ یا چھپ رہو، جس جس کا وقت آجائے گا، ظاہر ہوتی چلی جائے گی اور جو کچھ تم کرتے جاؤ گے وہ بھی اس میں جوں کا توں لکھ دیا جائے گا اور تمہارا ہر عمل کا نتیجہ جیسا ہوگا سامنے آجائے گا، اس قرآن میں ان تمام باتوں کی خبر دے دی گئی ہے، جن کا جاننا انسان کے لئے ضروری ہے۔

اس سے پہلے بنی اسرائیل کو بھی "تورات" کے ذریعہ اس وقت کے مطابق حالات اور واقعات سے خبردار

کر دیا تھا، لیکن وہ "تورات" کی اکثر باتوں کو بھلا کر ان کی بابت اپنی اپنی رائے قائم کر بیٹھے اور آپس میں جھگڑنے لگے، ان باتوں کو بھی قرآن مجید میں دوبارہ صاف کر کے بیان کر دیا گیا ہے تاکہ وہ اپنے جھگڑے ختم کریں اور قرآن مجید کی بتائی ہوئی راہ اختیار کریں، خیر! وہ کریں یا نہ کریں بہر حال قرآن مجید پر ایمان لانے والوں کیلئے تو قرآن ہدایت اور رحمت ہے جسکی برکت سے وہ ہمیشہ مالا مال ہوتے رہیں گے۔

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَقُصُّ عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَكْثَرَ الَّذِيْ هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ: بیشک یہ قرآن کریم بنی اسرائیل کی بہت سی وہ باتیں بیان کرتا ہے جن میں وہ اختلاف کرتے ہیں، یہ اللہ تعالیٰ کی وہ برحق کتاب ہے، جو وحی کے ذریعے اتاری گئی یہ بنی اسرائیل کی طرف سے پہلی آسمانی کتابوں میں کیے گئے، ردّ و بدل کا پردہ اٹھاتی ہے، ان لوگوں نے تورات میں پیغمبروں کے معصوم ہونے اور اللہ تعالیٰ کے علم کے بارے میں غلط باتیں شامل کر دی تھیں، مثلاً: آدم علیہ السلام کے متعلق یہ لکھ دیا کہ اللہ تعالیٰ آدم علیہ السلام کو پیدا کرنے کے بعد پچھتایا (العیاذ باللہ) یہ تو سخت کفریہ کلمہ ہے، "تورات" کے پہلے باب میں یہ لکھ دیا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان اور زمین کو چھ دن میں پیدا کیا اور پھر ساتویں دن تھکاوٹ دور کرنے کیلئے آرام کیا گویا کہ اللہ تعالیٰ کائنات کو بناتے بناتے تھک گیا تھا (العیاذ باللہ) مگر قرآن نے اس مسئلہ کو واضح طور پر بیان کر دیا کہ ہم نے زمین و آسمان اور ان کے درمیان چیزوں کو چھ دن کے وقفے میں پیدا کیا مگر ہمیں کوئی تھکاوٹ نہیں ہوئی۔ (ق: ۳۸)

اسی طرح عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا بیٹا ہونے اور تین خداؤں میں سے ایک خدا ہونے کا جو عقیدہ گھڑ رکھا ہے، قرآن مجید نے اس کی جگہ جگہ تردید کی ہے، مثلاً: اللہ نے فرمایا: عیسیٰ تو ہمارے بندے تھے جن پر ہم نے انعامات کیے، وہ خود خدا نہیں تھے۔ (الزخرف: ۵۹) خود عیسیٰ علیہ السلام نے بھی ماں کی گود میں اعلان کر دیا کہ میں تو اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں۔ اس نے مجھے کتاب عطا فرمائی ہے اور پیغمبر بنایا ہے۔ (مریم: ۳۰)

غرضیکہ قرآن پاک بنی اسرائیل کی غلط باتوں کی واضح طور پر نشاندھی کرتا ہے۔

سمجھدار ہی سمجھیں گے

اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ بِحُكْمِهٖ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْعَلِيْمُ ﴿٧٨﴾

تحقیق رب آپ کا فیصلہ کرے گا درمیان ان کے سے حکم اپنے اور وہ زبردست جاننے والا ہے (۷۸)

فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّكَ عَلَى الْحَقِّ الْمُبِيْنِ ﴿٧٩﴾ اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ

پس بھروسہ کرو پر اللہ یقیناً آپ پر حق کھلے ہیں (۷۹) تحقیق آپ نہیں سنا سکتے

الْمَوْتٰى وَ لَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ ﴿٨٠﴾ وَ

مُردوں کو اور نہیں سنا سکتے بہروں کو پکار جب وہ مڑ جائیں پیٹھ پھیر کر (۸۰) اور

مَآ اَنْتَ بِهٰدِى الْعُمْيِ عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ ؕ اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا

نہیں آپ سمجھانے والے اندھوں کو سے گمراہی ان کی نہیں سناتے آپ مگر

مَنْ يُّؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿٨١﴾

اسے جو یقین کرے پر آیتوں ہماری پس وہی فرمانبردار ہیں (۸۱)

بامحاورہ ترجمہ: ۔آپ کا رب اپنی طاقت سے ان میں فیصلہ کرے گا اور وہی ہے زبردست سب کچھ جاننے والا۔(۷۸)سو! آپ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کریں بے شک آپ صحیح کھلے راستہ پر ہیں۔(۷۹)البتہ آپ مُردوں کو نہیں سنا سکتے اور نہ بہروں کو اپنی پکار سنا سکتے ہیں، جب وہ پیٹھ پھیر کر لوٹ جائیں۔(۸۰)اور نہ آپ اندھوں کو جب وہ راہ سے بھٹک جائیں راہ دکھا سکیں آپ تو ان کو سنا سکتے ہیں جو ہماری باتوں پر یقین رکھتے ہوں، سو! وہ فرمانبردار ہیں۔(۸۱)

تفسیر

پہلے فرمایا کہ؛ قرآن حکیم میں انسان کو برائی بھلائی سے آگاہ کر دیا گیا ہے، اس میں ارشاد ہے کہ: اس

کے بعد ان میں فیصلہ اللہ تعالیٰ اپنے حکم سے کرے گا، وہ بڑی طاقت والا علم والا ہے، سو! آپ اپنا کام کریں اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کریں، آپ یقین جانیں کہ آپ بالکل ٹھیک اور واضح راستے پر چل رہے ہیں، اس کے بعد آپ کو کیا غم ہے، یہ لوگ جو آپ کی نہیں سنتے مردہ دل، اندھے اور بہرے ہیں اور وہ اس حالت سے نکلنا بھی نہیں چاہتے آپ کے بس کا نہیں کہ مُردوں کو سنائے یا بہروں کو پکارے خاص کر جب وہ پیٹھ پھیر کر چل دیے ہوں، جو دل کے اندھے راہ سے بھٹک چکے ہیں آپ انہیں راہ پر نہیں لا سکتے، آپ کی باتوں سے تو وہ لوگ فائدہ اٹھائیں گے جو ہماری باتوں کو مانتے ہیں، یہ ماننے والے ہی اطاعت گذار، فرمانبردار ہیں۔

اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ بِحُكْمِهٖ: بنی اسرائیل جن باتوں میں اختلاف اور جھگڑا کرتے ہیں، بیشک آپ کا پروردگار اپنے حکم سے اُن باتوں میں فیصلہ کریگا، بنی اسرائیل کے عقیدے اور عمل کی اختلافی باتوں میں اللہ تعالیٰ نے علمی فیصلہ تو پیغمبر بھیج کر اور قرآن اتار کے کر دیا ہے اور جھوٹ اور سچ کو واضح کر دیا ہے، البتہ ان کے درمیان عملی فیصلہ ہونا باقی ہے، یہ فیصلہ قیامت کے دن یقینی طور پر کر دیا جائے گا، جب اللہ تعالیٰ ان کو اُن کے عقیدے اور برے عملوں کے مطابق دوزخ میں داخل کر کے پورا پورا بدلہ دے گا۔

وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْعَلِيْمُ: اللہ تعالیٰ ہر چیز پر غالب ہے اور سب کچھ جانتا ہے، وہ قدرت کا مالک ہے۔ کافروں کی ساری سازشیں اور ہٹ دھرمیاں اُس کے علم میں ہیں۔

دوسری طرف اللہ تعالیٰ نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا: آپ اللہ کی ذات پر بھروسہ رکھیں، بیشک آپ کھلے حق پر ہیں، لہذا آپ اپنا کام جاری رکھیں اور ان نافرمانوں کی طرف سے غمگین نہ ہوں کہ یہ لوگ ایمان قبول کیوں نہیں کرتے، حقیقت یہ ہے کہ آپ مُردوں کو نہیں سنا سکتے۔ اور نہ ہی آپ کسی بہرے کو اپنی پکار سنا سکتے ہیں جب کہ وہ پشت پھیر کر جا رہے ہوں۔

اس مقام پر کافروں کو مُردوں کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے اور بہروں سے مراد بھی وہ کافر اور مشرک ہیں جو

حق بات کو سننے کیلئے ہرگز تیار نہیں ہوتے، تو جس طرح مردے اور بہرے آدمی کو کوئی بات نہیں سنائی جاسکتی، اسی طرح ان ضدی کافروں پر بھی توحید اور ایمان کی بات اثر انداز نہیں ہوتی، ان کے دل مردہ ہو چکے ہیں اور ان کے دل کے کان بہرہ ہیں، لہذا ان پر کوئی نصیحت اثر نہیں کریگی، اگر چہ ان کے ظاہری کان موجود ہیں اور وہ آپ کی آواز سنتے بھی ہیں مگر جو نصیحت آپ کرنا چاہتے ہیں وہ ان پر اثر نہیں کرتی۔ گویا کہ وہ سنتے ہی نہیں، لہذا اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: آپ ان کے متعلق زیادہ فکرمند نہ ہوں۔

اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ يُّؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ: آپ صرف ان کو اپنی بات سنا سکتے ہیں جو ہماری آیتوں پر یقین رکھتے ہیں اور وہ فرمانبرداری کرنے والے ہیں، دوسرے لوگ اس ہدایت سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے، ان کو وعظ کرنا تو ایسا ہی ہے جیسے آپ قبرستان جا کر مُردوں کو وعظ کرنے لگیں، جس طرح مُردوں کیلئے آپ کی نصیحت کارآمد نہیں کہ وہ دنیا سے آخرت کی طرف جاچکے ہیں، اسی طرح اِن مردہ دلوں پر بھی نصیحت کا کچھ اثر نہیں ہوگا۔

قیامت کی علامت

وَ اِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ اَخْرَجْنَا لَهُمْ دَآبَّةً مِّنَ الْاَرْضِ

اور جب آپڑے گی بات پر ان نکالیں گے ہم لئے ان کے ایک جانور سے زمین

ع ۶ / ۱۶ / ۲

تُكَلِّمُهُمْ ۙ اَنَّ النَّاسَ كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا لَا يُوْقِنُوْنَ ﴿۸۲﴾

باتیں کریگا ان سے کہ لوگ تھے نشانیوں ہماری کا نہیں یقین کرتے (۸۲)

بامحاورہ ترجمہ: ۔اور جب ان پر قیامت آپڑے گی تو ہم ان کے لئے زمین سے ایک جانور نکالیں گے، جو ان سے باتیں کریگا کہ لوگ ہماری یعنی اللہ تعالیٰ کی نشانیوں پر یقین نہیں کرتے۔ (۸۲)

تفسیر

پہلے ذکر ہوا کہ یہ لوگ پوچھتے ہیں قیامت کب آئے گی۔ اگر تم سچے ہو تو بتاؤ؟ ان سے کہا گیا کہ قیامت آکر رہے گی، اس کا ٹھیک وقت اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے، جب تک نہیں آتی غنیمت ہے، جب آگئی تو پھر ایمان لانا کسی کام نہ آئے گا، تمہاری بھلائی کیلئے یہی جاننا کافی ہے کہ اس کا آنا یقینی ہے تاکہ تم فوراً ایمان لاکر عذاب سے بچنے کی کوشش شروع کردو، اس آیت میں قیامت کی **ایک** علامت بتائی گئی ہے جب یہ ظاہر ہوگئی تو پھر ایمان لانا کوئی فائدہ نہ دے گا۔

ارشاد ہے کہ: جب قیامت سر پر آہی جائے گی تو ہم ایک جانور زمین سے نکالیں گے اور وہ ان سے باتیں کرے گا اور بتائے گا کہ قیامت قریب ہے، یہ جانور اس لئے نکالا جائے گا کہ لوگ ہماری نشانیوں کا جو دنیا میں پھیلی ہوئی تھیں یقین نہ کرتے تھے۔

جب جانور تک کہہ دے گا کہ پیغمبر نے جو کہا تھا بالکل سچ تھا، پھر تو مومنون اور کافروں میں علانیہ فرق ہوجائے گا اور دونوں ایک دوسرے سے بالکل الگ ہوجائیں گے اور وہ جانور خود صاف صاف بتادے گا کہ یہ شخص مومن ہے، یہ کافر ہے۔

غرضیکہ! قیامت سے پہلے ایسی غیر معمولی باتیں ہوں گی۔ جن سے کسی کو پیغمبروں کی بتائی ہوئی باتوں میں شبہ نہ رہے گا۔

وَ اِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ: جس وقت اُن پر بات واقع ہوجائے گی تو ہم اُن کیلئے زمین سے ایک جانور نکالیں گے جو اُن سے کلام کریگا، زمین سے جانور کا نکلنا قیامت کی نشانیوں میں سے ہے، "بخاری، مسلم" اور حدیث کی دوسری کتابوں میں قیامت کے قریب آجانے س کی نشانیوں کا ذکر ہے، جن میں سورج کا مغرب سے نکلنا، دجال کا نکلنا عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان سے اُترنا، زمین میں دھنسنا، آگ کا نکلنا اور جانور کا زمین سے نکلنا، بات یہ

ہے کہ یہ عجیب وغریب قسم کا جانور ہوگا، جو لوگوں سے بات چیت کریگا۔

ابنِ کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے ابوداؤد طیالسی کے حوالے سے حضرت طلحہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث میں روایت کیا ہے کہ یہ جانور مکہ مکرمہ میں صفا کے پہاڑ سے نکلے گا، اور اپنے سر سے مٹی جھاڑتا ہوا مسجد حرام میں حجرِ اسود اور مقامِ ابراہیم کے درمیان پہنچ جائیگا، لوگ اس کو دیکھ کر بھاگنے لگیں گے ایک جماعت رہ جائے گی یہ جانور ان کے چہروں کو ستاروں کی طرح روشن کردیگا، اس کے بعد وہ زمین کی طرف نکلے گا، ہر کافر کے چہرے پر کفر کا نشان لگا دیگا، کوئی اس کی پکڑ سے بھاگ نہ سکے گا، یہ ہر مؤمن وکافر کو پہچانے گا۔

جانور کے بارے میں جتنی بات قرآن کی آیتوں اور صحیح حدیثوں سے ثابت ہے کہ یہ عجیب الخلقت جانور ہوگا، جو زمین سے نکلے گا۔ اس کا نکلنا مکہ مکرمہ میں ہوگا، پھر ساری دنیا میں پھرے گا۔ یہ کافر ومومن کو پہچانے گا، اور اُن سے باتیں کریگا، بس! اتنی بات پر عقیدہ رکھا جائے، اس سے زیادہ باتوں کی تحقیق وتفتیش نہ ضروری ہے نہ اس سے کچھ فائدہ ہے۔

کافروں کا حال

وَ يَوْمَ نَحْشُرُ مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ فَوْجًا مِّمَّنْ يُّكَذِّبُ بِاٰيٰتِنَا

اور جس دن ہم اکٹھا کریں گے سے ہر امت گروہ ان میں سے جو جھٹلاتے تھے نشانیوں ہماری کو

فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ ﴿۸۳﴾ حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْ قَالَ اَكَذَّبْتُمْ بِاٰيٰتِيْ

پھر ان کی جماعت بندی کی جائیگی (۸۳) یہاں تک کہ جب آجائیں گے فرمائے گا کیا جھٹلایا تم نے نشانیوں میری کو

وَ لَمْ تُحِيْطُوْا بِهَا عِلْمًا اَمَّا ذَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۸۴﴾

حالانکہ نہیں گھیرا تھا انہیں اپنے علم میں یا پھر کیا تھے تم کرتے (۸۴)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور جس دن جمع کریں گے ہم ہر فرقے کی ایک جماعت جو جھٹلاتی تھی ہماری نشانیاں

پھر ان کی گروہ بندی کی جائے گی۔ (۸۳) یہاں تک کہ جب حاضر ہو جائیں گے تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: کیوں تم نے میری آیتوں کو جھٹلایا۔ حالانکہ تم ان کا کسی طور پر علمی احاطہ بھی نہیں کر سکے تھے؟ یا (پھر تم خود ہی بتاؤ کہ) اور کیا تھے وہ کام جو تم لوگ کرتے رہے تھے (مثلاً: پیغمبر کو اور ایمان والوں کو تکلیفیں دیتے جو جھٹلانے سے بھی بڑھکر ہے، اسی طرح اور کفریہ اور شرکیہ عقیدوں میں مبتلا رہے)۔ (۸۴)

تفسیر

ارشاد ہے کہ: قیامت کے دن فنا ہو جانے کے بعد پھر سب کو دوبارہ زندہ کیا جائے گا اور ہم ہر فرقہ کا جو ہماری آیتوں اور نشانیوں کو جھوٹا کہتا تھا الگ الگ گروہ بنادیں گے اور سب کو اپنی اپنی حد میں کھڑا کر دیں گے، پھر اللہ تعالیٰ ان سے پوچھے گا! تم نے ہماری آیتوں، پیغمبروں اور نشانیوں کو سمجھنے کی کوشش کیے بغیر ہی انہیں جھوٹا کہہ دیا، اتنی تکلیف بھی گوارا نہ کی کہ ان میں غور وفکر کرتے اور سوچتے کہ آخر یہ سارا انتظام کیوں کیا گیا ہے۔

وَيَوْمَ نَحْشُرُ مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ فَوْجًا مِّمَّنْ يُكَذِّبُ بِاٰيٰتِنَا: اور جس دن ہم اکٹھا کریں گے، ہر امت میں سے ایک گروہ اُن لوگوں کا جو ہماری آیتوں کو جھٹلاتے ہیں، پس! وہ الگ الگ کر دیے جائیں گے، "يُوْزَعُوْنَ" کے تین معنیٰ آتے ہیں اور یہ تینوں درست ہیں، اس کا ایک معنیٰ روکنا ہے اور دوسرا تقسیم کرنا، روکنے کا مطلب یہ ہے کہ حشر کے میدان میں جب سب لوگوں کو اکٹھا کیا جائے گا، اور وہ حساب کتاب کی منزل کی طرف چلیں گے تو وہاں اس قدر رش ہو جائے گا۔ کہ چلنا مشکل ہوگا؛ اس لیے پیچھے آنے والوں کو روک کر آگے چلنے والوں کو گزر جانے کا موقع دیا جائے گا اور دوسرا تقسیم کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ہر امت میں سے اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو جھٹلانے والوں کے الگ الگ گروہ بنا دیے جائیں گے، مختلف قسم کے گنہگاروں کی ان کے گناہوں کے اعتبار سے گروہ بندی کر دی جائے گی اور اس طرح انہیں الگ الگ جتھوں میں تقسیم کر دیا جائیگا، تیسرا معنیٰ یہ ہے کہ

انکو دھکے دے کر حشر کے میدان کی طرف لایا جائے گا۔

جب یہ گروہ بندی مکمل ہو جائیگی تو ہر جماعت کو اللہ تعالیٰ کی عدالت میں پیش کیا جائیگا، تو اللہ تعالیٰ اُن سے پوچھیں گے کیا تم نے میری آیتوں کو جھٹلایا تھا؟ حالانکہ تم نے اُن آیتوں کے علم کا احاطہ نہیں کیا تھا، تم نے میری آیتوں کو دیکھے، سمجھے اور ان پر عمل کرنے کی کوشش کے بغیر اُن کو جھٹلانا شروع کر دیا، تم نے نہ تو میرے بھیجے ہوئے پیغمبروں کی بات سنی نہ اُن کی لائی ہوئی شریعت پر غور و فکر کیا اور نہ آسمانی کتابوں کی طرف توجہ کی۔ بھلا! بتلاؤ تو تم دُنیا میں کیا کچھ کرتے رہے۔

آخر سزا ملی

وَ وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ بِمَا ظَلَمُوْا فَهُمْ لَا يَنْطِقُوْنَ ﴿۸۵﴾ اَلَمْ

اور آپڑا حکم پر ان اس لیے کہ انہوں نے ظلم کیا پس وہ نہ بول سکیں گے (۸۵) کیا نہیں

يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا الَّيْلَ لِيَسْكُنُوْا فِيْهِ وَ النَّهَارَ مُبْصِرًا

دیکھا انہوں نے کہ ہم نے بنایا رات کو تاکہ آرام کریں میں اس اور دن کو دیکھنے کیلئے

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۸۶﴾

تحقیق میں البتہ نشانیاں ہیں لئے ان لوگوں کے جو ایمان لاتے ہیں (۸۶)

بامحاورہ ترجمہ: ۔اور آپڑا ان پر حکم اس واسطے کہ انہوں نے ظلم کیا اب وہ کچھ بول نہیں سکتے۔ (۸۵) کیا نہیں دیکھتے کہ ہم نے رات بنائی تاکہ اس میں آرام کریں اور دن دیکھنے کو بنایا البتہ اس میں ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو یقین کرتے ہیں۔ (۸۶)

تفسیر

ارشاد ہے کہ: اگر وہ اسی پر غور کر لیتے کہ ہم نے ان کی خاطر رات آرام کیلئے اور دن دیکھ بھال کر کام

کرنے کیلئے بنایا تو وہ ہمیں مان لیتے ،انہوں نے ان سے دنیاوی فائدہ اٹھایا لیکن ہمیں نہ پہچانا، حالانکہ ایمان والے سمجھتے ہیں کہ اسی میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کی پوری نشانیاں موجود ہیں۔

وَ وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ بِمَا ظَلَمُوْا: اور ان پر بات واقع ہوجائیگی ،یعنی: ان کا جرم ثابت ہوجائے گا اور ان کے ظلم کے وجہ سے ان کی پکڑ ہوجائے گی ، انہوں نے زندگی بھر توحید کا انکار کیا، اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں اور آسمانی کتابوں کو جھٹلایا کفر، شرک اور گناہ میں مبتلا رہے، قیامت اور آخرت میں حساب وکتاب کا مذاق اُڑایا، یہ سب ظلم تھا جس کی وجہ سے وہ پکڑے گئے۔

فَهُمْ لَا يَنْطِقُوْنَ: لہذا آج وہ بول بھی نہیں سکیں گے، یعنی: اپنے جرم پر کوئی عذر پیش نہیں کرسکیں گے، بعض موقعوں پر تو واقعی بولنا ممکن نہ ہوگا اور بعض موقعے ایسے بھی آئیں گے کہ اللہ تعالیٰ انہیں بلوائے گا، وہ زبان سے بات کریں گے اور کبھی اللہ تعالیٰ ان کی زبان کو بند کردینگے اور ان کے ہاتھ پاؤں گواہیں دیں گے۔

اَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا الَّيْلَ لِيَسْكُنُوْا فِيْهِ: کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے رات کو اس لیے بنایا ہے کہ یہ اس میں آرام کرسکیں ، دن بھر کام کاج کرکے جب لوگ تھک جاتے ہیں اور ان کی قوتیں کمزور ہوجاتی ہیں تو رات آجاتی ہے، جس کے دوران وہ آرام کرکے اپنی قوتیں بحال کرتے ہیں، اور اگلے دن کے کام کاج کیلئے تازہ دم ہوجاتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے رات کو بنایا ہی ایسا ہے کہ تمام انسان اور تمام دوسرے جانور رات کے وقت سکون پکڑتے ہیں۔

وَ النَّهَارَ مُبْصِرًا: اور ہم نے دن کو دیکھنے والا بنایا، رات کے اندھیرے کو ختم کرکے دن کی روشنی کا انتظام کیا تاکہ لوگ اس روشنی میں دیکھ کر اپنا کاروبار جاری رکھ سکیں، جب وہ دن بھر کام کاج کرکے تھک جاتے ہیں، تو پھر رات آجاتی ہے اور یہ نظام اسی طرح چلتا رہتا ہے، دن ورات کا بدلنا اللہ تعالیٰ کے ایک ہونے کی دلیل ہے، اگر انسان صرف ایک اسی نشانی میں غوروفکر کرلے تو وہ سمجھ سکتا ہے کہ اتنے بڑے نظام کو چلانے والا فقط اللہ تعالیٰ ہے، وہ پیغمبروں کی رسالت کو سمجھ سکتا ہے اور یہ بھی جان سکتا ہے کہ نیند موت کی طرح ہے، جس طرح

انسان ہر روز نیند سے بیدار ہوتا ہے، اسی طرح مرنے کے بعد قیامت والے دن پھر اُٹھ کھڑا ہوگا۔

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ: بیشک اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کیلئے جو ایمان رکھتے ہیں، ایمان والے دن رات ادلنے بدلنے سے ہی خدا تعالیٰ کی توحید کو سمجھ جاتے ہیں، اس کی عبادت کرتے ہیں اور اس کی نعمتوں کا شکر ادا کرتے ہیں اور کفر و شرک سے باز رہتے ہیں۔

نیند سے بیدار ہو جانا مر کر جی اٹھنے کا ایک نمونہ ہے؛ اسی لئے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بعض دعائیں بھی سکھائی ہیں، انسان جب سونے کے لئے بستر پر جائے تو اسے یوں کہنا چاہئے۔ اَللّٰھمَّ بِاسمِک اَمُوتُ وَاَحیٰ. اے اللہ! میں تیرے ہی نام پر مرتا ہوں اور تیرے ہی نام پر زندہ ہوں گا، پھر جب کوئی شخص سو کر اٹھتا ہے تو کہتا ہے۔ اَلحَمدُ لِلّٰہ الَّذِی اَحیَانَا بَعدَ مَآ اَمَاتَنَا وَاِلَیہِ النُّشُورُ. خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے جس نے موت طاری کرنے کے بعد دوبارہ زندگی بخشی اور ہمیں اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے، ایک حدیث میں یہ الفاظ آتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کا شکر ہے جس نے ایک قسم کی موت طاری کرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیا اور اپنا ذکر کرنے کا موقع فراہم کیا۔

قیامت کا حال

وَ یَوْمَ یُنْفَخُ فِی الصُّوْرِ فَفَزِعَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَنْ فِی
اور جس دن پھونک ماری جائیگی میں صور پس گھبرا جائیگا جو میں آسمانوں اور جو میں

الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ؕ وَ كُلٌّ اَتَوْهُ دٰخِرِیْنَ ﴿۸۷﴾ وَ تَرَى
زمین مگر جسے چاہے اللہ اور سب آئیں گے پاس اس کے عاجز بن کر (۸۷) اور آپ دیکھتے ہیں

الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَّ هِیَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ ؕ صُنْعَ
پہاڑوں کو خیال کرتا ہے انہیں جما ہوا حالانکہ وہ چلیں گے چلنا بادلوں کا کاریگری

اللّٰهِ الَّذِیۡۤ اَتۡقَنَ کُلَّ شَیۡءٍ ؕ اِنَّهٗ خَبِیۡرٌۢ بِمَا تَفۡعَلُوۡنَ ﴿۸۸﴾

اللہ کی جس نے خوبی سے بنایا ہر چیز کو تحقیق وہ خبردار ہے سے اس جو تم کرتے ہو(۸۸)

بامحاورہ ترجمہ: ۔اور جس دن صور پھونکا جائیگا تو جو کوئی آسمان اور زمین میں ہے گھبرا جائے گا،سوا اس کے جسے اللہ تعالیٰ چاہیں گے(وہ نہیں گھبرائے گا)اور سب عاجزی سے اس کے آگے چلے آئیں گے۔(۸۷)اور آپ پہاڑوں کو دیکھ کر اپنی جگہ سمجھیں گے حالانکہ وہ بادل کی طرح چل رہے ہونگے ،اللہ تعالیٰ کی کاریگری ہے جس نے ہر چیز کو درست کیا اسے خبر ہے ان چیزوں کی جو کچھ تم کرتے ہو۔(۸۸)

لفظی تحقیق: دٰخِرِیۡنَ:عاجزی کرنے والے۔اَتۡقَنَ:مضبوط بنایا۔

تفسیر

ارشاد ہے کہ: قیامت کے بارے میں کیا پوچھتے ہو؟ اس دن اسرافیل علیہ السلام صور پھونکیں گے،سب لوگ گھبرا جائیں گے،مگر جس کو اللہ تعالیٰ چاہے گا گھبراہٹ سے بچالے گا،سب کے سب عاجزی کے ساتھ سر جھکا کر اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہوجائیں گے، پہاڑ جو اس وقت تمہیں مضبوطی سے ایک جگہ جمے ہوئے نظر آرہے ہیں اس دن بادلوں کی طرح اڑتے پھریں گے،اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو بڑی کاریگری سے بنایا ہے یہ اسی کی حکمت ہے کہ آج پہاڑ جمے ہوئے ہیں جو قیامت کو اُڑتے پھریں گے۔

وَیَوۡمَ یُنۡفَخُ فِی الصُّوۡرِ :اور جس دن پھونکا جائے گا صور میں ۔صور دو دفعہ پھونکا جائے گا، پہلے صور سے تمام چیزوں کو فنا ہوجائیں گے،اسی صور سے ہر چیز پر گھبراہٹ اور بے ہوشی طاری ہوجائیگی،حتیٰ کہ روحیں بھی بے ہوش ہوجائیں گی،اس کے بعد جب دوبارہ صور پھونکا جائیگا،تو لوگ حساب وکتاب کیلئے اُٹھ کھڑے ہوجائیں گے۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: گھبراہٹ کے وقت میں میں دیکھوں گا کہ موسیٰ علیہ السلام

اللہ تعالیٰ کے عرش کا پایا پکڑ کر کھڑے ہیں، میں نہیں جانتا کہ وہ مجھ سے پہلے ہوش میں آچکے ہیں یا ان پر بیہوشی طاری ہی نہیں ہوئی، کیونکہ یہ بیہوشی ان پر دنیا میں آچکی تھی کہ جب موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے اپنے دیدار کی درخواست کی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: تونہیں دیکھ سکتا، پھر جب اللہ نے اپنی تجلی طور پر ڈالی، تو موسیٰ علیہ السلام بیہوش ہوکر گر پڑے، (الاعراف: ۱۴۳)، لہذا اللہ تعالیٰ ان کو اس بیہوشی کے بدلے قیامت کے دن کی بیہوشی سے محفوظ رکھے گا۔

اِنَّهٗ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَفْعَلُوْنَ: اللہ تعالیٰ باخبر ہے ان کاموں سے جو تم کرتے ہو، وہ تمہاری نیکی اور بدی، پاکی اور ناپاکی، اچھے اور برے عقیدے، خوش عملی اور بدعملی ہر چیز سے واقف ہے اور پھر اسی کے مطابق جزا یا سزا کا فیصلہ کرے گا، یہ اس دن واقع ہوگا جب صور پھونکا جائے گا اور سب لوگوں کو میدان حشر میں اکٹھا کیا جائے گا۔

اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ: مطلب یہ ہے کہ کچھ لوگ ایسے بھی ہونگے جن پر کوئی گھبراہٹ حشر کے وقت نہیں ہوگی، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث میں ہے کہ یہ لوگ شہید ہونگے حشر کی دوبارہ زندگی کے وقت ان پر کوئی گھبراہٹ نہیں ہوگی۔ (صحیح الحدیث ابن العربی (قرطبی) سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی فرمایا کہ: مراد اس سے شہید ہیں جو حشر کے وقت اپنی تلواریں باندھے ہوئے عرش کے گرد جمع ہونگے اور قشیری نے فرمایا کہ: انبیاء علیہم السلام بھی ان میں داخل ہیں کیونکہ ان کو شہادت کا مقام بھی حاصل ہے اور پیغمبری کا مقام اس کے علاوہ ہے۔

جزا کی نوعیت

مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا ۚ وَ هُمْ مِّنْ فَزَعٍ

جو آیا بھلائی لے کر پس لئے اس کے بہتر ہے اس سے اور وہ سے گھبراہٹ

يَّوْمَئِذٍ اٰمِنُوْنَ ﴿۸۹﴾ وَ مَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَكُبَّتْ وُجُوْهُهُمْ

اس دن محفوظ ہونگے (۸۹) اور جو آیا برائی لے کر اوندھے کر دیے جائینگے چہرے ان کے

فِي النَّارِ ۚ هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۞ اِنَّمَآ
میں آگ نہیں بدلہ دیئے جائینگے مگر جو تھے تم کرتے (۹۰) یہی

اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ رَبَّ هٰذِهِ الْبَلْدَةِ الَّذِيْ حَرَّمَهَا وَ لَهٗ
حکم دیا گیا ہے مجھے کہ بندگی کروں میں رب کی اس شہر کے جس نے حرمت دی اسے اور اسی کی ہے

كُلُّ شَيْءٍ ۫ وَّ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۞
ہر چیز اور حکم ملا ہے مجھے کہ ہوں میں سے فرمانبرداروں (۹۱)

بامحاورہ ترجمہ:۔ جوکوئی بھلائی لے کر آیا تو اس کو اس بھلائی سے بہتر صلہ ملے گا اور وہ اس دن کی گھبراہٹ سے امن میں ہونگے۔(۸۹) اور جوکوئی آیا برائی لے کر تو ان کے چہرے آگ میں اوندھے ڈالے جائیں گے، تم کو اسی چیز کا بدلہ دیا جائے گا جو تم کیا کرتے تھے۔(۹۰) مجھے یہی حکم ہے کہ اس شہر کے رب کی عبادت کروں جس نے اسے حرمت دی اور ہر چیز اسی کی ہے اور مجھے حکم ہے کہ میں فرمانبرداروں میں سے رہوں۔(۹۱)

تفسیر

جب یہ ضروری ٹھہرا کہ قیامت قائم ہو اور لوگوں کو ان کے عمل کا بدلہ ملے تو اس آیت میں اس بدلہ کی نوعیت کا بیان بھی کر دیا گیا، ارشاد ہے کہ: جو نیک کام کر کے آئے گا، اُسے اُس کا بدلہ اس سے بھی بہتر ملے گا جو اس کے حق سے زیادہ ہوگا اور نیک لوگ اس دن گھبراہٹ سے امن میں رہیں گے اور جو برائی کر کے آئے گا اسے اوندھے منہ آگ میں ڈال دیا جائے گا۔ ایسے لوگوں کو وہی ملے گا جس کے وہ حقدار تھے جیسا کرنا ویسا بھرنا، ظلم وزیادتی کچھ نہ ہوگی۔

اس کے بعد ارشاد ہے کہ: ان لوگوں سے کہہ دو مجھے حکم ہوا ہے کہ اس مکہ کے شہر کے مالک اور رب کی بندگی کروں، جس نے اس شہر کو عزت اور حرمت عطا کی، نیز: مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے فرمانبرداروں

میں شامل رہوں اور جو وہ حکم کرے اس پر عمل کرنے کیلئے تیار رہوں۔

مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا: جو شخص نیکی لے کر آیا اس کیلئے اس نیکی سے بہتر بدلہ ہوگا، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ہر نیکی کا اجر کم از کم دس گنا ہے اور اخلاصِ نیت اور عملوں کے اعتبار سے اس سے زیادہ بھی ہوسکتا ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اللہ تعالیٰ جس کیلئے چاہے مزید بڑھا دیتا ہے کیونکہ وہ بڑی وسعت والا اور ہر چیز کو جاننے والا ہے۔(البقرۃ:۲۶۱) تاہم شرط یہ ہے کہ نیکی ایسی ہو جو اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول ہو، اگر نیکی نامقبول ہے تو اس کا کوئی اجر نہیں ملے گا۔صحیح حدیث میں آتا ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے دین کیلئے جہاد کرتا ہے، وہ خدا کی راہ میں ایک درہم خرچ کرتا ہے تو اس کا بدلہ سات سو درہم یا اس سے بھی زیادہ ہوگا، تاہم عام نیکی کا بدلہ دس گنا ہے اور اگر کوئی برائی کرتا ہے تو اس کا بدلہ ایک سے زیادہ نہیں ہوگا، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے، جو کوئی برائی لے کر آیگا تو اس کا بدلہ اس برائی کے برابر ہوگا۔(الانعام:۱۶۰)

البتہ نیکی کے بدلے کی ایک خصوصیت یہ ہوگی کہ نہ تو اس میں کمی ہوگی اور نہ وہ ختم ہوگا، بلکہ ہمیشہ رہے گا، انسان کا عمل تو ایک وقت تک ہوتا ہے، مگر اس کا اجر ہمیشہ ملتا رہے گا جو کبھی ختم نہ ہوگا۔

جو شخص نیکی یا بھلائی لے کر آیا اس کے لئے اس نیکی سے بہتر بدلہ ہوگا، اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ بہتر بدلہ کیا ہے اور کیسے ہے؟ نیکی سے بعض مفسرین کلمہ توحید" لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ " مراد لیتے ہیں، اور بعض حضرات اس سے عام نیکیاں مراد لیتے ہیں، لہذا نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، جہاد، خیرات اور دوسری عبادتیں حسنہ، یعنی: نیکی میں شمار ہوتی ہیں اور جو بدلہ ان کا ملے گا وہ جنت کی نعمتیں ہوں گی، جن میں عمدہ کھانے اور عمدہ میوے، شہد، دودھ، پاکیزہ شراب، پہننے کے لئے ریشم کا عمدہ لباس، رہنے کیلئے بہترین کوٹھیاں اور بالا خانے، پاکیزہ بیویاں، حوریں وغیرہ شامل ہیں۔

وَ مَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ: اور جو شخص برائی لے کر آیا یعنی جن کے نامۂ اعمال میں برائیاں ہوں گی، ان کو اُوندھے منہ دوزخ کی آگ میں گرایا جائے گا، حدیث میں آتا ہے کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا، اے اللہ کے پیغمبر! ہم اپنی زبانوں سے بھی بعض ایسی باتیں کر جاتے ہیں، کیا ان پر بھی

ہماری پکڑ ہوگی؟ پیغمبر ﷺ نے فرمایا: لوگوں کو دوزخ میں اُوندھے منہ گرانے والی ان کے منہ سے نکلی ہوئی باتیں ہی تو ہوتی ہیں، لوگ اکثر زبان دراز ہوتے ہیں اور زبان کو جائز ناجائز چلاتے رہتے ہیں جو ان کے لئے دوزخ میں جانے کا سبب بن جاتی ہیں۔

آدمی ذمہ دار ہے

وَ اَنْ اَتْلُوَا الْقُرْاٰنَ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰی فَاِنَّمَا یَهْتَدِیْ لِنَفْسِهٖ ۚ

اور یہ کہ تلاوت کروں میں قرآن کی پس جو راہ پر آئے گا سو! بات یہی ہے کہ وہ راہ پر آئیگا لئے فائدے اپنے کے

وَ مَنْ ضَلَّ فَقُلْ اِنَّمَاۤ اَنَا مِنَ الْمُنْذِرِیْنَ ﴿۹۲﴾ وَ قُلِ

اور جو بھٹکا آپ کہہ دیں بات یہ ہے کہ میں ہوں میں سے ڈرانے والوں (۹۲) اور کہہ دیں

الْحَمْدُ لِلّٰهِ سَیُرِیْكُمْ اٰیٰتِهٖ فَتَعْرِفُوْنَهَا ؕ وَ مَا رَبُّكَ

تمام تعریفیں لئے اللہ کے عنقریب دکھائیگا وہ تمہیں نشانیاں اپنی پس تم انہیں پہچان لوگے اور نہیں رب آپ کا

بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۳﴾ ع ۱۱ ۲

بے خبر سے اس جو تم کرتے ہو (۹۳)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور یہ کہ قرآن سنادوں پھر جو راہ پر آیا تو اپنے ہی بھلے کو راہ پر آئے گا اور جو بہکا رہا تو فرمادیجئے! میں تو فقط ڈرانے والا ہوں۔(۹۲) اور فرمادیجئے کہ! سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کیلئے ہیں، وہ تمہیں اپنی نشانیاں دکھائیگا تو تم انہیں پہچان لوگے اور آپ کا رب ان کاموں سے بے خبر نہیں جو تم کرتے ہو۔(۹۳)

تفسیر

ارشاد ہے: آپ کہہ دیجئے! مجھے تو یہ حکم ہے کہ مکہ کے رب کی بندگی کروں اور اس کے حکم کی تعمیل کیلئے تیار ہوں، لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بھی حکم ہوا ہے کہ یہ قرآن مجید دوسروں کو پڑھ کر سنادوں، اگر کسی نے میرا بتایا ہوا

راستہ اختیار کرلیا تو اس میں خود اسی کا بھلا ہے، اور جس نے ٹیڑھا پن اختیار کیا تو اس کا وبال اسی پر ہوگا، میں انہی لوگوں میں سے ہوں جو انسان کو بُرے کاموں کے بُرے انجام سے ڈرانے آئے ہیں۔

اس کے بعد کہہ دیں کہ حمد وثنا کا حقدار صرف اللہ تعالیٰ ہی ہیں جس نے میری رہنمائی کی اور دوسروں کیلئے مجھے رہنما بنایا، اِس وقت تم میں سے اکثر نہیں سمجھ رہے ہیں، لیکن آگے چل کر اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی صاف صاف نشانیاں دکھائے گا اور تم انہیں دیکھ کر سمجھ جاؤ گے کہ جو میں نے کہا تھا سچ تھا۔ لیکن اُس وقت کا سمجھنا کام نہ آئے گا، آپ کا رب ان کاموں سے بے خبر نہیں جو تم کر رہے ہو۔

قرآن سنانے کے بعد باقی رہا ہدایت کا مسئلہ تو یہ ہر شخص کی اپنی ذمہ داری ہے کہ وہ ہدایت قبول کرتا ہے یا نہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: جو کوئی ہدایت قبول کرتا ہے تو وہ اپنے ہی فائدے کیلئے کرتا ہے، ہدایت کا فائدہ خود اسی کو ہوگا، تمہارے ہدایت قبول کرنے سے اللہ تعالیٰ کو تو کچھ فائدہ نہیں ہوگا، بلکہ تمہارا ہی فائدہ ہے کہ خدا کے فرمانبردار بندے بن کر اس کے انعاموں کے حقدار بن جاؤ گے۔

وَ مَنْ ضَلَّ: اور جو شخص گمراہ رہا۔ اس نے ایمان اور توحید کو قبول نہ کیا، بلکہ کفر اور شرک میں ہی مبتلا رہا، نافرمانی کرتا رہا تو اس کا گناہ اسی کو ہوگا، اے پیغمبر! آپ ان سے کہہ دیں کہ! میں تو ڈر سنانے والوں میں سے ہوں، میں نے تبلیغ کا حق ادا کر دیا ہے، اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچا دیا ہے، اسے قبول کرنا یا نہ کرنا تمہاری کام ہے، اگر ہدایت کو قبول نہیں کرو گے تو تمہاری گمراہی تم پر پڑے گی اور اس کا نقصان خود تم ہی کو ہوگا۔

وَ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ: آپ کہہ دیجئے کہ! سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے مجھے پیغمبر بنایا، شریعت عطا فرمائی، تمام ظاہری اور باطنی انعامات سے نوازا، جس نے قرآن جیسی عظیم کتاب عطا کی، سب تعریفیں اسی کیلئے ہیں، وہ عنقریب تمہیں اپنی نشانیاں دکھا دیگا، پیغمبر ﷺ کا آنا اور چاند کے دو ٹکڑے ہونے کی نشانیاں تو تم نے دیکھ لیں، اب عنقریب عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان سے اُترنا اور دجال کا نکلنا بھی دیکھ لو گے، لہذا اب بھی وقت ہے ایمان لے آؤ، اور اگر اپنی ضد پر اڑے رہو گے تو اللہ تعالیٰ تمہاری کاموں سے غافل نہیں ہے تمہارا ہر عمل اس کی

نگاہ میں ہے اور اسی کے مطابق تمہیں بدلہ دیگا۔

سُورۃ القصص کا خلاصہ

اس سورۃ کا نام سورۃ القصص ہے۔ یہ نام اس لئے رکھا گیا ہے کہ اس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ بیان کیا گیا ہے، مکہ کے لوگوں نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو حد سے زیادہ تنگ کر رکھا تھا، مسلمان تعداد میں بہت تھوڑے تھے اور ان کو اس قدر تکلیف پہنچاتے تھے کہ ان کا برداشت کرنا مشکل تھا، یہ قرآن ہی کا معجزانہ اثر تھا کہ پیغمبر اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھی سخت سے سخت مصیبت کے سامنے ڈٹے رہے اور ہمت میں ذرا فرق نہ آیا، اس سورت میں انہیں بتایا گیا کہ ساری اذیتیں کچھ دن کی ہیں، عنقریب اللہ تعالیٰ کے فضل سے کامیابی کا زمانہ بھی آنے والا ہے، آپ کو اور آپ کے ماننے والوں کو تسلی دینے کیلئے اس سورت میں موسیٰ علیہ السلام کا پورا حال سنایا گیا ہے، وہ بنی اسرائیل کے ایک گھرانے میں مصر کے اندر پیدا ہوئے اور حالت یہ تھی کہ فرعون نے حکم دے رکھا تھا کہ بنی اسرائیل میں کہیں اور کسی کے یہاں اگر لڑکا پیدا ہو تو اُسے فوراً قتل کر ڈالو، بنی اسرائیل کو یوں تو اس نے طرح طرح کی مصیبتوں میں پہلے ہی ڈال رکھا تھا، یہ ظلم ان پر اضافہ تھا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو خوف ہوا کہ یہ بچہ فرعون کے لوگوں کو خبر ملتے ہی مار ڈالا جائیگا۔

اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں ایک بات ڈالی کہ اس بات پر عمل کرنے کے نتیجہ میں موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے گھر میں پرورش پائی اور جوان ہوئے، اس کے بعد موسیٰ علیہ السلام کو ایک قبطی کے غیر ارادی قتل کیوجہ سے شہر چھوڑ کر بھاگنا پڑا، مصیبتیں جھیلتے ہوئے مدین حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس پہنچے، دس سال کی ملازمت کی، وہاں سے واپس آرہے تھے کہ راستہ میں پیغمبری ملی۔

فرعون نے انہیں اور ان کی قوم کو اور زیادہ تکلیفیں پہنچانا شروع کر دیں اور وہ صبر سے برداشت کرتے رہے، پھر اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا اور موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم سمیت معجزانہ طور پر سمندر کے دوسرے کنارے اُتر گئے، فرعون نے لشکر لے کر ان کا پیچھا کیا جب فرعون اور اس کے لوگ سمندر کے بیچ میں پہنچے تو اللہ تعالیٰ کے حکم

سے غرق کردیے گئے، اس قصہ سے یہ نتیجہ نکال کر دل میں بٹھانا تھا کہ اسی طرح پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھی مکہ کے مشرکوں کے ظلم سے نجات پائیں گے۔ مکہ والے شکست کے عذاب سے دوچار ہونگے۔

سُوْرَۃُ الْقَصَصِ مَكِّيَّةٌ

اٰیاتھا ۔ ۸۸ — رکوعاتھا ۔ ۹

سورۃ القصص مکی ہے، اس میں اٹھاسی آیتیں اور نو رکوع ہیں۔

کمزوروں کی مدد

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

طٰسٓمّٓ ۝١ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۝٢ نَتْلُوْا عَلَيْكَ مِنْ
طا۔سین۔میم (۱) یہ آیتیں ہیں کتاب واضح کی (۲) ہم پڑھتے ہیں پر آپ سے

نَّبَاِ مُوْسٰى وَ فِرْعَوْنَ بِالْحَقِّ لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝٣ اِنَّ
خبر موسیٰ اور فرعون کے ٹھیک ٹھیک لیے ان لوگوں جو ایمان لائے (۳) تحقیق

فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْاَرْضِ وَ جَعَلَ اَهْلَهَا شِيَعًا يَّسْتَضْعِفُ
فرعون نے سرکشی کی میں زمین اور کردیا لوگوں کو فرقے فرقے کمزور سمجھتا تھا

طَآىِٕفَةً مِّنْهُمْ يُذَبِّحُ اَبْنَآءَهُمْ وَ يَسْتَحْيٖ نِسَآءَهُمْ ؕ اِنَّهٗ
ایک فرقہ کو میں سے ان ذبح کرتا تھا بیٹوں ان کے کو اور زندہ چھوڑتا تھا بیٹیوں ان کی کو تحقیق وہ

كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ۝٤
تھا سے فسادیوں (۴)

بامحاورہ ترجمہ: طٰسٓمّٓ۔ (۱) یہ ایک واضح کتاب کی آیتیں ہیں۔ (۲) ہم آپ کو موسیٰ اور فرعون کا کچھ تحقیقی حال سناتے ہیں ان لوگوں کے واسطے جو یقین رکھتے ہیں۔ (۳) فرعون ملک میں سرکشی کر رہا تھا اور

وہاں کے لوگوں کے کئی طبقے بنا رکھے تھے، ان میں ایک طبقے کو کمزور کر رکھا تھا، ان کے بیٹوں کو ذبح کرتا تھا اور ان کی بیٹیوں کو زندہ رکھتا تھا۔ بے شک وہ فسادیوں میں سے تھا۔ (۴)

تفسیر

دشمنوں میں چاروں طرف سے پھنسے ہوئے تھوڑے سے لوگ طرح طرح کی مصیبتوں میں مبتلا ہیں اور اُف نہیں کرتے جوش آتا ہے کہ ماریں اور مریں لیکن حکم ہے کہ چپ چاپ رہو تکلیفیں سہو اور انگلی تک نہ ہلاؤ، یہ لوگ حکم کی تعمیل دل وجان سے کرتے ہیں، ایک دن نہیں دو دن نہیں پورے تیرہ سال تک حیرت انگیز صبر کے ساتھ سہتے رہے ہیں۔

ارشاد ہے کہ؛ یہ اس کتاب کی آیتیں ہیں، جن کا مطلب بالکل واضح ہے ہم اب ان آیتوں میں ایمان والوں کو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا کچھ حال سناتے ہیں تاکہ وہ دشمنوں کی زیادتی سے گھبرائیں نہیں، یہ فرعون اپنے ملک میں بڑی قوت پکڑ گیا تھا، اس نے وہاں کے لوگوں کے طبقے بنا ڈالے اور ایک طبقے کو زبردستی بہت کمزور کردیا، ان پر طرح طرح کے ستم کئے، آخر نوبت یہاں تک پہنچی کہ ان کے لڑکوں کو پیدا ہوتے ہی مروا دیتا اور لڑکیوں کو زندہ رہنے دیتا، وہ سمجھتا تھا کہ مجھ سے بڑا کوئی نہیں میں جو چاہوں کروں اور واقعی وہ بڑا فسادی تھا۔

اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی اور فرعون کا قصہ بیان کیا ہے تاکہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین جان لیں کہ دنیا میں حق و باطل کا ہمیشہ سے ٹکراؤ رہا ہے اور ہمیشہ اللہ کا کلمہ ہی بلند ہوا ہے، جابر و ظالم لوگ ہمیشہ تباہ و برباد ہوئے ہیں۔

ارشاد ہے کہ: ہم آپ کو موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا حال ٹھیک ٹھیک بتلاتے ہیں اور ان واقعوں سے عبرت وہ لوگ حاصل کریں گے، جو اللہ تعالیٰ، اس کے پیغمبروں، اس کی کتابوں، اسکے فرشتوں پر ایمان رکھتے ہیں، وہ جان لیں گے کہ تمام تکلیفیں سہنے کے بعد آخری فتح اُنہی کی ہوگی۔

بیشک فرعون چڑھ گیا تھا، زمین میں، یعنی: وہ غرور وتکبر کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی زمین پر خود خدا بن بیٹھا تھا، اس نے اپنی قبطی قوم کو تو ہر طرح کی سہولتیں دے رکھی تھیں اور حاکم بنا رکھا تھا، مگر اسرائیلی قوم کو غلام بنا رکھا تھا، ان پر ظلم وستم ڈھاتا تھا، ان سے غلاموں کی طرح کام لیا جاتا تھا اور نہایت ہی ذلت امیز سلوک کیا جاتا، اس کے ظلم وستم کا ایک نمونہ یہ تھا کہ وہ اسرائیلیوں کے بچوں کو ذبح کروا ڈالتا اور ان کی بچیوں کو زندہ رہنے دیتا، تاکہ انہیں لونڈیاں بنا کر ان سے خدمت لی جاسکے۔

مفسرین کرام بچوں کے قتل کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ: فرعون نے خواب میں دیکھا تھا کہ ایک آگ شام وفلسطین کی طرف سے آئی ہے جو مصریوں کے گھروں کو جلا رہی ہے، اس نے جادوگروں سے اس خواب کی تعبیر پوچھی تو انہوں نے بتایا کہ تمہارے ملک کے خاتمے کا سبب وہ بچہ ہوگا جس کا تعلق شام وفلسطین سے ہوگا، ظاہر ہے کہ شام وفلسطین سے تعلق اسرائیلیوں کا تھا، جو حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانے میں مصر میں آئے اور پھر یہیں کے ہو کر رہ گئے، اُس وقت وہ گنتی کے افراد تھے مگر اب ان کی تعداد لاکھوں تک پہنچ چکی تھی، چنانچہ اپنی حکومت کو ختم ہونے سے بچانے کیلئے فرعون نے یہ تدبیر اختیار کی کہ اسرائیلی گھر میں پیدا ہونے والے ہر بچہ کو اس کے والدین کے سامنے ذبح کروا ڈالتا، مفسرین بیان کرتے ہیں کہ اس طرح فرعون نے کم وبیش نوے ہزار (۹۰۰۰۰) بچے قتل کروائے، جو کہ پوری انسانیت کیلئے بہت بڑا ظلم تھا۔

بیشک وہ فرعون فساد کرنے والوں میں سے تھا۔ مطلب یہ ہے کہ فرعون ظلم وستم کرنے میں ذرا شرم محسوس نہیں کرتا تھا اور وہ اسرائیلوں کے کمزور طبقے پر ظلم کرتا تھا۔

"سورۂ قصص" مکی سورتوں میں سب سے آخری سورت ہے جو ہجرت کے وقت مکہ مکرمہ اور جحفہ (رابغ) کے درمیان اتری، بعض روایتوں میں ہے کہ ہجرت کے سفر جب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم جحفہ یعنی رابغ کے قریب پہنچے تو جبرئیل امین تشریف لائے اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ اے محمد! کیا آپ کو آپ کا وطن جس میں آپ پیدا ہوئے یاد آتا ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ: ہاں! ضرور یاد آتا ہے۔ اس پر جبرئیل امین نے یہ سورت سنائی جس کے آخر میں

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کی خوشخبری دی گئی ہے کہ آخر کار مکہ مکرمہ فتح ہو کر آپ کے قبضہ میں آئے گا۔

"سورۂ قصص" میں سب سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ پہلے مختصر پھر تفصیل کے ساتھ بیان ہوا ہے، آدھی سورت تک موسیٰ علیہ السلام کا قصہ فرعون کے ساتھ اور آخر سورت میں قارون کیساتھ ذکر کیا گیا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ پورے قرآن میں کہیں مختصر کہیں تفصیل سے بار بار آیا ہے، "سورہ کہف" میں تو انکے اس قصہ کی تفصیل آئی ہے، جو حضر علیہ السلام کیساتھ پیش آیا، پھر "سورۂ طٰہٰ" میں پورے قصہ کی تفصیل ہے اور یہی تفصیل "سورہ نمل" میں بھی کچھ آئی ہے پھر "سورۂ قصص" میں ان کو دوبارہ ذکر کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا حکم

وَ نُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِي الْاَرْضِ وَ

اور ہم چاہتے تھے کہ احسان کریں پر ان لوگوں جو کمزور کردیے گئے تھے میں زمین اور

نَجْعَلَهُمْ اَىِٕمَّةً وَّ نَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِيْنَۙ۝۵ وَ نُمَكِّنَ لَهُمْ فِي

کردیں ہم ان کو پیشوا اور کردیں ہم ان کو ان کی جگہ مالک (۵) اور ہم قدرت دیدیں ان کو میں

الْاَرْضِ وَ نُرِيَ فِرْعَوْنَ وَ هَامٰنَ وَ جُنُوْدَهُمَا مِنْهُمْ مَّا

زمین اور ہم دکھادیں فرعون اور ہامان اور لشکروں ان کے کو سے ان وہ چیز کہ

كَانُوْا يَحْذَرُوْنَ۝۶

تھے بچتے جس سے (۶)

با محاورہ ترجمہ:۔ اور ہم چاہتے ہیں کہ ان لوگوں پر احسان کریں جو کمزور کیے گئے ملک میں، اور ان کو سردار کردیں اور ان کو وارث بنادیں۔(۵) اور ان کو ملک میں جمادیں اور فرعون اور ہامان اور ان کے لشکروں کو

دکھادیں وہ چیز جس کا انہیں خطرہ تھا۔ (۶)

تفسیر

ارشاد ہے کہ: فرعون نے بڑا اسراٹھا رکھا تھا اور وہ تو سوچ رہا تھا کہ بنی اسرائیل کو پیس کر رکھ دے اور ہم ارادہ کر چکے تھے کہ انہی لوگوں کو جنہیں وہ روندنا چاہتا تھا اپنی بخششوں سے مالا مال کر دیں اور ان ہی لوگوں کو سردار بنا دیں، فرعون اور اس کے لوگوں کو ہٹا کر ان کی جگہ انہیں بٹھا دیں اور مصر کی حکومت ان کے قبضہ میں دے دیں اور فرعون اور اس کے وزیر ہامان اور اسکے مددگاروں اور ہاں میں ہاں ملانے والوں کو بنی اسرائیل کے ہاتھوں اسی خطرہ میں مبتلا کر دیں، جس سے بچنے کیلئے وہ ان کے بیٹوں کو پیدا ہوتے ہی مار ڈالتے تھے۔

پرورش کا انتظام

وَ اَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى اَنْ اَرْضِعِيْهِ ۚ فَاِذَا خِفْتِ عَلَيْهِ

اور وحی بھیجی ہم نے طرف ماں موسیٰ کی کہ دودھ پلاتی رہ اُسے پس جب ڈرے تو پر اس

فَاَلْقِيْهِ فِي الْيَمِّ وَلَا تَخَافِيْ وَلَا تَحْزَنِيْ ۚ اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَيْكِ

پس ڈال دے اُسے میں سمندر اور مت خوف کر اور مت غم کر تو تحقیق ہم لوٹا دیں گے اُسے طرف تیری

وَجَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ فَالْتَقَطَهٗٓ اٰلُ فِرْعَوْنَ لِيَكُوْنَ

اور بنائیں گے اُسے سے پیغمبروں (۷) پس اُٹھالیا اُسے لوگوں فرعون کے نے تا کہ ہووہ

لَهُمْ عَدُوًّا وَّ حَزَنًا ؕ اِنَّ فِرْعَوْنَ وَ هَامٰنَ وَ جُنُوْدَهُمَا

لئے انکے دشمن اور غم کا باعث تحقیق فرعون اور ہامان اور لشکر ان دونوں کے

كَانُوْا خٰطِـِٕيْنَ ۝

تھے غلطی پر (۸)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور ہم نے موسیٰ کی ماں کو حکم بھیجا کہ اسے دودھ پلاتی رہیں پھر جب تجھے خوف ہو اس پر تو تُو اس کو سمندر میں ڈال دے اور کچھ خوف اور غم مت کر ہم اس کو تیری طرف لوٹا دیں گے اور ہم اسے پیغمبروں میں سے بنادیں گے۔(۷) پھر اس کو فرعون کے لوگوں نے اٹھایا تا کہ ان کے دشمنی اور غم کا سبب بنے، بیشک فرعون اور ہامان اور ان کے لشکر غلطی پر تھے۔(۸)

تفسیر

ارشاد ہے کہ: جب موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تو ہم نے موسیٰ علیہ السلام کی ماں کے دل میں یہ بات ڈالی کہ جب تک کسی کو اس کی پیدائش کی خبر نہ ہو اسے دودھ پلاتی اور اس کی پرورش کرتی رہو، جب یہ اندیشہ ہو جائے کہ لوگوں کو خبر ہوگئی ہے اور اب یہ مار ڈالا جائے گا، تو اسے صندوق میں رکھ کر سمندر میں ڈال دے اور اپنی جان کے بارے میں خوف نہ کر اور بچے کے بارے میں کوئی غم نہ کر، ہم اسے واپس تیرے پاس پہنچادیں گے اور پھر اسے اپنا پیغمبر بنائیں گے، چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے اسی پر عمل کیا اور ایک صندوق تیار کرادیا، جس میں پانی وغیرہ کچھ اندر نہ جانے پائے اور خود بچہ کی پرورش کرتی رہیں، جب خطرہ کا یقین ہو گیا تو موسیٰ علیہ السلام کو صندوق میں آرام سے لٹا کر سمندر میں چھوڑ دیا اور وہ بہتے بہتے فرعون کے محل کے نیچے اس جگہ جا پہنچا، جہاں فرعون کی بیوی حضرت آسیہ کی نظر اس پر پڑی اور انہوں نے وہ صندوق سمندر سے نکلوایا اور موسیٰ علیہ السلام اس میں صحیح وسلامت موجود تھے، کسی کو کیا خبر تھی کہ یہ وہی بچہ ہے جس کے ڈر سے ہزاروں معصوم بچے فرعون نے قتل کرادیئے تھے، اس طرح فرعون نے اس بچہ کو اپنے ہاں پالا جو آگے چل کر اس کا دشمن اور غم کا باعث بننے والا تھا، یقیناً فرعون، ہامان اور ان کے طرف دار اپنے ہاں اس بچے کی پرورش کے نتیجے کی انکو خبر نہ تھی۔

موسیٰ علیہ السلام کی زندگی کے مختلف حصوں کا ذکر مختلف سورتوں میں بیان کیا گیا ہے، "سورۃ الشعرآء" میں زیادہ تر نبوت کے بعد کے حالات تھے جب کہ اس سورۃ میں نبوت سے پہلے کے حالات کا ذکر ہے۔

پچھلی آیتوں میں بیان ہو چکا ہے کہ فرعون بنی اسرائیل کے ہر پیدا ہونے والے لڑکے کو محض اس لیے قتل کروادیتا تھا، کہیں یہی بچہ میری حکومت کے خاتمے کا سبب نہ بن جائے، جب موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش ہوئی تو آپ کی والدہ کو فکر ہوئی کہ اگر فرعون کے لوگوں کو بچے کی پیدائش کا علم ہو گیا تو وہ اسے قتل کردیں گے۔ لہٰذا وہ بچے کو بچانے کیلئے تدبیریں سوچنے لگی، اسی پریشانی کے عالم میں اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کے دل میں بات ڈالی کہ اس بچے کو فوری طور پر اپنے آپ سے جُدا نہ کرنا بلکہ اسے اپنے پاس رکھ کر اس کو دودھ پلاتی رہو اور جب بچے کی جان پر زیادہ خطرہ محسوس کرو تو کوئی دوسری تدبیر کرنے کی بجائے اسے صندوق میں بند کر کے سمندر میں بہادینا، اس کی زندگی کے محافظ ہم خود ہیں، تم اس کے متعلق فکرمند نہ ہونا، ہم خود بچے کو تمہیں واپس لوٹادیں گے اور یہ تمہارے پاس ہی پرورش پائیگا، پھر ایک وقت آئے گا کہ ہم اس کو اپنا پیغمبر بنادیں گے۔

موسیٰ علیہ السلام فرعون کے محل میں

وَ قَالَتِ امْرَاَتُ فِرْعَوْنَ قُرَّتُ عَيْنٍ لِّيْ وَ لَكَ ۭ لَا تَقْتُلُوْهُ ڰ

اور کہا عورت نے فرعون کی ٹھنڈک آنکھ کی لئے میرے اور لئے تیرے مت قتل کرو اسے

عَسٰٓى اَنْ يَّنْفَعَنَآ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا وَّ هُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝۹ وَ

ہوسکتا ہے کہ نفع پہنچائے ہمیں یا بنالیں اُسے بیٹا اور انہیں نہ تھی خبر (۹) اور

اَصْبَحَ فُؤَادُ اُمِّ مُوْسٰى فٰرِغًا ۭ اِنْ كَادَتْ لَتُبْدِيْ بِهٖ لَوْ لَآ

صبح کو ہوگیا دل ماں موسیٰ کی کا خالی تحقیق قریب تھا کہ ظاہر کردے اسے اگر نہ ہوتا

اَنْ رَّبَطْنَا عَلٰي قَلْبِهَا لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝۱۰

یہ کہ باندھ دیا گرہ ہم نے پر دل ان کے تاکہ ہو وہ سے یقین کرنے والوں (۱۰)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور فرعون کی عورت بولی یہ تو آنکھوں کی ٹھنڈک ہے میرے لئے اور تیرے لئے مت

قتل کرواسے، ہوسکتا ہے یہ ہمارے کام آئے یا ہم اُسے بیٹا بنالیں اور ان کو انجام کی کچھ خبر نہ تھی۔ (۹) اور صبح ہونے تک موسیٰ علیہ السلام کی ماں کا دل صبر سے خالی ہوگیا، قریب تھا کہ موسیٰ علیہ السلام کی والدہ ظاہر کر دیتی کہ یہ (موسیٰ اس کا بیٹا ہے) اگر ہم نے اس کے دل کو مضبوط نہ کیا ہوتا، تاکہ وہ ہوجائے یقین کرنے والوں میں سے۔ (۱۰)

تفسیر

فرعون کی بیوی حضرت آسیہ نے صندوق کھول کر دیکھا تو بے ساختہ منہ سے نکلا کتنا پیارا بچہ ہے، پھر فرعون سے کہا کہ یہ میری اور تیری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے، ہمارے ہاں کوئی بچہ نہیں ہے اسی سے دل بہلائیں گے، امید ہے کہ بڑا ہوکر ہمارے کام کا ہوگا اور یہ بھی کہ اس کا لحاظ کر کے ہم اسے بیٹا ہی بنالیں اسے قتل مت کرو، یہ ضروری تو نہیں کہ یہ وہی ہو جس کا ہمیں خطرہ لگا ہوا ہے، بالفرض ہو بھی، تو اس بات کا لحاظ کر کے کہ ہم نے اسے پالا ہے، یہ ہمیں دُکھ نہ پہنچائے گا، انہیں کچھ خبر نہ تھی کہ یہ وہی بچہ ہے جس کے بارے میں جادوگروں نے کہا تھا، یہاں تو یہ باتیں ہورہی تھیں۔ ادھر موسیٰ علیہ السلام کی ماں بچہ کو سمندر میں ڈال کے بے چین ہورہی تھی، صبح کو یہ حال ہوگیا کہ غم برداشت کرنا دشوار ہوگیا اور جب سنا کہ بچہ فرعون کے ہاتھ لگ گیا ہے تو بے قراری حد سے زیادہ ہوگئی، قریب تھا کہ چلا اٹھیں، ہائے! میرا بچہ بچاؤ، اللہ تعالیٰ ہی نے اس وقت ان کے دل کو مضبوط رکھا اور اپنے وعدہ پر یقین کرنے کی تلقین کی، یہ خیال آتے ہی کہ اللہ تعالیٰ نے اس بچہ کی حفاظت کا وعدہ کیا ہے، بے چینی کم ہوئی اور چیخنے چلانے سے پرہیز کیا، واقعی اللہ تعالیٰ پر یقین ہو تو مصیبت مصیبت نہیں رہتی۔

ماں سے آملے

وَ قَالَتْ لِاُخْتِهٖ قُصِّيْهِ فَبَصُرَتْ بِهٖ عَنْ جُنُبٍ وَّ هُمْ

اور کہا موسیٰ کی ماں نے بہن سے اس کی پیچھے جا اس کے پس دیکھتی رہی اسے سے دور اور وہ

لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۱﴾ وَ حَرَّمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ مِنْ قَبْلُ فَقَالَتْ

بے خبر ہے (۱۱) اور ہم نے حرام رکھا تھا پر اس دودھ پلانے والیوں کو پہلے پس بولی

هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰٓى اَهْلِ بَيْتٍ يَّكْفُلُوْنَهٗ لَكُمْ وَ هُمْ لَهٗ

کیا بتاؤں میں تمہیں ایک گھر والے جو ذمہ لیں اس کا لئے تمہارے اور وہ اس کے

نٰصِحُوْنَ ﴿۱۲﴾ فَرَدَدْنٰهُ اِلٰٓى اُمِّهٖ كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَ لَا تَحْزَنَ

خیر خواہ ہوں (۱۲) پس لوٹا دیا ہم نے اسے طرف ماں اس کی کے تا کہ ٹھنڈی ہو آنکھیں اس کی اور نہ غمگین ہو وہ

وَ لِتَعْلَمَ اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّ لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳﴾ ع ۱۳

اور تا کہ جان لے کہ وعدہ اللہ کا سچا ہے اور لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے (۱۳)

بامحاورہ ترجمہ: ۔اور موسیٰ کی والدہ نے اس کی بہن سے کہا اس کے پیچھے جا، پس ! موسیٰ علیہ السلام کی بہن دور رہ کر اسے دیکھتی رہی اور فرعون کے لوگوں کو اسکی خبر نہ ہوئی۔(۱۱) اور ہم نے پہلے ہی موسیٰ علیہ السلام پر دودھ پلانے والیوں کو حرام کر رکھا تھا؛ اس لیے وہ کسی کا دودھ نہیں پیتا تھا پس موسیٰ علیہ السلام کی بہن نے کہا کیا میں تم کو ایک ایسے گھر والوں کے بارے میں بتاؤں جو تمہارے لیے اس بچے کی پرورش کریں اور وہ اس کا بھلا چاہنے والے بھی ہوں۔ (۱۲) پھر ہم نے اس کی ماں کے پاس لوٹا دیا کہ اس کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں اور وہ غمگین نہ ہوں اور جان لے کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔(۱۳)

تفسیر

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کا دل کچھ ٹھہرا، تو دیکھا کہ شہر بھر میں شور ہے کہ فرعون کے محل میں ایک بچہ بہتے صندوق میں سے نکالا ہے، موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے ان کی بہن مریم کو بھیجا کہ انجان بن کر دور سے موسیٰ کا حال دیکھے کہ کس طرح ہے، وہ گئیں اور دور سے دیکھتی رہیں کہ کیا ہو رہا ہے، لوگوں کو شبہ بھی نہ ہو کہ یہ اس بچہ کی بہن ہے،

ادھر محل میں یہ ہو رہا تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے محل کے اندر کسی دودھ پلانے والی کا دودھ نہ پیا، آخر کار باہر کی دودھ پلانے والی ڈھونڈنی پڑی، موسیٰ علیہ السلام کی بہن کو موقع ملا، آگے بڑھ کر کہا: میں تمہیں ایک ایسا گھرانہ بتا سکتی ہوں جو اس بچہ کی تمہارے لیے اچھی پرورش کریں گے اور وہ بچے کے خیر خواہ ہونگے۔

اس طرح ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو پھر اس کی ماں کے پاس بھیج دیا اور خوشی خوشی ان کی پرورش میں مشغول ہوگئیں، محل سے وظیفہ مقرر ہوگیا اور اسے معلوم ہوگیا کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ پورا ہو کر رہتا ہے، لیکن بہت سے لوگوں کو اسکی سمجھ نہیں۔

موسیٰ علیہ السلام کی جوانی کا ایک واقعہ

وَ لَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَ اسْتَوٰۤى اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّ عِلْمًا ؕ وَ

اور جب پہنچ گیا جوانی اپنی کو اور سنبھل گئے دیدیا ہم نے اسے حکمت اور دانائی اور

كَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۴﴾ وَ دَخَلَ الْمَدِيْنَةَ عَلٰى حِيْنِ

اسی طرح بدلہ دیتے ہیں ہم نیکوکاروں کو (۱۴) اور داخل ہوا شہر کے اندر پر گھڑی

غَفْلَةٍ مِّنْ اَهْلِهَا فَوَجَدَ فِيْهَا رَجُلَيْنِ يَقْتَتِلٰنِ ۫ هٰذَا

غفلت کی سے لوگوں کے پس پایا میں اس دو مردوں کو آپس میں لڑتے ہوئے یہ

مِنْ شِيْعَتِهٖ وَ هٰذَا مِنْ عَدُوِّهٖ ۚ فَاسْتَغَاثَهُ الَّذِىْ مِنْ

سے جماعت اسکی اور یہ سے دشمنوں اس کے پس مدد مانگی موسیٰ سے اس نے سے

شِيْعَتِهٖ عَلَى الَّذِىْ مِنْ عَدُوِّهٖ ۙ فَوَكَزَهٗ مُوْسٰى فَقَضٰى

جماعت اسکی پر اس کے سے دشمن اس کے پس گھونسا مارا اسے موسیٰ نے سو! کام تمام کر دیا

عَلَيْهِ ۫ قَالَ هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ عَدُوٌّ مُّضِلٌّ

اس کا کہا یہ سے کام شیطان ہے تحقیق وہ دشمن ہے بہکانے والا

مُّبِيْنٌ ﴿۱۵﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ فَاغْفِرْ لِيْ فَغَفَرَ لَهٗ ؕ
کھلا (۱۵) کہا اے رب میرے! میں نے ظلم کیا اپنے آپ پر پس بخش دے مجھے پس بخش دیا اسے

اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۶﴾ قَالَ رَبِّ بِمَآ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ
بیشک وہی بخشنے والا مہربان ہے (۱۶) بولا اے رب میرے! جیسا کہ انعام کیا آپ نے پر مجھ

فَلَنْ اَكُوْنَ ظَهِيْرًا لِّلْمُجْرِمِيْنَ ﴿۱۷﴾
پس ہرگز نہ ہوں گا میں مددگار واسطے مجرموں کے (۱۷)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور جب موسیٰ علیہ السلام اپنی پوری جوانی کو پہنچ گئے اور سنبھل گئے ہم نے اسے حکمت اور سمجھ عطا کی، اور نیکوں کاروں کو ہم اسی طرح بدلہ دیتے ہیں۔ (۱۴) اور وہ شہر میں آیا جس وقت وہاں کے لوگ بے خبر تھے، پھر اس میں دو مردوں کو لڑتے ہوئے پایا ایک اس کی جماعت، یعنی: بنی اسرائیل میں سے تھا اور دوسرا اس کے دشمنوں، یعنی: فرعون کے لوگوں میں سے تھا، پھر جو اس کی برادری کا تھا اس نے مدد مانگی اس کے جو اس کی جماعت کا نہ تھا، پھر موسیٰ نے اسے گھونسا مارا اور اس کا کام تمام کر دیا، موسیٰ نے کہا یہ تو شیطانی کام ہوا، بیشک شیطان تو کھلا بہکانے والا دشمن ہے۔ (۱۵) موسیٰ نے کہا: اے میرے رب! میں نے اپنے آپ پر ظلم کیا، سو! آپ مجھے بخش دے پھر اس کو بخش دیا بیشک اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔ (۱۶) موسیٰ کہا اے میرے رب! جیسے آپ نے مجھ پر فضل کیا۔ میں پھر کبھی گنہگاروں کا مددگار نہ ہوں گا۔ (۱۷)

لفظی تحقیق: اَشُدَّهٗ: بلوغ، عمر و عقل کی پختگی، بَلَغَ اَشُدَّهٗ: مرد کامل ہونا۔ اسْتَوٰی: ہموار ہو گیا۔ ماضی ہے استواء سے، حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی والدہ کے پاس فرعون کے خرچ سے پلتے رہے فطری طور پر صحیح مزاج عطا ہوا تھا، خصلتیں وہی تھیں جو ایک نیک اور پرہیز گاروں کی ہونی چاہئیں۔

تفسیر

ارشاد ہے کہ: جب موسیٰ علیہ السلام پورے جوان ہو گئے اور ساری قوتیں پروان چڑھ گئیں، تو ایک دن ان کا

گذر شہر میں ہوا، وہ وقت ایسا تھا کہ لوگ آرام کر رہے تھے، زیادہ چہل پہل نہ تھی، شاید رات کا یا دوپہر کا وقت ہوگا، دیکھتے ہیں کہ دو مرد آپس میں لڑ رہے ہیں، اس میں ایک موسیٰ علیہ السلام کی قوم کا تھا اور ایک فرعون کی قوم کا تھا۔

ان دونوں لڑنے والوں میں سے ایک نے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کا تھا اس دوسرے کے مقابلے میں جو قبطیوں میں سے تھا حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مدد مانگی، حضرت موسیٰ علیہ السلام قبطیوں کو اسرائیلیوں پر ظلم وستم جانتے تھے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کا گھر شہر سے باہر تھا، فرعون کا محل شہر کے اندر تھا یہ آتے جاتے شہر میں سے گذرتے اور وہاں کے حالات دیکھتے، یہ قبطیوں کو ظالم سمجھ چکے تھے، اسی خیال سے اسے جھگڑے سے روکنے کے لئے ایک گھونسہ قبطی کو مارا، وہ اس گھونسے سے مر گیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ارادہ قتل کرنے کا نہ تھا۔ پچھتائے اور کہا یہ تو ایک شیطانی حرکت ہوئی شیطان تو کھلا دشمن ہے، بہکانا اس کا کام ہے۔ اے میرے رب! میں نے اپنے آپ پر زیادتی کی مجھے بخش دے اور اللہ تعالیٰ نے انہیں بخش دیا وہی بخشنے والا مہربان ہے، پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے رب! جیسے آپ نے مجھ پر انعامات کیے میں بھی عہد کرتا ہوں کہ آئندہ مجرموں کی مدد نہیں کرونگا۔

موسیٰ علیہ السلام کے قصہ سے مقصود یہ ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ماننے والوں کو دلاسہ دیا جائے اور سمجھایا جائے کہ اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبروں کی خود حفاظت کرتا ہے اور آخر کار ان کے دشمن نیچا دیکھتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی تدبیروں کے مقابلہ میں دشمنوں کی تدبیریں نہیں چل سکتیں اور ہو کر وہی رہتا ہے جو اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا ہے۔

فَوَكَزَهٗ مُوْسٰى: موسیٰ علیہ السلام نے قبطی کو ایک گھونسہ مارا اگرچہ موسیٰ علیہ السلام کا ارادہ قبطی کو جان سے مارنا نہیں تھا مگر اس کو وہ گھونسہ ایسا زور سے لگا کہ قبطی کا کام تمام ہو گیا، یعنی: وہ موقعہ پر ہی ہلاک ہو گیا۔

چونکہ یہ واقعہ موسیٰ علیہ السلام کی نیت اور ارادے کے بغیر پیش آ گیا تھا، لہذا آپ نے فوراً کہہ دیا کہ یہ تو شیطان کے کام سے ہے، اس کو شیطانی عمل اس لیے کہ شیطان ایسے کام پر بڑا خوش ہوتا ہے جس کے ذریعے فتنہ وفساد برپا ہونے کی امید ہو، حدیث شریف میں آتا ہے کہ نماز کی حالت میں اگر کسی شخص کو کوئی زخم آ جائے نکسیر پھوٹ جائے یا عورت کو حیض آنے لگے تو یہ شیطانی کام ہوتا ہے کہ اس سے شیطان بڑا خوش ہوتا ہے کہ کسی کی نماز

میں خلل واقع ہوا، موسیٰ علیہ السلام اور یوشع کے سفر کے واقعہ میں بھی آتا ہے کہ جب وہ دونوں اپنی منزل سے آگے نکل گئے اور پھر موسیٰ علیہ السلام نے ناشتہ مانگا تو یوشع کہنے لگے کہ میں مچھلی والا واقعہ یاد دلانا تو بھول ہی گیا، اور مجھے اس کا ذکر کرنا شیطان نے بھلا دیا۔ (الکہف: ۶۳) چونکہ یہاں بھی اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کو سفر کی زاید مشقت برداشت کرنا پڑی، جس سے شیطان خوش ہوا، لہذا اُسے بھی شیطانی عمل کہا گیا ہے۔

بیشک شیطان انسان کا کھلا دشمن اور کھلے طور پر بہکانے والا ہے، انسان کو اس سے بچنے کی کوشش کرنی چاہئے۔

اس غیر ارادی قتل پر اللہ تعالیٰ سے معافی ملنے پر موسیٰ علیہ السلام نے اپنے پروردگار کا عجیب طریقے سے شکر ادا کیا، پہلے اپنے آپ پر ہونے والے انعاموں کا ذکر کیا: اور کہا اے میرے پروردگار! جس طرح آپ نے مجھ پر انعام کیا ہے، ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ پر کتنے ہی انعام کیے تھے، پہلے دشمن کے ہاتھوں قتل ہونے سے بچایا، پھر اپنی طرف سے لوگوں کے دلوں میں محبت ڈال دی اور اسی وجہ سے آپ کی جان بچ گئی، آپ کو حکمت اور سمجھ عطا فرمائی۔

بعض مفسرین نے فرمایا کہ اگرچہ قبطی کا قتل مباح ،یعنی: جائز تھا مگر پیغمبر علیہم السلام مباحات میں بھی اہم معاملوں میں اس وقت تک قدم آگے نہیں بڑھاتے جب تک خصوصی طور پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجازت نہ ملے، اس موقع پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خصوصی اجازت کا انتظار کئے بغیر یہ قدم اٹھایا؛ اسلئے اپنی شان کے مطابق اس کو گناہ قرار دیکر استغفار کیا۔

قَالَ رَبِّ بِمَآ اَنۡعَمۡتَ عَلَیَّ فَلَنۡ اَکُوۡنَ ظَہِیۡرًا لِّلۡمُجۡرِمِیۡنَ: حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اس غیر ارادی قتل کو جب حق تعالیٰ نے معاف کیا تو آپ نے اس نعمت کے شکر میں یہ عرض کیا کہ میں آئندہ کسی مجرم کی مدد نہ کرونگا، اس سے معلوم ہوا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جس اسرائیلی کی مدد کیلئے یہ قدم اٹھایا تھا دوسرے واقعہ سے یہ بات ثابت ہوگئی تھی کہ وہ خود ہی جھگڑالو ہے، جھگڑا لڑائی اسکی عادت ہے؛ اس لئے اس کو مجرم قرار دے کر آئندہ

کسی ایسے شخص کی مدد نہ کرنے کا عہد فرمایا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اس جگہ مجرمین کی تفسیر کافرین کے ساتھ نقل ہے اور قتادہ نے بھی تقریباً ایسا ہی فرمایا ہے، اس تفسیر کی بناء پر واقعہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ اسرائیلی جس کی مدد موسیٰ علیہ السلام نے کی تھی یہ بھی مسلمان نہ تھا مگر اس کو مظلوم سمجھ کر اس کی مدد فرمائی۔

پھر وہی واقعہ

فَاَصْبَحَ فِی الْمَدِیْنَةِ خَآئِفًا یَّتَرَقَّبُ فَاِذَا الَّذِی اسْتَنْصَرَهٗ

پس صبح کی میں شہر ڈرتے ہوئے انتظار کرتے ہوئے پس اچانک وہی جس نے اس سے مدد مانگی تھی

بِالْاَمْسِ یَسْتَصْرِخُهٗ ؕ قَالَ لَهٗ مُوْسٰۤی اِنَّكَ لَغَوِیٌّ مُّبِیْنٌ ﴿۱۸﴾

کل پھر پکار رہا ہے اُسے کہا اس سے موسیٰ نے تحقیق تو گمراہ ہے صاف (۱۸)

فَلَمَّاۤ اَنْ اَرَادَ اَنْ یَّبْطِشَ بِالَّذِیْ هُوَ عَدُوٌّ لَّهُمَا ۙ قَالَ

پھر جب کہ چاہا ہاتھ ڈالے اس پر کہ وہ دشمن تھا ان دونوں کا کہا

یٰمُوْسٰۤی اَتُرِیْدُ اَنْ تَقْتُلَنِیْ كَمَا قَتَلْتَ نَفْسًۢا بِالْاَمْسِ ۖ

اے موسیٰ! کیا تو چاہتا ہے کہ مار ڈالے مجھے جیسا کہ مار ڈالا تو نے ایک آدمی کو کل

اِنْ تُرِیْدُ اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَ جَبَّارًا فِی الْاَرْضِ وَ مَا تُرِیْدُ

نہیں چاہتا تو مگر یہ کہ ہو تو ظلم کرنے والا میں زمین اور نہیں چاہتا تو

اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْمُصْلِحِیْنَ ﴿۱۹﴾ وَ جَآءَ رَجُلٌ مِّنْ اَقْصَا

کہ ہو تو سے صلح کرنے والوں (۱۹) اور آیا ایک آدمی سے کنارے

الْمَدِیْنَةِ یَسْعٰی ۫ قَالَ یٰمُوْسٰۤی اِنَّ الْمَلَاَ یَاْتَمِرُوْنَ بِكَ

شہر کے دوڑتا ہوا کہا اے موسیٰ! تحقیق سردار مشورہ کر رہے ہیں تیرے متعلق

لِيَقْتُلُوْكَ فَاخْرُجْ اِنِّيْ لَكَ مِنَ النّٰصِحِيْنَ ﴿۲۰﴾

تاکہ قتل کرڈالے آپ کو　پس نکل جا　تحقیق میں　واسطے تیرے　سے　خیر خواہ ہوں　(۲۰)

بامحاورہ ترجمہ:۔ پھر صبح کو اٹھا اس شہر میں ڈرتے انتظار کرتے ہوئے، پھر اچانک جس نے کل اس سے مدد مانگی تھی وہی آج اس سے پھر فریاد کر رہا ہے، موسیٰ نے اُس سے کہا بیشک تُو تو کھلا گمراہ ہے۔(۱۸) پھر جب چاہا کہ اس پر جوان دونوں کا دشمن تھا ہاتھ ڈالے اسرائیلی بول اٹھا اے موسیٰ! کیا تو چاہتا ہے کہ مجھے قتل کر ڈالے جیسے تو کل ایک آدمی کو قتل کر چکا ہے، تیرا جی یہی چاہتا ہے کہ ملک میں زبردستی کرتا پھرے اور تو نہیں چاہتا کہ صلح کرا دینے والا بنے۔(۱۹) اور شہر کے کنارے سے ایک آدمی دوڑتا ہوا آیا کہا اے موسیٰ! دربار والے مشورہ کر رہے ہیں تیری بابت کہ تجھے مار ڈالیں، سو! تو اس شہر سے نکل جا، میں تیرا بھلا چاہنے والوں میں سے ہوں۔(۲۰)

لفظی تحقیق: یَسْتَصْرِخُهٗ: پکارتا ہے۔ مضارع ہے، "اِسْتِصْرَاح" سے جو "صَرخٌ" سے بنا ہے اسی سے "مُصرِخٌ" بھی بنا ہے، یہاں فریاد کرنا مراد ہے۔

تفسیر

قتل کا پہلا واقعہ تو دَب گیا، بائبل کی روایت کے مطابق لاش کو ریت میں دبا دیا گیا اور کسی کو خبر نہ ہوئی۔ اس واقعہ کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسی شہر میں رات گزار کر صبح کی، یعنی: اگلا دن آ پہنچا، مقتول سرکاری آدمی تھا، دن بھر اس کی تلاش ہوتی رہی کہ وہ کہاں چلا گیا، اسرائیلی آدمی کو بھی فکر تھی کہ اگر قتل کا راز کھل گیا تو مصیبت آ جائیگی، اُدھر موسیٰ علیہ السلام بھی خوفزدہ تھے کہ کوئی مصیبت نہ آ جائے، آپ انتظار کر رہے تھے کہ دیکھیں کل والے واقعہ کا کیا نتیجہ نکلتا ہے، آپ اسی پریشانی میں تھے کہ اچانک وہی شخص جس کی کل آپ نے مدد کی تھی، پھر مدد کیلئے پکار رہا تھا، آج وہ کسی دوسرے شخص سے اُلجھ رہا تھا، اسرائیلی عام طور پر بڑے مظلوم تھے، مگر موسیٰ علیہ السلام نے محسوس کیا

کہ وہ اسرائیلی ہی پھڈے باز ہے، جو ہر ایک سے اُلجھتا پھرتا تھا اس کی مدد میں ابھی کل ہی ایک آدمی قتل ہو چکا تھا اور یہ آج پھر ویسا ہی کام کررہا تھا اس پر موسیٰ علیہ السلام کو اس اسرائیلی پر غصہ آگیا کہ اس کا تو کام ہی لڑنا جھگڑنا ہے، موسیٰ علیہ السلام نے اس شخص سے کہا تم تو کھلے گمراہ ہو جو ہر روز جھگڑتے ہے، گویا آپ نے اسی اسرائیلی کو سخت ڈانٹ پلائی کہ تم خوامخواہ لوگوں سے لڑائی جھگڑا کرتے ہو، اسرائیلی کو ڈانٹنے کے بعد موسیٰ علیہ السلام آج پھر اسکی مدد کرنا چاہتے تھے، چنانچہ اس مقصد کیلئے جب آپ نے ارادہ کیا اس شخص پر ہاتھ ڈالیں جو آپ کا اور اسرائیلی کا دشمن تھا، گویا آج آپ پھر قبطی کو ظلم سے ہٹانا چاہتے تھے۔

اُدھر اسرائیلی سمجھا کہ موسیٰ علیہ السلام نے مجھے ڈانٹ پلائی ہے اور اب یہ میری طرف بڑھ رہے ہیں تاکہ روز روز کی لڑائی کا مجھے بھی کچھ مزہ چکھائیں، وہ شخص آپ کی قوت کا اندازہ تو کر ہی چکا تھا کہ کل ایک ہی گھونسے سے قبطی ہلاک ہو گیا، لہذا اُسے جان کی فکر پڑگئی اور کہنے لگا: اے موسیٰ! کیا تو مجھے بھی ویسے ہی قتل کرنا چاہتا ہے جیسے کل ایک شخص کو جان سے مار ڈالا، اور تو زمین میں اصلاح پسند نہیں بننا چاہتا، اب قبطی کے قتل کا راز کھل چکا تھا وہ قبطی سمجھ گیا کہ جس قتل کا سراغ نہیں مل رہا ہے وہ موسیٰ کے ہاتھوں سے ہوا ہے، اب موسیٰ علیہ السلام کو اور پریشانی ہوئی کہ یہ شخص جا کر فرعون کو بتادے گا کہ کل والا قتل میں نے کیا تھا۔

بہرحال اسرائیلی کی بات سے قبطی جان گیا کہ کل والا قتل موسیٰ کے ہاتھوں ہوا ہے، وہ فوراً فرعون کے دربار میں پہنچا اور اُسے حقیقت سے آگاہ کیا، اب فرعون کو یقین ہو گیا کہ موسیٰ ہمارا دشمن ہے، کہیں یہ وہی نہ ہو جس کی پیشنگوئی جادوگروں نے کی تھی کہ وہ ہماری سلطنت کو ختم کرنے کا سبب بنے گا، چنانچہ فرعون کے سارے درباریوں کو اس معاملہ پر غور کرنے کے لئے طلب کیا گیا، سارے لوگ جمع ہوئے اور بالآخر یہی طے پایا کہ موسیٰ کو فوراً گرفتار کرلیا جائے کیونکہ یہ شخص ہماری سلطنت کیلئے خطرناک ثابت ہوسکتا ہے۔

فرعون کے درباریوں کا یہ اجلاس ابھی جاری تھا اور اُدھر شہر کی دوسری طرف سے ایک آدمی دوڑتا ہوا موسیٰ

علیہ السلام کے پاس آیا اور کہنے لگا: اے موسیٰ! فرعون کے درباری تیرے متعلق مشورہ کر رہے ہیں کہ تجھے قتل کر دیں، لہذا میں تجھے یہی نصیحت کرتا ہوں کہ آپ یہاں سے نکل جائیں، بیشک میں آپ کے خیر خواہوں میں سے ہوں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام مدین میں

فَخَرَجَ مِنْهَا خَآئِفًا يَّتَرَقَّبُ ۡ قَالَ رَبِّ نَجِّنِیْ مِنَ الْقَوْمِ

پس نکلا — سے اس — ڈرتا ہوا — پیچھے دیکھتا ہوا — کہا — اے رب! نجات دے مجھے — سے — قوم

ع ۲ ۸ ۵

الظّٰلِمِیْنَ ﴿۲۱﴾ وَ لَمَّا تَوَجَّهَ تِلْقَآءَ مَدْیَنَ قَالَ عَسٰی رَبِّیْۤ

ظالموں — (۲۱) — اور — جب — منہ کیا — طرف — مدین کے — کہا — امید ہے — رب میرا

اَنْ یَّهْدِیَنِیْ سَوَآءَ السَّبِیْلِ ﴿۲۲﴾ وَ لَمَّا وَرَدَ مَآءَ مَدْیَنَ وَجَدَ

چلائے مجھ کو — سیدھے — راستے پر — (۲۲) — اور — جب — پہنچا — کنوئیں پر — مدین کے — پایا

عَلَیْهِ اُمَّةً مِّنَ النَّاسِ یَسْقُوْنَ ۡ وَ وَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمُ

پر اس — ایک گروہ — لوگوں کا — کہ پانی پلاتے تھے — اور — پایا — سے — علیحدہ ان

امْرَاَتَیْنِ تَذُوْدٰنِ ۚ

دو عورتوں کو — پیچھے ہٹا رہی تھی

بامحاورہ ترجمہ: ۔ پھر موسیٰ علیہ السلام وہاں سے ڈرتے ہوئے پیچھے دیکھتے ہوئے نکلے۔ (اور) بولے اے میرے رب! مجھے اس ظالم قوم سے بچا۔ (۲۱) اور جب مدین کی طرف رُخ کیا تو بولے امید ہے کہ میرا رب مجھے سیدھی راہ پر لے جائیگا۔ (۲۲) اور جب مدین کے کنویں پر پہنچے تو وہاں لوگوں کی ایک جماعت کو اپنے جانوروں کو پانی پلاتے ہوئے پایا اور ان سے علیحدہ دو عورتوں کو دیکھا وہ اپنی بکریوں کو روک رہی تھیں۔

لفظی تحقیق: تَذُوْدٰنِ: وہ دونوں روک رہی تھی۔ مضارع تثنیہ مؤنث کا صیغہ ہے: ز۔و۔د سے،

ذَوْدٌ: کے معنیٰ روکنا، منع کرنا، مراد یہ ہے کہ اپنی بکریوں کو دوسرے جانوروں کے ہجوم سے الگ روکے کھڑی تھیں۔

تفسیر

حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کی پکڑ دھکڑ سے خائف ہو کر اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے کہ اب پکڑا کہ اب پکڑا، شہر سے باہر نکل گئے، راستے سے واقف نہ تھے ایک سڑک پر چل پڑے، یہ سڑک مدین کو جاتی تھی۔ جو مصر سے آٹھ یا دس دن کی مسافت پر ہے، انہیں کچھ معلوم نہ تھا کہ کہاں جا رہا ہوں، اللہ تعالیٰ کے حکم سے مدین ہی کی طرف رُخ ہو گیا، کہتے جاتے تھے مجھے اپنے رب سے قوی امید ہے کہ مجھے ایسی جگہ سیدھا پہنچا دے گا، جہاں پہنچ کر مجھے آرام ملے، چلتے چلتے آخر مدین پہنچے، دیکھا وہاں کے کنوئیں پر لوگوں کا ہجوم اپنے اپنے مویشیوں کو پانی کھینچ کھینچ کر پلا رہا ہے اور ان سے کچھ فاصلہ پر دو عورتیں ایک کنارے اپنے مویشیوں کو روکے کھڑی ہیں، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ان میں یا تو بھاری ڈول کھینچنے کی طاقت نہیں یا لوگ انہیں کنوئیں کے قریب آنے سے روکے ہوئے ہیں۔

پہلا کلام

قَالَ مَا خَطْبُكُمَا ۖ قَالَتَا لَا نَسْقِيْ حَتّٰى يُصْدِرَ الرِّعَآءُ ۖ وَ

کہا کیا حال ہے تمہارا وہ بولیں نہیں ہم پلاتیں جب تک واپس لے جائے چرواہے اور

اَبُوْنَا شَيْخٌ كَبِيْرٌ ﴿٢٣﴾ فَسَقٰى لَهُمَا ثُمَّ تَوَلّٰٓى اِلَى الظِّلِّ

باپ ہمارے بوڑھا ہے بڑی عمر کا (۲۳) پس پلا دیا اس نے لیے ان دونوں کے پھر مڑا طرف سایہ

فَقَالَ رَبِّ اِنِّيْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيْرٌ ﴿٢٤﴾

پھر بولا اے رب میرے! تحقیق میں اس چیز کا جو آپ اُتاریں طرف میری سے بھلائی محتاج ہوں (۲۴)

فَجَآءَتْهُ اِحْدٰىهُمَا تَمْشِيْ عَلَى اسْتِحْيَآءٍ ۫

پھر آئی پاس اس کے ایک ان میں سے چلتی تھی پر حیاء

بامحاورہ ترجمہ:۔ موسیٰ علیہ السلام نے ان دونوں عورتوں سے پوچھا تمہارا کیا ماجرا ہے، وہ دونوں بولیں ہم اپنے جانوروں کو پانی نہیں پلا سکتیں یہاں تک کے چرواہے اپنے جانوروں کو پانی پلا کر واپس لے جائیں، اور ہمارا والد بڑی عمر کا بوڑھا آدمی ہے۔(۲۳) پھر موسیٰ علیہ السلام نے ان دونوں کے جانوروں کو پانی پلا دیا پھر ہٹ کر سایہ کی طرف آئے اور بولے اے میرے رب! جو اچھی چیز آپ میری طرف اُتاریں یعنی جو رزق بھیجیں میں اس کا محتاج ہوں۔(۲۴) پھر ان دونوں میں سے ایک شرم وحیاء کیساتھ چلتی ہوئی آئی۔

لفظی تحقیق: رِعَآءُ: راعی کی جمع ہے، جسکا معنیٰ ہے چرواہا۔

تفسیر

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دو لڑکیوں کو بکریاں لیے ایک طرف کھڑے دیکھا تو ان کی طرف بڑھے اور پوچھا کہ تم سب سے الگ کیسے کھڑی ہو اوروں کی طرح بکریوں کو پانی کیوں نہیں پلاتیں، انہوں نے جواب دیا ہم پانی اس وقت پلاتی ہیں جب سب چرواہے اپنے اپنے جانور کو پانی پلا کر واپس لے جائیں، ہمارے والد بڑھاپے کیوجہ سے کمزور ہو گئے ہیں؛ اس لئے ہمیں آنا پڑتا ہے ورنہ وہ خود آتے، موسیٰ علیہ السلام تھکے ماندے اور بھوکے تھے، پھر بھی انہیں گوارا نہ ہوا کہ یہ کمزور لڑکیاں اس طرح بے بس کھڑی رہیں اُٹھ کر لوگوں کو ہٹایا اور خود کنوئیں سے ڈول کھینچ کر لڑکیوں کی بکریوں کو پانی پلا کر روانہ کیا اور پھر واپس سایہ میں میں جا کر دم لیا، پھر بولے اے رب! آپ کا ہی آسرا ہے مجھے تو آپ کی ہی مہربانی چاہیئے، اتنے میں ان میں سے ایک شریف عورتوں کی طرح شرماتی ہوئی ان کے پاس آئی۔

اس آیت سے لڑکیوں کی مجبوری کا اظہار ہوتا ہے کہ وہ محض حالات کی بناء پر بکریوں کی دیکھ بھال کر رہی تھیں، حقیقت بھی یہی ہے کہ مشقت کے تمام کام مردوں کی ذمہ داری ہے نہ کہ عورتوں کی، کھیتی باڑی، تجارتی سفر، کان کنی، حیوانات کی پرورش وغیرہ، اللہ تعالیٰ نے مردوں اور عورتوں کے لئے مختلف کام ذمہ لگائے ہیں، باہر کا

کام مردوں کے ذمے ہے۔ جب کہ گھر کی چار دیواری کے اندر بچوں کی دیکھ بھال اور گھریلو کام کاج عورتوں کی ذمہ داری ہے۔

قَالَ مَا خَطْبُكُمَا ؕ قَالَتَا لَا نَسْقِيْ حَتّٰى يُصْدِرَ الرِّعَآءُ ٚ وَ اَبُوْنَا شَيْخٌ كَبِيْرٌ: موسیٰ علیہ السلام نے ان دونوں عورتوں سے پوچھا کہ تمہارا کیا ماجرا ہے کہ تم اپنی بکریوں کو روکے کھڑی ہو دوسرے لوگوں کی طرح کنویں کے پاس لاکر پانی نہیں پلاتیں؟ ان دونوں نے یہ جواب دیا کہ ہماری عادت یہی ہے کہ ہم مردوں کے ساتھ خلط ملط سے بچنے کیلئے اس وقت تک اپنی بکریوں کو پانی نہیں پلاتیں جب تک یہ لوگ کنویں پر ہوتے ہیں، جب یہ چلے جاتے ہیں تو ہم اپنی بکریوں کو پانی پلاتی ہیں اور اس میں جو یہ سوال پیدا ہوتا تھا کہ کیا تمہارا کوئی مرد نہیں جو عورتوں کو اس کام کیلئے نکالا، اس کا جواب بھی ان عورتوں نے ساتھ ہی دیدیا کہ ہمارے والد بوڑھے ہیں وہ یہ کام نہیں کرسکتے اسلئے ہم مجبور ہوئیں۔

احکام ومسائل

اس واقعہ سے چند علمی باتیں معلوم ہوئیں۔**اول:** یہ کہ کمزوروں کی مدد پیغمبروں کا طریقہ ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دو عورتوں کو دیکھا کہ بکریوں کو پانی پلانے کیلئے لائی ہیں مگر ان کو لوگوں کے ہجوم کے سبب موقع نہیں مل رہا تو ان سے حال دریافت کیا۔ **دوسرا:** یہ کہ اجنبی عورت سے ضرورت کے وقت بات کرنے میں حرج نہیں، جب تک کہ کسی فتنہ کا اندیشہ نہو۔ **تیسرا:** یہ کہ اگرچہ یہ واقعہ اس زمانے کا ہے جبکہ عورتوں پر پردہ لازم نہیں تھا جس کا سلسلہ اسلام کے بھی ابتدائی زمانہ تک جاری رہا، مدینہ کی طرف ہجرت کے بعد عورتوں کیلئے پردہ کا حکم اترا، لیکن اس وقت بھی پردہ کا جو اصل مقصد ہے وہ طبعی شرافت اور حیاء کے سبب عورتوں میں موجود تھا کہ ضرورت کے باوجود مردوں کیساتھ خلط ملط ہونا گوارا نہ کیا اور تکلیف اُٹھانا قبول کیا۔ **چوتھا:** یہ کہ عورتوں کا اس طرح کے کاموں کے لئے باہر نکلنا اس وقت بھی پسندیدہ نہیں تھا اسی لئے انہوں نے اپنے والد کے معذور ہونے کا بیان کیا۔

ثُمَّ تَوَلّٰٓى اِلَى الظِّلِّ فَقَالَ رَبِّ اِنِّیْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَیَّ مِنْ خَیْرٍ فَقِیْرٌ: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سات روز سے کوئی غذا نہیں چکھی تھی، اس وقت ایک درخت کے سائے میں آ کر اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی حالت اور حاجت پیش کی۔ لفظ خیر کبھی مال کے معنیٰ میں آتا ہے، کبھی قوت کے معنیٰ میں آتا ہے، کبھی کھانے کے معنیٰ میں بھی آتا ہے اور اس جگہ یہی معنیٰ مراد ہے۔

فَجَآءَتْهُ اِحْدٰىهُمَا تَمْشِیْ عَلَى اسْتِحْیَآءٍ: قرآنی اسلوب کے مطابق یہاں قصہ کو مختصر کر دیا گیا ہے، پورا واقعہ یہ ہوا کہ یہ عورتیں اپنے مقررہ وقت سے پہلے جلدی سے گھر پہنچ گئیں تو ان کے والد نے وجہ دریافت کی، لڑکیوں نے واقعہ بتلایا، والد نے چاہا کہ اس شخص نے احسان کیا ہے، اس کو بدلہ دینا چاہیئے؛ اس لئے انہیں لڑکیوں میں سے ایک کو ان کے بلانے کیلئے بھیجا، یہ حیاء کیساتھ چلتی ہوئی پہنچی، اس میں بھی اشارہ ہے کہ باوجود پردہ کے باقاعدہ حکم نہ اترنے کے نیک عورتیں مردوں سے بے حجابانہ خطاب نہ کرتی تھیں ضرورت کی بناء پر یہ وہاں پہنچی تو حیاء کیساتھ بات کی جسکی صورت بعض مفسرین نے یہ بیان کی ہے کہ اپنے چہرہ کو آستین سے چھپا کر گفتگو کی، تفسیری روایتوں میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام اس کے ساتھ چلنے لگے تو لڑکی سے کہا کہ تم میرے پیچھے ہو جاؤ اور زبانی راستہ بتاتی رہو، مقصد یہ تھا کہ ان کی نظر لڑکی پر نہ پڑے، شاید اسی سبب سے لڑکی نے اپنے والد سے ان کے متعلق ان کے "امین" ہونیکا ذکر کیا، ان لڑکیوں کے والد کون تھے، اس میں مفسرین نے اختلاف نقل کیا ہے مگر قرآن کی آیتوں سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ شعیب علیہ السلام تھے جیسا کہ قرآن میں ہے۔ وَاِلٰى مَدْیَنَ اَخَاهُمْ شُعَیْبًا۔

حضرت شعیب علیہ السلام سے ملاقات

قَالَتْ اِنَّ اَبِیْ یَدْعُوْكَ لِیَجْزِیَكَ اَجْرَ مَا سَقَیْتَ لَنَا ؕ

بولی | تحقیق | والد میرا | بلاتا ہے آپ کو | تا کہ پورا دے آپ کو | اجرت | اس کی کہ | پانی پلایا آپ نے | ہمارے لیے

فَلَمَّا جَآءَهٗ وَ قَصَّ عَلَيْهِ الْقَصَصَ ۙ قَالَ لَا تَخَفْ ۟ نَجَوْتَ

پس جب آیا پاس اسکے اور بیان کیا سے اس قصہ کہا مت ڈر نجات پائی آپ نے

مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۵﴾ قَالَتْ اِحْدٰىهُمَا يٰٓاَبَتِ اسْتَاْجِرْهُ ۫

سے قوم ظالموں (۲۵) بولی ایک ان دونوں میں سے اے والد میرے اسے نوکر رکھ لیں

اِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْاَمِيْنُ ﴿۲۶﴾

تحقیق بہترین سے ان لوگوں جنکو آپ نوکر رکھیں طاقتور امانت دار ہے (۲۶)

بامحاورہ ترجمہ: ۔لڑکی بولی میرے والد آپ کو بلاتے ہیں تا کہ آپ کو اجرت دیں اس کی جو آپ نے ہمارے جانوروں کو پانی پلایا، پھر جب موسیٰ ان کے پاس پہنچے اور ان سے حال بیان کیا، (اس نے) کہا ڈرو مت، آپ اس ظالم قوم سے نجات پا گئے۔(۲۵) دونوں لڑکیوں میں سے ایک نے کہا اے ابا جان! آپ اس کو نوکر رکھ لیں البتہ نوکر جسے آپ رکھنا چاہیں ان میں سے بہتر وہ ہے جو طاقتور اور امانت والا ہو۔(۲۶)

لفظی تحقیق: اِسْتَاْجِر:امر اور اِسْتَاْجَرْتَ:ماضی ،دونوں "اِسْتِیجَار" سے ہیں ، جس کا مادہ: "اجر" ہے، "اجر" مزدوری کو کہتے ہیں۔"اِسْتِیجَار": ملازم رکھنا۔

تفسیر

حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے دعا کر ہی رہے تھے کہ تھوڑی دیر میں ایک لڑکی انہی دو میں سے جن کی بکریوں کو انہوں نے پانی پلایا تھا شرم وحیاء سے چلتی ہوئی ان کے پاس آئی اور کہا ابا جان نے آپ کو بلایا ہے تا کہ آپ کو پانی پلانے کی اُجرت دیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام چپ چاپ اُٹھ کر لڑکی کے آگے آگے ہو لیے اور وہ پیچھے پیچھے راستہ بتاتی چلی، اُن لڑکیوں کے باپ حضرت شعیب علیہ السلام تھے،ان کے پاس پہنچ کر موسیٰ علیہ السلام نے اپنا سارا حال بیان کر دیا،انہوں

نے سنکر کہا کہ آپ بے خوف رہیں، کیوں کہ آپ ظالم لوگوں سے بچ کر نکل آئے ہیں، اب آپ کے لئے کوئی کھٹکا نہیں، ایک لڑکی بولی: اباجان! آپ کو ملازم کی ضرورت ہے، یہ آدمی طاقتور بھی ہے اور امانت دار بھی، اس سے بہتر ملازم کوئی نہیں ملے گا، آپ اس کو اُجرت پر ملازم رکھ لیجئے۔

موسیٰ علیہ السلام ملازم ہوگئے

قَالَ اِنِّيْٓ اُرِيْدُ اَنْ اُنْكِحَكَ اِحْدَى ابْنَتَيَّ هٰتَيْنِ عَلٰٓى اَنْ
کہا تحقیق میں ارادہ کرتا ہوں کہ میں نکاح کردوں تجھ سے ایک کا اپنی ان دو بیٹیوں میں سے جو یہ ہیں اس شرط پر کہ

تَاْجُرَنِيْ ثَمٰنِيَ حِجَجٍ ۚ فَاِنْ اَتْمَمْتَ عَشْرًا فَمِنْ عِنْدِكَ ۚ وَ
نوکری کریں آپ میری آٹھ سال پس اگر پوری کردیں آپ دس تو یہ آپکی طرف سے ہوگا اور

مَآ اُرِيْدُ اَنْ اَشُقَّ عَلَيْكَ ۭ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَاۗءَ اللّٰهُ مِنَ
نہیں چاہتا میں کہ مشقت ڈالوں پر آپ عنقریب پائے گا مجھے اگر اللہ تعالیٰ چاہے سے

الصّٰلِحِيْنَ ۝۲۷ قَالَ ذٰلِكَ بَيْنِيْ وَ بَيْنَكَ ۭ اَيَّمَا الْاَجَلَيْنِ
نیک لوگوں (۲۷) کہا یہ ہے درمیان میرے اور درمیان آپکے جونسی مدت دونوں میں سے

قَضَيْتُ فَلَا عُدْوَانَ عَلَيَّ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ ۝۲۸ ع ۳ ۷ ۲
پوری کردوں میں پس نہیں کوئی جبر پر مجھ اور اللہ اس پر جو ہم کہہ رہے ہیں گواہ ہے (۲۸)

بامحاورہ ترجمہ: ۔شعیب علیہ السلام نے کہا میں چاہتا ہوں کہ اپنی ان دو لڑکیوں میں سے ایک کا آپ کے ساتھ نکاح کردوں اس شرط پر کہ آپ آٹھ (۸) سال میری نوکری کریں، پھر آپ اگر دس (۱۰) سال پورے کردیں تو آپ کی خوشی، میں آپ پر تکلیف ڈالنا نہیں چاہتا اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو آپ مجھے شائستہ لوگوں میں سے پائیں گے۔(۲۷) موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ یہ بات میرے اور آپکے درمیان طے ہو چکی ان دونوں میں سے جونسی مدت

میں پوری کردوں تو میرے اوپر کوئی زبردستی نہ ہوگی اور اللہ تعالیٰ ہماری اس بات پر گواہ ہے۔ (۲۸)

لفظی تحقیق: حِجَجٍ: سال۔ حجۃ کی جمع ہے، جس کے معنیٰ سال ہیں۔ اَشُقَّ: بارڈالوں میں۔ مضارع کا صیغہ ہے، جس کے معنیٰ بوجھ ڈالنا ہیں، "مَشَقَّةٌ" اسی سے مصدر میمی ہے۔ وَكِيْلٌ: ذمہ دار۔ صفت کا صیغہ ہے۔ وَكَالَةٌ: کے معنیٰ کسی کا کام اپنے ذمہ لینا یہاں وکیل سے مراد گواہ ہے۔

تفسیر

حضرت شعیب علیہ السلام کو ایسے ہی شخص کی تلاش تھی اور اس وقت موسیٰ علیہ السلام کو بھی ٹھکانے کی ضرورت تھی، حضرت شعیب علیہ السلام نے کہا کہ میں ارادہ کرتا ہوں کہ ان میں سے ایک لڑکی کا نکاح آپ کے ساتھ کردوں مگر شرط یہ ہے کہ آٹھ (۸) سال میری ملازمت کرنی پڑیگی، آپ کی خوشی ہو تو دس (۱۰) پورے کردینا۔ موسیٰ علیہ السلام اس شرط پر راضی ہوگئے اور کہا ہمارے درمیان یہ معاملہ طے ہوچکا میں کوئی سی مدت ملازمت کی پوری کردوں مجھ پر زبردستی نہ کی جائے گی، ہمارے اس قول وقرار پر اللہ تعالیٰ گواہ ہے اور اسی پر بھروسہ ہے۔

مدین سے روانگی

فَلَمَّا قَضٰى مُوْسَى الْاَجَلَ وَ سَارَ بِاَهْلِهٖۤ اٰنَسَ مِنْ جَانِبِ

پس جب پوری کردی موسیٰ نے مدت اور لے کر چلا ساتھ گھر والوں اپنے کو دیکھی سے طرف

الطُّوْرِ نَارًا ۚ قَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْۤا اِنِّیْۤ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّیْۤ

طور پہاڑ ایک آگ کہا واسطے گھر والوں اپنے سے ٹھیرو بیشک میں نے دیکھی ہے ایک آگ شاید میں

اٰتِیْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ جَذْوَةٍ مِّنَ النَّارِ لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ ﴿۲۹﴾

لاؤں پاس تمہارے سے اس کچھ خبر یا انگارا سے آگ کا تاکہ تم آگ سینکو (۲۹)

بامحاورہ ترجمہ:۔پس جب موسیٰ وہ مدت پوری کر چکا اور اپنے گھر والوں کو لے کر چلا تو کوہِ طور کی طرف ایک آگ دیکھی تو اپنے گھر والوں سے کہا، ٹھیرو! میں نے ایک آگ دیکھی ہے شاید تمہارے پاس وہاں سے کچھ خبر لے آؤں یا آگ کا انگارے لے آؤں جسے تم سیکو۔(۲۹)

لفظی تحقیق: اٰنَسَ۔اٰنَسْتُ: دیکھی۔میں نے دیکھی۔دونوں ماضی کے صیغے ہیں،"ایناس" سے جو: ا،ن،س سے بنا ہے۔جَذْوَۃٍ: سلگتا ہوا انگار۔

تفسیر

موسیٰ علیہ السلام نے معاہدہ کے مطابق حضرت شعیب علیہ السلام کی ملازمت کی مدت پوری کی، اس کے بعد اپنی بیوی کو لے کر وہاں سے رخصت ہو کر مصر کی طرف چل پڑے، حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی بکریوں میں سے کچھ بکریاں بھی انہیں دے دیں اور ایک عصا بھی عنایت کیا۔ چلتے چلتے رات کا وقت آ گیا، سردی اور اندھیرے دونوں نے گھیر لیا، سامنے طور پہاڑ تھا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دور سے پہاڑ کی ایک طرف کچھ روشنی نظر آئی، گھر والوں سے کہا، تم ذرا یہیں ٹھیرو! مجھے پہاڑ کی طرف سے کچھ آگ جلتی ہوئی نظر آ رہی ہے، میں وہاں سے یا تو راستے کے بارے میں معلومات حاصل کر کے آتا ہوں یا کم سے کم سلگتا ہوا انگار لے آتا ہوں تا کہ اس سردی سے کچھ نجات ملے اور تم آگ سے گرم ہو جاؤ، یہ روشنی اللہ تعالیٰ کے نور کی تھی جو پہاڑ کے ایک درخت پر چمک رہی تھی تا کہ موسیٰ علیہ السلام اُسے دیکھ کر وہاں آئیں اور انہیں پیغمبری عطا کی جائے۔

فَلَمَّا قَضٰی مُوْسَی الْاَجَلَ: جب موسیٰ علیہ السلام مقررہ وقت پوری کر چکے تو انہوں نے شعیب علیہ السلام سے اپنی والدہ اور بھائی سے ملنے کیلئے مصر جانے کی اجازت مانگی، شعیب علیہ السلام نے نہ صرف آپ کو اجازت دے دی بلکہ آپ کی بیوی کو بھی ساتھ لے جانے کی اجازت دے دی، موسیٰ علیہ السلام اپنے گھر والوں کو لے کر مصر کی طرف روانہ ہو گئے، مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ: شعیب علیہ السلام نے چلتے وقت کچھ بھیڑ بکریاں اور کچھ دوسرا مال بھی بیٹی کو ساتھ

دے دیا تھا، اس کے علاوہ ایک خادم اور بعض بچوں کا ذکر بھی آتا ہے۔

احکام ومسائل

اس واقعہ سے یہ حکم معلوم ہوا کہ اگر خاوند اپنی بیوی کو اپنے ساتھ کسی دور دراز جگہ حتیٰ کہ غیر ملک میں بھی لے جانا چاہے تو وہ لے جاسکتا ہے، لڑکی کے والدین کو اس میں رکاوٹ ڈالنے کا کوئی حق نہیں پہنچتا، ہماری شریعت کا بھی یہی قانون ہے، بعض لوگ ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کرتے ہیں اور بیٹی کو خاوند کے ساتھ بھیجنے پر طلاق لینے کو ترجیح دیتے ہیں، یہ بالکل غلط بات ہے۔

موسیٰ علیہ السلام اپنے گھر والوں، خادم اور بھیڑ بکریوں کے ساتھ اپنے سفر پر روانہ ہو گئے، راستے میں طور پہاڑ پڑتا تھا، اس کی وادی صحرائے سینا کی طرف ہے موسیٰ علیہ السلام اس وادی سے گزر رہے تھے، رات کا وقت اور سردی کا موسم تھا، بیوی کو کچھ تکلیف بھی تھی، لہٰذا آگ کی ضرورت محسوس ہوئی، اس زمانے میں مسافر لوگ چقماق کا پتھر سفر میں پاس رکھتے تھے جس کو رگڑنے سے آگ پیدا ہوتی تھی، موسیٰ علیہ السلام نے گھاس پھونس اکٹھا کر کے آگ جلانے کی کوشش کی مگر کامیاب نہ ہو سکے اتنے میں آپ نے دور سے آگ جلتی ہوئی دیکھی تو اپنی بیوی سے فرمایا: تم یہیں ٹھہرو! میں نے آگ دیکھی ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا خیال تھا کہ شاید آگ پر کوئی راستہ بتانے والا آدمی بھی مل جائے۔ فرمایا: یا میں آگ کا کوئی انگارا ہی سلگا کر لے آوں۔

موسیٰ علیہ السلام نے ملازمت کی مدت پوری کر دی جو آٹھ (۸) سال لازمی اور دو (۲) سال اختیاری تھی سو یہاں سوال یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے صرف آٹھ (۸) سال پورے کئے یا دس (۱۰) سال، "صحیح بخاری" میں ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے یہ سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ: انہوں نے زیادہ مدت، یعنی: دس (۱۰) سال پورے کئے کہ پیغمبروں کی یہی شان ہے کہ جو کچھ کہتے ہیں اس کو پورا کرتے ہیں، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی عادتِ شریفہ یہ تھی کہ حقدار کو اس کے حق سے زائد ادا فرماتے تھے اور امت کو اسی کی ہدایت فرمائی ہے کہ ملازمت،

اجرت اور خرید و فروخت میں نرمی اور ایثار سے کام لیا جائے۔

پیغمبری ملی

فَلَمَّآ اَتٰىهَا نُوْدِیَ مِنْ شَاطِیِٴ الْوَادِ الْاَیْمَنِ فِی الْبُقْعَةِ
پس جب آئے پاس اس کے اُسے آواز دی گئی سے کنارے میدان دائیں کے میں جگہ

الْمُبٰرَكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ اَنْ یّٰمُوْسٰۤى اِنِّیْۤ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ
برکت والی سے درخت کہ اے موسیٰ! تحقیق میں اللہ ہوں رب

الْعٰلَمِیْنَۙ﴿۳۰﴾ وَ اَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ؕ فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَآنٌّ
جہان کا (۳۰) اور یہ کہ ڈال دے لاٹھی اپنی کو پس جب دیکھا اسے لہراتے ہوئے گویا وہ پتلا سانپ ہے

وَّلّٰى مُدْبِرًا وَّ لَمْ یُعَقِّبْ ؕ یٰمُوْسٰۤى اَقْبِلْ وَ لَا تَخَفْ ۫
پیچھے مڑا پیٹھ پھیر کر اور نہ دیکھا پیچھے مڑکر اے موسیٰ! آگے آ اور مت ڈر

اِنَّكَ مِنَ الْاٰمِنِیْنَ﴿۳۱﴾
تحقیق آپ سے امن والوں (۳۱)

بامحاورہ ترجمہ:۔ پھر جب اس درخت کے پاس پہنچے میدان کے دائیں کنارے سے زمین کے برکت والے ٹکڑے میں، ایک درخت سے آواز آئی کہ اے موسیٰ! میں جہان کا پروردگار اللہ ہوں۔(۳۰) اور یہ کہ اپنی لاٹھی زمین پر ڈال دے پھر جب (موسیٰ نے) اس لاٹھی کو سانپ کی طرح لہراتے دیکھا تو منہ موڑ کر الٹے پاؤں بھاگے اور پیچھے مڑکر نہ دیکھا، (ہم نے کہا) اے موسیٰ! آؤ اور ڈرو مت، آپ امن پانے والوں میں سے ہیں۔(۳۱)

لفظی تحقیق: شَاطِیِٴ: کے معنی کنارے اور جانب کے ہیں۔

تفسیر

موسیٰ علیہ السلام گھر والوں کو ٹھہرا کر اُس طرف بڑھے جہاں آگ جلتی دکھائی دے رہی تھی، یہ طور کے پہاڑ میں دائیں طرف ایک جگہ تھی جہاں ایک درخت جلتی آگ کی طرح دہک رہا تھا، اس درخت میں سے آواز آئی، اے موسیٰ! میں بلاشک وشبہ اللہ ہوں اور سارے جہان کا رب ہوں، تجھے یہاں ایک مقصد کے لئے بلایا گیا ہے، لاٹھی جو تیرے ہاتھ میں ہے اسے زمین پر ڈال دے اب جو موسیٰ علیہ السلام لاٹھی دیکھتے ہیں تو وہ اس طرح لہرا رہا ہے، جیسے: پتلا سانپ لہراتا ہے، موسیٰ علیہ السلام پیٹھ موڑ کر جلدی سے بھاگے اور پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا، آواز آئی۔ اے موسیٰ! ڈر کر بھاگو مت، آگے آؤ، آپ کو یہ سانپ کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا، بیشک آپ ہر طرح سے امن وامان میں ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ قصہ بار بار سنایا جا رہا ہے تا کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ایمان والوں کو یقین ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ جسے چاہے اپنا پیغمبر بنائے اور باقی لوگ بھی سمجھ لیں کہ پیغمبری برحق ہے اور پیغمبر پہلے بھی آئے ہیں۔

دو (۲) معجزے

اُسْلُكْ يَدَكَ فِيْ جَيْبِكَ تَخْرُجْ بَيْضَآءَ مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ ۡ

داخل کر ہاتھ اپنا میں گریبان اپنے نکلے گا وہ چمکتا کسی بغیر بیماری کے

وَّ اضْمُمْ اِلَيْكَ جَنَاحَكَ مِنَ الرَّهْبِ فَذٰنِكَ بُرْهَانٰنِ مِنْ

اور ملا لے طرف اپنی ہاتھ اپنا سے خوف پس یہ دو پکی نشانیاں ہیں سے

رَّبِّكَ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَ مَلَا۟ئِهٖ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿۳۲﴾

رب آپ کے طرف فرعون اور سرداروں اس کے تحقیق وہ ہیں لوگ نافرمان (۳۲)

قَالَ رَبِّ اِنِّيْ قَتَلْتُ مِنْهُمْ نَفْسًا فَاَخَافُ اَنْ يَّقْتُلُوْنِ ﴿۳۳﴾

کہا اے رب میرے تحقیق میں میں نے قتل کیا میں سے ان ایک آدمی پس میں ڈرتا ہوں کہ مجھے مار دیں گے (۳۳)

بامحاورہ ترجمہ:۔ (آپ) اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں ڈالیں تو یہ سفید نکلے گا بغیر کسی بیماری کے، یعنی: آپ کا ہاتھ معجزانہ طور پر سورج کی طرح چمکدار اور نورانی ہو جائے گا اور ملا لو اپنا ہاتھ اپنے گریبان یا بغل کی طرف خوف کو دور کرنے کیلئے سو یہ دو (۲) پکّی نشانیاں ہیں آپ کے رب کی طرف سے فرعون اور اس کے سرداروں کیلئے بیشک وہ لوگ نافرمان تھے۔ (۳۲) (موسیٰ علیہ السلام نے) اے میرے رب! میں نے ان میں سے ایک آدمی کو قتل کیا ہے، سو! میں ڈرتا ہوں کہ مجھے اس کے بدلے میں مار ڈالیں گے۔ (۳۳)

لفظی تحقیق: رَبِّ: اصل میں رَبِّيْ اور يَقْتُلُوْنِ، يَّقْتُلُوْنَنِي ہے، دونوں کی ی وقف سے اور يَّقْتُلُوْنَنِي کا نون اعرابی کی وجہ سے گر گیا۔ جَنَاحٌ: (بازو) کو کہتے ہیں جو انگلیوں سے لے کر بغل تک ہے۔ یہاں یہ مراد ہے کہ اپنا ہاتھ بغل کے نیچے دے کر اپنے بدن سے ملا لو۔ مِنَ الرَّهْبِ: ڈر سے۔ "رَهْبٌ" اور "رُعبٌ" دونوں کے معنیٰ خوف کے ہیں، مراد یہ ہے کہ ڈر دور کرنے کیلئے ہاتھ بغل کے نیچے دے کر بدن سے ملا لو، ذَانِ: یہ دو۔ "اذا" کا تثنیہ ہے جو اسم اشارہ مذکر ہے اس کے ساتھ کاف ملا دیا گیا ہے۔ فَذٰنِكَ بُرْهَانٰنِ: یہ پختہ نشانیاں ہیں۔

تفسیر

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سانپ پکڑ لیا اور وہ پکڑتے ہی پھر لاٹھی بن گیا، تو پھر حکم ہوا کہ اپنا ہاتھ گریبان میں داخل کرو پھر جو نکالو گے تو سفید چمکدار ہو کر نکلے گا اور یہ بغیر کسی مرض کے ہوگا اور جب تمہیں اس تبدیلی سے ڈر محسوس ہو تو اپنا بازو اپنے بدن سے ملا لیا کرو، بغل میں دوبارہ رکھ لینے سے ہاتھ جیسا تھا ویسا ہی ہو جائے گا، اور ڈر ختم ہو جائیگا، یہ دو معجزے ہماری طرف سے لیکر فرعون اور اس کے سرداروں کے پاس جاؤ وہ لوگ حد سے زیادہ بڑھ کر سرکش ہو گئے ہیں، انہوں نے انسانیت کے قاعدے اور قانون توڑ ڈالے، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ میرے ہاتھ سے ان کا ایک آدمی مارا گیا ہے مجھے ڈر ہے کہ وہ مجھے پکڑ کر اس کے بدلے قتل کر ڈالیں گے اور تبلیغ کی نوبت ہی نہ آئے۔

ہارون علیہ السلام مددگار ہوئے

وَ اَخِيْ هٰرُوْنُ هُوَ اَفْصَحُ مِنِّيْ لِسَانًا فَاَرْسِلْهُ مَعِيَ رِدْاً
اور بھائی میرا ہارون وہ زیادہ صاف بولنے والا ہے مجھ سے زبان میں پس بھیج اُسے ساتھ میرے مددگار

يُّصَدِّقُنِيْٓ ۡ اِنِّيْٓ اَخَافُ اَنْ يُّكَذِّبُوْنِ ﴿۳۴﴾ قَالَ سَنَشُدُّ عَضُدَكَ
کہ تصدیق کرے میری تحقیق میں ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے جھوٹا بتائیں گے(۳۴) فرمایا ہم مضبوط کریں گے بازو آپ کے

بِاَخِيْكَ وَ نَجْعَلُ لَكُمَا سُلْطٰنًا فَلَا يَصِلُوْنَ اِلَيْكُمَا ۚ بِاٰيٰتِنَآ ۚ
ساتھ بھائی تیرے اور کردینگے ہم واسطے تم دونوں کے غلبہ پس نہ پہنچیں گے وہ تک تم دونوں بسبب ہماری نشانیوں کے

اَنْتُمَا وَ مَنِ اتَّبَعَكُمَا الْغٰلِبُوْنَ ﴿۳۵﴾
تم دونوں اور جو تمہاری مانے غالب رہیں گے(۳۵)

معانقة ۱۱ عند المتاخرین ۱۲

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور میرے بھائی ہارونؑ زبان میں مجھ سے زیادہ صاف ہے سو اس کو میرے ساتھ مددگار بنا کر بھیج دیں جو میری تصدیق کرے، میں ڈرتا ہوں کہ وہ لوگ مجھے جھوٹا کہیں گے۔(۳۴) اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہم آپ کے بھائی کے ذریعے آپ کا ہاتھ مضبوط کردیں گے اور ہماری نشانیوں کی بدولت وہ آپ تک نہ پہنچ سکیں گے، ہمارے معجزوں کے ذریعے آپ دونوں اور جو آپ دونوں کی پیروی کرے غالب رہیں گے۔(۳۵)

لفظی تحقیق: رِدْاً: معین ومددگار۔صفت کا صیغہ ہے، ر۔د۔ء سے "رِدْءٌ" کے معنیٰ مدد کرنے والا۔

سُلْطٰنٌ: قوت، غلبہ۔اس کے اصل معنیٰ قوت اور غلبہ کے ہیں، اس کا مادہ: س۔ل۔ط ہے۔

تفسیر

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پہلے یہ خوف ظاہر کیا کہ میرے ہاتھ سے ان کا ایک آدمی قتل ہو چکا ہے ڈر ہے کہ میرے وہاں پہنچتے ہی پکڑ کر مجھے اس کے بدلے میں مار ڈالیں گے، پھر ایک اور خوف ظاہر کیا کہ میری زبان اٹکتی

ہے اور میرے بھائی کی زبان صاف ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ لوگ میری نہ سنیں اور مجھے جھوٹا قرار دے بیٹھیں، ہارون کو میرا ساتھی اور مددگار بنا دیجئے، تا کہ وہ میری باتوں کی تصدیق کرے۔۔۔!

ان دونوں کے جواب میں ارشاد ہے کہ: ہم نے آپ کے بھائی ہارون کو آپ کا مددگار مقرر کر کے آپ کے بازو مضبوط کر دیئے آپ دونوں کو مخالفوں پر غلبہ رہے گا، فرعون اور اس کے حمایتی ان نشانیوں کے آگے جو ہم نے آپ کو دی ہیں آپ پر غالب نہیں آسکتے بلکہ آپ اور آپ کے ماننے والے ہی غالب رہیں گے۔

قَالَ سَنَشُدُّ عَضُدَكَ بِاَخِيْكَ ۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہم آپ کے بھائی کے ساتھ آپ کے بازو مضبوط کریں گے، یعنی: اُسے بھی پیغمبر بنا کر آپ کی تائید کیلئے بھیجیں گے، ویسے دنیا کا عام دستور بھی یہی ہے کہ کسی کے بھائی اس کے مددگار ہوتے ہیں، بھائیوں سے انسان کو بڑی امیدیں لگی ہوتی ہیں اور وہ دُکھ سکھ میں شریک ہوتے ہیں، یہ تو اللہ تعالیٰ کا بڑا احسان تھا کہ اس نے موسیٰ علیہ السلام کے بھائی ہارون علیہ السلام کو پیغمبر بنا کر ان کی مدد کیلئے ان کے ساتھ بھیجا۔

اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو تسلی بھی دی، ہم تم دونوں بھائیوں کو غلبہ عطا کریں گے جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ فرعون اور اس کے سردار اور دوسرے مخالفین تم دونوں تک نہیں پہنچ سکیں گے، خدا تعالیٰ ایسا انتظام فرما دے گا کہ فرعونی تمہیں نقصان نہیں پہنچا سکیں گے، یہ اللہ تعالیٰ کی خاص مہربانی اور اس کا فضل تھا کہ حکمرانی سمیت ساری ظالم اور متکبر قوم کے سامنے یہ دو آدمی دھڑلے کے ساتھ آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرتے تھے، مگر کسی کو ان کے خلاف ہاتھ بڑھانے کی جرأت نہ ہوئی بلکہ موسیٰ علیہ السلام کو دیکھ کر فرعون اور اس کے سرداروں کے اَوسان خطا ہو جاتے تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں ایسا رُعب ڈال دیا تھا۔

فرعون کے پاس

فَلَمَّا جَآءَهُمْ مُّوْسٰى بِاٰيٰتِنَا بَيِّنٰتٍ قَالُوْا مَا هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ

پس جب آئے ان کے پاس موسیٰ ساتھ نشانیوں ہماری کے کھلی بولے نہیں یہ مگر جادو

مُّفْتَرًى وَّ مَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِيْٓ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِيْنَ ۝٣٦ وَ قَالَ
گھڑا ہوا اور نہیں سنا ہم نے یہ میں باپ دادا اپنے پہلوں (۳۶) اور کہا

مُوْسٰى رَبِّيْٓ اَعْلَمُ بِمَنْ جَآءَ بِالْهُدٰى مِنْ عِنْدِهٖ وَ مَنْ
موسیٰ نے رب میرا خوب جانتا ہے اس کو جو لایا ہدایت سے پاس اس کے اور اس کو

تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ۝٣٧
کہ ہوگا جس کیلئے اچھا انجام آخرت میں بیشک نہ کامیاب ہوں گے ظالم (۳۷)

بامحاورہ ترجمہ:۔ جب موسیٰ ان کے پاس ہماری کھلی نشانیاں لیکر پہنچے تو انہوں نے کہا یہ تو جادو ہے گھڑا ہوا اور ہم نے یہ اپنے پہلے باپ دادوں میں نہیں سنا۔(۳۶) اور موسیٰ نے کہا میرا رب تو خوب جانتا ہے جو کوئی اس کے پاس ہدایت کی بات لایا، اور اسے بھی خوب جانتا ہے جس کو آخرت کا گھر ملے گا۔ بیشک ظالم کامیاب نہیں ہونگے۔(۳۷)

لفظی تحقیق: **مُفْتَرًى**۔ بنایا ہوا، گھڑا ہوا۔ اسم مفعول ہے "اِفْتِرَاءٌ" جس کا مادہ، ف۔ ر۔ ی ہے، مراد یہ ہے کہ یہ سب کچھ اس نے خود بنایا ہے۔ **عَاقِبَةُ الدَّارِ**: گھر کی آخری اچھائی۔ "عَاقِبَةٌ" انجام اور نتیجے کو کہتے ہیں۔ دار (رہنے کی جگہ) مراد انجام کار، چھٹکارا اور رہنے کی اچھی جگہ۔

تفسیر

موسیٰ علیہ السلام فرعون کے پاس آئے اور اس سے کہا کہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے تیرے پاس پیغام لایا ہوں اور وہ پیغام یہ ہے کہ سرکشی چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کو اپنا رب مان اور بنی اسرائیل پر ظلم وستم کرنے سے باز رہ، فرعون نے کہا کہ پیغمبر ہونے کا دعویٰ تیرا گھڑا ہوا ہے، موسیٰ علیہ السلام نے اپنی سچائی کو ظاہر کرنے کیلئے لاٹھی کے سانپ بننے اور ہاتھ کے روشن ہونے کا معجزہ دکھایا فرعون کے لوگ نے کہا یہ تو جادو ہے، اللہ تعالیٰ اور اس کا پیغام اور معجزے یہ

سب باتیں تو تمہاری گھڑی ہوئی ہیں ہم نے یہ باتیں پہلے باپ دادوں سے کبھی نہیں سنیں، یہ تو بالکل نئی بات ہے، موسیٰ علیہ السلام نے جواب میں کہا، میری باتوں کا اللہ تعالیٰ گواہ ہے وہ میرا رب اس آدمی کو خوب جانتا ہے جو اس کی طرف سے ہدایت لے کر آتا ہے اور جس کو آخرت میں کامیابی نصیب ہوگی، ظالموں کا انجام اچھا نہیں وہ کامیابی نہیں پاسکتے۔

فرعون کا جواب

وَ قَالَ فِرْعَوْنُ يٰۤاَيُّهَا الْمَلَاُ مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ

اور کہا فرعون نے اے سردارو! نہیں جانتا میں تمہارا کوئی خدا

غَيْرِيْ ۚ فَاَوْقِدْ لِيْ يٰهَامٰنُ عَلَى الطِّيْنِ فَاجْعَلْ لِّيْ صَرْحًا

سوا اپنے پس آگ جلا لئے میرے اے ہامان! پر گارے پس بنا لئے میرے بلند محل

لَّعَلِّيْۤ اَطَّلِعُ اِلٰۤى اِلٰهِ مُوْسٰى ۙ وَ اِنِّيْ لَاَظُنُّهٗ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۳۸﴾

تاکہ میں جھانک لوں طرف خدا موسیٰ کے اور میں تو سمجھتا ہوں اسے سے جھوٹوں (۳۸)

وَ اسْتَكْبَرَ هُوَ وَ جُنُوْدُهٗ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَ ظَنُّوْۤا

اور بڑا بن بیٹھا وہ اور لشکر اس کا میں زمین بغیر حق کے اور وہ سمجھے

اَنَّهُمْ اِلَيْنَا لَا يُرْجَعُوْنَ ﴿۳۹﴾

کہ وہ طرف ہماری نہ آئیں گے لوٹ کر (۳۹)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور فرعون بولا اے درباروالو! مجھے تو معلوم نہیں کہ تمہارا میرے سوا کوئی خدا ہے اس لئے اے ہامان! میرے واسطے گارے کو آگ دے، یعنی: مٹی کی اینٹیں بنا کر اسکو آگ سے پکا، پھر ان اینٹوں سے میرے واسطے ایک اونچا محل بنا تاکہ میں اس پر چڑھ کر موسیٰ کے رب کو دیکھوں اور میرے گمان میں تو وہ

نرے جھوٹا ہے۔(۳۸) وہ اور اس کے لشکر ملک میں ناحق بڑے بن بیٹھے اور سمجھے کہ وہ ہماری طرف پھر کر نہ آئیں گے۔(۳۹)

لفظی تحقیق: اَوْقِدْ: آگ جلا۔ امر کا صیغہ ہے "اِیقَاد" سے جو، و۔ق۔د سے بنا ہے۔ مراد یہ ہے کہ اینٹوں کا آوا لگا دے۔

تفسیر

فرعون کی عقل ماری گئی تھی، دولت اور قوت کے غرور نے اسے حق کو سننے اور دیکھنے سے اندھا بہرا کر رکھا تھا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بات سن کر درباریوں سے مخاطب ہوا اور کہا زمین میں تو مجھے اپنے سوا تمہارا کوئی خدا معلوم نہیں ہوتا، شاید آسمان میں ہو اسلئے اے ہامان! اینٹوں کے بھٹے لگا اور ان سے میرے لئے اتنا اونچا محل بنا کہ وہاں سے میں موسیٰ کے خدا کو جھانک کر دیکھوں، مگر مجھے یقین ہے کہ یہ جھوٹ کہتا ہے، پھر بھی خاموش کرنا ضروری ہے اس بات سے ہنسی اڑانی مقصود تھی، فرعون اور اس کے سرداروں کے سر میں تو جنون سمایا ہوا تھا کہ زمین میں ہم سے بڑا کوئی نہیں بلکہ ساری کائنات میں بس ہم ہی ہیں، موسیٰ علیہ السلام غلط کہتا ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے پاس واپس جائیں گے اور وہ ہمارا حساب لے گا ہمارے نزدیک تو یہ سب خیالی باتیں ہیں۔

فَاَوْقِدْ لِیْ یٰھَامٰنُ عَلَی الطِّیْنِ: فرعون نے بہت اونچا محل تیار کرنے کا ارادہ کیا تو اپنے وزیر ہامان کو اسکی تیاری کیلئے پہلے یہ حکم دیا کہ مٹی کی اینٹیں بنا کر ان کو پکایا جائے، کیونکہ کچی اینٹوں پر کوئی بڑی اور اونچی عمارتیں قائم نہیں ہو سکتی، تاریخی روایتوں میں ہے کہ ہامان نے اس محل کی تعمیر کیلئے پچاس ہزار مزدور جمع کئے مزدوری اور لکڑی لوہے کا کام کرنے والے انکے علاوہ تھے اور محل کو اتنا اونچا بنایا کہ اس زمانے میں اس سے زیادہ بلند کوئی تعمیر نہیں تھی، پھر جب یہ تیاری مکمل ہو گئی تو اللہ تعالیٰ نے جبرئیل علیہ السلام کو حکم دیا، انہوں نے اس محل کے تین ٹکڑے کر کے گرا دیا، جس میں فرعونی فوج کے ہزاروں آدمی دب کر مر گئے۔

انجام کار

فَاَخَذْنٰهُ وَ جُنُوْدَهٗ فَنَبَذْنٰهُمْ فِي الْيَمِّ ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ

پس پکڑ لیا ہم نے اسے اور لشکروں اس کے کو پھر پھینک دیا ہم نے انہیں میں سمندر پس دیکھ کیسا ہوا

عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۰﴾ وَ جَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً يَّدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۚ وَ

انجام ظالموں کا (۴۰) اور کیا ہم نے ان کو پیشوا کہ بلاتے ہیں طرف آگ کی اور

يَوْمَ الْقِيٰمَةِ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿۴۱﴾ وَ اَتْبَعْنٰهُمْ فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا

دن قیامت نہ مدد کیے جائیں گے (۴۱) اور پیچھے لگا دی ہم نے ان کے میں اس دنیا

لَعْنَةً ۚ وَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ هُمْ مِّنَ الْمَقْبُوْحِيْنَ ﴿۴۲﴾

پھٹکار اور دن قیامت کے وہ بری گت والے ہوں گے (۴۲)

ع ۱۴ ۴ ۷

بامحاورہ ترجمہ: پھر ہم نے فرعون کو اور اس کے لشکروں کو پکڑا پھر ہم نے انہیں سمندر میں پھینک دیا، سو! دیکھ لیں ظالموں کا انجام کیسا ہوا۔ (۴۰) اور ہم نے انہیں پیشوا کیا جو دوزخ کی طرف بلاتے ہیں اور قیامت کے دن انہیں مدد نہ ملے گی۔ (۴۱) اور ہم نے اس دنیا میں ان کے پیچھے پھٹکار لگا دی اور قیامت کے دن بھی ان کی بری گت ہوگی۔ (۴۲)

لفظی تحقیق: اَئِمَّةً: امام کی جمع ہے جسکا معنٰی پیشوا، وہ شخص، بات یا چیز جس کے پیچھے لوگ چلیں اور اس کی اقتداء کریں۔

تفسیر

ارشاد ہے کہ: فرعون اور اس کے سرداروں کی سرکشی ان کے کچھ کام نہ آئی، ہم نے اسے اور اس کے

لشکروں کو سمندر میں ڈبو دیا، تاکہ دوسرے لوگ دیکھ لیں کہ بدکاروں اور ظالموں کا انجام ایسا ہوتا ہے، ہم نے انہیں دولت، قوت اور مرتبہ عطا کیا، وہ بڑا اثر رکھتے تھے، لوگ ان کے اشاروں پر چلتے تھے، وہ چاہتے تو لوگوں کو سیدھے راستے پر لگا سکتے تھے لیکن انہوں نے کیا یہ کہ ٹیڑھی چال چلے بدکاریوں میں مبتلا ہوئے، ظلم اور سرکشی پر کمر باندھی اور سب کام ایسے کیے جن کی سزا دوزخ ہے اور اپنے اثر سے لوگوں کو بھی دوزخ ہی کے راستے پر ڈالا، خیر! یہاں تو انہیں ان کے مددگار مل گئے۔ لیکن قیامت کے دن انہیں کوئی پوچھے گا بھی نہیں اس دنیا میں بھی لوگ ان پر لعنت ہی بھیجتے رہیں گے اور قیامت میں تو یقیناً وہ لوگ عذاب میں ڈالے جائیں گے۔

وَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ هُمْ مِّنَ الْمَقْبُوْحِيْنَ: یہ لوگ قیامت والے دن برائی، رسوائی والوں میں سے ہوں گے، ان کی شکلیں تبدیل ہونگی اور حال برا ہوگا، گویا کہ ہر قسم کی ذلت اور رسوائی میں مبتلا ہوں گے، اللہ تعالیٰ نے دنیا اور آخرت کی دونوں سزاؤں کا ذکر کر دیا ہے۔

پیغمبری حق ہے

وَ لَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِ مَاۤ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ

اور تحقیق دی ہم نے موسیٰ کو کتاب بعد اس کے کہ ہلاک کیں ہم نے اُمتیں

الْاُوْلٰى بَصَآىِٕرَ لِلنَّاسِ وَ هُدًى وَّ رَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ﴿۴۳﴾

پہلی سمجھانے واسطے لوگوں کے اور ہدایت اور رحمت تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں (۴۳)

وَ مَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِيِّ اِذْ قَضَيْنَاۤ اِلٰى مُوْسَى الْاَمْرَ

اور نہ تھے آپ جانب مغربی جب ہم نے سپرد کیا طرف موسیٰ کے کام

وَ مَا كُنْتَ مِنَ الشّٰهِدِيْنَ﴿۴۴﴾ وَ لٰكِنَّاۤ اَنْشَاْنَا قُرُوْنًا

اور نہ تھے آپ سے حاضر ہونے والوں (۴۴) اور لیکن پیدا کیں ہم نے بہت سی اُمتیں

فَتَطَاوَلَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ ۚ

پس دراز ہوگئی | پر ان | مدت

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور بلاشبہ ہم نے موسیٰ کو بھی وہ کتاب دی تھی اس کے بعد کہ ہم نے ہلاک کیا پہلی قوموں کو، یہ بصیرت کی چیزیں ہیں لوگوں کیلئے اور ہدایت اور رحمت ہے، تاکہ لوگ نصیحت حاصل کریں۔ (۴۳) اور آپ نہ تھے مغربی جانب میں جب ہم نے موسیٰ کو حکم بھیجا اور آپ وہاں موجود نہ تھے۔ (۴۴) لیکن ہم نے بہت سی اُمتیں پیدا کیں پھر ان پر مدت دراز ہوگئی۔

لفظی تحقیق: بَصَآئِرَ: سوجھ دینے والی۔ "بَصِيرَةٌ" کی جمع ہے جس کے معنیٰ سوجھ بوجھ اور دانائی کے ہیں۔ تَطَاوَلَ: دراز ہوا۔ ماضی ہے "تَطَاوُلٌ" سے جو، ط۔و۔ل سے بنا ہے۔ "طُولٌ" کے معنیٰ درازی کے ہیں۔ تَطَاوَلَ دراز ہوا۔

تفسیر

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصہ کا خلاصہ سنا کر ارشاد ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو ہم نے "تورات" عطا کی اس سے پہلے ہم پہلی امتوں کو ان کی سرکشی اور نافرمانی کی سزا میں تباہ کر چکے تھے، پہلی قوموں سے مراد نوح علیہ السلام کی قوم، عاد کی قوم اور ثمود کی قوم، لوط علیہ السلام کی قوم اور مدین والے ہیں، "تورات" میں ہم نے اس وقت کے لوگوں کیلئے سوجھ بوجھ دینے والی نصیحتیں درج کر دیں ان کی ہدایت کا سامان کر دیا اور اپنی رحمت کے مستحق ہونے کا راستہ بتا دیا، اگر وہ چاہتے تو ساری نیک باتیں اس سے سیکھ سکتے تھے، ہمارا مقصد یہی تھا کہ وہ ان باتوں کو یاد کریں اور سرکشی اور نافرمانی چھوڑ دیں، اسی طرح ہم نے اے محمد! اب آپ کو پیغمبر بنا کر قرآن عطا کیا، اس کے ہماری کتاب ہونے کی یہی دلیل کافی ہے کہ آپ اسے پڑھ کر اگلے پیغمبروں کے حالات ایسے صحیح صحیح سنا رہے ہیں، جسے آپ نے اپنی آنکھوں سے سب کچھ دیکھا ہو۔ لیکن آپ تو اس مغربی مقام کے موقعہ پر موجود نہ تھے، اس مغربی جانب سے

صحرائے سینا کا وہ پہاڑ مراد ہے جہاں کوہِ طور پر واقع ہے، اور جس وقت ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو پیغمبری عطا کی اس وقت آپ وہاں موجود نہ تھے۔ لیکن دنیا میں ایسا موقعہ آچکا تھا کہ لوگوں کی ہدایت کیلئے ایک پیغمبر بھیجا جائے۔

بَصَآئِرَ لِلنَّاسِ: اس میں لوگوں کیلئے بصیرت کی چیزیں ہیں، بصارت ظاہری آنکھ سے دیکھنے کو کہتے ہیں، جب کہ بصیرت سے مراد دل کی آنکھیں ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ انسانوں کے دلوں میں جو روشنی پیدا کر دیتا ہے، وہی بصیرت کہلاتی ہے اور جس فرد یا قوم میں یہ چیز نہ پائی جاتی ہو، وہ ظاہری آنکھیں رکھنے کے باوجود اندھی ہے۔

وَ هُدًى: یعنی: ہدایت ہے۔ جب انسان میں سوجھ بوجھ پیدا ہو جائے، عقل و شعور آجائے صحیح اور غلط کی پہچان ہونے لگے تو پھر اس کو ہدایت نصیب ہوتی ہے جس کے مطابق وہ عمل کرتا ہے، قرآن پاک بھی ایمان والوں کیلئے بصیرت اور ہدایت ہے، منافق آدمی فہم و فراست سے محروم ہوتا ہے، لہذا وہ دین کی سمجھ سے بھی خالی ہوتا ہے، پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے: اللہ تعالیٰ اپنے جس بندے سے بھلائی کا ارادہ کرتا ہے، اسے دین میں سمجھ عطا کرتا ہے، مگر منافق اس سے محروم رہتے ہیں، کافروں اور مشرکوں کے دلوں پر بھی کفر و شرک کے اندھیرے چھائے رہتے ہیں۔

وَ رَحْمَةً: "تورات" کو رحمت کہا گیا ہے، جب انسان کے دل میں صحیح سمجھ پیدا ہو جائے اور وہ صحیح راستے پر چلنے لگے، اپنا عقیدہ، اخلاق اور عمل درست کرلے تو وہ خدا تعالیٰ کی رحمت کا حقدار بن جاتا ہے، فرمایا: "تورات" میں تین چیزیں، یعنی: بصیرت، ہدایت اور رحمت ہیں اور ان کا مقصد یہ ہے کہ لوگ نصیحت حاصل کریں۔

اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور موسیٰ علیہ السلام کا ذکر فرمایا ہے، موسیٰ علیہ السلام اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں بہت سی باتیں ملتی جلتی ہیں، جس طرح موسیٰ علیہ السلام کا سامنا بہت بڑے دشمن سے تھا، اسی طرح پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بھی بڑے دشمن موجود تھے، جس طرح موسیٰ علیہ السلام پر کڑی آزمائشیں آئیں اسی طرح پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بھی آئیں، اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو ایک عظیم کتاب عطا فرمائی تو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی عظیم کتاب عطا فرمائی، دونوں اُمتوں کے حالات بھی تھوڑے بہت ملتے جلتے ہیں تو یہاں پر اللہ تعالیٰ نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیغمبری کی سچائی کو بیان فرمایا ہے اور اس

طرح کہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کے جو واقعات بیان کیے ہیں اور آپ نے انہیں آگے امت کو سنایا ہے، یہ بالکل سو فیصد ہی صحیح ہیں جن میں غلطی کا کوئی امکان نہیں، آپ نے نہ تاریخ پڑھی اور نہ کسی اور ذریعے سے آپ کو ان واقعات کا علم ہوا ہے، تو ان کو بغیر کسی کمی وزیادتی کے امت کے سامنے بیان کردینا ہی آپ کے پیغمبر ہونے کی کھلی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ سارے واقعات آپ کو وحی کے ذریعے بتلادیے۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم آخری پیغمبر ہیں

وَ مَا كُنْتَ ثَاوِيًا فِيْٓ اَهْلِ مَدْيَنَ تَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ۙ وَ

اور نہ تھے آپ رہنے والے میں والوں مدین کہ پڑھتے پر ان آیتیں ہماری اور

لٰكِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ ﴿۴۵﴾ وَ مَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّوْرِ اِذْ نَادَيْنَا

لیکن ہم رہے ہیں رسول بھیجتے (۴۵) اور نہ تھے آپ جانب طور کے جب پکارا ہم نے

وَ لٰكِنْ رَّحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اَتٰىهُمْ مِّنْ

اور لیکن رحمت ہے سے رب آپ کے تاکہ ڈرائیں آپ اس قوم کو نہیں آیا پاس ان کے کوئی

نَّذِيْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۴۶﴾

ڈرانے والا سے پہلے آپ تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں (۴۶)

با محاورہ ترجمہ: ۔ اور نہیں تھے آپ ٹھہرنے والے مدین والوں کے درمیان کہ پڑھتے آپ ان پر ہماری آیتیں، لیکن ہم ہی بھیجنے والے ہیں پیغمبروں کو۔ (۴۵) اور نہیں تھے آپ طور کے کنارے پر جب کہ ہم نے موسیٰ کو آواز دی تھی، لیکن یہ مہربانی ہے آپ کے رب کی طرف سے تاکہ ڈرائیں آپ ان لوگوں کو کہ نہیں آیا جن کے پاس کوئی ڈرانے والا آپ سے پہلے، تاکہ وہ لوگ نصیحت حاصل کریں۔ (۴۶)

لفظی تحقیق: ثَاوِيًا: قیام کرنے والا۔ اسم فاعل ہے، ث۔و۔ی سے "ثَوَآءٌ" کے معنیٰ ٹھہرنا، قیام

کرنا، "مَثْوٰی" اسی سے بنا ہے۔

تفسیر

اس آیت کا یہ مطلب نہیں ہے کہ پوری دنیا میں کوئی ڈرانے والا نہیں آیا بلکہ اس سے عرب کے لوگ مراد ہیں کہ ان کے پاس حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بعد لمبے عرصہ تک کوئی پیغمبر نہیں آیا اور پھر اللہ تعالیٰ نے آخر میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھیجا، عرب کے لوگ پہلے پہل حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین پر تھے، مگر پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تقریباً پانچسو سال پہلے قصی بن کلاب کے زمانے میں یہاں شرک کی ابتداء ہوئی، لوگوں کی ایک بہت بڑی تعداد مشرک ہوگئی اور اس دوران پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے کوئی ڈرانے والا نہیں آیا تھا۔

پیغمبر کی ضرورت

وَ لَوْلَآ اَنْ تُصِيْبَهُمْ مُّصِيْبَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ فَيَقُوْلُوْا

اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ پہنچے ان کو کوئی مصیبت بوجہ اس کے جو آگے بھیجا ہاتھوں ان کے نے پس کہیں گے

رَبَّنَا لَوْ لَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ وَ نَكُوْنَ

اے رب ہمارے کیوں نہ بھیج دیا آپ نے طرف ہماری ایک پیغمبر تاکہ ہم پیروی کرتے آیتوں آپ کی کی اور ہوتے ہم

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۷﴾ فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْا

سے ایمان والوں (۴۷) پھر جب آئی ان کے پاس سچی بات سے پاس ہمارے کہنے لگے

لَوْ لَآ اُوْتِيَ مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى ؕ اَوَلَمْ يَكْفُرُوْا بِمَآ اُوْتِيَ

کیوں نہ دیا گیا اُسے جیسا کہ دیا گیا موسیٰ کو کیا نہیں منکر ہوئے اس کے جو دیا گیا تھا

مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ ۚ

موسیٰ کو سے پہلے اس

بامحاورہ ترجمہ:۔ اگر یہ بات نہ ہوتی کہ ان لوگوں کو آ پہنچی کوئی مصیبت ان کے اپنے عملوں کی وجہ سے پھر یہ یوں کہتے کہ اے ہمارے رب! آپ نے کیوں نہ بھیجا ہماری طرف کوئی پیغمبر کہ ہم پیروی کرتے آپ کی آیتوں کی اور ہم ایمان والوں میں ہوجاتے؟ (۴۷) مگر جب ان کے پاس ہماری طرف سے حق آ گیا تو یہ (ناشکرے لوگ اس کو ماننے کے بجائے یوں) کہنے لگے کہ اِن کو بھی وہی کچھ کیوں نہ دیا گیا جو موسیٰ کو دیا گیا تھا کیا یہ لوگ اس سے پہلے اس کا بھی انکار نہیں کر چکے جو موسیٰ کو دیا گیا تھا۔

تفسیر

اس آیت میں ارشاد ہے کہ: اگر پیغمبر نہ آتے اور ان لوگوں پر ان کے عملوں کی وجہ سے عذاب آ پڑتا تو کہنے لگتے، اے اللہ! اس عذاب سے پہلے ہمارے پاس کوئی پیغمبر کیوں نہ بھیج دیا تا کہ ہم اس کا کہنا مان کر ایمان لے آتے، آپ کے حکم پر عمل کرتے، ہم نے اسی لئے پہلے ہی پیغمبر بھیج دیئے تا کہ یہ سزا ملتے وقت اتنی بات بھی نہ کہنے پائیں، اب جو پیغمبر آئے اور انہیں صحیح باتیں بتائیں تو یہ انہیں نہیں مانتے اور بہانہ یہ کرتے ہیں کہ ان کو ویسے معجزے کیوں نہ ملے جیسے موسیٰ علیہ السلام کو ملے تھے، یا انہیں ایک دم ساری کتاب "تورات" کی طرح کیوں نہ ملی جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ملی تھی، یہ تھوڑی تھوڑی کیوں اترتی ہے؟ حالانکہ اس سے پہلے موسیٰ علیہ السلام کو اور ان کی لائی ہوئی کتاب "تورات" کو یہی لوگ ٹھکرا چکے ہیں، ان کو تو ٹھیک بات سے چڑ ہے یہ تو وہی کرنا چاہتے ہیں جو ان کا دل چاہے، غلط صحیح سے انہیں کوئی بحث نہیں بس جو ان کی خواہشوں کے خلاف بات ہوئی اسے ٹھکرا دیتے ہیں اور اس کی وجہ وہی بتا دی جس کا پہلے انکار کر چکے ہیں۔

کھلی دعوت

قَالُوْا سِحْرٰنِ تَظٰهَرَا ۚ وَ قَالُوْٓا اِنَّا بِكُلٍّ كٰفِرُوْنَ ﴿۴۸﴾

کہنے لگے دونوں جادو ہیں جنہوں نے ایک دوسرے کی پشت پناہی کی ہے اور بولے ہم ہر ایک کا انکار کرنے والے ہیں (۴۸)

قُلْ فَأْتُوْا بِكِتٰبٍ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ هُوَ اَهْدٰى مِنْهُمَآ اَتَّبِعْهُ

آپ کہدیں پس لاؤ کوئی کتاب سے پاس اللہ کے کہ وہ زیادہ ہدایت میں ان دونوں میں سے کہ میں چلوں اس پر

اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۴۹﴾ فَاِنْ لَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكَ فَاعْلَمْ اَنَّمَا

اگر ہو تم سچے (۴۹) پس اگر نہ جواب دیں یہ آپ کو تو جان لے کہ بیشک

يَتَّبِعُوْنَ اَهْوَآءَهُمْ ؕ

پیروی کرتے ہیں خواہشوں اپنی کا

بامحاورہ ترجمہ:۔ کہنے لگے یہ دونوں (”تورات“ اور ”قرآن مجید“) جادو میں ایک دوسرے کے موافق ہیں اور کہنے لگے ہم دونوں کو نہیں مانتے۔(۴۸) آپ کہدیں تم اپنی اللہ تعالیٰ کے پاس سے کوئی کتاب لے آؤ جو ان دونوں سے زیادہ ہدایت اور رہنمائی کرنے والی ہو کہ میں اس پر چلوں اگر تم سچے ہو۔(۴۹) پھر اگر یہ لوگ کوئی کتاب نہ لائیں تو جان لیں کہ وہ صرف اپنی خواہشوں پر چلتے ہیں۔

تفسیر

ارشاد ہے کہ: اب تو کہتے ہیں کہ ہم تو حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو پیغمبر جب مانتے جب یہ موسیٰ علیہ السلام کی طرح معجزے دکھاتے اور ایک دم ساری کتاب تورات کی طرح ہمارے سامنے لاکر رکھ دیتے، لیکن یہی تو وہ لوگ ہیں جو اس سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو باوجود ان کے معجزوں کے اور ”تورات“ کو باوجود اس کے اکٹھے اترنے کو جھوٹا قرار دے چکے ہیں یہ کہہ رہے ہیں کہ ”قرآن“ و ”تورات“ دونوں جادو ہیں اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور موسیٰ علیہ السلام دونوں جادوگر ہیں، جو ایک دوسرے کی تائید کرتے ہیں اور ہم تو ان میں سے کسی کو بھی نہیں مانتے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے ہمارے پیغمبر! اب تو ان سے آخری بات کہہ دیں کہ بہانہ بازیاں چھوڑ دو اگر تم سچ مچ ان دونوں میں سے کسی کو بھی نہیں مانتے تو اب تم اللہ تعالیٰ کی طرف سے اتاری ہوئی کوئی اور ایسی کتاب لاؤ، جو انسان کو ان دونوں

سے بڑھ کر سیدھے راستے پر چلاتی ہو، میں اس پر چلنے کیلئے تیار ہوں پھر اگر یہ کوئی کتاب نہ لاسکیں تو آپ سمجھ لیں وہ صرف اپنی خواہشوں کے پیچھے چل رہے ہیں۔

مکہ کے مشرکوں نے پہلے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزوں کا ذکر کیا کہ اگر ایسے ہی معجزوں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر ظاہر ہوتے تو ہم مان لیتے، پھر جب مکہ کے مشرکوں نے یہودیوں سے تبادلہ خیال کیا تو پتہ چلا کہ "تورات" کی باتیں تو ہمارے خلاف پڑتی ہیں۔ مثلاً: "تورات" میں بت پرستی کو کفر اور مرنے کے بعد جی اٹھنے کو اور اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہونے کو برحق قرار دیا گیا ہے نیز: یہ کہ اللہ تعالیٰ کے غیر کے نام پر ذبح کرنا حرام ہے، "تورات" میں نبی آخر الزمان کی بعض نشانیاں بھی ملتی ہے جو آپ پر فٹ آتی ہیں، تو پھر کہنے لگے ہم دونوں کا انکار کرتے ہیں، نہ "تورات" کو مانتے ہیں اور نہ قران کریم کو مانتے ہیں کیوں کہ یہ دونوں کتابیں ہمارے خلاف جاتی ہیں، جب کتابوں کا انکار کیا تو پیغمبروں کا بھی انکار کر دیا اور موسیٰ علیہ السلام اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو جادوگر کہہ دیا، واضح رہے کہ قرآن مجید ان بات کی تصدیق کرتا ہے کہ تورات کی بہت سی باتیں اب بھی قرآن سے مطابقت رکھتی ہیں، اگر چہ اہل کتاب نے اس کتاب میں بہت ردّ و بدل کر دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے یہودیوں سے بھی بار بار فرمایا ہے کہ: تم اپنی تورات کے احکام پر قائم نہیں رہے بلکہ انہیں بگاڑ دیا ہے، "تورات" اور "قرآن" کے بہت سے حکم اب بھی ملتے جلتے ہیں مگر تم انکار کر رہے ہو، اگر تم سچے ہو تو لاؤ "تورات" اور پڑھ کر دیکھو کہ اس کے حکم کیا ہیں اور تم نے کونسا دین بنا رکھا ہے؟۔ (آل عمران: ۹۳)

پہلے دور میں "تورات" ہی آسمانی کتاب تھی، جسمیں حکم، حدود، تعزیر اور اخلاقیات ہر قسم کی تعلیم موجود تھی، پھر آخری دور میں اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کو بطور آخری کتاب اتار کر پہلی آسمانی کتابوں کے سارے مضمون اور اس کے علاوہ بھی بہت سارے حکم اس کتاب میں اتارے ہیں۔

فَإِنْ لَّمْ يَسْتَجِيبُوا لَكَ: اگر یہ لوگ آپ کی بات کا جواب نہ دے سکیں یعنی چیلنج قبول نہ کریں، تو آپ یقین جانیں کہ یہ لوگ اپنی خواہشوں کی پیروی کر رہے ہیں، اللہ اور اس کے پیغمبروں کے حکموں سے منہ موڑ

کر اپنے جی کی خواہشوں کے پیچھے لگے ہوئے ہیں، خواہشات کی پیروی دراصل شیطان کی پیروی ہے؛ اسی لیے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے، شیطان کے نقشِ قدم پر مت چلو کہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ (البقرۃ: ۱۶۷)

خواہشوں کے غلام

وَ مَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰىهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ

اور کون زیادہ بھٹکا ہوا ہے سے اس شخص جو پیروی کرے خواہش اپنی کی بغیر ہدایت سے جانب اللہ کی تحقیق

اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝۵۰ وَ لَقَدْ وَصَّلْنَا لَهُمُ الْقَوْلَ ع ۵ ۸

اللہ نہیں راستہ دکھاتا ان لوگوں کو جو ظالم ہیں (۵۰) اور تحقیق لگاتار بھیجا ہم نے لیے ان کے اپنا کلام

لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۝۵۱ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِهٖ

تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں (۵۱) جنہیں دی ہم نے کتاب سے پہلے اس

هُمْ بِهٖ يُؤْمِنُوْنَ ۝۵۲ النصف

وہ پر اس ایمان لاتے ہیں (۵۲)

بامحاورہ ترجمہ: اور اس سے زیادہ گمراہ کون ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئی ہوئی ہدایت کے بغیر بس اپنی خواہشوں کے پیچھے چلے، بیشک اللہ تعالیٰ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔ (۵۰) اور ہم ان کو پے در پے اپنا کلام بھیجتے رہے ہیں تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔ (۵۱) جن کو ہم نے اس سے پہلے کتاب دی ہے وہ اس پر یقین کرتے ہیں۔ (۵۲)

تفسیر

ارشاد ہے کہ: جو شخص اپنی خواہشوں کے پیچھے لگ گیا اور دن رات انہی کے پورا کرنے میں لگا رہا، اس

سے زیادہ گمراہ اور ٹیڑھا چلنے والا کون ہوگا، دنیاوی خواہشوں کو اسی حد کے اندر پورا کرنا چاہیے، جو اللہ تعالیٰ نے مقرر کردی ہے اور انہیں اسی طرح اور اسی قدر پورا کرنا چاہیے، جتنا اس نے بتادیا ہے اور جتنے کی اجازت دی ہے، مگر افسوس ہے کہ! آدمی اللہ تعالیٰ کے فرمان کو اپنی خواہش کے آگے ٹھکرادیتا ہے۔

ارشاد ہے کہ: ہم نے ان کے پاس اپنے حکم بھیجنے میں کمی نہیں کی، ہم ان کے پاس اپنے پیغمبر اور اپنا کلام لگاتار بھیجتے رہے ہیں، اسی سلسلہ میں اب ہم نے آخری پیغمبر حضرت محمد (ﷺ) بھیجے ہیں، اور اپنی آخری کتاب قرآن انہیں دی ہے، اس میں تمام پہلی امتوں اور پیغمبروں کے صحیح صحیح حالات درج کردیئے ہیں، جنہیں ہماری کتاب پہلے مل چکی ہے وہ اس قرآن پر ضرور ایمان لائیں گے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ: بیشک اللہ تعالیٰ ظالم لوگوں کو ہدایت کا راستہ نہیں سمجھاتا اور وہ ہمیشہ اس سے محروم رہتے ہیں، سیدھا راستہ انہی لوگوں کو نصیب ہوتا ہے جن میں حقیقت کو پانے کی طلب ہوتی ہے، جو لوگ کفر، شرک اور بدعت پر اڑے رہتے ہیں، وہ ہدایت یافتہ نہیں بن سکتے۔ ایسے لوگوں کے متعلق قرآن مجید کا فیصلہ یہ ہے کہ یہ لوگ جس طرف جانا چاہتے ہیں، جس گمراہی کی دلدل میں پھنسنا چاہتے ہم اُدھر ہی کی توفیق دے دیتے ہیں، ان کا بالآخر ٹھکانا دوزخ ہوگا، جو کہ بہت ہی بری جگہ ہے۔ (النسآء: ۱۱۵) غرضیکہ ظلم کی موجودگی میں ہدایت نصیب نہیں ہوسکتی۔

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ: "وَصَّلْنَا" کا لفظ قرآنی آیتوں پر بھی بولا جاسکتا ہے، یعنی: ہم نے قرآن مجید کی آیات کو ایک دوسرے کے بعد نازل فرما کر ان کو آپس میں ملادیا ہے، تیئس (۲۳) سال کے عرصہ میں تھوڑا تھوڑا کر کے قرآن مجید اتارا گیا اور اس کی حکمت یہ بیان فرمائی ہے، ہم نے قرآن کو تھوڑا تھوڑا کر کے اتارا تاکہ لوگوں کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھ کر سنائیں اور ہم نے اس کو آہستہ آہستہ اُتارا ہے۔ (بنی اسرائیل: ۱۰۶) مطلب یہ کہ قرآن پاک کے آہستہ آہستہ اور تھوڑا تھوڑا کر کے اُتارنے میں خاص حکمت ہے، جس طرح طلباء کو تھوڑا تھوڑا سبق دیا جاتا ہے کہ انہیں اچھی طرح یاد ہوجائے، اسی طرح قرآن پاک کو بھی تھوڑا تھوڑا کر کے اتارا گیا ہے، تاکہ لوگ اس کے حکموں کو اچھی طرح سیکھ سکیں، ان پر عمل کرسکیں اور اگر کسی حکم میں کوئی شبہ ہو تو اس

کی وضاحت کر دی جائے۔

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِهٖ: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان اہل کتاب کی تعریف بیان فرمائی کہ جو پہلی کتابوں پر ایمان رکھتے تھے، پھر جب قرآن اترا تو اس کو بھی قبول کیا۔

وہ لوگ جن کو ہم نے کتاب دی تھی (قرآن) سے پہلے وہ اس قرآن پر بھی ایمان رکھتے ہیں، یہودیوں اور عیسائیوں کی اکثریت تو اپنی ضد پر ہی اڑی رہی اور اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق فرمایا: کہ ان کی اکثریت تو نافرمانوں کی تھی، تاہم ان میں بعض پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن پاک پر ایمان بھی لائے (المائدہ:۵۹) مدینہ کے بہت کم یہودی تھے جو ایمان لائے، عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں نے ایمان قبول کیا، وہ بڑے عالم فاضل تھے، ان کے دو بھتیجوں میں سے ایک ایمان لایا، جو علم والا تھا، تمیم داری کا ذکر ملتا ہے، وہ پہلے عیسائی تھا، پھر مسلمان ہوئے، حبشہ کے بادشاہ نجاشی نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی دعوت پر ایمان قبول کیا، جب یہ لوگ مکہ سے ہجرت کر کے حبشہ گئے تھے، نجاشی کے علاوہ کچھ اور لوگوں کو بھی ہدایت نصیب ہوئی، انہوں نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر ایمان قبول کیا، اگر چہ نجاشی خود پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نہ کر سکا، حبشہ کے جن عیسائیوں نے ایمان قبول کیا، تاریخی روایتوں میں ان کی تعداد بیس (۲۰) کے لگ بھگ بتائی جاتی ہے۔

سمجھ داروں کا رویّہ

وَ اِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِهٖٓ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّنَآ

اور جب پڑھی جائے پر ان کہیں ایمان لائے ہم ساتھ اسکے بیشک یہ سچ ہے سے رب ہمارے

اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهٖ مُسْلِمِيْنَ ﴿۵۳﴾ اُولٰٓئِكَ يُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ

تحقیق ہیں ہم سے پہلے اس فرمانبردار (۵۳) یہی لوگ دیئے جائیں گے اپنا ثواب

مَّرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوْا وَ يَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ وَ مِمَّا
دو مرتبہ اس پر کہ جمے رہے اور وہ ٹالتے ہیں ساتھ بھلائی برائی کا اور اس میں سے جو

رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿۵۴﴾ وَ اِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ اَعْرَضُوْا عَنْهُ
رزق دیا ہم نے انہیں خرچ کرتے ہیں (۵۴) اور جب سنتے ہیں فضول بات تو ٹال دیتے ہیں اسے

بامحاورہ ترجمہ:۔اور جب ان کو قرآن پڑھ کر سنایا جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے اس پر، بیشک یہ حق ہے ہمارے پروردگار کی طرف سے، تحقیق تھے ہم اس سے پہلے فرمانبرداری کرنے والے۔(۵۳) یہی لوگ ہیں جو دیے جائیں گے بدلہ دوہرا اس وجہ سے کہ انہوں نے صبر کیا اور ہٹاتے ہیں وہ بھلائی کے ساتھ برائی کو، اور جو کچھ ہم نے ان کو روزی دی ہے اس میں خرچ کرتے ہیں۔(۵۴) اور جب سنتے ہیں وہ کسی بیہودہ بات کو تو اس سے کنارہ کشی کرتے ہیں۔

لفظی تحقیق: يَدْرَءُوْنَ: دور کرتے ہیں، مضارع کا صیغہ ہے، د۔ر۔ء سے "دَرْءٌ" کے معنٰی دور کرنا، دفع کرنا، ہٹانا۔یہاں مطلب یہ ہے کہ وہ اچھائی کے ذریعے بڑائی کو دور کرتے ہیں۔

تفسیر

پہلے ارشاد ہوا کہ: جن لوگوں کو اس سے پہلے کتاب مل چکی ہے، وہ اس قرآن کو سنتے ہی اس پر ایمان لے آئیں گے۔۔آگے ارشاد ہے کہ: جب وہ لوگ جو اس سے پہلے کتابوں سے اچھی طرح واقف ہیں، اس کتاب، یعنی: قرآن کی آیتیں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو پڑھتے ہوئے یا دوسرے مسلمانوں کی زبانی سنتے ہیں تو بے ساختہ کہہ اٹھتے ہیں ہم اس کتاب پر ایمان لائے، یہ سچی کتاب ہے، جو ہمارے رب نے ہمیں عطا کی ہے، ہم تو پہلے ہی سے اس پر ایمان رکھتے ہیں کیونکہ پہلی کتابوں میں اس کا ذکر ہے اور اس کی تصدیق کی گئی ہے، ایسے لوگوں کو اس کا دہرا ثواب ملے گا، ایک تو پہلی کتاب پر ایمان لانے کا اور دوسرے اس کتاب کو مان کر اس پر ایمان لانے کا، ان

لوگوں کا رویہ یہ ہے کہ یہ برائی کا بدلہ بھلائی سے دیتے ہیں یعنی جو بُرا برتاؤ کرے اس سے اچھا برتاؤ کرتے ہیں، گناہ سے فوراً توبہ کرتے ہیں، نیک کاموں میں خرچ کرتے ہیں اور فضول باتوں سے کنارہ کشی اختیار کرتے ہیں۔

اُولٰٓئِكَ يُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوْا: کہ ان کو دہرا اجر دیا جائیگا، اس وجہ سے کہ انہوں نے صبر کیا، وہ اسلام سے پہلے والے دین پر ایمان رکھتے تھے، مگر جب اللہ تعالیٰ کا آخری پیغمبر آ گیا تو اس کو اور اس پر اُترنے والی کتاب کو مانا جس کی وجہ سے انہیں طرح طرح کی تکلیفوں کا سامنا کرنا پڑا، مگر انہوں نے صبر کیا اور اللہ تعالیٰ کے سچے دین پر جمے رہے، یہ لوگ دوہرے اجر کے حقدار ٹھہرے۔

"صحیح بخاری" کی ایک حدیث میں تین لوگوں کا ذکر آتا ہے جن کو دہرا اجر دیا جائیگا، ان میں سے ایک وہ ہے جو پہلے پیغمبر اور پہلی کتاب پر ایمان رکھتا تھا جب اللہ کا آخری پیغمبر آیا، اور اس کی آخری کتاب آئی تو وہ ان پر بھی ایمان لایا، یہ بھی دہرے اجر کا مستحق ہے۔

ہدایت اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے

وَ قَالُوْا لَنَآ اَعْمَالُنَا وَ لَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۡ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ ۡ لَا
اور کہا واسطے عمل ہمارے اور واسطے تمہارے عمل تمہارے سلام ہو پر تم نہیں

نَبْتَغِي الْجٰهِلِيْنَ ۝۵۵ اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَ لٰكِنَّ
چاہئیں ہمیں نا سمجھ لوگ (۵۵) تحقیق آپ نہیں ہدایت دے سکتے جسے (آپ) پسند کریں اور لیکن

اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَ هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ۝۵۶ وَ قَالُوْٓا
اللہ ہدایت دیتا ہے جسے چاہے اور وہی جانتا ہے ان کو جو راہ پر آئیں گے (۵۶) اور کہنے لگے

اِنْ نَّتَّبِعِ الْهُدٰى مَعَكَ نُتَخَطَّفْ مِنْ اَرْضِنَا ؕ
کہ اگر پیروی کریں ہم ہدایت کی ساتھ آپ کے اُچک لیئے جائیں گے سے زمین ہماری

بامحاورہ ترجمہ: ۔اورانہوں نے کہا ہمارے لئے ہمارے عمل اور تمہارے لیے تمہارے عمل سلام ہو تم کو، ہمیں بے سمجھ لوگ نہیں چاہئیں۔(۵۵) آپ جس کو چاہیں راہ پر نہیں لا سکتے لیکن اللہ تعالیٰ جس کو چاہے راہ پر لاتا ہے اور وہی خوب جاننے والا ہے ہدایت پانے والوں کو۔(۵٦) اور کہنے لگے کہ اگر ہم تیرے پیچھے چلیں تو اپنے ملک سے اُچک لیے جائیں گے۔

لفظی تحقیق: نُتَخَطَّفُ: اُچک لیے جائیں گے ہم۔مضارع مجہول ہے۔تَخَطُّفٌ: اٹھا کر لے جانا، کہیں پھینک دینا۔

تفسیر

ارشاد ہے کہ: ایمان والے لوگ فضول باتوں سے بچ کر چلے جاتے ہیں اور فضول کام کرنے والوں سے یہ کہہ کر پیچھا چھڑا لیتے ہیں کہ تمہارے کام تمہارے لیے اور ہمارے کام ہمارے لیے، ہم تمہیں سلام کرتے ہیں، ہمیں معاف رکھو! ہم ان لوگوں سے تعلق نہیں رکھنا چاہتے جو عقل سے کام نہیں لیتے۔

ان آیتوں میں ان چار اہل کتاب کی طرف اشارہ ہے جو حبشہ اور شام سے آئے اور قرآن مجید سنکر اسلام لے آئے، واپسی کے وقت مکہ والوں نے ان پر آوازے کسیں تو انہوں نے یہی جواب دیا جو اس آیت میں ہے، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو رنج ہوتا تھا کہ باہر سے آ کر لوگ اسلام قبول کرتے ہیں اور مکہ میں خود آپ کے رشتہ دار آپ کی بات نہیں مانتے، اس کے بارے میں ارشاد ہے اے محمد! کسی کو راہِ راست پر لے آنا آپ کا کام نہیں، آپ کا کام تو اللہ تعالیٰ کا پیغام لوگوں تک پہنچانے کا ہے، ہدایت وہی پائے گا جسے اللہ تعالیٰ ہدایت کی توفیق دے گا، مکہ کے کافروں کا اسلام قبول نہ کرنے کیلئے ایک بہانہ یہ تھا کہ اگر اے محمد! ہم تمہارا کہنا مان کر تمہارے دین پر چلنے لگیں تو سارے عرب مل کر ہمیں اپنے ملک سے نکال دیں گے۔

وَ قَالُوْا لَنَآ اَعْمَالُنَا وَ لَكُمْ اَعْمَالُكُمْ: اور یوں کہتے ہیں کہ ہمارے لیے ہمارے عمل ہیں اور

تمہارے لیے تمہارے عمل ہیں، ہم تمہارے لغویات میں حصہ نہیں لیتے، تم اپنا کام کرتے رہو، ہم اپنا نیکی کا کام کرتے رہیں گے، یہ لوگ یوں کہہ کر فضولیات سے بچ کر نکلتے ہیں، تم پر سلامتی ہو۔ ہم جاہلوں کو نہیں چاہتے، یعنی: نہ ہم ان کو منہ لگاتے ہیں اور نہ ان سے اُلجھتے ہیں، سلام دو قسم کا ہوتا ہے، ایک ملاقات کا کہ دو مومن آپس میں ملتے وقت "السلام علیکم" کہتے ہیں اور دوسرا جس سے علیحدگی مراد ہوتی ہے کہ ہمارا آپس میں نبھاہ نہیں ہوسکتا، نیک اور بد اکٹھے نہیں چل سکتے، لہٰذا ہم تم سے علیحدگی اختیار کرتے ہیں، جب تم کسی کی بات کو سننے، سمجھنے اور ماننے کے لئے تیار نہیں تو پھر ہمارا اور تمہارا کوئی واسطہ نہیں۔

اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ: جسے آپ چاہیں اُسے سیدھے راستے پر نہیں لاسکتے بلکہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے سیدھے راستے پر لے آتا ہے، ہدایت کرنے کی قدرت تو کسی کو کیا ہوتی اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو اس کا علم تک بھی نہیں، یہ اختیار اُس نے اپنے ہاتھ میں رکھا ہوا ہے اور وہی بہتر جانتا ہے ہدایت پانے والوں کو، اُسے علم ہے کہ ہدایت حاصل کرنیکی صلاحیت کون رکھتا ہے اور کون اس سے محروم ہے۔

صحیح حدیثوں میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابو طالب کا واقعہ ذکر ہے، کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی شدید ترین خواہش کے باوجود اس نے ایمان قبول نہ کیا، ابو طالب کے آخری لمحوں میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اس کے سرہانے موجود تھے، آپ نے آخری کوشش کی اور کہا: اے میرے چچا! "لا الٰہ الا اللہ" کہہ دے میں قیامت کے دن تیرے حق میں گواہی دوں گا، مگر اس نے دعوت قبول نہ کی بلکہ انکار کردیا اور کہا کہ میں اپنے باپ عبد المطلب کے دین پر ہی مرنا چاہتا ہوں، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو بڑا صدمہ ہوا کیونکہ ابو طالب نے زندگی بھر آپ کا ساتھ دیا تھا، آٹھ سال کی عمر میں آپ کو اپنی پرورش میں لیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیغمبری کے دس سال تک آپ کا ساتھ دیتے رہے حتیٰ کہ مکہ کی گھاٹی میں آپ کے خاندان کے ہمراہ تین سال تک نظر بند بھی رہے مگر خاتمہ کفر اور شرک پر ہی ہوا، ایمان قبول نہیں کیا۔

مشرک کے لیے دُعا

جب ابو طالب نے ایمان لانے سے صاف انکار کردیا تو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: تیرے لیے اپنے

رب سے ضرور بالضرور بخشش کی دعا کرونگا، جب تک مجھے اس سے صاف صاف روک نہ دیا جائے۔اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری: نہ تو یہ پیغمبر کی شان ہے اور نہ کسی دوسرے مومن کی کہ وہ مشرکوں کیلئے بخشش کی دعا کریں اگر چہ وہ ان کے قریبی رشتہ دار ہی ہوں، بعد اس کے کہ ان پر واضح ہو گیا کہ یہ لوگ دوزخی ہے۔(التوبہ: ۱۱۳) مطلب یہ کہ اگر کسی کا باپ، بیٹا، بھائی، بیوی، چچا، بھتیجا کوئی بھی ہو اگر اس کا خاتمہ کفر اور شرک پر ہوا ہے تو اس کے لئے بخشش کی دعا کرنا حرام ہے۔ہاں! اس کی زندگی میں اللہ تعالیٰ سے دعا کر سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کو ہدایت نصیب فرمادے اور اگر وہ زندگی میں نہیں مانتا تو پھر مرنے کے بعد پیغمبر کی دعا بھی قبول نہیں، ظاہر ہے کہ جب سیدھے راستے پر لانا پیغمبر کے اختیار میں نہیں ہے۔تو پھر کوئی ولی، بزرگ یا پیر کیا کرسکتا ہے؟ اللہ والوں کا کام سیدھا راستہ بتانا ہے، لوگوں کی تربیت کرنا ہے۔سچ اور جھوٹ کو واضح کرنا ہے، مگر منزلِ مقصود تک پہنچانا اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔

وَ قَالُوْٓا اِنْ نَّتَّبِعِ الْهُدٰى مَعَكَ :اور وہ کہتے ہیں کہ اگر ہم آپ کے ساتھ ہدایت کی پیروی کریں تو ہم اُچک لیے جائیں گے اپنی سرزمین سے یعنی ہم نے ایمان قبول کرلیا تو عرب کے دوسرے قبیلے ہم ہمیں دبوچ کر بوٹیاں نوچ لیں گے، یہ محض ایک بہانہ تھا، وگرنہ ایسی کوئی بات نہ تھی بعض مشرکوں نے خود پیغمبر ﷺ سے بھی عرض کیا کہ ہم جانتے ہیں کہ آپ حق پر ہیں مگر ہم ایمان لاکر سارے عرب کو اپنا دشمن نہیں بنانا چاہتے، چاروں طرف کے قبیلے ہم پر چڑھائی کردیں گے۔

احکام و مسائل

اِنَّكَ لَا تَهْدِیْ :ہدایت کا لفظ دو معنوں کے لئے استعمال ہوتا ہے ایک معنیٰ صرف راستہ دکھانے کے ہیں، جس کے لئے ضروری نہیں کہ جس کو راستہ دکھایا گیا وہ منزل مقصود پر پہنچے اور ایک معنیٰ ہدایت کے یہ بھی آتے ہیں کہ کسی کو راستہ پر لے آنا، جس سے وہ منزل مقصود پر پہنچ جائے۔پہلے معنیٰ کے اعتبار سے تو پیغمبر ﷺ بلکہ

تمام پیغمبروں کا ہادی ہونا اور یہ ہدایت ان کے اختیار میں ہونا ظاہر ہے کیونکہ یہ ہدایت ہی ان کا فرض ہے اگر اس کی ان کو قدرت نہ ہوتو وہ پیغمبری کا فرض کیسے ادا کریں؟ اس آیت میں جو آپ کا ہدایت پر قادر نہ ہونا بیان فرمایا ہے اس سے ہدایت کا دوسرا معنٰی مراد ہے۔ یعنی: منزلِ مقصود پر پہنچا دینا اور مطلب یہ ہے کہ اپنی تبلیغ و تعلیم کے ذریعہ آپ کسی کے دل میں ایمان ڈالدیں اسکو مؤمن بنادیں یہ آپ کا کام نہیں یہ تو حق تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔

وَ قَالُوْٓا اِنْ نَّتَّبِعِ الْهُدٰى مَعَكَ نُتَخَطَّفْ مِنْ اَرْضِنَا: مکہ کے کافر حارث بن عثمان وغیرہ نے اپنے ایمان نہ لانے کی ایک وجہ یہ بیان کی کہ اگرچہ ہم آپ کی تعلیمات کو حق مانتے ہیں مگر ہمیں خطرہ یہ ہے کہ اگر ہم آپ کی ہدایات پر عمل کر کے آپ کے ساتھ ہوجائیں تو سارا عرب ہمارا دشمن ہوجائیگا اور ہمیں ہماری زمین مکہ سے اُچک لیگا۔ (اخرجہ النسائی وغیرہ)

غلط بہانہ

اَوَ لَمْ نُمَكِّنْ لَّهُمْ حَرَمًا اٰمِنًا يُّجْبٰٓى اِلَيْهِ ثَمَرٰتُ كُلِّ
اور کیا نہیں ٹھکانہ دیا ہم نے انہیں حرمت والے امن والے کہ لائے جاتے ہیں طرف اسکی پھل ہر

شَيْءٍ رِّزْقًا مِّنْ لَّدُنَّا وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَ
چیز کے بطور رزق کے سے طرف ہماری اور لیکن اکثر ان کے نہیں جانتے (۵۷) اور

كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍۢ بَطِرَتْ مَعِيْشَتَهَا ۚ فَتِلْكَ
کتنی ہلاک کردیں ہم نے بستیاں کہ اتراتی تھیں معیشت اپنی پر پس یہ

مَسٰكِنُهُمْ لَمْ تُسْكَنْ مِّنْۢ بَعْدِهِمْ اِلَّا قَلِيْلًا ؕ وَ كُنَّا
گھر ان کے نہ آباد ہوئے بعد ان کے مگر تھوڑے اور ہوئے

نَحْنُ الْوٰرِثِيْنَ ﴿۵۸﴾

ہم ہی وارث اس کے (۵۸)

بامحاورہ ترجمہ:۔کیا ہم نے ان کو امن والے حرم میں ٹھکانا نہیں دیا؟ جس کی طرف ہر قسم کے پھل کھینچ لائے جاتے ہیں یہ رزق ہے ہماری طرف سے، پر ان میں بہت سے سمجھ نہیں رکھتے۔(۵۷) اور کتنی بستیاں ہم نے ہلاک کر دیں جو اتراتی تھیں اپنی عیش وعشرت والی زندگی پر اب یہ ان کے گھر ہیں جن میں ان کے بعد کوئی رہائش اختیار نہیں کی گئی سوا معمولی سے زمانے کے، اور آخر کار ہم ہی سب کچھ لینے والے ہوئے۔(۵۸)

لفظی تحقیق: يُجْبٰى اِلَيْهِ: لایا جاتا ہے اس کی طرف۔ يُجْبٰى مضارع مجہول ہے، ج۔ب۔ی سے جَبْیٌ کے معنٰی جمع کرنے اور اکٹھا کرنے کے ہیں۔ مراد یہ ہے کہ پیداوار پھل وغیرہ کھچے چلے آتے ہیں۔ بَطِرَتْ: اتراتے تھے۔ ماضی ہے، ب۔ط۔ر سے بَطَرٌ فخر اور اترانے کو کہتے ہیں۔ مَعِيْشَةٌ: سامانِ زندگی۔

تفسیر

مکہ کے کافروں نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بات نہ ماننے کا یہ بہانہ کیا کہ اگر ہم مسلمان ہو جائیں تو عرب ہمیں اپنے ملک سے نکال دیں گے، اس کا جواب اس آیت میں ارشاد ہے کہ عرب تو کعبہ کا احترام کرتے ہیں اسی کی وجہ سے تم ایک محفوظ مقام میں، اللہ تعالیٰ نے تمہاری حفاظت کا سامان اب بھی کیا ہوا ہے۔ اگر اس کے پیغمبروں کی بات مانو گے تو کیا وہ تمہاری حفاظت چھوڑ دے گا؟ دیکھو اس پُرامن مقام میں ہر جگہ کے پھل کھچے چلے آتے ہیں یہ ہماری طرف سے تمہیں روزی دی گئی ہے، کیا تم اتنی بات سمجھتے نہیں کہ اگر تم ہمارے پیغمبر کی بات مان لو تو آخر کار اللہ تعالیٰ تمہاری حالت اور بھی زیادہ اچھی اور مضبوط کر دے گا۔ سنو! دنیا کے دشمنوں سے کیا ڈرتے ہو اللہ تعالیٰ سے ڈرو جس نے بہت سی بستیاں جو اپنی خوشحالی پر اتراتی تھیں نافرمانی کی وجہ سے تباہ کر ڈالیں یہ ان کے مکان کھنڈر ہوئے پڑے ہیں وہ لوگ اپنا سارا سامان زندگی چھوڑ کر چل بسے اور پھر اس کے مالک اور

وارث ہم ہی ہوئے۔

قرآن مجید اترنے کے ابتدائی زمانے میں عرب میں امن وامان کی حالت اس قدر بدتر تھی، کہ حرمت والے چار مہینے چھوڑ کر آٹھ مہینے تک لوٹ مار کا بازار گرم رہتا کوئی تجارتی راستے محفوظ نہیں تھے ہر طرف ڈاکوؤں کا راج تھا، جونہی کوئی قافلہ ہتھے چڑھ جاتا لوٹ لیا جاتا، مقابلہ ہوتا، قتل وغارت گری ہوتی اور اس طرح سال کا دوتہائی حصہ بدامنی کا شکار رہتا۔ ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم اور رجب یہ چار مہینے ایسے تھے جن میں لوٹ مار اور لڑائی جھگڑا بند ہوتا تھا اور عام طور پر تجارتی قافلے انہی مہینوں میں سفر کرتے تھے، ایک حدیث میں آتا ہے کہ یمن کے اردگرد رہنے والے قبیلہ عبدالقیس کے کچھ لوگ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ہمیں آپ تک پہنچنے میں بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے، ہمارے راستے میں قبیلہ مضر ہے جس کے کافر حرمت والے مہینوں کے علاوہ ہمارے راستے میں ہمیشہ رکاوٹ بنتے ہیں، لہذا آپ ہمیں دین کی کچھ ایسی اصولی باتیں بتادیں تاکہ ہم اس پر عمل کرتے رہیں اور بار بار آپ کی خدمت میں آنا نہ پڑے۔

ساری افراتفری کے باوجود عرب کی سرزمین مکہ ایک محفوظ علاقہ تھا، جہاں امن ہی امن تھا اور کوئی قتل وغارت گری نہیں تھی، بیت اللہ شریف کے احترام کی وجہ سے لوگ سارے حرم شریف کی عزت کرتے تھے۔ اور یہاں کسی قسم کی لڑائی اور لوٹ مار نہیں ہوتی تھی۔ بیت اللہ شریف ہی کا متوالی ہونے کی وجہ سے پورا عرب قریش کا احترام کرتے تھے، اور یہ سارا سال جہاں جانا چاہیں انہیں کوئی روک ٹوک نہیں ہوتی تھی، حتیٰ کہ ان کے تجارتی قافلے بھی حفاظت کے ساتھ اپنی منزل تک پہنچ جاتے تھے۔

ان تمام باتوں کو سامنے رکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے مکہ والوں سے فرمایا کہ تم کہتے ہو کہ اگر ایمان لے آئے تو عرب کے لوگ ہمیں اُچک لیں گے، بھلا یہ تو بتاؤ کہ اب تمہاری حفاظت کون کرتا ہے جبکہ پورے عرب میں لوٹ مار کا بازار گرم ہوتا ہے؟ فرمایا گیا کہ ہم نے تمہیں امن والے حرم شریف میں جگہ نہیں دی؟ جس خدا تعالیٰ نے تمہارے کفر وشرک کے باوجود اس وقت تمہاری حفاظت کا انتظام کر رکھا ہے کیا وہ تمہارے ایمان لانے کے

بعد تمہیں بے یار و مددگار چھوڑ دے گا؟

يُجْبٰٓى اِلَيْهِ ثَمَرٰتُ كُلِّ شَيْءٍ رِّزْقًا مِّنْ لَّدُنَّا: کہ جس کی طرف ہر قسم کے پھل مختلف ملکوں سے کھینچ کھینچ کر لائے جاتے ہیں، مکہ ایک ریگستانی اور پہاڑی علاقہ ہے جہاں نہ کوئی درخت ہے نہ سبزہ، بس! چلچلاتی دھوپ اور تپتے ہوئے پہاڑ ہیں، اس قسم کے علاقے میں ہر قسم کے پھلوں کی بہتات اللہ تعالیٰ کی مدد سے ہی ممکن ہے، یہ دراصل حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کی برکت سے ہے، جو انہوں نے حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا اور اسماعیل علیہ السلام کو اس جگہ آباد کرتے ہوئے کی تھی۔ اے پروردگار! انہیں پھلوں سے روزی دے تاکہ تیرا شکر ادا کریں، (ابراہیم: ۳۷) آپ نے یہ بھی دعا کی کہ اے پروردگار! اس گھر کو امن والا بنادے، یہاں کے رہنے والوں کو پھلوں کا رزق عطا فرما۔ جو ان میں سے ایمان لے آئیں۔ (البقرۃ:۱۲۶)

وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ بَطِرَتْ مَعِيْشَتَهَا: اور کتنی ہی بستیوں کو ہم نے ہلاک کیا جو اپنی معیشت میں اِترا گئی تھیں، مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ عیش و عشرت کی زندگی گزارنے کی وجہ سے غرور و تکبر میں مبتلا ہوچکے تھے، وہ آرام کی زندگی کا شکریہ ادا کرنے کی بجائے اپنی خوشحالی پر اترانے لگے تھے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ہلاک کردیا۔

اللہ تعالیٰ نے مکہ والوں کو خبردار کیا کہ دیکھو! ہم نے بہت سی قوموں کو ہلاک کیا، یہ ان ہلاک ہونے والوں کے گھر ہیں جن میں ان کے بعد بہت کم ہی رہائش اختیار کی گئی ہے، پہلی قوموں کے اکثر محل کھنڈروں میں تبدیلی ہوچکے ہیں، ثمود کی قوم کے کھنڈر آج تک موجود ہیں، مگر وہاں کوئی رہائش نہیں ہے، ان کی قوم کدھر گئی اور ان کی وہ خوشحالی کہ وہ دندناتے پھرتے تھے، وہ کہاں گئی، مگر دیکھو! اللہ تعالیٰ نے انہیں کس طرح ہلاک کیا کسی کو زلزلے کے ذریعے تباہ کیا گیا، کسی پر طوفان بھیجا گیا اور کسی کو ہولناک آسمانی چیخ سے ہلاک کیا گیا۔

اللہ تعالیٰ کا قانون

وَ مَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى حَتّٰى يَبْعَثَ فِيْٓ اُمِّهَا رَسُوْلًا

اور نہیں ہے رب آپ کا ہلاک کرنے والا بستیوں کو یہاں تک کہ بھیج دے میں بڑی بستی انکی ایک پیغمبر

يَّتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ۚ وَ مَا كُنَّا مُهْلِكِي الْقُرٰٓى اِلَّا وَاَهْلُهَا

پڑھ کر سنائے انہیں آیتیں ہماری اور نہیں ہم ہلاک کرنے والے بستیوں کو مگر جب کہ رہنے والے ان کے

ظٰلِمُوْنَ ۝۵۹ وَ مَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا

ظالم ہوں (۵۹) اور جو دیئے گئے ہو تم کوئی چیز پس سامان ہے زندگی دنیا کی کا

وَ زِيْنَتُهَا ۚ وَ مَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَّ اَبْقٰى ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝۶۰ ع ۶ / ۹

اور زینت اس کی کا اور جو پاس ہے اللہ کے وہ بہتر ہے اور پائیدار کیا پس نہیں سمجھتے تم؟ (۶۰)

بامحاورہ ترجمہ: اور آپ کا رب بستیوں کو ہلاک کرنے والا نہیں یہاں تک کہ بھیجے ان کی بڑی بستی میں کسی پیغمبر کو، جو ان کو ہماری آیتیں پڑھ کر سنائے اور ہم نہیں ہلاک کرتے بستیوں کو مگر اس حال میں کہ انکے رہنے والے ظالم ہوتے ہیں۔ (۵۹) اور جو تمہیں کوئی چیز ملی ہے سو وہ دنیا کی زندگانی کا سامان اور اس کی رونق ہے اور جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے سو بہتر ہے اور باقی رہنے والا ہے کیا تمہیں سمجھ نہیں؟ (۶۰)

تفسیر

پہلے ارشاد ہوا کہ: یہ مکہ کے کافر کیسی نادانی کی باتیں کرتے ہیں ان کو اس کا تو خوف ہے کہ عرب ہمارے دشمن ہو جائیں گے اور ہمیں ملک سے نکال باہر کریں گے، حالانکہ اب تک باوجود دشمنی کے وہ ایسا نہیں کر سکے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مکہ کی سرزمین کو احترام والی اور خطرہ سے پاک بنایا ہے، اور یہاں گھر بیٹھے سب جگہ کی پیداوار

کبھی چلی آ رہی ہے، مگر انہیں اللہ تعالیٰ کا خوف نہیں جو ان سے پہلے بہت سی قوموں کو نافرمانی کی سزا میں تباہ کر چکا ہے، ان کی بستیاں ان کے آس پاس ہی کھنڈر پڑی ہوئی ہیں، جن کو دیکھ کر انہیں عبرت حاصل کرنی چاہئے۔

آگے ارشاد ہے کہ: بستیوں کو ہم اس وقت تک برباد نہیں کرتے جب تک ان کی سب سے بڑی بستی میں اپنا پیغمبر نہ بھیج دیں تا کہ وہ سب کو ہماری آیتیں پڑھ کر سنا دے اور حقیقت سے آگاہ کر دے، پھر جب باوجود سمجھانے کے لوگ نہیں مانتے اور زیادتی اور سرکشی میں بڑھتے ہی چلے جاتے ہیں، تو ہم ان کو ہلاک کر دیتے ہیں، ان کو اتنا تو سمجھنا چاہئے کہ دنیا میں ہمیشہ رہنا نہیں موت ایک نہ ایک دن ضرور آنی ہے۔

پھر یہاں کے عیش و آرام کے سامان پر مرے کیوں جا رہے ہو، یہ سامان تو فقط وقتی طور پر فائدہ اٹھانے کے لئے ہے اور یہیں کی زینت ہے یہیں رہ جائے گا، اللہ تعالیٰ کے پاس اس سے بہتر سامان ہے اور ہمیشہ باقی رہنے والا ہے، تم عقل سے کام کیوں نہیں لیتے تا کہ فانی کو چھوڑ کر باقی کو اختیار کرو۔

حَتّٰى یَبْعَثَ فِیْٓ اُمِّهَا رَسُوْلًا: اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر عام طور بڑے شہروں میں بھیجے جاتے رہے ہیں وہ چھوٹے قصبوں و دیہاتوں میں نہیں آئے کیونکہ ایسے قصبے اور دیہات عادۃً شہر کے تابع ہوتے ہیں، اپنی رزق، روزی کی ضروریات میں بھی اور تعلیمی ضروریات میں بھی، اور شہر میں جو بات پھیل جائے اس کا چرچا قصبوں و دیہاتوں میں خود بخود پھیل جاتا ہے؛ اسی لئے جب کسی بڑے شہر میں پیغمبر بھیج دیا اور اس نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے حق کی دعوت پہنچا دی تو یہ دعوت ان قصبوں و دیہاتوں میں بھی پہنچ جاتی ہے اس طرح ان کی لئے پیغمبر نہ بھیجنے کا بہانہ ختم ہو جاتا ہے اور انکار اور جھٹلانے کی گنجائش نہیں رہتی۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ جیسے رزق، روزی کی ضرورتوں میں چھوٹی بستیاں بڑے شہر کے تابع ہوتی ہیں وہیں سے ان کی ضرورتیں پوری ہوتی ہیں، اسی طرح جب کسی حکم کا اعلان شہر میں کر دیا جائے تو اس حکم کی تعمیل اس کے ساتھ لگی ہوئی بستیوں پر بھی لازم ہو جاتی ہے، نہ جاننے یا نہ سننے کا عذر قبول نہیں ہوتا۔

قیامت حق ہے

اَ فَمَنْ وَّعَدْنٰهُ وَعْدًا حَسَنًا فَهُوَ لَاقِيْهِ كَمَنْ مَّتَّعْنٰهُ مَتَاعَ
کیا وہ شخص کہ　وعدہ کیا ہم نے اس سے　وعدہ　اچھا　پس وہ　ملنے والا ہے اس سے　ایسا ہے جسے عطا کیا ہم نے　سامان

الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ثُمَّ هُوَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مِنَ الْمُحْضَرِيْنَ ۝٦١ وَ
زندگی　دنیا کی کے　پھر　وہ　دن　قیامت کے　پکڑ کر حاضر کئے ہوؤں میں سے ہوگا (۶۱)　اور

يَوْمَ يُنَادِيْهِمْ فَيَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ
جس دن　اللہ انہیں پکارے گا　پھر فرمائے گا　کہاں ہیں　شریکیں میرے　جن کے　تھے تم

تَزْعُمُوْنَ ۝٦٢ قَالَ الَّذِيْنَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ رَبَّنَا هٰۤؤُلَآءِ
دعویٰ کرتے　(۶۲)　کہیں گے　وہ کہ　قائم ہو چکے گا　پر جن　الزام　اے رب ہمارے! یہ ہیں

الَّذِيْنَ اَغْوَيْنَا ۚ اَغْوَيْنٰهُمْ كَمَا غَوَيْنَا ۚ تَبَرَّاْنَآ اِلَيْكَ ۫ مَا كَانُوْٓا
وہ لوگ　جنہیں بہکایا ہم نے　بہکایا ہم نے انہیں　جیسے　ہم بہکے　بری ہوئے ہم　آگے آپ کے　نہ　تھے وہ

اِيَّانَا يَعْبُدُوْنَ ۝٦٣ وَ قِيْلَ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ
ہمیں　پوجتے　(۶۳)　اور　کہا جائیگا　پکارو　شریکوں اپنے کو　پس وہ پکاریں گے انہیں　پس نہ

يَسْتَجِيْبُوْا لَهُمْ وَ رَاَوُا الْعَذَابَ ۚ لَوْ اَنَّهُمْ كَانُوْا يَهْتَدُوْنَ ۝٦٤
جواب دیں گے　انہیں　اور　آنکھ سے دیکھ لیں گے　عذاب　کاش کسی طرح　ہوتے وہ　ہدایت یافتہ　(۶۴)

بامحاورہ ترجمہ:۔ پھر ایک شخص جس سے ہم نے اچھا وعدہ کیا اور وہ اس اچھے وعدے کو پانے والا ہے اس کے برابر ہے جس کو ہم نے دنیا کی زندگی کا فائدہ دیا پھر قیامت کے دن وہ پکڑا ہوا آئے گا۔ (۶۱) اور جس دن اللہ تعالیٰ انکو پکاریں گے کہیں گے کہاں ہیں میرے شریک جن کا تم دعویٰ کرتے تھے؟ (۶۲) بولیں گے وہ لوگ

جن پر الزام ثابت ہو چکا ہے اے رب! یہ وہ لوگ ہیں جنہیں ہم نے بہکایا، ہم نے ان کو گمراہ کیا جس طرح ہم خود گمراہ تھے ہم آپ کے سامنے ان کی عبادت سے بیزار ہوئے وہ فقط ہم ہی کو نہ پوجتے تھے۔(۶۳) اور کہا جائیگا پکارو اپنے شریکوں کو پھر وہ انہیں پکاریں گے تو وہ انہیں جواب نہ دیں گے اور وہ اپنی آنکھوں سے عذاب کو دیکھ لیں گے، کاش! وہ ہدایت پا لیتے۔(۶۴)

لفظی تحقیق: مُحْضَرِیْنَ: اِحْضَارٌ سے ہے۔ جس کا معنیٰ پکڑ کر حاضر کرنا۔ حَقَّ عَلَیْهِمُ الْقَوْلُ: کا مطلب ہے جن کے خلاف فیصلہ ہو چکا۔ اَغْوَیْنَا: بہکایا ہم نے۔ "اِغْوَاءٌ" سے ماضی ہے جو، غ۔و۔ی سے بنا ہے "غَیٌّ": گمراہی۔ "اِغْوَاءٌ" گمراہ کرنا، بہکانا۔ تَبَرَّاْنَا: بری ہوئے ہم۔ "تَبَرِّیْ" کے معنیٰ بیزار، لاتعلقی ظاہر کرنا، ذمہ داری قبول کرنے سے انکار کرنا۔

تفسیر

جس شخص نے ہماری اطاعت کی اور ہم نے اس سے بہت اچھا انعام دینے کا وعدہ کیا جو اسے قیامت کے دن ضرور مل کر رہے گا، کیا وہ اس کے برابر ہو سکتا ہے جس نے کچھ دن ہمارے دیئے ہوئے مال سے دنیا میں عیش کیا پھر مر گیا؟ اور قیامت کے دن گرفتار ہو کر ہمارے سامنے مجرم کی حیثیت سے پیش کیا جائیگا؟ قیامت میں اللہ تعالیٰ مشرکوں سے پوچھے گا کیوں! کہاں ہیں وہ تمہارے معبود جنہیں تم ہمارا شریک قرار دیتے تھے؟ ان سب سے پہلے شیطان کے چیلے چانٹے جن کا انسان کے بہکانے میں بڑا ہاتھ ہے بول اٹھیں گے کہ اے رب! یہ وہ لوگ ہیں جن کو ہم نے بہکایا جیسے ہم خود بہکے۔

وَ یَوْمَ یُنَادِیْهِمْ فَیَقُوْلُ اَیْنَ شُرَكَآءِیَ الَّذِیْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ: اور جس دن (ان کا پروردگار) ان کو پکارے گا اور کہے گا، کہاں ہیں میرے وہ شریک جن کے بارے میں تم گمان کرتے تھے کہ یہ تمہاری مشکلات حل کر دیں گے اور تمہاری حاجت روائی کریں گے، تم نے ان کو خدائی میں حصہ دار بنا لیا تھا، اب

بلاؤ تو اُن کو اپنی حمایت میں کہ تمہاری مدد کریں، اب اِن مشرکوں سے تو کوئی جواب نہیں بن پڑے گا، البتہ اُن معبودوں کو حاضر کیا جائے گا جن کی یہ لوگ پوجا کرتے تھے، کہیں گے وہ لوگ جن پر بات ثابت ہو جائے گی، اس سے مراد جھوٹے خدا ہیں جن کی مشرک لوگ پوجا کرتے تھے، وہ جواب دیں گے: اے ہمارے پروردگار! یہی وہ مشرک ہیں جن کو ہم نے گمراہ کیا۔ اِن میں شیطان بھی شامل ہیں جو ہمیشہ انسانوں کو ورغلا کر شرک کی طرف بلاتے رہے۔

احکام ومسائل

حشر کے میدان میں کافروں اور مشرکوں سے پہلا سوال شرک کے متعلق ہوگا کہ جن شیطانوں کو تم ہمارا شریک کہا کرتے تھے اور ان کا کہنا مانتے تھے آج وہ کہاں ہیں۔ کیا وہ تمہاری کچھ مدد کر سکتے ہیں؟ اس کے جواب میں ظاہر یہ تھا یہ مشرک یہ جواب دیں کہ ہمارا کوئی قصور نہیں، ہم نے خود سے شرک نہیں کیا بلکہ ہمیں تو ان شیطانوں نے بہکایا تھا؛ اسلئے اللہ تعالیٰ خود ان شیطانوں کی زبانوں سے کہلوادیں گے کہ ہم نے بہکایا ضرور تھا مگر مجبور تو ہم نے نہیں کیا، اس لئے مجرم ہم بھی ہیں مگر جرم سے بری یہ بھی نہیں، کیونکہ جس طرح ہم نے ان کو بہکایا تھا اسی طرح پیغمبروں اور ان کے نائبوں نے ان کو ہدایت بھی تو کی تھی اور دلیلوں کے ساتھ ان پر حق واضح کر دیا تھا، انہوں نے اپنے اختیار سے پیغمبروں کی بات نہ مانی ہماری مان لی تو یہ کیسے چھوٹ سکتے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ جس شخص کے سامنے حق کی کھلی دلیلیں موجود ہوں اور وہ حق کی طرف دعوت دینے والوں کے بجائے گمراہ کرنے والوں کی بات مان کر گمراہی میں پڑ جائے تو یہ عذر کوئی معتبر نہیں۔

اَغْوَيْنٰهُمْ كَمَا غَوَيْنَا: ہم نے ان کو اسی طرح گمراہ کیا جس طرح خود گمراہ ہوئے، ہم خود کفر، شرک اور گناہوں میں مبتلا تھے تو ان کو بھی اسی راستے کی طرف بلایا، یہ تو دنیا میں ہو چکا۔ اب ہم آپ کے سامنے رُوبرو بیزاری کا اعلان کرتے ہیں ہمارا ان سے کوئی تعلق نہیں، یہ مشرک لوگ ہماری عبادت نہیں کیا کرتے تھے بلکہ اپنی

خواہشوں کے پیچھے چل کر گمراہ ہوئے، لہذا یہ اپنی تباہی کے خود ذمہ دار ہیں۔

اور مشرکوں سے کہا جائیگا کہ آج اپنے معبودوں کو بلاؤ جن کو تم دنیا میں پکارا کرتے تھے، پھر وہ ان کو بلائیں گے، مگر وہ کسی بات کا جواب نہیں دے سکیں گے اور نہ ہی کوئی مدد کر سکیں گے، اس وقت مشرک اور انکے خدا سب بے بس اور لا جواب ہو جائینگے، اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کسی کو بولنے کی ہمت نہیں ہوگی اور وہ عذاب اپنے سامنے دیکھیں گے، اس وقت وہ بالکل مایوس ہو جائیں گے، اور تمنا کریں گے کاش کہ! وہ ہدایت یافتہ ہوتے، دنیا میں گمراہی سے بچ کر سیدھے راستے پر چلتے تو آج یہ دن نہ دیکھنا پڑتا، مگر اس وقت ان کی یہ حسرت کچھ فائدہ نہیں دے گی اور انہیں عذاب کا مزہ چکھنا ہی ہوگا۔

ایک اور سوال

وَ يَوْمَ يُنَادِيْهِمْ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اَجَبْتُمُ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿٦٥﴾ فَعَمِيَتْ

اور جس دن پکارے گا انکو پس فرمائے گا کیا جواب دیا تھا تم نے پیغمبروں کو (۶۵) پس پوشیدہ ہو جائیں گے

عَلَيْهِمُ الْاَنْۢبَآءُ يَوْمَئِذٍ فَهُمْ لَا يَتَسَآءَلُوْنَ ﴿٦٦﴾ فَاَمَّا مَنْ تَابَ

پر ان خبریں اس دن پس وہ نہ پوچھ سکیں گے آپس میں (۶۶) لیکن جس نے توبہ کی

وَ اٰمَنَ وَ عَمِلَ صَالِحًا فَعَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ مِنَ الْمُفْلِحِيْنَ ﴿٦٧﴾

اور ایمان لایا اور کام کیے نیک پس امید ہے کہ ہو وہ سے کامیاب ہونے والوں (۶۷)

بامحاورہ ترجمہ: ۔ اور جس دن اللہ تعالیٰ انہیں پکارے گا تو فرمائے گا: ہمارے پیغمبروں کو تم نے کیا جواب دیا تھا؟ (۶۵) پھر گم ہو جائیں گی ان سے ساری باتیں جو وہ بنایا کرتے تھے (انکو کچھ سوجھائی نہ دیگا) وہ اس دن آپس میں بھی ایک دوسرے سے نہ پوچھ سکیں گے۔ (۶۶) سو جس نے دنیا میں (کفر و شرک سے) توبہ کی اور ایمان لایا اور اچھے عمل کیے تو امید ہے کہ وہ کامیاب ہونے والوں میں سے ہوگا۔ (۶۷)

تفسیر

جب مشرکوں سے اللہ تعالیٰ کے ایک ہونے کے بارے میں پوچھا جائے گا تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان سے کہے گا کہ بولو! تم نے ہمارے پیغمبروں کو جو تمہیں ہمارا پیغام سنانے دنیا میں آئے تھے کیا جواب دیا تھا؟ یہ سوال سُن کر کافروں کے ہوش اُڑ جائیں گے، دنیا میں جو وہ اسلام کے خلاف باتیں بناتے تھے ان میں سے ایک بھی وہاں یاد نہ آئے گی، اتنا ہوش بھی نہ ہوگا کہ آپس میں ایک دوسرے سے پوچھ سکیں کہ اس سوال کا کیا جواب دینا چاہئے، کافروں کی قیامت کے دن یہ حالت بیان کرنے کے بعد ارشاد ہے کہ: آخرت میں نجات کا دارومدار صرف اس پر ہے کہ انسان دنیا میں ہی سرکشی چھوڑے، خواہشوں کا غلام نہ بنے، اللہ تعالیٰ پر سچے دل سے ایمان لائے کسی کو اس کے ساتھ شریک نہ کرے اور اللہ تعالیٰ کے پیغمبر جو اسے نیک کام بتائیں انہیں فوراً مان لے اور جن کاموں کو وہ بُرا کہیں ان کے قریب بھی نہ بھٹکے ایسے لوگوں کو امید رکھنی چاہیے کہ انہیں آخرت میں کامیابی حاصل ہوگی۔

اللہ تعالیٰ ایک ہے

وَ رَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَ يَخْتَارُ ؕ مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ ؕ

اور رب آپ کا پیدا کرتا ہے جو چاہتا ہے اور پسند کرتا ہے نہیں ہے لیے ان کے پسند

سُبْحٰنَ اللّٰهِ وَ تَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۶۸﴾ وَ رَبُّكَ يَعْلَمُ مَا

پاک ہے اللہ اور برتر ہے سے اس وہ شریک کرتے ہیں (۶۸) اور رب آپکا جانتا ہے جو

تُكِنُّ صُدُوْرُهُمْ وَ مَا يُعْلِنُوْنَ ﴿۶۹﴾ وَ هُوَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا

چھپائے ہوئے ہیں سینے ان کے اور جو وہ ظاہر کرتے ہیں (۶۹) اور وہ اللہ نہیں کوئی معبود سوائے

هُوَ ؕ لَهُ الْحَمْدُ فِي الْأُولَىٰ وَالْآخِرَةِ ۚ وَلَهُ الْحُكْمُ وَ

اسکے واسطے اسی کے تعریف ہے میں دنیا اور آخرت اور اسی کے لئے حکومت ہے اور

إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ۝٧٠

طرف اسی کی تم لوٹائے جاؤ گے (۷۰)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور آپ کا رب پیدا کرتا ہے جو چاہے اور فضیلت بخشنے کیلئے چُن لیتا ہے جسے چاہے، پاک ہے اللہ تعالیٰ اور بہت بلند ہے اس سے جسے وہ شریک کرتے ہیں۔(۶۸) اور آپ کا رب جانتا ہے جو ان کے سینوں میں چھپا ہوا ہے اور جو کچھ وہ ظاہر کرتے ہیں۔(۶۹) اور وہی اللہ تعالیٰ ہے اس کے سوا کسی کی بندگی نہیں دنیا اور آخرت میں اسی کی تعریف ہے۔ حکم اسی کے ہاتھ میں ہے اور اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔(۷۰)

تفسیر

ارشاد ہے کہ: انسان اس دھوکے میں مبتلا نہ رہے کہ کسی بات یا کام کی اچھائی یا بُرائی اس کے اپنے فیصلہ پر موقوف ہے، ہرگز نہیں اللہ تعالیٰ ہی نے ہر چیز پیدا کی ہے اور وہی اس کی اچھائی برائی کا فیصلہ کرتا ہے، انسان کی پسند کو اس میں دخل نہیں جو اپنی پسند ہی کو سب کچھ سمجھتا ہے وہ مشرک ہے، اللہ تعالیٰ ہر چیز سے جسے وہ اس کے برابر کا اختیار والا سمجھیں بلند و برتر ہے، وہ ہر ایک کمزوری سے پاک ہے، ہر چیز اس کے علم میں ہے یہاں تک کہ جو انسان کے دل میں پوشیدہ ہے وہ بھی اور جسے وہ ظاہر کرتا ہے وہ بھی سب اسے معلوم ہے اس کے سوا کوئی اس قابل نہیں کہ معبود بن سکے، دنیا اور آخرت کی ہر چیز اس کی حمد و ثنا میں مشغول ہے اور کہہ رہی ہے کہ خوبیاں ساری اسی کے لئے ہیں ہر جگہ اسی کا حکم چلتا ہے۔ تم سب پھر اسی کی طرف واپس لوٹائے جاؤ گے اور اسی کے سامنے کھڑے ہو گے۔

وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَيَخْتَارُ: اس آیت میں مشرکوں کی اس بات کا جواب دیا گیا ہے جو کہتے

تھے: یہ قرآن مکے اور طائف کے بڑے شہروں میں سے کسی ایک شہر کے بڑے آدمی پر کیوں نہیں اتارا گیا؟ یہاں پر بڑے بڑے سردار ہیں جن کے باغ ہیں، نوکر چاکر ہیں، مال تجارت ہے، مویشی ہیں، مگر پیغمبری کیلئے ابوطالب کا یتیم بھتیجا ہی رہ گیا تھا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: پیغمبری کیلئے مالی طور پر مضبوط ہونا ضروری نہیں بلکہ اس مرتبے کیلئے صلاحیت کی ضرورت ہوتی ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہوتا ہے کہ کون اس مرتبہ کے لائق ہے، اللہ تعالیٰ ہی فرشتوں اور انسانوں میں سے جس کو چاہے اونچے مرتبہ کیلئے پسند کرتا ہے۔ (الحج:۷۵) وہی اسکی حکمت کو بہتر جانتا ہے، مخلوق کو اس معاملے میں نہ کوئی اختیار ہے اور نہ ان کے مشورے کی ضرورت پڑتی ہے، تمام اختیار اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں، اسکے سوا کوئی کسی کی مشکل کشائی اور حاجت روائی نہیں کرسکتا، مخلوق میں سے کسی کو کچھ بھی اختیار نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کی قدرت

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ الَّيْلَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ

آپ کہدیں بھلا! بتاؤ تو اگر کردے اللہ اُوپر تمہارے رات ہمیشہ کیلئے تک دن

الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِضِيَآءٍ ؕ اَ فَلَا

قیامت کے کونسا معبود ہے سوا اللہ کے لائے پاس تمہارے کوئی روشنی کیا پس نہیں

تَسْمَعُوْنَ ﴿۷۱﴾ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ النَّهَارَ

سنتے تم (۷۱) کہدیجئے بھلا! بتاؤ تو اگر کردے اللہ اُوپر تمہارے دن

سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِلَيْلٍ

ہمیشہ کیلئے تک دن قیامت کے وہ کونسا معبود ہے سوا اللہ کے جو لے آئے تمہارے پاس رات

تَسْكُنُوْنَ فِيْهِ ؕ اَ فَلَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۷۲﴾

کہ آرام کرو تم میں اس کیا پس نہیں دیکھتے تم (۷۲)

بامحاورہ ترجمہ:۔آپ کہہ دیں! دیکھو اگر اللہ تعالیٰ تم پر ہمیشہ کے لئے قیامت کے دن تک رات رکھ دے کون حاکم ہے اللہ تعالیٰ کے سوا کہ لائے تمہارے پاس روشنی کہیں سے پھر کیا تم سنتے نہیں؟(۷۱) آپ کہہ دیں! دیکھو تو اگر اللہ تعالیٰ تم پر ہمیشہ کے لئے دن رکھ دے قیامت کے دن تک کون حاکم ہے اللہ تعالیٰ کے سوا جو تمہارے پاس رات لائے؟ جس میں تم آرام کرو پھر کیا تم دیکھتے نہیں؟(۷۲)

تفسیر

انسان کی نادانی پر اس آیت میں زبردست تنبیہ کی گئی ہے، جس سے اپنا فوری مطلب نکلتا دیکھتا ہے اسی کی طرف جھک جاتا ہے جو اسے اس کی خواہشوں پر چلنے سے نہ روکے بلکہ نہ روک سکے اسے اپنا معبود بنا بیٹھتا ہے، ارشاد ہے کہ: تم ان سے پوچھو کہ اگر سورج کا نکلنا بند ہوجائے یا اس کی روشنی ماند پڑ جائے اور سارے روشنی کے ذریعے ختم ہوجائیں اور دنیا میں قیامت تک کے لئے ہمیشہ رات ہی چھائی رہے یا اس کے برعکس قیامت تک ہمیشہ دن ہی کا وقت رہے اور آرام وسکون کے لئے رات آئے ہی نہیں تو تمہارے بنائے ہوئے معبودوں میں سے کوئی ہے جو دن یا رات لا سکتا ہے ہرگز نہیں؟ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی میں یہ قدرت نہیں اتنی سی بات بھی تم نہیں سوچ سکتے؟ یا تو اندھے ہو کہ تمہیں خود نہیں سوجھتا یا بہرے ہو کہ بتانے سے بھی نہیں سمجھتے۔

دن رات اللہ تعالیٰ ہی نے بنائے

وَ مِنْ رَّحْمَتِهٖ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ وَ النَّهَارَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ

اور | سے | رحمت اپنی | بنائے | لئے تمہارے | رات | اور | دن | تا کہ آرام کرو تم | میں اس

وَ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۷۳﴾ وَ يَوْمَ

اور | تا کہ طلب کرو تم | سے | فضل اس کے | اور | تا کہ تم | شکر کرو | (۷۳) | اور | جس دن

يُنَادِيْهِمْ فَيَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿۷۴﴾
پکارے گا انہیں پھر فرمائے گا کہاں ہیں شریک میرے جنہیں تم تھے گمان کرتے (۷۴)

وَ نَزَعْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا فَقُلْنَا هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ
اور الگ کرلیں گے ہم سے ہر فرقہ حال بتانے والا پھر کہیں گے ہم لاؤ دلیل اپنی

ع ۵ ۱۰ فَعَلِمُوْٓا اَنَّ الْحَقَّ لِلّٰهِ وَ ضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۷۵﴾
پس جان لیں گے کہ سچ بات اللہ کی ہے اور کھوئی جائیگی سے ان جو کچھ تھے وہ باتیں بناتے (۷۵)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور اپنی مہربانی سے تمہارے لیے رات اور دن بنادیئے کہ رات میں آرام بھی کرو اور دن میں اس کا فضل (رزق) بھی تلاش کرو اور تاکہ تم شکر کرو۔ (۷۳) اور جس دن ان کو پکارے گا تو فرمائے گا کہاں ہیں میرے شریک جن کا تم دعویٰ کرتے تھے۔ (۷۴) اور ہر فرقہ میں سے ہم ایک حال بتانے والا جدا کردینگے، پھر کہیں گے ہم لاؤ اپنی دلیل پھر جان لیں گے کہ اللہ تعالیٰ کی بات سچ ہے اور گم ہوجائیں گی ان سے جو باتیں وہ بناتے تھے۔ (۷۵)

تفسیر

اس آیت میں ارشاد ہے کہ: اللہ تعالیٰ ہی کی مہربانی ہے کہ اس نے دن اور رات کے ایک دوسرے کے بعد باقاعدہ آنے کا انتظام کردیا، تاکہ تم رات کو آرام کرو اور دن کو زندگی گذارنے کے اسباب جو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے تمہارے لئے دنیا میں مہیا کردیئے ہیں تلاش کرنے کے لئے کام کرو پھر ان انعاموں پر شکر کرو۔

پھر آگے ارشاد ہے کہ: ایسی کھلی ہوئی نشانیوں کے بعد اللہ تعالیٰ کا نہ ماننا ہٹ دھرمی ہے، قیامت کو ہم ان سے پوچھیں گے بولو! سارے جھوٹے معبود کہاں ہیں؟ جن کو تم نے بظاہر معبود بنا رکھا تھا، اصل میں تم ان کے نہیں بلکہ صرف اپنی خواہشوں کے غلام تھے۔

قیامت کو ہر پیغمبر اپنی اپنی امت کا سچا حال بتانے کے لئے موجود ہوگا، پھر ہر فرقے سے کہا جائیگا کہ پیغمبروں کے جھٹلانے کی کوئی وجہ بتاؤ، وجہ تو وہ کیا خاک بتاتے، ہاں! انہیں اس کا علم ہوجائے گا کہ اللہ تعالیٰ کی بات سچی تھی اور جو باتیں وہ دنیا میں بنایا کرتے تھے انکے دل ودماغ سے ساری باتیں اتر جائیں گے۔

وَلِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهٖ: اور تاکہ تم (دن کے وقت) اللہ تعالیٰ کا فضل تلاش کرسکو، یعنی: محنت، مزدوری تجارت، کاروبار، کھیتی باڑی وغیرہ کرکے اپنی روزی کا سامان پیدا کرسکو، ظاہر ہے کہ یہ تمام کام دن کی روشنی میں ہی ہوسکتے ہیں اور ہوتے ہیں، لہذا اللہ تعالیٰ نے دن کے کام دھندے کو فضل یعنی روزی حاصل کرنے کا ذریعہ بنایا۔

وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ: اور تاکہ تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکریہ ادا کرسکو، دن کا وقت صرف کھیل کود میں نہ گزار دو، اور نہ ہی رات کو غفلت میں گزار دو بلکہ دونوں وقتوں میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے رہو اور یہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں کو صحیح جگہ اور صحیح موقعہ پر خرچ کیا جائے، اگر ان نعمتوں کا استعمال صحیح نہ کیا تو یہ ناشکری ہوگی، رات بھر نیند میں پڑے رہے اور اللہ تعالیٰ کا ذکر نہ کیا، اور اسی طرح پورا دن کھیل کود میں گزار دیا تو اس کی نعمتوں کی ناشکری ہوگی۔

وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ: جس دن اللہ تعالیٰ ان کافروں اور مشرکوں کو طلب کریگا، اپنے سامنے کھڑا کریگا اور فرمائے گا: کہاں ہیں میرے وہ شریک جن کو تم گمان کرتے تھے کہ یہ ہمارے کام آئیں گے یا ہماری سفارش کرکے ہمیں خدا تعالیٰ سے چھڑا لیں گے؟ اُس وقت کوئی کام نہیں آئے گا۔ کسی کافر اور مشرک کے حق میں نہ کوئی سفارش کریگا اور نہ کسی کی سفارش قبول ہوگی۔

وَنَزَعْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا: ہم ہر امت سے ایک گواہ نکال لائیں گے، ہر امت کا پیغمبر گواہی دینے کے لئے آئے گا اور بتلائے گا کہ ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے دین، شریعت اور حکموں کو کس حد تک مانا، فرشتے بھی انسان کے حق میں یا اس کے خلاف گواہی دیں گے۔ خود انسان کے اپنے اعضاء بھی گواہیں دینگے، اللہ تعالیٰ زبانوں پر مہر لگا دیگا اور ہاتھ پاؤں بول کر گواہی دیں گے کہ یہ شخص دنیا میں کیا کچھ کرتا رہا، اس کے علاوہ

فرمایا: درخت اور پتھر بھی انسان کے حق میں گواہی دیں گے۔

اگر تمہارے پاس کفر و شرک کے حق میں کوئی دلیل ہے تو اسے پیش کرو؟ آج بتلاؤ! کہ تم نے کس طرح حلال کو حرام اور حرام کو حلال کیا؟ تم ساری شرکیہ رسموں کو کس دلیل کی بناء پر ادا کرتے رہے؟ اللہ تعالیٰ کو اپنی ذات اور صفات میں ایک کیوں نہ مانا؟ لاؤ! اگر تمہارے پاس کوئی دلیل ہے؟ مگر اس دن کسی کو بھی دم مارنے کی ہمت نہیں ہوگی اور نہ ہی کوئی دلیل پیش کر سکیں گے۔

وَ ضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ: قیامت والے دن وہ تمام چیزیں گم ہو جائیں گی جو انہوں نے گھڑ کر رکھی تھیں، اُن کے غلط عقیدے، بُری رسمیں اور بیکار چیزیں سب ختم ہو جائیں گی اور اپنے حق میں پیش کرنے کے لئے اُن کے پاس کچھ نہیں ہوگا، انہیں نجات حاصل نہیں ہوگی، کیونکہ نجات کا دارومدار ایمان اور نیکی پر ہے۔

دُنیا پر مغرور نہ ہو

اِنَّ قَارُوْنَ كَانَ مِنْ قَوْمِ مُوْسٰى فَبَغٰى عَلَيْهِمْ ۖ وَ اٰتَيْنٰهُ

تحقیق قارون تھا سے برادری موسیٰ کی پس! ظلم کیا پر ان اور دیئے تھے ہم نے اُسے

مِنَ الْكُنُوْزِ مَاۤ اِنَّ مَفَاتِحَهٗ لَتَنُوْٓاُ بِالْعُصْبَةِ اُولِي الْقُوَّةِ ۗ

سے خزانوں اتنے کہ چابیاں اس کی تھکا دیتی تھیں جماعت والوں قوت

اِذْ قَالَ لَهٗ قَوْمُهٗ لَا تَفْرَحْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِيْنَ ﴿۷۶﴾

جب کہا سے اس قوم اس کی نے مت اترا تحقیق اللہ نہیں پسند کرتا اترانے والوں کو (۷۶)

بامحاورہ ترجمہ:۔ قارون موسیٰ کی قوم میں سے ہی تھا، پھر وہ ان پر زیادتی کرنے لگا اور ہم نے اس کو اتنے خزانے دیئے تھے کہ اس کی کنجیاں اٹھانے سے کئی زور آور مرد تھک جاتے تھے جب اس سے اس کی قوم نے کہا اترا مت، اللہ تعالیٰ اترانے والے کو پسند نہیں کرتے۔ (۷۶)

لفظی تحقیق: تَنُوْء: مضارع کا صیغہ ہے، ن۔و۔ء سے "نُوْءٌ" یہاں مراد ہے کہ اس کی کنجیاں کئی مرد بھی اٹھانے سے عاجز تھے۔

تفسیر

پہلی آیتوں میں انسان سے کہا گیا ہے کہ اپنا دھیان دُنیا سے ہٹائے اور آخرت کی طرف توجہ کرے، دُنیا کچھ دن کی ہے، یہاں کا ساز وسامان، مال ودولت ڈھلتی چھاؤں ہے ہمیشہ رہنے والی دولت وہ ہے جو اللہ تعالیٰ آخرت میں اپنے فرمانبردار بندوں کو عطا فرمائے گا، اسی بات کو سمجھانے کے لئے یہاں قارون کا قصہ بیان کیا گیا ہے، قارون بنی اسرائیل ہی میں سے تھا، جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم تھی، اسکے پاس اس قدر دولت تھی کہ اس کی تجوریوں کی کنجیاں کئی ہٹے کٹے آدمی اٹھا کر لے چلتے تو تھوڑی دیر میں تھک جاتے۔

اتنی دولت پائی تو اپنے کو بڑا سمجھنے لگا اور فخر کرنے لگا قوم کے سمجھدار لوگوں نے کہا کہ مال دار ہونے پر مت اترا، اللہ تعالیٰ کو وہ لوگ اچھے نہیں لگتے جو اپنے مال ودولت پر فخر کریں اور دوسروں کو گھٹیا جانیں۔

فرعون اور اسکی قوم کے سمندر میں ڈوب مرنے کے بعد بھی قارون اپنی قوم بنی اسرائیل کے ساتھ ہی رہا، "تورات" پڑھتا تھا اور ظاہری طور پر موسیٰ علیہ السلام پر ایمان بھی رکھتا تھا، مگر آپ کی دینی اور دنیاوی سرداری اور آپ کی پیغمبری کی وجہ سے حسد کرنے لگا، کہنے لگا: موسیٰ اور ہارون تو دونوں پیغمبر بن گئے، دین اور دنیا کی سرداری اِن دونوں بھائیوں نے سنبھال لی مگر اتنی مال ودولت کے باوجود میری تو کوئی عزت نہ ہوئی، اِدھر یہ حسد پیدا ہوا، اور اُدھر موسیٰ علیہ السلام نے اُسے کل مال کا ایک چوتھائی زکوٰۃ ادا کرنے کے لئے کہا، اِس پر قارون اور بھی جل بھن گیا، کہنے لگا میں نے یہ دولت اپنے علم وہنر کی بناء پر حاصل کی ہے، اب یہ میری دولت بھی زکوٰۃ کے نام سمیٹنا چاہتا ہے، وہ شخص پہلے ہی متکبر تھا، مال ودولت کو جاتا دیکھتا تو اور غصے سے بھر گیا اور صاف انکار کر دیا کہ ہم موسیٰ علیہ السلام کے حکموں کی پابندی نہیں کر سکتے۔

یہی صورتِ حال خود پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پیش آئی، مکّے میں ابو جہل اور ابولہب جیسے بڑے بڑے سردار تھے، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغمبری کے دعوی سے غضبناک ہو گئے اور کہنے لگے کہ اگر پیغمبری اِس کو مل گئی تو ہمارے پاس کیا رہ گیا؟ حاجیوں کی خدمت پر پہلے بنی ہاشم قابض ہیں، اب پیغمبر بھی اسی خاندان سے بن گیا تو ہماری سرداری کا تو جنازہ نکل گیا، چنانچہ انہوں نے حسد اور غرور کی بناء پر آپ کی پیغمبری کا انکار کر دیا، اِسی طرح قارون بھی موسیٰ علیہ السلام کا مخالف ہو گیا، اور اُن کے خلاف طرح طرح کے الزام لگانے لگا، اس طرح اس نے بنی اسرائیلیوں کے خلاف سرکشی کی۔

وَاٰتَيْنٰهُ مِنَ الْكُنُوْزِ: مطلب یہ کہ اس کے خزانوں کی الماریوں اور صندوق وغیرہ کی چابیاں اس قدر تھیں کہ بہت سے لوگ مل کر بھی بمشکل اٹھاتے تھے، عصبہ کا لفظ تین (۳) سے دس (۱۰) افراد کی جماعت پر بولا جاتا ہے۔

بہرحال قارون کی ٹھاٹھ باٹھ، اُس کے چال چلن اور غرور وتکبر کو دیکھ کر اس کی اپنی قوم نے اس کو سمجھانے کی کوشش کی اور نصیحت کی کہ اس مال ودولت پر اتراؤ نہیں۔ "فرح" کا معنیٰ اترانا بھی ہوتا ہے۔ اور خوش ہونا بھی، لوگوں نے کہا کہ اس عارضی مال کی وجہ سے نہ تو غرور وتکبر میں مبتلا ہو اور نہ ہی اس پر خوش ہو، ایسا کرنا حرام ہے، ضد اور حسد کو چھوڑ دو اور موسیٰ علیہ السلام کی مخالفت سے باز آ جاؤ، اسرائیلی اور تفسیری روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ قارون کے ساتھ اڑھائی تین سو آدمی ہر وقت رہتے تھے، یہ اس کے حامیوں کا خصوصی دستہ تھا، جن کا کام صرف ہاں میں ہاں ملانا تھا، یہ لوگ قارون کو غلط مشورے دے کر اس کے غرور میں اضافہ کا باعث بنتے تھے، لوگوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس قدر دولت عطا کی ہے تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو، اور اس کے راستے میں خرچ کرو، یاد رکھو! بیشک اللہ تعالیٰ کی نعمت پا کر تو خوش ہونا چاہیئے نہ کہ اکڑ دکھانی چاہیئے۔

نازیبا حرکتیں

وَ ابْتَغِ فِيمَآ اٰتٰىكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ وَ لَا تَنْسَ
اور جستجو کر اس میں جو دیا تجھے اللہ نے اس گھر کی جو آگے آنے والا ہے اور مت بھول

نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَ اَحْسِنْ كَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ
حصہ اپنا سے دنیا اور نیکی کر جیسے نیکی کی اللہ نے ساتھ تیرے

وَ لَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْاَرْضِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ
اور مت طلب کر خرابی ڈالنا میں زمین تحقیق اللہ نہیں پسند کرتا

الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۷۷﴾ قَالَ اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ عِنْدِيْ ؕ
خرابی ڈالنے والوں کو (۷۷) کہنے لگا یہ تو مجھے دی گئی ایک ہنر سے جو پاس ہے میرے

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور جو تجھ کو اللہ تعالیٰ نے دیا ہے اس سے آخرت کما لے اور دنیا میں سے اپنا حصہ مت بھول اور بھلائی کر جیسے اللہ تعالیٰ نے تیرے ساتھ بھلائی کی اور ملک میں خرابی مت پھیلا اور اللہ تعالیٰ کو فسادی پسند نہیں آتے۔(۷۷) (قارون نے) کہا یہ مال تو مجھے اس ہنر سے ملا ہے جو میرے پاس ہے۔

تفسیر

بعض لوگ پیسہ والے ہوتے ہی اوچھا پن دکھانے لگتے ہیں ان میں اتنا حوصلہ نہیں ہوتا کہ دوسروں کو اپنے طرز عمل سے تنگ نہ کریں، اول تو وہ سمجھنے لگتے ہیں کہ جو کچھ ہے بس دنیا ہی ہے، ہنسی، دل لگی، تماشے، بدکاری، لذیذ کھانے، شراب نوشی غریبوں کی توہین، بدمعاشوں کو یار بنانا اور ان کو قتل و غارت، اغواء اور دوسروں پر دھونس جمانے کے لئے اپنا آلۂ کار بنانا، غرض جو جی چاہے کرنا، یہی تو دولت مندوں کے شغل رہے اور ہیں، قارون میں

یہ سب کچھ تھا، عقلمندوں نے اسے سمجھایا کہ دیکھ ایک دن مرنا ہے، اس دولت سے کچھ آخرت بھی کما لے، دنیا میں تھوڑے ہی دن رہنا ہے، آخرت کی زندگی ہمیشہ کی زندگی ہے، اللہ تعالیٰ نے تجھ پر احسان کیا ہے، تو بھی اس کی مخلوق سے نیک سلوک کر، اپنے گردحمایتی کر کے ملک میں فساد مت پھیلا، اللہ تعالیٰ کو فساد پھیلانے والے پسند نہیں، فسادی ایک نہ ایک دن تباہ ہو کر رہیں گے۔

قارون نے سنکرو ہی جواب دیا جو آج بھی دولت مندوں کی زبان پر ہے اس نے کہا، تم مجھے نصیحت کرنے والے کون ہوتے ہو، یہ دولت تو میں نے اپنے اس ہنر سے کمائی ہے جو میرے پاس ہے اور اب تم کہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے دی ہے ایسا ہی تھا تو تمہیں کیوں نہ دے دی۔

اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ عِنْدِيْ : یہاں علم سے شریعت کا علم مراد نہیں بلکہ یہاں علم سے مراد معاشی تدبیروں کا علم ہے، مثلاً: تجارت وصنعت وغیرہ کا جن سے مال حاصل ہوتا ہے اور مطلب یہ ہے کہ جو مال مجھے حاصل ہوا ہے اس میں اللہ تعالیٰ کے احسان کا کیا دخل ہے یہ تو میں نے اپنی ہوشیاری اور ہنرمندی کے ذریعہ حاصل کیا ہے اور جاہل نے یہ نہ سمجھا کہ یہ ہوشیاری اور ہنرمندی اور صنعت یا تجارت کا تجربہ اور علم بھی تو اللہ تعالیٰ ہی کا دیا ہوا تھا اسکا کوئی ذاتی کمال تو نہ تھا۔

قارون کی نادانی

اَوَلَمْ يَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَهْلَكَ مِنْ قَبْلِهٖ مِنَ الْقُرُوْنِ

اور کیا نہ | جانا | کہ | اللہ | تباہ کر چکا ہے | سے | پہلے اس | کتنی | جماعتیں

مَنْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُ قُوَّةً وَّ اَكْثَرُ جَمْعًا ؕ وَ لَا يُسْـَٔلُ

ایسی کہ | وہ | زیادہ سخت تھیں | سے اس | قوت میں | اور | بڑھی ہوئی تھی مال کے لحاظ سے | اور | نہ | پوچھے جائیں گے

عَنْ ذُنُوْبِهِمُ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۷۸﴾ فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ فِيْ زِيْنَتِهٖ ؕ

سے | گناہوں ان کے | جرم کرنے والے (۷۸) | پس نکلا | سامنے قوم اپنی کے | میں | ٹاٹھ باٹ اپنے

بامحاورہ ترجمہ: کیا اس نے یہ نہ جانا کہ اللہ تعالیٰ اس سے پہلے کتنی جماعتیں ہلاک کر چکا ہے جو اس سے زیادہ تھیں مال میں اور پارٹی میں، اور مجرموں سے ان کے جرموں کے بارے میں نہیں پوچھا جائے گا۔

(۷۸) پھر اپنی قوم کے سامنے بڑے ٹھاٹھ باٹ سے نکلا۔

تفسیر

قوم کے سمجھداروں نے قارون کو سمجھایا کہ مانا تیرے پاس دولت بہت ہوگئی ہے اور بہت سا مال تیرے ہاتھ لگ گیا ہے، لیکن اس کے معنیٰ یہ نہیں کہ تو اس پر اتراتا پھرے، دولت ہے تو اس کو ناداروں کی مدد کرنے میں خرچ کر، تجھے اللہ تعالیٰ نے مال دیا یہ اس کا احسان ہے اس کے بدلے تو اوروں کے ساتھ احسان کر، قارون ناک بھوں چڑھا کر بولا، بس جی بس! یہ اپنی نصیحت رہنے دو، یہ دولت کسی کے باپ کی نہیں، میں نے اپنے ہنر سے کمائی ہے، افسوس کہ! وہ دولت کے نشہ میں اللہ تعالیٰ کو بھول گیا۔

ارشاد ہے کہ: نادان یہ نہ سمجھا کہ اللہ تعالیٰ اس سے پہلے سرکشوں کو تباہ کر چکا ہے، جو تخت و تاج کے مالک تھے اور جن کے پاس دولت چاروں طرف سے کھچی چلی آتی تھی، لشکر بھی بے شمار تھے، آخر اللہ تعالیٰ نے پلک جھپکنے میں ان کو ہلاک کر دیا، نہ وہ سلطنت رہی اور نہ وہ دولت، جن لوگوں نے گناہ کو گناہ نہ سمجھا اور پیغمبروں کی بات ٹھکرا دیا، ان سے ان کے گناہوں کی بابت پوچھنا بے کار ہے، وہ کھلم کھلا مجرم ہیں، پھر مجرموں سے سوال کی کیا ضرورت، اگر سوال ہوگا بھی تو جرم ثابت کرنے کے لئے نہیں، بلکہ ان کو عار دلانے اور شرمندہ کرنے لیے ہوگا۔

قارون نے سمجھانے والوں کی ایک نہ سنی اور ایک دن خاص طور پر بڑی شان و شوکت سے اپنی آرائش اور زیبائش کے ساتھ بن سنور کر بڑے ٹھاٹھ سے نکلا۔

اَوَلَمْ یَعْلَمْ اَنَّ اللّٰہَ قَدْ اَهْلَكَ مِنْ قَبْلِهٖ مِنَ الْقُرُوْنِ مَنْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُ قُوَّةً وَّ اَكْثَرُ جَمْعًا: کہ اس سے پہلے ہم نے کتنی ہی قوموں کو ہلاک کر دیا جو ان سے طاقت میں بھی زیادہ تھے اور افرادی قوت

کے لحاظ سے بھی زیادہ تھے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: قارون تو ایک عام پبلک کا آدمی ہے، کسی سلطنت کا مالک بھی نہیں، محض مال ودولت پر اترا رہا ہے، ہم نے عاد کی قوم، ثمود کی قوم، نوح کی قوم، ابراھیم کی قوم، لوط کی قوم، کلدانیوں اور مصریوں جیسی بڑی ترقی یافتہ قوموں کو تباہ وبرباد کردیا۔ بلاشبہ وہ قارون کی نسبت ہر لحاظ سے طاقتور تھے، سلطنتوں کے مالک تھے، ان کے پاس فوجیں تھیں، دُنیا کی ہر چیز میسّر تھی، مگر جب انہوں نے سرکشی کی، غرور کیا، تو ہم نے انہیں دنیا سے مٹادیا۔

مکے کے مشرکوں کو بھی یہ بتانا مقصد ہے کہ وہ بھی مال ودولت اور نفری پر غرور نہ کریں بلکہ حقیقت کو پہچاننے کی کوشش کریں، ورنہ ان کا انجام بھی قارون اور دوسری قوموں جیسا ہوگا۔

دنیا کے چاہنے والے

قَالَ الَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا يٰلَيْتَ لَنَا مِثْلَ

کہنے لگے وہ لوگ چاہتے تھے زندگانی دنیا کی اے کاش! ہوتا لیے ہمارے ایسا

مَآ اُوْتِيَ قَارُوْنُ ۙ اِنَّهٗ لَذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ ﴿۷۹﴾ وَ قَالَ الَّذِيْنَ

جو دیا گیا قارون تحقیق وہ البتہ والا نصیب بڑے (۷۹) اور کہا ان لوگوں نے جو

اُوْتُوا الْعِلْمَ وَيْلَكُمْ ثَوَابُ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّمَنْ اٰمَنَ وَ عَمِلَ

دیے گئے تھے سمجھ افسوس ہے تم پر ثواب اللہ کے ہاں بہتر ہے لیے اس کے جو ایمان لایا اور کام کیا

صَالِحًا ۚ وَ لَا يُلَقّٰهَآ اِلَّا الصّٰبِرُوْنَ ﴿۸۰﴾

اچھا اور نہیں دیا جاتا مگر صبر کرنے والوں کو (۸۰)

بامحاورہ ترجمہ:۔ جو لوگ دنیا کی زندگی کے چاہنے والے تھے کہنے لگے کاش! ہم کو بھی ایسا مال ملے جیسا قارون کو دیا گیا، بیشک وہ بڑی قسمت والا ہے۔ (۷۹) اور جن لوگوں کو علم عطا کیا گیا تھا وہ بولے افسوس ہے تم

پر اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا ثواب بہتر ہے اس کے لئے جو ایمان لایا اور اچھا کام کیا، اور نہیں دی جاتی یہ چیز مگر جو صبر کرنے والے ہیں۔(۸۰)

لفظی تحقیق: یُلَقّٰی: دیا جاتا۔ مضارع مجہول ہے "تَلْقِیَۃٌ" سے جو باب تفعیل کا مصدر ہے، ل۔ق۔ی سے "لِقْیٌ" کے معنیٰ ملنا۔

تفسیر

قارون کی شان وشوکت دیکھ کر دنیا کے چاہنے والوں کے منہ میں پانی بھر آیا، کہنے لگے کیا ہی اچھا ہوتا ہمیں بھی ایسا ہی مال اور ساز وسامان نصیب ہوتا جیسے قارون کو دیا گیا ہے، یہ بڑا ہی قسمت والا ہے، بڑے نصیب والا ہے، اس کے سارے ارمان پورے ہوئے بڑے مزے سے زندگی گزارتا ہے ان کا یہ حال دیکھ کر ان لوگوں نے کہا جن کو علم دیا گیا تھا، یہ تم کیا کہہ رہے ہو اس عارضی چمک دمک میں کیا رکھا ہے یہ کتنے دن کی ہے؟ اللہ تعالیٰ کے فرمانبرداروں کیلئے اللہ تعالیٰ کے ہاں جو آرام وراحت تیار ہے اس کے آگے یہ کیا چیز ہے؟ مچھر کے پَر کے برابر بھی نہیں، لیکن وہ تو ان لوگوں کو نصیب ہوگا جو دنیا میں صبر کرنے والے ہیں اور دنیا داروں کی سی زندگی کی تمنا نہیں کرتے۔

قَالَ الَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا۔ کہا ان لوگوں نے جو دنیا کی زندگی کے ہی خواہشمند تھے، اکثر لوگ ایسے ہی ہوتے ہیں جو دنیا کی زیب وزینت اور ٹھاٹھ باٹھ پر ہی فریفتہ ہوتے ہیں اور وہ اسی کو سب کچھ سمجھتے ہیں، قارون کو اس حالت میں دیکھ کر ان کے منہ میں بھی پانی بھر آیا اور کہنے لگے، کاش کہ! ہمیں بھی وہی کچھ حاصل ہوتا جو قارون کو دیا گیا ہے، دیکھو! یہ کتنا خوش قسمت آدمی ہے جسے دنیا کی ہر شان وشوکت حاصل ہے، کاش! ہمیں بھی یہ چیزیں میسر آتیں۔

مفسرین کرام بیان کرتے ہیں کہ: قارون کی ہلاکت موسیٰ علیہ السلام کے خلاف ایک سازش کرنے کے نتیجے

میں ہوئی، ایک موقع پر موسیٰ علیہ السلام لوگوں کے سامنے مختلف جرموں کی سزائیں بیان کر رہے تھے کہ جس نے چوری کی اس کے ہاتھ کاٹ دیے جائیں گے اور جس نے کسی عورت کے ساتھ بدکاری کی اس کو کوڑے مارے جائیں گے یا پتھر مار مار کر ہلاک کیا جائیگا۔ قارون کسی ایسے ہی موقعہ کی تلاش میں تھا، اس نے اپنے ساتھیوں سے مل کر ایک سازش تیار کر رکھی تھی، ایک بدکار عورت کو سونے کی اشرفیوں کا تھال بھر کر اس مقصد کے لیے دیا تھا کہ وہ مجمع میں موسیٰ علیہ السلام پر بدکاری کی تہمت لگا دے، چنانچہ اس موقعہ پر اس عورت کو بلایا گیا، بہت سے لوگ جمع تھے، جنہیں موسیٰ علیہ السلام وعظ کر رہے تھے، عین اس وقت قارون نے موسیٰ علیہ السلام سے سوال کیا کہ ہر مجرم کی یہی سزا ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں! پھر قارون نے پوچھا کہ اگر آپ بھی بدکاری کریں تو کیا آپ کو بھی یہی سزا دی جائے گی؟ آپ نے کہا: ہاں! اتنے میں اس بدکار عورت کو اشارہ کیا گیا جس نے عام مجلس کے دوران موسیٰ علیہ السلام پر اپنی بدکاری کی تہمت لگا دی، اس جھوٹی تہمت سے موسیٰ علیہ السلام سخت پریشان ہوئے، مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہمت عطا فرمائی آپ نے اس عورت کو قریب بلایا اور فرمایا: تجھے قسم ہے! اس ذات کی جس نے مجھ پر "تورات" اتاری ہے، جس نے بحر قلزم میں بنی اسرائیل کے لئے راستے بنا دیے اور جس نے فرعون کو غرق کیا، سچ سچ بتاؤ کہ تم نے یہ الزام کیوں لگایا ہے، وہ عورت کہنے لگی جب آپ نے مجھے اللہ کی قسم دی اب بس سچ ہی کہونگی اس نے کہا کہ قارون اور اس کی ساتھیوں نے اشرفیوں کا تھال دے کر اُس سے یہ الزام لگوایا ہے، جب حقیقت واضح ہوگئی تو موسیٰ علیہ السلام منبر سے نیچے اُتر آئے اور نہایت رُو رُو کر اللہ تعالیٰ کے سامنے دُعا کی کہ اے میرے رب! یہ لوگ حد سے گزر گئے ہیں، اب آپ ہی ان سے انتقام لیں، چنانچہ اسی مجلس میں اللہ تعالیٰ کے قہر وغضب کا حکم آ گیا کہ ان نافرمانوں کو ابھی زمین نگل لے گی، چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے اعلان کیا کہ جو شخص قارون کی اس کمینہ حرکت کو ناپسند کرتا ہے وہ اس سے الگ ہو کر ہمارے ساتھ شامل ہو جائے کیونکہ اب اس پر اللہ کا عذاب اترنے والا ہے، چنانچہ مفسرین بیان کرتے ہیں کہ: لوگوں کی اکثریت نے قارون سے علیحدگی اختیار کر لی اور اس کے ساتھ چند افراد رہ گئے جو اس

کے گھر والے یا اس کے حامی تھے۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے قارون کے مکانات جن میں مال و دولت جمع کر رکھا تھا، زمین میں دھنسنے لگے، اس کے ساتھ قارون اور اس کے حامی بھی زمین میں دھنسا دیئے گئے، جو قیامت تک دھنستے ہی چلے جائیں گے۔

عبرت ناک انجام

فَخَسَفْنَا بِهٖ وَ بِدَارِهِ الْاَرْضَ قف فَمَا كَانَ لَهٗ مِنْ فِئَةٍ

پس دھنسا دیا ہم نے ساتھ اسکے اور ساتھ گھر اسکے زمین میں پس نہ ہوئی واسطے اسکے کوئی جماعت

يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۗ وَ مَا كَانَ مِنَ الْمُنْتَصِرِيْنَ ﴿۸۱﴾ وَ

کہ مدد کرتی اُس کی آگے اللہ کے اور نہ ہوا وہ اپنی آپ مدد کرنے والوں میں (۸۱) اور

اَصْبَحَ الَّذِيْنَ تَمَنَّوْا مَكَانَهٗ بِالْاَمْسِ يَقُوْلُوْنَ وَيْكَاَنَّ اللّٰهَ

لگے وہ لوگ جو تمنا کر رہے تھے اس کے درجہ کی کل کہتے ہیں اب کھل گیا ہے کہ اللہ

يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَ يَقْدِرُ ۚ

کشادہ کر دیتا ہے رزق جس کے لئے چاہتا ہے سے بندوں اپنے پر اور تنگ کر دیتا ہے

بامحاورہ ترجمہ:۔ پھر ہم نے اسے اور اس کے گھر کو زمین میں دھنسا دیا پھر اس کی کوئی جماعت نہ ہوئی جو اس کی مدد کرتی اللہ تعالیٰ کے سوا، اور نہ وہ خود انتقام لے سکا۔ (۸۱) اور جو کل اس کے درجہ کی آرزو کر رہے تھے صبح اُٹھ کر کہنے لگے ہائے کم بختی! یہ تو اللہ تعالیٰ جس کے لئے اپنے بندوں میں چاہے رزق کھول دیتا ہے اور جس کا رزق چاہے تنگ کر دیتا ہے۔

لفظی تحقیق: وَيْكَاَنَّ: اب سمجھ میں آیا۔ یہ کلمہ عربی میں ایسی جگہ بولتے ہیں جہاں ہم اپنی زبان میں کہتے ہیں، دیکھا اب پتہ چلا۔ بعض کہتے ہیں: "وَيْكَ" الگ ہے جس کے معنیٰ وہی ہے جو۔ "وَيْلَكَ" کے ہیں

یعنی: ہائے کم بختی! ہائے خرابی! اور "اَنَّ" الگ ہے، جس کے معنٰی یہ ہیں، یہ بات ہے دونوں صورتوں میں مطلب ایک ہی نکلتا ہے۔

تفسیر

قارون دولت کے نشے میں نہ سمجھ سکا کہ دنیا پر جس کا اختیار ہے وہ میں نہیں ہوں بلکہ اللہ تعالیٰ ہے کسی کی کیا ہستی ہے جو اس کے سامنے دم مار سکے، ارشاد ہے کہ: ہم نے اسے اس کے گھر بار اور خزانوں سمیت زمین میں دھنسا دیا، پھر اسے نہ اس کے حمایتی بچا سکے اور نہ وہ اپنے آپ بچ سکا، سچ ہے! اللہ تعالیٰ کے آگے کسی کی نہیں چلتی اس کا دھنسا دیکھ کر وہی لوگ جو کل تک اس جیسا دولت مند ہونے کی تمنا کر رہے تھے، بول اٹھے! بات تو یہ نکلی کہ اللہ تعالیٰ اپنی حکمت سے اپنے بندوں میں سے جسے چاہے بہت سا دے جسے چاہے کم دے، دولت مندی اس بات کی نشانی نہیں کہ دولت مند اللہ تعالیٰ کو بھی پسند ہے۔

فَخَسَفْنَا بِهٖ وَبِدَارِهِ الْاَرْضَ: پھر دھنسا دیا ہم نے قارون کو اور اس کے گھر کو زمین میں، مطلب یہ کہ جن مکانات میں اس نے خزانے جمع کر رکھے تھے، قارون کے ساتھ وہ بھی زمین میں دھنسا دیے گئے اور اس طرح نہ وہ خود باقی رہا اور نہ اس کا مال و دولت، اللہ تعالیٰ نے خزانوں کو بھی زمین میں غرق کر دیا تا کہ کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ موسیٰ علیہ السلام اس کی ہلاکت کے بعد قارون کے خزانوں پر قبضہ کرنا چاہتے تھے، حالانکہ یہ تو اس کی اپنی غلط کاروائی کا نتیجہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے عبرت ناک سزا دی، اس کی حالت یہ تھی کہ اللہ کے سوا کوئی گروہ اس کی مدد کرنے والا نہیں تھا۔

اور نہ وہ کسی سے انتقام لینے کی طاقت رکھتا تھا، وہ ہاتھ ملتا ہوا زمین میں دھنس گیا۔

حقیقتِ حال

لَوْ لَآ اَنْ مَّنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا لَخَسَفَ بِنَا ؕ وَيْكَاَنَّهٗ لَا يُفْلِحُ

اگر نہ ہوتا کہ احسان کیا اللہ نے پر ہم البتہ دھنسا دیتا ہمیں بھی بات یہ ہے کہ نہیں کامیاب ہوتے

ع ۸ / ۱۱

الْكٰفِرُوْنَ ﴿۸۲﴾ تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ

کافر (۸۲) یہ گھر آخرت کا ہم کر دیں گے واسطے ان لوگوں کے جو نہیں چاہتے

عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا ؕ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۸۳﴾

بڑا بننا میں زمین اور نہ فساد اور نیک انجام ڈرنے والوں کا ہے (۸۳)

بامحاورہ ترجمہ: ۔ اگر اللہ تعالیٰ ہم پر احسان نہ کرتا تو ہمیں بھی دھنسا دیتا بات یہ ہیکہ کافر کامیاب نہیں ہوتے ۔ (۸۲) یہ آخرت کا گھر ہے، ہم ان لوگوں کو دیں گے جو ملک میں دوسروں پر اپنی بڑائی نہیں چاہتے اور نہ بگاڑ ڈالتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والوں کا انجام اچھا ہوگا۔ (۸۳)

تفسیر

قارون کو جب لوگوں نے اس کے مال اور گھر سمیت دھنستے دیکھا تو ان لوگوں کی جو کل تک اسی جیسا خوش حال اور مال دار ہونے کی تمنا کر رہے تھے آنکھیں کھلیں اور بولے کہ ہم غلط سمجھتے تھے کہ دنیا کی مال و دولت اور ٹھاٹھ بھاٹھ ہی اصل چیز ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنا بڑا فضل کیا کہ آج ہم زمین میں نہ دھنسے ورنہ قارون جیسے ہوتے تو آج ہمارا بھی یہی حشر ہوتا جو اس کا ہوا، اب ہمیں یہ پتہ چل گیا کہ اللہ تعالیٰ کا انکار کرنے والے کبھی کامیاب نہیں ہوتے۔

آگے ارشاد ہے کہ: بات تو یہی ہے جو تم کہہ رہے ہو، دنیا کا مال و دولت اور ٹھاٹھ باٹھ کوئی چیز نہیں، یہ کچھ

دن کا ہے، اصل چیز آخرت ہے، وہاں کا آرام وآسائش ہمیشہ رہنے والی چیز ہے، کان کھول کر سن لو کہ! آخرت کا گھر ہمیشہ کی مسرت والا ہے، ہم نے ان لوگوں کے لئے مقرر کر دیا ہے، جو دنیا میں اوروں سے بڑا بن کر رہنے کی دھن میں نہیں لگے رہتے اور فساد نہیں پھیلاتے، کیوں کہ فساد کی جڑ یہی ہے کہ آدمی یا آدمیوں کا کوئی گروہ اوروں سے دنیاوی ساز وسامان میں بڑھ چڑھ کر رہنا چاہے، جو لوگ بڑا بننے کے جنجال میں نہیں پھنستے بلکہ اللہ تعالیٰ کے ڈر سے بُری باتوں سے بچتے ہیں اور تواضع اور انکسار اختیار کرتے ہیں، انہی کا انجام اچھا ہوگا، وہی آخرت میں کامیابی پائیں گے۔

بدلہ ملنے کا قانون

مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَیْرٌ مِّنْهَا ۚ وَ مَنْ جَآءَ بِالسَّیِّئَةِ

جو آیا ساتھ بھلائی کے پس لیے اس کے بہتر بدلہ ہے سے اس اور جو آیا ساتھ برائی کے

فَلَا یُجْزَى الَّذِیْنَ عَمِلُوا السَّیِّاٰتِ اِلَّا مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۸۴﴾

پس نہ بدلہ ملے گا جنہوں نے کام کیے برے مگر جو تھے وہ کرتے (۸۴)

بامحاورہ ترجمہ:۔ جو بھلائی لے کر آیا اسے اس سے بہتر ملیگا اور جو کوئی برائی لے کر آیا، سو! برائی کرنے والوں کو اسی کی سزا ملے گی جو وہ کرتے تھے۔ (۸۴)

تفسیر

ارشاد ہے کہ: جو اچھے کام کرے گا اسے ہم اسکے کام سے بھی اچھا بدلہ دیں گے، یہ ہمارا وعدہ ہے جو پورا ہو کر رہے گا اور جو لوگ بُرے کام کر کے ہمارے پاس آئیں گے کیوں کہ آنا تو انہیں پڑے گا ہی، وہ ابھی سے سن لیں کہ! برے کام کرنے والوں کو ہم ویسا ہی بدلہ دیتے ہیں جیسا ان کا کام ہے ان کو اس سے زیادہ سزا نہیں دی جائے گی جیسی ان کے کام کی ہونی چاہیے یہاں نیکوں کو ان کے کام اور بدکاروں کے لیے صرف عام قاعدہ بیان

کردیا گیا ہے کہ بُرے کام کی سزا اس کے برابر ملا کرتی ہے، اگر وہ توبہ کرلیں تو سزا ٹل سکتی ہے اور اگر ملی تو اس قاعدے کی رُو سے اتنی ہی ہوگی جتنا کہ وہ بُرا کام ہے۔

مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا: جو شخص نیکی لے کر آیا، اللہ تعالیٰ کا عام قانون یہ ہے کہ نیکی کا کم از کم بدلہ دس گناہ ہے اور زیادہ کی کوئی حد نہیں، یہ بدلہ سات سو گنا یا سات لاکھ گناہ سے بھی زیادہ ہوسکتا ہے، انسان کا خلوص جس قدر بڑھتا جائیگا، اسی قدر اللہ تعالیٰ کے ہاں اجر وثواب میں بھی اضافہ ہوتا چلا جائے گا، پیغمبر ﷺ کا ارشاد ہے کہ: اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کیا ہوا کھجور کا ایک دانہ اجر وثواب میں اُحد پہاڑ سے بھی بڑھ سکتا ہے، ظاہر ہے کہ انسان کا عمل تو ایک وقت تک کے لئے ہوتا ہے، مگر اس کا اجر وثواب چونکہ ہمیشہ کیلئے ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیا جانے والا اجر وثواب انسان کے عمل سے بہتر ہوتا ہے۔

دُنیا کی بھی کامیابی

اِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ عَلَیْكَ الْقُرْاٰنَ لَرَآدُّكَ اِلٰی مَعَادٍ ؕ قُلْ

تحقیق جس نے لازم کیا پر آپ قرآن البتہ لوٹانے والا ہے آپکو طرف اسی جگہ کہہ دے

رَّبِّیْۤ اَعْلَمُ مَنْ جَآءَ بِالْهُدٰی وَ مَنْ هُوَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴿۸۵﴾

رب میرا خوب جانتا ہے کون آیا ہدایت لے کر اور کون ہے جو میں ہے گمراہی کھلی (۸۵)

وَ مَا كُنْتَ تَرْجُوْۤا اَنْ یُّلْقٰۤی اِلَیْكَ الْكِتٰبُ اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ

اور نہ تھے آپ توقع کرتے کہ ڈالی جائیگی طرف آپکی یہ کتاب مگر وہ رحمت ہے سے

رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ ظَهِیْرًا لِّلْكٰفِرِیْنَ ﴿۸۶﴾

رب آپکے پس مت ہوں آپ مددگار کافروں کے (۸۶)

بامحاورہ ترجمہ: ۔جس نے آپ پر قرآن اتارا وہ آپ کو پہلی جگہ پھیر دیگا، آپ کہہ دیں! میرا رب

خوب جانتا ہے جو شخص آیا ہدایت کیساتھ اور جانتا ہے کون کھلی گمراہی میں پڑا ہے۔(۸۵) اور آپ تو توقع نہ رکھتے تھے کہ آپ پر کتاب اتاری جائے گی یہ آپ کے رب کی مہربانی سے اتری سو آپ کافروں کے مددگار مت بنیں۔(۸۶)

لفظی تحقیق: مَعَادٍ: لوٹ کر آنے کی جگہ۔"عود"کے معنٰی لوٹ کر آنا،"معاد" سے یہاں آپ کا شہر"مکہ"مراد ہے جہاں سے آپ کو ہجرت کرنی پڑی۔

تفسیر

اس آیت میں ارشاد ہے کہ: قرآن پر عمل کرنے سے دنیا و آخرت دونوں میں کامیابی نصیب ہوتی ہے، یہ آیت ہجرت کے وقت اتری۔ جس وقت آپ مکہ کے کافروں کی ظلم وزیادتی سے وطن چھوڑنے پر مجبور ہو گئے تھے، آپ کو اطمینان دلایا گیا کہ قرآن مجید کے حکموں کی تعمیل جس نے تم پر لازم قرار دی ہے، وہ آپ کو دنیا میں بھی اس کی برکت سے خوشحال کرے گا۔ کچھ ہی عرصے میں آپ کو اسی شہر میں بخیر و خوبی عزت کے ساتھ واپس لائے گا، آپ کو تو اُمید بھی نہ تھی کہ قرآن جیسی شاندار کتاب آپ کو ملے گی، یہ صرف آپ کے رب کی رحمت ہے، مطلب یہ پیغمبری کے ملنے میں کسی عبادت یا کسی دوسری محنت کا کوئی دخل نہیں ہوتا کہ کوئی ہے اُمید کرنے لگے کہ اب مجھے پیغمبری ملنے والی ہے بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی خاص عطاء ہے، پیغمبر کو بھی اپنی پیغمبری کا اس وقت علم ہوتا ہے جب اللہ تعالیٰ اس پر وحی اتار کر آگاہ کرتا ہے، کافروں سے کہہ دو کہ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کون ہدایت پر ہے اور کون گمراہی میں پڑا ہے، قرآن کے ماننے والوں کا اور اس کے انکار کرنے والوں کا سب کا اُسے علم ہے۔

مَعَادٍ: کا معنٰی مفسرین کرام یہ بیان کرتے ہیں کہ: اس کا اشارہ آپ کو مکہ مکرمہ میں واپس لوٹانے کی طرف ہے، چنانچہ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ: یہ آیت پیغمبر ﷺ پر مدینہ کی طرف ہجرت کے موقع پر نازل ہوئی تھی، آپ مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے، وہیں جوان ہوئے، پیغمبری بھی اسی مقام میں ملی مگر مکہ کے مشرکوں نے

آپ کا جینا تنگ کر دیا اور آپ کو ہجرت پر مجبور کر دیا، چنانچہ آپ غارِ ثور سے نکل کر ایک انجانے راستے پر مدینہ کی طرف روانہ ہوئے، پھر جب آپ "جحفہ" کے مقام پر پہنچے تو مدینہ کے لیے سیدھا راستہ اختیار کیا۔

اسی دوران آپ خذورۃ نامی پہاڑ پر چڑھے اور حرم شریف کی طرف دیکھ کر آپ کا دل بھر آیا، اور نہایت حسرت وافسوس کے ساتھ فرمایا کہ: اگر مکے والے مجھے مجبور نہ کرتے تو اللہ تعالیٰ کے گھر کا پڑوس چھوڑ کر نہ جاتا، گویا مکہ کی جدائی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے سخت غم کا باعث بنی، مفسرین فرماتے ہیں کہ: اس حالت میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتار کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی کہ جس خدا تعالیٰ نے آپ پر قرآن اتارا وہ ضرور آپ کو مکے کی طرف فاتحانہ انداز میں دوبارہ لوٹائے گا، مطلب یہ کہ اب تو آپ مجبوراً مکہ مکرمہ سے رخصت ہو رہے ہیں مگر ایک وقت آئے گا، جب آپ فاتحانہ انداز میں نہایت عزت واحترام کے ساتھ اس شہر میں واپس آئیں گے، اللہ تعالیٰ نے اپنا یہ وعدہ پورا فرمایا اور ہجرت کے آٹھ (۸) سال کے بعد آپ دس (۱۰۰۰۰) ہزار صحابہ کی جماعت کے ساتھ مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے۔

فَلَا تَكُوْنَنَّ ظَهِيْرًا لِّلْكٰفِرِيْنَ: مکہ کے کافروں نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے باپ دادا کے دین کی طرف دعوت دی، پس اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی نعمتیں یاد دلائیں اور ان کے دین میں انکا مددگار بننے سے منع فرمایا۔

اللہ نے عام مؤمنوں کے لئے بھی یہی اصول بیان فرمایا ہے: اے ایمان والو! ظالموں کی طرف مت جھکو، اگر ایسا کرو گے تو ان کی طرح تمہیں بھی دوزخ کی آگ پکڑے گی۔ (ہود: ۱۱۳)، لہذا ہر مؤمن کا فرض ہے کہ وہ کسی کافر، مشرک یا مجرم کا ساتھ نہ دے اور نہ ہی ان کا مددگار یا پشت پناہ بنے۔

قرآن کا حق

وَ لَا يَصُدُّنَّكَ عَنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ بَعْدَ اِذْ اُنْزِلَتْ اِلَيْكَ وَ ادْعُ

اور ہرگز نہ روکیں وہ آپ کو سے آیتیں اللہ کی پیچھے اس کے کہ اُتر چکیں وہ طرف آپ کی اور بلائیں

اِلٰى رَبِّكَ وَ لَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۸۷﴾ وَ لَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ

طرف رب اپنے کے اور ہرگز مت ہوں آپ سے مشرکوں (۸۷) اور نہ پکاریں ساتھ اللہ کے

اِلٰهًا اٰخَرَ ۘ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ كُلُّ شَیْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ ؕ لَهُ

معبود دوسرا نہیں کوئی معبود سوا اس کے ہر چیز فانی ہے مگر ذات اس کی لیے اسی کی

الْحُكْمُ وَ اِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۸۸﴾

حکم اور طرف اس کی لوٹائے جاؤ گے (۸۸)

وقف لازم ع ۹ ۱۲

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور ایسا نہ ہو کہ وہ آپ کو اللہ تعالیٰ کے حکموں سے روک دیں اس کے بعد کہ وہ حکم آپ کی طرف اُتارے جا چکے، اور بلائیں اپنے رب کی طرف اور مت ہو مشرکوں میں سے۔(۸۷) اور مت پکاریں اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسرا معبود اس کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کی ذات کے سوا ہر چیز فنا ہونے والی ہے، حکم اسی کا ہے اور اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔(۸۸)

تفسیر

پہلے ارشاد ہوا کہ: جس نے آپ پر قرآن اتارا اور اس کے حکموں کی پابندی لازم کی وہی اللہ آپ کو دنیا میں بھی فتح و نصرت عطا فرمائے گا اور آپ کے وطن میں آپ کو عزت کے ساتھ واپس لائے گا، ان سے کہہ دیں کہ تمہارے ماننے یا نہ ماننے سے کچھ نہیں ہوتا، اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ کون ہدایت پر ہے اور کون گمراہی پر ہے۔

اے پیغمبر! جب قرآن کے حکم اتر چکے تو اب جو ان کی پابندی کرے وہی آپ کا اپنا ہے، اب مشرکوں کا خیال چھوڑیں، ان کی رعایت دین کے معاملے میں بالکل نہ کریں، اب آپ اور آپ کے ایمان والے ساتھیوں کے لیے یہ حکم ہے کہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلائیں، مشرکوں کا ساتھ نہ دیں، اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو مت پکاریں، اور آپ ہرگز مشرکوں میں سے نہ ہو، معبود فقط وہی ہے اس کے سوا کسی کا حکم کائنات پر نہیں چلتا، یہ جو آج یہاں بہ

ظاہر بادشاہ بنے بیٹھے ہیں اور سمجھتے ہیں ہمارا ہی حکم چلتا ہے، یہ سب تمام انسانوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے پاس لوٹائے جائیں گے، یادرکھو! تم سب لوٹ کر اسی کی طرف جاؤ گے اور آخرت میں کسی کا حکم اس کے سوا نہ چلے گا، نہ ظاہر میں اور نہ باطن میں۔

وَ لَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ: اور نہ پکاریں آپ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی دوسرے کو خدا، اپنی حاجتوں میں اللہ تعالیٰ کے سوادوسروں کو پکارنا کفر وشرک ہونے میں اس کی عبادت کرنے کے برابر ہے، خواہ جس کی عبادت کی جائے وہ فرشتہ ہو، جن ہو، پیغمبر ہو یا کوئی ولی ہو، اللہ تعالیٰ کے علاوہ دوسرے کو پکارنا اُسے خدا بنانا ہے، اللہ تعالیٰ نے اس سے منع فرمایا ہے، دنیا کے کاموں میں تو ایک دوسرے کو آواز دے کر اس کی مدد بھی حاصل کر سکتے ہیں، مگر جہاں ظاہری سبب ختم ہو جاتے ہیں، وہاں صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کو ہی پکارنا جائز ہے، اگر کسی دوسرے کو پکارے گا تو مشرک بن جائے گا، اللہ تعالیٰ ہی ہر جگہ پر حاضر وناظر ہے، ہر چیز اسی کے قبضہ میں ہے، وہی ہر ایک کی پکار کو سنتا ہے، اور اسکی حاجت پوری کرتا ہے، لہذا پکارنا بھی صرف اسی کو چاہئیے۔

سورت العنکبوت کا تعارف

"عنکبوت" مکڑی کو کہتے ہیں، اس سورت کی ایک آیت میں کافروں کے اعتقاد کو مکڑی کے جالے سے بھی کمزور کہا گیا ہے، جس سے زیادہ کمزور چیز کوئی نہیں، اس سے مقصود مسلمانوں کو تسلی دینی ہے، جو اس زمانے میں مکہ کے مشرکوں کے ہاتھوں سے اذیتیں اٹھا رہے تھے اور تکلیفوں پر تکلیفیں جھیل رہے تھے، جو لوگ مصیبتیں جھیل کر ثابت قدم رہتے ہیں، وہی آخر کامیاب ہوتے ہیں، مشقت اٹھائے بغیر راحت نہیں ملتی۔

آدمی کو یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ مسلمان ہونے کے لیے یہ کافی ہے کہ زبان سے کلمہ پڑھ لے اور پھر جو جی چاہے کرتا پھرے، بات یہ نہیں! کلمہ پڑھنے کے بعد اس پر لازم ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکموں کی پابندی کرے اور اس کی اطاعت میں تکلیف پہنچنے پر صبر کرے، یہی اس کا امتحان ہے جو اس امتحان میں کامیاب ہوا، اس کو اصلی کامیابی دُنیا و آخرت دونوں جگہ حاصل ہوگی، مسلمانوں سے کہا جا رہا ہے کہ مکہ کے کافروں کے ہاتھوں

سے جو تکلیفیں تمہیں پہنچ رہی ہیں ان پر صبر کرو، اس صبر کا نتیجہ بہت اچھا نکلے گا، تم سے پہلے بھی ایمان لانے والوں نے بڑی مصیبتیں دشمنوں کے ہاتھ سے اٹھائی ہیں، اللہ تعالیٰ اس طریقے سے سچوں اور جھوٹوں کو الگ الگ کر دیتا ہے، یہ بدکار لوگ جو تمہیں ستا رہے ہیں یہ نہ سمجھیں کہ ہمارے ہاتھ سے بچ کر نکل جائیں گے انہیں عنقریب اپنی غلطی معلوم ہونے والی ہے۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا گیا ہے کہ: قرآن پڑھو اور اس کے حکموں پر عمل کرو، کافروں نے نہ پہلے زمانے میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کر کے کچھ اچھا پھل پایا اور نہ اب آپ کی نافرمانی کرنے والے اچھا پھل پائیں گے۔

دنیا صرف کھیل تماشا ہے، اصلی زندگی آخرت کی زندگی ہے، دنیا میں جو کچھ ملا ہے اس سے آخرت کمائیں، ہم اس کی مدد کریں گے جو اچھے کام کرنے پر کمر باندھے۔

آیاتھا — ۶۹ | سُوْرَةُ الْعَنْکَبُوْتِ مَکِّيَّةٌ | رکوعاتھا — ۷

سورۃ العنکبوت مکی ہے، اس میں انہتر آیتیں اور سات رکوع ہیں۔

ایمان کی آزمائش

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓمّٓ ۝١ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَ هُمْ

الف، لام میم (۱) کیا گمان کیا ہوا ہے لوگوں نے کہ وہ چھوڑ دیے جائیں گے اس پر کہ کہہ دیں ایمان لائے ہم اور وہ

لَا يُفْتَنُوْنَ ۝٢ وَ لَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ

نہ جانچے جائیں گے (۲) اور البتہ تحقیق جانچا ہم نے ان کو جو سے پہلے ان کے پس البتہ ضرور جان لے گا

اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَ لَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ ۝٣

اللہ ان کو جنہوں نے سچ کہا اور البتہ ضرور جان لے گا جھوٹوں کو (۳)

بامحاورہ ترجمہ: الٓمّٓ ۔(۱) کیا لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اتنا کہہ کر، کہ ہم ایمان لائے چھوٹ جائینگے اور ان کی جانچ نہ ہوگی ۔(۲) اور ہم نے آزمایا ان لوگوں کو جو ان سے پہلے تھے ضرور بضرور اللہ تعالیٰ ظاہر کردیں گے سچوں اور جھوٹوں کو ۔(۳)

تفسیر

کیا لوگوں کا یہ خیال ہیکہ ہم یہ کہہ کر چھوٹ جائیں گے کہ ہم ایمان لے آئے اور ایمان والوں کے لئے جو انعام مقرر کیا گیا ہے اس کے حقدار بن جائینگے، ان کا یہ خیال غلط ہے، زبان سے اقرار کرنے والوں کی آزمائش ہوگی، کچھ باتیں ان پر فرض کی جائیں گے اور دیکھا جائیگا کہ ان فرضوں کو وہ پورا کرتے ہیں یا نہیں، جو پورا کرے گا اسے ایمان کا انعام ملے گا، انعام ملنا امتحان میں کامیاب ہونے پر ہے۔

ارشاد ہے کہ: پہلے زمانے میں بھی ہم نے ایمان کے اقرار کرنے والوں کا امتحان لیا اور جو کامیاب ہوئے انہیں انعام کا حقدار قرار دیا، کیوں کہ بغیر امتحان لیے سچّوں کو جھوٹوں سے الگ نہیں کیا جاسکتا اور انعام دینے سے پہلے ضروری ہے کہ دونوں کو الگ الگ کردیا جائے۔

علم کا معنیٰ جاننا ہوتا ہے، یعنی: اللہ تعالیٰ سچے اور جھوٹے لوگوں کو جانتا ہے مگر یہاں پر علم سے مراد جاننا نہیں ظاہر کرنا ہے، جب اللہ تعالیٰ کسی فرد یا قوم کو امتحان میں ڈالتا ہے تو پھر اس کے نتیجے میں اس فرد یا قوم کی سچائی یا جھوٹ کو لوگوں کے سامنے ظاہر کردیتا ہے کہ ان کی اندرونی حالت یہ ہے، اس طرح عام لوگوں کو بھی ایک دوسرے کے حق و باطل کا علم ہوجاتا ہے اور ہر شخص جان لیتا ہے کہ فلاں شخص اللہ تعالیٰ کو ایک ماننے والا ہے، یا کون اسکے ساتھ دوسرے شریک کرنے والا ہے اور کون اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخلص ہے اور کون نہیں؟

وَ هُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ: ایمان والوں خصوصاً پیغمبروں اور نیک لوگوں کو دنیا میں مختلف قسم کی آزمائشوں سے گذرنا ہوتا ہے، پھر آخرکار کامیابی ان کی ہوتی ہے، یہ آزمائشیں کبھی کافروں کی دشمنی اور ان کی طرف سے

تکلیف پہنچانے کے ذریعہ ہوتی ہے، جیسا کہ بہت سے پیغمبروں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کو پیش آئیں، جس کے بے شمار واقعات، سیرت اور تاریخ کی کتابوں میں ہیں اور کبھی آزمائش مرض اور دوسری قسم کی قدرتی تکلیفوں کے ذریعہ ہوتی ہے۔

شانِ نزول

اس آیت سے روایتوں کو سامنے رکھتے ہوئے وہ صحابہ مراد ہیں، جو مدینہ کیطرف ہجرت کے وقت کافروں کے ہاتھوں ستائے گئے، مگر مراد عام ہے ہر زمانے کے عالم اور اچھے لوگوں کو مختلف قسم کی آزمائشیں پیش آتی ہیں اور آتی رہیں گی۔

یعنی: ان امتحانوں اور سختیوں کے ذریعہ اللہ تعالیٰ مخلص اور غیر مخلص اور نیک و بد کو ضرور ظاہر کریں گے۔

بُروں کا حال

اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ اَنْ يَّسْبِقُوْنَا ؕ سَآءَ

کیا خیال کرتے ہیں وہ لوگ جو کرتے ہیں برائیاں کہ بھاگ کر بچ جائیں گے ہم سے غلط ہے

مَا يَحْكُمُوْنَ ۝۴ مَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ اللّٰهِ فَاِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ

جو وہ فیصلہ کرتے ہیں (۴) جو ہو توقع رکھتا ملنے کی امید اللہ سے پس تحقیق وعدہ اللہ کا

لَاٰتٍ ؕ وَ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝۵ وَمَنْ جَاهَدَ فَاِنَّمَا يُجَاهِدُ

آنے والا ہے اور وہ سننے والا جاننے والا ہے (۵) اور جو محنت کرتا ہے پس سوا اس کے نہیں کہ محنت کرتا ہے

لِنَفْسِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ۝۶

لیے اپنے تحقیق اللہ بے پرواہ ہے سے جہان والوں (۶)

بامحاورہ ترجمہ:۔ کیا وہ لوگ جو برائیاں کرتے ہیں یہ سمجھتے ہیں کہ ہم سے آگے نکل جائیں گے (ہرگز نہیں) یہ لوگ اپنے بارے میں بُرا فیصلہ کرتے ہیں۔(۴) جو کوئی اللہ تعالیٰ کی ملاقات کا اُمید رکھتا ہے، سو! وہ سن لے کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ آنے والا ہے اور وہ سننے والا جاننے والا ہے۔(۵) اور جو کوئی محنت کرے، سو! وہ اپنے واسطے محنت کرتا ہے، بیشک اللہ تعالیٰ تمام جہان والوں سے بے نیاز ہے، یعنی: سارے جہان والے اس کے محتاج ہیں وہ کسی کا محتاج نہیں۔(٦)

تفسیر

پہلی آیتوں میں ان سے خطاب تھا جو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانے کی وجہ سے مکہ کے کافروں کے ہاتھوں قسما قسم کی مصیبتوں کا شکار ہوئے ان سے کہا گیا کہ یہ تمہارے ایمان کی آزمائش ہے، اس آیت میں کافروں سے خطاب ہے کہ یہ نہ سمجھنا کہ یہ سلسلہ یوں ہی چلتا رہے گا، تم زیادتیاں کرتے رہو گے اور مسلمان انہیں سہتے رہیں گے، اگر تمہارا یہ خیال ہے کہ تم بھاگ کر ہمارے ہاتھ سے نکل جاؤ گے تو یہ ایک غلط خیال ہے، بہت سے لوگ آخرت کی طرف سے غافل ہوتے ہیں اور وہ اس کیلئے کوئی تیاری نہیں کرتے جسکی وجہ سے ایسا لگتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے بالکل محفوظ ہیں اگر وہ ایسا خیال کرتے ہیں تو وہ اپنے بارے میں بہت برا فیصلہ کرتے ہیں۔

آگے ارشاد ہے: جو اس وقت اس لیے مصیبتیں جھیل رہا ہے کہ وہ ایک دن اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہوگا، اور اگر یہاں اس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے یہ عارضی مصیبتیں جھیلیں تو وہاں اس سے زیادہ سخت مصیبتیں جھیلنی پڑیں گی اور اگر ثابت قدم رہا تو ان کے بدلے جنت ملے گی، وہ یاد رکھے کہ! قیامت ضرور آنے والی ہے اور سب نے اللہ تعالیٰ کے سامنے ضرور حاضر ہونا ہے اور اللہ تعالیٰ سب کی باتیں سنتا اور جانتا ہے، یقیناً جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں مشقتیں اٹھائے گا، اس میں اسی کا بھلا ہے۔

ایمان کا بدلہ

وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ

اور جو لوگ ایمان لائے اور کام کیے انہوں نے اچھے ضرور بضرور ہم معاف کردیں گے سے ان برائیاں ان کی

وَ لَنَجْزِيَنَّهُمْ اَحْسَنَ الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ وَ وَصَّيْنَا

اور ضرور بضرور دیں گے ہم بدلہ انہیں اس بہتر کام کا جو تھے وہ کرتے (۷) اور حکم دیا ہم نے

الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا ؕ

انسان کو ساتھ والدین کے بھلائی کا

بامحاورہ ترجمہ: اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کیے ہم ان پر سے ان کی برائیاں معاف کردیں گے اور ان کو ان کے کاموں کا بہتر بدلہ دیں گے۔ (۷) اور ہم نے انسان کو اپنے والدین کے ساتھ بھلائی سے رہنے کی تاکید کردی ہے۔

تفسیر

اس میں تمہاری ہی بھلا ہے، مگر نیک عمل اس وقت کام آئیں گے جب ان کے ساتھ ایمان ہوگا۔ بغیر ایمان کے نیک کام آخرت میں کچھ کام نہ آئیں گے، ہاں! جو لوگ ایمان لائیں گے اور اس کے ساتھ نیک کام کریں گے، ہم ان کی برائیاں معاف کردیں گے اور ان کی فرمانبرادی کے بدلے میں ان کو انعام دیں گے، یہی فرمانبرادری ان کا بہترین کام ہے اور اسی کی بدولت آخرت میں سارے نیک کاموں کا بدلہ ملے گا۔

فرمانبرداری ایمان کی علامت ہے اور ایمان ہی اصل چیز ہے۔ یہی انسان کو اس کے نیک کاموں کے اچھے بدلے کا حقدار بنادیتی ہے۔ آدمی کو چاہئے کہ اللہ تعالیٰ ہی کو اپنا معبود سمجھے اور اس کے ساتھ کسی کے کہنے سے

کسی چیز کو شریک نہ ٹھہرائے۔ یہاں تک کہ اگر ماں باپ شرک کرنے پر زور دیں۔ ان کا کہنا بھی نہ مانے۔ اسے توحید کہتے ہیں۔ اس کی وضاحت آگے آیت میں ہے۔ ارشاد ہے کہ دیکھو! ہم نے انسان کو ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرنے کی تاکید کی ہے۔

توحید کی اہمیت

وَ اِنْ جَاهَدٰكَ لِتُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا

اور اگر دباؤ ڈالیں تجھ پر کہ تاکہ شریک کرے تو میرے ساتھ کہ نہیں تجھے جس کا علم مت کر

تُطِعْهُمَا ؕ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝۸

اطاعت ان کی میری ہی طرف لوٹنا ہے تمہارا پس بتاؤں گا تمہیں جو تھے تم کرتے (۸)

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُدْخِلَنَّهُمْ فِي الصّٰلِحِيْنَ ۝۹

اور جو لوگ ایمان لائے اور کام کیے انہوں نے اچھے ضرور داخل کریں گے ہم انہیں میں نیک لوگوں (۹)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور اگر وہ تجھ پر زور ڈالیں کہ تو میرا شریک کرے اسے جس کی تجھے خبر نہیں تو ان کا کہنا مت مان، میری ہی طرف تمہیں لوٹنا ہے، سو! میں تم کو بتلا دوں دوں گا جو تم کرتے تھے۔ (۸) اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کیے ہم انہیں نیک لوگوں میں داخل کریں گے۔ (۹)

تفسیر

ارشاد ہے کہ: اے انسان! اگر ماں باپ تجھ پر دباؤ ڈالیں کہ تو اللہ کے ساتھ دوسرے کو شریک کر حالانکہ تیرے وہم و گمان میں بھی نہیں کہ اللہ تعالیٰ کا بھی کوئی شریک ہو سکتا ہے تو اس بات میں ان کا کہنا مت مان، دیکھو! تم سب میرے ہی پاس لوٹ کر آؤ گے، اس وقت ہم تمہیں بتا دیں گے جو تم نے کام کیے وہ کیسے تھے؟ اس سورت

کی دو آیتیں اس وقت اتریں جب حضرت سعد بن ابی وقاص کی والدہ نے جو مکہ کے مشرکوں میں شامل تھیں ان کے ایمان لانے کی خبر سنکر کھانا پینا چھوڑ دیا اور کہا کہ جب تک سعد اسلام نہ چھوڑ دے گا میں کچھ نہ کھاؤں گی نہ پیوں گی چاہے مرجاؤں۔

ان آیتوں میں حکم ہوا کہ ماں باپ شریک کرنے کو کہیں تو ان کا کہنا مت مانو ویسے ان کے ساتھ نیک سلوک کرو، حقیقت یہ ہے کہ شرک سے زیادہ بڑھ کر کوئی غلط بات نہیں، جس سے بچنے کے لئے ماں باپ کی نافرمانی تک کی بھی پرواہ نہ کرنی چاہئے، آگے ارشاد ہے کہ: جو لوگ ایمان لائیں گے، یعنی: شرک سے بچ کر نیک کام کریں، انہیں ہم اپنے نیک بندوں میں داخل کریں گے۔

مفسرین اور فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ والدین کے کہنے پر صرف شرک ہی منع نہیں کیا گیا بلکہ شریعت اور سنت کے خلاف بھی اگر والدین آمادہ کریں تو ان کا حکم ماننے کی اجازت نہیں ہے، والدین اگر کسی فرض، واجب، یا سنتِ مؤکدہ کو چھوڑنے کی ترغیب دیں تو اس میں ان کی اطاعت جائز نہیں، البتہ والدین کے حکم پر فرض، واجب اور سنت کے علاوہ کوئی ایسا کام جسکا کرنا شرعاً پسندیدہ تو ہو لیکن ضروری نہ ہو تو اس کو چھوڑنے کی گنجائش ہے اور اگر ایسا کام ہو جسکا کرنا اور نہ کرنا ضروری نہ ہو والدین کے کہنے پر اس کو چھوڑ سکتے ہیں، ہاں! مسجد میں نماز باجماعت سنتِ مؤکدہ ہے، جو واجب کے قریب ہے، لہذا ماں باپ کے کہنے پر اس کو چھوڑنے کی اجازت نہیں ہے، اسی طرح بدعت کا کام مکروہ اور ناجائز ہے، اس معاملے میں بھی والدین کا حکم نہ ماننا چاہئے، ہر لحاظ سے ان کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آنا چاہیے۔

اِلَیَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ: اس آیت کے شانِ نزول میں مفسرین حضرات "صحیح مسلم" اور "سننِ نسائی" کی یہ حدیث بیان کرتے ہیں کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نوجوانی کے عالم میں اسلام لے آئے تھے، اس وقت ابوسفیان کا خاندان اسلام کا سخت دشمن تھا، آپ کی والدہ ابوسفیان کی بیٹی تھی، جب آپ اسلام لائے تو والدہ سخت ناراض ہوئی، اس نے بہت کوشش کی کہ اس کا بیٹا ایمان کو چھوڑ دے، مگر حضرت سعد رضی اللہ عنہ

نہیں مانے ، بالآخران کی والدہ نے اعلان کر دیا کہ جب تک سعد رضی اللہ عنہ اسلام کونہیں چھوڑ تا، میں نہ کچھ کھاؤں گی، نہ پیوں گی اور نہ سائے میں بیٹھونگی، خاندان کے لوگوں نے اس کی بھوک ہڑتال توڑنے کی بڑی کوشش کی یہاں تک کہ اس کے منہ میں زبردستی کھانا ڈالنے کی کوشش بھی کی مگر وہ نہیں مانتی تھی، سعد رضی اللہ عنہ کو کہتی تھی کہ تمہارا اسلام والدین سے اچھے سلوک کا سبق دیتا ہے مگر تم میری بات نہیں مانتے، آخر تم نے کون سا اسلام قبول کیا ہے؟ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ حکم اتارے کہ اگر والدین شرک پر آمادہ کریں تو ان کی بات نہ مانی جائے، البتہ ویسے ان کے ساتھ اچھا برتاؤ جاری رکھو۔

بغوی کی روایت میں ہے کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی والدہ ایک دن رات اور بعض کے مطابق تین دن رات اپنی قسم کے مطابق بھوکی پیاسی رہی، حضرت سعد رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے، ماں کی محبت اپنی جگہ تھی، مگر اللہ تعالیٰ کے فرمان کے سامنے کچھ نہ تھی، اس لئے والدہ کو خطاب کر کے کہا کہ اماں جان! اگر تمہارے بدن میں سو (۱۰۰) روحیں ہوتیں اور ایک ایک کر کے نکلتی رہتی میں اس کو دیکھ کر بھی کبھی اپنا دین نہ چھوڑتا، اب تم چاہو کھاؤ یا مرجاؤ، بہر حال میں اپنے دین سے نہیں ہٹ سکتا، ماں نے ان کی اس گفتگو سے مایوس ہو کر بھوک ہڑتال ختم کر دی اور کھانا کھالیا۔

منافقوں کا کردار

وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ فَاِذَآ اُوْذِیَ فِی اللّٰهِ

اور سے لوگوں وہ بھی ہیں جو کہتے ہیں ایمان لائے ہم ساتھ اللہ پھر جب ستائے گئے وہ میں راہ اللہ کی

جَعَلَ فِتْنَةَ النَّاسِ كَعَذَابِ اللّٰهِ ؕ وَ لَئِنْ جَآءَ نَصْرٌ مِّنْ

کر دیا ستانا لوگوں کا مانند عذاب اللہ کے اور البتہ اگر آگئی مدد سے

رَّبِّكَ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّا كُنَّا مَعَكُمْ ؕ

رب آپکے تو کہنے لگے تحقیق ہم تھے ساتھ تمہارے

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور ایک وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے ، پھر جب انکو ایمان لانے کے بارے میں تکلیفیں پہنچیں تو انہوں نے لوگوں کی تکلیفوں کو اللہ تعالیٰ کے عذاب کے برابر سمجھ لیا، اور اگر آپ کے رب کی طرف سے مدد آ پہنچی تو کہنے لگے ہم تو تمہارے ساتھ ہیں۔

تفسیر

اس آیت میں ان لوگوں کا ذکر ہے جو سچے دل سے ایمان نہیں لاتے اور جدھر اپنا فائدہ نظر آیا، ادھر ہی کی سی کہنے لگے، ارشاد ہے کہ: بعض لوگ ایسے بھی ہیں، جو منہ سے تو کہتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے ، لیکن جہاں کافروں نے آنکھیں دکھائیں، جھٹ بدل گئے اور انہی کی سی کہنے لگے وہ لوگوں کے ستانے کو اور اللہ تعالیٰ کے عذاب کو برابر سمجھتے ہیں، ان کے ایمان لانے پر کافروں کی طرف سے تکلیف پہنچی تو گھبرائے گئے اور ایمان سے پھر گئے، نادانوں کو یہ معلوم نہیں کہ ایمان سے پھر جانے پر اللہ تعالیٰ کے عذاب سے واسطہ پڑے گا، جس کے مقابلہ میں یہ تکلیف جو کافروں کی طرف سے ایمان لانے کی وجہ سے پہنچ رہی ہے کچھ حقیقت نہیں رکھتی ،لیکن اس کے ساتھ ہی وہ مسلمانوں سے بھی کھلم کھلا نہیں بگاڑتے ، یوں تو کافروں کے خوف سے مسلمانوں سے الگ تھلگ رہتے ہیں، لیکن جب اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور اس کی مدد سے مسلمانوں کی فتح ہوتی ہے تو غنیمت کے مال میں سے حصہ لینے آ پہنچتے ہیں اور چکنی چپڑی باتیں بنانے لگتے ہیں، کہتے ہیں ہم بھی تو مسلمان ہیں اور تمہارے ساتھی ہیں، ہم تم سے الگ کب ہیں؟ ہم تو کافروں کے زبردستی کی وجہ سے ان کے ساتھ ہو گئے تھے ورنہ دلی طور پر تو ہم تمہارے ساتھ ہیں، ہم نے دشمنوں کا وہ ناک میں دم کیا کہ بس وہ یاد ہی رکھیں گے۔

اللہ تعالیٰ دلوں کے راز جانتے ہیں

اَوَ لَیْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِمَا فِیْ صُدُوْرِ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۰﴾ وَ لَیَعْلَمَنَّ

اور کیا نہیں اللہ خوب جاننے والا اسے جو میں سینوں ہے جہان والوں کے (۱۰) اور ضرور معلوم کریگا

اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ لَیَعْلَمَنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ ﴿۱۱﴾ وَ قَالَ الَّذِیْنَ

اللہ ان کو جو ایمان لائے اور ضرور معلوم کرے گا منافقوں کو (۱۱) اور کہنے لگے وہ لوگ جو

كَفَرُوْا لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّبِعُوْا سَبِیْلَنَا وَ لْنَحْمِلْ خَطٰیٰكُمْ ؕ

کافر ہیں ان لوگوں سے جو ایمان لائے ہیں چلو راستے ہمارے اور البتہ ہم اٹھالیں گے گناہ تمہارے

با محاورہ ترجمہ: کیا اللہ تعالیٰ راز کی ان باتوں کو نہیں جانتا جو جہان والوں کے سینوں میں ہے۔(۱۰)

اور البتہ ظاہر کردے گا اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جو ایمان لائے ہیں اور ظاہر کردے گا ان لوگوں کو جو دغاباز ہیں۔(۱۱)

اور کافر ایمان والوں سے کہنے لگے تم ہمارے راستے پر چلو تمہارے گناہ ہم اٹھالیں گے۔

تفسیر

ارشاد ہے کہ: یہ نادان لوگ کیا یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے دل کی باتوں کو نہیں جانتے، حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ سارے جہان والوں کے سینوں میں چھپے ہوئے رازوں کو جاننے والا ہے ان سے کہہ دو کہ تم انسانوں کو تو دھوکہ دے سکتے ہو، اللہ تعالیٰ کو دھوکہ نہیں دے سکتے۔

عنقریب سچے ایمان والوں اور دھوکے بازوں کو ایک دوسرے سے علیحدہ کردیا جائے گا اور صاف صاف نظر کے سامنے آجائے گا کہ کون کیسا ہے؟ اس کے بعد مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کے انکار کرنے والوں کی ایک اور چالبازی سے خبردار کیا گیا ہے، ارشاد ہے کہ: منکر ایمان والوں سے کہتے ہیں کہ یہ گناہ اور بے گناہی ایک ڈھونگ

ہے، عملوں کی اچھائی برائی کیا، جس کام کے کرنے کو انسان کا دل چاہے وہی اچھا ہے، ارے میاں! یہ سب جھگڑے چھوڑو، ہمیں دیکھو! کیسے مزے سے زندگی گزار رہے ہیں، تم بھی ایسے ہی دنیا میں جو جی چاہے کرو، گناہ کوئی چیز نہیں، اگر ہے تو ہم اٹھالیں گے۔

اپنا ہی بوجھ بہت ہے

وَمَا هُمْ بِحٰمِلِيْنَ مِنْ خَطٰيٰهُمْ مِّنْ شَيْءٍ ؕ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۱۲﴾

اور نہیں وہ اٹھانے والے سے گناہوں انکے کوئی چیز یقیناً وہ البتہ جھوٹے ہیں (۱۲)

وَ لَيَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ وَ اَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ ۫ وَ لَيُسْـَٔلُنَّ

اور البتہ اٹھائیں گے بوجھ اپنے اور بہت سے بوجھ ساتھ بوجھ اپنے کے اور البتہ ضرور پوچھے جائیں گے وہ

۱۲ ع ۱۳ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَمَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۱۳﴾

دن قیامت کے بابت اس کی کہ تھے وہ جھوٹ گھڑتے (۱۳)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور وہ ان کے گناہوں میں سے کچھ نہ اٹھائیں گے بیشک وہ جھوٹے ہیں۔ (۱۲) اور البتہ اپنے بوجھ اٹھائیں گے اور اٹھائیں گے کچھ اور بوجھ بھی اپنے کے بوجھ کے ساتھ، اور البتہ قیامت کے دن ان سے پوچھ ہوگی ان باتوں کی جو وہ گھڑتے ہیں۔ (۱۳)

تفسیر

ارشاد ہے کہ: یہ صرف چال بازی ہے، یہ جھوٹ باتیں بناتے ہیں، کوئی کسی کے گناہوں کا بوجھ نہیں اٹھا سکتا، ان کے تو اپنے ہی گناہوں کا بوجھ اتنا ہے کہ اس کے نیچے دب کر رہ جائیں گے، یہ تمہارے گناہوں کا بوجھ کیا اٹھائیں گے، ان کے اوپر تو دوہرا بوجھ رکھا ہوگا، ایک اپنے گناہوں کا بوجھ اور دوسرے ان لوگوں کے گناہوں کا

بوجھ جو ان کے بہکاوے میں آ کر گناہوں میں پھنسے۔ان بے چاروں نے جو گناہ کیا ان کے بہکانے سے کیا، گناہ کا بوجھ کرنے والے کے سر ہوگا اور ان کے سر الگ ہوگا کہ جنہوں نے انہیں بہکایا تھا،ان کی دلیری دیکھو،دوسروں کو کہتے ہیں کہ ہم تمہارے گناہوں کا بوجھ اٹھائیں گے کہ اس طرح تم پر گناہ کرنے کا کچھ بھی وبال نہ پڑے گا۔

یہ ان کا کہنا من گھڑت ہے،اس کے بارے میں ان سے سوال ہوگا کہ بتاؤ! یہ بات تم نے کیسے بنائی کہ ان کے گناہ کی سزا تم بھگت لوگے اور وہ سزا سے بچ جائیں گے،یہ تو سراسر جھوٹ ہے اور واقعہ کے خلاف ہے۔

واقعہ تو یہ ہے کہ جو کسی کو گناہ پر آمادہ کرے گا تو ادھر تو گناہ کرنے والے کو اس کے گناہ کی سزا ضرور مل کر رہے گی اور ادھر اسے بھی اس گناہ کی سزا ملے گی کیوں کہ اسی کے بہکانے سے اس نے یہ گناہ کیا۔

وَ لَيَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ وَ اَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ: یہ لوگ اپنے گناہ (پورے پورے) اپنے اوپر لادے ہونگے اور اپنے گناہوں کے ساتھ کچھ گناہ اور بھی (لادے ہوئے ہوں گے اور یہ گناہ وہ ہیں جن کے لئے یہ سبب بنتے تھے) اور یہ گناہ ان پر لادنے سے اصل گنہگار بری نہیں ہوں گے،غرض دوسرے تو ہلکے نہ ہوئے مگر یہ لوگ ان کو گمراہ کرنے کے سبب اور زیادہ گناہوں کے بوجھ میں دب گئے۔

اسی طرح کی ایک بات کافروں کی عام مسلمانوں سے ذکر ہے،یہاں حق تعالیٰ نے ان کے جواب میں ایک تو یہ فرمایا کہ ایسا کہنے والے بالکل جھوٹے ہیں،یہ قیامت میں ان لوگوں کے گناہوں کا کوئی بوجھ نہ اٹھائیں گے،وہاں کے ہولناک عذاب کو دیکھ کر ان کو ہمت نہ ہوگی کہ اس کے اٹھانے کے لئے تیار ہوجائیں؛اس لئے یہ وعدہ ان کا جھوٹا ہے۔

گناہوں کی طرف بلانے والا بھی گناہ گار ہے

گناہ کرنے والے کو جو عذاب ہوگا وہی اس کو بھی ہوگا۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ جو شخص کسی دوسرے کو گناہ میں مبتلا کرنے کی تحریک کرے یا گناہ میں اس کی

مدد کرے وہ بھی ایسا ہی مجرم ہے، جیسا یہ گناہ کرنے والا، "مسلم شریف" اور "ابن ماجہ" میں ایک حدیث جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کی گئی ہے یہ ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: جو شخص ہدایت کی طرف لوگوں کو بلائے تو جتنے لوگ اس کے بلانے کی وجہ سے ہدایت پر عمل کریں گے ان سب کے عمل کا ثواب اس بلانے والے کے نامۂ اعمال میں بھی لکھا جائے گا، بغیر اس کے کہ عمل کرنے والوں کے اجر وثواب میں کوئی کمی کی جائے، اور جو شخص کسی گمراہی اور گناہ کی طرف بلائے تو جتنے لوگ اس کے کہنے سے اس گمراہی میں مبتلا ہوں گے ان سب کا گناہ اور وبال اس شخص پر بھی پڑے گا بغیر اس کے کہ ان لوگوں کے وبال وعذاب میں کوئی کمی ہو۔

نوح علیہ السلام کی قوم کی تباہی

وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَلَبِثَ فِيْهِمْ اَلْفَ سَنَةٍ اِلَّا

اور البتہ تحقیق | بھیجا ہم نے | نوح کو | طرف | قوم اس کی | پس ٹھہرا وہ | میں ان | ہزار | سال | مگر

خَمْسِيْنَ عَامًا ؕ فَاَخَذَهُمُ الطُّوْفَانُ وَ هُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۴﴾

پچاس | سال | پھر آ پکڑا انہیں | طوفان نے | اور اس لیے کہ وہ | ظالم تھے (۱۴)

فَاَنْجَيْنٰهُ وَ اَصْحٰبَ السَّفِيْنَةِ وَ جَعَلْنٰهَآ اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۵﴾

پس نجات دی ہم نے اس کو | اور | والوں | کشتی کو | اور کر دیا ہم نے اسے | نشانی | واسطے جہان والوں کے (۱۵)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور ہم نے نوح کو اس کی قوم کے پاس بھیجا، پھر وہ ان میں پچاس سال کم ہزار برس رہے، پھر ان کی قوم کو طوفان نے آ پکڑا اس لیے کہ وہ ظالم تھے۔ (۱۴) پھر ہم نے نوح اور کشتی والوں کو بچا دیا اور ہم نے اسے جہان والوں کے لیے نشانی رکھا۔ (۱۵)

تفسیر

پہلے کہا گیا کہ ایمان لا کر اچھے کام کرنے والوں کو برے لوگ ستاتے ہیں، لیکن اس سے ایمان والوں

کی آزمائش ہی مقصود ہوتی ہے، تا کہ وہ ثابت قدم رہ کر اللہ تعالیٰ کے انعام کے حقدار ہوں، مسلمانوں کی تسلی کیلئے پہلے مختصر طور پر بیان کیا گیا کہ ایمان والے پہلے بھی ایسی ہی آزمائشوں میں مبتلا رہے ہے، لیکن آخر کار اللہ تعالیٰ کی راہ میں صبر کے ساتھ تکلیفیں برداشت کرنے والے ہی جیتے، اور ان کے ستانے والے ہی تباہ و برباد ہوئے، اب اس بیان کو کچھ پہلی قوموں اور ان کے پیغمبروں کا حال بیان کر کے واضح کیا جاتا ہے کہ ہم نے نوح کو پیغمبر بنا کر ان کی قوم کی طرف بھیجا کہ وہ انہیں سمجھائیں تا کہ وہ کفر اور شرک سے الگ ہو کر اللہ تعالیٰ کے بندے بن کر رہیں۔

حضرت نوح علیہ السلام انہیں ساڑھے نوسو (۹۵۰) سال تک سمجھاتے رہے، لیکن سوا چند کمزور لوگوں کے کسی نے ان کی نہ سنی، سارے کے سارے اپنی ہی ضد پر اڑے رہے اور نہ سمجھے کہ ہم اپنی جان پر ظلم کر رہے ہیں، آخر کار ایک زبردست طوفان آیا اور وہ اس میں غرق ہو گئے۔

حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے ساتھی تو کشتی میں بیٹھ کر بچ گئے، باقی سب ڈوب کر ہلاک ہو گئے اور دنیا میں ان کا افسانہ رہ گیا تا کہ آنے والی نسلیں عبرت پکڑیں۔

حضرت نوح علیہ السلام نے لمبے عرصہ تک اللہ تعالیٰ کا پیغام لوگوں تک پہنچایا مگر وہ کون سی بدسلوکی ہے جو مشرکوں نے آپ کے ساتھ نہ کی، آپ کو طرح طرح کی جسمانی اور ذہنی پریشانیوں میں مبتلا کیا گیا، گالی گلوچ، بے عزتی، پتھر مارنا، مذاق اڑانا غرضیکہ قوم نے ہر طرح سے آپ کو تنگ کیا۔ تا کہ آپ دین کی تبلیغ چھوڑ دیں، مگر آپ نے ان تمام تکلیفوں کو صبر کے ساتھ برداشت کیا اور اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچانے کا سلسلہ جاری رکھا، "سورۃ بنی اسرائیل" میں اللہ تعالیٰ نے آپ کے متعلق فرمایا ہے: آپ اللہ کے شکر گزار بندے تھے۔ (آیت: ۳۰) غرضیکہ اس میں سمجھنے والی بات یہی ہے کہ ایمان کے ساتھ تکلیفوں کا آنا ضروری ہے۔

وَ جَعَلْنٰهَآ اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ: اور ہم اس کشتی کو جہان والوں کے لئے ایک نشانی بنا دیا، یہ کشتی ایک لمبے عرصے تک جودی پہاڑ پر پڑی رہی، لوگ صدیوں تک اس کو دیکھ کر عبرت حاصل کرتے رہے، اس کے علاوہ اس

کشتی کا ذکر تاریخ اور آسمانی کتابوں خاص طور پر قرآن پاک میں ہمیشہ کے لئے محفوظ ہو گیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام

وَ اِبْرٰهِیْمَ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَ اتَّقُوْهُ ؕ ذٰلِكُمْ خَیْرٌ

اور ابراہیم نے جب کہا قوم اپنی سے بندگی کرو اللہ کی اور ڈرو اس سے یہ بہتر ہے

لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۶﴾ اِنَّمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ

لیے تمہارے اگر ہو تم جانتے (۱۶) اور کچھ نہیں تم پوجتے ہو سوا اللہ کے

اَوْثَانًا وَّ تَخْلُقُوْنَ اِفْكًا ؕ

بتوں کو اور گھڑتے ہو جھوٹ

بامحاورہ ترجمہ:۔ جب ہم نے ابراہیم کو بھیجا اور اس نے اپنی قوم سے کہا کہ اللہ تعالیٰ کی بندگی کرو اور اس سے ڈرتے رہو، یہ تمہارے حق میں بہتر ہے۔ اگر تم سمجھ رکھتے ہو۔ (۱۶) تم تو اللہ تعالیٰ کے سوا بتوں کو پوجتے ہو اور جھوٹی باتیں بناتے ہو۔

لفظی تحقیق: اَوْثَانٌ: بت۔ "وَثَنٌ" کی جمع ہے اس کے معنیٰ مورتی اور بت کے ہیں۔ اِفْكٌ: (بے سروپا بات) بے حقیقت دل سے گھڑی ہوئی باتیں۔

تفسیر

ارشاد ہے کہ: نوح علیہ السلام کے بعد ہم نے ابراہیم کو پیغمبر بنا کر بھیجا، انہوں نے اپنی قوم کو سمجھایا کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اس سے ڈر کر بُرے کاموں سے بچو، اگر تم میں سمجھ ہے تو سمجھ جاؤ کہ تمہاری خیریت اسی میں ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا کہ یہ جن کی پوجا میں تم رات دن مصروف ہو اور اپنے حقیقی معبود اللہ تعالیٰ

کو چھوڑ بیٹھے ہو، یہ تو خود تمہارے اپنے ہاتھوں کے گھڑے ہوئے بت ہیں، مٹی سے کوئی صورت بنالو تو وہ مٹی ہی رہے گی، پتھر کو گھڑ کر اور تراش کر کوئی مورت بنالو تو وہ بھی پتھر ہی رہے گا، کچھ اور نہ بن جائے گا۔

ان کی بابت جو تم نے عقیدے بنا رکھے ہیں، وہ محض تمہارے گھڑے ہوئے ہیں، بے بنیاد باتوں پر مبنی ہیں، ورنہ عقل سے کام لو تو صاف بات سامنے آجائے۔

بات یہ ہے کہ تمہارے وہم میں یہ بات سما گئی ہے کہ یہ تمہارے بت اور دیوتا تمہیں سب کچھ دیتے ہیں، لیکن واقعہ یہ ہے کہ ان کے پاس رکھا ہی کیا ہے جس میں سے تمہیں بھی دیں، یہ تو مٹی کے بنے ہوئے ہیں، جس طرح تم نے انہیں رکھ دیا اسی طرح پڑے ہوئے ہیں۔

اِنَّمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ: کہ تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر بتوں کو پوجا کرتے ہو اور تم جھوٹ گھڑتے ہو، جھوٹے خیالوں کے پیچھے چلتے ہو، اپنے ہاتھوں سے مٹی پتھر اور لکڑی کے بت بناتے ہو اور پھر خود ہی ان کی پوجا شروع کر دیتے ہو، حالانکہ وہ بے جان چیزیں ہیں، جو نہ کچھ نفع پہنچا سکتی ہیں اور نہ نقصان، "سورۃ الانبیاء" میں گزر چکا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے قوم سے کہا کہ یہ کیسے بت ہیں جن پر تم جھکے پڑے ہو، اُن کے سامنے نذر و نیاز پیش کرتے ہو، پھر ان سے مرادیں مانگتے ہو، کوئی بت کسی پیغمبر کے نام پر بنایا ہوا ہے، کوئی کسی جن کے نام پر اور کوئی فرشتوں کے نام پر ہیں، بعض نے ستاروں اور سیاروں کو معبود بنالیا ہے اور ان کے نام پر بت رکھے ہیں، آخر یہ سب جھوٹ کے سوا کیا ہے جو تم نے گھڑ کر رکھا ہے۔

اللہ تعالیٰ اس آیت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر فرمایا: جو بڑے بڑے سخت امتحانوں سے گذرے ہیں، نمرود کی آگ، پھر شام سے ہجرت کر کے ایک بنجر میدان میں قیام، پھر بیٹے کے ذبح کرنے کا واقعہ وغیرہ، حضرت ابراہیم علیہ السلام ہی کے قصہ کے ضمن میں حضرت لوط علیہ السلام اور ان کی امت کے واقعات اور آخر سورۃ تک دوسرے بعض پیغمبروں اور ان کی سرکش امتوں کے حالات کا سلسلہ یہ سب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی امت کی تسلی کے لئے اور ان کو دین کے کام پر ثابت قدم رکھنے کے لئے بیان ہوا ہے۔

دینے والا اللہ تعالیٰ ہے

اِنَّ الَّذِيْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَمْلِكُوْنَ لَكُمْ رِزْقًا
تحقیق جنہیں تم پوجتے ہو سے سوا اللہ کے نہیں مالک واسطے تمہارے روزی کے

فَابْتَغُوْا عِنْدَ اللّٰهِ الرِّزْقَ وَ اعْبُدُوْهُ وَ اشْكُرُوْا لَهٗ ط
پس تلاش کرو پاس اللہ کے روزی اور بندگی کرو اسکی اور شکر کرو اس کا

اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۷﴾
طرف اسی کی تم لوٹ کر جاؤ گے (۱۷)

بامحاورہ ترجمہ: جنہیں تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر پوجتے ہو یہ تمہاری روزی کے مالک نہیں، سو! تم اللہ تعالیٰ کے ہاں روزی ڈھونڈو اور اسی کی بندگی کرو اور اس کا شکر کرو اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔ (۱۷)

تفسیر

ارشاد ہے کہ: یہ جنہیں تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر پوجنے لگے ہوئے ہو یہ تمہاری روزی کے ذرہ بھر بھی مالک نہیں، یہ تمہیں کچھ دیتے تو جب اگر ان کے پاس کچھ ہوتا، ان کے پاس تو کچھ بھی نہیں، دینے والا تو اللہ تعالیٰ ہے جس کے خزانے میں ہر چیز ہے، سب کچھ اسی کی قدرت میں ہے اور وہی ہر ایک کو روزی دیتا ہے، صرف اسی کی بندگی کرو اسی کی حمد وثناء کرو، اسی سے مرادیں مانگو۔ جھوٹے بے بس معبودوں کو بیچ میں سے ہٹادو، تم دیکھو گے کہ پھر بھی تمہیں رزق مل رہا ہے، آخر یہ کون دیتا ہے؟ سنو! اور یقین کرو کہ یہ اللہ تعالیٰ ہی دیتا ہے۔

سنو کہ! ایک دن آنے والا ہے۔ جب تم سب کے سب اس کے دربار میں حاضر کئے جاؤ گے تم کہیں بھی رہو اور کچھ بھی کرو آخر لوٹ کر اسی کے پاس جانا ہے۔

دوبارہ پیدائش

وَ اِنْ تُكَذِّبُوْا فَقَدْ كَذَّبَ اُمَمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ؕ وَ مَا عَلَى
اور اگر تم جھٹلاؤ گے پس تحقیق جھٹلا چکی ہیں بہت امتیں سے پہلے تمہارے اور نہیں پر
الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۸﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا كَيْفَ يُبْدِئُ اللّٰهُ
پیغمبروں مگر پہنچا دینا واضح طور پر (۱۸) کیا نہیں دیکھا انہوں نے کیسے شروع کرتا ہے اللہ
الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ﴿۱۹﴾
پیدائش پھر دوبارہ لوٹائے گا اسے تحقیق یہ پر اللہ آسان ہے (۱۹)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور اگر تم جھٹلاؤ گے تو تم سے پہلے بہت سی امتیں جھٹلا چکے ہیں اور پیغمبر کے ذمے تو کھول کر پہنچا دینے کے سوا کچھ نہیں۔ (۱۸) کیا دیکھتے نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے کیسے پیدا کیا اور پھر دوبارہ لوٹائے گا، یہ اللہ تعالیٰ پر آسان ہے۔ (۱۹)

تفسیر

حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی قوم سے کہہ رہے ہیں کہ سچی اور اصل بات میں تم سے صاف صاف کہہ چکا ہو نہ مانو گے تو اپنا ہی نقصان کرو گے میرا کچھ نہیں بگاڑو گے میں اپنا فرض ادا کر چکا اور تم سے جو کہنا تھا کہہ چکا، اب اگر تم کہو کہ یہ جھوٹ ہے تو تم جانو، میرا اس میں کچھ قصور نہیں۔ پیغمبر کے ذمے اس کے سوا کچھ نہیں کہ اللہ تعالیٰ کا پیغام صاف صاف پہنچا دے، ماننا نہ ماننا تمہارے اختیار میں ہے، انسان دنیا کے دھوکے میں آیا ہوا ہے، تم سے پہلے بھی لوگ بہک چکے ہیں، اللہ تعالیٰ نے انکے پاس اپنے پیغمبر انہیں سمجھانے کے لئے بھیجے تو ان لوگوں نے بھی یہی کہا جو تم کہتے ہو، یعنی: یہ کہ ہم تمہاری بات نہیں مانتے تم سراسر جھوٹ کہتے ہو، آخر اس جھٹلانے کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اپنے عملوں کی خرابی کے باعث مارے گئے عذاب آئے اور سب کے سب تباہ و برباد ہو گئے۔

کافروں کی سمجھ میں نہیں آتا کہ مرنے کے بعد جینا کیسے ہوگا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: آخر تم دیکھ رہے ہو کہ تم پہلے خود کچھ نہ تھے، اللہ تعالیٰ نے تمہیں پیدا کر دیا اسی طرح اللہ تعالیٰ تمہارے مرنے کے بعد تمہیں پھر سے پیدا کر دے گا اور یہ اس کے لئے بہت آسان بات ہے، جب پہلے بے نمونے کے تمہیں بنا دیا تو اب تو نمونہ بھی موجود ہو چکا، اب بنانا کیا مشکل ہے یہ تمہاری ناسمجھی ہے ورنہ بات تو صاف ہے تم نے نہ مانا تو پچھتاؤ گے تم اپنی ہی پیدائش پر غور کر کے یہ سب کچھ سمجھ سکتے ہو، اس کے بعد دنیا میں بھی چیزوں کو بنتا بگڑتا اپنے سامنے دیکھ رہے ہو۔

بیرونی دنیا

قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ بَدَاَ الْخَلْقَ ثُمَّ اللّٰهُ

آپ کہدیں چلو پھرو میں زمین پھر دیکھو کس طرح اول بار پیدا کی پھر اللہ

يُنْشِئُ النَّشْاَةَ الْاٰخِرَةَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۲۰

پیدا کرے گا پیدائش دوسری تحقیق اللہ اوپر ہر چیز کے قادر ہے (۲۰)

بامحاورہ ترجمہ: آپ کہدیں زمین میں چلو پھرو، پھر دیکھو کہ کیسے ابتداء کی مخلوق کو پیدا کرنے کی، پھر اللہ تعالیٰ اسے دوبارہ بنائے گا، بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ (۲۰)

تفسیر

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم کو سمجھایا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک دوبارہ پیدا کر دینا کچھ بھی مشکل نہیں، جب تم کو پہلے بغیر کسی نمونے کے پیدا کر دیا، تو پھر مرنے کے بعد دوبارہ پیدا کرنا، اس کی قدرت سے کیسے نکل سکتا ہے، جب کہ پہلا نمونہ بھی موجود ہے، اسی سلسلہ کے اندر پہلی آیت میں خود انسان کی پیدائش کی طرف توجہ دلائی گئی تھی، اب اس آیت میں بیرونی دنیا کی چیزوں کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔

ارشاد ہے کہ: آپ یہ بھی ان لوگوں سے کہہ دیں کہ یہ سب طرح طرح کی چیزیں جس طرح اللہ تعالیٰ نے زمین میں پیدا کر دیں جو پہلے نہیں تھیں وہی دوسری مرتبہ پیدا کرے گا، اس کی قدرت سے کوئی چیز باہر نہیں، حقیقت میں جو شخص اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آیا اور اس کی قدرت کو وہ اچھی طرح سمجھ چکا وہ مرنے کے بعد دوبارہ پیدا ہونے کو ضرور مان لے گا، اس کے ذہن میں قیامت اور آخرت کی بابت کچھ بھی شبہ نہیں رہ سکتا، مگر مشکل یہ آن پڑی ہے کہ محض اللہ تعالیٰ کا اقرار کرنا ایمان کے لئے کافی نہیں۔

اللہ تعالیٰ کا قانون

يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ وَ يَرْحَمُ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَ اِلَيْهِ تُقْلَبُوْنَ ﴿۲۱﴾

عذاب دیگا جسے چاہے اور رحم کرے گا جس پر چاہے اور طرف اسی کی لوٹائے جاؤگے (۲۱)

وَ مَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ وَ لَا فِي السَّمَآءِ ۫ وَ مَا

اور نہیں تم عاجز کرنے والے میں زمین اور نہ میں آسمان اور نہیں

ع ۲ ۹ ۱۴

لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّ لَا نَصِيْرٍ ﴿۲۲﴾

لیے تمہارے سوا اللہ کے کوئی ساتھی اور نہ مددگار (۲۲)

بامحاورہ ترجمہ: اللہ تعالیٰ جسے چاہے عذاب دے گا اور جس پر چاہے رحم کریگا اور اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ (۲۱) اور تم عاجز کرنے والے نہیں زمین میں اور نہ آسمان میں اور نہیں تمہارا اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی حمایتی اور نہ مددگار۔ (۲۲)

تفسیر

جو شخص اللہ تعالیٰ کے ماننے کا دعویٰ کرے، لیکن قیامت کے دن کی جزا سزا کا قائل نہ ہو اور آخرت کو نہ

مانے اس نے دراصل اللہ تعالیٰ کو جیسا ماننا چاہئے مانا ہی نہیں، ہو نہیں سکتا کہ اللہ تعالیٰ کو ماننے کے بعد اس کے پیغمبروں، فرشتوں، کتابوں آخرت کی جزا سزا اور ہمیشہ کی زندگی کو نہ مانا جائے، پیغمبر آخر آئے ہی کس لیے؟ اسی لیے کہ اللہ تعالیٰ کا ٹھیک تصور انسان کے ذہن میں بٹھا دیں اسے مانو تو اس کے قانون کو بھی مانو جس کی رُو سے مقرر ہو چکا ہے کہ انسان مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیا جائے گا اور اس کے بعد پھر کبھی نہ مرے گا، لیکن اس ہمیشہ کی زندگی کا عیش و آرام اس پر موقوف ہے کہ آدمی یہاں اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق چلے ورنہ وہاں کی زندگی عذاب اور مصیبت میں گذرے گی اور وہ زندگی موت سے بدتر ہوگی۔

ان آیتوں میں بتایا جارہا ہے کہ انسان پھر پیدا ہوگا اور اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنے عملوں کا حساب دینے کے لئے حاضر کیا جائے گا، وہاں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی کوئی بات نہیں چلے گی وہ جسے چاہے گا اس کے برائیوں کے بدلے عذاب دیگا اور جس پر چاہے گا، اس کی نیکیوں کے بدلے اپنی رحمت نازل فرمائے گا، ہر ایک کو اس کے پاس واپس آنا ہے، زمین اور آسمان میں کہیں کوئی ایسی جگہ نہیں جہاں کوئی اس سے بھاگ کر چھپ جائے تم اسے عاجز نہیں کر سکتے کہ اس کے ہاتھ نہ آؤ۔ ایسا نہیں ہوسکتا کہ وہ تمہیں ڈھونڈ نہ سکے اس کے سوا تمہارا نہ کوئی حمایتی نہ مددگار رہوگا۔

وَ مَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِیْنَ فِی الْاَرْضِ وَ لَا فِی السَّمَآءِ: اور تم زمین و آسمان میں خدا تعالیٰ کو عاجز نہیں کر سکتے، مطلب یہ کہ تم اس کی پکڑ سے بچ کر کہیں نکل نہیں سکتے، وہ جب چاہے گا تمہیں پکڑے گا، دنیا میں تو مجرم بعض اوقات پکڑ سے بچ نکلنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں اور ان کو پکڑنے والے عاجز آجاتے ہیں، مگر اللہ تعالیٰ کے ہاں ایسی کوئی بات نہیں کائنات کی ہر چیز اس کے قبضے میں ہے، لہذا اس کو کوئی بھی عاجز نہیں کر سکتا اور یہ بھی یاد رکھو! اس کے بغیر تمہارا کوئی مددگار نہیں ہر ایک کا کام بھی وہی بناتا ہے اور پھر جب پکڑتا ہے تو مدد کو بھی کوئی پہنچ نہیں سکتا، جو تمہیں چھڑا لے، آج جن چیزوں پر بھروسہ کر رہے ہو، قیامت میں وہ سب ختم ہو جائیں گے اور تمہیں کوئی چیز خدا کے عذاب سے نہیں بچا سکے گی۔

قوم کا جواب

وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَ لِقَآئِهٖٓ اُولٰٓئِكَ يَئِسُوْا مِنْ
اور جن لوگوں نے کفر کیا ساتھ آیتوں اللہ کی اور ملنے اس کے وہ لوگ ناامید ہوئے سے

رَّحْمَتِيْ وَ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۲۳﴾ فَمَا كَانَ جَوَابَ
رحمت میری اور یہ لوگ لیے ان کے عذاب ہے دکھ دینے والا (۲۳) پس نہ تھا جواب

قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوا اقْتُلُوْهُ اَوْ حَرِّقُوْهُ فَاَنْجٰىهُ اللّٰهُ مِنَ
قوم اس کی کا مگر یہ کہ کہنے لگے مار ڈالو اسے یا جلا ڈالو اسے پس بچا لیا اُسے اللہ نے سے

النَّارِ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۲۴﴾
آگ تحقیق میں اس البتہ نشانیاں ہیں واسطے اِن لوگوں جو ایمان لائے (۲۴)

بامحاورہ ترجمہ: ۔اور وہ لوگ جنہوں نے انکار کیا ہماری آیتوں اور ملاقات کا وہ میری رحمت سے ناامید ہوئے اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔(۲۳) پھر اس کی قوم کا کچھ جواب نہ تھا مگر یہی کہ بولے اسے مار ڈالو یا جلا دو، پھر اللہ تعالیٰ نے اس آگ سے بچالیا، اس میں ان لوگوں کے لئے جو ایمان لاتے ہیں بڑی نشانیاں ہیں۔(۲۴)

تفسیر

دنیا میں انسان کا کچھ ایسا دل لگ جاتا ہے کہ نہ اسے یہ خیال رہتا ہے کہ آخر ایک دن مرنا ہے اور نہ وہ یہ ماننے کے لیے تیار ہوتا ہے کہ مرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہونا ہوگا، یہی حال مکہ کے مشرکوں کا تھا، وہ جو جی میں آتا کرتے، بتوں کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑے ہوتے اور ان کی پوجا کرتے، قرآن مجید میں بتایا

جارہا ہے کہ ان سے پہلے ابراہیم علیہ السلام کی قوم کا یہی حال تھا، ابراہیم علیہ السلام نے سمجھایا کہ مرنا ضرور ہے، اس کے بعد اللہ تعالیٰ دوبارہ تمہیں زندہ کرے گا اور پھر اپنے سامنے بلا کر تمہارے عملوں کی پوچھ گچھ کرے گا، قوم نے جواب دیا کہ ہم یہ نہیں مانتے۔ آپ نے فرمایا کہ: جو لوگ اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو نہیں مانتے اور قیامت کے دن اس کی ملاقات، یعنی: مرنے کے بعد دوبارہ جی اٹھنے کا انکار کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: ان سے کہہ دو کہ تم میری رحمت کی امید مت رکھو، تمہارے لیے تو دُکھ دینے والا عذاب تیار ہے۔

قوم سے جواب تو کچھ نہ بن پڑا۔ کہنے لگے یہ شخص خواہ مخواہ ہماری جان کھائے جاتا ہے، اسے مار ڈالو یا زندہ ہی آگ میں جھونک دو، چنانچہ انہیں آگ میں ڈال دیا گیا، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے اسے آگ سے نجات دی اس سے ایمان والوں کو سمجھ لینا چاہئے کہ آخر میں کامیابی انہی کی ہوں گی اور اللہ تعالیٰ کے نہ ماننے والے تباہ ہوں گے۔

فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوۡمِهٖۤ اِلَّاۤ اَنۡ قَالُوا اقۡتُلُوۡهُ اَوۡ حَرِّقُوۡهُ: آپ کی قوم کے پاس اس کے سوا کوئی جواب نہیں تھا کہ ابراہیم کو قتل کر ڈالو یا زندہ جلا دو، اور انہوں نے یہی فیصلہ کیا کہ یہ شخص چونکہ ہمارے معبودوں کی توہین کرتا ہے، اس سے پہلے کہ ساری قوم کو گمراہ کر دے، اُسے قتل کر دینا چاہیے یا آگ میں زندہ جلا دینا چاہیئے، چنانچہ بہت سا ایندھن جمع کر کے آگ جلائی گئی اور پھر ابراہیم علیہ السلام کو منجنیق پر باندھ کر آگ کے بیچ میں پھینک دیا گیا۔

آگ میں پھینکے جانے کے باوجود آگ نے آپ کا ایک بال بھی نہیں جلایا، البتہ وہ رسی جل گئی تھی جس کے ساتھ آپ کو جکڑ کر آگ میں پھینکا گیا تھا۔

اِنَّ فِیۡ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یُّؤۡمِنُوۡنَ: بیشک اسمیں البتہ نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو ایمان لاتے ہیں، ذرا اندازہ لگائیں کہ ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچانے کے لیے کتنی تکلیفیں برداشت کیں اور کتنی قربانیاں پیش کیں، پہلے اپنے باپ سے پھر خاندان سے اور پھر پوری قوم کے ساتھ دشمنی مول لی، حتیٰ کہ آپ

کو آگ میں پھینک دیا گیا۔

بیشک اس واقعہ میں ان لوگوں کے لئے جو ایمان رکھتے ہیں، کئی نشانیاں ہیں (یعنی: یہ واقعہ کئی چیزوں کی دلیل ہے) اللہ تعالیٰ کا قادر ہونا، ابراہیم علیہ السلام کا پیغمبر ہونا، کفر و شرک کا غلط ہونا، اس لئے یہ ایک ہی دلیل کئی دلیلوں کے قائم مقام ہوگئی۔

پھر سمجھایا

وَ قَالَ اِنَّمَا اتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا ۙ مَّوَدَّةَ بَيْنِكُمْ

اور کہا بات یہی ہے کہ بنائے ہیں تم نے چھوڑ کر اللہ کو کچھ بت محبت سے آپس کی

فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُ بَعْضُكُمْ

میں زندگانی دنیا کی پھر دن قیامت کے خلاف ہو جائیگا ایک تمہارا

بِبَعْضٍ وَّ يَلْعَنُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا ۫ وَّ مَاْوٰىكُمُ النَّارُ وَ مَا

ایک کے اور لعنت کرے گا ایک تمہارا ایک کو اور ٹھکانا تمہارا آگ ہے اور نہیں

لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ۗ ۝۲۵

تمہارا کوئی مددگار (۲۵)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور ابراہیم نے کہا بیشک بنالیا ہے تم نے اللہ تعالیٰ کے سوا بتوں کو معبود آپس کی دوستی کیلئے دنیا کی زندگی میں، پھر قیامت کے دن انکار کریں گے بعض تمہارے بعض کے ساتھ، اور لعنت بھیجیں گے تمہارے بعض پر۔ (۲۵)

تفسیر

حضرت ابراہیم علیہ السلام لوگوں کو سمجھاتے رہے کہ لوگو! یہ معبود جو تم نے بنائے ہیں، ان سے تمہیں فقط دنیا میں

آپس کا میل جول قائم رکھنا مقصود ہے، سو! دُنیا کچھ دن کی ہے، قیامت کے دن تمہارے اندر آپس میں پھوٹ پڑ جائے گی اور تم ایک دوسرے کو لعنت ملامت کرو گے، پھر تم سب کو ہانک کر آگ میں ڈال دیا جائے گا، دنیا میں بتوں کے ذریعے آپس کا میل جول کچھ کام نہیں آئے گا، نہ یہ تمہارے گھڑے ہوئے معبود تمہاری کچھ مدد کر سکیں گے اور نہ یہ تمہارے دنیا کے دوست تمہاری مدد کر سکیں گے، یہاں سے معلوم ہوا کہ آخرت میں یہ چیزیں کچھ کام نہ آئیں گی۔

مَوَدَّةَ بَيْنِكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا: زندگی میں تمہارے لیے آپس میں دوستی کا ذریعہ ہے اور پھر اسی کی بناء پر تم آپس میں "ایک دوسرے کے ہمدرد" بن کر ایک دوسرے سے محبت کرنے لگتے ہو، ہر وقت اسی معبود کے گُن گاتے ہو اور اُسی پر جیتے اور اُسی پر مرتے ہو۔

دنیا میں تو تم اِن جھوٹے معبودوں کی محبت میں گھرے ہوئے ہو، پھر قیامت والے دن تم ایک دوسرے کا انکار کر دو گے، یہاں کی دوستی اس وقت دشمنی میں بدل جائے گی اور جن معبودوں کی تم عبادت کرتے تھے، وہ بھی انکار کر دیں گے اور کہیں گے کہ ہم نے تو ان کو نہیں کہا کہ ہماری عبادت کرو، یہ تو خود اپنی خواہش پر چلتے رہے، اپنی حاجت پوری کرنے کیلئے ہمارے نام پر بنائے ہوئے بتوں کی طرف پوجا کرتے تھے، ہمارا تو اس میں کوئی قصور نہیں۔

ابراہیم علیہ السلام کی ہجرت

فَاٰمَنَ لَهٗ لُوْطٌ ۘ وَ قَالَ اِنِّيْ مُهَاجِرٌ اِلٰى رَبِّيْ ؕ اِنَّهٗ هُوَ (وقف لازم)

پس ایمان لایا پر اس لوط اور کہا تحقیق میں ہجرت کرنے والا ہوں طرف رب اپنے کے تحقیق وہ وہی

الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۲۶﴾ وَ وَهَبْنَا لَهٗ اِسْحٰقَ وَ يَعْقُوْبَ وَ جَعَلْنَا

زبردست ہے حکمت والا (۲۶) اور دیا ہم نے اُسے اسحاق اور یعقوب اور مقرر کردی ہم نے

فِیْ ذُرِّیَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَ الْكِتٰبَ وَ اٰتَیْنٰهُ اَجْرَهٗ فِی الدُّنْیَا ۚ وَ

میں اولاد اُس کی پیغمبری اور کتاب اور دیا ہم نے اُسے اجر اس کا میں دنیا اور

اِنَّهٗ فِی الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِیْنَ ﴿۲۷﴾

تحقیق وہ میں آخرت میں سے نیک لوگوں (۲۷)

بامحاورہ ترجمہ:۔ پھر لوط ابراہیم پر ایمان لائے اور ابراہیم نے کہا میں تو وطن چھوڑتا ہوں اپنے رب کے طرف، یعنی: اللہ تعالیٰ کے حکم سے جہاں وہ چاہے گا ہجرت کر جاؤنگا، بیشک وہی زبردست ہے حکمت والا۔ (۲۶) اور دیا ہم نے اسے اسحٰق اور یعقوب اور اس کی اولاد میں پیغمبری اور کتاب اور ہم نے اسے دنیا میں اس کا ثواب دیا اور آخرت میں وہ البتہ نیکوں میں سے ہے۔ (۲۷)

تفسیر

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم کو بتوں کی پوجا کا غلط ہونا ہر طرح سے سمجھایا مگر ان کی سمجھ میں نہ آیا بلکہ الٹے ان کے دشمن ہو گئے، بہت بڑی آگ جلا کر انہیں اس میں ڈال دیا وہ تو اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے انہیں آگ سے صحیح سالم بچا لیا اور ان کا بال تک نہ جلا، اس کے بعد بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سمجھانا نہ چھوڑا، مگر صرف ان کے بھتیجے حضرت لوط علیہ السلام نے ان کی تصدیق کی اور ان پر ایمان لائے اور کسی نے نہ سنا، جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دشمنوں نے بہت ستایا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں وہاں سے چلے جانے کا حکم دیا، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم کے لئے بددعا نہ کی بلکہ آخر میں باپ سے یہ کہہ کر رخصت ہوئے کہ میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرونگا کہ آپ کو ہدایت دے اور آپ کے گناہوں کو معاف کردے، یہ کہہ کر وہ عراق کے شہر بابل سے جو ان کا وطن تھا اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کر کے روانہ ہوئے اور حضرت بی بی سارہ اور حضرت لوط بھی ان کے ساتھ ہوئے، اللہ تعالیٰ نے یہ ہجرت ان کے لیے بہت مبارک فرمائی اور ان کو اسحٰق علیہ السلام بیٹا دیا، حضرت اسحاق علیہ السلام کے بیٹے حضرت یعقوب ہوئے جن

کی اولاد بنی اسرائیل کہلائی اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے گھرانے میں ہمیشہ کے لیے پیغمبری قائم کردی، اور آسمانی کتابیں بھی انہیں کی اولاد پر اتاریں، دنیا میں بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام پر فضل فرمایا اور آخرت میں بھی وہ صالحوں اور نیکوکاروں میں شامل ہوں گے۔

بعد کے واقعوں سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی حکمت کارفرما تھی، آپ نے شام و فلسطین کو اپنا مستقل ٹھکانا بنایا اور پھر ایک لمبے زمانے کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپ کو اولاد بھی عطا فرمائی، پہلے اللہ تعالیٰ نے حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا سے اسماعیل علیہ السلام کو پیدا کیا اور جیسا کہ اس جگہ پر ذکر ہے بعد میں حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کو بھی اولاد دی، اللہ تعالیٰ نے سو(۱۰۰) سال کی عمر میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد کی خواہش کو پورا فرمایا، اور فرمایا کہ: ہم نے ابراہیم کو اسحاق جیسا بیٹا اور یعقوب جیسا پوتا عطا فرمایا، ابراہیم علیہ السلام نے دوسو(۲۰۰) سال کی عمر پائی اور آپ کی زندگی میں ہی اللہ تعالیٰ نے اسحاق علیہ السلام کو یعقوب علیہ السلام بھی عطا فرمایا اور دونوں کو پیغمبر بھی بنایا۔

ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں اللہ نے نبوت اور کتاب رکھ دی، آپ کے بعد دنیا میں جتنے بھی پیغمبر پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سمیت آئے، سب ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے، اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو ان کا صلہ دنیا میں بھی دیا، دنیا میں آپ کو عزت و احترام دیا، آپ کی اولاد کو پیغمبری عطا کر کے آپ کو پیغمبروں کا باپ بنا دیا، آپ کو دنیا کی سرداری عطا فرمائی اور آپ کی ملت کو جاری فرمایا اور دوسری امتوں کو بھی حکم دیا کہ ملتِ ابراہیمی کی پیروی کرو۔

یہ تو دنیا کے انعام تھے، فرمایا: اور بیشک آپ آخرت میں بھی نیکوکاروں میں سے ہیں، دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ نے مال، اولاد، عزت اور نیک نامی دی، اولاد کو حکومت بھی عطا فرمائی اور آخرت میں آپ یقیناً اعلیٰ درجے پر ہوں گے۔

حضرت لوط علیہ السلام

وَ لُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖۤ اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ ۫ مَا
اور بھیجا لوط کو جب کہا اس نے قوم اپنی سے بیشک تم اتر آئے ہو ایسی بے حیائی پر کہ نہیں

سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۲۸﴾ اَئِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ
پہل کی تم سے جس میں کسی ایک نے سے جہان والوں (۲۸) کیا سچ مچ تم آتے ہو مردوں کے پاس

وَ تَقْطَعُوْنَ السَّبِیْلَ ۙ۬ وَ تَاْتُوْنَ فِیْ نَادِیْكُمُ الْمُنْكَرَ ؕ
اور قطع کرتے ہو راستہ اور کرتے ہو تم میں اپنی محفلوں ناشائستہ حرکات

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور لوط کو بھیجا جب اس نے اپنی قوم سے کہا کہ تم ایسی بے حیائی کے کام پر اتر آئے ہو کہ وہ جہان میں تم سے پہلے کسی نے نہیں کیا۔ (۲۸) کیا تم مردوں پر دوڑتے ہو اور راہ مارتے ہو، یعنی: آنے والوں پر ڈالتے ہو اور انکا مال اسباب لوٹ لیتے ہو اور اپنی مجلس میں برا کام کرتے ہو۔

تفسیر

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت لوط علیہ السلام دونوں عراق سے ہجرت کر گئے، حضرت ابراہیم علیہ السلام تو فلسطین میں جا کر رہنے لگے اور لوط علیہ السلام "شرق اردن" میں رہے، پھر حضرت لوط علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اپنا پیغمبر مقرر کر کے "سدوم" کے لوگوں کے پاس انہیں سمجھانے کے لیے بھیجا، انہوں نے ان سے کہا کہ تم نے ایسی بے حیائی پر کمر باندھی ہے، جو تم سے پہلے کسی نے جہان بھر میں نہیں کی، تمہیں شرم نہیں آتی کہ تم نے انسانیت کی جڑ کاٹ کر رکھ دی، یہ پرلے درجے کی بے حیائی ہے کہ تم مردوں کے پاس اپنی خواہشیں پوری کرنے آتے ہو اور تمہاری شیطانی حرکات کے ڈر سے لوگوں نے اس طرف کے راستوں سے گذرنا چھوڑ دیا ہے، کاروبار کے راستے بند پڑے ہیں

اور آمد و رفت بند ہوگئی ہے، تم اپنی بھری محفلوں میں بُرا کام کرتے ہو، ساری شرم و حیاء ایک طرف رکھ دی، تمہاری گفتگو تک میں فحش باتوں کے سوا کچھ نہیں رہا حضرت لوط علیہ السلام کی قوم بالکل بے حیاء ہوگئی تھی اور ان کا کام سوا گندے کاموں کچھ نہ تھا، باہر کے آنے والے ان کے ہاتھ سے پریشان تھے، لوگوں نے راستہ چلنا چھوڑ دیا تھا، جو انسانیت کے خلاف کام انہوں نے اختیار کئے تھے، وہ جہان بھر میں ان سے پہلے کسی نے نہ کیا تھا، حضرت لوط علیہ السلام ان کو سمجھا کر سیدھے راستے پر لانے کے لیے مقرر ہوئے اور انہوں نے سمجھانے میں کسر نہیں چھوڑی۔

غفلت کی انتہاء

فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوا ائْتِنَا بِعَذَابِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتَ

پس نہیں تھا جواب قوم اس کا مگر یہ کہ کہا لے آ ہم پر عذاب اللہ کا اگر ہے تو

ع ۳ ۸ ۱۵ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۲۹﴾ قَالَ رَبِّ انْصُرْنِيْ عَلَى الْقَوْمِ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۳۰﴾

سے سچے لوگوں (۲۹) کہا اس نے اے رب میرے! مدد کر میری پر ان لوگوں فسادی (۳۰)

بامحاورہ ترجمہ:۔ پھر ان کی قوم کے پاس کچھ جواب نہ تھا مگر یہی کہ بولے لے آ ہم پر عذاب اللہ تعالیٰ کا اگر تو سچا ہے۔(۲۹) (لوط علیہ السلام نے) کہا اے میرے رب! ان فسادی لوگوں پر میری مدد فرما۔(۳۰)

تفسیر

حضرت لوط علیہ السلام کی نصیحت سُن کر ان کی قوم کے پاس اس کے سوا کوئی جواب نہ تھا کہ اگر تو سچا ہے تو اللہ تعالیٰ کا عذاب لے آ، ہم تو یہی کرتے رہیں گے جو کر رہے ہیں، یہ جواب بہت دل توڑنے والا تھا، آپ خاموش ہوئے اور اللہ تعالیٰ کے سامنے عرض کیا۔ کہ اے میرے پروردگار! یہ لوگ تباہی اور فساد پھیلانے پر تلے ہوئے ہیں اور میری کچھ نہیں سنتے، میرا مددگار آپ کے سوا کوئی نہیں، میں آپ کے سوا کس سے کہوں، اے میرے رب! میری

مدد فرما اور ان شریروں کے مقابلہ میں مجھے کامیابی عطا فرما۔

کافروں کی شرارتیں اور فساد دُنیا میں اکثر تباہی کا باعث ہوئی ہیں اور شریروں کو اکثر ان کی شرارت کے باعث تباہ و برباد کیا گیا ہے، قرآن مجید میں ان کے قصے عبرت کے لیے درج کر دیئے گئے، تا کہ لوگ ان کو پڑھ کر ان کاموں سے بچیں جو ان کی تباہی کا سبب بنے۔

لیکن افسوس ہے کہ! انسان اب بھی ان باتوں کو اختیار کرتا چلا جا رہا ہے، جس سے پہلے لوگوں پر تباہی آ چکی ہے اور اس کی ڈھٹائی وہی ہے جو پہلے تھی، اللہ کی ہدایت کے بغیر سیدھا چلنا مشکل ہے، اللہ ہمیں ہدایت فرمائے۔

تباہی کا حکم

وَلَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى ۙ قَالُوْٓا اِنَّا مُهْلِكُوْٓا

اور جب آئے بھیجے ہوئے ہمارے ابراہیم کے پاس ساتھ خوشخبری کے بولے یقیناً ہم ہلاک کرنے والے ہیں

اَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ ۚ اِنَّ اَهْلَهَا كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ۝۳۱ قَالَ اِنَّ

لوگوں کو اس بستی کے تحقیق لوگ اس کے ہیں ظالم (۳۱) کہا یقیناً

فِيْهَا لُوْطًا ۭ قَالُوْا نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَنْ فِيْهَا ۫

میں اس لوط بھی ہے فرشتے بولے ہم خوب جانتے ہیں اسے جو میں اس کے

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور جب ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے ابراہیم کے پاس خوشخبری لے کر پہنچے، فرشتے بولے ہم ہلاک کرینگے ان بستی والوں کو کیونکہ وہاں کے لوگ حد سے گزرنے والے ہیں۔ (۳۱) ابراہیم نے کہا اس بستی میں تو لوط بھی ہے، فرشتے بولے ہم کو خوب معلوم ہے جو کوئی اس بستی میں ہے۔

تفسیر

ان آیتوں میں لوط علیہ السلام کی قوم کا بیان ہے، حضرت لوط علیہ السلام نے انہیں لاکھ سمجھایا، مگر ان کے کانوں پر

جوں تک نہ رینگی، ان کو شہر سے زبردستی نکالنے پر تیار ہوئے آخر کار عذاب کے فرشتے آئے اور پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس، آ کر انہیں بڑھاپے میں بیٹے کی خوشخبری دی، پھر کہا کہ ہم لوط کی بستیوں کو تباہ کرنے کے لیے بھیجے گئے ہیں کیونکہ وہاں کے لوگ برے کاموں سے باز نہیں آتے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو فکر ہوئی کہ بُروں کے ساتھ کہیں اچھے بھی نہ پس جائیں، کہنے لگے کہ وہاں تو لوط بھی ہے، جب بستی تباہ ہو جائے گی تو وہ تو بے گناہ ہے کیا وہ بھی عذاب میں پکڑا جائے گا، فرشتے ابراہیم علیہ السلام کی سوال سے ان کی پریشانی کی وجہ سمجھ گئے، کہنے لگے کہ ہمیں ہر شخص کا حال معلوم ہے جو اس بستی میں رہتا ہے، آپ تسلی رکھیں انکو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔

بے گناہ بچ جائیں گے

لَنُنَجِّيَنَّهٗ وَ اَهْلَهٗٓ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ۗ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿۳۲﴾ وَ

البتہ نجات دیں گے ہم اسے اور گھر والوں اسکے کو مگر عورت اس کی کہ ہوگی وہ سے پیچھے رہ جانے والوں (۳۲) اور

لَمَّآ اَنْ جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا سِيْٓءَ بِهِمْ وَ ضَاقَ بِهِمْ

جب کہ آئے بھیجے ہوئے ہمارے لوط کے پاس پریشان ہوا ان کی وجہ سے اور تنگی محسوس کی دل میں

ذَرْعًا وَّ قَالُوْا لَا تَخَفْ وَ لَا تَحْزَنْ ۣ

ان کے سبب اور انہوں نے کہا مت خوف کر اور مت غمگین ہو

بامحاورہ ترجمہ:۔ ہم اسے اور اس کے گھر والوں کو بچا لیں گے مگر اس کی عورت کہ وہ پیچھے رہ جانے والوں میں ہوگی۔(۳۲) اور جب ہمارے بھیجے ہوئے (فرشتے) لوط کے پاس پہنچے تو وہ انہیں دیکھ کر پریشان اور تنگ دل ہوئے اور فرشتے بولے ڈرو مت غم مت کرو۔

تفسیر

فرشتوں نے کہا کہ ہم لوط علیہ السلام کو اور ان کے سارے گھر والوں کو بچا لیں گے، مگر ان کی بیوی کو نجات نہ

ملے گی اور وہ ان سے علیحدہ ہو کر قوم کے ساتھ پیچھے رہ جائے گی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دل میں فرشتوں کے یہ کہنے سے کہ ہم بستی کو تباہ کر دیں گے، یہ خدشہ پیدا ہوا تھا کہ لوط علیہ السلام کا کیا حال ہوگا، فرشتوں نے انہیں اطمینان دلایا کہ لوط علیہ السلام ہی کو نہیں بلکہ ان کے سارے گھر والوں کو اس بستی سے باہر چلے جانے کی ہدایت کریں گے اور وہ صحیح سالم وہاں سے نکل کر دوسری جگہ چلے جائیں گے، مگر ان کی بیوی ان سے چھوٹ کر پیچھے رہ جائے گی اور وہ بستی والوں کے ساتھ ہلاک ہوگی۔

یہ کہہ کر اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے فرشتے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس سے روانہ ہوئے اور لوط علیہ السلام کے پاس پہنچے اور کہا کہ ہم آپ کے مہمان ہیں۔

حضرت لوط علیہ السلام اپنی قوم کی بری عادت سے واقف تھے کہ وہ باہر سے آنے والوں کو خاص طور سے ستاتے تھے، ان کے آنے سے بڑے پریشان ہوئے اور بجائے اس کے کہ مہمان کے آنے کی خوشی ہوتی جیسا کہ مہمان نواز لوگوں اور خاص کر اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں اور خاص بندوں کو ہوا کرتی ہے، اُلٹے غم میں مبتلا ہو گئے اور سوچنے لگے کہ اب بستی والوں سے ان لوگوں کی حفاظت کیسے کروں گا، فرشتوں نے انہیں پریشان اور غمزدہ دیکھ کر کہا کہ آپ کسی بات پر خوف مت کریں اور نہ غمزدہ ہوں۔

فرشتوں نے سمجھایا

إِنَّا مُنَجُّوكَ وَأَهْلَكَ إِلَّا امْرَأَتَكَ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿۳۳﴾

تحقیق ہم نجات دینے والے ہیں آپکو اور گھر والوں آپکے کو مگر عورت آپ کی ہے وہ سے پیچھے رہ جانے والے (۳۳)

إِنَّا مُنْزِلُوْنَ عَلٰى أَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ رِجْزًا مِّنَ السَّمَاءِ

تحقیق ہم اتارنے والے ہیں پر لوگوں اس بستی کے عذاب سے آسمان

بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿۳۴﴾ وَلَقَدْ تَّرَكْنَا مِنْهَا آيَةً بَيِّنَةً

بوجہ اسکے کہ ہو رہے ہیں وہ بدکاری کرنے والے (۳۴) اور البتہ تحقیق چھوڑا ہم نے اس بستی کا نشان ظاہر

لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۳۵﴾
واسطے لوگوں کے جو عقل رکھتے ہیں (۳۵)

بامحاورہ ترجمہ:۔ ہم آپ کو اور آپ کے گھر والوں کو بچالیں گے مگر آپ کی عورت ہے پیچھے رہ جانے والوں میں۔ (۳۳) ہمیں اس بستی والوں پر ایک عذاب آسمان سے اُتارنا ہے اس بات پر کہ وہ نافرمان ہیں۔ (۳۴) اور ہم نے اس بستی کا نشان نظر آتا ہوا باقی رکھا سمجھ دار لوگوں کے واسطے۔ (۳۵)

تفسیر

فرشتوں نے کہا کہ ہم تم کو اور تمہارے گھر والوں کو بچالیں گے مگر وہاں تمہاری عورت تم سے چھوٹ کر یہیں بستی والوں کے ساتھ پیچھے رہ جائے گی، اس کے بعد اس بستی والوں کی شامت آئے گی، ایسے گستاخ ہو گئے ہیں کہ کھلم کھلا بدکاری میں مبتلا ہیں، بُرا کام کرنے میں ذرا نہیں جھجکتے، ان کے دل سے یہ خیال بالکل نکل گیا ہے کہ انسان کے لیے دنیا میں چال چلن کا ایک قانون ہے جس کے پابند رہنے ہی میں اس کی خیریت ہے، اگر اسے توڑا تو پھر اس کی خیر نہیں، ہم اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس بستی کے لوگوں پر سخت عذاب اتارنے والے ہیں کیوں کہ ان کی بے حیائی اور گندے کاموں کی نحوست ان پر پوری طرح چھا گئی ہے، اب اس کا وبال ان پر پڑ کر رہے گا، چنانچہ حضرت لوط علیہ السلام کو انہوں نے ہدایت کی کہ صبح ہونے سے پہلے راتوں رات اس بستی سے اپنے گھر والوں کو لے کر چلے جاؤ، کوئی تم میں سے پیچھے مڑ کر نہ دیکھے۔ تمہاری بیوی تم سے پیچھے ان بستی والوں میں رہ جائیگی اور انہیں کے ساتھ ہلاک ہوگی، چنانچہ وہ رات ہی کو بستی سے باہر چلے گئے، صبح کے وقت عذاب نے اس بستی کو گھیر لیا۔

ارشاد ہے کہ: اس بستی کا ایسا نشان ہم نے باقی رکھا ہے جو بالکل صاف نظر آتا ہے، تا کہ اسے دیکھ کر عقلمند لوگ عبرت حاصل کریں کہ یہاں اللہ تعالیٰ کے نافرمان لوگ بسے تھے جو نافرمانی کی سزا میں تباہ ہوئے، ہمیں اس سے بچنا چاہیئے۔

مدین والے

وَ اِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۙ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ
اور طرف مدین والوں کے بھائی ان کے شعیب کو پس کہا اس نے اے میری قوم! عبادت کرو اللہ کی

وَ ارْجُوا الْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَ لَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿۳۶﴾
اور امید رکھو دن آخرت کی اور مت پھرو میں زمین فساد مچاتے (۳۶)

فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿۳۷﴾
پس جھٹلایا انہوں نے پھر پکڑا ان کو زلزلہ نے اور ہو گئے وہ صبح کو میں گھروں اپنے اوندھے پڑے ہوئے (۳۷)

بامحاورہ ترجمہ:۔اور مدین والوں کی طرف ان کے بھائی شعیب کو بھیجا پس شعیب نے کہا: اے میری قوم! اللہ کی بندگی کرو اور قیامت کے دن کی اُمید رکھو اور ناپ تول میں کمی کر کے زمین فساد نہ مچاؤ۔(۳۶) پھر انہوں نے اسے جھٹلایا تو ان کو زلزلہ نے پکڑ لیا پھر صبح کو اپنے گھروں میں اُوندھے پڑے رہ گئے۔(۳۷)

تفسیر

حضرت شعیب علیہ السلام نے ان کو سمجھایا کہ ایک اللہ کی عبادت کرو اور آخرت کے دن کی اُمید رکھو اور زمین میں فساد مت مچاؤ ان کی قوم نے تو ان کی ایک نہ سنی، آخر زور کا زلزلہ آیا، صبح کو دیکھا تو گھروں میں مرے ہوئے اُوندھے پڑے تھے۔

وَ اِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا: اور اسی طرح ہم نے مدین کی طرف ان کے بھائی شعیب علیہ السلام کو پیغمبر بنا کر بھیجا، انہوں نے لوگوں کو اس طرح نصیحت کی، فرمایا: اے لوگو! صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو، اور آخرت کی اُمید رکھو، یعنی: آخرت کا خوف ہر وقت اپنے سامنے رکھو اور زمین میں فساد برپا نہ کرو، شعیب علیہ السلام نے

قوم کی خرابیوں کی نشاندہی کرتے ہوئے یہ بھی فرمایا کہ کفر اور شرک سے باز آجاؤ، تجارت میں دھوکہ نہ کرو، ناپ تول میں کمی نہ کرو، لوگوں کے حقوق ضائع نہ کرو، اور شرکیہ رسموں سے باز آجاؤ، قوم نے آپ کی کوئی بات نہ مانی بلکہ اُلٹا آپ کو جھٹلایا، یعنی: آپ کی پیغمبری کا ہی انکار کر دیا اور کہنے لگے اے شعیب! ہمارے دین میں واپس آجاؤ، یہ روز روز کی تبلیغ چھوڑ دو، ورنہ: ہم تمہیں اور تمہارے ساتھ ایمان لانے والوں کو اپنی بستی سے نکال دیں گے، (الاعراف: ۸۸) انہوں نے اس طرح کی دھمکی بھی دی، اگر تیری برادری کا لحاظ نہ ہوتا تو ہم تجھے پتھر مار مار کر ہلاک کر دیتے۔ (ہود: ۹۱) تمہاری برادری کے کئی آدمی ہماری پارٹی سے تعلق رکھتے ہیں، لہذا ہم ان کے لحاظ میں تمہارے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھا رہے۔

بالآخر اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان فرمانوں کو زلزلے نے آ پکڑا، دوسری جگہ موجود ہے اس قوم پر دو قسم کا عذاب آیا ہے، یعنی: نیچے سے زلزلہ آیا اور اُوپر سے سخت چیخ بھی آئی جس سے ان کے کلیجے پھٹ گئے اور وہ ہلاک ہو گئے۔

دوسرے گمراہ لوگ

وَ عَادًا وَّ ثَمُوْدَاۡ وَ قَدْ تَّبَيَّنَ لَكُمْ مِّنْ مَّسٰكِنِهِمْ ۫ وَ زَيَّنَ

اور عاد اور ثمود اور تحقیق ظاہر ہو چکا ہے پر تم سے رہنے کی جگہ ان کی اور سجایا

لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ وَ كَانُوْا

واسطے ان کے شیطان نے عملوں ان کے کو پس روک دیا انہیں سے راستہ اور تھے وہ

مُسْتَبْصِرِيْنَ ﴿۳۸﴾ وَ قَارُوْنَ وَ فِرْعَوْنَ وَ هَامٰنَ ۫

سوجھ بوجھ والے (۳۸) اور (ہلاک کیا) قارون اور فرعون اور ہامان کو

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور ہم نے عاد اور ثمود کو ہلاک کیا اور واضح ہو چکا ہے تم پر ان کے مکانوں سے کہ وہ بہت ہنر مند اور خوشحال تھے۔ اور شیطان نے ان کے لیے ان کے برے کاموں کو سجا دیا اور انکو سید ھے

راستے سے روک دیا اور دنیا کے لحاظ سے وہ سوجھ بوجھ والے تھے۔ (۳۸) اور ہلاک کیا ہم قارون اور فرعون اور ہامان کو۔

تفسیر

حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت لوط علیہ السلام کی قوموں کا ذکر پہلے کر کے پھر ارشاد ہے کہ: نوح اور ابراہیم علیہما السلام کے درمیانی زمانے میں عرب ہی کی سرزمین میں بہت سی قومیں گذری ہیں، جن میں سے عاد اور ثمود سرکشی میں بہت بڑھ گئے تھے، یہ لوگ نہایت صحت منداور اپنے دنیاوی معاملات میں خوب ہوشیار تھے، افسوس! انہوں نے عقل سے وہ کام نہ لیا جو لینا چاہیئے تھا، انہوں نے بدکرداری اختیار کی، دنیاوی چہل پہل اور خوشحالی کو دیکھ کر سمجھے کہ یہ ہمیشہ یونہی رہے گی، شیطان نے ان کے بروں عملوں کو انکے سامنے اچھا سجا کر پیش کیا، یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کے مقرر کیے ہوئے راستہ سے دور جا پڑے اور شیطان نے کوشش کی کہ وہ پھر اس صحیح راستہ پر آنے نہ پائیں، عقلمند ہوتے ہوئے وہ اس کے داؤ میں آگئے، پیغمبروں کا کہنا نہ مانا، آخر عذاب ہی میں مبتلا ہوئے، آج تک ان کے کھنڈر بتارہے ہیں کہ وہ زبردست لوگ تھے، مگر اللہ تعالیٰ کے حکم کے آگے ان کی ایک نہ چلی اور انکی دانائی اور سوجھ بوجھ رکھی رہ گئی، یہ مکہ والے ان کے کھنڈرات سفر میں دیکھتے جاتے ہیں، انہیں عبرت حاصل کرنی چاہیئے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد ان لوگوں کا ذکر ہے، جن میں قارون، فرعون اور ہامان بڑے فسادی گذرے ہیں۔

وَ كَانُوْا مُسْتَبْصِرِيْنَ: بعض لوگ دنیاوی لحاظ سے ہوشیار ہیں مگر آخرت کے معاملے میں کچھ بھی نہیں ہوتے ہیں، آج کی دنیا میں کافر، مشرک لوگ دنیا کے معاملے میں کمال درجے کو پہنچے ہوئے ہیں، اُن میں بڑے بڑے سائنسدان، پروفیسر اور فلاسفر ہیں، تجارت کے معاملے میں بڑے تجربات رکھتے، بڑی بڑی سلطنتوں کے مالک ہیں، سیاست میں بھی مہارت رکھتے ہیں، مگر آخرت کی عقل نہیں رکھتے، اس قسم کے لوگوں میں

بڑے بڑے بیرسٹر بھی ہیں کہ جب کسی مقدمے میں دلیلیں دیتے ہیں، تو عقل دنگ رہ جاتی ہے، مگر قیامت، آخرت، جنت اور دوزخ کے معاملوں میں ان کا ذہن بالکل کام نہیں کرتا، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ آخرت کی ہمیشہ کی زندگی میں ناکامی کا منہ دیکھتے ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام

وَ لَقَدْ جَآءَهُمْ مُّوْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ فَاسْتَكْبَرُوْا فِي الْاَرْضِ وَ
اور البتہ تحقیق آئے پاس ان کے موسیٰ ساتھ نشانیوں کھلی پس بڑائی جتائی انہوں نے میں زمین اور

مَا كَانُوْا سٰبِقِيْنَ ﴿٣٩﴾ فَكُلًّا اَخَذْنَا بِذَنْۢبِهٖ
نہ تھے وہ بھاگ کر بچنے والے (۳۹) پس ہر ایک کو پکڑا ہم نے بوجہ گناہ اسکے

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور ان کے پاس موسیٰ کھلی نشانیاں لے کر پہنچے، پس وہ بڑے بن بیٹھے ملک میں اور وہ ہم سے جیتنے والے نہ تھے۔ (۳۹) پھر ہم نے سب کو ان کے اپنے اپنے گناہ پر پکڑا۔

تفسیر

ارشاد ہے کہ: قارون، فرعون، اور ہامان نے سرکشی پر کمر باندھی تو ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو ان کے سمجھانے کے لیے بھیجا، انہوں نے پیغمبر ہونے کے ثبوت میں ایسی صاف اور کھلی نشانیاں پیش کیں، جنہیں دیکھ کر کسی کو ان کے پیغمبر ہونے میں شبہ نہ ہوسکتا تھا، لیکن لوگوں کو اپنی غرور میں کچھ نہ سوجھا، جان بوجھ کر نادان بن گئے، آنکھیں تھیں، کان تھے، مگر نہ دیکھا نہ سنا، فرعون مصر کا بادشاہ تھا اور اتنا زور آور تھا کہ خدائی کا دعویٰ کر بیٹھا تھا، اس نے صاف کہہ دیا کہ میں اپنے آپ سے کسی کو بڑا ماننے کے لیے تیار نہیں جو مجھ پر حکم چلا سکے۔

ہامان اس کا وزیر تھا، اس نے کہا کہ فرعون کے ہاں سے مجھے کیا نہیں ملتا، جو میں دوسرے کی طرف دیکھوں،

قارون بنی اسرائیل میں سے تھا اور موسیٰ علیہ السلام کو پیغمبر مان چکا تھا۔ لیکن پیسے والا اتنا تھا کہ ان کا حکم ماننے کو ضروری نہیں سمجھتا تھا، وہ اس خیال میں تھا کہ میں دولت مند ہوں، مجھے میری دولت سب مصیبتوں سے بچالے گی۔

ارشاد ہے کہ: ان میں سے کوئی بھی ہماری پکڑ سے باہر نہ تھا، ان میں سے کسی کی مجال نہ تھی کہ مقابلہ میں ہم سے جیت جائے، زبانی ڈینگے مارنے سے کیا ہوتا ہے، ہمارے ایک اشارے پر چت ہو جائیں گے اور کچھ کرتے دھرتے نہ بن پڑے گی، چنانچہ ایسا ہی ہوا، ایک قارون، فرعون، اور ہامان ہی کیا، جس نے بھی سرکشی کی ہم نے اس کو اس کے گناہوں پر پکڑ لیا۔

فرعون اور ہامان تو بحر قلزم پر ڈوب کر ہلاک ہوئے، جبکہ قارون کو اس کے خزانوں سمیت زمین میں دھنسا دیا گیا، یہ ان گناہوں کی سزا تھی۔

عذاب کی مختلف صورتیں

فَمِنْهُمْ مَّنْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا ۚ وَ مِنْهُمْ مَّنْ اَخَذَتْهُ

پس ان میں بعض وہ تھے کہ بھیجی ہم نے پر ان پتھراؤ کرنے والی ہوا اور بعض وہ تھے کہ پکڑا ان کو

الصَّيْحَةُ ۚ وَ مِنْهُمْ مَّنْ خَسَفْنَا بِهِ الْاَرْضَ ۚ

خوفناک چیخ نے اور بعض وہ کہ دھنسا دیا ہم نے انہیں زمین میں

بامحاورہ ترجمہ:۔ کہ ان میں سے بعض پر تو ہم نے ہوا سے پتھراؤ کر دیا اور بعض کو چیخ نے آ پکڑا اور بعض ایسے تھے جنہیں ہم نے زمین میں دھنسا دیا۔

تفسیر

پہلے ارشاد ہوا کہ: جن لوگوں نے ہماری نافرمانی پر کمر باندھی انہیں یہ مغالطہ تھا کہ ان کی طاقت اور دولت

انہیں ہم سے بچا لے گی، وہ اسے بھول بیٹھے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی قوت کے سامنے کسی کی قوت کام نہیں دیتی، ہم نے انہیں مہلت دی کہ شاید غفلت کی نیند سے چونکیں اور ہوش میں آ کر فرمانبرداری اختیار کریں، لیکن جب وہ کسی طرح باز نہ آئے تو ہم نے ان میں سے ہر ایک پر ایسی آفت بھیجی جو اس کے ماحول سے مناسبت رکھتی تھی، بعض پر تیز ہوا نے پتھر برسائے جیسے لوط اور عاد کی قوم، بعض کو ہیبت ناک گرج اور کڑک نے تباہ کر دیا جیسے ثمود اور مدین والے اور بعض لوگ اپنے مال خزانوں سمیت زمین میں دھنسا دیئے گئے، جیسے: قارون، اس سے مکہ کے کافروں کو اور ان سب کو جو اپنے زور کے آگے کسی اور کو کچھ نہیں سمجھتے، سمجھ لینا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ سب سے زبردست ہے، اگر سارے جہان کے زبردست لوگ بھی اکٹھے ہو جائیں اور اللہ تعالیٰ سے مقابلہ کرنے کی ٹھان لیں تو بھی اس سے جیت نہیں سکتے ان کو جو مہلت ملی ہوئی ہے اس سے انہیں دھوکا ہو گیا ہے کہ بس وہی ہیں حالانکہ اس مہلت دینے کا مقصد یہ ہے کہ اب بھی جسے سنبھلنا ہو سنبھل جائے ورنہ جب وقت آئے گا پھر مہلت نہیں دی جائے گی۔

مشرکوں کی حقیقت

وَ مِنْهُمْ مَّنْ اَغْرَقْنَا ۚ وَ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَ لٰكِنْ

اور بعض ان میں سے وہ تھے کہ ڈبو دیا ہم نے | اور | نہیں | تھا | اللہ | کہ ظلم کرے ان پر | اور | لیکن

كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۴۰﴾

تھے وہ | خود جانوں اپنی پر | ظلم کرتے | (۴۰)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور بعض کو ہم نے ڈبو دیا اور اللہ تعالیٰ ایسے نہیں ہیں کہ ان پر ظلم کرے لیکن وہ خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے۔(۴۰)

تفسیر

ارشاد ہے کہ: ہم نے اپنے نافرمانوں کو قسما قسم کے عذاب سے ان کی سرکشی کے باعث ہلاک کیا، ان میں سے بعض کے عذاب کی نوعیت تو پہلے بیان ہو چکی، بعض ان میں سے پانی میں ڈوب کر مرے جیسے فرعون، ہامان اور نوح علیہ السلام کی قوم، اس آیت میں صاف طور پر کہہ دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کا کام ظلم کرنا نہیں اس نے تو قانون اور قاعدے مقرر کر دیئے ہیں، کیوں کہ اس کی حکمت کا تقاضا یہی تھا جو ان قاعدوں اور قانون کی خلاف ورزی کرے گا وہ سزا پائے گا۔

ہمارے ہاں کوئی کام بے قاعدہ نہیں ہوتا، ہم نے جیسے اور چیزوں کے لیے زندگی کے قانون مقرر کر رکھے ہیں، ایسے ہی انسان کی زندگی کے بھی قاعدے مقرر کر دیئے ہیں، ہمارے پیغمبران قاعدوں کے سمجھانے کے لیے دنیا میں بھیجے جاتے ہیں، تاکہ کوئی یہ کہنے نہ پائے کہ ہم لاعلمی میں مارے گئے، جب قانون کا اعلان معتبر ذرائع سے کر دیا گیا ہے تو اب لاعلمی کا عذر نہ سنا جائے گا اور اعلان کی جو کوئی خلاف ورزی کرے گا اس کو اس کی سزا جو مقرر ہو چکی ہے وہ ملے گی اور وہ اس کی صورت، حالاتِ حاضرہ اور جرم کی صورت کے مطابق ہو، یہ سزا ظلم نہیں کہلا سکتی۔

مجرم خود اپنی جان پر ظلم کرتا ہے کہ قانون اور اسکے توڑنے والے کی سزا مقرر ہو جانے کے بعد قانون کو جان بوجھ کر توڑتا ہے، اس کے بعد اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کا سہارا ڈھونڈنے والوں کی حالت ایک مثال کے ذریعے سمجھائی جاتی ہے اور وہ مثال "عنکبوت" یعنی: مکڑی کے جالے کی ہے جس کی وجہ سے اس سورت کا نام "العنکبوت" ہوا۔

کافروں کی مثال

مَثَلُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَآءَ كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوْتِ

مثال | ان لوگوں کی | بنایا انہوں نے | سے | سوا | اللہ کے | مددگار | مثال ہے | مکڑی کی

بامحاورہ ترجمہ:۔ان لوگوں کی مثال جنہوں نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اور حمایتی بنالیے مکڑی کی سی مثال ہے۔

تفسیر

انسان کو اللہ تعالیٰ نے دُنیا میں اور جانداروں سے زیادہ سمجھ بوجھ دی ہے، اسے چاہیئے کہ غور وفکر سے کام لے اور دُنیا میں ایسا طرزِ زندگی اختیار کرے، جو اسے ساری آفتوں اور خطروں سے محفوظ رکھے، اسے سمجھنا چاہیئے کہ اس دنیا میں وہ ہر طرف سے حادثوں اور مصیبتوں سے گھرا ہوا ہے، اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں نے خاص کر اس کے آخری پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اچھی طرح سمجھا دیا ہے کہ مرنے کے بعد بھی انسان کا مصیبتوں سے چھٹکارا نہ ہوگا، جب تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کا مقرر کیا ہوا دین، یعنی: "اسلام" اختیار نہ کرے گا، لوگ دین اختیار کرنے میں سمجھ بوجھ سے پورے طور پر کام نہیں لیتے، بعض تو دوسروں کی دیکھا دیکھی اَندھا دُھندا نہی کا دین، یعنی: طریقۂ زندگی اختیار کر لیتے ہیں، بعض دُنیا کے لالچ سے بہک جاتے ہیں، کچھ لوگ ضد اور تعصب کی وجہ سے اُندھے بن جاتے ہیں، اکثر تو دُنیا کے عارضی نفع ہی کو سامنے رکھتے ہیں اور جنہیں مال دار پاتے ہیں انہی کی سی کہنے لگتے ہیں، اصل دین جس میں انسان کا ہر طرح بھلا ہے وہ ہے جس کی بنیاد اللہ تعالیٰ کی توحید پر رکھی گئی ہے جو اس پر زور دیتا ہے کہ ایک اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو اپنا معبود مت بناؤ اور نہ کسی اور کو اپنا حمایتی اور مددگار سمجھو کیونکہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو یہ قدرت نہیں کہ مشکل میں مدد کرے، جو لوگ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر دوسروں کے آگے ہاتھ پھیلاتے ہیں انہیں سمجھ لینا چاہیئے کہ ان کی حالت "مکڑی" کی سی ہے کہ اس کا گھر محض ایک جالا ہوتا ہے، جس سے کمزور گھر دُنیا میں کوئی نہیں، یہی حالت مشرکوں کے معبودوں کی ہے وہ ان کو کسی عذاب سے نہیں بچا سکتے۔

پس جیسا اس مکڑی نے اپنے گمان میں ایک اپنی پناہ گاہ بنائی ہے، لیکن پناہ گاہ انتہائی کمزور ہونے کے سبب نہ ہونے کے برابر ہے، اسی طرح یہ مشرک لوگ جھوٹے خداؤں کو اپنے گمان میں اپنی پناہ سمجھتے ہیں، مگر اصل میں وہ پناہ کچھ نہیں ہے۔

مکڑی کا گھر

اِتَّخَذَتْ بَیْتًا ؕ وَ اِنَّ اَوْهَنَ الْبُیُوْتِ لَبَیْتُ الْعَنْكَبُوْتِ ۘ لَوْ
بنا لیا اس نے ایک گھر اور تحقیق سب سے کمزور گھروں میں البتہ گھر مکڑی کا ہے اگر

كَانُوْا یَعْلَمُوْنَ ﴿۴۱﴾ اِنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ مَا یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ
ہوتے وہ جانتے (۴۱) تحقیق اللہ جانتا ہے جو وہ پکارتے ہیں سوا اس کے کوئی

شَیْءٍ ؕ وَ هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ﴿۴۲﴾
چیز اور وہ زبردست حکمت والا ہے (۴۲)

بامحاورہ ترجمہ: ۔ اس نے ایک گھر بنالیا اور سب گھروں میں کمزور گھر مکڑی کا گھر ہے اگر ان کو سمجھ ہوتی ۔ (۴۱) اللہ تعالیٰ جانتا ہے جس کو وہ اس کے سوا پکارتے ہیں وہ کوئی بھی چیز ہو اور وہ زبردست حکمت والا ہے ۔ (۴۲)

تفسیر

مکڑی کا یہ حال ہے کہ وہ اپنا ایک گھر تو ضرور بناتی ہے، لیکن وہ گھر ایسا نہیں ہوتا جو رہنے والے کی جان اور مال کی حفاظت کر سکے۔ ذرا سا ہاتھ ہلانے سے بلکہ زور کی پھونک مارنے ہی سے اُڑ جاتا ہے، مکھیاں اور مچھر وغیرہ تو اس میں پکڑے جا سکتے ہیں، لیکن حفاظت کے لیے کسی کام کا نہیں اس میں نہ رہنے والا محفوظ ہے اور نہ ہی اس کی چیزیں تباہی سے بچی ہوئی ہیں، اسی طرح اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور سے تعلق پیدا کرنے والے کا حال ہے، اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا کرنے والے اس کی حفاظت میں آ جاتے ہیں اور تمام آفتوں سے محفوظ رہتے ہیں، برخلاف اس کے اوروں سے مدد مانگنے والے نہ خود محفوظ ہیں اور نہ ان کی چیزیں تباہی سے بچ سکتی ہیں، تعجب ہے انسان اتنی

سی بات نہیں جانتا اور نہ سمجھانے سے سمجھتا ہے، اس کے بعد ارشاد ہے کہ: اللہ تعالیٰ کے سوا جتنے سہارے ہیں، وہ اللہ تعالیٰ کے نافرمانوں کو اس کے عذاب سے نہیں بچا سکتے، چاند، سورج اور ستارے ہوں یا دیوی، دیوتاؤں کے بت، وہ کوئی طاقت نہیں رکھتے، صرف اللہ تعالیٰ ہی ہیں جو نہ کسی کی مدد کا محتاج اور نہ ہی اسے کسی کے مشورے کی ضرورت ہے وہ غالب ہے اور حکمت والا بھی۔

اِتَّخَذَتْ بَيْتًا: ہر جاندار کو سر چھپانے اور گرمی اور سردی سے بچاؤ کے لیے گھر کی ضرورت ہوتی ہے، انسان اپنی رہائش کے لیے کچے مکانوں سے لے کر عالیشان محلات تک تیار کرتے ہیں اور ان میں ہر طرح کی سہولتیں مہیا کرتے ہیں، صحراؤں اور جنگلوں میں رہنے والے لوگ خیمے کا گھر بناتے ہیں، جنگلوں میں رہنے والے درندے غاروں اور گہرے کھڈوں کو گھر کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔

پرندے درختوں پر اپنے گھونسلے بناتے ہیں اور وہیں انڈے بچے دیتے ہیں، رینگنے والے جانور کیڑے مکوڑے، سانپ بچھو وغیرہ زمین کے اندر گھر بناتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کہ ان تمام گھروں کا مقابلہ کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ سب سے کمزور گھر "مکڑی" کا گھر، یعنی: اس کا جالا ہوتا ہے، جو نہ اسے گرمی سردی سے بچا سکتا ہے اور نہ تیز ہوا کو برداشت کر سکتا ہے، ذرا آندھی یا بارش آئی تو وہ ٹوٹ پھوٹ جاتا ہے، اگر آگ قریب سے بھی گزر جائے تو یہ جل کر راکھ ہو جاتا ہے، غرضیکہ تمام گھروں میں کمزور ترین گھر "مکڑی" کا ہوتا ہے اور مشرکوں کے معبود بھی یقیناً اتنے ہی کمزور ہوتے ہیں، جو غیر اللہ کو اپنے لیے جائے پناہ سمجھتے ہیں، کاش! ان لوگوں کو سمجھ ہوتی اور یہ جان سکتے کہ مشرکوں کے یہ معبود کتنی کمزور چیز ہے جس پر وہ بھروسہ کئے بیٹھے ہیں۔

مثال سے غرض

وَ تِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ ۚ وَ مَا يَعْقِلُهَآ اِلَّا

اور یہ | مثالیں | ہم بیان کرتے ہیں انہیں | واسطے لوگوں کے | اور | نہیں | سمجھتے انہیں | مگر

الْعٰلِمُوْنَ﴿۴۳﴾ خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ اِنَّ
جاننے والے(۴۳) پیدا کیے اللہ نے آسمان اور زمین حکمت کے ساتھ تحقیق

فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّلْمُؤْمِنِیْنَ﴿۴۴﴾ ع
میں اس البتہ نشانی ہے واسطے ایمان والوں کے(۴۴)

بامحاورہ ترجمہ: ۔اور یہ مثالیں ہم لوگوں کے واسطے بیان کرتے ہیں اور ان کو سمجھتے وہی ہیں جو علم والے ہیں ۔(۴۳) اللہ تعالیٰ نے بنائے آسمان اور زمین حق کیساتھ بیشک اس میں ایمان والوں کے لیے نشانی ہے ۔(۴۴)

تفسیر

اس آیت میں سمجھایا جارہا ہے کہ مثال سے غرض یہ ہوتی ہے کہ اس چیز کی حقیقت ظاہر ہو جائے جس کے لیے وہ مثال دی گئی ہے، اسے مثال دینے والے کی عظمت وشان سے تعلق نہیں اس کا تعلق اس بات سے ہے جس کا مثال کے ذریعہ سمجھانا مقصود ہے، اگر وہ بات خود ہلکی اور حقیر ہے تو اس کی حقیقت حقیر چیزوں سے تشبیہ دینے ہی سے کھل سکتی ہے، تمہارے کام اگر شاندار ہوتے تو اس کی مثالیں بھی شاندار ہوتیں، جب مشرکوں کے کام ہی ذلیل ہیں تو انہیں ذلیل چیزوں کے برابر کہنے کے سوا اور کیا کہا جاسکتا ہے، مثال کی غرض اور اس کی اصل سے مناسبت ہی اصل چیز ہے جسے سمجھنے والے ہی سمجھ سکتے ہیں، بے وقوف لوگوں کو فقط اعتراض کرنے سے کام ہے، وہ بات کی تہہ کو پہنچنے کی کوشش نہیں کرتے۔ فقط اپنا مقصد پورا کرنے کے لیے اُلٹی سیدھی باتیں بناتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی عظمت اور شان تو اس سے ظاہر ہے کہ اس نے آسمان اور زمین جیسی عظیم الشان مخلوق پیدا کردی اور سب کو ایک نظام کے اندر جکڑ دیا، ان کی پیدائش اور رکھ رکھاؤ میں بڑی بڑی حکمتیں پوشیدہ ہیں۔ یہ چیزیں بے کار یا کھلونا نہیں ہیں، ہمارے چھوٹے چھوٹے کاموں میں کوئی اس کا شریک نہیں ہوسکتا ہے۔

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ: اس میں ایمان والوں کے لیے نشانی ہے، شرک کی خرابی کو مکڑی کی مثال دیکر واضح فرمایا ہے، جیسے: مکڑی کا گھر کسی کام کا نہیں ایسے ہی ان کے جھوٹے خدا بھی کسی کام کے نہیں، جو وقت پڑنے پر نہ انکے کام آسکیں اور نہ ان کی حفاظت کر سکیں۔

اللہ تعالیٰ کا ذکر

اُتْلُ مَاۤ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنَ الْكِتٰبِ وَ اَقِمِ الصَّلٰوةَ ؕ اِنَّ الصَّلٰوةَ

پڑھیے جو وحی کی گئی طرف آپ کی سے کتاب اور قائم رکھیے نماز تحقیق نماز

تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْكَرِ ؕ وَ لَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ ؕ وَ اللّٰهُ

روکتی ہے سے بے حیائی اور بُری بات اور البتہ یاد اللہ کی سب سے بڑھ کر ہے اور اللہ

يَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ ﴿۴۵﴾

جانتا ہے جو تم کرتے ہو (۴۵)

بامحاورہ ترجمہ: آپ پڑھ کر سنائیں وہ چیز جو وحی کی گئی ہے آپ کی طرف کتاب سے اور نماز کو قائم کریں بیشک نماز بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے اور اللہ تعالیٰ کا ذکر سب سے بڑا ہے اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔ (۴۵)

تفسیر

اس آیت میں ارشاد ہے کہ: قرآن مجید کی تلاوت اور اس کا سننا سنانا اور سمجھنا، سمجھانا ضروری ہے اس کے بعد نماز کو ٹھیک وقت پر اس کی شرطوں کے مطابق ادا کرنا ضروری ہے تاکہ قرآن مجید کان میں پڑتا رہے اور اس کی بدولت فحش باتوں اور برے کاموں سے نجات کی توقع قائم رہے، قرآن مجید کی تلاوت اور نماز اللہ تعالیٰ کو یاد

کرنے کا بہترین ذریعہ ہے اور اللہ تعالیٰ کی یاد ہی سب سے بڑی چیز ہے یہی انسان کو گناہوں سے بچاتی ہے، انسان کو معلوم ہونا چاہئے کہ جو کچھ وہ دنیا میں کر رہا ہے اللہ تعالیٰ اس سے خوب واقف ہے جو اسے یاد رکھے گا اسے اس کا اچھا بدلہ ملے گا اور جو اس کی یاد سے غافل ہوگا وہ کہیں کا نہ رہے گا۔

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ: نماز کا حقیقی تقاضا یہ ہے کہ اس کے فرض، واجب، سنت اور مستحب چاہتے ہیں کہ انسان برائی نہ کرے جو اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہے یا رکوع وسجدے کی حالت میں ہے، قرأت کر رہا ہے یا دعا اور ذکر کر رہا ہے وہ برائی کا کام کیسے کرے گا؟ نماز کا تقاضا ہے کہ وہ کوئی برائی نہ کرے اور اگر انسان ان چیزوں کا پورے طریقے سے خیال نہیں رکھے گا تو نماز اسے برائیوں سے نہیں روکے گی۔

اگر یہ بات کسی کی سمجھ میں نہ آئے تو کم از کم اتنی بات تو ہر شخص کی سمجھ میں آسکتی ہے کہ جتنی دیر تک کوئی آدمی نماز کی حالت میں رہتا ہے اتنی دیر تک برائی اور بے حیائی سے رُکا رہتا ہے۔

وَ لَذِکْرُ اللّٰہِ اَکْبَرُ: اور اللہ تعالیٰ کا ذکر بہت بڑی چیز ہے نماز اللہ تعالیٰ کے ذکر ہی کی ایک صورت ہے جس کو قائم کرنے کا حکم دیا گیا ہے انسان کے عملوں کو اگر درجے کے حساب سے دیکھا جائے تو سب سے بڑا درجہ ذکر کا ہے۔

پیغمبر ﷺ کا فرمان کہ: اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچانے والی ذکر سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں "سورۃ الاحزاب" میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کو کثرت سے یاد کرو، "سورۃ الانفال" میں فرمایا: لوگو! اللہ تعالیٰ کا کثرت سے ذکر کیا کرو تا کہ تمہیں کامیابی نصیب ہو جائے، یہ زبانی ذکر ہے جس میں قرآن کی تلاوت، تسبیحات، استغفار اور حمد وثنا وغیرہ شامل ہیں اور یہ ذکر کی عام صورت ہے۔

اس کے علاوہ دل کا ذکر بھی ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں غور وفکر کر کے اس کا شکر ادا کرنا دل کا ذکر ہے، حصن حصین کی روایت میں آتا ہے: ہر وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں لگا ہوا ہے وہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والا ہے، ہر نیکی کا کام کرنے والا آدمی اللہ تعالیٰ کے ذکر کرنے والوں میں شمار ہوتا ہے، تاہم آسان ذکر زبان سے

اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کرنا ہے، ایک شخص نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا، اے اللہ کے پیغمبر! کونسا عمل افضل ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم ایسی حالت میں دنیا سے رخصت ہو کہ تمہاری زبان اللہ تعالیٰ کے ذکر سے تر ہو، ایک موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سفر میں جارہے تھے کہ "جمدان" نامی پہاڑ آیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: لوگو! چلتے جاؤ، یہ "جمدان" پہاڑ ہے اور مفرّد لوگ سبقت لے گئے، پھر صحابہ نے عرض کیا حضرت! مفرّد کون لوگ ہیں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا کثرت سے ذکر کرنے والے مرد اور عورتیں، مفرّد کا لغوی معنیٰ اپنے آپ کو الگ تھلگ اور ہلکا پھلکا کرنے والا، مطلب یہ کہ کثرت سے ذکر کرنے والے جب پل صراط پر سے گزریں گے تو اپنے آپ کو ہلکا پھلکا محسوس کرینگے۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ: جب میرا بندہ مجھے یاد کرتا ہے تو میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں، پھر جب مجھے وہ اپنے جی میں یاد کرتا ہے تو میں بھی اس کو اپنے جی میں یاد کرتا ہوں، اور وہ لوگوں کے سامنے میرا ذکر کرے تو میں ان سے بہتر بندوں کی جماعت، یعنی: فرشتوں کی جماعت میں اس کا ذکر کروں گا، اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرماتا ہے کہ: دیکھو! میرا یہ بندہ میرا ذکر کررہا ہے۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے تمام وقتوں میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے تھے، یعنی: ان کا کوئی وقت اللہ تعالیٰ کے ذکر سے خالی نہیں ہوتا تھا، فرمایا: اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو، اس کے علم میں ہے کہ کون غافل ہے اور کون ذکر کرنے والا ہے، اور پھر یہ بھی کہ کون کس نیت اور ارادے سے ذکر کرتا ہے، کس شخص میں خلوص ہے اور کس میں دکھلاوا ہے، تمہارے کام اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں ہیں اور وہ اسی کے مطابق بدلہ دے گا۔

نماز کا تمام گناہوں سے روکنے کا مطلب

حدیث کی رو سے یہ مطلب ہے کہ نماز کو صحیح طریقہ سے پڑھنے کا اثر یہ ہے کہ جو اس کو ادا کرتا ہے اس سے گناہ چھوٹ جاتے ہیں بشرطیکہ صرف نماز پڑھنا نہ ہو، بلکہ صحیح طریقے سے ادا کرنا ہو، نماز کو اسکے ظاہری اور باطنی آداب کیساتھ اس طرح ادا کرے جس طرح پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عملی طور پر ادا کرکے بتلایا اور عمر بھر ان کی زبانی

تاکید بھی فرماتے رہے کہ بدن اور کپڑے اور جائے نماز مکمل طور پر پاک ہو، پھر نماز باجماعت کا پورا اہتمام بھی ہو اور نماز کے تمام اعمال کو سنت کے مطابق بنانا بھی ہو، یہ تو ظاہری آداب ہوئے باطنی یہ کہ عجز وانکساری اس طرح اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہو کہ گویا وہ حق تعالیٰ سے باتیں کررہا ہے، اس طرح نماز ادا کرنے والے کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے خود بخود نیک کام کرنے کی اور گناہوں سے بچنے کی توفیق بھی ہوجاتی ہے، اور جو شخص نماز پڑھنے کے باوجود گناہوں سے نہ بچا تو سمجھ لے کہ اس کی نماز ہی میں کمی ہے، جیسا کہ حضرت عمران بن حصین سے روایت ہے کہ: پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ نماز بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے کا کیا مطلب ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کو اس کی نماز نے بے حیائی اور برائی سے نہ روکا اس کی نماز کچھ نہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس شخص کی نماز ہی نہیں جس نے اپنی نماز کی اطاعت نہ کی اور نماز کی اطاعت یہی ہے کہ بے حیائی اور برائی سے باز آجائے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: جس شخص کی نماز نے اس کو نیک کام کرنے اور برائیوں کو چھوڑنے پر آمادہ نہیں کیا تو ایسی نماز اس کو اللہ تعالیٰ سے اور زیادہ دور کردیتی ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ: ایک شخص پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ فلاں آدمی رات کو تہجد پڑھتا ہے اور جب صبح ہوجاتی ہے تو چوری کرتا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: عنقریب نماز اس کو چوری سے روک دے گی (ابن کثیر) بعض روایتوں میں یہ بھی کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے بعد اس نے اپنے گناہ سے توبہ کرلی۔

ایک شبہ کا جواب: یہاں بعض لوگ یہ شبہ کیا کرتے ہیں کہ ہم بہت سے لوگوں کو دیکھتے ہیں کہ نماز کے پابند ہونے کے باوجود بڑے بڑے گناہوں میں مبتلا رہتے ہیں جو بظاہر اس آیت کے ارشاد کے خلاف ہے۔

اس کے جواب میں بعض حضرات نے تو یہ فرمایا کہ: آیت سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ نماز، نمازی کو گناہوں سے منع کرتی ہے لیکن یہ کیا ضروری ہے کہ جس کو کسی کام سے منع کیا جائے وہ اس سے باز بھی آجائے، آخر قرآن و

حدیث سب لوگوں کو گناہ سے منع کرتے ہیں، مگر بہت سے لوگ اس منع کرنے کی طرف توجہ نہیں دیتے اور گناہ سے باز نہیں آتے۔

بحث ومباحثہ

وَ لَا تُجَادِلُوْۤا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ ۖۗ اِلَّا الَّذِیْنَ
اور نہ جھگڑو اہل کتاب سے مگر اس طریقے سے کہ وہ بہتر ہو مگر جنہوں نے

ظَلَمُوْا مِنْهُمْ وَ قُوْلُوْۤا اٰمَنَّا بِالَّذِیْۤ اُنْزِلَ اِلَیْنَا وَ اُنْزِلَ
ظلم کیا میں سے ان اور کہو ایمان لائے ہم اس پر جو اتارا گیا طرف ہماری اور اتارا گیا

اِلَیْكُمْ وَ اِلٰهُنَا وَ اِلٰهُكُمْ وَاحِدٌ وَّ نَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۴۶﴾
طرف تمہاری اور معبود ہمارا اور معبود تمہارا ایک ہے اور ہم اسی کے فرمانبردار ہیں (۴۶)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور اہل کتاب (یہودیوں اور عیسائیوں) سے جھگڑا نہ کرو، مگر اس طرح جو بہتر طریقہ سے ہو، مگر جو ان میں بے انصاف ہیں اور (ان سے) یوں کہو ہم اس کو مانتے ہیں جو ہماری طرف اُتارا گیا اور جو تمہاری طرف اتارا گیا اور ہمارا اور تمہارا معبود ایک ہی ہے اور ہم اسی کے حکم پر چلتے ہیں۔ (۴۶)

تفسیر

اُوپر کی آیت میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اور آپ کے ذریعہ سے مسلمانوں کو حکم ہوا تھا کہ قرآن مجید پڑھتے رہو اور نماز باقاعدہ ادا کرتے رہو، اس آیت میں ہے کہ دوسرے لوگ تمہیں یہ باتیں کرتے دیکھ کر تم سے اُلجھنا چاہیں گے، ان میں جو اہل کتاب ہیں اور اپنے پیغمبروں کو مانتے ہیں انہیں نرمی اور آہستگی سے سمجھاؤ، دل دکھانے والی تیز باتیں مت کرو، ان میں سے جو خواہ مخواہ زیادتی پر اُتر آئیں اور بے انصافی سے کام لیں تو ان کے ساتھ سختی سے

برتاؤ کر سکتے ہو جو تمہیں ستاتے نہیں، انہیں نرمی سے سمجھاؤ کہ ہم تمہاری آسمانی کتاب اور اپنی آسمانی کتاب دونوں کو سچا مانتے ہیں، ہمارا اور تمہارا دونوں کا معبود ایک ہی ہے، ہم فقط اسی حقیقی معبود کے حکم پر چلتے ہیں اور کسی کو اس کے برابر اس کا شریک نہیں مانتے، تم بھی ایسا ہی کرو، قرآن مجید کو سچا مانو اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو، پھر ہم اور تم ایک ہی ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے مشرکوں کیساتھ بھی بحث ومباحثہ کی اجازت دی ہے، مگر ان کے دین کی تو جڑ اور بنیاد ہی غلط تھی، ان کے پاس کوئی آسمانی کتاب کسی صورت میں موجود نہیں تھی اور نہ ہے، البتہ اہل کتاب کے پاس چونکہ آسمانی کتابیں موجود تھیں، اگرچہ ان میں ردّ وبدل ہو چکا تھا؛ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ بحث کرنے میں احتیاط سے کام لینے کا حکم دیا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ تم ان کی کسی صحیح بات کا بھی انکار کر بیٹھو یا کسی غلط بات کو صحیح مان لو۔

بخاری شریف کی روایت میں آتا ہے کہ: اہل کتاب میں سے بعض لوگ تورات کا کچھ حصہ پڑھ کر مسلمانوں کو سناتے تو بعض اوقات مسلمان اسے پسند کرتے تھے، اس پر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اہل کتاب کو نہ سچا کہو، نہ جھوٹا کہو، بلکہ یوں کہو کہ ہم ہر اس چیز پر ایمان لائے جو ہماری طرف اتاری گئی ہے اور جو تمہاری طرف اتاری گئی ہے، تمہارا اور ہمارا معبود ایک ہی ہے۔

اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ: مگر ان میں سے جن لوگوں نے ظلم کیا ہے ان کے ساتھ نرمی نہیں کی جائے گی، ان کے ساتھ گفتگو میں اگر تلخ کلامی بھی ہو جائے تو اس میں کوئی حرج والی بات نہیں ہے، یہاں پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان ظالموں سے کون لوگ مراد ہیں؟ ظالم تو سارے کے سارے اہل کتاب تھے کیونکہ وہ شرک کے مرتکب ہوتے تھے، مگر یہاں پر وہ لوگ مراد ہیں جو ہٹ دھرم تھے اور کسی بات کو سننے کیلئے تیار نہ ہوتے تھے۔

آپ اہل کتاب سے یہ بھی فرما دیں ہمارا اور تمہارا معبود ایک ہی ہے، ہم سب اس میں شریک ہیں کہ ہمارا سب کا معبود ایک ہی اللہ تعالیٰ ہے، اہل کتاب اور مسلمان دونوں اس کو مانتے ہیں، مگر عرب کے مشرکوں کے معبود جدا جدا ہیں؛ لہٰذا ان کے ساتھ یہ بات نہیں ہو سکتی، ان کے متعلق تو آپ کو یہی حکم ہے، میں ان جھوٹے خداؤں کی

پوجا نہیں کرسکتا جن کی تم پوجا کرتے ہو، تمہارے لئے تمہارا دین ہے اور میرے لئے میرا دین ہے، مشرکوں کیساتھ تو اتحاد ممکن ہی نہیں جس پر سب کا اتفاق ہوسکے؛ لہٰذا ان کو دوٹوک جواب دو اور اہل کتاب کے ساتھ نرم رویہ رکھو۔

کیا اس آیت میں موجودہ "تورات وانجیل" کے

مضامین کی تصدیق کا حکم ہے؟

اس آیت میں اہل کتاب کی طرف آنے والی کتابوں "تورات وانجیل" پر مسلمانوں کے ایمان کا ذکر اس طرح کیا گیا ہے کہ ہم اصل کتابوں پر اجمالی ایمان رکھتے ہیں، مطلب یہ کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے ان کتابوں میں اتارا تھا اس پر ہمارا ایمان ہے، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ موجودہ تورات وانجیل کی سب باتوں پر ہمارا ایمان ہے، جن میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں بھی بہت سی تبدیلیاں ہوچکی تھیں اور اس وقت سے اب تک ان میں تبدیلیوں کا سلسلہ چل رہا ہے، ایمان صرف تورات کی ان باتوں پر ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اتاری تھی، بگاڑی ہوئی باتیں اس میں شامل نہیں ہیں۔

موجودہ "تورات وانجیل" کی ساری باتوں کو نہ سچ مانا جائے نہ جھوٹ

صحیح بخاری میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ: اہل کتاب تورات وانجیل کو ان کی اصلی زبان عبرانی میں پڑھتے تھے اور مسلمانوں کو ان کا ترجمہ عربی زبان میں سناتے تھے، پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے متعلق مسلمانوں کو یہ ہدایت کی کہ تم اہل کتاب کی باتوں کو نہ سچا کہو نہ جھوٹا، بلکہ یوں کہو کہ ہم ان اصل باتوں پر ایمان لاتے ہیں جو تمہارے پیغمبروں پر اتری ہیں اور جو تفصیلات تم بتلاتے ہو وہ سب کی سب ہمارے نزدیک قابل اعتماد نہیں۔

تفسیروں میں جو عام مفسرین نے اہل کتاب کی روایتیں نقل کی ہیں ان کا بھی یہی درجہ ہے اور ذکر کرنے کا مقصد صرف ان کی تاریخی حیثیت کو واضح کرنا ہے، حلال وحرام کے حکموں کو ان سے ثابت نہیں کیا جاسکتا۔

قرآن بھی آسمانی کتاب ہے

وَ كَذٰلِكَ اَنْزَلْنَاۤ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ ؕ فَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ
اور اسی طرح اتاری ہم نے پر آپ کتاب پس وہ لوگ جنہیں دی ہم نے کتاب

يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ۚ وَ مِنْ هٰۤؤُلَآءِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِهٖ ؕ وَ مَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَاۤ
ایمان لاتے ہیں پر اس اور ان میں سے بھی بعض وہ ہیں جو ایمان لاتے ہیں پر اس اور نہیں انکار کرتے آیتوں ہماری کا

اِلَّا الْكٰفِرُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَ مَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّ لَا
مگر کافر لوگ (۴۷) اور نہ تھے آپ پڑھتے سے پہلے اس کوئی کتاب اور نہ

تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ ﴿۴۸﴾
لکھتے تھے اسے دائیں ہاتھ اپنے سے تب تو البتہ شک کرتے باطل پرست (۴۸)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور ایسے ہی ہم نے آپ پر کتاب اتاری، سو جنہیں ہم نے کتاب دی ہے وہ اسے مانتے ہیں اور ان مکہ والوں میں سے بھی بعض اسے مانتے ہیں اور ہماری باتوں سے منکر وہی ہیں جو نافرمان ہیں (۴۷) اور آپ اس سے پہلے کوئی کتاب نہ پڑھتے تھے اور نہ اپنے دائیں ہاتھ سے اسے لکھتے تھے، اگر ایسا ہوتا تب تو یہ جھوٹے لوگ یقیناً شبہ میں پڑ جاتے۔ (۴۸)

لفظی تحقیق: لَا تَخُطُّ: نہیں لکھتے آپ۔ مضارع منفی ہے "خَطَّ" کے معنیٰ لکھنا ہیں، اردو میں اس سے اکثر لکھی ہوئی چیز مراد لیتے ہیں۔

تفسیر

ارشاد ہے کہ: قرآن مجید میں شبہ کی کوئی وجہ نہیں جیسے: دنیا میں اس سے پہلے آسمانی کتابیں، تورات، انجیل،

زبور، وغیرہ ہم نے پہلے پیغمبروں پر اتاری تھیں، اسی طرح یہ آخری کتاب، یعنی: قرآن مجید بھی ہم نے آپ پر اتارا ہے، چنانچہ ہم نے جنہیں پہلے کتاب دی تھی ان میں سے بعض انصاف پسند لوگ اس کو سچا مانتے ہیں اور اس پر ایمان لے آتے ہیں، بلکہ عرب بھی جو پہلی کتابوں سے واقف نہیں اس کی سچائی کو مانتے چلے آرہے ہیں، اس کا فقط وہی لوگ انکار کرتے ہیں جو خواہ مخواہ انکار پر تلے ہوئے ہیں، آخر اے محمد! آپ نے نہ کسی سے پڑھنا سیکھا نہ لکھنا، نہ کوئی کتاب کسی سے پڑھی اور نہ کبھی ہاتھ سے لکھی، یہ لوگ اس سے اچھی طرح واقف ہیں، کیونکہ آپ بچپن سے انہی میں رہتے چلے آئے ہیں، اگر پہلی کتابیں پڑھی ہوتیں اور لکھنا آتا تو شبہ ہوسکتا تھا کہ ان کی باتیں نقل کر کے اپنی ایک کتاب بنالی ہے، جب آپ کو نہ پڑھنا آتا ہے نہ لکھنا اور ایسی بے مثال کتاب انہیں سنائیں تو یہ لوگ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی اتاری ہوئی کتاب نہیں۔

قرآن مجید کیا ہے؟

بَلْ هُوَ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ فِيْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ ؕ وَ

اسکے سوا کچھ نہیں یہ تو آیتیں ہیں واضح میں سینوں ان کے جو دیے گئے علم اور

مَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا الظّٰلِمُوْنَ ﴿۴۹﴾ وَ قَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ

نہیں انکار کرتے آیتوں ہماری کا مگر ہٹ دھرم (۴۹) اور کہا انہوں نے کیوں نہ اتریں پر اس

اٰيٰتٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَ اِنَّمَآ اَنَا

نشانیاں سے رب اسکے آپ کہیے بات فقط یہی ہے کہ نشانیاں پاس ہیں اللہ کے اور کچھ نہیں میں

نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۵۰﴾

مگر ڈرانے والا صاف صاف (۵۰)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اس کے سوا کچھ نہیں، بلکہ یہ قرآن تو صاف آیتیں ہیں ان لوگوں کے سینوں میں جنہیں علم ملا ہے اور ہماری باتوں سے منکر صرف وہی لوگ ہیں جو بے انصاف ہیں۔(۴۹) اور کہتے ہیں اس پر اس کے رب کی طرف سے کچھ نشانیاں کیوں نہ اتریں، آپ کہیں نشانیاں تو اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہیں اور میں تو بس کھول کر ڈر سنا دینے والا ہوں۔(۵۰)

تفسیر

ارشاد ہے کہ: یہ کافر لوگ کہتے ہیں کہ اگر یہ پیغمبر ہے تو کوئی انوکھی بات جو ہم اس سے کہتے ہیں کر کے کیوں نہیں دکھاتا، اگر وہ یہ معجزے دکھائے جو ہم طلب کریں تو اسے پیغمبر مانیں، آپ ان سے کہہ دیں کہ میں معجزے دکھانے نہیں برے کاموں کے انجام سے صاف صاف ڈرانے آیا ہوں۔

آگے مشرکوں کی ایک اور ہٹ دھرمی کا ذکر کیا ہے کہتے ہیں اس شخص پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے نشانیاں کیوں نہیں اتاری جاتی؟ کافر چاہتے تھے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہماری مرضی کے مطابق معجزے ظاہر کریں تو پھر ہم ایمان لائیں گے، اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ: آپ کہہ دیں نشانیاں تو ساری اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں، پیغمبر کو یہ اختیار نہیں ہے کہ وہ تمہاری خواہش پر جب چاہے کوئی معجزہ پیش کر دے، یہ تو اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے وہ جب چاہتا ہے کوئی نشانی ظاہر کر دیتا ہے، جہاں تک پیغمبر کی ذات کا تعلق ہے تو آپ کہہ دیں کہ میں تو کھول کر ڈر سنانے والا ہوں، میں تو اللہ تعالیٰ کا پیغام سناتا ہوں اور برے انجام سے ڈراتا ہوں یعنی میرا کام تو نہ ماننے والوں کو ڈرانا اور ماننے والوں کو خوشخبری دینا ہے۔

قرآن مجید بھی بطور معجزہ کافی ہے

اَوَ لَمْ يَكْفِهِمْ اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ يُتْلٰى عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّ

کیا نہیں کافی ان کو کہ ہم نے اتاری پر آپ کتاب پڑھی جاتی ہے پر ان تحقیق

ع ۵ ۱

فِيْ ذٰلِكَ لَرَحْمَةً وَّ ذِكْرٰى لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ۝۵۱ قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ
میں اس البتہ رحمت ہے اور یاددہانی واسطے ان لوگوں کے جو ایمان لائے ہیں (۵۱) آپ کہیں کافی ہے اللہ

بَيْنِيْ وَ بَيْنَكُمْ شَهِيْدًا ۚ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ وَ
میرے اور درمیان تمہارے گواہ جانتا ہے وہ جو میں آسمانوں اور زمین اور

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْبَاطِلِ وَ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ۝۵۲
جو لوگ ایمان لائے جھوٹی بات پر اور انکار کیا اللہ کا وہ لوگ ہی گھاٹے میں ہیں (۵۲)

بامحاورہ ترجمہ: کیا ان کو یہ کافی نہیں کہ ہم نے آپ پر کتاب اتاری جو ان پر پڑھی جاتی ہے، بیشک اس میں رحمت اور نصیحت ہے ان لوگوں کیلئے جو مانتے ہیں۔(۵۱) آپ کہیں اللہ تعالیٰ میرے اور تمہارے درمیان گواہ کافی ہے، وہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور جو لوگ جھوٹ پر یقین رکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا انکار کرتے ہیں وہی نقصان پانے والے ہیں۔(۵۲)

تفسیر

ارشاد ہے کہ: یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم انہیں پیغمبر تو جب مانیں جب ہمارے منہ مانگے معجزے دکھائیں، ان سے کہو کہ یہ کتاب جو وہ تمہیں پڑھ پڑھ کر سنا رہے ہیں کیا یہ معجزہ کافی نہیں؟ کیا تمہیں یہ نہیں سوجھتا کہ اسکے ماننے والے دن بدن بڑھتے جارہے ہیں اور ان کو وہ نیک باتیں جنہیں لوگ مدت سے بھول چکے ہیں یاد آتی چلی جارہی ہیں، بیشک جو اس کتاب کو سچے دل سے مان لے گا اس پر رحمت کے دروازے کھل جائیں گے اور وہ کام کی باتیں سیکھتا چلا جائے گا، پھر ان سے کہیں کہ میرے ماننے والے باوجود تمہاری تکلیفوں کے بڑھتے چلے جارہے ہیں اور جو آجاتا ہے پھر نہیں جاتا، یہ اللہ تعالیٰ کی گواہی ہے اس بات کی کہ میں سچا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کوئی گواہ نہیں ہوسکتا، کیونکہ وہ آسمان اور زمین کے سارے حالات سے واقف ہے، جو اللہ تعالیٰ کو نہ مانے گا اور جھوٹ

خرافات پر اڑا رہے گا وہ یقیناً نقصان اٹھائے گا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: اگر انکار کرنے والے انکار کرتے ہیں تو اے پیغمبر! آپ کہہ دیں کہ میرے اور تمہارے درمیان گواہ اللہ ہی کافی ہے، مطلب یہ کہ اگر تمہیں میری پیغمبری پر شک ہے اور طرح طرح کی نشانیاں طلب کرتے ہو اور مجھے سچا کہنے کے بجائے جھوٹا سمجھتے ہو تو میں اسے اللہ تعالیٰ کی گواہی پر چھوڑتا ہوں کیونکہ آسمان وزمین کی تمام چیزوں کو وہ خوب جانتا ہے، وہ میری پیغمبری سے بھی واقف ہے اور تمہاری مخالفت اور ہٹ دھرمی سے بھی واقف ہے، جو کچھ تم زبان پر لاتے ہو اس سے بھی واقف ہے اور جو دل میں رکھتے ہو اس سے بھی واقف ہے، لہٰذا میں اپنے اور تمہارے درمیان فیصلے کیلئے اللہ تعالیٰ کو گواہ بناتا ہوں، وہ جو بھی فیصلہ کرے مجھے منظور ہے اور تم بھی اس کو قبول کرلو۔

عذاب یقینی ہے

وَ يَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ ؕ وَ لَوْ لَاۤ اَجَلٌ مُّسَمًّى لَّجَآءَهُمُ
اور جلدی مانگتے ہیں آپ سے عذاب اور اگر نہ ہوتی میعاد مقرر تو آچکا ہوتا ان کو

الْعَذَابُ ؕ وَ لَيَاْتِيَنَّهُمْ بَغْتَةً وَّ هُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۵۳﴾ يَسْتَعْجِلُوْنَكَ
عذاب اور البتہ آئے گا ان پر اچانک اور وہ نہ جانتے ہوں گے (۵۳) جلدی مانگتے ہیں آپ سے

بِالْعَذَابِ ؕ وَ اِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ﴿۵۴﴾ يَوْمَ يَغْشٰهُمُ
عذاب اور تحقیق دوزخ البتہ گھیرے ہوئے ہے کافروں کو (۵۴) جس دن ڈھانپ لے گا انہیں

الْعَذَابُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ وَ يَقُوْلُ ذُوْقُوْا
عذاب سے اوپر ان کے اور سے نیچے پاؤں ان کے اور کہے گا چکھو

مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۵۵﴾
جو تھے تم کرتے (۵۵)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور جلدی مانگتے ہیں آپ سے عذاب اور اگر مقررہ وعدہ نہ ہوتا تو ان پر عذاب آپہنچا ہوتا اور البتہ ان پر عذاب اچانک آئے گا اور ان کو خبر نہ ہوگی۔ (۵۳) آپ سے عذاب جلدی مانگتے ہیں، حالانکہ دوزخ کافروں کو گھیرے ہوئے ہے۔ (۵۴) جس دن عذاب ان کو گھیر لے گا ان کے اوپر سے اور پاؤں کے نیچے سے اور عذاب کا فرشتہ کہے گا چکھو جیسا کچھ تم کرتے تھے۔ (۵۵)

تفسیر

دنیاداروں کیلئے دنیا کچھ ایسی واقع ہوئی ہے کہ وہ حال کی رنگ رلیوں میں سب کچھ بھول جاتے ہیں یہی حال مکہ کے کافروں کا تھا کہتے تھے کیسا ایمان اور کیسا عذاب، پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے ان کے ایک منہ پھٹ آدمی نضر بن الحارث نے یہاں تک کہہ دیا کہ اگر تم سچ کہتے ہو تو ہم پر آسمان سے پتھر برسادو یا دردناک مصیبت ڈال دو، اس کے جواب میں ارشاد ہے کہ: یہ عذاب کیلئے جلدی کررہے ہیں، بیشک ان کے عمل تو ایسے ہی ہیں کہ ان پر فوراً عذاب آجاتا لیکن عذاب کا بھی اور چیزوں کی طرح وقت مقرر ہے، جب وہ وقت آئے گا تو عذاب بھی اچانک آجائے گا اور انہیں خبر بھی نہ ہوگی، چنانچہ تھوڑے ہی دن بعد کافر مسلمانوں کے ہاتھوں سے بدر کی جنگ میں قتل ہوئے، رہا آخرت کا عذاب تو وہ انہیں ابھی سے اپنے گھیرے میں لے رہا ہے، ان کا کفر و شرک اور ظلم ان کیلئے دوزخ ہے جسے یہ اس وقت معمولی باتیں سمجھ رہے ہیں، قیامت میں یہی عمل عذاب بن کر انہیں اوپر اور نیچے ہر طرف سے گھیر لیں گے اور عذاب کا فرشتہ کہے گا لو آج اپنے عملوں کا مزہ چکھو۔

وَ يَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ: یہ لوگ آپ سے جلدی عذاب مانگتے ہیں، انہیں جان لینا چاہئے کہ وہ عذاب آکر رہے گا اور بیشک دوزخ کافروں کو گھیرے میں لئے ہوئے ہے، بس مرنے کی دیر ہے، اس دن ان کی حالت یہ ہوگی کہ اُوپر سے بھی اور پاؤں کے نیچے سے بھی ان کو اللہ تعالیٰ کا عذاب ڈھانپ لے گا، ہر طرف آگ کے شعلے بھڑک رہے ہوں گے، جس طرح آج یہ لوگ کفر و شرک اور گناہوں میں ڈوبے ہوئے ہیں، ایمان اور

توحید سے دور ہیں اسی طرح عذاب ان کو ہر طرف سے گھیر لے گا اور اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اب اپنے اعمال کا مزہ
چکھو، یہ تمہارے گناہوں کے بدلے میں تمہیں سزا دی جارہی ہے۔

وطن کا چھوڑنا

يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ اَرْضِيْ وَاسِعَةٌ فَاِيَّايَ فَاعْبُدُوْنِ ﴿۵۶﴾
اے بندو میرے! جو ایمان لائے ہو تحقیق زمین میری فراخ ہے سو میری ہی عبادت کرو (۵۶)

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ثُمَّ اِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَالَّذِيْنَ
ہر شخص چکھنے والا ہے موت کو پھر طرف ہماری لوٹائے جاؤگے (۵۷) اور جو لوگ

اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُبَوِّئَنَّهُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ غُرَفًا تَجْرِيْ
ایمان لائے اور کام کیے اچھے البتہ ٹھکانہ دینگے ہم انہیں جنت کے اونچے گھروں میں جاری ہیں

مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا
سے نیچے ان کے نہریں ہمیشہ رہیں گے میں ان

بامحاورہ ترجمہ:۔ اے میرے بندو! جو ایمان لائے ہو میری زمین کشادہ ہے سو میری بندگی کرو۔(۵۶)
ہر شخص کو موت کا مزہ چکھنا ہے پھر ہماری ہی طرف لوٹائے جاؤ گے۔(۵۷) اور جن لوگوں نے ایمان لاکر اچھے کام
کئے، ہم انہیں جنت کے بالاخانوں میں جگہ دیں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں ان میں ہمیشہ رہیں گے۔

لفظی تحقیق: لَنُبَوِّئَنَّ: البتہ ٹھکانا دیں گے ہم۔ مضارع ہے (ب ل) تاکید ونون ثقلیہ اسی مادہ سے
لفظ "بَوَّانَا" اور "مُبَوَّءً" ہیں۔ غُرَفٌ: بالاخانے۔ غُرْفَةٌ کی جمع ہے اُوپر کی منزل کے مکان کو کہتے ہیں۔

تفسیر

مکہ کے کافروں نے مسلمانوں کا جینا دشوار کردیا تھا، مسلمانوں کو اس آیت میں کہا جارہا ہے کہ زندگی کا

مقصد اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے، اگر وطن میں رہ کر اللہ تعالیٰ کی عبادت نہیں کر سکتے تو دوسری جگہ ہجرت کر جاؤ، دنیا کی تکلیف کچھ دن کی ہے آخر موت آنی ہے، یاد رکھو! موت کا مزہ ضرور ہر شخص کو چکھنا ہے کوئی اس سے بچ نہیں سکتا اور تم سب مر کر ہمارے ہی پاس آؤ گے، مرنے کے وقت مجبوراً وطن، کنبہ، یار دوست سب کو چھوڑنا پڑے گا، مرنے سے پہلے اپنی خوشی سے اللہ تعالیٰ کیلئے یہ سب کچھ چھوڑ دو گے تو اس کا بدلہ مرنے کے بعد ملے گا، ہمارا وعدہ ہے کہ ہم ایمان لا کر اچھے کام کرنے والوں کو جنت کے اونچے اونچے گھروں میں بسائیں گے جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی اور ان میں وہ ہمیشہ کیلئے آباد ہو جائیں گے، اس آیت کے بعد اسّی یا بیاسی (۸۰ یا ۸۲) گھر مکہ سے حبشہ ہجرت کر گئے تھے۔

یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا: اے میرے ایمان والے بندو! بیشک میری زمین کشادہ ہے لہٰذا خالص میری ہی عبادت کرو، اگر تمہیں کافر مکہ میں نہیں رہنے دیتے تو یہاں سے ہجرت کر جاؤ، اسلام میں ہجرت کو بھی بہت بڑا مقام حاصل ہے، ساری زمین اللہ تعالیٰ کی ہے اگر کسی علاقے کے لوگ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں رکاوٹ بنتے ہیں تو اس علاقہ کو چھوڑ کر دوسری جگہ چلے جاؤ، جہاں تم آزادی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کر سکو، حقیقت یہ ہے کہ وطن کو چھوڑنا مشکل کام ہے لوگوں کو اپنے وطن کیساتھ پیار ہوتا ہے، ان کی زمین، مکان، دکان، کاروبار ہر چیز سے پیار ہوتا ہے، ان کی رشتہ داریاں اور برادری ہوتی ہے، یار دوست ہوتے ہیں، آب و ہوا موافق ہوتی ہے، ان تمام چیزوں کو چھوڑ کر دوسری جگہ چلے جانا جہاں یہ چیزیں فوری طور پر میسر نہیں آتیں ایک مشکل مرحلہ ہے، مکہ کے مسلمان جب ہجرت کر کے مدینہ پہنچے تو ان کو بھی مدینہ کی ہوا موافق نہ آئی اور وہ بیمار ہونے لگے، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی کہ: مولا کریم! جس طرح ان کو مکہ محبوب اور موافق تھا اسی طرح مدینہ کو بھی ان کیلئے محبوب اور موافق بنا دے۔

جب کافر لوگ مسلمانوں کا جینا حرام کر دیں، ان کی طرف سے مسلمانوں پر اتنی سختی ہو کہ دین پر عمل نہ کر سکیں، نہ اذان دے سکیں، نہ نماز باجماعت ادا کر سکیں تو ایسی حالت میں ہجرت فرض عین ہو جاتی ہے، مکہ میں یہی حالات پیش آ رہے تھے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپ کے صحابہ کو ہجرت کا حکم دیا۔

لَنُبَوِّئَنَّهُمۡ مِّنَ الۡجَنَّةِ غُرَفًا: ہم ایمان والوں کو ضرور جنت میں ٹھکانا دیں گے، حدیث شریف میں بالا خانوں کی بڑی تعریف آئی ہے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ان کی دیواریں ایسی صاف وشفاف ہوں گی کہ اندر کی چیز باہر سے اور باہر کی چیز اندر سے صاف نظر آئے گی، ایک دیہاتی آدمی نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت عرض کیا کہ یہ بالا خانے کن کو ملیں گے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ ان لوگوں کو ملیں گے جو محتاجوں کو کھانا کھلائیں گے، نفلی روزے رکھیں گے، خوش اخلاقی سے بات کریں گے اور ایسے وقت میں نماز پڑھیں گے جب لوگ سورہے ہوں گے، یہ ایسے بالا خانے ہوں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، وہ ہمیشہ اس میں رہیں گے، یعنی: وہاں سے کبھی نکالے نہیں جائیں گے۔

اِنَّ اَرۡضِیۡ وَاسِعَةٌ فَاِیَّایَ فَاعۡبُدُوۡنِ: اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: میری زمین بہت وسیع ہے اس لئے کسی کا یہ عذر قابل قبول نہیں کہ فلاں شہر یا فلاں ملک میں کافر غالب تھے، اس لئے ہم اللہ تعالیٰ کی عبادت نہ کرنے پر مجبور رہے، ان کو چاہئے کہ اس سرزمین کو جہاں وہ کفر وشرک پر مجبور کئے جائیں اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے چھوڑ دیں اور کوئی ایسی جگہ تلاش کریں، جہاں آزادی سے اللہ تعالیٰ کے حکموں پر خود بھی عمل کرسکیں اور دوسروں کو بھی اسلامی تعلیمات کی دعوت دے سکیں، اسی کا نام ہجرت ہے۔

وطن سے ہجرت کر کے کسی دوسری جگہ جانے میں دو قسم کے خطرے عام طور پر انسان کو پیش آتے ہیں جو اس کو ہجرت سے روکتے ہیں۔

پہلا خطرہ اپنی جان کا ہے کہ جب اپنا وطن چھوڑ کر کہیں جائیں گے تو یہاں کے کافر اور ظالم لوگ راہ میں رکاوٹ بنیں گے، مقابلہ اور مرنے مارنے کیلئے تیار ہوجائیں گے، نیز راستہ میں بھی ممکن ہے کہ دوسرے کافروں سے مقابلہ کرنا پڑے جس میں جان کا خطرہ ہے، اس کا جواب اگلی آیت میں دیا گیا کہ آخر ایک دن سب کو مرنا ہے، اس لئے موت سے خوف اور گھبراہٹ مؤمن کا کام نہیں ہونا چاہئے وہ تو ہر شخص کو ہر حال میں پیش آئے گی، اور مؤمن کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ وقت سے پہلے موت نہیں آسکتی، اس لئے اپنی جگہ رہنے یا

ہجرت کر کے دوسری جگہ جانے میں موت کا خوف رکاوٹ نہیں ہونا چاہئے، خاص طور پر جب کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت کرتے ہوئے موت کا آجانا ہمیشہ کی راحتوں اور نعمتوں کا ذریعہ ہے جو ان کو آخرت میں ملیں گی جس کا ذکر بعد کی دو آیتوں میں فرمایا ہے۔

دوسرا خطرہ ہجرت کی راہ میں یہ پیش آتا ہے کہ دوسرے ملک میں جا کر روزی رزق کا کیا بندوبست ہوگا، اپنے ملک میں تو کوئی نہ کوئی ذریعہ معاش ہوتا ہے اور ہجرت کرتے وقت تو یہ سب یہیں چھوڑ جانا پڑے گا تو آگے گزارہ کس طرح ہوگا؟ اس کا جواب بعد کی تین آیتوں میں اس طرح دیا گیا ہے کہ تم ان چیزوں کو جو تمہارے پاس موجود ہیں، روزی کا ذریعہ قرار دیتے ہو تو یہ تمہاری بھول ہے، رزق دینے والا درحقیقت اللہ تعالیٰ ہے وہ جب رزق دینا چاہتا ہے تو بغیر کسی سامان کے بھی رزق پہنچا دیتا ہے اور اگر وہ نہ چاہے تو تمام ظاہری سبب اور سامان کے ہوتے ہوئے بھی انسان کو رزق سے محروم کر دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہی رزق دینے والا ہے

نِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ﴿۵۸﴾ الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَ عَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿۵۹﴾

کیا ہی اچھا ہے ثواب کام کرنے والوں کا (۵۸) جنہوں نے صبر کیا اور پر رب اپنے بھروسہ رکھتے ہیں (۵۹)

وَ كَاَيِّنْ مِّنْ دَآبَّةٍ لَّا تَحْمِلُ رِزْقَهَا ۖ اَللّٰهُ يَرْزُقُهَا وَ اِيَّاكُمْ ۖ

اور بہت سے جانور نہیں اٹھاتے روزی اپنی اللہ روزی دیتا ہے انہیں اور تمہیں بھی

وَ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۶۰﴾ وَ لَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ

اور وہ ہے سننے والا جاننے والا (۶۰) اور البتہ اگر پوچھیں آپ ان سے کس نے بنائے آسمان اور

الْاَرْضَ وَ سَخَّرَ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ۚ فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴿۶۱﴾

زمین اور کام میں لگایا سورج اور چاند کو البتہ ضرور کہیں اللہ نے پس کہاں سے الٹے پھرے جاتے ہیں (۶۱)

بامحاورہ ترجمہ: نیکی کا کام کرنے والوں کا کیا ہی اچھا ثواب ہے۔(۵۸) جنہوں نے صبر کیا اور اپنے رب پر بھروسہ رکھا۔(۵۹) اور کتنے جانور ہیں جو اپنی روزی نہیں اٹھاتے، اللہ تعالیٰ ان کو روزی دیتا ہے اور تم کو بھی، اور وہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔(۶۰) اور اگر آپ لوگوں سے پوچھیں آسمان اور زمین کو کس نے بنایا اور سورج اور چاند کو کس نے کام میں لگایا تو (جواب میں) ضرور کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے، پھر کہاں سے اُلٹے پھرے جاتے ہیں۔(۶۱)

تفسیر

یہ پچھلی آیت کا حصہ ہے، ارشاد ہے کہ: اللہ تعالیٰ کی راہ میں گھر بار چھوڑنے والے ایمان والوں کو جنت میں اُونچے اُونچے مکان ہمیشہ کیلئے رہنے کو ملیں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، یہ ان نیک کام کرنے والوں کی بہت ہی اچھی مزدوری ہے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں صبر کے ساتھ مشقتیں اٹھائیں اور اپنے پروردگار پر بھروسہ کیا، اللہ تعالیٰ کی بہت سی مخلوق دنیا میں ایسی ہے کہ جس کے پاس خوراک کا کوئی ذخیرہ نہیں ہوتا، جیسے: چرند پرند صبح خالی پیٹ اٹھتے ہیں اور رات کو بھرے ہوئے پیٹ سوتے ہیں، اللہ تعالیٰ انہیں بھی تو رزق دیتا ہی ہے بالکل اسی طرح تمہارا رازق بھی تو اللہ تعالیٰ ہی ہے، جہاں جاؤ گے اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے تمہاری روزی کا سامان کردے گا، اللہ تعالیٰ کو نہ ماننے کی کوئی وجہ نہیں، ان کافروں سے ہی پوچھ کر دیکھ لو کہ یہ آسمان کس نے پیدا کئے، زمین کس نے بنائی، چاند اور سورج کو کس نے اپنے اپنے کام میں لگایا ہوا ہے، ضرور وہ یہی کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے مگر معلوم نہیں کہ اتنا اقرار کرنے کے بعد اس کی تابعداری اور عبادت سے منہ کیسے موڑ لیتے ہیں۔

اَلَّذِيْنَ صَبَرُوْا: جنہوں نے ہر قسم کی تکلیفوں کو برداشت کرتے ہوئے صبر کیا، مخالفین کی اذیتیں برداشت کیں، وطن سے ہجرت کی اور ہر قسم کی تکلیفیں برداشت کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی توحید، اس کا ذکر، اس کی نعمتوں کا شکر کیا اور ثابت قدم رہے تو فرمایا کہ: یہ ایمان والے آخرت کے انعام کے حقدار ہوں گے۔

احکام ومسائل

مسئلہ(۱):.... جس دارالکفر میں عام اسلامی تعلیمات پر عمل کرنے کی آزادی ہو وہاں سے ہجرت کرنا فرض وواجب نہیں، مگر مستحب بہرحال ہے، اور اس میں دارالکفر ہونا بھی ضروری نہیں، جس ملک یا شہر میں اسلامی تعلیمات کی خلاف ورزی اعلانیہ ہوتی ہو اس کا بھی یہی حکم ہے، اگرچہ وہاں کے حکمران مسلمان ہوں۔

یہ تفصیل حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے "فتح الباری" میں تحریر فرمائی ہے اور "مسند احمد" کی ایک روایت جو حضرت ابو یحییٰ مولیٰ زبیر ابن عوام رضی اللہ عنہ سے منقول ہے وہ بھی اس بات پر گواہ ہیں، حدیث یہ ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: سب شہر اللہ کے شہر ہیں اور سب بندے اللہ کے بندے ہیں، اس لئے جس جگہ تمہارے لئے اسباب خیر جمع ہوں وہاں رہائش اختیار کرو۔

اور ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے، انہوں نے فرمایا کہ: جس شہر میں گناہ اور بے حیائی عام ہوں اس کو چھوڑ دو اور امام تفسیر حضرت عطاء رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ: جب تمہیں کسی شہر میں گناہ کیلئے مجبور کیا جائے تو وہاں سے بھاگ کھڑے ہو۔

اللہ تعالیٰ جاننے والا ہے

اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَ يَقْدِرُ لَهٗ ؕ اِنَّ

اللہ پھیلادیتا ہے رزق جس کیلئے چاہتا ہے سے بندوں اپنے اور تنگ کردیتا ہے لئے اسکے بیشک

اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿٦٢﴾ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ نَّزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ

اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے (۶۲) اور البتہ اگر پوچھیں آپ ان سے کس نے اتارا سے آسمان

مَآءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِ مَوْتِهَا لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ؕ قُلِ

پانی زندہ کیا ساتھ اسکے زمین کو اس کی بعد موت کے تو البتہ کہیں اللہ نے کہہ دیجئے

ع ۶ ۱۲ ۲

الْحَمْدُ لِلّٰهِ ۚ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿٦٣﴾

سب خوبی واسطے اللہ ہے بلکہ اکثر میں سے ان نہیں عقل رکھتے (۶۳)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اللہ تعالیٰ کشادہ کرتا ہے روزی جس کے واسطے چاہے اپنے بندوں میں سے اور تنگ بھی کر دیتا ہے جس کیلئے تنگ کرنا چاہے، بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز سے خبردار ہے۔(۶۲) اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ پانی آسمان سے کس نے اتارا پھر زندہ کر دیا اس سے زمین کو اس کے مرجانے کے بعد تو وہ کہیں گے اللہ تعالیٰ نے، آپ فرما دیجئے کہ سب خوبی اللہ تعالیٰ کیلئے ہے لیکن بہت سے لوگ نہیں سمجھتے۔(۶۳)

تفسیر

ارشاد ہے کہ: رزق کا انتظام اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے اور وہ جسے جتنا چاہتا ہے دیتا ہے کیونکہ وہ ہر چیز سے باخبر ہے اور ہر بات کی مصلحت جانتا ہے جس کو بہت سا دینا ہوتا ہے اس کیلئے ویسے اسباب پیدا کر دیتا ہے، جسے ناپ تول کر دینا ہوتا ہے اسے اندازہ سے دیتا ہے، لیکن محروم کسی کو نہیں کرتا، اسی طرح اسے حال بدلتے بھی دیر نہیں لگتی، جب چاہتا ہے مفلس کو مالدار اور مالدار کو مفلس اور خوشحال کو بدحال اور بدحال کو خوشحال کر دیتا ہے، اِن سے پوچھئے کہ بھلا یہ تو بتاؤ کہ آسمان سے مینہ کون برساتا ہے، جس سے خشک مردہ زمین ہری اور تر و تازہ ہو جاتی ہے اور ہر قسم کی چیزیں اس میں سے اگ آتی ہیں، وہ یہی جواب دیں گے کہ سب کچھ اللہ تعالیٰ ہی کرتا ہے تو فرمایئے کہ اب ساری خوبی اللہ تعالیٰ ہی کیلئے ثابت ہوئی، اس لئے ایمان والوں کو اسی پر بھروسہ کرنا چاہئے اور دنیا کی عارضی تکلیفوں سے ذرا نہ گھبرانا چاہئے، وہ اپنی قدرت سے عنقریب تکلیفیں دور کر دے گا، لیکن افسوس! کہ اکثر لوگ عقل سے کام نہیں لیتے، دنیا کے آرام اور تکلیف کو اہمیت دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے وعدوں کو کچھ اہمیت نہیں دیتے، حالانکہ مانتے ہیں کہ سب کچھ اللہ تعالیٰ ہی کرتا ہے۔

دنیا اور آخرت

وَ مَا هٰذِهِ الْحَیٰوةُ الدُّنْیَاۤ اِلَّا لَهْوٌ وَّ لَعِبٌ ؕ وَ اِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ
اور نہیں یہ زندگی دنیا کی مگر جی بہلانا اور کھیل اور تحقیق گھر آخرت کا

لَهِیَ الْحَیَوَانُ ۘ لَوْ كَانُوْا یَعْلَمُوْنَ۝۶۴
البتہ وہی ہے اصل زندگی اگر ہوتے وہ جانتے (۶۴)

وقف لازم

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور یہ دنیا کا جینا تو بس جی بہلانا اور کھیلنا ہے اور آخرت کا گھر ہی اصل زندگی ہے، اگر ان کو سمجھ ہوتی۔(۶۴)

لفظی تحقیق: حَیَوَانُ: زندگی۔ مراد یہ ہے کہ آخرت کا گھر، یعنی: ایسا گھر جس کے اندر اصل زندگی ہے۔

تفسیر

پچھلی آیت کے آخر میں کہا گیا تھا کہ اکثر آدمی سوچ سمجھ سے کام نہیں لیتے ورنہ وہ آسانی کیساتھ اتنی بات سمجھ سکتے تھے کہ دنیا میں کوئی ہمیشہ نہیں رہا، سب کو آگے پیچھے یہاں سے رخصت ہو جانا ہے، پھر یہاں کی راحت و آرام اور دکھ تکلیف کی اہمیت ہی کیا ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ کی طرف دھیان لگانا چاہئے اور اس کے وعدہ پر یقین کر کے آخرت کا راحت و آرام حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہئے، اس آیت میں اسی بات کو بڑی وضاحت کیساتھ بیان کیا گیا ہے تا کہ غافلوں کو خود بخود نہیں تو بتا دینے ہی سے اصل بات کی طرف توجہ ہو جائے۔

ارشاد ہے کہ: دنیا کی زندگی کو اصلی مقصد ٹھہرانا انتہائی نادانی ہے، یہ تو صرف کھیل کود کی طرح ہے، جس طرح تم بچوں کو تھوڑی دیر کھیل کود کی مہلت دیتے ہو، اس کے بعد انہیں کاموں میں وقت لگانے کی تاکید کرتے ہو جو آئندہ ان کی زندگی سنوارنے کے کام آئیں، اسی طرح تم خود بھی سمجھو کہ دنیا میں تمہیں بھی صرف اتنا ہی مصروف ہونا چاہئے جتنا کھیل کود میں بچوں کو رکھنا پسند کرتے ہو، دنیا کیلئے ضرورت کے طور پر وقت دینا چاہئے باقی اصل

زندگی تو آخرت کی ہے، اس لئے زیادہ وقت اس زندگی کی تیاری میں لگانا چاہئے اور اس کی تیاری یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جن کاموں کے کرنے کو کہا ان کو کرنا چاہئے اور جن سے منع کیا ہے ان سے رک جانا چاہئے۔

وَ مَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَهْوٌ وَّ لَعِبٌ: دنیا کی زندگی دل کے بہلاوے اور کھیل تماشے کے سوا کچھ بھی نہیں، انسان اس چندروزہ عارضی دنیا کی رنگینیوں میں کھوکر آخرت کی زندگی کو بھول جاتے ہیں، بعض مفسرین فرماتے ہیں: (لہو) بچوں کے کھیل کو کہا جاتا ہے جب کہ (لعب) نوجوانوں کے کھیل پر بولا جاتا ہے، بہر حال دنیا کی زندگی کھیل تماشے سے زیادہ نہیں ہے، کھیل محض ایک بناوٹی ڈرامہ ہوتا ہے جس میں حقیقت کو کوئی دخل نہیں ہوتا، ڈرامہ میں کام کرنے والے کردار محض وقتی طور پر اپنا اپنا کردار پیش کرتے ہیں اور جب کھیل ختم ہوتا ہے تو پھر نہ وہ بادشاہ، بادشاہ ہوتا ہے اور نہ مجرم حقیقت میں مجرم ہوتا ہے، کتنے افسوس کا مقام ہے کہ اس کھیل تماشے کی سرپرستی خود حکومتیں کر رہی ہیں، ان کیلئے وزارتیں قائم کی جاتی ہیں، فنڈ مختص کئے جاتے ہیں، مگر حقیقت کچھ بھی نہیں ہوتی، اسی طرح دنیا کا حال ہے جونہی یہ زندگی ختم ہوتی ہے تو کھیل ختم ہو جاتا ہے مگر انسان ہیں کہ اسی میں مشغول ہو کر آخرت کو بھول جاتے ہیں۔

لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ: اگر یہ تمہاری سمجھ میں آجائے تو پھر کامیاب ہو جاؤ گے، کاش کہ تم کفر و شرک اور گناہ کا راستہ چھوڑ کر ایمان اور توحید کا راستہ اختیار کرتے اور پھر آخرت کی زندگی میں کامیابی حاصل کرتے۔

اللہ تعالیٰ کی ناشکری

فَاِذَا رَكِبُوْا فِي الْفُلْكِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ فَلَمَّا

پھر جب سوار ہوتے ہیں میں کشتی پکارنے لگتے ہیں اللہ کو خالص کر کے لئے اسکے اعتقاد پھر جب

نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ اِذَا هُمْ يُشْرِكُوْنَ ﴿۶۵﴾ لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ ۚ

انہیں نجات دی اس نے طرف خشکی کی اچانک لگے شرک کرنے (۶۵) تاکہ مکر جائیں اس سے جو دیا ہم نے انہیں

وَ لِیَتَمَتَّعُوْا ٝ فَسَوْفَ یَعْلَمُوْنَ ﴿۶۶﴾

اور تا کہ مزے اڑائیں پس عنقریب جان لیں گے (۶۶)

بامحاورہ ترجمہ:۔ پھر جب کشتی میں سوار ہوئے اللہ تعالیٰ کو پکارنے لگے خالص اسی پر اعتقاد رکھ کر، پھر جب اللہ تعالیٰ نے انہیں سمندر سے خشکی کی طرف پہنچادیا تو اسی وقت شرک کرنے لگے۔(۶۵) تا کہ ہمارے دیئے ہوئے سے مکرتے رہیں اور مزے اڑاتے رہیں سو عنقریب جان لیں گے۔(۶۶)

تفسیر

دنیا کی حقیقت ظاہر کرنے کیلئے پہلے چند سوال لوگوں سے کئے گئے جن سے اللہ تعالیٰ کا ایک ہونا جتانا مقصود تھا، پھر کہا گیا جب تم اللہ تعالیٰ کو مانتے ہو تو لازم ہے کہ اسی میں ساری خوبیاں مانو اور کفر وشرک سے بچ کر اسی کی عبادت میں لگ جاؤ تا کہ تمہاری آخرت سنور جائے اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے بدلے جنت میں ٹھکانا نصیب ہو، دنیا میں سارا وقت لگانا فضول ہے، اللہ تعالیٰ سے دھیان لگاؤ، اس آیت میں ارشاد ہے کہ: ان لوگوں کا رویّہ یہ ہے کہ مصیبت پڑی تو اللہ تعالیٰ کو پکارنے لگے اور ان معبودوں کو جن کی پوجا میں وہ ہر وقت لگے رہتے ہیں بالکل چھوڑ بیٹھے اور تہہ دل سے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کیا جیسا کہ سمندر میں جب جہاز طوفان میں گھر جائے اس وقت یہی حالت ہوتی ہے، سب کا دھیان خالص اللہ تعالیٰ کی طرف لگ جاتا ہے، لیکن تعجب ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اس مصیبت سے نجات دے کر صحیح سلامت خشکی پر پہنچادیتا ہے تو پھر انہی پہلی حرکتوں پر اتر آتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر جھوٹے خداؤں کو پکارنا شروع کردیتے ہیں، ان کی غرض پھر تو یہی ٹھہری کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور احسانوں سے فائدہ اٹھائیں اور پھر اسی کی ناشکری کریں، کیونکہ اگر اس کے فرمانبردار بنیں جو کہ شکر گزاری کا اصل طریقہ ہے تو دنیا کے مزے چھوڑنے پڑیں گے اور اپنی خودمختاری کو جوان کی ایک خیالی بات ہے چھوڑنی پڑے گی، یہ زبردست دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں کہ اس ڈھیٹ پن کی ان سے پوچھ گچھ نہ ہوگی۔

فَإِذَا رَكِبُوا فِي الْفُلْكِ: جب وہ کشتی میں سوار ہوتے ہیں، یعنی: جب وہ کسی سمندری راستے سے سفر کرتے ہیں اور کشتی یا جہاز طوفان میں گھر جاتا ہے یا کسی دوسرے حادثے کا شکار ہو جاتا ہے تو پھر خالص اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا اعتقاد رکھ کر مدد کیلئے صرف اسی کو پکارتے ہیں، اس وقت ان کا ایمان یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اس مصیبت سے نجات دینے والا کوئی نہیں ہے، جب سمندروں میں طوفان آتے ہیں تو ایک لاکھ ٹن وزنی جہاز بھی سمندر کی لہروں پر تنکے کی طرح تیرتا پھرتا ہے، غرضیکہ ایسے مشکل وقت میں بعض لوگ صرف اللہ تعالیٰ ہی کی طرف متوجہ ہوتے ہیں جیسا کہ عدی بن حاتم طائی کے واقعہ میں آتا ہے کہ جب کشتی طوفان میں پھنس گئی تو ملاحوں نہ کہا کہ اب صرف اللہ تعالیٰ ہی بچا سکتا ہے، اس موقع پر کوئی دوسری ہستی کچھ نہیں کر سکتی، اسی بات سے عدی کے دل پر اثر ہوا اور اس نے ارادہ کر لیا کہ اگر خشکی پر پہنچ گیا تو فوراً جا کر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر ایمان لے آؤں گا۔

البتہ بعض سخت قسم کے مشرک ایسے بھی ہوتے ہیں جو بھنور میں پھنس کر بھی اللہ تعالیٰ کے بجائے مدد کیلئے غیر اللہ کو پکارتے ہیں، چنانچہ آپ نے بھی اس قسم کے نعرے سنے ہوں گے کہ (یا بہاو الحق میرا بیڑا ادھک) تاہم عام طور پر بڑے سے بڑا مشرک بھی اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے اور مشکل وقت میں اسی کو پکارتا ہے، پھر جب اللہ تعالیٰ ان کو مشکل سے نکال لیتا ہے تو یہ لوگ پھر شرک کرنے لگتے ہیں، پھر دیگیں چڑھتی ہیں، نذر و نیاز ہوتی ہے، کبھی داتا صاحب کی قبر پر حاضری دی جاتی ہے، کبھی خواجہ صاحب کے ہاں اور کبھی کسی دوسرے قبر والے کے ہاں گویا مشکل کشا یہی ہیں اور جس اللہ تعالیٰ نے انہیں مصیبت اور پریشانی سے بچایا اس کو بھول جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ اسی وجہ سے ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی جان بچائی، ان کو بحفاظت خشکی تک پہنچایا مگر وہ لوگ اس احسان کی ناقدری کرتے ہیں اور احسان فراموشی کا ثبوت دیتے ہیں، اور دوسری وجہ یہ ہے کہ وہ فائدہ اٹھالیں اس چیز سے جو اللہ نے ان کو عطا کی ہے۔

علم والوں کیلئے نکتہ کی بات

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ: "لِيَكْفُرُوا" اور "لِيَتَمَتَّعُوا" کا لام، سببیہ ہے، یعنی: ان کے کفر اور

فائدہ اٹھانے کا سبب یہ ہوگا کہ وہ سزا کے مستحق ٹھہریں گے، بعض کہتے ہیں کہ: یہ لام امر ہے اور معنی یہ بنتا ہے کہ یہ کفر کریں اور فائدہ اٹھائیں، یعنی: اگر یہ اسی طرف جانا چاہتے ہیں تو پھر چلے جائیں، اس قسم کا کلام ڈرانے کیلئے ہوتا ہے جیسے فرمایا: جو تمہارا جی چاہتا ہے کرلو، ہم حساب لے لیں گے، آخر ہمارے پاس ہی آنا ہے، یہ وعید ہے بعض فرماتے ہیں کہ: یہ لام عاقبت ہے، یعنی: یہ لوگ کفر کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی نعمت کی ناقدری کرتے ہیں اور شکر یہ ادا نہیں کرتے تو اس کا انجام یہ ہوگا کہ ہماری عطا کردہ چیزوں کے ناشکر گزار بن جائیں گے اور اس دنیا کے ساز و سامان سے فائدہ اٹھاتے رہیں گے جو کہ بالکل عارضی چیز ہے، سورۃ زمر میں ہے کہ (یہ اپنے کفر کیساتھ تھوڑا فائدہ اٹھالیں انہیں بالآخر دوزخ میں ہی جانا ہے، پس وہ عنقریب جان لیں گے) یعنی: پھر انہیں پتہ چلے گا کہ انہوں نے دنیا کی عارضی مہلت کو کس طرح ضائع کیا اور اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں کا شکر ادا کرنے کے بجائے کفر و شرک کر کے اللہ تعالیٰ کے غضب کو دعوت دیتے رہے۔

کھلی ناشکری

اَوَ لَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا اٰمِنًا وَّ يُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ

کیا نہیں دیکھا کہ ہم نے بنائی ایک محفوظ جگہ امن کی اور اچکے جارہے ہیں لوگ سے

حَوْلِهِمْ ؕ اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ وَ بِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَكْفُرُوْنَ ﴿۶۷﴾

گردان کے کیا پس غلط بات کا یقین کرتے ہیں اور نعمت اللہ کی ناشکری کرتے ہیں (۶۷)

بامحاورہ ترجمہ: کیا دیکھتے نہیں کہ ہم نے حرم کو امن والی جگہ بنا دیا ہے، حالانکہ لوگ ان کے پاس سے اچکے جارہے ہیں، کیا یہ لوگ جھوٹے خداؤں پر یقین رکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا احسان نہیں مانتے۔ (۶۷)

تفسیر

اس آیت میں مکہ کے کافروں کو ایک ایسی بات یاد دلائی گئی ہے جس سے ان کی ہٹ دھرمی صاف آنکھوں کے

سامنے آجاتی ہے اور یقین ہو جاتا ہے کہ وہ لوگ بے انصافی پر کمر باندھے ہوئے تھے اور اس عذاب کے واقعی حقدار تھے، جو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے ہاتھوں ان پر ڈالا، مکّہ کے لوگ لوٹ مار کے باوجود کعبہ کی بدولت محفوظ تھے، باقی سارے عرب میں کسی کی زندگی محفوظ نہ تھی، ایک دوسرے پر اچانک چھاپے مارنے اور قتل و غارت کے سوا ان لوگوں کے پاس اور کوئی کام نہ تھا، ہاں کعبہ کی عزت و احترام سب کرتے تھے، مکّہ اس کے ارد گرد آباد تھا اور یہاں کے لوگ اس کے محافظ سمجھے جاتے تھے، لہٰذا اس وجہ سے سب ان کا بھی احترام کرتے تھے، مکّہ کے ارد گرد ایک گھیرا تھا جس کو حرم کہتے ہیں، جس کے اندر رہنے والا یا بھاگ کر پناہ لینے والا دشمن کے ہاتھوں پکڑے جانے سے محفوظ تھا۔

ارشاد ہے کہ: یہ امن و امان کی جگہ جسے حرم کہتے ہیں ہمیں نے تو بنائی ہے، آس پاس چاروں طرف قتل کئے جارہے ہیں اور لوٹے جارہے ہیں لیکن ادھر کا رخ کوئی نہیں کرتا، آخر اس جگہ کی یہ عظمت کس نے ان کے دل میں بٹھائی؟

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: یہ ہمارا کام ہے اور ہم نے لوگوں کے دلوں میں کعبہ کی عظمت بٹھا کر یہاں لوٹ مار کرنے سے روک رکھا ہے، پھر یہ کیا بے انصافی ہے کہ ہمارا احسان بھلا بیٹھے جس کا ماننا انصاف کی رو سے تم پر فرض تھا، اس کے برخلاف تم ہٹ دھرمی سے غلط اور جھوٹے معبودوں کی پوجا کرنے لگے۔

قریش پر احسان

قرآن مجید کے اترنے کے زمانے میں عرب میں سال بھر میں آٹھ ماہ سخت بدامنی کے ہوتے تھے، اس دوران قافلوں پر حملے ہوتے، لوٹ مار ہوتی، قتل و غارت کا بازار گرم ہوتا تھا جس کا نتیجہ یہ تھا کہ ان آٹھ (۸) مہینوں میں سارے راستے پر خطر ہوتے تھے، کوئی قافلہ بحفاظت سفر نہیں کرسکتا تھا، جس کی وجہ سے کاروبار ٹھپ ہو کر رہ جاتا تھا، البتہ سال کے باقی چار مہینے ذیقعدہ، ذی الحجہ، محرم اور رجب حرمت والے مہینے کہلاتے تھے، جن میں ہتھیار پھینک دیئے جاتے تھے، کوئی کسی سے لڑائی نہیں کرتا تھا، تجارتی قافلے بے دھڑک اپنا سفر جاری رکھتے تھے، ان مہینوں میں ہر قسم کا سفر پر امن ہوتا تھا۔

البتہ! قریش کو یہ اعزاز حاصل تھا کہ بیت اللہ شریف کے متولی ہونے کی وجہ سے ان کیلئے سارا سال پر

امن ہوتا تھا، ان کے تجارتی قافلے بلا روک ٹوک جہاں چاہتے سفر کرتے اور ان کے راستے میں کوئی رکاوٹ نہیں بنتا تھا، یہی وہ احسان ہے جو اللہ تعالیٰ نے ”سورۃ القریش“ میں بھی بیان کیا ہے کہ ان کے تجارتی قافلے موسم گرما میں شام کی طرف جاتے تھے اور موسم سرما میں یمن کا رخ کرتے تھے، مگر ان کے راستے میں کوئی رکاوٹ نہیں آتی تھی، لوگ ان کا ادب واحترام کرتے تھے، اس مقام پر بھی اسی احسان کا ذکر فرمایا کہ کیا مکہ کے قریش نے نہیں دیکھا کہ ہم نے حرم پاک کو امن کا خطہ بنادیا ہے اور اسی وجہ سے حرم کے متولی قریش بھی پرامن ہوگئے ہیں، دوسرے لوگوں کے برخلاف انہیں مکمل امن وامان حاصل تھا اور یہ جہاں چاہتے بلا روک ٹوک جاسکتے تھے، ظاہر ہے کہ حرم کو پرامن کسی لات منات یا عزّیٰ نے تو نہیں بنایا تھا، بلکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص مہربانی سے اسے امن والا خطہ بنادیا تھا، اس علاقے میں جنگ وجدال ممنوع قرار دی گئی اور ہر گناہ کیلئے دوہری سزا مقرر کی گئی جس کی وجہ سے قریش کو مکمل طور پر امن حاصل ہوگیا تھا۔

اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ: کیا یہ لوگ باطل پر ایمان رکھتے ہیں، یعنی: یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمت کی ناقدری کرتے ہیں، قریش کا تو خاص طور پر فرض تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احسانات کا شکر ادا کرتے اور اللہ کیساتھ کسی کو شریک نہ کرتے، مگر اس کے برعکس یہی لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیفیں پہنچانے میں پیش پیش تھے جو ان کی بدبختی کی علامت ہے۔

اپنے کئے کا پھل

وَ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِالْحَقِّ

اور کون زیادہ ظالم ہے سے اس جو باندھے پر اللہ جھوٹ یا جھوٹ کہے سچی بات کو

لَمَّا جَآءَهٗ ؕ اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكٰفِرِيْنَ ۞ وَ الَّذِيْنَ

جب وہ پہنچے اس تک کیا نہیں میں دوزخ ٹھکانا کافروں کا (۶۹) اور جنہوں نے

ع ۷ ۶ ۲

جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ۭ وَ اِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝۶۹

محنت کی میں راہ ہماری البتہ سمجھا دینگے ہم انہیں راہیں اپنی اور تحقیق اللہ البتہ ساتھ ہے نیکی کرنے والوں کے (۶۹)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور اس سے زیادہ بے انصاف کون ہے جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھے یا جب اس تک سچی بات پہنچے تو اسے جھٹلائے، کیا دوزخ میں منکروں کا ٹھکانہ نہیں ہے؟ (۶۸) اور جنہوں نے ہمارے واسطے محنت کی ہم ضرور بضرور انہیں اپنی راہیں سمجھا دیں گے اور بیشک اللہ تعالیٰ نیکی کرنے والوں کیساتھ ہے۔ (۶۹)

تفسیر

اس آیت میں ارشاد ہے کہ: سب سے زیادہ ظالم وہ ہے جو سچ کو نہ مانے اور سیدھی بات کو توڑ موڑ کر کچھ اور بنالے، ان کو اتنا نہیں سوجھتا کہ اللہ تعالیٰ کے نہ ماننے والوں کا ٹھکانہ یقیناً دوزخ ہے، اللہ تعالیٰ نے تو صاف کہہ دیا کہ جو ہمارے واسطے محنت مشقت اٹھائے گا ہم اس پر اپنی راہیں واضح کر دیں گے جو دیانتداری اور خلوص کیساتھ نیک کام کرے گا، بیشک اللہ تعالیٰ اس کیساتھ ہے اور اس کا مددگار ہے۔

ایاتها - ۶۰ سُوْرَةُ الرُّوْمِ مَكِّيَّةٌ رکوعاتها - ۶

سورۃ الروم مکی ہے۔ اس میں ساٹھ آیتیں اور چھ رکوع ہیں۔

پختہ پیش گوئی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓمّٓ ۝۱ غُلِبَتِ الرُّوْمُ ۝۲ فِيْٓ اَدْنَى الْاَرْضِ وَ هُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ

الف لام میم (۱) مغلوب ہوگئے رومی (۲) میں قریب کی سرزمین اور وہ بعد اپنے مغلوب ہونے کے

سَيَغْلِبُوْنَ ۝۳ فِيْ بِضْعِ سِنِيْنَ ۭ لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَ مِنْۢ بَعْدُ ۭ

عنقریب غالب آجائینگے (۳) میں چند سال واسطے اللہ کے فیصلہ اس سے پہلے اور اس کے بعد

وَ يَوْمَئِذٍ يَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝۴ بِنَصْرِ اللّٰهِ ۭ يَنْصُرُ مَنْ يَّشَآءُ ۭ
اور اس دن خوش ہوں گے ایمان والے (۴) ساتھ مدد اللہ کی وہ مدد کرتا ہے جس کی چاہتا ہے

وَ هُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۝۵ وَعْدَ اللّٰهِ ۭ لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ وَعْدَهٗ وَ
اور وہی ہے زبردست رحم والا (۵) وعدہ اللہ نہیں خلاف کرتا اللہ وعدے اپنے کے اور

لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۶ يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ
لیکن بہت سے لوگ نہیں جانتے (۶) جانتے ہیں ظاہر کو سے زندگانی

الدُّنْيَا ۚۖ وَ هُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ ۝۷
دنیا کی اور وہ سے آخرت وہی غافل ہیں (۷)

بامحاورہ ترجمہ:۔ الٓمّٓ۔ (۱) مغلوب ہوگئے ہیں رومی۔ (۲) پاس والے ملک میں اور وہ اس مغلوب ہونے کے بعد عنقریب غالب ہوں گے۔ (۳) چند سال میں سب کام پہلے اور پچھلے اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں اور مسلمان اس دن خوش ہوں گے۔ (۴) اللہ تعالیٰ مدد کرتا ہے جس کی مدد کرنا چاہے اور وہی ہے زبردست رحم والا۔ (۵) اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہو چکا اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کے خلاف نہ کریگا، لیکن بہت سے لوگ (اس وعدہ کو) نہیں جانتے۔ (۶) وہ دنیا کی زندگی کی ظاہری باتوں کو جانتے ہیں اور وہ آخرت کی خبر نہیں رکھتے۔ (۷)

تفسیر

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دنیا میں تشریف لانے سے پہلے دنیا میں دو بڑی طاقتور حکومتیں تھیں: ایک ایران اور دوسری روم کی، دونوں میں بہت مدت سے لڑائی چلی آرہی تھی، پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیدائش ۵۷۰ء میں ہوئی اور ۶۱۰ء میں آپ کو پیغمبری عطاء ہوئی، ۶۰۲ء سے ۶۱۴ء کے بعد تک ایرانیوں اور رومیوں کی آپس میں لڑائیاں ہوتی رہیں، پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیغمبری کے پانچ سال بعد ایران نے روم کو بڑی بھاری شکست دی، شام، مصر اور ایشیائے

کوچک سے رومیوں کو نکال دیا اور ۶۱۵ء میں روم کے دارالحکومت قسطنطنیہ پر چڑھائی کی تیاری شروع کر دی، مکہ والوں نے یہ خبر سن کر کہا کہ اللہ تعالیٰ کے منکر ایرانی اللہ تعالیٰ کو ماننے والے رومیوں پر غالب آگئے، ایسے ہی ہم جنہیں تم خدا کا منکر کہتے ہو تم پر جو اللہ کو ماننے والے ہو ہم غالب آجائیں گے تو مسلمانوں کو ان باتوں سے صدمہ پہنچا۔

ان آیتوں میں ان کو بتایا جارہا ہے کہ شکست و فتح تو اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہے، ایرانیوں اور رومیوں میں ملکی لڑائی تھی تو جس کے پاس طاقت زیادہ تھی وہ کم طاقت والے پر غالب آگیا، اگر آج ایرانی غالب آئے ہیں تو نو سال کے اندر اندر رومی ایرانیوں پر غالب آجائیں گے اور اسی زمانے میں مسلمان عرب کے کافروں پر غالب آجائیں گے اور ان کو دوہری خوشی نصیب ہوگی، چنانچہ پیش گوئی پوری ہوئی اور ۶۲۴ء میں رومی اپنے ملک سے ایرانیوں کو نکال کر خود ان کے ملک میں گھس آئے اور اسی سال مسلمانوں نے بدر کی لڑائی میں مکہ کے کافروں کو شکست دی اور انہیں ہمیشہ کیلئے پست کر دیا۔

اللہ تعالیٰ دنیا کی مصلحتوں سے خبردار ہے وہ اس سے اچھی طرح واقف ہے کہ کس وقت کس کی مدد کرنی ہے، کونسا موقع کس کے غالب آنے کا ہے اور کس کے مغلوب ہونے کا، تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ وہ سب سے زبردست ہے اور رحم کرنے والا ہے، یاد رکھو! اللہ تعالیٰ نے جو کچھ کہا ہے پکا وعدہ ہے اور پورا ہو کر رہے گا، اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا، جو وہ کہہ دیتا ہے وہ ہو کر رہتا ہے، یہی وہ حقیقت ہے جسے اکثر لوگ نہیں جانتے، وہ فقط ظاہری باتوں کو دیکھتے ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ جو جیت گیا وہی ہارنے والوں پر فضیلت بھی رکھتا ہے، وہ دنیا کی ہار جیت کو بڑائی کا معیار سمجھتے ہیں، حالانکہ کسی کو بڑھیا گھٹیا ماننے کیلئے اس کے انجام پر نظر رکھنی چاہئے، دنیا کی خوشحالی، شان و شوکت، مال و دولت، فراخی اور ہار جیت میں کچھ نہیں رکھا، اس کے بعد آخرت کی زندگی آنے والی ہے، لوگ اسے بھولے ہوئے ہیں حالانکہ اس کی بہتری ہی اصل بہتری ہے۔

روم ایک ملک کا نام ہے جسے قرآن کے اترنے کے زمانے میں "رومۃ الکبریٰ" بھی کہتے تھے، بالکل اسی

طرح جس طرح کچھ سال پہلے تک برطانیہ کو برطانیہ عظمٰی کہا جاتا تھا،اس ملک کا اصل مرکز تو اٹلی میں تھا،مگر بعد میں اس کا ایک حصہ الگ ہوکر جدید روما کہلایا جس کا دارالحکومت استنبول (قسطنطنیہ) تھا اور اس کے ماتحت شام فلسطین اور ایشیائے کوچک کے دوسرے علاقے تھے،اس ملک کا بادشاہ ہرقل عیسائی مذہب رکھتا تھا جسے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ۷ھ میں اسلام کا دعوتی خط بھیجا تھا۔

بعد کے زمانہ میں لفظ روم عیسائیوں کیلئے خاص ہوگیا جیسا کہ حدیث میں آتا ہے:عیسائی لوگ دنیا میں ہر زمانہ میں موجود رہیں گے،جب ایک گروہ ختم ہوجائے گا تو دوسرا آجائے گا،یہاں تک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ہوگا، چنانچہ یہ لوگ آج تک دنیا میں بڑی بڑی حکومتوں کے مالک چلے آرہے ہیں،حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آنے کے بعد ساری زمین غیر مذہب والوں سے پاک ہوجائے گی اور دنیا میں صرف اسلام ہی باقی رہ جائے گا۔

دو بڑی حکومتیں

قرآن مجید اترنے کے زمانہ میں دنیا پر دو حکومتیں بڑی طاقتور مانی جاتی تھیں،ایک ایرانیوں کی حکومت تھی جس کے بادشاہ کو "کسریٰ" کہا جاتا تھا،تقریباً آدھی دنیا ہندستان،چین،روس وغیرہ،اگر کوئی علاقائی بادشاہ بھی تھا تو وہ بھی کسریٰ کے ماتحت تھا،اور باقی آدھی دنیا پر روم کی حکومت تھی جس کے بادشاہ کو "قیصر" کہا جاتا تھا،اس میں یورپ،افریقہ،مصر وغیرہ شامل تھے،اس زمانے میں قیصر وکسریٰ کی حیثیت دنیا میں اسی طرح مانی جاتی تھی جس طرح آج کے زمانے میں امریکہ اور روس دو بڑی طاقتیں ہیں اور دنیا کے زیادہ تر ملک سیاسی،اقتصادی یا معاشرتی لحاظ سے کسی نہ کسی طرح ان دو کے ماتحت ہیں،بہر حال اس زمانے میں رومی عیسائی تھے جبکہ ایرانی مجوسی تھے۔

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی مشہور کتاب (حجۃ اللہ البالغہ) میں لکھتے ہیں کہ:اللہ تعالیٰ کی حکمت یہ تھی کہ ان دونوں بڑی حکومتوں کو ختم کردیا جائے،چنانچہ اس نے عرب کے علاقے میں اپنے آخری پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھیجا جو نہ رومیوں کیساتھ ملتے تھے اور نہ ایرانیوں کیساتھ،اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے

ذریعے ان دو بڑی حکومتوں کو مٹادیا جنہوں نے دنیا پر ظلم ڈھا رکھے تھے، یہ طاقتور حکومتیں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کے ہاتھوں اپنے اختتام کو پہنچیں، چنانچہ یرموک کی جنگ میں عیسائیوں کی کمر ٹوٹ گئی اور قادسیہ کی جنگ میں ایرانی مجوسیوں کا ہمیشہ کیلئے خاتمہ ہوگیا، یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ہوا۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی پیغمبری کو چھ سال گزر چکے تھے جب یہ سورۃ اتری، مسلمانوں کی ایک جماعت مکہ کے کافروں سے تنگ آکر حبشہ کی طرف ہجرت کر چکی تھی، اسی زمانے میں رومیوں اور عیسائیوں کے درمیان زبردست جنگ ہوئی جس میں ایرانی رومیوں پر غالب آگئے، اس زمانے میں مکہ کے مشرکوں کو ایرانی مجوسیوں کیساتھ دلی ہمدردی تھی، کیونکہ دونوں فریق مشرک تھے، ادھر مسلمانوں کو روم کے عیسائیوں کیساتھ ایک قسم کی مناسبت تھی کہ وہ بھی اہل کتاب تھے اور مسلمانوں کا تمام پیغمبروں پر ایمان تھا، جب رومی ہار گئے تو مسلمانوں کو ذہنی طور پر تکلیف پہنچی کیونکہ وہ ایک حد تک ان کے ہمدرد تھے، دوسری طرف مکے کے مشرک خوشیاں مناتے تھے کہ ان کے ہمدرد جیت گئے ہیں اور اسی وجہ سے وہ مسلمانوں کا مذاق اڑاتے تھے کہ دیکھو جس طرح رومی عیسائی ہار گئے ہیں اسی طرح تم بھی ہاروگے اور تمہاری جیت کی خواہش کبھی پوری نہیں ہوگی۔

اسی دوران میں جب اس سورۃ کے ذریعے پیشین گوئی کی گئی کہ رومی عنقریب دوبارہ غالب آجائیں گے تو مشرک ہنسی اڑاتے تھے کہ دیکھو مسلمان کیسی فضول امیدیں لگائے بیٹھے ہیں، اس بارے میں مسلمانوں اور مشرکوں کا بحث مباحثہ بھی ہوتا رہتا، چنانچہ ایسے ہی ایک موقعہ پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور مکہ کے ایک مشرک سردار ابی ابن خلف کے درمیان جب بحث لمبی ہوئی تو دونوں کے درمیان ایک شرط طے پا گئی کہ اگر رومی چار پانچ سال کے اندر اندر دوبارہ جیت گئے تو ابی ابن خلف دس اونٹ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو دے گا اور اگر ایسا نہ ہوسکا تو پھر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ابی ابن خلف کو دس اونٹ دیں گے، یہ دو طرفہ شرط اس وقت حرام نہیں تھی جب اس شرط کا ذکر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ بضع کا لفظ تین سے نو تک کی گنتی پر بولا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا فرمان "بِضْعِ سِنِيْنَ" سے مراد یہ ہے کہ زیادہ سے زیادہ نو سال کے

عرصہ میں عیسائی اپنی کھوئی ہوئی حکومت دوبارہ حاصل کریں گے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: آپ کی طرف سے چار پانچ سال کی مدت کا تعین درست نہیں اسے نو سال تک بڑھانا چاہیے تھا تا کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ پورا ہو جائے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس بارے میں ابی ابن خلف سے دوبارہ بات کی اور شرط میں اس حد تک ترمیم کر دی گئی کہ پیشین گوئی کے مکمل ہونے کی آخری مدت نو سال ہوگی اور شرط کی مقدار دس اونٹ کے بجائے سو اونٹ ہوگی۔

اس شرط کے طے پا جانے کے چند سال بعد ۶۲۲ء میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکّہ سے مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی اور ادھر قیصر روم کا بادشاہ قسطنطنیہ کے ایرانیوں کا گھیرا توڑ کر نکلنے میں کامیاب ہو گیا، ہرقل پے در پے شکستوں سے مایوس ہو کر افریقہ کی طرف بھاگ جانا چاہتا تھا اچانک اسے ایک تدبیر سوجھی، ہرقل جانتا تھا کہ ایرانیوں کی سمندری طاقت کمزور ہے، اس نے اس کمزوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ایران کی پشت سے سمندری بیڑے کے ذریعے حملے کا منصوبہ بنایا، چنانچہ اس نے اچانک حملہ کر کے ایرانیوں کے قدم اکھاڑ دیئے، پھر دوسرے سال آذربائیجان میں گھس کر ایرانیوں کے سب سے بڑے آتش کدہ کی اینٹ سے اینٹ بجا دی اور اس طرح رومی ایرانیوں پر دوبارہ غالب آگئے، اسی زمانے میں، یعنی: ۲ ھ میں مسلمانوں کو بدر کے میدان میں مکہ کے مشرکوں کے خلاف بڑی فتح حاصل ہوئی اور اس طرح قرآن پاک کی دونوں پیشین گوئیاں پوری ہو گئیں، ادھر عیسائیوں کو فتح نصیب ہوئی تو ادھر مسلمان مکّہ کے کافروں پر غالب آگئے، اس سورۃ مبارکہ کی ابتدائی آیتوں کا شان نزول یہی ہے۔

حدیث کی روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ ہجرت سے پانچ سال پہلے پیش آیا ہے اور پورے سات سال بعد بدر کی جنگ کے وقت رومی دوبارہ ایرانیوں پر غالب آگئے، اس وقت ابی ابن خلف مر چکا تھا، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اس کے وارثوں سے اپنی شرط کے مطابق سو اونٹوں کا مطالبہ کیا اور انہوں نے اونٹ دیدیئے۔

بعض روایتوں میں ہے کہ ہجرت سے پہلے اُبی بن خلف کو جب اندیشہ ہوا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی شاید ہجرت کر کے چلے جائیں تو اس نے کہا کہ میں آپ کو اس وقت تک نہ چھوڑوں گا جب تک آپ کوئی ضامن نہ پیش

کریں کہ میعاد متعین تک روم غالب نہ آئے تو سو (۱۰۰) اونٹ وہ مجھے دے گا، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے عبدالرحمٰن کو اس کا ضامن بنا دیا تھا۔

یَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَ هُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ: یعنی یہ لوگ دنیا کی زندگی کے ایک پہلو کو تو خوب جانتے ہیں کہ تجارت کس طرح کریں، کس مال کی کریں، کہاں سے خریدیں، کہاں بیچیں، اور کھیتی کس طرح کریں، کب بیج ڈالیں، کب کاٹیں، تعمیرات کیسی کیسی بنائیں، راحت و آرام کا سامان کیا کیا مہیا کریں، لیکن اس دنیا کی زندگی کا دوسرا پہلو جو اس کی حقیقت اور اس کے اصلی مقصد کو واضح کرتا ہے کہ دنیا میں یہ چندروز کا رہنا ایک مسافرانہ قیام ہے، انسان یہاں کا مقامی آدمی نہیں، بلکہ آخرت کا باشندہ ہے، یہاں کچھ مدت کیلئے آیا ہوا ہے، اس کا اصلی کام دنیا سے آخرت کیلئے راحت و آرام کا سامان جمع کرنا ہے اور وہ سامان نیک اعمال ہیں، اس دوسری زندگی سے بڑے بڑے عاقل کہلانے والے بھی بالکل غافل اور بے خبر ہیں۔

دنیا میں انجام

اَوَ لَمْ یَتَفَكَّرُوْا فِیْۤ اَنْفُسِهِمْ مَا خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَ

کیا نہیں سوچا انہوں نے میں جانوں اپنی نہیں پیدا کیا اللہ نے آسمانوں کو اور

الْاَرْضَ وَ مَا بَیْنَهُمَاۤ اِلَّا بِالْحَقِّ وَ اَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ وَ اِنَّ كَثِیْرًا

زمین کو اور جو کچھ درمیان ان دونوں کے مگر ٹھیک ٹھیک اور وقت متعین تک اور تحقیق بہت

مِّنَ النَّاسِ بِلِقَآئِ رَبِّهِمْ لَكٰفِرُوْنَ ﴿۸﴾ اَوَ لَمْ یَسِیْرُوْا فِی

سے لوگ ملنے کا رب اپنے کے البتہ انکار کرتے ہیں (۸) کیا نہیں چلے پھرے وہ میں

الْاَرْضِ فَیَنْظُرُوْا كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ

زمین کہ دیکھتے کیسا ہوا انجام ان کا جو تھے سے پہلے ان

بامحاورہ ترجمہ: کیا اپنے جی میں دھیان نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ نے بنایا جو کچھ آسمانوں اور زمین میں اور ان دونوں کے بیچ میں ہے ٹھیک ٹھیک اور ایک متعین وقت تک اور بہت سے لوگ اپنے رب کے سامنے پیش ہونے کے منکر ہیں۔(۸) کیا انہوں نے ملک کی سیر نہیں کی جو دیکھیں کہ ان سے پہلوں کا انجام کیسا ہوا؟

تفسیر

پہلے ارشاد ہوا کہ: اکثر آدمی دنیا کی ظاہری چہل پہل میں لگے ہوئے ہیں، انہیں اس کی خبر نہیں کہ آخرت آنے والی ہے اور وہاں کی بہتری ہی اصل چیز ہے، جسے ہمیں حاصل کرنا چاہئے اور وہ دنیا کی لذتوں میں پھنسنے سے حاصل نہیں ہوگی، بلکہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے اور اس کے پیغمبر اور کتاب، یعنی: قرآن کریم کے بتائے ہوئے راستہ پر چلنے سے حاصل ہوتی ہے، اس آیت میں ارشاد ہے کہ: دراصل یہ لوگ سوچ بچار سے کام نہیں لیتے، اگر سوچیں تو انہیں معلوم ہو جائے کہ دنیا ٹھیک اصول اور قاعدوں کے مطابق بنی ہے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کے قائم رہنے کی ایک مدت مقرر ہے، ایک وقت آئے گا کہ یہ ختم ہو جائے گی اور سارے انسان دوبارہ زندہ ہو کر اللہ تعالیٰ کے روبرو پیش کئے جائیں گے، خرابی یہاں سے پیدا ہوئی کہ اکثر لوگ اس بات کو نہیں مانتے کہ انہیں اپنے رب کے سامنے پیش ہونا ہے، پھر بھی دنیا کے عارضی ہونے کی خبر انہیں پچھلے لوگوں کے حالات سن کر معلوم ہو سکتی ہے، یہ دنیا میں چل پھر کر دیکھ سکتے ہیں کہ ان سے پہلے جو لوگ یہاں بستے تھے آج ان کا نام و نشان تک نہیں، اپنے زمانے میں وہ بھی آخرت سے غفلت میں پڑے ہوئے تھے۔

مَا خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ مَا بَیْنَهُمَاۤ اِلَّا بِالْحَقِّ: اللہ تعالیٰ نے آسمان اور زمین اور ان کے درمیان والی چیزوں کو حق کیساتھ پیدا کیا، یہاں پر حق سے مراد حکمت ہے، اللہ تعالیٰ نے کسی چیز کو بیکار پیدا نہیں فرمایا، بلکہ قیامت کو اس کا نتیجہ سامنے آنے والا ہے، انسان کو اللہ تعالیٰ نے حکموں کا پابند پیدا کیا ہے اور

قیامت والے دن اس کے بارے میں پوچھ گچھ ہوگی اور پھر عملوں کے بدلے کا فیصلہ ہوگا۔

ایک بات تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو اپنی خاص حکمت اور مصلحت کے تحت پیدا کیا ہے اور دوسری بات یہ ہے یہ سارا نظام ایک مقررہ وقت تک کیلئے ہے، جس طرح انسان کی انفرادی زندگی کا ایک وقت مقرر ہے، اسی طرح قوموں کی اجتماعی زندگی کا بھی وقت مقرر ہے، پھر پوری کائنات کیلئے بھی ایک وقت مقرر ہے، جب وہ پورا ہوجائے گا تو یہ سارا نظام بھی ختم ہوجائے گا اور پھر اگلے جہان کیلئے ایک نیا نظام قائم کیا جائے گا، دیکھئے کچھ عرصہ پہلے تک انگریزوں کو دنیا میں کس قدر اقتدار حاصل تھا، ان کی حکومتیں اتنی وسیع تھیں کہ اس پر سورج غروب نہیں ہوتا تھا، یعنی: جب ایک جگہ غروب ہورہا ہے تو دوسری جگہ طلوع ہورہا ہوتا تھا، مگر جب اس کا وقت پورا ہوگیا تو آج وہی برطانیہ ایک جزیرے تک محدود ہوکر رہ گیا ہے، اب امریکہ کو بھی دنیا بھر میں اقتدار حاصل ہے، روس اس کے برابر طاقت تھی، مگر اس کا سورج بھی غروب ہورہا ہے، یہاں پر (۷۰) برس پہلے کیمونسٹ نظام آیا، مگر آج وہ بھی ناکام ہوچکا ہے، اب دیکھئے امریکی عروج کب تک باقی رہتا ہے اور کونسی نئی قوم اُبھرنے والی ہے، غرضیکہ ہر فرد، جماعت اور ملک وقوم کے عروج وزوال کا ایک وقت مقرر ہے اور یہ سارا نظام اللہ تعالیٰ کی حکمت اور مصلحت کے مطابق چل رہا ہے۔

وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ بِلِقَآئِ رَبِّهِمْ لَكٰفِرُوْنَ: مگر بہت سے لوگ ہیں جو اپنے پروردگار کی ملاقات کے منکر ہیں، وہ سمجھتے ہیں کہ کوئی حساب کتاب نہیں ہے اور نہ کوئی جزا اور سزا ہے، وہ لوگ اسی دنیا کی زندگی کو سب کچھ سمجھتے ہیں، حالانکہ یہ بات عقل کے خلاف ہے، اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل وشعور دے کر پیدا کیا ہے، اگر وہ اپنی پیدائش پر ہی غور کرلیں تو مرنے کے بعد جی اٹھنے کا مسئلہ ان کی سمجھ میں آسکتا ہے، جس اللہ نے اسے پہلی مرتبہ پیدا کیا ہے وہی اسے دوبارہ زندہ کرکے اٹھائے گا؛ لہٰذا انسان کو دوبارہ اٹھائے جانے سے انکار نہیں کرنا چاہئے، ہر انسان کو جان لینا چاہئے کہ تمام کے تمام لوگ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر کئے جائیں گے، اس دن ہر شخص اپنے عملوں کو وہاں موجود پائے گا، پوری زندگی کا اعمال نامہ سامنے رکھ دیا جائے گا جس کا جواب دینا پڑے گا۔

پہلوں کا حال

كَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَّ اَثَارُوا الْاَرْضَ وَ عَمَرُوْهَآ اَكْثَرَ مِمَّا
تھے وہ بڑھ کر سے ان زور میں اور کھودا انہوں نے زمین کو اور آباد کیا اسے بڑھ کر سے اس کہ

عَمَرُوْهَا وَ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ؕ فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ
آباد کیا تھا انہوں نے اسے اور آئے پاس ان کے پیغمبران کے کھلی نشانیاں لے کر پس نہ تھا اللہ کہ ظلم کرے ان پر

وَ لٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ؕ﴿۹﴾ ثُمَّ كَانَ عَاقِبَةَ الَّذِيْنَ
اور لیکن تھے وہ پر جانوں اپنی ظلم کرتے (۹) پھر ہوا انجام ان لوگوں کا

ع
۴

اَسَآءُوا السُّوْٓاٰى اَنْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَ كَانُوْا بِهَا يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۱۰﴾
جنہوں نے بُرے کام کئے بُرا کیونکہ جھٹلایا انہوں نے آیتوں کو اللہ کی اور وہ تھے ان کی ہنسی اڑاتے (۱۰)

بامحاورہ ترجمہ: وہ زور میں ان سے زیادہ تھے اور کھودا انہوں نے زمین کو آباد کیا ان کے آباد کرنے سے زیادہ اور ان کے پاس ان کے پیغمبر کھلے حکم لیکر پہنچے، سو اللہ تعالیٰ ان پر ظلم کرنے والا نہ تھا، لیکن وہ نافرمانیاں کر کے خود اپنے آپ پر ظلم کرتے تھے۔ (۹) پھر بُرا کرنے والوں کا انجام بُرا ہوا اس واسطے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی باتیں جھٹلاتے تھے اور ان کیساتھ مذاق کرتے تھے۔ (۱۰)

لفظی تحقیق: اَثَارُوْا: کھودا۔ یعنی: ہل چلانے کیلئے نیچے کا حصہ کھود کر اُوپر کر دینا۔

تفسیر

انہیں معلوم ہونا چاہئے پہلے لوگ ان سے زیادہ قوت والے تھے، انہوں نے زمین کو کھودا کنوئیں وغیرہ بنائے، ہل چلا کر اسے جوتا بویا اور آج کل کے لوگوں سے زیادہ اسے آباد کر کے دکھایا، لیکن برے کاموں میں پھنس گئے، پیغمبر انہیں سمجھانے آئے اور اپنی سچائی کی کھلی نشانیاں انہیں دکھائیں، لیکن انہوں نے نہ مانا، آخر تباہ

ہوئے، اللہ تعالیٰ نے ان پر ظلم نہیں کیا انہوں نے خود اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کر کے اپنے آپ پر ظلم کیا، آخر اپنے عملوں کی نحوست سے برباد ہوئے اور نحوست یہیں ختم نہیں ہو جائے گی، بلکہ مرنے کے بعد بھی اس کی سزا ملے گی، کیونکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی باتوں کو جھوٹا کہا اور ان کی ہنسی اڑائی، یہ کوئی چھوٹی بات نہیں ہے اس کا انجام دنیا اور آخرت دونوں جگہ پر برا ہے۔

قیامت یقینی ہے

اَللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۱﴾ وَ يَوْمَ
اللہ پہلی دفعہ پیدا کرتا ہے مخلوق کو پھر دوبارہ زندہ کریگا اسے پھر طرف اسی کی لوٹائے جاؤ گے (۱۱) اور جس دن

تَقُوْمُ السَّاعَةُ يُبْلِسُ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَ لَمْ يَكُنْ لَّهُمْ مِّنْ
قائم ہوگی قیامت ناامید ہو جائیں گے مجرم (۱۲) اور نہ ہوں گے لئے ان کے سے

شُرَكَآئِهِمْ شُفَعٰٓؤُا وَ كَانُوْا بِشُرَكَآئِهِمْ كٰفِرِيْنَ ﴿۱۳﴾
شریکوں ان کے سفارشی اور ہو جائیں گے اپنے شریکوں سے منکر (۱۳)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اللہ تعالیٰ ہی (پہلی دفعہ) پیدا کرتا ہے مخلوق کو پھر وہ اس کو لوٹائے گا، پھر اسی کی طرف تم سب لوٹائے جاؤ گے۔(۱۱) اور جس دن برپا ہوگی قیامت مایوس ہو جائیں گے مجرم لوگ۔(۱۲) اور ان کے شریکوں میں سے کوئی ان کی سفارش کرنے والے نہ ہوں گے اور وہ اپنے شریکوں سے منکر ہو جائیں گے۔(۱۳)

تفسیر

آخرت کا انکار لوگ اس وجہ سے کرتے تھے کہ فنا ہونے کے بعد پھر بدن کیسے بنے گا، جب سارے اعضاء مٹی ہو گئے اور مٹی میں مٹی مل گئی، پھر بے شمار جسموں کا اپنی اپنی اصلی شکل میں دوبارہ زندہ ہو کر اٹھ کھڑا ہونا

ان کی سمجھ میں نہ آتا تھا، سرسری طور پر نظر کرنے سے یہ بات انہیں بہت عجیب معلوم ہوتی تھی، اور گہری سوچ وفکر سے وہ کتراتے تھے، اس لئے کہ دنیا کے مشغلوں میں ان کا دل لگا ہوا تھا، انہیں چھوڑ کر کون ایسی باتیں سوچنے بیٹھے جس میں ان کے نزدیک فائدہ نہ تھا، ان آیتوں میں انہیں بتایا جا رہا ہے کہ دوبارہ زندہ کرنے کا مسئلہ سمجھنے کیلئے بہت زیادہ غور وفکر کی ضرورت نہیں، موٹی سی بات ہے کہ تمہارے سامنے نئے انسان پیدا ہوتے چلے جا رہے ہیں، ان کے بدن تو پہلے بنے ہوئے بھی نہ تھے، پھر یہ کیسے بن گئے، اس بات کے مان لینے میں کیا دشواری ہے جیسے پہلے بالکل نہ تھے اور بن گئے، ایسے ہی پیدا ہو کر مٹ جانے کے بعد دوبارہ بن جائیں گے، سیدھی سی بات یہ کہ اللہ تعالیٰ ہی ہر چیز کو پہلے بھی بناتا ہے جب کہ کوئی نمونہ نہیں ہوتا اور وہی مرنے فنا ہو جانے کے بعد دوبارہ بھی بنا دے گا، کیونکہ اب تو نمونہ بھی موجود ہے، اس کو مانو اور یقین کرو کہ تم سب اللہ تعالیٰ کی قدرت سے دوبارہ زندہ کئے جاؤ گے اور قیامت قائم ہوگی، اس روز اللہ تعالیٰ کے نافرمان بندے سخت مایوسی کا شکار ہوں گے، وہ اپنے بہتر انجام سے مایوس ہو جائیں گے اور جان لیں گے کہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچنے کی کوئی صورت نہیں، ان کے بنائے ہوئے معبودان کی کوئی مدد یا سفارش نہ کرسکیں گے اور خود پوجنے والے برملا کہہ دیں گے کہ یہ ہمارے معبود نہیں۔

قیامت میں کیا ہوگا

وَ يَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يَوْمَىِٕذٍ يَّتَفَرَّقُوْنَ ﴿۱۴﴾ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

اور جس دن قائم ہوگی قیامت اس دن لوگ الگ الگ ہو جائینگے (۱۴) پس وہ لوگ جو ایمان لائے

وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَهُمْ فِيْ رَوْضَةٍ يُّحْبَرُوْنَ ﴿۱۵﴾ وَ اَمَّا الَّذِيْنَ

اور کام کئے انہوں نے نیک پس وہ میں باغ خوش کئے جائیں گے (۱۵) اور رہے وہ لوگ جو

كَفَرُوْا وَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَ لِقَآئِ الْاٰخِرَةِ فَاُولٰٓىِٕكَ فِي

کافر ہوئے اور جھٹلایا آیتوں ہماری کو اور ملنے اسکے کو آخرت کے پس وہ میں

الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَ ﴿۱۶﴾

عذاب گرفتار کئے جائیں گے (۱۶)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور جس دن قیامت قائم ہوگی اس دن لوگ الگ الگ ہوجائیں گے، جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام کئے وہ باغوں میں خوش کئے جائیں گے۔ (۱۵) اور جنہوں نے کفر کیا اور ہماری باتیں جھٹلائیں اور آخرت کے آنے کے منکر ہوئے، سو وہ لوگ عذاب پر پیش کئے جائیں گے۔ (۱۶)

تفسیر

ارشاد ہے کہ: جس دن قیامت قائم ہوگی اس دن مؤمن اور کافر الگ الگ ہوجائیں گے، جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ پر ایمان لاکر اچھے کام کئے ہوں گے انہیں باغ دیئے جائیں گے جن میں وہ خوش ہوں گے، دوسری طرف وہ لوگ ہوں گے، جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو جھٹلایا، اللہ تعالیٰ کی نشانیاں دیکھ کر بھی اللہ تعالیٰ پر ایمان نہ لائے اور آخرت کے آنے کو غلط اور بناوٹی بات سمجھا وہ لوگ گرفتار کر کے عذاب میں حاضر کئے جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ کی عبادت

فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ حِيْنَ تُمْسُوْنَ وَ حِيْنَ تُصْبِحُوْنَ ﴿۱۷﴾ وَ لَهُ الْحَمْدُ

پس پاکی بیان کر اللہ کی جب تم کو شام آئے اور جب تم کو صبح آئے (۱۷) اور لئے اسی کے خوبی

فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ عَشِيًّا وَّ حِيْنَ تُظْهِرُوْنَ ﴿۱۸﴾ يُخْرِجُ

میں آسمانوں اور زمین اور دن ڈھلے اور جب تم دوپہر کرو (۱۸) نکالتا ہے وہ

الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَ يُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَ يُحْيِ الْاَرْضَ

زندہ کو سے مردہ اور نکالتا ہے مردہ کو سے زندہ اور زندہ کرتا ہے زمین کو

بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ وَ كَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ ﴿۱۹﴾

بعد مرجانے اسکے اور اسی طرح تم بھی نکالے جاؤ گے (۱۹)

بامحاورہ ترجمہ: سو! پاکی بیان کرو اللہ تعالیٰ کی جب شام ہو اور صبح ہو۔ (۱۷) اور اسی کی تعریف ہے آسمانوں میں اور زمین میں اور دن ڈھلے اور جب دوپہر ہو۔ (۱۸) نکالتا ہے زندہ کو مردہ سے اور نکالتا ہے مردہ کو زندہ سے اور زمین کو اس کے مرنے (بنجر ہونے) کے بعد زندہ (یعنی: آباد) کرتا ہے اور اسی طرح تم دوبارہ زندہ کئے جاؤ گے۔ (۱۹)

تفسیر

اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرو جب کہ تم شام کرتے ہو اور جب کہ صبح کرتے ہو اور اسی کیلئے ہر طرح کی تعریف ہے آسمانوں میں بھی اور زمین میں بھی اور اسی کی تسبیح بیان کرو، پچھلے پہر بھی اور جب کہ تم دوپہر گزارتے ہو، مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ: جس تسبیح کا حکم دیا ہے وہ دل سے بھی ہونی چاہئے اور زبان سے بھی، انسان کے اعضاء بھی اس تسبیح میں شامل ہونے چاہئیں۔

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ: اس آیت میں پانچ نمازوں اور ان کے اوقات کی طرف بھی اشارہ ملتا ہے، چنانچہ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نافع ابن ازرق خارجی نے نمازوں کے اوقات کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی، اس آیت میں "تُمْسُوْنَ" سے مراد مغرب "تُصْبِحُوْنَ" سے فجر "عَشِيًّا" سے عصر اور "تُظْهِرُوْنَ" سے ظہر کی نماز مراد ہے، چار نمازیں تو یہ ہو گئیں اور پانچویں عشاء کی نماز کے متعلق سورۃ نور کی آیت نمبر اٹھاون (۵۸) میں ذکر ہے۔

يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَ يُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ: اللہ تعالیٰ زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے اور مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے، مؤمن کی مثال زندہ کی ہے اور کافر کی مثال مردہ کی ہے، بعض اوقات اللہ تعالیٰ کافر سے مؤمن پیدا کرتا ہے اور بعض اوقات مؤمن سے کافر پیدا کرتا ہے، جس طرح نطفہ اور انڈہ بے جان ہیں ان سے اللہ تعالیٰ جاندار

کو پیدا کرتا ہے اور کبھی جاندار سے انڈے اور نطفہ جیسی بے جان چیز پیدا کر دیتا ہے، یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی قدرت ہے۔

وَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا: اللہ تعالیٰ زمین کو مردہ (بنجر) ہونے کے بعد پھر زندہ (آباد اور سرسبز) کر دیتا ہے، یعنی: جس طرح بنجر زمین میں ہریالی آجاتی ہے اور وہ اپنے خزانے اگلنے لگتی ہے، قیامت والے دن تم بھی اسی طرح زمین سے زندہ نکالے جاؤ گے جس طرح تم روزمرّہ زندگی میں مردہ زمین سے زندہ فصلیں اُگتے ہوئے دیکھتے ہو، اسی طرح قیامت کو اللہ تعالیٰ تمہیں بھی دوبارہ زندہ کر کے اپنے سامنے لا کھڑا کرے گا اور پھر حساب کتاب اور جزائے عمل کے جزا منزل آئے گی جس سے ہر شخص کو گزرنا پڑے گا۔

اللہ تعالیٰ کی پہچان (الف)

وَ مِنْ اٰيٰتِهٖۤ اَنْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ اِذَاۤ اَنْتُمْ بَشَرٌ
اور سے نشانیوں اسکی یہ ہے کہ پیدا کیا تمہیں سے مٹی پھر اب تم انسان ہو

تَنْتَشِرُوْنَ ۞۲۰ وَ مِنْ اٰيٰتِهٖۤ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا
زمین پر پھیلے پڑے (۲۰) اور سے نشانیوں اسکی کہ پیدا کر دیئے لئے تمہارے سے جانوں تمہاری جوڑے

لِّتَسْكُنُوْۤا اِلَيْهَا وَ جَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّ رَحْمَةً ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ
تاکہ تم آرام سے رہو پاس انکے اور کیا درمیان تمہارے پیار اور مہربانی تحقیق میں اس

لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۞۲۱
البتہ نشانیاں ہیں لئے ان لوگوں کے جو سوچتے ہیں (۲۱)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ تم کو مٹی سے بنایا، پھر اب تم انسان ہو زمین میں پھیلے ہوئے۔(۲۰) اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ تمہارے لئے تم ہی میں سے جوڑے پیدا کئے تا کہ ان کے پاس سکون حاصل کرو اور تمہارے درمیان محبت اور مہربانی پیدا کر دی، البتہ اس میں سوچنے والوں کیلئے بہت بڑی نشانیاں ہیں۔(۲۱)

تفسیر

ان آیتوں میں ارشاد ہے کہ: اللہ تعالیٰ کا پہچاننا آسان ہے، دنیا میں بہت سی چیزیں ہیں جن کا بنانا انسان کے بس سے باہر ہے اور بہت سی باتیں ایسی ہیں کہ انسان کر ہی نہیں سکتا، ان باتوں پر غور کرو اور سوچو کہ یہ جب انسان نے نہیں کیں تو کس نے کیں؟، اس کے بعد لازمی طور پر اللہ تعالیٰ کا اقرار کرنا ہی پڑے گا، یہی باتیں اس کی نشانیاں ہیں، جنہیں دیکھ کر ہو نہیں سکتا کہ اللہ تعالیٰ کو نہ مانا جائے، ان میں سے ایک نشانی تو یہ ہے کہ اس نے انسان کو پہلے مٹی سے بنایا، پھر تم زمین پر ہر طرف پھیلے ہوئے ہو، ایک نشانی یہ ہے کہ اس کی قسم میں سے اس کا جوڑا بھی بنادیا تا کہ وہ اپنے آپ کو اکیلا محسوس کر کے گھبرائے نہیں، بلکہ اپنے جوڑے کیساتھ مل کر چین سے رہے اور ان دونوں میں فطرتی محبت اور لگاؤ رکھ دیا، سوچنے والوں کو ان نشانیوں سے اللہ تعالیٰ کا پہچاننا آسان ہے۔

ثُمَّ اِذَآ اَنْتُمْ بَشَرٌ تَنْتَشِرُوْنَ: پھر تم انسان ہو جو زمین میں پھیلے ہوئے ہو، جس طرح اللہ تعالیٰ نے انسان کو پہلی دفعہ مٹی سے پیدا کیا، اسی طرح وہ اسے دوبارہ بھی مٹی سے ہی اٹھائے گا، انسان اللہ تعالیٰ کی مقرب ترین مخلوق فرشتوں سے بھی بلند مقام رکھتا ہے، اللہ تعالیٰ نے مٹی میں وہ کمالات رکھے ہیں جو آگ، پانی، ہوا میں نہیں پائے جاتے، حدیث شریف میں آتا ہے کہ: اللہ تعالیٰ نے فرشتے کو حکم دیا کہ تمام روئے زمین سے ہر قسم کی مٹی اکٹھی کی جائے، پھر اس مٹی کے خمیر سے حضرت آدم علیہ السلام کا ڈھانچا بنایا گیا اور پھر اللہ تعالیٰ نے اس میں اپنی طرف سے روح پھونکی، جس طرح روئے زمین کے مختلف خطوں میں کہیں کی مٹی سرخ ہے اور کہیں کی سیاہ، کہیں کی سخت اور کہیں کی بھر بھری ہوتی ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے مختلف علاقوں کے لوگوں کو بھی مختلف قسم کا بنایا ہے، کوئی گورا ہے اور کوئی کالا، کوئی سرخ ہے اور کوئی زرد، اسی طرح ان کی طبیعتیں بھی مختلف ہیں، کوئی سخت طبیعت ہے تو کوئی نرم مزاج، یہ اس مٹی کا اثر ہے جو انسان کے بنانے میں داخل ہے۔

وَ مِنْ اٰيٰتِهٖٓ: یہ بھی اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ اس نے تمہیں میں سے تمہارے جوڑے پیدا کئے، سارے کے سارے مرد یا ساری کی ساری عورتیں ہی پیدا نہیں کیں، بلکہ ہر قسم کیلئے اس کا جوڑا بنایا، سورۃ النسآء

میں فرمایا: اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرتے رہو جس نے تمہیں ایک جان (آدم) سے پیدا کیا اور پھر اسی میں سے اس کا جوڑا (حوّا) پیدا کیا۔ (آیت ۱۰)، پھر اس جوڑے سے بہت مردوں اور عورتوں کو پیدا کر کے زمین میں پھیلا دیا، ظاہر ہے کہ پہلے اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا کیا اور پھر انہی میں سے حضرت حوا علیہا السلام کو پیدا کر کے ان کا جوڑا بنا دیا، پھر ان دونوں سے انسانوں کی نسل آگے بڑھی۔

لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا: تا کہ تم ان کے پاس سکون پکڑو، عورت اور مرد میں اللہ تعالیٰ نے ایسی کشش رکھی ہے کہ دونوں ایک دوسرے کیلئے سکون کا ذریعہ ہیں۔

وَ جَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّ رَحْمَةً: اللہ نے تمہارے درمیان محبت اور مہربانی کا جذبہ بھی پیدا کر دیا، یعنی: محبت اور مہربانی کے جذبہ کے تحت یہ رشتہ قائم رہے گا، گویا اللہ تعالیٰ نے میاں بیوی کے درمیان محبت، اور رحمت کا رشتہ قائم کر کے اسے انسانوں کی نسل کے باقی رہنے کا ذریعہ بنا دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی پہچان (ب)

وَ مِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ اخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ

اور　سے　نشانیوں اسکی　بنانا　آسمانوں کا　اور　زمین کا　اور　مختلف ہونا　زبانوں تمہاری کا

وَ اَلْوَانِكُمْ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْعٰلِمِيْنَ ﴿۲۲﴾ وَ مِنْ اٰيٰتِهٖ مَنَامُكُمْ

اور　رنگوں تمہارے کا　تحقیق　میں　اس　البتہ نشانیاں ہیں واسطے جاننے والوں کے (۲۲)　اور　سے　نشانیوں اسکی　نیند تمہاری

بِالَّيْلِ وَ النَّهَارِ وَ ابْتِغَآؤُكُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ

رات کو　اور　دن کو　اور　تمہارا تلاش کرنا　سے　فضل اس کا　تحقیق　میں　اس

لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ﴿۲۳﴾

البتہ نشانیاں ہیں　لئے ان لوگوں کے　جو سنتے ہیں (۲۳)

بامحاورہ ترجمہ: ۔اور اس کی نشانیوں میں سے ہے آسمان اور زمین کا بنانا اور تمہارے رنگوں اور بولیوں کا مختلف ہونا، بیشک اس میں بہت سی نشانیاں ہیں سمجھ والوں کیلئے ۔(۲۲) اور اس کی نشانیوں میں سے ہے تمہارا رات کو سونا اور دن کو رزق تلاش کرنا، اس میں ان لوگوں کیلئے جو سنتے ہیں بہت پتے کی باتیں ہیں ۔(۲۳)

تفسیر

ارشاد ہے کہ: اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانی یہ بھی ہے کہ اس نے آسمان بنائے اور زمین پیدا کی، پھر انسانوں کو الگ الگ بولیاں سکھائیں، جن کے ذریعے وہ اپنے ساتھ رہنے والوں کو اپنا مطلب سمجھاتے ہیں اور پھر ہر انسان کا رنگ و روپ، نقشہ الگ الگ بنایا، دنیا میں بہت آدمی پیدا ہوئے اور ہو رہے ہیں لیکن ہر ایک کا لب ولہجہ، زبان ایک ہوتے ہوئے بھی مختلف ہے، کسی کی شکل کسی سے نہیں ملتی، ہر ایک کا ناک نقشہ الگ الگ ہے، سمجھدار لوگ یہ سب کچھ دیکھ کر اللہ تعالیٰ کا اقرار کیے بغیر نہیں رہ سکتے، آسمان موجود، زمین موجود، قسم قسم کے آدمی موجود، پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ان کا کوئی بنانے والا موجود نہ ہو؟، پھر ایک اور نشانی یہ ہے کہ انسان کے سونے اور آرام کرنے کیلئے رات بنائی اور کام کرنے کیلئے دن بنایا، انسان ہر وقت جب چاہے دن ہو یا رات ہو اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی قوتوں سے کام لے کر اس کے فضل (روزی رزق) کو تلاش کر سکتا ہے اور جب چاہے آرام کر سکتا ہے اور سو سکتا ہے، آخر یہ انتظام کس نے کیا؟ اگر اس کا جواب خود نہیں سوجھتا تو پیغمبروں سے سن کر معلوم کرو، جو سنتے ہیں وہ ضرور ان کی باتوں کی طرف کان لگائیں گے ۔

وَ اخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ: تمہاری زبانوں کا مختلف ہونا بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیوں میں سے ہے، دنیا کے مختلف علاقوں میں لوگ ہزاروں بولیاں بولتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ہر انسان، مرد عورت، بچے، بوڑھے کی آواز میں ایسا فرق پیدا فرمایا ہے کہ ایک شخص کی آواز کسی دوسرے شخص سے، ایک قسم کی آواز دوسری قسم سے پوری طرح نہیں ملتی، کچھ نہ کچھ فرق ضرور رہتا ہے، حالانکہ اس آواز کے آلات زبان، ہونٹ، تالو، حلق، سب ایک

جیسے ہیں، ایک محتاط اندازے کے مطابق دنیا میں کم وبیش چار ہزار زبانیں بولی جاتی ہیں، یہ بھی اللہ تعالیٰ کا بنایا ہوا نظام ہے کہ جیسے جیسے پہلی نسلیں ختم ہوتی جاتی ہیں اور نئی نسلیں آتی رہتی ہیں، اسی طرح بعض پرانی بولیاں بھی ختم ہو جاتی ہیں اور نئی نئی زبانیں ایجاد ہوتی رہتی ہیں، ہماری اردو زبان آج سے آٹھ سو سال پہلے دنیا میں کہیں نہیں بولی جاتی تھی، اسی برصغیر میں مختلف قوموں کے ملنے سے اس زبان نے جنم لیا اور اب اتنی پھیل چکی ہے کہ اس میں ہر علم و فن کی کتابوں کے ذخیرے موجود ہیں اور دنیا پر کم وبیش ایک ارب انسان یہ زبان بولتے ہیں، اسی طرح انگریزی، عربی، فارسی، فرانسیسی، روسی، چینی اور بے شمار زبانیں ہیں، ان بڑی زبانوں کے علاوہ ہر علاقے کی چھوٹی اپنی زبانیں بھی ہیں جیسے ہمارے ہاں پنجابی، جانگلی، پوٹھاری، سرائیکی، بروہی، کشمیری، پشتو اور بلوچی زبانیں ہیں، اسی طرح ہر ملک کی علاقائی زبانیں بھی ہیں، ان سب کو شمار کرنا مشکل ہے، ہمارے ہمسایہ ملک ہندستان میں "۱۴" زبانیں تو سرکاری طور پر ہیں اور اس کے علاوہ علاقائی زبانیں تو بے شمار ہیں، بہرحال زبان کا اختلاف کوئی بری بات نہیں ہے، مختلف زبانوں کے لوگ آپس میں ملتے ہیں، تبادلہ خیال ہوتا ہے اور پھر ترقی کی نئی نئی راہیں کھلتی ہیں، آج انگریزی دنیا کی اوّل درجہ کی زبان ہے جسے ساری دنیا میں بولا اور سمجھا جاتا ہے مگر آج سے ڈیڑھ ہزار (۱۵۰۰) سال پہلے اس زبان کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّسْمَعُوْنَ: اس میں ان لوگوں کیلئے نشانیاں ہیں جو سنتے ہیں، جس طرح آنکھیں علم کا ذریعہ ہیں اسی طرح انسان کانوں سے سن کر بھی بہت سا علم حاصل کرتا ہے اور اگر کوئی شخص سننے سے ہی معذور ہے تو کسی چیز میں غور وفکر کیسے کرے گا؟ اسی لئے فرمایا کہ ان چیزوں میں سننے اور غور وفکر کرنے والوں کیلئے نشانیاں ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی پہچان (ج)

وَ مِنْ اٰیٰتِهٖ یُرِیْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّ طَمَعًا وَّ یُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ

اور سے نشانیوں اسکی کر دکھاتا ہے تمہیں بجلی ڈر کیلئے اور امید کیلئے اور اتارتا ہے سے آسمان

مَآءً فَيُحْيِ بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ
پانی پس زندہ کرتا ہے سے اس زمین کو بعد مرجانے اسکے تحقیق میں اس البتہ نشانیاں ہیں لئے ان لوگوں کے

يَّعْقِلُوْنَ ﴿۲۴﴾ وَ مِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ تَقُوْمَ السَّمَآءُ وَ الْاَرْضُ بِاَمْرِهٖ ؕ
جو عقل رکھتے ہیں (۲۴) اور سے نشانیوں اسکی کہ قائم ہے آسمان اور زمین ساتھ حکم اسکے

ثُمَّ اِذَا دَعَاكُمْ دَعْوَةً ۖۗ مِّنَ الْاَرْضِ ۖۗ اِذَآ اَنْتُمْ تَخْرُجُوْنَ ﴿۲۵﴾
پھر جب پکارے گا تمہیں ایک پکار سے زمین اچانک تم نکلو گے (۲۵)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ وہ تمہیں بجلی دکھاتا ہے ڈر اور امید کیلئے اور آسمان سے پانی اتارتا ہے پھر اس سے زمین کو اس کے مرنے (بنجر) ہونے کے بعد زندہ (آباد) کرتا ہے، اس میں ان لوگوں کیلئے بہت بڑی نشانی ہے جو عقل رکھتے ہیں۔ (۲۴) اور اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ اس کے حکم سے زمین اور آسمان کھڑے ہیں پھر جب تم کو زمین میں سے ایک بار پکارے گا اس وقت تم نکل پڑو گے۔ (۲۵)

تفسیر

اگر اللہ تعالیٰ کو پہچاننے کا ارادہ ہی نہ ہو تو دوسری بات ہے ورنہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں تو ہر طرف پھیلی پڑی ہیں آدمی ذرا بھی توجہ کرے تو بغیر اللہ تعالیٰ کے اقرار کے چارہ نہیں، مثلاً: آسمان میں بجلی چمکتی ہے تو اس سے ڈر بھی پیدا ہوتا ہے کہ کہیں گر نہ پڑے اور امید بھی بندھتی ہے کہ اب بارش ہوگی اور جان میں جان آئے گی، ارشاد ہے کہ: یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کی ایک اور نشانی ہے کہ جب بجلیاں چمکنی شروع ہوتی ہیں تو ڈر اور امید دونوں پیدا ہوتے ہی، پھر اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مینہ برستا ہے اور سوکھی مرجھائی ہوئی زمین تر و تازہ ہو جاتی ہے اور اس میں جان پڑ جاتی ہے، سمجھ داروں کیلئے اس میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں ہیں، آسمانوں اور زمین کا قائم ہونا اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیوں میں سے ہے، اوّل تو ان کا پیدا کر دینا ہی اللہ تعالیٰ کی ہستی کی دلیل ہے

پھر ان کا سنبھالے رکھنا بھی اسی کے حکم سے ہو رہا ہے، پھر جیسے بارش سے زندہ ہو کر زمین کے اندر سے سبزہ نکل پڑتا ہے ایسے ہی قیامت کے دن اس کے ایک ہی بار حکم دینے سے تم بھی ایک دم زمین سے نکل پڑو گے، یہ نکلنا حضرت اسرافیل علیہ السلام کے صور پھونکنے کے ذریعے ہوگا اور تمام لوگ اپنی قبروں سے نکل کر دوڑتے ہوئے اپنی منزل کی طرف جائیں گے۔

وَ مِنْ اٰیٰتِهٖ یُرِیْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّ طَمَعًا: اور یہ بھی اس کی قدرت کی نشانیوں میں سے ہے کہ وہ دکھاتا ہے تم کو بجلی، خوف اور امید کیلئے، یہ آسمانی بجلی کا ذکر ہو رہا ہے کہ جب بادل گرجتے ہیں اور بجلی چمکتی ہے تو اس سے نقصان ہو جانے کا خوف بھی آتا ہے اور بارش کی امید بھی ہوتی ہے، حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: مسافروں کیلئے بجلی خوف کا سبب ہوتی ہے کہ بجلی ان کے اوپر نہ آگرے، جب کسی مقام پر بجلی گرتی ہے تو سخت نقصان ہوتا ہے، کہیں آگ لگ جاتی ہے اور کبھی انسان اور جانور مر جاتے ہیں اور جو لوگ گھروں میں ہوتے ہیں ان کو امید ہوتی ہے کہ بارش برسے گی تو کھیت لہلہا اٹھیں گے اور پھل پھول اور اناج پیدا ہوں گے۔

اختیار اسی کا ہے

وَ لَهٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ﴿۲۶﴾ وَ هُوَ الَّذِیْ

اور ہے اسی کا جو میں آسمانوں اور زمین سب آگے اسی کے سر جھکائے ہیں (۲۶) اور وہی ہے جو

یَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُهٗ وَ هُوَ اَهْوَنُ عَلَیْهِ ؕ وَ لَهُ الْمَثَلُ

شروع کرتا ہے پیدائش پھر لوٹائے گا اسے اور وہ آسان ہے پر اس اور لئے اس کے صفت ہے

الْاَعْلٰی فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۚ وَ هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ﴿۲۷﴾ ع ۸ ۳

سب سے بلند میں آسمانوں اور زمین اور وہی زبردست حکمت والا (۲۷)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور جو کوئی آسمان اور زمین میں ہے اسی کا ہے سب اس کے حکم کے تابع ہیں۔ (۲۶)

اور وہی ہے جو پہلی بار پیدا کرتا ہے پھر اسے دوبارہ لوٹائے گا اور یہ دوبارہ لوٹانا اس پر آسان ہے اور اسی کی شان سب سے بڑی ہے آسمانوں میں اور زمین میں اور وہی ہے زبردست حکمت والا۔(۲۷)

تفسیر

ارشاد ہے کہ: بے جان چیزوں کا تو ذکر ہی کیا، آسمانوں کی اور زمین کی جاندار مخلوق اسی کی فرمانبردار ہے، ہر بات میں آخر سب کو اسی کے سامنے جھکنا پڑتا ہے، یہ اسی کا کرم ہے کہ نافرمان لوگوں کو ڈھیل دے رکھی ہے، آخر کار سب قانون کی گرفت میں پکڑے جائیں گے اور اس کے سامنے سر جھکا کر کھڑے ہوں گے، کوئی اس مغالطہ میں نہ رہے کہ اس کے سامنے اکڑفوں چل سکے گی، اللہ تعالیٰ ہی نے سب کو پہلے بھی بنایا اور وہی دوبارہ بھی بنا دے گا، کیا تمہیں معلوم نہیں کہ پہلی بار بنانے سے دوسری بار بنانا زیادہ آسان ہوتا ہے، پھر مر کر اپنے دوبارہ جی اٹھنے میں شک کرتے ہو تو کیوں؟ اللہ تعالیٰ کی شان اور صفت کا کسی اور آسمانی یا زمینی مخلوق سے مقابلہ نہیں کیا جا سکتا، اللہ تعالیٰ کی شان سب سے بلند ہے اور اس کی صفتیں بھی سب سے نرالی ہیں۔

وَ هُوَ الَّذِيْ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ: جس نے مخلوق کو پہلی بار پیدا کیا اور دوبارہ بھی وہی پیدا کرے گا، اللہ تعالیٰ کی ذات وہی ہے جس نے زمین و آسمان کی پیدائش سے پہلے فرشتوں کو پیدا کیا، جنوں کو پیدا کیا، پھر زمین و آسمان کو پیدا کیا اور پھر سب سے پہلے انسان حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا، غرضیکہ ہر چیز کی ابتداء اسی نے کی اور قیامت کو دوبارہ بھی وہی اٹھائے گا، بعض لوگ مرنے کے بعد جی اٹھنے کا انکار کرتے ہیں، ہر مذہب و ملت کا پیروکار اپنی ابتدائی پیدائش کو اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے سمجھتا ہے، چند دہریوں کو چھوڑ کر باقی سب اس کو مانتے ہیں، جب وہ پہلے پیدا کرنے کو مانتے ہیں تو پھر دوسری زندگی کا کیوں انکار کرتے ہیں؟ جس اللہ نے پہلی دفعہ پیدا کیا، کیا دوبارہ پیدا کرنا اس کیلئے مشکل ہوگا؟ ہرگز نہیں۔

وَ هُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِ: یہ بھی بالکل اس کیلئے آسان ہے، اس کا حکم ہوتے ہی ہر چیز دوبارہ زندہ ہو کر سامنے حاضر ہو جائے گی، حقیقت یہ ہے کہ کسی چیز کا پہلی بار بغیر نمونے کے پیدا کرنا دوبارہ بنانے سے مشکل ہوتا

ہے مگر جسے پہلی مرتبہ پیدا کرنے میں کوئی دشواری نہیں ہوئی اسے دوبارہ پیدا کرنے میں بھی کوئی دشواری نہیں ہوگی۔

وَ لَهُ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ: آسمانوں اور زمینوں میں اسی کی شان بلند ہے،

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفت اور شان زمین وآسمان میں بلند ہے اور اس بلند صفت سے مراد کلمہ طیبہ " لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ " ہے، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ بھی فرماتے ہیں کہ: اللہ تعالیٰ کی صفت یہ ہے کہ وہی سچا خدا اور عبادت کے لائق ہے، اس کا کوئی شریک نہیں آسمانوں اور زمین میں صرف وہی معبود ہے۔

شرک کی مثال

ضَرَبَ لَكُمْ مَّثَلًا مِّنْ اَنْفُسِكُمْ ؕ هَلْ لَّكُمْ مِّنْ مَّا مَلَكَتْ

بیان کی لئے تمہارے ایک مثال سے جانوں تمہاری کیا ہے تمہارا سے ان میں جن کے مالک ہوئے

اَيْمَانُكُمْ مِّنْ شُرَكَآءَ فِيْ مَا رَزَقْنٰكُمْ فَاَنْتُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ

دائیں ہاتھ تمہارے کوئی شریک اس میں جو دیا ہم نے تمہیں پس تم میں اس برابر ہو جاؤ

تَخَافُوْنَهُمْ كَخِيْفَتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ ؕ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ

ڈرنے لگو تم ان سے مانند تمہارے ڈرنے کے اپنوں سے اسی طرح ہم کھولتے ہیں نشانیاں

لِقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۲۸﴾

لئے ان لوگوں کے جو سمجھتے ہیں (۲۸)

بامحاورہ ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے ایک مثال تمہارے ہی اندر سے بیان کی، بتاؤ کیا تمہارے لونڈی غلاموں میں سے کوئی ہماری دی ہوئی روزی میں تمہارا شریک ہے کہ تم سب اس میں برابر ہو جاؤ، خطرہ رکھوان کا جیسے خطرہ رکھو اپنوں سے یوں ہم کھول کر بیان کرتے ہیں نشانیاں ان لوگوں کیلئے جو سمجھ رکھتے ہیں۔ (۲۸)

تفسیر

پچھلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کی نشانیوں کا ذکر کیا جو اس کے ایک ہونے کی اور قیامت کے آنے کی دلیل بنتی ہیں، پھر آخر میں فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ کی شان بلند ہے جس کیساتھ کوئی چیز برابری نہیں رکھتی، اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے شرک کی برائی کو سمجھانے کیلئے ایک مثال بیان کی ہے۔

فرمایا: کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے تمہارے نفسوں میں سے ہی ایک مثال بیان کی ہے، یعنی: یہ مثال خود تمہارے افراد اور سوسائٹی میں پائی جاتی ہے اور وہ یہ کہ کیا تمہارے غلاموں میں سے کوئی ایسا ہے جو ہماری عطا کردہ روزی میں تمہارا شریک ہو اور پھر تم اس چیز میں برابر ہو جاؤ، مطلب یہ ہے کہ کیا یہ ممکن ہے کہ تمہارے خریدے ہوئے غلام تمہارے مال و دولت میں برابر کے حصے دار بن جائیں، ظاہر ہے کہ کوئی شخص اپنی جائداد میں اپنے غلام کی شرکت ماننے کیلئے تیار نہ ہوگا۔

فرمایا: صرف مال میں شراکت تک ہی بات محدود نہیں، بلکہ تم ان غلاموں سے بھی اسی طرح خوف کھاؤ جس طرح تم آزاد لوگ اپنے جیسے برابر کے لوگوں سے ڈرتے ہو کہ اگر ایک دوسرے کا مال چھینا یا کسی اپنے جیسے برابر والے کی جائداد پر قبضہ کیا تو یہ خوف رہتا ہے کہ آپس میں جھگڑا بھی ہوسکتا ہے، مگر غلام تو بیچارے ماتحت ہوتے ہیں، ان سے ڈرنے کی تو کوئی وجہ نہیں ہوسکتی، وہ تو ہر حالت میں اطاعت گزار اور فرمانبردار ہوتے ہیں، حالانکہ وہ تمہارے حقیقی ماتحت نہیں، بلکہ مجازی ماتحت ہیں، جب تم ان غلاموں کو کسی صورت بھی اپنے برابر ماننے کیلئے تیار نہیں تو پھر اللہ تعالیٰ کیساتھ کیسے شریک ٹھہراتے ہو، جو ہر چیز کا حقیقی مالک ہے، اللہ تعالیٰ کی ذات، اس کی صفات یا اس کی عبادت میں کوئی فرشتہ، جن یا انسانوں میں کوئی پیغمبر، ولی، پیر یا بزرگ کوئی بھی اس کا شریک نہیں ہوسکتا، اللہ تعالیٰ نے مثال کے ذریعے یہ بات سمجھادی ہے، فرمایا: اس طرح ہم تفصیل کیساتھ عقل والوں کیلئے اپنی آیتیں بیان کرتے ہیں، یہ مثال اسی شخص کیلئے فائدہ مند ہوسکتی ہے جو اپنی عقل کو کام میں لاکر سوچے کہ جب ایک مجازی غلام اپنے مجازی آقا کے برابر نہیں ہوسکتا تو حقیقی غلام اپنے حقیقی مالک کا کیسے شریک ہوسکتا ہے۔

یکسوئی

بَلِ اتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۚ فَمَنْ يَّهْدِيْ

بلکہ پیروی کی ان لوگوں نے جنہوں نے ظلم کیا خواہشوں اپنی کی بغیر جانے پس کون ہدایت کرے اسے

مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ ؕ وَ مَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۲۹﴾ فَاَقِمْ وَجْهَكَ

جسے بھٹکایا اللہ نے اور نہیں لئے ان کے کوئی مددگار (۲۹) پس سیدھا رکھ چہرہ اپنا

لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ؕ

دین کی طرف سب سے موڑ کر

بامحاورہ ترجمہ:۔ بلکہ ظالم لوگ اپنی خواہشوں پر بے سمجھے چلتے ہیں سواسے کون ہدایت دے جسے اللہ تعالیٰ بھٹکائے اور اس کا کوئی مددگار نہیں۔ (۲۹) سو سیدھا رکھیں اپنا چہرہ دین کی طرف یکسو ہو کر۔

تفسیر

پہلے ارشاد ہوا کہ: لوگ اپنے لونڈی غلاموں کو اپنے مال کے ایک دانے میں بھی اپنا شریک نہیں سمجھتے اور اللہ تعالیٰ کے لونڈی غلاموں کو اس کے برابر کا شریک ٹھہراتے ہیں یہ ہٹ دھرمی نہیں تو اور کیا ہے۔

آگے ارشاد ہے کہ: یہ لوگ ظلم پر اتر آئے ہیں، غور وفکر کرتے نہیں جو حقیقت معلوم ہو، بغیر جانے بوجھے جہالت کے اندھیروں میں خواہشوں کے پیچھے اندھا دھند دوڑے چلے جا رہے ہیں، نہ سمجھانے والوں کی سنتے ہیں اور نہ اصلی خیر خواہوں کی طرف نظر اٹھاتے ہیں، انہیں کون ہدایت کر سکتا ہے جنہیں اللہ تعالیٰ بھٹکائے، ضد اور اچھی باتوں سے بے پرواہی سیدھے راستہ سے دور کر دیتی ہے۔

ان پر اللہ تعالیٰ کی پھٹکار ہے جو صحیح راستہ چھوڑ کر غلط راستہ پر ہو لئے، جو اللہ تعالیٰ کے حکموں کو نہ سنے نہ

دیکھے تو وہ گمراہ نہ ہو تو کیا ہو، اللہ تعالیٰ کا عذاب ضرور ان کو اپنی پکڑ میں لے گا اور بدعملیوں کی سزا سے ان کو کوئی بچانے والا نہ ہوگا، کسی کو اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں ان کی مدد کرنے کی جرأت نہ ہوگی، اس لئے اُس وقت انہیں کوئی مددگار ڈھونڈنے سے بھی نہ ملے گا، ایسی حالت میں اے پیغمبر! آپ کا رویہ یہ ہونا چاہئے کہ ان کو ان کے حال پر چھوڑ دو اور آپ اپنا چہرہ سیدھا دین اسلام کی طرف پوری توجہ کیساتھ رکھو اور بغیر اِدھر اُدھر مائل ہوئے دین کے سیدھے راستہ پر چلتے رہو۔

بَلِ اتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ: ان ظالموں، یعنی: مشرکوں نے شرک کرنے کیلئے اپنی خواہشات کی پیروی کی ہے اور وہ بھی بغیر علم کے، یعنی خواہشوں پر چلنے کیلئے بھی ان کے پاس کوئی دلیل نہیں، مگر وہ اس قدر ہٹ دھرم لوگ ہیں کہ اس سے باز نہیں آتے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بھلا اس کو کون ہدایت دے سکتا ہے جسے اللہ تعالیٰ گمراہ کرے، جب کوئی شخص مشرک ہونے کی وجہ سے توحید کو نہیں مانتا تو پھر اللہ تعالیٰ بھی اس سے منہ موڑ لیتے ہیں اور جدھر وہ جانا چاہتا ہے اُدھر ہی جانے دیتے ہیں، آگے فرمایا کہ: آج یہ لوگ جن جھوٹے معبودوں کو اپنا حمایتی سمجھ رہے ہیں، قیامت والے دن یہ ان کے کسی کام نہیں آئیں گے اور یہ مشرک وہاں پر بے یار و مددگار رہ جائیں گے، اُس وقت ان کے یہی جھوٹے معبودان کی مدد کرنے کے بجائے انہیں کے خلاف بیان دیں گے۔

فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا: شرک کی برائی بیان کرنے کے بعد دین کی طرف یوں توجہ دلائی کہ آپ اپنا رُخ دین کی طرف سیدھا رکھو، مطلب یہ ہوا کہ کفر و شرک وغیرہ سے ہٹ کر صرف دین اسلام کی طرف متوجہ رہیں۔

انسان کی فطرت

فِطْرَتَ	اللّٰهِ	الَّتِيْ	فَطَرَ	النَّاسَ	عَلَيْهَا ؕ	لَا	تَبْدِيْلَ	لِخَلْقِ	اللّٰهِ ؕ
بناوٹ	اللہ کی	وہ کہ	بنایا اس نے	لوگوں کو	پر جس	نہیں	بدلنا	بناوٹ	اللہ کی

ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ۙ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۳۰

یہی طریقہ ہے درست اور لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے (۳۰)

مُنِيْبِيْنَ اِلَيْهِ وَ اتَّقُوْهُ وَ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ لَا تَكُوْنُوْا مِنَ

سب رجوع ہوکر طرف اسکی اور ڈرواسی سے اور قائم رکھو نماز اور مت ہو سے

الْمُشْرِكِيْنَ ۝۳۱ مِنَ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَ كَانُوْا شِيَعًا ؕ كُلُّ

شرک کرنے والوں میں (۳۱) سے ان لوگوں جنہوں نے ٹکڑے کردیا دین اپنے کو اور ہوگئے فرقے ہر

حِزْبٍۭ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ۝۳۲

گروہ اس پر جو ہے پاس اسکے خوش ہیں (۳۲)

بامحاورہ ترجمہ: ۔وہی اللہ تعالیٰ کی بناوٹ جس پر لوگوں کو بنایا اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے کو بدلا نہیں جاسکتا یہی ہے دین سیدھا لیکن اکثر لوگ نہیں سمجھتے۔(۳۰) سب اس کی طرف رجوع ہو اور ڈرتے رہو اس سے اور نماز قائم رکھو اور شرک کرنے والوں میں سے مت ہو۔(۳۱) (اور نہ ان میں سے ہو) جنہوں نے اپنے دین میں پھوٹ ڈالی اور ان میں سے بہت سے فرقے ہوگئے ہر فرقہ اس پر خوش ہے جو اس کے پاس ہے۔(۳۲)

تفسیر

بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ: اس مقام پر فطرت سے مراد اسلام ہے اور بعض مفسرین کرام کا یہ کہنا ہے کہ فطرت سے مراد وہ صلاحیت اور استعداد ہے جس کی بناء پر انسان نیکی یا برائی کو اختیار کرتا ہے، اللہ تعالیٰ نے ہر انسان میں نیکی قبول کرنے کی صلاحیت رکھی ہے اور ہر بچے میں فطرت یعنی حق قبول کرنے کی صلاحیت موجود ہوتی ہے، اگر اللہ تعالیٰ انسان میں یہ استعداد نہ رکھتا تو اسے ایمان لانے کی دعوت ہی نہ دی جاتی، گویا اس فطری امر میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی، بلکہ لوگ خود اس صلاحیت کو خراب کردیتے ہیں، حدیث شریف میں آتا ہے کہ ہر بچہ فطرتِ

سلیمہ پر ہی پیدا ہوتا ہے، مگر بعد میں اس کے والدین اسے یہودی یا نصرانی بنا دیتے ہیں یا جس مذہب پر وہ خود ہوں اسی راستے پر بچے کو بھی ڈال دیتے ہیں۔

مُنِيْبِيْنَ اِلَيْهِ وَاتَّقُوْهُ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ: دین کیلئے چہرے کو قائم کریں اس حالت میں کہ آپ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والے ہوں، اسی سے ڈرتے رہیں، اپنے اندر صفت تقویٰ پیدا کریں اور نماز قائم کرو اور شرک کرنے والوں میں سے نہ بنیں، یہ شرک کی تردید بھی ہوگئی کہ یہ فطرت کے خلاف ہے۔

مِنَ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا: اس آیت میں فرقہ بندی کی مذمت کی گئی ہے کہ ان لوگوں میں سے بھی نہ ہونا جنھوں نے دین میں فرقہ بندی پیدا کی، جب کسی دین کے اصول میں بگاڑ پیدا ہوتا ہے تو ایک نیا فرقہ جنم لیتا ہے، البتہ فروعات دین کے اختلافات مضر نہیں، بلکہ باعثِ رحمت ہیں، حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی مسلک میں کوئی اختلاف نہیں، بلکہ یہ تو اللہ تعالیٰ کی رحمت کی علامتیں ہیں، اصولِ دین کا اختلاف یہ ہے کہ توحید، رسالت یا قیامت کے متعلق اختلاف کیا جائے، اللہ تعالیٰ نے ان کی مذمت بیان کی ہے اور حکم دیا ہے کہ حنیف بن کر اپنے چہرے کو دین کیلئے قائم رکھو، فرقہ بندی سے بچتے رہو اور کوئی غلط راستہ اختیار نہ کرو کہ کامیابی کا مدار اسی چیز پر ہے۔

کھلی نشانیاں

وَ اِذَا مَسَّ النَّاسَ ضُرٌّ دَعَوْا رَبَّهُمْ مُّنِيْبِيْنَ اِلَيْهِ ثُمَّ اِذَآ

اور جب چھوئے لوگوں کو کچھ سختی پکاریں رب اپنے کو متوجہ ہوکر طرف اسکی پھر جب

اَذَاقَهُمْ مِّنْهُ رَحْمَةً اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُوْنَ ﴿۳۳﴾

چکھائے انہیں طرف اپنی سے رحمت اچانک ایک فرقہ میں ان سے ساتھ رب اپنے کے شریک کرنے لگتا ہے (۳۳)

لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ ۭ فَتَمَتَّعُوْا ۪ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۴﴾

تا کہ ناشکری کریں اُنکی جو دیا ہم نے انہیں پس فائدہ اٹھاؤ پھر عنقریب تم جان لوگے (۳۴)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور جب لوگوں کو کچھ سختی پہنچے تو پکاریں اپنے رب کو اس کی طرف متوجہ ہو کر پھر جب (اللہ تعالیٰ نے) ان کو اپنی طرف سے مہربانی کا کچھ مزہ چکھایا اسی وقت ایک جماعت اپنے رب کیساتھ شریک ٹھہرانے لگتی ہے۔ (۳۳) تا کہ ہمارے دیئے ہوئے سے منکر ہو جائیں سو مزے اڑا لو اب آگے جان لو گے۔ (۳۴)

تفسیر

پہلے کہا گیا کہ ایک اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا انسان کی فطرت میں داخل ہے اور جو اس کے خلاف کرتے ہیں وہ اپنی اصلی فطرت کے خلاف چلتے ہیں اور اس کی وجہ خواہشوں کی پیروی ہے جو انسان کو فطری قانون توڑنے پر اُکساتی ہے اور شیطان انہیں اس پر آمادہ کرتا ہے لیکن فطرت کے قانون اٹل ہیں، ان کی طرف سے ان کہ یہ بے پراہی رنگ لا کر رہے گی، دیر یا سویر اس کی سزا بھگتیں گے، اللہ تعالیٰ کی فطرت کے رجوع کرنے کا ثبوت اس آیت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جب انسان پر کوئی مصیبت آتی ہے جو اس کے ہوش بھلا دے تو پھر عقل ٹھکانے آ جاتی ہے، ساری خواہشیں رفو چکر ہو جاتی ہیں اور پھر اسے سوائے اس کے کچھ نہیں سوجھتا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو کر اس کو پکارنا شروع کر دے، چنانچہ اپنی اپنی زبان میں فقط اللہ تعالیٰ کو پکارتے ہیں، لیکن جب اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ان کی مصیبت کو دور کر دیتا ہے اور حالت درست ہو جاتی ہے تو ان میں سے کچھ لوگ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر پھر غیروں کے ہو جاتے ہیں، یہ سراسر اللہ تعالیٰ کی ناشکری ہے، ان سے کہو کہ اس طرح کام کب تک چلے گا کہ وقت پڑنے پر اللہ تعالیٰ کے سامنے گڑگڑانے لگے اور جب مصیبت ٹل گئی تو اس کو بھول گئے اور غیروں کی پوجا میں لگ گئے، خیر کچھ دن مزے اڑا لو اس ناشکری اور شرک کا وبال ضرور پڑ کر رہے گا۔

معلوم ہوا کہ ایک اللہ تعالیٰ کا ماننا اور اس کے بتائے ہوئے سارے اچھے کاموں کو اچھا سمجھنا انسانی

فطرت میں داخل ہے جو اس کے خلاف چل رہا ہے وہ فطرت کے خلاف کام کر رہا ہے۔

شرک کی کیا وجہ؟

اَمْ اَنْزَلْنَا عَلَيْهِمْ سُلْطٰنًا فَهُوَ يَتَكَلَّمُ بِمَا كَانُوْا بِهٖ يُشْرِكُوْنَ﴿۳۵﴾

کیا اتاری ہے ہم نے پر ان کوئی دلیل پس وہ بتا رہی ہے انہیں جو ہیں وہ ساتھ اسکے شریک کر رہے (۳۵)

وَ اِذَآ اَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً فَرِحُوْا بِهَا ؕ وَ اِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌۢ

اور جب چکھائیں ہم لوگوں کو رحمت خوش ہوں پر اس اور اگر پہنچے انہیں کچھ برائی

بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ اِذَا هُمْ يَقْنَطُوْنَ﴿۳۶﴾ اَوَ لَمْ يَرَوْا اَنَّ

بوجہ اسکے جو پہلے بھیجا ہاتھوں ان کے نے اچانک وہ مایوس ہو جاتے ہیں (۳۶) کیا نہیں دیکھا انہوں نے کہ

اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَ يَقْدِرُ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ

اللہ فراخ کرتا ہے روزی جس کی چاہتا ہے اور تنگ کرتا ہے تحقیق میں اس البتہ نشانیاں ہیں

لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ﴿۳۷﴾

لئے ان لوگوں کے جو ایمان لائے (۳۷)

بامحاورہ ترجمہ: کیا ہم نے اتاری ہے ان پر کوئی دلیل، پس وہ بول رہی ہے اس چیز کے بارے میں جس کی وجہ سے یہ دوسروں کو اس کیساتھ شریک بناتے ہیں۔ (۳۵) اور جب ہم لوگوں کو اپنی رحمت کا کچھ مزہ چکھائیں تو وہ خوش ہوں اور اگر ان پر اپنے آگے بھیجے ہوئے گناہوں کی وجہ سے کوئی مصیبت آ پڑے تو مایوس ہو جاتے ہیں۔ (۳۶) کیا نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ جس پر چاہے روزی فراخ کرتا ہے اور جس کی روزی چاہے تنگ کر دیتا ہے اور اس میں ان لوگوں کیلئے نشانیاں ہیں جو ایمان والے ہیں۔ (۳۷)

تفسیر

جب معلوم ہو چکا کہ وقت پڑنے پر انسان سب کچھ چھوڑ کر اللہ تعالیٰ ہی کو پکارنے لگتا ہے تو ظاہر ہے کہ یہ پکارنا اس کی فطری بات ہے جس طرح کہ بھلے کاموں کا پہچاننا فطری بات ہے، اب پھر اس آیت میں ارشاد ہے کہ: ان کے پاس اللہ تعالیٰ کیساتھ کسی کو شریک کرنے کی کیا سند ہے؟، کیا ہم نے ان کے پاس کوئی تحریری فرمان بھیج دیا ہے جو انہیں بتا رہا ہے کہ ہم سے اکیلے کچھ نہیں ہوتا، اس لئے تم دوسروں کو پکارو اور ان سے مدد طلب کرو۔

جو لوگ مطلب کے یار ہوتے ہیں ان کا اللہ تعالیٰ کیساتھ برتاؤ ٹھیک نہیں ہوتا، اگر ہم اپنی رحمت کا مزہ انہیں چکھاتے رہیں تو پھولے نہیں سماتے اور اگر کوئی مصیبت آ پڑے جو ان کے بُرے عملوں کا نتیجہ ہوتی ہے تو جھٹ آس توڑ بیٹھتے ہیں، یہ اس کا نتیجہ ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے قانون کو ٹھیک طور پر نہیں سمجھا، اس کے ہاں کسی کو فراخی نصیب ہوتی ہے کسی کو تنگی، ایمان والے اس کو دیکھ کر سمجھ جاتے ہیں کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسان کی آزمائش کیلئے ہوتا ہے۔

اَمْ اَنْزَلْنَا عَلَيْهِمْ سُلْطٰنًا فَهُوَ يَتَكَلَّمُ بِمَا كَانُوْا بِهٖ يُشْرِكُوْنَ: کیا ہم نے ان کی طرف شرک کی کوئی دلیل اتاری ہے جو انہیں بول کر اللہ تعالیٰ کیساتھ شریک کرنا بتلاتی ہے؟، یعنی: کیا کسی کتاب میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فلاں پیغمبر، ولی یا بزرگ کو کوئی اختیار دیدیا ہے کہ وہ لوگوں کی حاجتیں پوری کریں، حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی کو کوئی اختیار نہیں دیا، بلکہ وہ ہر چیز کی تدبیر خود کرتا ہے اور اسے کسی مددگار کی ضرورت نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے کسی مخلوق کو اختیار نہیں دیا کہ فلاں کام وہ کر دیا کرے حتیٰ کہ فرشتے بھی اسی کے حکم کے پابند بندے ہیں اور وہ وہی کام کرتے ہیں جس کا اللہ تعالیٰ انہیں حکم دیتا ہے، اللہ تعالیٰ نے ایسی کوئی دلیل نہیں اُتاری، بلکہ یہ خود شرک کر کے اپنے لئے دوزخ کا سامان پیدا کر رہے ہیں۔

وَ اِذَآ اَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً: جب ہم لوگوں کو اپنی مہربانی کا مزہ چکھاتے ہیں، اب اللہ تعالیٰ نے

انسانوں کی دوسری حالت بیان فرمائی ہے کہ ہم ان انعام واکرام کی بارش کرتے ہیں، انہیں مال ودولت، صحت اور خوشحالی عطا فرماتے ہیں تو وہ اس سے خوش ہوجاتے ہیں اور جب ان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے اور وہ بھی اس وجہ سے کہ ان کے اپنے ہاتھوں کی کمائی ہوتی ہے، یعنی: ان کے اپنے برے عملوں کی وجہ سے جب وہ مصیبت میں گرفتار ہوتے ہیں، کاروبار میں نقصان ہوجاتا ہے، قحط سالی واقع ہوجاتی ہے، بیماری آجاتی ہے یا کوئی حادثہ پیش آجاتا ہے تو اچانک وہ ناامید ہوجاتے ہیں اور پھر اللہ تعالیٰ کا شکوہ کرنے لگتے ہیں کہ اس نے زیادتی کی ہے، مگر جب خوشحالی آتی ہے تو اسے خدا کا انعام سمجھنے کے بجائے اسے اپنے علم وہنر اور عقل مندی کا نتیجہ قرار دیتے ہیں۔

اَوَ لَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَ يَقْدِرُ: یا پھر اپنے جھوٹے خداؤں کا کام اور انعام سمجھتے ہیں، کیا انہوں نے اس بات پر غور نہیں کیا کہ اللہ تعالیٰ جس کی چاہتا ہے روزی کشادہ کرتا ہے اور جس کی چاہتا ہے تنگ کردیتا ہے، رزق کی وسعت اور تنگی میں کسی انسان کا کوئی دخل نہیں ہوتا، بلکہ اللہ تعالیٰ اپنی حکمت کے مطابق روزی کا فیصلہ کرتا ہے، دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے اس کی حکمت بھی بیان کردی کہ اگر اللہ تعالیٰ تمام بندوں کیلئے رزق کے دروازے کشادہ کردیتا تو وہ بغاوت پر اتر آتے، حقیقت یہ ہے کہ وہ ایک اندازے کے مطابق روزی اتارتا ہے، اس کی مصلحت کو اُس کے سوا کوئی نہیں جانتا، اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ کس شخص کے حق میں کتنی روزی بہتر ہے اور اس سے زیادہ خود اسی کیلئے نقصان دہ ہوگی۔

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ: بیشک اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کیلئے جو ایمان اور یقین رکھتے ہیں، یعنی: ایمان والے اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان برحق ہے، البتہ مشرک، کافر اور منافق وغیرہ شک وشبہات میں پڑے رہتے ہیں، وہ ماننے کے بجائے اعتراض ہی کرتے رہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا قانون

فَاٰتِ ذَاالْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَ الْمِسْكِيْنَ وَ ابْنَ السَّبِيْلِ ؕ ذٰلِكَ خَيْرٌ

پس دے　والوں رشتہ کو　حق اس کا　اور　مسکین کو　اور　مسافر کو　یہ　بہتر ہے

لِّلَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ ۫ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۳۸﴾ وَ مَآ

لئے ان لوگوں کے　جو چاہتے ہیں　رضاء　اللہ کی　اور　وہ لوگ　وہی　کامیابی پانے والے(۳۸)　اور جو

اٰتَيْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّيَرْبُوَاۡ فِيْۤ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُوْا عِنْدَ

دوتم　سے نیت بڑھنے کی تاکہ بڑھتا رہے　میں　مال　لوگوں کے　پس نہیں　وہ بڑھتا　پاس

اللّٰهِ ۚ وَ مَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ تُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ

اللہ کے　اور　جو　دوتم　سے　زکوٰۃ　طلب کرتے ہوئے　رضاء　اللہ کی　پس وہ لوگ

هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ ﴿۳۹﴾

وہی　اجر کو بڑھانے والے(۳۹)

بامحاورہ ترجمہ: سو! آپ رشتہ داروں کو اور محتاجوں کو اور مسافروں کو ان کا حق دیدیں یہی بہتر ہے ان کیلئے جو اللہ تعالیٰ کی رضا چاہتے ہیں اور وہی ہیں کامیابی پانے والے۔(۳۸) اور جو تم دیتے ہو نفع کیلئے بڑھتا رہے لوگوں کے مال میں ملکر، سو! وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں نہیں بڑھتا اور جو تم زکوۃ دیتے ہو اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے، سو! وہی لوگ اپنے اجر کو بڑھانے والے ہیں۔(۳۹)

تفسیر

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے رشتہ داروں کے حق کی طرف توجہ دلائی ہے کہ رشتہ داروں

کے حقوق ادا کرو، یہ حکم تمام ایمان والوں کیلئے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں رزق میں کشادگی دی ہے تو وہ اپنے غریب رشتہ داروں کے حقوق ادا کریں۔

رشتہ داروں کے حقوق دو قسم کے ہیں: ایک واجب اور دوسرے مستحب، واجبات میں بیوی والدین کی خدمت پہلے درجہ میں آتی ہے، اگر وہ محتاج ہیں تو ان کی ضرورتوں کا خیال رکھا جائے اور ان کی مالی مدد کی جائے، اسی طرح اولاد کا بھی والدین پر حق ہے، جب تک اولاد چھوٹی ہے اس کی ساری ذمہ داری والدین پر آتی ہے، ان کی اچھی تربیت، لکھائی پڑھائی، ہنرمندی وغیرہ، پھر جب بچہ بالغ ہوجاتا ہے تو وہ خود ذمہ دار بن جاتا ہے، امام اعظم امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: اگر کسی شخص کو اللہ تعالیٰ نے مال و دولت سے نوازا ہے اور اس کے رشتہ دار محتاج ہیں تو اس پر واجب ہے کہ اپنے غریب رشتہ داروں کو خرچہ دے۔

رشتہ داروں کے حقوق کے بعد فرمایا کہ: مسکینوں کا بھی حق ادا کرو، تمہارے مال میں اللہ تعالیٰ نے ان کا بھی حق رکھا ہے، کسی سوالی یا نادار کو اس سے محروم نہ رکھو، بلکہ ان کا حق بھی ادا کرو، تمہارے مالوں میں مسافروں کا بھی حق ہے، سفر کے دوران ایسے حالات پیش آسکتے ہیں کہ کسی مسافر کا مال ضائع ہوجائے، جیب کٹ جائے یا کوئی دوسری پریشانی آجائے، ایسا مسافر اگرچہ اپنے گھر میں مالدار ہو، مگر جن حالات میں اسے مدد کی ضرورت پڑی ہے، اس حالت میں اس کی مدد کرنا واجب ہوجاتا ہے، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے مسافر کا حق زکوٰۃ میں بھی رکھا ہے۔

ذٰلِكَ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ: یہ ان لوگوں کیلئے بہتر ہے جو اللہ تعالیٰ کی رضا چاہتے ہیں، یعنی: ایسے مالدار حضرات جنہیں آخرت پر یقین ہے اور وہاں کی کامیابی کیلئے انہیں اللہ تعالیٰ کی رضا کی ضرورت ہے، ان پر ضروری ہے کہ ان حقوق کو ادا کریں اور اس معاملہ میں غفلت نہ کریں، اگر انہوں نے یہ حقوق ادا کردیئے تو یہی لوگ ہیں جو کامیابی پانے والے ہیں، انہیں دنیا میں بھی کامیابی حاصل ہوگی اور آخرت کی کامیابی تو بہر حال ہمیشہ کی ہے جو انہیں میسر آئے گی۔

وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ رِّبًا: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے سود کی برائی اور زکوٰۃ کی برکات کا ذکر کیا ہے، اس

آیت میں جو"ربا" کا لفظ استعمال ہوا ہے جس کے مشہور معنیٰ سود کے ہیں، لیکن اس کا ایک اور معنیٰ بھی ہے وہ یہ کہ کوئی شخص کسی کو اس نیت سے کوئی تحفہ دے کہ وہ اس کو اس سے زیادہ قیمتی تحفہ دے گا، مثلاً: شادی بیاہ کے موقع پر (نیوتہ) کی جو رسم ہوتی ہے اس کا مقصد یہی ہوتا ہے، بہت سے مفسرین حضرات نے یہی معنیٰ مراد لئے ہیں اور اس آیت کی رو سے نیوتہ کی رسم کو ناجائز قرار دیا ہے۔

احکام ومسائل

مسئلہ: .... ہدیہ اور تحفہ دینے والے کو اس پر نظر رکھنا کہ اس کا بدلہ ملے گا یہ تو ایک بہت گھٹیا نیت ہے، جس کو اس آیت میں منع فرمایا گیا ہے، لیکن بطور خود جس شخص کو کوئی تحفہ کسی دوست یا عزیز کی طرف سے ملے اس کیلئے اخلاقی تعلیم یہ ہے کہ وہ بھی جب اس کو موقع ملے اپنے طور پر اس کا بدلہ دے، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی عادتِ مبارکہ بھی یہی تھی کہ جو شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی تحفہ پیش کرتا تو اپنے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس کو تحفہ دیتے تھے، ہاں! اس تحفہ دینے کی صورت ایسی نہ بنائے کہ دوسرا آدمی یہ محسوس کرے کہ یہ میرے تحفہ کا بدلہ دے رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی قدرت

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ ثُمَّ یُمِیْتُكُمْ ثُمَّ یُحْیِیْكُمْ ؕ

اللہ وہی ہے جس نے پیدا کیا تمہیں پھر روزی دی تمہیں پھر موت دیگا تمہیں پھر زندہ کرے گا تمہیں

هَلْ مِنْ شُرَكَآىِٕكُمْ مَّنْ یَّفْعَلُ مِنْ ذٰلِكُمْ مِّنْ شَیْءٍ ؕ سُبْحٰنَهٗ

کیا ہے کوئی سے شریکوں تمہارے جو کرے سے اس میں کوئی چیز پاک ہے وہ

وَ تَعٰلٰى عَمَّا یُشْرِكُوْنَ ۝۴۰

اور بلند ہے سے اس جسے وہ شریک بناتے ہیں (۴۰)

ع ۴ ۱۴ ۷

بامحاورہ ترجمہ:۔ اللہ تعالیٰ وہی ہے جس نے تمہیں پیدا کیا، پھر تمہیں روزی دی پھر تمہیں موت دے گا، پھر تمہیں زندہ کرے گا، کیا ہے کوئی تمہارے شریکوں میں سے جو ان کاموں میں سے کوئی کام کر سکے، وہ پاک ہے اور بہت بلند ہے ان سے جسے تم اس کا شریک بناتے ہو۔ (۴۰)

تفسیر

ارشاد ہے کہ: تمہیں اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا اور اسی نے تمہارے رزق کا بندوبست کیا، پھر وہی تمہیں موت دے گا، صاف ظاہر ہے کہ پیدا کرنا، پالنا، مارنا اس کے سوا کسی کے اختیار میں نہیں، پھر وہی موت دینے کے بعد دوبارہ زندہ کرے گا اور ہر ایک کو اس کے عملوں کی جزا اور سزا دے گا۔

ذرا سوچو تو سہی کہ! تمہارے بنائے ہوئے جھوٹے خداؤں میں سے کوئی ان میں سے ایک کام بھی کر سکتا ہے، جب نہیں تو پھر ماننا پڑے گا کہ اللہ تعالیٰ سب سے بلند و برتر ہے، پھر اس کے ساتھ کسی کو شریک کرنے کے کیا معنیٰ؟ یہ بے ہودہ باتیں جانے دو اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔

بُرے عملوں کا نتیجہ

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِي النَّاسِ

ظاہر ہوئی خرابی میں خشکی اور سمندر بوجہ اسکے جو کمایا ہاتھوں نے لوگوں کے

لِيُذِيْقَهُمْ بَعْضَ الَّذِيْ عَمِلُوْا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۴۱﴾ قُلْ سِيْرُوْا

تاکہ چکھائے ان کو کچھ مزا اس کا جو انہوں نے کیا تاکہ وہ باز آجائیں (۴۱) آپ کہہ دیں چلو پھرو

فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلُ ؕ كَانَ

میں زمین پس دیکھو کیسا ہوا انجام ان کا جو تھے پہلے تھے

أَكْثَرُهُمْ مُّشْرِكِيْنَ ﴿۴۲﴾

زیادہ ان میں سے شرک کرنے والے (۴۲)

بامحاورہ ترجمہ: خرابی ظاہر ہوئی خشکی میں اور سمندر میں لوگوں کے اپنے ہاتھوں کی کمائی سے تا کہ اللہ تعالیٰ چکھائے ان کو ان کے بُرے کاموں کا کچھ مزہ تا کہ وہ باز آئیں۔ (۴۱) آپ کہہ دیں پھرو زمین میں تو دیکھو کہ پہلوں کا انجام کیسا ہوا، بہت ان میں شرک کرنے والے تھے۔ (۴۲)

تفسیر

ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اس بات کی وضاحت فرمائی ہے کہ بسا اوقات لوگوں کی نافرمانیوں اور بدعملیوں کی وجہ سے دنیا بھر میں سزا ملتی ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے دنیا میں آنے والی مصیبتوں کے اسباب ذکر فرمائے ہیں۔

خشکی اور تری میں فساد پھیل گیا ہے انسانوں کے ہاتھوں کی کمائی کی وجہ سے اور اس میں اللہ تعالیٰ کی حکمت یہ ہے کہ اُن کو اُن کے بعض کاموں کا مزہ چکھائے، یعنی: لوگوں کی بدعملیوں کی یا تو انہیں سزا دی جائے یا کم از کم تنبیہ کی جائے، تا کہ وہ واپس لوٹ آئیں یعنی بدعملیوں سے باز آ جائیں۔

امام بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: اس فساد سے مراد، قحط سالی، بیماری اور جنگوں سے موتوں کا واقع ہونا ہے، بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ: فساد سے مراد جنگیں ہیں جو بڑی تباہی پھیلاتی ہیں، چنانچہ اس سورۃ کے اترتے وقت قیصر و کسریٰ کے درمیان جنگ ہو رہی تھی، جس کا ذکر اس آیت کے شروع میں ہو چکا ہے، دونوں فریق ایک دوسرے پر سمندر اور خشکی کے راستے بڑھ چڑھ کر حملے کر رہے تھے، جس کے نتیجے میں بہت لوگ مر رہے تھے، جانور ہلاک ہو رہے تھے، فصلیں تباہ ہو رہی تھیں اور مکانات گر رہے تھے، موجودہ ایٹمی دور کی جنگیں بہت خطرناک ہیں، اب تو بڑے پیمانے پر بمباری ہوتی ہے، توپیں گولہ باری کرتی ہیں ٹینک آگ برساتے ہیں، کیمیائی اور ایٹمی ہتھیار استعمال ہوتے ہیں، جن سے لاکھوں لوگ منٹوں میں مر جاتے ہیں، شہر اور بستیاں کھنڈروں میں تبدیل

ہوجاتی ہیں، فیکٹریاں تباہ اور کھیت ویران ہوجاتے ہیں، ایسے ہی واقعات کے متعلق فرمایا کہ: خشکی اور تری میں لوگوں کی اپنے ہاتھوں کی بدعملیوں کی وجہ سے فساد برپا ہوچکا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ: یہ تباہی اور بربادی عام طور پر انسانوں کی اپنی بدعملیوں کی وجہ سے آتی ہے، جنگ چھڑ جائے یا کوئی اور حادثہ مثلاً: زلزلہ، طوفان یا کوئی اور مصیبت آجائے تو اس میں کسی نہ کسی طور پر انسانوں کی بدعملیوں کا دخل ہوتا ہے، بدعملیوں میں سب سے پہلے کفر اور شرک ہے، یہی ساری برائیوں اور فساد کی جڑ ہے، جس شخص نے زمین میں گناہ کئے وہ بھی فساد میں شامل ہے۔

مصیبتیں دو وجہ سے آتی ہیں، یا تو ان کے ذریعے نافرمان افراد اور قوموں کی ہلاکت مقصود ہوتی ہے یا پھر انہیں تنبیہ کرنا مقصد ہوتا ہے، تاکہ وہ نافرمانی سے باز آجائیں اور اطاعت کا راستہ اختیار کرلیں، قرآن کریم میں ان دونوں اسباب کا ذکر موجود ہے۔

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِي النَّاسِ: تفسیر روح المعانی میں ہے کہ فساد سے مراد قحط، وبائی امراض، آگ لگنے اور پانی میں ڈوبنے کے واقعات کی کثرت اور ہر چیز کی برکت کا مٹ جانا، نفع بخش چیزوں کا نفع کم اور نقصان زیادہ ہوجانا وغیرہ ہیں، اور اس آیت سے معلوم ہوا کہ ان دنیاوی مصیبتوں کا سبب انسانوں کے گناہ اور بُرے عمل ہوتے ہیں جن میں کفر وشرک سب سے زیادہ شدید ہیں، اس کے بعد دوسرے گناہ ہیں، اس کے علاوہ قرآن کریم نے مصیبتوں کو گناہوں کا سبب قرار دیا ہے، اس سے مراد وہ مصیبتیں ہیں جو پوری دنیا پر عام ہوجائیں، عام لوگوں میں گناہوں کی کثرت خصوصاً علانیہ گناہ کرنا ہی فساد کا سبب ہوتا ہے شخصی اور انفرادی تکلیف ومصیبت میں یہ ضابطہ نہیں، بلکہ وہ کبھی کسی انسان کی آزمائش کرنے کیلئے بھی بھیجی جاتی ہیں اور جب وہ اس آزمائش میں پورا اترتا ہے تو اس کے درجات بڑھ جاتے ہیں، یہ مصیبت حقیقت میں اس کیلئے رحمت ونعمت ہوتی ہے، اس لئے انفرادی طور پر کسی شخص کو مصیبت میں دیکھ کر یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ بہت گنہگار ہے، اسی طرح کسی کو خوش عیش دیکھ کر یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ بڑا نیک ہے۔

کیا کرنا چاہئے

فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ الْقَيِّمِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا مَرَدَّ
پس سیدھا رکھیں چہرہ اپنا طرف اس دین سیدھے کے پہلے اس کے کہ آئے وہ دن نہیں ٹلنا

لَهٗ مِنَ اللّٰهِ يَوْمَئِذٍ يَّصَّدَّعُوْنَ ﴿۴۳﴾ مَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهٗ ۚ وَ
لئے اس کے سے طرف اللہ کی اس دن لوگ الگ ہو جائیں گے (۴۳) جو کفر کرے ہے اس پر وبال کفر اس کے کا اور

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِاَنْفُسِهِمْ يَمْهَدُوْنَ ﴿۴۴﴾ لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ
جو کام کرے نیک پس وہ اپنے ہی بھلے کا سامان کر رہے ہیں (۴۴) تا کہ بدلہ دے ان کو جو

اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۴۵﴾
ایمان لائے اور کام کئے اچھے سے فضل اپنے تحقیق وہ نہیں پسند کرتا کافروں کو (۴۵)

بامحاورہ ترجمہ: پس قائم کریں آپ اپنے رخ کو سیدھے دین کی طرف اس سے پہلے کہ وہ دن آپہنچے جس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے واپس نہیں کیا جائے گا اس دن لوگ جدا جدا ہوں گے۔ (۴۳) جو کافر ہوگا اس کے کفر کا وبال اسی پر پڑے گا اور جو لوگ بھلے کام کریں گے وہ اپنا ہی راستہ سنوار رہے ہیں۔ (۴۴) تا کہ اللہ تعالیٰ بدلہ دے انہیں جو ایمان لائے اور بھلے کام کئے اپنے فضل سے بیشک اللہ تعالیٰ کفر کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ (۴۵)

لفظی تحقیق: يَصَّدَّعُوْنَ: الگ الگ ہو جائیں گے، مضارع کا صیغہ ہے "اِصَّدُّعٌ" جس کا مادہ (د،ع) ہے، صدع کے معنی بیچ میں سے چیر دینا، دو ٹکڑے کر دینا ہے۔

تفسیر

ارشاد ہے کہ: اے پیغمبر! آپ اس سیدھے دین پر چلو اور ان سے کہہ دو کہ قیامت کا دن ضرور آنے والا

ہے، اللہ تعالیٰ کا حکم ہو چکا ہے اور وہ ٹلنے والا نہیں اور اُس کی طرف سے اُس کے آنے میں ہرگز کوئی رکاوٹ نہ ڈالی جائے گی، اُس کے آنے سے پہلے ہی صحیح دین پر چلنا اختیار کرلو، ورنہ جب وہ دن آ گیا تو کچھ بنائے نہ بنے گا، اس دن اچھے اور بُرے لوگ الگ الگ کر دیئے جائیں گے، کفر کرنے والوں پر ان کے کفر کا وبال پڑے گا اور جو ایمان لے آئے اور اچھے کام کر رہے ہیں، وہ یقیناً آئندہ کی بھلائی کا سامان کر رہے ہیں، اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو اور نیک کام کرنے والوں کو محض اپنے فضل سے بہت اچھا بدلہ دے گا، انسان کو بہت اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جو کفر کرتے ہیں پسند نہیں کرتا۔

خوشگوار ہوائیں

وَ مِنْ اٰیٰتِهٖۤ اَنْ یُّرْسِلَ الرِّیَاحَ مُبَشِّرٰتٍ وَّ لِیُذِیْقَكُمْ مِّنْ

اور سے نشانیوں اسکی کہ بھیجتا ہے وہ ہوائیں خوشخبری لانے والی اور تاکہ چکھائے تم کو سے

رَّحْمَتِهٖ وَ لِتَجْرِیَ الْفُلْكُ بِاَمْرِهٖ وَ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَ

کچھ رحمت اپنی اور تاکہ چلائیں جہاز ساتھ حکم اسکے سے اور تاکہ تلاش کرو تم سے فضل اسکے اور

لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ رُسُلًا اِلٰى قَوْمِهِمْ

تاکہ تم شکر کرو (۴۶) اور تحقیق بھیجے ہم نے سے پہلے آپ پیغمبر طرف قوم اپنی کے

فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ فَانْتَقَمْنَا مِنَ الَّذِیْنَ اَجْرَمُوْا ؕ وَ كَانَ

پس آئے وہ ان تک کھلی نشانیوں سمیت پس بدلہ لیا ہم نے سے ان لوگوں جنہوں نے جرم کیا تھا اور ہے

حَقًّا عَلَیْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۴۷﴾

ذمہ اوپر ہمارے مدد کرنا ایمان والوں کی (۴۷)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور اس کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ خوشخبری لانے والی ہوائیں چلاتا ہے اور

تا کہ تم کو اپنی مہربانی کا مزہ چکھائے اور تا کہ اس کے حکم سے جہاز چلیں اور تا کہ تم اس کا فضل تلاش کرو اور تم شکر گزار بن جاؤ۔(۴۶) اور ہم آپ سے پہلے کتنے پیغمبر بھیج چکے ہیں اپنی اپنی قوم کے پاس سو وہ آئے ان کے پاس نشانیاں لیکر پھر ہم نے بدلہ لیا ان سے جو مجرم تھے اور ایمان والوں کی مدد ہمارے ذمہ ہے۔(۴۷)

تفسیر

ان آیتوں میں صاف طور پر بتایا جارہا ہے کہ انسان کیلئے دنیا میں چلنے کا ایک طریقہ مقرر ہے جو اس کی فطرت کے مطابق ہے، اس طریقہ کی خصوصیت اچھے کاموں اور برے کاموں کے اندر فرق پہچاننا ہے، اس طریقہ کا مقرر کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے اور چونکہ اسی نے انسان کی طبیعت بنائی ہے اور مزاج قائم کیا ہے اس لئے اسے معلوم ہے کہ اس طبیعت اور مزاج والے کیلئے زندگی کا کونسا طریقہ مناسب ہوگا، لوگ اس طریقہ کو چھوڑ بیٹھے ہیں تبھی بڑی بڑی آفتوں میں پھنستے ہیں، یاد رکھیں کہ دین فطرت سے ہٹنا آفتوں کا مول لینا ہے جو دنیا میں بھی پڑیں گی اور آخرت میں بھی پڑیں گی، ارشاد ہے کہ: گرمی کی شدت کے بعد ہم ٹھنڈی ہوائیں چلاتے ہیں جو اس بات کی علامت ہوتی ہے کہ اب رحمت کی بارش برسے گی جس سے سختی دور ہوگی اور انہیں موافق ہواؤں سے کشتیاں اور جہاز دریاؤں میں چلتے ہیں اور لوگ ان میں تجارتی سامان اِدھر سے اُدھر لے جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے نفع کماتے ہیں، اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کی نشانیاں ہیں، اے محمد! آپ سے پہلے الگ الگ قوموں کے پاس ان کے پیغمبر آئے اور انہوں نے لوگوں کو معجزے دکھائے، پھر نافرمانوں کو سزائیں ملیں اور ماننے والے انجام کار غالب آئے، بیشک ماننے والوں کی مدد ہمارے ذمہ ہے۔

خوشخبری دینے والی ہواؤں کا ایک مقصد اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ بھی ہے کہ وہ تمہیں اپنی مہربانی کا مزہ چکھائے، جب یہ ہوائیں چلتی ہیں اور رحمت والی بارش کی خوشخبری لاتی ہیں تو یہ اللہ تعالیٰ کی مہربانی ہی ہوتی ہے، سمندروں میں بادبانی کشتیوں کے چلنے کا دارومدار موافق ہواؤں پر ہی ہوتا ہے، جب یہ چلتی ہیں تو مسافر اپنی

منزل تک پہنچتے ہیں اور یہ بھی اس کی مہربانی ہی کا نتیجہ ہوتا ہے، آج کل جو بڑے بڑے جہاز بھاپ یا تیل سے چلتے ہیں ان لاکھوں ٹن وزنی جہازوں کیلئے بھی موافق ہوائیں بڑی مفید ثابت ہوتی ہیں اور جہاز کی رفتار کو تیز کرتی ہیں، اس کے برخلاف اگر ہوائیں ناموافق ہوں تو بڑی مشکل پیش آتی ہے اور جہازوں کی رفتار بالکل سست پڑ جاتی ہے یا انہیں روکنا پڑتا ہے تو مطلب یہ ہوا کہ یہ کشتیاں اور جہاز اللہ تعالیٰ کے حکم سے چلتے ہیں اور ان کے چلنے کا دارومدار بہت حد تک ہواؤں پر ہے اور بیشک ان ہواؤں کا چلنا اللہ تعالیٰ کی رحمت کی دلیل ہے۔

وَ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ: اور تا کہ تم اس کا فضل تلاش کرو، یعنی: اس نقل و حمل کے ذریعے تم اللہ تعالیٰ کا فضل تلاش کرو، اللہ تعالیٰ کے فضل میں بہت سی چیزیں آتی ہیں، جن میں سب سے پہلے حلال رزق ہے، لوگ کشتیوں کے ذریعے اور بڑے بڑے جہازوں کے ذریعے مال ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جا کر تجارت کرتے ہیں اور اس طرح اپنے لئے روزی کا سامان پیدا کرتے ہیں، چنانچہ جب کوئی شخص محنت کر کے حلال رزق حاصل کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اس کی زندگی خوشگوار طریقے سے گزرتی ہے۔

وَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ: اور تا کہ تم شکر گزار بن جاؤ، سامان کا سب سے زیادہ لانا لے جانا آج بھی سمندری راستوں سے ہوتا ہے اور ایک ملک کی چیزیں دوسرے ملک میں پہنچ کر لوگوں کی ضرورتیں پوری کرتی ہیں، جس سے زندگی خوشحال ہو جاتی ہے، اس لئے ضروری ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کے ان انعاموں کا شکر ادا کرے اور شکریہ کا پہلا اظہار اس طرح ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں کو صحیح طریقے سے استعمال کرے، فضول خرچی اور حرام کے راستے میں اپنے رزق کو ضائع نہ کرے اور حقیقی مالک کو پہچان کر اس کے ایک ہونے پر ایمان لائے اور مال و دولت کو اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق خرچ کرے، اگر مال کو غلط راستے پر خرچ کرے گا، حرام کاموں میں لگائے گا، عیاشی اور فحاشی کا سامان کرے گا یا بُری رسموں اور بدعتوں میں ضائع کرے گا تو یہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناشکری ہوگی۔

وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ رُسُلًا اِلٰى قَوْمِهِمْ: اور ہم آپ سے پہلے کتنے ہی پیغمبر بھیج چکے ہیں

اپنی اپنی قوم کے پاس، اور وہ اپنی قوم کی طرف واضح نشانیاں لے کر آئے، یعنی: معجزے، دلیلیں، شریعت کے حکموں میں سے ہر ایک کو بینات کہا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ کے پیغمبر لوگوں کی راہنمائی کیلئے یہی چیزیں پیش کرتے رہے مگر زیادہ تر لوگوں نے اُن کا انکار کیا اور جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے کہ ان کی اکثریت شرک میں ہی مبتلا رہی اور ایمان نہ لائی، دنیا کی تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ ہر زمانے میں نافرمان، اللہ تعالیٰ کے باغی، مشرک اور کافر اکثریت میں رہے ہیں، جب کہ اطاعت گزار لوگوں کی تعداد کم رہی ہے، بہر حال فرمایا کہ: ہم نے اپنے پیغمبروں کو بھیجا، انہوں نے اپنی اپنی قوموں کو اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچایا، مگر جب وہ ایمان نہ لائے، بلکہ الٹا اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں کو جادوگر اور جھوٹا کہا تو پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے اُن مجرموں سے ان غلط باتوں کا انتقام لیا، یعنی انہوں نے پیغمبروں کے ماننے سے انکار کیا تو سزا کے حقدار ٹھہرے، اللہ تعالیٰ نے کچھ انتقام تو دنیا میں ہی لیا، جیسے عاد علیہ السلام کی قوم، ثمود علیہ السلام کی قوم، نوح علیہ السلام کی قوم، لوط علیہ السلام کی قوم اور ابراہیم علیہ السلام کی قوم کو دنیا میں بھی تباہ و برباد کیا اور آخرت میں بھی انہیں مکمل طور پر عذاب دیا جائے گا، یعنی: وہاں انہیں ان کے عملوں کی پوری پوری سزا دی جائے گی۔

فَانْتَقَمْنَا مِنَ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا وَ كَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ: ہم نے مجرموں، یعنی: کافروں سے انتقام لیا اور ہمارے ذمہ تھا کہ ہم مؤمنین کی مدد کرتے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: مجرموں سے تو ہم نے انتقام لیا اور ہم نے مؤمنوں کی مدد کی جو ہم پر حق ہے اور کفر و اسلام کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کی مدد فرمائی اور مشرکوں پر غلبہ عطا فرمایا، اس آیت سے معلوم ہوا کہ مؤمنین کی مدد کرنا اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے اپنے ذمہ لے لیا ہے، اس بات سے ظاہری طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کو کافروں کے مقابلے میں کبھی شکست نہ ہو، حالانکہ بہت سے واقعات اس کے خلاف بھی ہوئے ہیں اور ہوتے رہتے ہیں؟، اس کا جواب خود اسی آیت میں موجود ہے کہ مؤمنین سے مراد وہ مجاہدین ہیں جو خالص اللہ تعالیٰ کیلئے کافروں سے جنگ کرتے ہیں، ایسے لوگوں کا ہی انتقام اللہ تعالیٰ مجرموں سے لیتے ہیں اور ان کو غالب کرتے ہیں، جہاں کہیں اس کے خلاف کوئی صورت پیش آتی ہے وہاں عموماً مجاہدین کی کوئی لغزش ان کی شکست کا سبب بنتی ہے، جیسے اُحد کی

جنگ کے متعلق خود قرآن کریم میں ہے کہ شیطان نے ان لوگوں کو پھیلا دیا، ایسے حالات میں بھی آخر کار اللہ تعالیٰ پھر ایمان والوں کو غلبہ عطا فرما دیتے ہیں جبکہ ان کو اپنی غلطی کا احساس ہو جائے، جیسا کہ اُحد کی جنگ میں ہوا، اور جو لوگ محض اپنا نام مؤمن مسلمان رکھ لیں، اللہ تعالیٰ کے حکموں سے غفلت کے عادی ہوں اور کافروں کے غلبہ کے وقت بھی اپنے گناہوں سے توبہ نہ کریں تو وہ اس وعدہ میں شامل نہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کی مدد کے بھی حقدار نہیں ہیں۔

رحمت کی بارش

اَللّٰهُ الَّذِیْ یُرْسِلُ الرِّیٰحَ فَتُثِیْرُ سَحَابًا فَیَبْسُطُهٗ فِی السَّمَآءِ

اللہ وہ ذات ہے جو بھیجتا ہے ہوائیں پس اٹھاتی ہیں وہ بادل پھر پھیلاتا ہے وہ اسے میں آسمان

کَیْفَ یَشَآءُ وَ یَجْعَلُهٗ کِسَفًا فَتَرَی الْوَدْقَ یَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ ۚ

جس طرح چاہتا ہے اور کر دیتا ہے اسے تہہ بہ تہہ پس دیکھیں آپ مینہ کو نکلتا ہے سے درمیان اس کے

فَاِذَاۤ اَصَابَ بِهٖ مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖۤ اِذَا هُمْ یَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿۴۸﴾ۚ

پس جب پہنچاتا ہے اسے جسے چاہتا ہے سے بندوں اپنے اچانک وہ خوشیاں منانے لگتے ہیں (۴۸)

وَ اِنْ کَانُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ یُّنَزَّلَ عَلَیْهِمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمُبْلِسِیْنَ ﴿۴۹﴾

اور البتہ تھے وہ سے پہلے کہ اُتارا جائے وہ پر ان سے پہلے اس ناامید (۴۹)

بامحاورہ ترجمہ: اللہ تعالیٰ ہی ہے جو ہوائیں چلاتا ہے پھر وہ بادل اٹھاتی ہیں، پھر اللہ تعالیٰ اس کو آسمان میں پھیلا دیتا ہے جس طرح چاہے اور اس کو تہہ بہ تہہ رکھتا ہے پھر آپ مینہ کو دیکھیں کہ اس کے بیچ میں سے نکلتا ہے، پھر جب وہ اس کو اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے پہنچاتا ہے تبھی وہ خوشیاں کرنے لگتے ہیں۔ (۴۸) اور اگرچہ وہ اس کے اترنے سے پہلے مایوس ہو رہے تھے۔ (۴۹)

لفظی تحقیق: مُبْلِسِیْنَ: مایوس۔ ابلاس سے اسم فاعل ہے جس کے معنیٰ ہیں مایوس ہو جانے والا۔

تفسیر

مصیبت کے بعد راحت، دکھ کے بعد آرام، دنیا کا قاعدہ ہے اور یہ قاعدہ اللہ تعالیٰ نے مقرر کیا ہے، اس کو سمجھنا ہے تو گرمی اور خشکی کی شدت کے بعد بارش کے اترنے پر غور کرو، کہ گرمی کی شدت سے بوکھلائے جا رہے تھے، زمین جھلسی پڑی تھی، اتنے میں اللہ تعالیٰ نے موسمی ہوائیں چلائیں جو بادلوں کو اِدھر سے اُدھر گھیر لائیں، پھر وہ بادل ایک دوسرے پر تہہ بہ تہہ جم گئے اور ان کے اندر سے مینہ برسنا شروع ہو گیا، اس سے تھوڑی ہی دیر پہلے اس بلا کی گرمی تھی کہ ہوش وحواس گم تھے، لوگ ناامید بیٹھے تھے، بارش آتے ہی چہروں پر رونق آ گئی اور لگے خوشیاں منانے، یہ حالات تم نے اپنی آنکھوں سے دیکھیں ہیں، پھر کیوں نہیں سمجھتے کہ مصیبت چند روزہ ہے، اچھے دن آنے والے ہیں، علامتیں شروع ہو چکی ہیں، تھوڑے ہی دن میں اسلام کا غلبہ ہو جائے گا اور دشمن منہ کی کھائیں گے۔

انسان کی بے صبری

فَانْظُرْ اِلٰٓى اٰثٰرِ رَحْمَتِ اللّٰهِ كَيْفَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ

پس دیکھ طرف نشانیاں رحمت اللہ کی کیسے زندہ کرتا ہے زمین کو بعد مرجانے اس کے

اِنَّ ذٰلِكَ لَمُحْيِ الْمَوْتٰى ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۵۰﴾ وَلَئِنْ

تحقیق وہی البتہ زندہ کرنیوالا ہے مُردوں کو اور وہ پر ہر چیز کے قدرت رکھتا ہے(۵۰) اور البتہ اگر

اَرْسَلْنَا رِيْحًا فَرَاَوْهُ مُصْفَرًّا لَّظَلُّوْا مِنْۢ بَعْدِهٖ يَكْفُرُوْنَ ﴿۵۱﴾

بھیجیں ہم ہوا پس دیکھیں کھیتی زرد البتہ لگیں اس کے بعد ناشکری کرنے والے(۵۱)

بامحاورہ ترجمہ:۔ پس دیکھو! اللہ تعالیٰ کی رحمت کی نشانیوں کی طرف کہ کس طرح وہ زندہ کرتا ہے زمین کو

اس کے مردہ (بنجر) ہونے کے بعد، بیشک وہی مردوں کو زندہ کرنے والا ہے اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔(۵۰) اور اگر ہم بھیج دیں ہوا، پس یہ دیکھیں اس (کھیت) کو زرد (کٹائی کے قابل) تو البتہ ہو جائیں گے اس کے بعد ناشکری کرنے والے۔(۵۱)

تفسیر

اس آیت میں سمجھایا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے، کوئی شے اس کے اختیار سے باہر نہیں ہے، مسلمان عارضی تنگی سے نہ گھبرائیں، جس طرح رحمت کی بارش سے پہلے گرمی اور تپش کی شدت ہوتی ہے اور لوگ ٹھنڈ سے مایوس ہو جاتے ہیں، اسی طرح یہ عارضی تکلیفیں آئندہ کی خوشحالی کا سبب ہیں، زمین گرمی کی شدت سے خشک اور مردہ ہو جاتی ہے، ہر طرف خاک اڑتی نظر آتی ہے، معلوم ہوتا ہے کہ اس کی ساری زندگی کی رگیں سوکھ گئیں ہیں، لیکن انجام پر نظر رکھنے والے دل میں جانتے ہیں کہ عنقریب بارش آئے گی اور مردہ زمین میں پھر سے جان پڑ جائے گی، یہ خشک اور مرجھائی ہوئی زمین ہری بھری اور تر و تازہ ہو جائے گی، اللہ تعالیٰ کی رحمت کا ظہور ہوگا اور ساری سختی ختم ہو جائے گی، اسی طرح تمہارے بھی دن پھریں گے، خوشی کا دور ہوگا اور دشمن منہ کی کھائیں گے، جہاں مسلمانوں کو خزاں کے بعد بہار دیکھ کے یہ سبق سیکھنا ہے کہ بھلے دن آنے والے ہیں، وہاں بے دینوں کو اس سے یہ نتیجہ نکالنا چاہئے کہ اسی طرح مردہ انسان بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دوبارہ زندہ کئے جائیں گے، بیشک اللہ تعالیٰ بڑی قدرت والا ہے، لیکن افسوس ہے کہ انسان غرض کا بندہ ہے اچھی حالت ہوئی تو خوش ہو گیا اور کوئی آفت آ پڑی تو ناشکری کرنے لگا، پھر ارشاد ہے کہ: ابھی ہم اگر ایسی ہوا چلا دیں جو ہرے بھرے کھیتوں کو جھلس دے اور وہ سوکھ کر زرد پڑ جائیں تو یہ لوگ ابھی اللہ تعالیٰ کی ناشکری پر اتر آئیں گے، حالانکہ بندوں کو ہر حالت میں اپنے رب کے حکم پر راضی، اس کی رحمت کا امیدوار اور اس کے غضب کے خوف سے ڈرتے رہنا چاہئے۔

مردہ دل کیا سنیں گے؟

فَاِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَ لَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوْا
پس تحقیق آپ نہیں سُنا سکتے مُردوں کو اور نہیں سُنا سکتے بہروں کو پکار جب وہ مُڑ جائیں
مُدْبِرِیْنَ ﴿۵۲﴾ وَ مَآ اَنْتَ بِهٰدِ الْعُمْیِ عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ ؕ اِنْ تُسْمِعُ
پیٹھ پھیر کر (۵۲) اور نہیں آپ راہ پر لانیوالے اندھوں کو سے گمراہی ان کی نہیں سُنا سکتے آپ
اِلَّا مَنْ یُّؤْمِنُ بِاٰیٰتِنَا فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۵۳﴾ ع ۵/۱۳/۸
مگر اسی کو جو یقین کرے باتوں ہماری کا پس وہ اسلام لاتے والے ہیں (۵۳)

بامحارہ ترجمہ:۔ بیشک آپ مُردوں کو نہیں سنا سکتے اور آپ بہروں کو بھی نہیں سنا سکتے، جب وہ پیٹھ پھیر کر جارہے ہوں۔ (۵۲) اور آپ اندھوں کو ہدایت نہیں دے سکتے ان کی گمراہی سے، آپ اسی کو سنا سکتے ہیں جو ایمان رکھتے ہیں ہماری آیتوں پر پس وہ فرمانبرداری کرنے والے ہیں۔ (۵۳)

تفسیر

ان آیتوں میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تسلی دی جارہی ہے کہ جو باتیں آپ کو وحی کے ذریعے بتائی جارہی ہیں وہ بالکل درست ہیں، آپ ان کو لوگوں کے سامنے دہرائے جاؤ اور اپنے ماننے والوں کے ساتھ مل کر ان پر عمل کرنے کا طریقہ پیش کئے جاؤ اور جو آپ کی نہیں سنتے اور نہ آپ کے کام کے طریقے کو دیکھتے ہیں، ان کے دل مردہ، ان کے کان بہرے اور ان کی آنکھیں اندھی ہو چکی ہیں، یہ ظاہر میں چلتے پھرتے، سنتے اور دیکھتے ہیں تو کیا ہے؟ زندگی کی اصل روح اور خوشی کا انہیں کوئی پتہ نہیں، انہیں ایسے کاموں کا چسکا پڑ گیا ہے جو بظاہر اچھے معلوم ہوتے ہیں، لیکن اصل میں تباہی کا ذریعہ ہیں، ان کی روح مردوں کی طرح بے حس و حرکت ہو چکی، ان کے کانوں میں حق کی آواز

نہیں جاتی، ان کی آنکھیں سیدھی راہ نہیں دیکھ سکتیں، ان دل کے اندھوں اور مُردوں میں کوئی فرق نہیں ہے، جیسے آپ اپنی آواز کی پکار مُردوں کو نہیں سنا سکتے ایسے ہی انہیں بھی نہیں سنا سکتے، آپ کی باتیں تو وہی سنیں گے جو ہماری آیتوں کو سچا مانتے ہیں اور یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اسلام قبول کیا اور ایمان والے ہیں۔

فَاِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى: بیشک آپ نہیں سنا سکتے مُردوں کو، فرمایا: جیسے مُردے آپ کی پکار نہیں سنتے اسی طرح بہروں کو بھی اپنی پکار نہیں سنا سکتے جب کہ ان کی پیٹھ آپ کی طرف ہو اور آپ اندھوں کو بھی ان کی گمراہی سے ہدایت کی طرف نہیں لا سکتے، آپ تو صرف انہی کو سنا سکتے ہو جو ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں اور فرمانبرداری کرتے ہیں۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کا پیغام لوگوں تک پہنچانے اور انہیں کفر و شرک کے اندھیروں سے نکال کر اسلام کی طرف لانے کی پوری پوری کوشش فرماتے تھے، اس کے باوجود جب لوگ آپ کی بات ماننے کیلئے تیار نہ ہوتے تو آپ سخت غمگین ہو جاتے، اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی ہے کہ مُردوں اور بہروں کو سنانا یا اندھوں کو سیدھے راستے پر لانا آپ کے بس کی بات نہیں، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات تو وہ شخص سنے گا جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتا ہے اور ہمارے حکموں کی اطاعت کرتا ہے، دراصل اللہ تعالیٰ نے کافروں اور مشرکوں کو مُردوں، بہروں اور اندھوں سے تشبیہ دی ہے کہ یہ لوگ نہ سن سکتے ہیں اور نہ دیکھ سکتے ہیں، مُردوں سے مراد حقیقی مردے نہیں، بلکہ چلتے پھرتے افراد، یعنی: مشرک مراد ہیں، جن کے دل مردہ ہو چکے ہیں اور ان پر ہماری آیتوں کا کچھ اثر نہیں ہوتا، گویا اس سننے سے وہ سننا مراد ہے جو کافروں اور مشرکوں کیلئے مفید ہو، وگرنہ محض ان کے سننے سے تو انکار نہیں کیا جا سکتا، بلاشبہ کافر اور مشرک سنتے تھے اور دیکھتے بھی تھے، مگر اللہ تعالیٰ کے احکام سُن کر بھی ایمان نہیں لاتے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی وجہ سے غمگین ہو جاتے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا آپ ان کو نہیں سنا سکتے، یعنی: ہدایت کے راستے پر نہیں لا سکتے۔

اللہ تعالیٰ کی قدرت ہے کہ وہ کسی مردہ کو زندہ کر دے مگر آپ کو یہ قدرت حاصل نہیں کہ کسی مردہ کو زندہ کر سکو اور

اپنی بات سنا سکو، اللہ تعالیٰ چاہے تو سب کچھ ہو سکتا ہے، اسی طرح آپ نہ بہروں کو سنا سکتے ہیں اور نہ اندھوں کو دکھا سکتے ہیں، خصوصاً جبکہ وہ سننے اور دیکھنے کا ارادہ بھی نہ رکھتے ہوں؛ لہٰذا آپ ان کافروں اور مشرکوں کے متعلق دل برداشتہ نہ ہوں، بلکہ دعوت وتبلیغ کا کام جاری رکھیں، آپ کی بات وہی سنے گا جو ہماری آیتوں پر یقین رکھتا ہے اور اطاعت گزار ہے۔

جیسا کہ پہلے عرض کیا ہے کہ عام مُردوں کے سننے کے متعلق تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے زمانہ سے اختلاف چلا آرہا ہے، لہٰذا ہمیں اس مسئلہ میں زیادہ بحث کرنے کی ضرورت نہیں ہے، البتہ وفات کے بعد پیغمبر کے سننے کا مسئلہ متفق علیہ ہے، امت کے تمام فرقے اور علماء اس بات پر متفق ہیں کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سنتے ہیں، صحیح حدیث کے الفاظ یہ ہیں کہ "آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: جو شخص میری قبر کے قریب صلوٰۃ وسلام پڑھتا ہے میں اس کو خود سنتا ہوں اور جو دور سے پڑھتا ہے تو فرشتے میرے پاس اسے پہنچا دیتے ہیں" یہ حدیث اگرچہ غریب ہے، مگر سند کے لحاظ سے صحیح ہے۔

انسان کی پیدائش

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ ضُعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ ضُعْفٍ
اللہ　جس نے　پیدا کیا تمہیں　سے　کمزوری　پھر　دے دی　سے　بعد　کمزوری کے

قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ ضُعْفًا وَّ شَيْبَةً ؕ يَخْلُقُ مَا
قوت　پھر　دی　سے　بعد　قوت کے　کمزوری　اور　بڑھاپا　بناتا ہے　جو

يَشَآءُ ۚ وَ هُوَ الْعَلِيْمُ الْقَدِيْرُ ﴿۵۴﴾ وَ يَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يُقْسِمُ
چاہے　اور　وہ　جاننے والا　قدرت والا ہے (۵۴)　اور جس دن　قائم ہوگی　قیامت　قسم کھائیں گے

الْمُجْرِمُوْنَ ۙ۬ مَا لَبِثُوْا غَيْرَ سَاعَةٍ ؕ كَذٰلِكَ كَانُوْا يُؤْفَكُوْنَ ﴿۵۵﴾
مجرم　نہیں　ٹھہرے وہ　سوا　ایک گھڑی کے　اسی طرح　تھے وہ　اُلٹے چلا کرتے (۵۵)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے تمہیں کمزور پیدا کیا پھر کمزوری کے بعد طاقت دی پھر طاقت کے بعد کمزوری اور بڑھاپا دیا، بناتا ہے جو کچھ چاہے اور وہی ہے سب کچھ جاننے والا قدرت رکھنے والا۔ (۵۴) اور جس دن قیامت قائم ہوگی مجرم قسمیں کھائیں گے کہ ہم (دنیا میں) ایک گھڑی سے زیادہ نہیں رہے اسی طرح وہ دنیا میں الٹے چلا کرتے تھے۔(۵۵)

تفسیر

اللہ تعالیٰ کی قدرت کو صحیح طور پر سمجھنے والے اس بات میں ذرا شک وشبہ کی گنجائش نہیں سمجھتے کہ کمزور آگے چل کر زور آور اور طاقت والے گھٹ کر ضعیف اور ناتواں ہو سکتے ہیں، اگر کسی کو اس میں شبہ ہو تو اسے اس آیت میں خبردار کیا جا رہا ہے کہ تم نہیں دیکھتے کی پیدائش کے وقت انسان کس قدر کمزور ہوتا ہے، ہاتھ پاؤں مارتے رہنے کے سوا کچھ نہیں کرسکتا، پھر آہستہ آہستہ اس میں قوت آنی شروع ہوتی ہے، ایک عرصہ جوان رہتا ہے پھر اس کے بعد قوت گھٹنی شروع ہوتی ہے اور بڑھاپا آجاتا ہے، بال سفید ہو جاتے ہیں، اس سے سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ میں سب قدرت ہے، مگر مشرک لوگ واقعات سے ٹھیک نتیجے نہیں نکالتے، ہمیشہ ٹیڑھے ہی چلتے ہیں، قیامت کی مصیبتیں دیکھ کر بھی اسی طرح غلط بات کہیں گے کہ ہائے دنیا تو بہت جلد ختم ہوگئی، ہم تو وہاں گھڑی بھر ہی رہے ہوں گے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے انسان کی پیدائش اور اس پر آنے والے تین مختلف حالات کا ذکر کیا ہے، فرمایا: اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے تمہیں کمزوری کی حالت میں پیدا فرمایا، پھر تم میں قوت پیدا کردی، بچپن سے لے کر جوانی تک انسان نسبتاً کمزور حالت میں ہوتا ہے، پھر جب جوانی کو پہنچتا ہے تو اس میں قوت آجاتی ہے، یہی زمانہ انسان کیلئے قیمتی سرمایہ ہوتا ہے، جوانی میں انسان کی ساری قوتیں ٹھیک سے کام کرتی ہیں، وہ بہتر سوچ سکتا ہے، اللہ تعالیٰ کی عبادت اچھے طریقے سے کرسکتا ہے، محنت مشقت کر کے اپنے لئے خوشحالی کا سامان پیدا کرسکتا ہے، گویا اس بہترین دور میں وہ دنیا اور آخرت دونوں کیلئے بہتر طور پر کام کرسکتا ہے، اسی لئے فرمایا کہ تمہاری بچپن کی

کمزوری کو ہم نے طاقت میں بدل دیا۔

پھر اللہ تعالیٰ نے قوت کے بعد کمزوری اور بڑھاپے کو پیدا کر دیا، جب جوانی کا زمانہ ختم ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ انسان پر بڑھاپا بھیج دیتا ہے، اس کے بال سفید ہوجاتے ہیں اور اعضاء کمزور ہوجاتے ہیں، اس زمانے میں بہترین خوراک بھی انسان کیلئے فائدہ مند ثابت نہیں ہوتی، ہاتھ اور پاؤں کمزور ہوجاتے ہیں، جسم میں طاقت نہیں رہتی، دیکھنے، سننے اور سمجھنے کی صلاحیت کم ہوجاتی ہے۔

وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يُقْسِمُ الْمُجْرِمُوْنَ: اور جس دن قیامت قائم ہوگی مجرم قسمیں کھائیں گے، اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے قیامت کا کچھ حال بیان کیا ہے کہ جس دن قیامت ظاہر ہوگی، اس دن گناہ گار لوگ قسمیں اٹھا کر کہیں گے کہ ہم دنیا میں گھڑی بھر کے سوا نہیں ٹھہرے، جب قیامت والے دن گناہ گار سے پوچھا جائے گا کہ تم گناہوں کے اتنے بڑے بڑے انبار لے کر آئے ہو، بھلا! بتاؤ تو وہاں کتنا عرصہ زندگی بسر کی؟ تو وہ جواب دیں گے کہ ہم تو بس زیادہ سے زیادہ ایک گھڑی بھر ٹھہرے ہیں، اتنے تھوڑے وقت میں ہم پر کوئی حجت قائم نہیں ہوتی؛ لہٰذا ہمیں پوچھ گچھ سے معاف کیا جائے، بعض مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ: گنہگار لوگ آخرت کی دائمی زندگی کے مقابلہ میں دنیا کی پچاس یا سو سالہ زندگی کو بالکل کم، یعنی: ایک گھڑی کے برابر سمجھ کر یہ کہیں گے۔

یہ مجرم قیامت کے منکر اس وقت کے ہولناک منظر کو دیکھ کر ان کے ہوش وحواس اڑ جائیں گے اور یہ قسمیں کھانے لگیں گے کہ ہم تو میں ایک گھڑی سے زیادہ نہیں رہے، ہوسکتا ہے کہ اس رہنے سے دنیا کا رہنا مراد ہو، کیونکہ ان کی دنیا آرام وعیش سے گزری تھی اور اب سخت مصیبتیں سامنے آئیں تو جیسے انسان کی طبعی عادت ہے کہ راحت وآرام کے زمانے کو بہت مختصر سمجھا کرتا ہے، اس لئے قسمیں کھا جائیں گے کہ دنیا میں تو ہمارا رہنا بہت ہی مختصر، یعنی: ایک گھڑی بھر کا تھا۔

اور یہ بھی ہوسکتا ہے اس رہنے سے مراد قبر اور برزخ کا رہنا ہو اور مطلب یہ ہو کہ ہم تو سمجھتے تھے کہ قبر میں قیام بہت طویل ہوگا اور قیامت بہت زمانہ کے بعد آئے گی، مگر معاملہ الٹ ہوگیا کہ ہم قبر میں تھوڑی ہی دیر

ٹھہرنے پائے تھے کہ قیامت آگئی اور یہ جلدی آنا ان کو اس بناء پر محسوس ہوگا کہ قیامت میں ان کیلئے کوئی خوشی و راحت کی چیز تو ہوگی نہیں، مصیبت ہی مصیبت ہوگی، اور انسانی فطرت یہ ہے کہ مصیبت آنے کے وقت پچھلی راحت کے زمانے کو بہت مختصر سمجھنے لگتا ہے اور کافروں کو اگرچہ قبر میں بھی عذاب ہوگا، مگر قیامت کے عذاب کے مقابلے میں انہیں اسمیں بھی راحت محسوس ہونے لگے گی اور اس زمانے کو مختصر سمجھ کر قسمیں کھانے لگیں گے کہ قبر میں ہمارا قیام بہت مختصر، یعنی: ایک گھڑی کا تھا۔

صحیح نتیجہ

وَ قَالَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَ الْاِیْمَانَ لَقَدْ لَبِثْتُمْ فِیْ كِتٰبِ
اور کہیں گے وہ جنہیں دیا گیا علم اور ایمان البتہ تحقیق ٹھہرے تم میں کتاب

اللّٰهِ اِلٰى یَوْمِ الْبَعْثِ٘ فَهٰذَا یَوْمُ الْبَعْثِ وَ لٰكِنَّكُمْ كُنْتُمْ
اللہ کی تک دن جی اٹھنے کے پس یہ دن ہے دوبارہ اٹھنے کا اور لیکن تھے تم

لَا تَعْلَمُوْنَ۝۵۶ فَیَوْمَىٕذٍ لَّا یَنْفَعُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مَعْذِرَتُهُمْ وَ
نہیں جانتے (۵۶) پس اس دن نہ نفع دے گی ان کو جنہوں نے ظلم کیا معافی ان کی اور

لَا هُمْ یُسْتَعْتَبُوْنَ۝۵۷
نہ ان سے منانا طلب کیا جائے گا (۵۷)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور کہیں گے وہ لوگ جنہیں علم اور ایمان ملا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب میں تمہارا ٹھہرنا دوبارہ جی اٹھنے کے دن تک تھا سو یہ دوبارہ جی اٹھنے کا دن ہے، لیکن تم نہیں جانتے تھے۔ (۵۶) سو! اس دن قصور بخشوانا ان ظالموں کے کام نہ آئے گا اور نہ اللہ تعالیٰ ان سے یہ چاہیں گے وہ اُسے منالیں۔ (۵۷)

تفسیر

ارشاد ہوا کہ: اللہ تعالیٰ کے نافرمان بندے اور اس کا انکار کرنے والے قیامت کا ہولناک منظر دیکھ کر ست پٹا جائیں گے اور کہیں گے کہ ہائے افسوس! دنیا کس قدر جلد گزر گئی، ہم تو وہاں ایک ہی گھڑی رہنے پائے، ارشاد ہے کہ: اللہ تعالیٰ کے سمجھدار بندے جو اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہیں، ان سے کہیں گے کہ تم آج کی ڈراونی فضاء سے سہم کر اس طرح بوکھلا گئے ہو جیسے دنیا کی عارضی چہل پہل نے تمہیں دنیا کے اندر غفلت میں پھنسا دیا تھا اور دونوں حالتوں میں تم غلط نتیجہ پر پہنچے، سنو! اللہ تعالیٰ کے علم اور کتاب کے مطابق تم دنیا میں قیامت تک رہے اور یہ مدت سوچ سمجھ کر ٹھیک نتیجے نکالنے کیلئے کافی تھی، آج کا دن وہی قیامت کا دن ہے جس کے آنے کی تمہیں خبر دی گئی تھی، لیکن تم نے اپنے پیغمبر کے کہنے کی کچھ پرواہ نہ کی۔

تم نے قرآن مجید کی آیتوں کو ٹھیک طرح سننے اور سمجھنے کی کوشش نہ کی اور دنیا کے کھیل تماشوں میں ایسے اُلجھے کہ اُنہی کے ہو رہے، اگر تم دنیا میں سوچتے سمجھتے تو آج کے دن کیلئے تیاری کرتے، اب تو اس کا موقع گیا، آج تم اپنی غفلت کا کوئی معقول عذر پیش نہیں کر سکتے اور نہ اس کا موقع ہے کہ تم سے کہا جائے کہ توبہ اور استغفار کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی رضاء حاصل کر لو، یہ تو دنیا ہی میں ہو سکتا تھا، آج عمل کا نہیں بلکہ عملوں کی جزا اور سزا کا دن ہے۔

پوری بات واضح ہوگئی

وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ؕ وَلَئِنْ

اور البتہ تحقیق بیان کردی ہم نے لئے لوگوں کے میں اس قرآن ہر طرح کی کہاوتیں اور البتہ اگر آئیں

جِئْتَهُمْ بِاٰيَةٍ لَّيَقُوْلَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُبْطِلُوْنَ ﴿۵۸﴾

پاس آپ انکے ساتھ نشانی البتہ کہیں گے یہ لوگ جنہوں نے کفر کیا نہیں تم مگر جھوٹ بنانے والے (۵۸)

كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۵۹﴾ فَاصْبِرْ
اس طرح مہر لگاتا ہے اللہ پر دلوں ان لوگوں کے نہیں جو جانتے (۵۹) پس جم جا

عِ ۶ ۹ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّ لَا يَسْتَخِفَّنَّكَ الَّذِيْنَ لَا يُوْقِنُوْنَ ﴿۶۰﴾
بیشک وعدہ اللہ کا حق ہے اور نہ ہلانے پائیں آپ کو وہ لوگ نہیں یقین کرتے (۶۰)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور ہم نے اس قرآن میں آدمیوں کے واسطے ہر طرح کی مثال بیان کر دی ہیں اور جو آپ ان کے پاس کوئی آیت لائیں تو ضرور کہیں گے یہ منکر، تم سب جھوٹ بناتے ہو۔ (۵۸) اللہ تعالیٰ ان کے دلوں پر جو سمجھ نہیں رکھتے یوں ہی مہر لگا دیتا ہے۔ (۵۹) بیشک آپ صبر کریں اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے اور جو لوگ یقین نہیں رکھتے آپ کو اکھاڑ نہ دیں۔ (۶۰)

تفسیر

ارشاد ہے کہ: ہم نے اس قرآن میں طرح طرح کی مثالوں اور دلیلوں سے انسانوں کو ان کے فائدہ کی باتیں سمجھا دی ہیں اور ہر ایک کو اتنی عقل دی ہے کہ انہیں سمجھ جائے، اسے یاد رکھنا چاہئے کہ ان باتوں کے سمجھنے اور ان پر عمل کرنے کا موقعہ فقط اسی دنیا کی زندگی میں ہے، اگر یہ وقت بیکار باتوں اور کھیل کود میں گنوا دیا تو پھر نجات کی کوئی صورت نہیں، افسوس کہ! یہ نادان لوگ اس موقعہ کو کھو رہے ہیں، ان کے پاس کیسی ہی واضح دلیلیں یا کیسا ہی معجزہ لے کر کوئی آئے تو یہ یہی کہتے رہیں گے کہ یہ لوگ یعنی مسلمان اور ان کا پیغمبر بے حقیقت جھوٹ باتیں دل سے گھڑ گھڑ کر سناتے رہتے ہیں، جو لوگ سمجھ سے ٹھیک کام نہیں لیتے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے دلوں پر مہر لگ جاتی ہے اور ٹھیک بات ان کے اندر جانے ہی نہیں پاتی، بہرحال پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ماننے والو تم اپنے دین پر جمے رہو اور لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے ٹھیک راستہ کی طرف بلاتے رہو، بیشک اللہ تعالیٰ کا وعدہ پورا ہو کر رہے گا، تم پورے بھروسہ کیساتھ اپنا کام کئے جاؤ، دیکھو یہ کافر مشرک لوگ پختہ یقین والوں کو ان کی جگہ سے نہ ہلانے

پائیں، آخرکار پختہ یقین والے ہی کامیاب ہوں گے۔

وَ لَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ: اور ہم نے اس قرآن میں لوگوں کے واسطے ہر قسم کی مثالیں بیان کردی ہیں: عربی زبان میں ضرب کا معنیٰ مارنا، سفر کرنا اور بیان کرنا بھی ہوتا ہے، اس مقام پر مُراد بیان کرنا ہی ہے، اللہ تعالیٰ نے مختلف سورتوں میں سمجھانے کیلئے بہت سی مثالیں بیان فرمائی ہیں، چنانچہ اگلی سورۃ لقمان میں توحید سے متعلق مثال بیان کی گئی ہے، اسی طرح منافقوں اور کافروں کے طرزِ عمل کی مثالیں اللہ تعالیٰ نے مختلف سورتوں میں بیان فرمائی ہیں، حق و باطل کی مثال، مؤمن اور کافر کی مثال، یہودیوں کے علماء کی مثال، دنیا کی زندگی کی مثال، کلمہ طیبہ اور کلمہ خبیثہ کی مثال اور ریاکاری وغیرہ کی مثالیں مختلف سورتوں میں بیان ہوئی ہیں، اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: ہم نے لوگوں کو سمجھانے کیلئے بہت سی مثالیں بیان کی ہیں، کسی مسئلہ میں مثال کی ضرورت اس لئے پیش آتی ہے تاکہ مقصد کی وضاحت ہوجائے، بعض موٹے موٹے مسئلے تو آسانی سے سمجھ میں آجاتے ہیں لیکن بعض باریک چیزوں کو مثال کے ذریعے سمجھایا جاتا ہے۔

وَ لَئِنْ جِئْتَهُمْ بِاٰيَةٍ: اگر آپ ان کافروں اور مشرکوں کے پاس کوئی نشانی لیکر آئیں، کوئی معجزہ یا دلیل پیش کریں تو کافر لوگ یہی کہیں گے کہ تم غلط راستہ پر ہو، یہ کافر لوگ سچ کو غلط کہہ کر انکار کردیں گے، مطلب یہ کہ ہٹ دھرم اور بدعقیدہ لوگوں کے سامنے کوئی مثال یا کوئی نشانی پیش کی جائے تو وہ اپنی ضد اور مخالفت کی وجہ سے کسی چیز کو ماننے کیلئے تیار نہیں ہوتے بلکہ ان کے کفر میں اضافہ ہوجاتا ہے، حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کے سچے کلام کو بھی من گھڑت کہہ کر ماننے سے انکار کردیتے ہیں۔

كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ: اللہ تعالیٰ ان کے دلوں پر جو سمجھ نہیں رکھتے یوں مُہر لگا دیتا ہے، فرمایا: اسی طرح اللہ تعالیٰ مُہر کردیتا ہے ان کے دلوں پر جو سمجھ نہیں رکھتے، بلکہ ضد اور ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کرتے ہیں، نہ ان کے پاس حقیقی علم ہے اور نہ وہ حقیقت کی سمجھ رکھتے ہیں، محض ضد سے کام لیتے ہیں، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے دلوں پر ایسا ٹھپہ لگا دیتا ہے کہ پھر وہ سیدھے راستے کی طرف آتے ہی نہیں۔

سورۃ لقمان کا خلاصہ

لقمان کا نام عرب کے لوگ ادب سے لیتے تھے اور ان کے نام سے بہت سی کہانیاں مشہور تھیں، ان کے بارے میں کہا جاتا تھا کہ یہ ایک حبشی غلام تھے اور اپنی عقل سے کام لیکر دنیا میں جو کچھ دیکھتے تھے ان سے ایسے نتیجے نکالتے کہ جو انسان کی زندگی میں فائدہ مند ہوں اور لوگوں کو ان کے مطابق عمل کرنے کی نصیحت کرتے تھے، بعد میں ان کی نصیحتیں عرب کے لوگوں میں قصے کہانیوں کی طرح رہ گئیں۔

قرآن مجید نے ان کی نصیحتوں میں سے جو اعلیٰ درجے کی نصیحتیں تھیں اور جن کا ماننا انسان کیلئے فائدہ مند تھا، ان کو اس سورۃ میں ہمیشہ کیلئے محفوظ کردیا اور عرب کو توجہ دلائی کہ ان کو محض کہانیوں کی طرح سننے سنانے سے کچھ فائدہ نہیں، بلکہ ان پر عمل کرو اور ان کے مطابق اپنا چال چلن اور آپس کا برتاؤ درست کرو، لقمان کا ذکر تورات میں نہیں ہے، لیکن قرآن مجید تو کسی خاص **ملک یا** قوم کیساتھ مخصوص نہیں، بلکہ یہ تو انسان کو ہر اچھی بات قبول کرنے کی ہدایت کرتا ہے۔

پچھلی قوموں کی باتوں کو محض دل لگی اور تفریح کی کہانیوں کی طرح مت پڑھو، ان کے حالات محض وقت گزارنے کا ذریعہ سمجھ کر مت سنو، بلکہ ان سے نصیحت حاصل کرو، جو غلطیاں ان سے ہوئیں، ان سے بچو اور جو اچھی باتیں انہوں نے کیں اُن کو اختیار کرو، اس سورۃ میں کہا گیا ہے کہ پہلا کام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو پہچانو، شرک اور کفر سے توبہ کرو، اس کے بعد اس سے ڈر کر بُرے کاموں سے پرہیز کرو، ہر ایک زمانے کے سمجھدار لوگ یہی کہتے چلے آئے ہیں کہ انسان کیلئے بعض کام مفید ہیں اور بعض نقصان دہ، انہی کا خلاصہ قرآن کریم میں دیا گیا ہے، بعض لوگوں کی باتیں تو جوں کی توں نقل کردی گئی ہیں اور بعض لوگوں کے حالات بیان کئے ہیں کہ لوگ ان سے نصیحت حاصل کریں۔

اٰیاتھا ـ ۳۴ سُوْرَةُ لُقْمٰنَ مَكِّيَّةٌ رکوعاتھا ـ ۴

سورۃ لقمان مکی ہے۔ اس میں چونتیس آیتیں اور چار رکوع ہیں۔

قرآن ہدایت ہے

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓمّٓ ۞ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ۞ هُدًى وَّ رَحْمَةً

الف لام میم (۱) یہ آیتیں ہیں کتاب پرحکمت کی (۲) ہدایت اور رحمت

لِّلْمُحْسِنِيْنَ ۞ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَ

واسطے اچھے کام کرنے والوں کے (۳) جو قائم رکھتے ہیں نماز اور دیتے ہیں زکوٰۃ اور

هُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۞ اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ

وہ پر آخرت وہی یقین رکھتے ہیں (۴) یہی لوگ پر ہدایت طرف سے رب کے کی اور

اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۞

یہ لوگ یہی ہیں کامیابی پانے والے (۵)

بامحاورہ ترجمہ: الٓمّٓ ۔ (۱) یہ آیتیں ہیں حکمت والی کتاب کی۔ (۲) یہ ہدایت اور رحمت ہے نیکی کرنے والوں کیلیے۔ (۳) جو قائم رکھتے ہیں نماز کو اور ادا کرتے ہیں زکوٰۃ کو اور وہ آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔ (۴) یہی لوگ ہیں ہدایت پر اپنے رب کی طرف سے اور یہی لوگ کامیابی پانے والے ہیں۔ (۵)

تفسیر

یہ حکمت والی کتاب کی آیتیں ہیں مطلب یہ ہے کہ یہ مضبوط اور حکمت والی کتاب کی آیتیں ہیں اور نیکی کرنے

والوں کیلئے ہدایت اور رحمت ہے، جہاں تک حکمت کا تعلق ہے اس کا ذکر آگے حضرت لقمان رحمۃ اللہ علیہ کے واقعہ میں آرہا ہے، بیشک اللہ تعالیٰ کی رحمت نیکی کرنے والوں کے قریب ہوجاتی ہے، جس شخص کا عقیدہ درست ہوگا، ایمان صحیح ہوگا، توحید پر جما رہے گا، اعمال واخلاق ٹھیک ہوں گے، وہی شخص نیکی کرنے والا ہوگا اور اللہ تعالیٰ کی رحمت اس کے قریب ہوگی، بہر حال رحمت کی بنیاد ہدایت ہے، مگر اس سے فائدہ ایمان والے ہی اٹھاتے ہیں، یعنی: ہدایت متقیوں کیلئے مفید ہوتی ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے سورۃ البقرہ میں فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ جسے چاہے حکمت اور دانائی عطا کردے، اور جسے اس نے حکمت عطاء کردی اسے بہت بڑی بھلائی عطا کردی گئی۔ (آیت ۲۶۹)

اَلَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَ یُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ: جو نماز کو قائم رکھتے ہیں اور زکواۃ دیتے ہیں، نماز اللہ تعالیٰ کے قرب کا بہترین ذریعہ ہے، یہ ایسی بہترین عبادت ہے جو کئی عبادتوں کا مجموعہ ہے، نماز کے دوران انسان کی زبان پر اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا اور مناجات ہوتی ہیں، انسان کے سارے اعضاء اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مصروف ہوتے ہیں اور دل میں اللہ تعالیٰ کا ڈر ہوتا ہے، اس لئے اس کو اللہ تعالیٰ کا قرب دلانے والی اوّلین عبادت قرار دیا گیا ہے، زکوٰۃ کا ذکر اس مکی سورۃ میں آیا ہے حالانکہ زکوٰۃ ہجرت کے بعد ۲ ھ میں فرض ہوئی تھی، امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: نماز کیساتھ زکوٰۃ بھی ابتدا میں ہی فرض ہوگئی تھی اور مکی زندگی میں بھی زکوٰۃ کے طور پر کچھ نہ کچھ حصہ ادا کرنا ضروری تھا، پھر جب ہجرت کے بعد مدنی زندگی میں اسلامی ریاست قائم ہوگئی تو مال کا نصاب اور شرح ادائیگی بھی مقرر ہوگئی۔

نماز اور زکوٰۃ کے بعد نیکی کرنے والوں کی تیسری علامت یہ ہے کہ وہ آخرت پر یقین رکھتے ہیں، قیامت کے واقع ہونے اور عملوں کے بارے میں پوچھ گچھ اور جزا سزا پر ایمان لانا بھی مسلمانوں کے بنیادی عقیدے میں شامل ہے، جو شخص نماز پڑھتا ہے، زکوٰۃ دیتا ہے مگر آخرت پر یقین نہیں رکھتا تو اس کی نماز اور زکوٰۃ کا کچھ فائدہ نہیں، نیکی کرنے والوں لوگوں کو یقین ہے کہ قیامت کا دن آنے والا ہے، اس دن اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہوکر اپنے عملوں کا حساب کتاب دینا ہے، فرمایا: جن لوگوں میں یہ تین باتیں پائی جائیں گی اپنے رب کی طرف سے

وہی لوگ ہدایت پر ہوں گے، کامیابی انہی کے حصے میں آئے گی اور یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچ کر راحت کے مقام تک پہنچ جائیں گے۔

بے کار باتیں

وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ

اور کچھ لوگ وہ ہیں جوخریدتے ہیں لغو باتیں تاکہ بہکادیں سے راہ

اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۖ وَّ يَتَّخِذَهَا هُزُوًا ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝۶

اللہ کی بغیر جانے بوجھے اور ٹھہرائیں اسے ہنسی یہ لوگ ہیں لئے جن کے عذاب ہے ذلت والا (۶)

وَ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا وَلّٰى مُسْتَكْبِرًا كَاَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا كَاَنَّ

اور جب پڑھی جاتی ہیں پر اس آیتیں ہماری پیٹھ پھیرتا ہے اکڑکر گویا نہیں سنا اس نے گویا

فِيْٓ اُذُنَيْهِ وَقْرًا ۚ فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝۷

میں کانوں اسکے بوجھ ہے خوشخبری دے اسے عذاب دردناک کی (۷)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور ایک وہ لوگ ہیں کہ کھیل کی باتوں کے خریدار ہیں تا کہ اللہ تعالیٰ کی راہ سے بہکائیں بے سمجھے اور ٹھہرائیں اسے ہنسی یہ وہ لوگ ہیں جن کیلئے ذلت کا عذاب ہے۔(۶) اور جب اس کو ہماری آیتیں سنائی جائیں تو غرور سے پیٹھ پھیر جائے، گویا اس نے سنا ہی نہیں، گویا اس کے دونوں کان بہرے ہیں، پس اس کو دردناک عذاب کی خوشخبری دیدیں۔(۷)

تفسیر

انسان کو چاہئے تو یہ کہ فضول باتوں اور کھیل میں وقت ضائع کرنے سے بچے اور ان باتوں کو سنے جن میں اسکا سراسر فائدہ ہی فائدہ ہے اور یہ باتیں وہ ہیں جن کا ذکر قرآن کریم میں ہے، لیکن بعض لوگ ایسے ہیں کہ جن کو

قرآن کریم کی آیتوں سے کوئی دلچسپی نہیں، انہیں تو ناولوں، بے کار قصہ کہانیوں، ناچ گانوں، واہ واہ کے شور وغل کا چسکا پڑا ہوا ہے، ان کو فقط وقتی تفریح اور دل لگی سے کام ہے، عرب میں بھی بعض لوگ ایسے ہی تھے، وہ شاعروں سے اپنی اور اپنے قبیلہ کی تعریفیں سنتے اور خوش ہوتے، ان کے اشعار میں سوا فخر جتانے، بیہودہ جذبات ظاہر کرنے اور شیخی بھگارنے کے سوا کچھ نہ ہوتا تھا، قرآن کریم نے جب انہیں کام کی باتیں سنائیں اور پچھلے لوگوں کے حالات سے عبرت حاصل کرنے کا سبق دیا تو بعض لوگوں کو بالکل پسند نہ آیا اور کہنے لگے اس نے ہمارا سارا مزہ ہی کرکرہ کر دیا، ان لوگوں نے کہا کہ قرآن مجید کی باتیں تو پھیکی پھیکی سی ہیں ان کے سننے میں نہ مزہ نہ دلچسپی، اگر قصے ہی سننے ہیں تو ہم تمہیں اس سے زیادہ عجیب وغریب افسانے سناتے ہیں اور یہ کہہ کر ایرانیوں کی لڑائیوں کی کہانیاں ان کے بادشاہوں اور پہلوانوں کے آپس کے مقابلوں کے افسانے خرید لائے۔

اور قریش سے کہا کہ یہ قرآن کے قصے، عاد اور ثمود کی بربادی کے کیا سنتے ہو جن سے سوا رنج وغم کے کچھ حاصل نہیں ہوتا، یہ لو ایرانی بادشاہوں اور پہلوانوں کے قصے، ان کی عشق ومحبت کی داستانیں سنو، تاکہ جذبات کے اتار چڑھاؤ، جوش وخروش کے مظاہرے، زندگی کے اصل مشغلے تمہارے سامنے آئیں، جن میں تمہارا جی لگے اور لطف حاصل ہو، ان آیتوں میں ان لوگوں کی ان اخلاق کو بگاڑنے والی باتوں کا ذکر کر کے سمجھایا گیا ہے کہ ان کی فضول بکواس اور بیکار باتوں میں کیا رکھا ہے، دوسروں کی خوشی اور غم کے حالات سُن کر تھوڑی دیر کیلئے خوش ہو لئے یا جذبات سے متاثر ہو کر بے خود ہو گئے یا عشق ومحبت کی باتیں سُن کر تھوڑے سے آنسو بہا لئے تو کیا حاصل ہوا، اصل چیز تو اپنی زندگی کو سنوارنا ہے، عارضی جوش وخروش سے سوا وقت اور قوت کے فضول ضائع کرنے کے اور کچھ حاصل نہیں۔

تم دیکھتے ہو بعض لوگ اوروں کو کام کی باتوں سے روک کر فضول کاموں میں پھنسانے کیلئے فضول افسانوں اور داستانوں کی کتابیں خریدتے ہیں اور مقصد اس کے سوا کچھ نہیں کہ لوگوں کو سُنا سُنا کر ان کو بیکار مشغلوں میں وقت ضائع کرنا سکھائیں اور اس طرح انہیں اللہ تعالیٰ کی بتائی ہوئی باتوں سے روکیں اور جس راہ پر اللہ تعالیٰ انہیں چلانا چاہتا ہے اس کی ہنسی اڑائیں اور کہیں کہ اس نے تو انسان کی تفریح اور دل لگی کی ساری باتیں بند کر دیں، ہر

وقت قرآن سُنو، نماز پڑھو، محتاجوں کی مالی مدد کرو، اللہ تعالیٰ کی بندگی کرو، بس یہی چر چار ہتا ہے، یہ کوئی زندگی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ان سے کہہ دو کہ جس زندگی کی طرف تم بلا رہے ہو اسکا نتیجہ عذاب کے سوا کچھ نہیں اور عذاب بھی ایسا کہ جس سے ذلّت کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا، اُس وقت انسان محسوس کرے گا کہ ہائے میں بہت بلند درجہ حاصل کرسکتا تھا، لیکن افسوس کہ اب ہر طرح سے گیا گذرا ہوگیا، ایسے شخص کا قرآن کریم کی آیتوں میں دل ہی نہیں لگتا، جب سناؤ تبھی منہ موڑ کر چل دیتا ہے جیسے اس کے دونوں کانوں میں کچھ ٹھس رہا ہے، معلوم ہوتا ہے اس کے کان میں آیتوں کی آواز پہنچتی ہی نہیں، اس سے کہہ دو کہ تمہارے لئے بڑا دکھ بھرا عذاب تیار ہے۔

بھائیو! دیکھو، ناول، قصے، ڈرامے، غزل، افسانے، ناچ، گانے، دل لگی اور تفریح کے سامان، عشقیہ غزلیں اور نام ونہاد فنونِ لطیفہ سب لہوالحدیث، یعنی: فضول باتوں کے زمرے میں آتے ہیں، اگر ہمارا جی قرآن کریم کے سننے سنانے میں، اللہ تعالیٰ کی عبادت اور نیک کاموں میں نہیں لگتا تو یہ علامتیں بُری ہیں اللہ تعالیٰ ہمارے حال پر رحم کرے۔

جب قرآن پاک اترنے لگا اور لوگ اس سے متاثر ہونا شروع ہوئے تو مکّہ کے مشرکوں کو سخت پریشانی ہوئی اور انہوں نے اس پروگرام میں ہر طرح کی رکاوٹیں کھڑی کرنا شروع کردیں، مشرکوں میں سے ایک شخص نضر ابن حارث بن علقمہ بن کلدہ رئیس آدمی تھا، تجارت کیلئے اکثر ایران کی طرف جایا کرتا تھا، لوگوں کو قرآن کریم کی طرف متوجہ ہوتا ہوا دیکھ کر اس شخص نے کہنا شروع کیا کہ محمد تمہیں عاد اور ثمود کی قوم کے قصے سناتے ہیں، آؤ میں تمہیں بہمن، اسفندیار اور ایران کے پرانے بادشاہوں کے قصے سناؤں جو عاد اور ثمود کی کہانیوں سے کہیں زیادہ دلچسپ ہیں، پھر کہتا محمد تمہیں نماز جیسا مشکل کام بتاتے ہیں جس کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا، آؤ میں تمہیں خوش طبعی والی چیزیں بتلاؤں، جن سے کم از کم تمہیں تفریح تو حاصل ہو، مقصد یہ تھا کہ لوگ فضول کاموں میں مصروف رہیں اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی باتوں کی طرف توجہ نہ دیں، چنانچہ بعض کمزور ذہن کے لوگ اس شخص کی باتوں میں آکر اسلام کی دعوت سے منہ پھیر لیتے۔

اسی لئے مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ : ہر وہ چیز جو دین اسلام سے ہٹانے والی یا کسی گناہ کا سبب بنتی ہو ، لہو الحدیث میں شامل ہے اور جو چیزیں فرائض سے روکتی ہوں وہ ناجائز اور حرام ہیں ، حدیث شریف میں آتا ہے کہ ہر کھیل کی چیز باطل ہے ، سوائے تین چیزوں کے ، یعنی : گھڑ دوڑ ، تیر اندازی اور بیوی کیساتھ دل لگی ، مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ : دوڑ میں مقابلہ کرنا بھی جائز ہے۔

وہ کام جن میں نہ کوئی دینی فائدہ ہو اور نہ دنیاوی وہ سب کے سب فضول ہیں ، پھر ان میں تفصیل ہے ، بعض تو کفر کی حد تک پہنچ جاتے ہیں ، بعض حرام ہیں اور کم سے کم درجہ مکروہ تنزیہی ، یعنی خلاف اولیٰ ہونے کا ہے ، اور جن تین کاموں کو حدیث میں مستثنیٰ کیا گیا وہ حقیقۃً لہو نہیں ، اور جو حقیقۃً لہو ہے وہ باطل اور مذموم ہے ، آگے اس کے مذموم ہونے کے مختلف درجے ہیں :

(۱)…. جو کھیل دین سے گمراہ ہونے یا دوسروں کو گمراہ کرنے کا ذریعہ بنے وہ کفر ہے ، جیسا کہ آیت : "وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ" میں اس کا کفر ہونا بیان فرمایا گیا ہے اور اس کی سزا ذلت والا عذاب قرار دیا گیا ہے ، جو کافروں کی سزا ہے ، کیونکہ یہ آیت نضر بن حارث کے جس واقعہ پر اتری ہے اس میں اس "لَهْوَ" کو اس نے اسلام کے خلاف لوگوں کو گمراہ کرنے کیلئے استعمال کیا تھا ، اس لئے یہ لہو حرام ہونے کیساتھ کفر تک پہنچ گیا۔

(۲)…. دوسری صورت یہ ہے کہ کوئی لہو لوگوں کو اسلامی عقیدے سے تو گمراہ نہیں کرتا ، مگر ان کو کسی حرام اور گناہ میں مبتلا کرتا ہے ، وہ کفر تو نہیں ، مگر حرام اور سخت گناہ ہے ، جیسے وہ تمام کھیل جن میں قمار ، یعنی : جوا ہو ، ہار جیت پر مال کا لین دین ہو یا جو انسان کی فرض عبادات ، یعنی : نماز ، روزہ وغیرہ میں خلل ڈالنے والے ہوں۔

اس زمانے میں اکثر نوجوان فحش ناول یا جرائم پیشہ لوگوں کے حالات پر مشتمل قصے یا فحش اشعار دیکھنے کے عادی ہیں ، یہ سب چیزیں اسی قسم لہو حرام میں داخل ہیں ، اسی طرح گمراہ لوگوں کے خیالات کا مطالعہ بھی عوام کیلئے گمراہی کا سبب ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے ، اگر کوئی پختہ عالم دین ان کو جواب دینے کیلئے دیکھیں تو کوئی مضائقہ نہیں۔

(۳)…. جن کھیلوں میں نہ کوئی کفر ہے اور نہ کوئی کھلا ہوا گناہ وہ مکروہ ہیں کہ ایک بے فائدہ کام میں اپنی

توانائی اور وقت کو ضائع کرنا ہے۔

کھیلوں کے سامان کی خرید و فروخت

مذکورہ تفصیل سے کھیلوں کے سامان کی خرید و فروخت کا حکم بھی معلوم ہوگیا کہ جو سامان کفر و گمراہی یا حرام و گناہوں کے کھیلوں میں استعمال ہوتا ہے تو اس کی تجارت اور خرید و فروخت بھی حرام ہے، اور جو لہو مکروہ میں استعمال ہوتا ہے اس کی تجارت بھی مکروہ ہے اور جو سامان جائز اور مستثنیٰ کھیلوں میں استعمال ہوتا ہے تو اس کی تجارت بھی جائز ہے، اور جس سامان کو جائز اور ناجائز دونوں طرح کے کاموں میں استعمال کیا جاتا ہے اس کی تجارت جائز ہے۔

انعام و اکرام

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ جَنّٰتُ النَّعِيْمِ ﴿٨﴾

تحقیق جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے کئے اچھے کام لئے ان کے باغ ہیں نعمت پانے والے (۸)

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ۭ وَ هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿٩﴾ خَلَقَ

ہمیشہ رہیں گے میں اس وعدہ ہے اللہ کا سچا اور وہ زبردست حکمت والا (۹) پیدا کئے

السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا وَ اَلْقٰى فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ اَنْ

آسمان بغیر ستونوں کے دیکھتے ہو تم اور ڈالے میں زمین جمے ہوئے پہاڑ کہ

تَمِيْدَ بِكُمْ وَ بَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ ۭ وَ اَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ

کہیں جھک نہ پڑے تمہیں لیکر اور پھیلائے میں اس سے ہر قسم جاندار اور ہم نے اتارا سے آسمان

مَآءً فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيْمٍ ﴿١٠﴾ هٰذَا خَلْقُ اللّٰهِ

پانی پھر اگائے میں اس سے ہر قسم جوڑے نفیس (۱۰) یہ ہے بنایا ہوا اللہ کا

فَاَرُوْنِیْ مَاذَا خَلَقَ الَّذِیْنَ مِنْ دُوْنِهٖ ؕ بَلِ الظّٰلِمُوْنَ فِیْ
پس دکھا دیجئے کیا چیز ہے بنائی انہوں نے جو ہے سوا اُس کے بلکہ بے انصاف لوگ میں ہیں

ع ۱۰ ۱۱ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴿۱۱﴾
گمراہی کھلی (۱۱)

بامحاورہ ترجمہ:۔ جولوگ ایمان لائے اور اچھے کام کئے ان کے واسطے نعمت کے باغ ہیں۔(۸) ہمیشہ رہا کریں گے ان میں اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے اور وہ زبردست ہے حکمتوں والا۔(۹) بنائے آسمان بغیر ستونوں کے اور تم انہیں دیکھتے ہو اور زمین پر پہاڑ رکھ دیئے کہ کہیں زمین تم کو لیکر جھک نہ پڑے اور سب طرح کے جانور اس میں پھیلا دیئے اور ہم نے آسمان سے پانی اتارا پھر زمین میں ہر قسم کی چیزوں کے نفیس جوڑے اگائے۔(۱۰) یہ سب اللہ تعالیٰ کا بنایا ہوا ہے اب مجھے دکھاؤ دوسروں نے جو اس کے سوا ہیں کیا بنایا ہے، کچھ نہیں، بلکہ ظالم لوگ کھلی گمراہی میں ہیں۔(۱۱)

تفسیر

اس آیت میں ارشاد ہے کہ: جولوگ قرآن مجید کا اور اس کی بتائی ہوئی باتوں کا یقین کریں گے اور وہ اچھے کام جو قرآن کریم نے بتائے ہیں اختیار کریں گے تو ان کو نعمت سے بھرے آرام وراحت کے باغ رہنے کو ملیں گے، عارضی طور پر نہیں، بلکہ ہمیشہ رہنے کیلئے اور وہ ہمیشہ انہی میں رہا کریں گے، سُن لو یہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے اور بالکل سچا ہے، اس کو پورا ہونے سے کوئی چیز روکنے والی نہیں، یہ پورا ہو کر رہے گا۔

وہ ایسا زبردست ہے کہ اس کی قوت کے آگے کسی کی قوت نہیں چلتی اور اس کی ہر بات خوب سوچی سمجھی اور پکّی بنیادوں پر قائم ہوتی ہے اور اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں۔

دیکھو! آنکھ اوپر اٹھاؤ، یہ تمہیں تہہ بہ تہہ آسمان نظر آتے ہیں، کوئی زیادہ قریب، کوئی اس سے بھی اونچا اور

کوئی ستون یا سہارا نہیں، جنہیں تم دیکھ سکو، سوچو یہ کس نے بنائے؟ اور پھر یقین کرو کہ یہ اللہ تعالیٰ نے بنائے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ہی زمین میں بوجھل پہاڑ رکھ دیئے کیونکہ زمین کی بناوٹ میں نرم مٹی اور ریت بھی ہے، زمین پانی سے گھری ہوئی ہونے کی وجہ سے اس کے گھل جانے کا بھی اندیشہ تھا، اس لئے ڈر تھا کہ کہیں تمہیں لیکر ایک دم پانی میں نہ بیٹھ جائے، پہاڑ اس ڈر کو دور کرنے کیلئے بنائے گئے کہ یہ نرم بھی نہیں اور پانی میں بھی نہیں گھلتے، اس لئے مٹی کے اندر ان سخت چیزوں کا مجموعہ ہونے کی وجہ سے زمین کو مضبوطی ملی، پھر اللہ تعالیٰ ہی نے قسم قسم کے جاندار زمین پر ہر طرف پھیلا دیئے اور پھر ان کے رزق کا انتظام بھی کر دیا، اس کیلئے بادلوں سے پانی برسایا، جس کی بدولت زمین میں ہر قسم کے نباتات، گھاس، سبزیاں، ترکاریاں، میوے اور غلّے پیدا ہوئے، جن کے دیکھنے سے آنکھوں کو خوشی اور ٹھنڈک ملتی ہے اور ان کے کھانے سے زندگی قائم رہتی ہے۔

یہ سب اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے بنائے ہیں، پھر اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اوروں کی طرف کیوں جھکتے ہو؟ دکھاؤ تو سہی کہ انہوں نے کیا بنایا؟ باجود اس قدر صاف اور واضح دلیل کے یہ بے انصاف لوگ اللہ تعالیٰ کیساتھ اوروں کو شریک کرتے ہیں، حالانکہ عقل کا تقاضہ یہ ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کو اپنا سب کچھ ماننا چاہئے۔

حضرت لقمان

وَ لَقَدْ اٰتَیْنَا لُقْمٰنَ الْحِكْمَةَ اَنِ اشْكُرْ لِلّٰهِ ؕ وَ مَنْ یَّشْكُرْ

اور البتہ تحقیق دی ہم نے لقمان کو دانائی کہ شکر کر اللہ کا اور جو شکر کرے گا

فَاِنَّمَا یَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ۚ وَ مَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِیٌّ حَمِیْدٌ ﴿۱۲﴾ وَ

پس وہ شکر کرے گا واسطے جان اپنی کے اور جو ناشکری کرے گا پس تحقیق اللہ بے پرواہ ہے خوبیوں والا (۱۲) اور

وقف النبی ﷺ ۱۲ اِذْ قَالَ لُقْمٰنُ لِابْنِهٖ وَ هُوَ یَعِظُهٗ یٰبُنَیَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّ

جب کہا لقمان نے سے اپنے بیٹے اور وہ سمجھا رہا تھا اسے اے بیٹے میرے نہ شریک ٹھہرانا تو اللہ کا تحقیق

الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ ﴿١٣﴾

شرک کرنا البتہ ظلم ہے بڑا (۱۳)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور ہم نے لقمان کو عقل مندی عطا کی کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو اور جو شکر ادا کرے گا اس کا فائدہ اسی کو ہوگا اور جو ناشکری کرے گا تو اللہ تعالیٰ بے پرواہ ہے، سب خوبیوں والا ہے۔(۱۲) اور جب لقمان نے اپنے بیٹے سے کہا، جب اسے سمجھانے لگا، اے میرے بیٹے! اللہ تعالیٰ کا شریک نہ ٹھہراو، بیشک شریک ٹھہرانا بہت بڑا ظلم ہے۔(۱۳)

تفسیر

ارشاد ہے کہ: ہم نے لقمان کو عقل اور دانائی عطا کی تھی اور اسے بتادیا تھا کہ اس نعمت پر اور ساری نعمتوں پر اللہ تعالیٰ کا شکر کرتا رہے، خوب سمجھ لیں کہ اس کی شکر گزاری سے اللہ تعالیٰ کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا، اس میں خود اس انسان کا اپنا فائدہ ہے، دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی اللہ تعالیٰ کو کسی بات کی پرواہ نہیں، اس کی ذات ساری خوبیوں والی ہے، کسی کے شکر کرنے سے اس کی خوبیوں میں کوئی اضافہ نہیں ہوتا اور نہ کسی کی ناشکری اور کفر سے اللہ تعالیٰ کا کوئی نقصان ہوتا ہے، اس میں شکر گزار بندے کا اپنا ہی بھلا ہے کہ اس کی خوشحالی بڑھتی ہے، حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے وقت کہا کہ بیٹا! اللہ تعالیٰ کیساتھ کسی کو شریک نہ کرنا، کیونکہ شرک سے بڑھ کر اور کوئی گناہ نہیں۔

قرآن مجید اترنے کے زمانہ میں اگرچہ حضرت لقمان کی حکیمانہ باتیں اسرائیلیوں اور عربوں میں عام تھیں مگر آپ کی شخصیت کے بارے میں مفسرین کرام میں کافی اختلاف پایا جاتا ہے، حضرت لقمان کس زمانے میں اور کس مقام پر ہوئے ہیں، نیز آپ غلام تھے یا آزاد، مفسرین کرام کی مختلف رائے ہیں، بعض کہتے ہیں کہ: آپ سوڈان کے شمالی علاقہ نوبہ میں کسی سیاہ فام حبشی آدمی کے غلام تھے، جبکہ بعض فرماتے ہیں کہ: آپ یمن کے رہنے والے آزاد آدمی تھے، اور بعض کا خیال ہے کہ حضرت لقمان "عاد ثانیہ" میں سے تھے، جب عاد کی قوم ہلاک ہوگئی تو

حضرت ہود علیہ السلام پر ایمان لانے والے لوگوں سے چلنے والی نسل "عاد ثانیہ" کہلائی، آپ انہی لوگوں میں سے تھے، بعض کہتے ہیں کہ یہ حُمَیرُ قبیلے کے بادشاہوں میں سے ہوئے ہیں، انہی بادشاہوں میں تُبّع نامی مشہور بادشاہ بھی گزرا ہے اور بعض کی تحقیق یہ کہتی ہے کہ حضرت لقمان شدّاد کے بھائی تھے، شدّاد تو بڑا جابر اور ظالم شخص تھا، تاہم اس کی ہلاکت کے بعد اقتدار حضرت لقمان کی طرف منتقل ہوگیا، ذوالقرنین کی طرح آپ نہایت ہی نیک آدمی اور عادل بادشاہ تھے۔

جمہور مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ: حضرت لقمان رحمۃ اللہ علیہ مؤمن، نیک آدمی اور اللہ تعالیٰ کے ولی تھے، محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور بعض دوسرے حضرات آپ کو پیغمبر مانتے ہیں، مگر یہ بات درست نہیں، بلکہ اکثر و بیشتر مفسرین آپ کو نیک آدمی ہی مانتے ہیں، البتہ آپ بہت بڑے حکیم، دانشور اور عقل مند آدمی تھے اور اسی وجہ سے آپ بہت زیادہ مشہور تھے۔

لفظ "حکمت" قرآن کریم میں بہت سارے معانی کیلئے استعمال ہوا ہے، علم، عقل، حلم و بردباری، پیغمبری، صحیح رائے، ابوحیان نے فرمایا کہ: "حکمت" سے مراد وہ کلام ہے جس سے لوگ نصیحت حاصل کریں اور "حکمت" کا مطلب اس طرح بھی بیان کیا جاتا ہے کہ حکیم وہ شخص ہے جس نے اپنے علم اور عمل دونوں کو پختہ کرلیا، دانشور وہی آدمی ہوگا جس کے علم کیساتھ عمل بھی ہو، وگرنہ بے عمل آدمی حکیم نہیں ہوسکتا، بہر حال اللہ تعالیٰ نے یہ "حکمت" یعنی: فہم وفراست، دانائی اور عقل مندی حضرت لقمان رحمۃ اللہ علیہ کو وافر مقدار میں عطاء فرمائی تھی، ان کی عجیب وغریب مثالیں اور حکمت کی باتیں ان کے صحیفہ میں بھی موجود ہیں۔

امام بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ اور بعض دوسرے مفسرین نے بھی اس کو نقل کیا ہے کہ ایک موقع پر حضرت داؤد علیہ السلام نے حضرت لقمان سے کہا کہ بکری ذبح کرکے اُس کے گوشت کا بہترین حصہ میرے پاس لاؤ، آپ نے حکم کی تعمیل کی، بکری ذبح کی اور اس کا دل اور زبان حضرت داؤد علیہ السلام کی خدمت میں پیش کردیا، کچھ وقفہ کے بعد حضرت داؤد علیہ السلام نے پھر حکم دیا کہ ایک بکری ذبح کرو اور اس کے گوشت کا بدترین حصہ میرے پاس لاؤ، حضرت لقمان رحمۃ اللہ علیہ نے بکری ذبح کی اور دوسری دفعہ بھی دل اور زبان کا گوشت ہی پیش کیا، حضرت داؤد علیہ السلام نے فرمایا کہ: تم نے بہترین اور بدترین چیزوں میں دل اور زبان کو ہی کیسے تسلیم کیا؟ حضرت لقمان کہنے لگے، حضرت! اگر انسان کا

دل اور زبان درست ہے تو اس سے پاکیزہ چیز انسانی جسم میں اور کوئی نہیں اور اگر یہ دونوں خراب ہو جائیں تو پھر ان سے بُری چیز بھی کوئی نہیں، یعنی: اگر دل میں ایمان کا نور ہے اور زبان سے توحید اور نیکی کی باتیں ادا ہو رہی ہیں تو پھر ان دونوں سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں اور اگر دل میں کفر، شرک، کینہ، بغض، عناد اور نفاق ہے اور زبان سے فحش کلامی ہوتی ہے تو ان سے بڑھ کر بری چیز بھی کوئی نہیں، غرضیکہ حضرت لقمان نے یہ نہایت ہی حکیمانہ بات کی۔

حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو بہت سی نصیحتیں کی تھیں، مثلاً: آپ نے اپنے بیٹے سے کہا! اے میرے بیٹے! دنیا ایک گہرا سمندر ہے جس میں بہت سی مخلوق ہلاک ہو چکی ہے، یاد رکھو! اس سمندر کو بحفاظت پار کرنے کیلئے اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا تمہارے لئے بمنزلہ کشتی کے ہے، اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھروسہ تمہارا بادبان ہے اور اس سفر میں تمہارا توشہ تقویٰ ہے، پھر اگر تم اس سمندر کو عبور کرنے میں کامیاب ہو گئے تو سمجھ لینا کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے بچ گئے اور اگر ہلاک ہو جاؤ تو اسے اپنے گناہوں کی شامت سمجھنا۔

حضرت لقمان نے اپنے بیٹے سے یہ بھی فرمایا کہ: علم و دانش والوں کی مجلس میں ضرور بیٹھا کرو کیونکہ علم و حکمت کے ذریعے اللہ تعالیٰ مردہ دلوں کو زندہ کرتا ہے، آپ کا یہ قول بھی مشہور ہے کہ، اے بیٹے! میں نے بڑے بڑے پتھروں اور وزنی لوہے کو اٹھایا ہے، مگر میں نے بُرے پڑوسی سے زیادہ بوجھل کسی کو نہیں پایا۔

ماں باپ کا حق

وَ وَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ ۚ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ وَّ

اور حکم دیا ہم نے انسان کو بابت والدین اسکے اٹھائے پھری ماں اسکی کمزوری میں پر کمزوری اور

فِصٰلُهٗ فِیْ عَامَیْنِ اَنِ اشْكُرْ لِیْ وَ لِوَالِدَیْكَ ؕ اِلَیَّ الْمَصِیْرُ ﴿۱۴﴾

دودھ چھڑانا اسکا میں دو سال کہ احسان مان میرا اور والدین اپنے کا طرف میری ہی لوٹنا ہے (۱۴)

وَ اِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰۤى اَنْ تُشْرِكَ بِیْ مَا لَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۙ فَلَا

اور اگر اَڑ جائیں وہ دونوں تجھ سے اس پر کہ شریک کرے تو ساتھ میرے کہ نہیں تیرے پاس جن کا علم پس مت کر

النصف

تُطِعْهُمَا وَ صَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا ۫ وَّ اتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ

اطاعت ان دونوں کی اور ساتھ دے ان کا میں دنیا رواج کے مطابق اور پیروی کر راستہ کی اس شخص کی

اَنَابَ اِلَيَّ ۚ ثُمَّ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۵﴾

جو مُڑا طرف میری پھر طرف میری ہی لوٹنا ہے تمہارا پس بتادوں گا تمہیں جو کچھ تھے تم کرتے (۱۵)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور ہم نے انسان کو اس کے ماں باپ کے بارے میں تاکید کردی، اس کی ماں نے اسے پیٹ میں رکھا تھک تھک کر اور اس کا دودھ چھڑانا ہوا دو سال میں کہ میرا اور اپنے والدین کا حق مان، آخر میری ہی طرف آنا ہے۔ (۱۴) اور اگر دونوں تجھ سے اس بات پر اڑیں کہ میرا شریک مان اس چیز کو جو تجھے معلوم نہیں (ظاہر ہے کہ کوئی بھی چیز ایسی نہیں جس کے خدائی میں شریک ہونے پر کوئی علمی دلیل موجود ہو، بلکہ ان کے خدائی میں شریک نہ ہونے کا حق رکھنے پر بہت سی دلیلیں قائم ہیں، پس مراد یہ ہوئی کہ اگر وہ کسی بھی چیز کو خدائی میں شریک ٹھہرانے کا تجھ پر زور دیں تو ان کا کہنا نہ مان) تو ان کا کہنا مت مان اور دنیاں میں ان کا ساتھ دے رواج کے مطابق اور اس کی راہ چل جس نے میری طرف رجوع کیا، پھر تمہیں میری طرف آنا ہے، پھر تمہیں بتادوں گا جو کچھ تم کرتے تھے۔ (۱۵)

تفسیر

حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو شرک سے روکا، لیکن ماں باپ کا حق نہ جتایا، کیونکہ اپنے منہ سے اپنا حق جتانا زیب نہیں دیتا، یہاں اللہ تعالیٰ نے ان کا حق بھی جتادیا اور اس کے ضمن میں شرک کی اور بھی زیادہ برائی بتادی، ارشاد ہے کہ: اس موقعہ پر یہ بھی جتادیا جاتا ہے کہ ہم نے انسان کو تاکید کردی ہے کہ میرے شکر کیساتھ ماں باپ کا بھی شکر ادا کرو، ماں نے ایک مدت تک پیٹ میں رکھا اور کمزوری پر کمزوری برداشت کرتی رہی، دو سال تک دودھ پلایا، لیکن پھر بھی اگر والدین تجھ پر زور ڈالیں کہ تو میرے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرا تو تُو شرک مت کرنا، کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ کی حق تلفی ہے۔

دنیا میں مشرک ماں باپ سے نیک برتاؤ کرو، لیکن اعتقاد میں ان کے پیچھے مت چلو، راستہ اس شخص کا اختیار کرو جو اللہ تعالیٰ کا فرمانبردار ہو، کیونکہ مرنے کے بعد تمہارے کاموں کی حقیقت تم پر کھل جائیگی۔

وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ: اور ہم نے انسان کو اس کے ماں باپ کے بارے میں تاکید کردی، مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ: حضرت لقمان رحمۃ اللہ علیہ کے فوراً بعد اللہ تعالیٰ کے خطاب کی دو (۲) وجوہات ہیں، ایک تو یہ ہے کہ اس سے یہ بات سمجھانا مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حق توحید کے بعد دنیا میں مخلوق کے حقوق کے ضمن میں والدین کا حق سب سے اونچا ہے، سورۃ بنی اسرائیل میں ہے تیرے پروردگار کا فیصلہ ہے کہ صرف اسی کی عبادت کرو اور ماں باپ کیساتھ حسنِ سلوک سے پیش آؤ۔ (آیت ۲۳)، دیکھ لیں! یہاں بھی اللہ تعالیٰ کی توحید اور ماں باپ کے حقوق کو اکٹھا بیان کیا گیا ہے، والدین سے نیک سلوک کا حکم حضرت لقمان رحمۃ اللہ علیہ بھی اپنے بیٹے کو دے سکتے تھے، مگر انہوں نے ایسا نہیں کیا، کہ ایسا کرنے میں ذاتی غرض سامنے آتی تھی، لہٰذا والدین سے اچھے برتاؤ کا حکم خود اللہ تعالیٰ نے دیا۔

بہر حال باقی انسانوں میں سے ماں باپ کا حق سب سے پہلے ہے، اس کے بعد دوسرے انسانوں کے حقوق آتے ہیں؛ اس لئے حدیث میں آتا ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ میں کس کیساتھ نیکی کروں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم تین دفعہ ماں کا نام لیا اور چوتھی دفعہ باپ کا نام لیا، اس کے بعد باقی رشتہ داروں کیساتھ اچھے برتاؤ کا حکم دیا۔

ہم نے انسان کو والدین کیساتھ حسنِ سلوک کی تاکید کا حکم دیا اور خاص طور پر ماں کیساتھ، کیونکہ اس کی ماں نے اسے کمزوری پر کمزوری برداشت کر کے اس کو اٹھایا، یعنی: حمل کے دوران ماں نے سخت تکلیفیں برداشت کیں اور جب بچہ پیدا ہو گیا اور اس کا دودھ چھڑانا دو سال میں ہوتا ہے، یعنی: ماں نے دو سال تک اپنے دودھ پر بچے کی پرورش کی جو کہ اس کا بہت بڑا احسان ہے، اس لئے تاکیدی حکم دیا کہ میرا شکر ادا کرو کہ میں تمہارا حقیقی پیدا کرنے والا ہوں اور اپنے والدین کا بھی شکریہ ادا کرو کہ وہ تمہارے اس دنیا میں آنے کا ظاہری سبب بنے اور انہوں نے بچپن میں تمہاری پرورش کی، پھر تم نے میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے، میں تم سے پوچھ لوں گا کہ تم نے

میرے حکم کے مطابق عمل کیا ہے یا نہیں، اللہ تعالیٰ کے اس تاکیدی حکم اور والدین سے اچھے برتاؤ کا تقاضہ ہے کہ ان کی ہر طرح خدمت کی جائے اور اگر محتاج ہیں تو ان کی مالی خدمت کی جائے اور اگر مالدار ہیں تو جسمانی طور پر ان کی خدمت کی جائے اور انہیں کسی بھی صورت تکلیف نہ پہنچائی جائے، خاص طور پر جب وہ بوڑھے ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: کہ والدین کو اُف تک کہو اور نہ اُن کو جھڑکو، بلکہ ان کیساتھ نرمی سے بات کرو اور محبت سے پیش آؤ، والدین کو ذہنی، جسمانی یا کسی بھی طرح کی تکلیف پہنچانا حرام ہے۔

اس آیت میں رضاعت کا مسئلہ بھی بیان ہوا ہے کہ بچے کے دودھ چھڑانے کی مدت دو سال ہے اور امام اعظم امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اس کو اڑھائی سال بیان کرتے ہیں۔

پہلی آیت میں حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو شرک کی برائی بیان کر کے اس سے منع کیا تھا، پھر درمیان میں اللہ تعالیٰ نے والدین کے متعلق اچھے برتاؤ اور ان کی فرمانبرداری اور خدمت گزاری کا حکم دیا، مگر شرک کے متعلق فرمایا کہ: اگر تیرے والدین تجھے مجبور کریں کہ تم میرے ساتھ ایسی چیز کو شریک بناؤ جس کا تمہیں علم نہیں تو اُن کی بات نہ مانو، یعنی: غیر اللہ کو اللہ تعالیٰ کیساتھ شریک کرنے کے معاملہ میں والدین کی اطاعت بھی حرام ہے۔

اسلام کا بے مثال انصاف کا قانون

ایسی صورت میں کہ ماں باپ اس کو کفر و شرک پر مجبور کریں تو اللہ تعالیٰ کو حکم ہے کہ ان کی بات نہ مانو، طبعی طور پر انسان اس حد پر قائم نہیں رہتا، اس پر عمل کرنے میں اس کا امکان تھا کہ بیٹا والدین کیساتھ بدکلامی یا بدخوئی سے پیش آئے، ان کی توہین کرے، اسلام ایک انصاف کا قانون ہے، ہر چیز کی ایک حد ہے، اس لئے یہ حکم بھی دیدیا کہ دین کے معاملہ میں تو تم ان کا کہنا نہ مانو، مگر دنیاوی معاملات، لیکن دین اور خدمت گزاری کے سلسلے میں ان سے اچھا سلوک کرو، ان کی بے ادبی نہ کرو، ان کی بات کا جواب ایسا نہ دو جس سے ان کا دل دکھے، مطلب یہ ہے کہ ان کے شرک و کفر کے معاملہ میں نہ ماننے سے جو ان کو دکھ ہوگا وہ تو مجبوراً برداشت کرو، مگر ضرورت کو

ضرورت کی حد میں رکھو، دوسرے معاملات میں ان کو دکھ دینے سے پرہیز کرتے رہو۔

جب حضرت سعد رضی اللہ عنہ اسلام لائے تو ان کی والدہ سخت ناراض ہوگئیں، حتیٰ کہ اس نے قسم اٹھالی کہ جب تک سعد اسلام کو نہیں چھوڑے گا میں کھانا نہیں کھاؤں گی، انہوں نے ماں کو زبردستی کھانا کھلانے کی کوشش بھی کی، مگر حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا پختہ ارادہ تھا کہ اگر وہ بھوک سے مر بھی جاتی ہے تو اسلام کو نہیں چھوڑوں گا، بالآخر ماں مجبور ہوگئی اور اس نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو اسلام سے بہکانے کی کوشش چھوڑ دی۔

وَّ اتَّبِعۡ سَبِيۡلَ مَنۡ اَنَابَ اِلَيَّ: اور اس کے راستے کی اتباع کرو جو میری طرف رجوع رکھتا ہے، نافرمانوں، کافروں، مشرکوں اور بدعتیوں کا اتباع نہ کرو، بلکہ ان لوگوں کے نقشِ قدم پر چلو جن کا عقیدہ، اخلاق اور عمل قرآن وسنت کے مطابق صحیح ہوں۔

اللہ تعالیٰ ہر جگہ موجود ہے

يٰبُنَيَّ اِنَّهَآ اِنۡ تَكُ مِثۡقَالَ حَبَّةٍ مِّنۡ خَرۡدَلٍ فَتَكُنۡ فِيۡ

اے بیٹے میرے، تحقیق وہ، اگر، ہو، وزن میں، برابر دانے کے، رائی کے، پھر ہو وہ، میں

صَخۡرَةٍ اَوۡ فِي السَّمٰوٰتِ اَوۡ فِي الۡاَرۡضِ يَاۡتِ بِهَا اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ

چٹان، یا، میں، آسمانوں، یا، میں، زمین، لے آئے گا اسے، اللہ، تحقیق، اللہ

لَطِيۡفٌ خَبِيۡرٌ ﴿۱۶﴾

باریک بین، خبردار ہے (۱۶)

بامحاورہ ترجمہ: اے میرے بیٹے! اگر کوئی چیز رائی کے دانہ کے برابر ہو، پھر وہ کسی پتھر میں ہو یا آسمانوں میں یا زمین میں، لا حاضر کرے گا اسے اللہ تعالیٰ، بیشک اللہ تعالیٰ چھپی ہوئی چیزوں کو جانتا ہے اور خبردار ہے۔ (۱۶)

تفسیر

حضرت لقمان کے بیٹے نے پوچھا ہوگا کہ کوئی کام چھپا کر کرلیا جائے تو اس کی خبر اللہ تعالیٰ کو کیسے ہوگی؟ انہوں نے کہا اے میرے بیٹے! اگر کوئی چیز نیکی یا بدی ایک رائی کے دانے کے برابر بھی ہو، اور وہ ہو بھی کسی پتھر کے اندر یا آسمانوں میں ہو یا زمین کے کسی کونے میں اللہ تعالیٰ اسے بھی لے آئے گا، مطلب یہ ہے کہ قیامت کو جب حساب وکتاب کی منزل آئے گی تو اللہ تعالیٰ ہر چھوٹے سے چھوٹے عمل کو جہاں کہیں بھی ہوگا اسے حاضر کردے گا، اور ایسا کرنا اللہ تعالیٰ کیلئے کچھ مشکل نہیں، بیشک اللہ تعالیٰ بہت باریک بین اور ہر چیز سے باخبر ہے۔

"مسند احمد" کی روایت میں آتا ہے کہ پیغمبر ﷺ نے فرمایا کہ: کسی انسان کا عمل اگر مضبوط چٹان کے دل میں بھی ہوگا تو اللہ تعالیٰ اسے حاضر کردے گا اور پھر بدلے کے وقت اس کا شمار کیا جائے گا، اسی طرح "سورۃ الزلزال" میں بھی ہے کہ: اگر کسی شخص کی ذرہ برابر بھی نیکی یا بدی ہوگی تو حساب کتاب کے وقت سامنے آجائے گی۔ (آیت ۷، ۸)، اس میں کوئی شک نہیں کہ حشر کے میدان میں حساب کتاب کے وقت ہر شخص اپنا عمل اپنے سامنے حاضر پائے گا، اس دن ان کے عملوں کا ٹھیک ٹھیک بدلہ دیا جائے گا اور کسی سے کوئی زیادتی نہیں ہوگی۔

بہر حال حضرت لقمان رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے بیٹے کو خبردار کردیا کہ تمہارا ہر عمل اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں ہے اور اللہ تعالیٰ اسی کے مطابق بدلہ دے گا، اگر انسان کو اس بات کا یقین ہوجائے کہ اس کا ہر عمل اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے اور مخلوق کی کوئی نیکی یا بدی اس سے پوشیدہ نہیں ہے تو پھر انسان بہت سی نیکیاں اکٹھی کرنے کی کوشش کرے گا اور بہت سے برائیوں سے بچ جائے گا۔

اچھی باتیں

يٰبُنَیَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ وَ اْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَ انْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ

اے بیٹے میرے قائم کر نماز اور حکم کر نیکی کا اور باز رہ سے برے کام اور

اصْبِرْ عَلٰى مَآ اَصَابَكَ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿۱۷﴾ وَ لَا

صبر کر پر اس جو پہنچے تجھے تحقیق یہ سے ہے ہمت کے کاموں میں (۱۷) اور مت

تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَ لَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ

ٹیڑھا کر چہرہ اپنا واسطے لوگوں کے اور مت چل میں زمین اتراتا تحقیق اللہ

لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ ﴿۱۸﴾ وَ اقْصِدْ فِيْ مَشْيِكَ وَ اغْضُضْ

نہیں پسند کرتا ہر اترانے بڑائیاں مارنے والے کو (۱۸) اور میانہ روی کر میں چال اپنی اور نیچی کر

مِنْ صَوْتِكَ ؕ اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيْرِ ﴿۱۹﴾ ع ۸ / ۱۱

آواز اپنی تحقیق ناگوار ترین آوازیں البتہ آواز ہے گدھے کی (۱۹)

بامحاورہ ترجمہ: ۔اے بیٹے! نماز قائم رکھ اور نیکی کا حکم کر اور برائی سے منع کر اور جو تجھ پر پڑے اس پر صبر کر، بیشک یہ ہیں ہمت کے کام ۔(۱۷) اور لوگوں کی طرف اپنے گال مت پھلا اور زمین پر اتراتا مت پھر، بیشک اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتا اترانے والے اور بڑائیاں مارنے والے کو۔(۱۸) اور بیچ کی چال چل اور اپنی آواز نیچی کر، بیشک بُری سے بُری آواز گدھے کی آواز ہے (اس لئے کہ وہ بلا مقصد تیز اور اونچی آواز نکالتا ہے)۔(۱۹)

لفظی تحقیق: لَا تُصَعِّرْ: مت ٹیڑھا کر۔ نہی کا صیغہ ہے "تَصْعِيْر" سے، مراد ہے کہ متکبرانہ انداز سے گردن ٹیڑھی کر کے بات کرنا۔

تفسیر

ارشاد ہے کہ: حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو سمجھایا کہ بیٹا نماز ہمیشہ باقاعدہ پڑھا کرو، قرآن مجید میں بتیس (۳۲) مرتبہ نماز اور زکوٰۃ کا اکٹھا حکم دیا گیا ہے، اسکے علاوہ تقریباً ایک سو نو (۱۰۹) مرتبہ صراحت کیساتھ نماز کا ذکر کیا گیا ہے، لوگوں سے نیک کام کا کہتا رہا کر اور ان کو برے کاموں سے روک اور اگر کوئی رنج یا دُکھ تجھے پہنچے

تو صبر اور خاموشی کیساتھ برداشت کر، یہی وہ کام ہیں جن سے ہمت اور ارادہ کی پختگی اور مضبوطی ظاہر ہوتی ہے، آدمیوں سے منہ پھلا کر ٹیڑھے منہ سے بات نہ کر اور متکبروں کی طرح گال پھلا کر ان سے منہ مت پھیر، مطلب یہ ہے کہ لوگوں سے ملاقات اور گفتگو میں ان سے منہ پھیر کر گفتگو نہ کرو، جو تکبر کی علامت ہے اور اچھے اخلاق کے خلاف ہے، زمین پر اتراتا ہوا مت چل، اللہ تعالیٰ اترانے والے، بڑائیاں مارنے والے کو پسند نہیں کرتا، چال میں میانہ روی اختیار کر، اور پست اور نرم آواز سے بات کر، گدھے کی طرح مت چلا اس کی کرخت آواز ہر ایک کو بری لگتی ہے، یہ لقمان کی نصیحتوں کا لُبِّ لُباب ہے جو قرآن کریم میں ہے، ہر ایک کو ان پر عمل کرنا چاہئے۔

وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ: اور نیکی کا حکم کر اور برائی سے منع کر، نماز کا حکم دینے کے ساتھ ساتھ حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو یہ نصیحت بھی کی کہ، بیٹے! نیکی کا حکم دو اور برائی سے منع کرو، یہ دو فریضے ہیں ایک اپنی اصلاح اور دوسرا عام مخلوق کی اصلاح کیلئے، دونوں ایسے ہیں کہ دونوں کی پابندی میں خاصی مشقت و محنت برداشت کرنا پڑتی ہے، اس پر ثابت قدم رہنا آسان نہیں، خصوصاً لوگوں کی اصلاح کیلئے نیکی کا حکم کرنے کا صلہ دنیا میں ہمیشہ دشمنیوں اور مخالفتوں سے ملا کرتا ہے، اس لئے اس وصیت کیساتھ ہی یہ وصیت بھی فرمائی کہ ان کاموں میں تمہیں جو کچھ تکلیف پیش آئے اسے برداشت کرنا اور اپنا کام کرتے رہنا۔

قرآن کریم میں "امر بالمعروف اور نہی عن المنکر" کا بار بار حکم دیا گیا ہے، اور اس کے سب مخاطب حکمران ہیں، ان کا فرض ہے کہ وہ برائی کو طاقت کے زور سے ختم کریں اور نیکی کو رائج کریں، اس کے بعد عام مسلمانوں کی بھی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے اپنے گھر، برادری، خاندان میں نیکی کا حکم دیں اور برائی سے روکیں، جو شخص کوئی برائی دیکھتا ہے اس کیلئے لازم ہے کہ اگر وہ طاقت رکھتا ہے تو اسے ہاتھ سے روکے اور نیکی کو رائج کرے، اگر برائی کو طاقت سے نہیں روک سکتا تو زبان سے روکنے کی کوشش کرے، اگر ایسا بھی نہیں کر پاتا تو پھر تیسرا درجہ یہ ہے کہ کم از کم اس کو دل سے ہی برا جانے، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: اس کے بعد انسان کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان نہیں رہتا، امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: زبان کے ذریعے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ

ادا کرنا علماء کا کام ہے کہ وہ اپنی تحریروں اور تقریروں کے ذریعے یہ کام سرانجام دیں اور عوام الناس کا فرض یہ ہے کہ وہ دل سے ہی نیکی کو اچھا اور بُرائی کو بُرا سمجھیں۔

علمائے حق نے "امر بالمعروف اور نہی عن المنکر" کا فریضہ ہمیشہ ادا کیا ہے اور اس سلسلہ میں بڑی بڑی تکلیفیں برداشت کی ہیں، دنیا میں ایسے حکمران بھی گزرے ہیں کہ اگر کسی عالم نے یہ فریضہ ادا کیا تو حکم دیا کہ اس کے دانت اکھاڑ کر اس کے سر میں ٹھونک دو، کتنے ہی اللہ والے گزرے ہیں جنہیں اُس راستے میں شہید کر دیا گیا، منکرات ہماری سوسائٹی کا جزو بن چکے ہیں، جس میں بُرائی کو بُرائی سمجھا ہی نہیں جاتا، آج فلم انڈسٹری کے خلاف آواز بلند کرو، کون سنے گا؟ عریانی، فحاشی، عیاشی، جوا وغیرہ اپنے عروج پر ہیں، مگر ان کو روکنے کی ہمت کس میں ہے؟ یہ تو حکومت کا فرض ہے کہ وہ ان گندی چیزوں کو ختم کرے۔

وَ اصْبِرْ عَلٰی مَآ اَصَابَكَ: اور جو تجھ پر پڑے اس پر صبر کر، بیٹا! ہر پیش آنے والی تکلیف پر صبر کرنا، حق کے راستے میں لوگ تمہیں طعنے دیں گے، ماریں گے، پیٹیں گے، ذہنی تکلیفیں دیں گے، مگر تم صبر کا دامن نہ چھوڑنا، دیکھو! خود پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے دین کی راہ میں کس قدر تکلیفیں برداشت کیں مگر زبان پر شکایت نہ آئی، یہ بڑا مشکل مرحلہ ہے جس پر ثابت قدم رہنا اور حوصلہ نہ ہارنا یہ سب پختہ باتوں میں سے ہیں۔

اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ: بیشک یہ ہیں ہمت کے کام، عزم الامور کا معنیٰ یہ ہے کہ دین میں یہ مؤکد چیزیں ہیں جن پر سختی سے عمل کرنا ضروری ہے، نماز قائم کرنا، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اور تکلیفوں میں صبر کرنا تاکیدی حکموں میں شامل ہیں، اس کا دوسرا معنیٰ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ بیشک یہ چیزیں حوصلے کی باتوں میں سے ہیں، ہر آدمی ان کاموں کے کرنے کا حوصلہ نہیں رکھتا، ان کاموں میں وہی پورے اترتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ توفیق دیتا ہے۔

وَ لَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ: اور لوگوں کی طرف اپنے گال مت پھلا، منہ پھلا پھلا کر باتیں کرنا غرور اور تکبر کی علامت سمجھا جاتا ہے، جس سے منع کیا گیا ہے، دراصل (صعر) اونٹوں کی ایک بیماری کا نام ہے، جس کے دوران اونٹ اپنی گردن کو اوپر کی طرف اٹھاتا ہے، اس لفظ کو مجازی طور پر تکبر کیلئے بھی استعمال کیا جاتا ہے، کیونکہ

مغرور آدمی عام طور پر اپنی گردن اونچی کر کے چلتا ہے۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے کہ: جس شخص نے اپنی گردن اونچی کی اللہ تعالیٰ اس کو ذلیل کرے گا اور جس نے اپنے آپ کو کمتر سمجھا اللہ تعالیٰ اس کو عزت بخشے گا، اپنے آپ کو بڑا سمجھنا، دوسرے کو حقیر سمجھنا اور حق بات کو ٹھکرا دینا تکبر کی علامات ہیں، ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ میں غسل کر کے صاف ستھرے کپڑے پہنتا ہوں اور کبھی کبھی وہ لباس مجھے اچھا لگتا ہے، دوسرے شخص نے کہا میں اچھی سواری استعمال کرتا ہوں، اچھا لباس پہنتا ہوں، تو کیا یہ چیزیں تکبر میں داخل ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: نہیں، بلکہ یہ تو جمال، یعنی: خوبصورتی ہے اور اللہ تعالیٰ کو پسند ہے، البتہ تکبر یہ ہے کہ حق کو ٹھکرا دے اور لوگوں کو حقیر جانے۔

وَلَا تَمْشِ فِى الْاَرْضِ مَرَحًا: اور زمین پر اتراتا مت پھر، زمین پر اتراتے ہوئے نہ چلو، یہ بھی تکبر کی نشانی ہے اور یاد رکھو بیشک اللہ تعالیٰ مغرور اور بڑائی اختیار کرنے والے بندے کو پسند نہیں کرتا، اللہ تعالیٰ کو عاجزی اور انکساری پسند ہے۔

وَاقْصِدْ فِىْ مَشْيِكَ: اور بیچ کی چال چل، یعنی اپنی چال میں میانہ روی اختیار کرو، نہ بہت دوڑ بھاگ کر چلو کہ وہ وقار کے خلاف ہے، چلنے میں بہت جلدی کرنا مؤمن کی رونق ضائع کر دیتا ہے اور اس طرح چلنے میں خود اپنے آپ کو یا کسی دوسرے کو بھی تکلیف پہنچنے کا خطرہ رہتا ہے، اور نہ بہت آہستہ چلو، جو کہ تکبّر کرنے والوں کی عادت ہے یا جو لوگوں پر اپنی امتیازی شان جتانا چاہتے ہیں، یہ عورتوں کی عادت ہے جو شرم وحیاء کی وجہ سے تیز نہیں چلتیں، یا پھر بیماروں کی عادت ہے جو اس پر مجبور ہیں۔

پہلی صورت حرام اور دوسری بھی اگر عورتوں کی مشابہت پیدا کرنے کے ارادے سے ہو تو ناجائز ہے، اور یہ ارادہ نہ ہو تو پھر مردوں کیلئے ایک عیب ہے، اور تیسری صورت میں اللہ تعالیٰ کی ناشکری ہے کہ تندرستی کے باوجود بیماروں کی طرح چلے۔

چنانچہ حضرت لقمان نے بیٹے کو یہ نصیحت بھی کی کہ اپنی چال میں میانہ روی اختیار کرو، مغرور آدمی زمین پر

اکڑ کر چلتا ہے اور پاؤں زمین پر زور زور سے مارتا ہے، مگر تم ایسا نہ کرنا، کیونکہ یہ سخت ناپسندیدہ چیز ہے، خود پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چال اگرچہ تیز ہوتی تھی، مگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آگے کی طرف جھکے ہوئے نظر آتے تھے، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی ڈھلوان سے اتر رہے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قدم کو گھسیٹ کر نہیں، بلکہ اٹھا کر چلتے تھے، یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تواضع کی علامت تھی، طبیعت کے خلاف نہ بہت تیز چال چلنا اچھا ہے اور نہ بہت سست، بلکہ میانہ روی ہی بہتر ہے، اللہ تعالیٰ کو عاجزی پسند ہے نہ کہ اکڑ۔

وَ اغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ: اور اپنی آواز نیچی کر، یعنی: آواز کو پست کرو، مراد پست کرنے سے یہ ہے کہ ضرورت سے زیادہ بلند آواز نہ نکالو اور شور نہ کرو، یہاں آدابِ معاشرت میں چار چیزیں ذکر کی گئی ہیں، پہلی لوگوں سے گفتگو اور ملاقات میں متکبرانہ انداز سے رخ پھیر کر بات کرنے کی ممانعت، دوسرے زمین پر اترا کر چلنے کی ممانعت، تیسرے درمیانی چال چلنے کی ہدایت، چوتھے بہت زور سے شور مچا کر بولنے کی ممانعت۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: میں نے اپنے والد حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کیا کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب لوگوں کیساتھ بیٹھتے تھے تو آپس میں آپ کا طرز کیا ہوتا تھا؟

انہوں نے فرمایا:

"کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیشہ خوش وخرم معلوم ہوتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق میں نرمی اور برتاؤ میں سہولت مندی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طبیعت سخت نہ تھی، بات بھی نرم ہوتی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہ شور مچانے والے تھے نہ فحش گو تھے، نہ کسی کو عیب لگاتے تھے، نہ بخل کرتے تھے، جو چیز دل کو نہ بھاتی اس کی جانب غفلت برتتے تھے، (مگر) دوسرے کو اس کی طرف سے ناامید بھی نہ کرتے تھے، اور جو چیز مرغوب نہ ہو دوسرے کے حق میں اس کی کاٹ نہ کرتے تھے بلکہ خاموشی اختیار فرماتے تھے، تین چیزیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بالکل اختیار نہیں کیں، جھگڑنا، تکبّر کرنا، بیکار چیزوں میں مشغول ہونا"۔

اللہ تعالیٰ کو مانو

اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي
کیا نہیں دیکھا تم نے کہ اللہ نے کام میں لگایا لئے تمہارے جو میں آسمانوں اور جو کچھ میں

الْاَرْضِ وَ اَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّ بَاطِنَةً ؕ وَ مِنَ النَّاسِ
زمین اور پوری کر دیں پر تم نعمتیں اپنی کھلی اور چھپی اور سے لوگوں

مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّ لَا هُدًى وَّ لَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ ﴿۲۰﴾
جو جھگڑتے ہیں میں بارے اللہ کے بغیر علم اور بغیر ہدایت اور بغیر کتاب روشن کے (۲۰)

بامحاورہ ترجمہ: کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے تمہارے کام میں لگایا اور تم پر اپنی نعمتیں پوری کر دیں ظاہر اور چھپی ہوئی اور لوگوں میں ایسے بھی ہیں جو اللہ تعالیٰ کی بات میں جھگڑتے ہیں، نہ علم رکھیں اور نہ ہدایت اور نہ کوئی روشن کتاب۔ (۲۰)

تفسیر

ارشاد ہے کہ: کیا انہیں، نہیں سوجھتا کہ آسمان اور زمین کی ساری مخلوق انہی کے کام میں لگی ہوئی ہے اور اللہ تعالیٰ نے انہیں ان پر مددگار بنا دیا ہے، اور اپنی ظاہری اور باطنی نعمتیں ان کو پوری پوری عطا کی ہیں، یہ ان سب سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور یہ نہیں سوچتے کہ یہ سب کس کی عنایت کا نتیجہ ہے، ظاہری نعمتیں تو وہ ہیں جن سے انسان کی ضرورتیں پوری ہوتی ہیں اور باطنی نعمتیں عقل، سوچ، سمجھ، ہدایت اور انجام پر غور وفکر کرنا ہے، اللہ تعالیٰ نے انسان کیلئے ان سب کا انتظام کیا، بڑا تعجب اور افسوس ہے کہ یہ لوگ سب کچھ دیکھتے ہوئے بھی اللہ تعالیٰ کو ایک نہیں مانتے، حالانکہ اس کی توحید کے انکار کی کوئی عقلی دلیل نہیں جسے یہ اپنی تائید میں پیش کر سکیں۔

اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ: کیا تم نے نہیں دیکھا کہ

اللہ تعالیٰ نے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے تمہارے کام میں لگایا، تسخیر کا معنیٰ کسی چیز کو تابع کر دینا، کام میں لگا دینا ہوتا ہے اور اس کی دو صورتیں ہیں، تسخیر کی پہلی صورت تو یہ ہے کہ کوئی چیز براہِ راست کسی شخص کے قبضہ میں دیدی جاتی ہے کہ جس طرح چاہے اسے استعمال کرے یا اس سے کام لے، جب جانور یا زمین کسی کے قبضہ میں ہوتی ہے تو وہ زمین میں کاشتکاری کرتا ہے اور اس سے پھل اور اناج حاصل کرتا ہے یا اس پر تعمیر کرتا ہے، اسی طرح جانوروں کو بوجھ لادنے یا کھیتی باڑی کرنے کیلئے استعمال کرتا ہے، اُن سے دودھ اور اُون حاصل کرتا ہے اور بعض کو ذبح کر کے ان کا گوشت بھی کھاتا ہے، اور تسخیر کی دوسری صورت یہ ہے کہ کسی چیز کو براہِ راست کسی کے قبضہ میں نہیں دیا جاتا، بلکہ مجموعی طور پر سب کے کام میں لگا دیا جاتا ہے، جس سے انسان اور جانور فائدہ اٹھاتے ہیں، جیسے سورج، چاند، ستارے وغیرہ ہیں جو اپنے اپنے مقررہ کام میں لگے ہوئے ہیں اور لوگ ان کی گرمی، روشنی، ٹھنڈک وغیرہ سے فائدہ اٹھاتے ہیں، تو گویا ایسی چیزوں سے لوگوں کا فائدہ اٹھانا ہی ان کیلئے تسخیر ہے، اسی طرح انسان فضاؤں، ہواؤں اور بادلوں سے فائدہ اٹھا رہے ہیں، اللہ تعالیٰ نے انہیں پیدا ہی انسانوں اور جانداروں کی خدمت کیلئے کیا ہے۔

وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ یُّجَادِلُ فِی اللّٰهِ بِغَیْرِ عِلْمٍ وَّ لَا هُدًی وَّ لَا كِتٰبٍ مُّنِیْرٍ: اور لوگوں میں ایسے بھی ہیں جو اللہ تعالیٰ کی کتاب میں جھگڑتے ہیں نہ علم رکھیں اور نہ ہدایت اور نہ کوئی روشن کتاب، اللہ تعالیٰ نے اس مقام پر تین چیزوں کا ذکر فرمایا ہے کہ لوگ توحید کا انکار کر کے شرک میں مبتلا ہوتے ہیں، مگر علم، ہدایت اور روشن کتاب میں سے اپنے حق میں کوئی دلیل پیش نہیں کر سکتے، پہلی چیز علم ہے، جس سے عقلی دلیل مراد ہے کہ کافر اور مشرک شرک کے حق میں کوئی عقلی دلیل پیش کریں، جس کی بناء پر وہ دوسروں کو اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہراتے ہیں، پچھلے رکوع میں اللہ تعالیٰ نے توحید کے اثبات اور شرک کی تردید میں بہت سے دلائل پیش کئے ہیں، ان میں زمین و آسمان کا پیدا کرنا، پہاڑوں کو گاڑھ دینا، آسمانوں کو بغیر ستون کے کھڑا کرنا، جانوروں کو زمین میں پھیلا دینا، بارش اتار کر اس سے بارونق اور عمدہ قسم کے پھل، پھول اور اناج پیدا کرنا شامل ہے، یہ سب عقلی دلیلیں ہیں جن میں غور و فکر کر کے انسان اللہ تعالیٰ کی توحید کو سمجھ سکتا ہے، مگر اس کے برخلاف شرک کے حق میں کوئی بھی عقلی دلیل پیش نہیں کی جا سکتی۔

دوسری چیز کے متعلق فرمایا کہ: یہ لوگ بغیر ہدایت اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کے بارے میں جھگڑا کرتے ہیں، ہدایت سے مراد نقلی دلیل ہے، جو پیغمبروں کے ذریعہ وحی سے حاصل ہوتی ہے، تیسری چیز روشن کتاب ہے جس کے ذریعے کسی چیز کے حق میں یا اس کے خلاف دلیل پکڑی جاسکتی ہے، اللہ تعالیٰ نے چار مستقل کتابیں اور بہت سے صحیفے اپنے پیغمبروں پر اتارے ہیں، ان سب میں توحید کی تعلیم موجود ہے اور جگہ جگہ شرک کی برائی بیان کر کے اس سے منع کیا گیا ہے۔

نامعقول بہانہ

وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَا

اور جب کہا جائے ان سے پیروی کرو اسکی جو اتارا اللہ نے کہیں نہیں ہم چلیں گے اس پر

وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَ لَوْ كَانَ الشَّيْطٰنُ يَدْعُوْهُمْ اِلٰى

کہ پایا ہم نے پر اس باپ دادا اپنے کو کیا اور اگر ہو شیطان بلاتا ان کو طرف

عَذَابِ السَّعِيْرِ ﴿٢١﴾ وَ مَنْ يُّسْلِمْ وَجْهَهٗٓ اِلَى اللّٰهِ وَ هُوَ مُحْسِنٌ

عذاب دوزخ کے (۲۱) اور جو شخص جھکالے چہرہ اپنا طرف اللہ کی اور ہو وہ نیکوکار

فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ؕ وَ اِلَى اللّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ﴿٢٢﴾

پس تحقیق تھام لیا اس نے حلقہ بڑا مضبوط اور طرف اللہ ہی کی انجام ہے سب کاموں کا (۲۲)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور جب ان سے کہا جائے کہ اس حکم پر چلو جو اللہ تعالیٰ نے اتارا تو کہیں نہیں ہم تو اس پر چلیں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا، بھلا اور جو شیطان انہیں دوزخ کے عذاب کی طرف بلاتا ہو تو بھی باپ دادا کے طریقے پر چلیں گے؟ (۲۱) اور جو اپنا چہرہ اللہ تعالیٰ کی طرف پھیر دے اور وہ ہو نیکی پر تو اس نے پکڑ لیا مضبوط حلقہ اور ہر کام کا انجام اللہ تعالیٰ ہی کی طرف ہے۔ (۲۲)

تفسیر

اس آیت میں ارشاد ہے کہ: قرآن کریم کے کہنے کے مطابق نہ چلنے کا بہانہ وہ یہ کرتے ہیں کہ ہم اپنے باپ دادا کے طریقے کو کیسے چھوڑ دیں، ان نادانوں سے کہو کہ اگر تمہارے باپ دادا شیطان کے بہکاوے میں آکر دوزخ کی طرف جا رہے ہوں تو کیا ان کے پیچھے تم بھی دوزخ میں ہی جا کر گروگے؟ سیدھی بات یہ ہے کہ جس نے اللہ تعالیٰ کی طرف رُخ کیا اور اس کی فرمانبرداری صدقِ دل سے اختیار کی تو اس نے بڑا مضبوط حلقہ اپنے ہاتھ میں پکڑ لیا ہے، جب تک اسے پکڑے رہے گا گر نہیں سکتا، آخر سب کاموں کا فیصلہ اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں ہے، اس کے پاس پہنچ کر وہ خوش ہو جائے گا۔

وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ: اور جب ان سے کہا جائے کہ اس کے حکم پر چلو جو اللہ تعالیٰ نے اتارا، یعنی: کتاب، دین، ہدایت، شریعت اور اللہ تعالیٰ کے حکموں کی پیروی کرو جو اللہ تعالیٰ نے اتارے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم تو اس چیز کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا، اللہ تعالیٰ کے دین کو چھوڑ کر محض باپ دادا کے طریقے کو اپنانا گمراہی ہے، ایسے لوگ نہ کسی پیغمبر کو مانتے ہیں، نہ کسی کتاب اور نہ کسی نیک شخص کے اتباع کی ضرورت محسوس کرتے ہیں، بلکہ اپنے مشرک باپ دادا کے طریقے کو ہی سب کچھ سمجھ لیتے ہیں اور اس کے خلاف کوئی بات سننے کیلئے تیار نہیں ہوتے۔

ہاں! باپ دادا کے پیچھے چلنا اس صورت میں تو جائز ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نبی یا نیک صالح اور اللہ والے لوگ ہوں، جیسے حضرت یوسف علیہ السلام نے قید کے دوران کہا تھا کہ میں تو اپنے باپ دادا ابراہیم، اسحاق، اور یعقوب علیہ السلام کی پیروی کرتا ہوں۔ (سورۃ یوسف، آیت ۳۸)، وہ سب اللہ تعالیٰ کے پیغمبر تھے، ایسے لوگوں کے نقشِ قدم پر چلنا تو سعادت اور نجات کا ذریعہ ہے اور ہمارے لئے تو یہ کسی طور بھی مناسب نہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کیساتھ کسی کو شریک ٹھہرائیں۔

کافر، مشرک اور باطل پرست لوگ ہمیشہ اپنے باپ دادا کی غلط رسموں پر ہی چلتے رہتے ہیں، مکہ کے

مشرک کہتے تھے کہ قصیٰ ابن کلاب جیسے بڑے بڑے لوگ گزرے ہیں ہم ان کا طریقہ کیوں چھوڑیں، یہ لوگ ہمارے سردار اور بڑی حیثیت کے مالک تھے، ہم سب انہی کی پیچھے چلنے والے لوگ ہیں کیا وہ کوئی بیوقوف تھے؟

وَ مَنْ يُّسْلِمْ وَجْهَهٗٓ اِلَى اللّٰهِ: اور جو اپنا چہرہ اللہ تعالیٰ کی طرف پھیر دے، چہرے کا ذکر کر کے شخصیت مراد ہوتی ہے مطلب یہ ہوا کہ جو شخص اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے تابع کر دے اور وہ شخص ہو بھی نیکی کرنے والا تو سمجھ لو کہ اس نے مظبوط کڑے کو پکڑ لیا، یہ کڑا چھوٹ تو سکتا ہے مگر ٹوٹ نہیں سکتا، حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کی روایت میں آتا ہے کہ: انہوں نے خواب دیکھا کہ وہ کسی اونچے ستون پر چڑھے ہیں اور کڑے کو ہاتھ میں تھام لیا ہے، جب انہوں نے یہ واقعہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ تم نے مضبوط کڑے کو پکڑ لیا ہے، تم ایمان والوں میں سے ہو، اللہ تعالیٰ فرمان بھی ہے کہ: جو شخص اللہ تعالیٰ پر ایمان لایا اس نے گویا مضبوط کڑے کو پکڑ لیا جو ٹوٹے گا نہیں۔ (البقرہ:۲۵۶)

وَاِلَى اللّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ: اور ہر کام کا انجام اللہ تعالیٰ ہی کی طرف ہے، قیامت والے دن جب اللہ تعالیٰ کے سامنے حساب کتاب کی منزل آئے گی تو ہر چھوٹا بڑا اور اچھا برا عمل پیش کر دیا جائے گا اور پھر انہی کے مطابق اللہ تعالیٰ کی عدالت میں فیصلے ہوں گے۔

کافروں کا غم نہ کریں

وَ مَنْ كَفَرَ فَلَا يَحْزُنْكَ كُفْرُهٗ ؕ اِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ فَنُنَبِّئُهُمْ

اور جس نے | کفر کیا | پس نہ | غمگین کرے آپ کو | کفر اس کا | طرف ہماری | لوٹنا ہے ان کو | پس بتائیں گے ہم انہیں

بِمَا عَمِلُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۲۳﴾ نُمَتِّعُهُمْ قَلِيْلًا

جو وہ | کرتے ہیں | تحقیق | اللہ | جانتا ہے | باتیں دلوں کی | (۲۳) ہم فائدہ اٹھانے دیں گے انہیں | کچھ دن

ثُمَّ نَضْطَرُّهُمْ اِلٰى عَذَابٍ غَلِيْظٍ ﴿۲۴﴾ وَ لَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ

پھر ہم کھینچ لائیں گے طرف عذاب سخت کے (۲۴) اور البتہ اگر پوچھیں آپ ان سے کس نے پیدا کیا

السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ۭ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ

آسمانوں کو اور زمین کو البتہ ضرور کہیں گے وہ اللہ نے آپ کہیں ساری خوبیاں ہیں اللہ کیلئے بلکہ اکثر ان میں سے

لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۵﴾ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ

نہیں جانتے (۲۵) اللہ ہی کا ہے جو میں آسمانوں اور زمین تحقیق اللہ وہی ہے بے پرواہ

الْحَمِيْدُ ﴿۲۶﴾ وَ لَوْ اَنَّ مَا فِي الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَّ الْبَحْرُ

خوبیوں والا (۲۶) اور اگر ایسا ہو کہ جو میں زمین کے ہے کوئی درخت قلمیں ہوں اور سمندر

يَمُدُّهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ

اسکی سیاہی ہو سے بعد اسکے سات سمندر ہوں تو بھی نہ ختم ہوں تعریفیں اللہ کی تحقیق اللہ

عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۷﴾

زبردست حکمت والا ہے (۲۷)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور جو کوئی کفر کرے، اس کا کفر آپ کو غمگین نہ کرے، ان کو ہماری طرف ہی لوٹ کر آنا ہے، پھر ہم بتائیں گے جو انہوں نے کیا، البتہ اللہ تعالیٰ دلوں کی بات جانتا ہے۔ (۲۳) ہم ان کا کام تھوڑے دن چلائیں گے، پھر کھینچ لائیں گے انہیں بھاری عذاب میں۔ (۲۴) اور اگر آپ ان سے پوچھیں آسمان اور زمین کس نے بنائے تو ضرور بضرور کہیں گے اللہ تعالیٰ نے، آپ کہیں سب خوبی اللہ تعالیٰ کیلئے ہے لیکن بہت سے ان میں سمجھ نہیں رکھتے۔ (۲۵) اللہ تعالیٰ کا ہی ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے، بیشک اللہ تعالیٰ غنی سب خوبیوں والا ہے۔ (۲۶) اگر جتنے درخت زمین میں ہیں قلمیں بن جائیں اور سمندر اس کی سیاہی ہوں اور اس کے پیچھے سات سمندر اور ہوں تو بھی اللہ تعالیٰ کی تعریفیں ختم نہ ہوں، بیشک اللہ تعالیٰ زبردست حکمت والا ہے۔ (۲۷)

لفظی تحقیق: غَلِيْظٍ: سخت۔صفت کا صیغہ ہے، غ ل ظ سے "غِلْظٌ" کے معنی سختی، درشتی اور کھردرے پن کے ہیں، "غلیظ" ہر وہ شے ہے جس کے دیکھنے، سننے، چھونے سے سخت اذیت پہنچے۔

تفسیر

ارشاد ہے کہ: اے پیغمبر! آپ سمجھانے کا حق ادا کر چکے ہیں، قرآن کریم کی آیتیں انہیں سنادیں، ان کا مطلب سمجھادیا اور ان پر عمل کا طریقہ بتادیا، اب بھی اگر کوئی اللہ تعالیٰ کو نہ مانے تو آپ غم نہ کریں، یہ سب لوٹ کر ہمارے ہی پاس آئیں گے اور ان کے عملوں کا نتیجہ ان کے سامنے آجائے گا، دنیا میں ہم انہیں دنیا کی کچھ چیزوں سے خوب فائدہ اٹھانے کا موقع دیں گے، لیکن آخرکار وہ سخت عذاب میں مبتلا ہوں گے، تعجب کہ بات تو یہ ہے اگر ان سے پوچھا جائے کہ یہ آسمان اور زمین کس نے بنائے؟ تو بے ساختہ بول اٹھیں گے اللہ تعالیٰ نے، لیکن جب ایمان لانے کو کہا جائے تو کترا کر چل دیں گے۔

اے پیغمبر! ان سے کہہ دیں کہ اللہ تعالیٰ تمام خوبیوں کا مالک ہے اور اکثر لوگ نہیں جانتے، اگر دنیا کے سارے درخت قلم بن جائیں اور سمندر ان کی سیاہی ہوں، بلکہ سات سمندر اور بھی ان کیساتھ سیاہی ہو جائیں اور لکھنے والے لکھنا شروع کر دیں تو اللہ تعالیٰ کی خوبیاں ساری نہ لکھ سکیں گے، یہ سب چیزیں ختم ہو جائیں گی مگر اللہ تعالیٰ کی خوبیوں کا بیان ختم نہ ہوگا، اس کو ماننے کا طریقہ یہی ہے کہ اس کو سب سے زبردست، سب پر غالب، تمام بھیدوں سے واقف اور خبردار مانا جائے۔

لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ: اللہ تعالیٰ کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے، بیشک اللہ تعالیٰ بے نیاز اور تعریفوں والا ہے، ہر چیز اسی کی پیدا کی ہوئی ہے، کوئی اس کی تعریف کرے یا نہ کرے وہ بہر حال تمام تعریفوں کا مالک ہے، وہ تمام عزتوں اور خوبیوں کا مالک ہے، وہ بے نیاز ہے کہ وہ کسی کی پرواہ نہیں کرتا، جو کوئی اس کیساتھ دوسروں کو شریک بنائے گا وہ خود ہی اپنا نقصان اٹھائے گا۔

وَ لَوْ اَنَّ مَا فِي الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ: ایک روایت میں ہے کہ یہ آیت یہودیوں کے

عالموں کے ایک سوال کے جواب میں نازل ہوئی، وجہ یہ تھی کہ قرآن کریم کی آیت ہے: وَ مَآ اُوْتِیْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا: اور تمہیں صرف تھوڑا سا ہی علم دیا گیا ہے۔

جب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ میں تشریف لائے تو چند یہودی عالم حاضر ہوئے اور اس آیت کے بارے میں پوچھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جو کہتے ہیں کہ تمہیں تھوڑا سا علم دیا گیا ہے، یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قوم کے بارے میں کہا ہے یا ہمارے بارے میں؟ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: میری مراد دونوں ہیں، یعنی: اپنی قوم بھی اور تم بھی، تو انہوں نے کہا کہ ہمیں تو اللہ تعالیٰ نے تورات عطا فرمائی ہے، جس کی شان یہ ہے کہ اس میں ہر چیز کا بیان ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: وہ بھی اللہ تعالیٰ کے علم کے مقابلہ میں تھوڑا ہی ہے، پھر تورات میں جتنا علم ہے اس کا بھی تمہیں پورا علم نہیں، بلکہ تھوڑا سا ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ کے علم کے مقابلہ میں ساری آسمانی کتابوں کے علم کا مجموعہ بھی تھوڑا ہی ہے، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی اس بات کی تائید کیلئے یہ آیت نازل ہوئی۔

اللہ تعالیٰ کی قدرت

مَا خَلْقُكُمْ وَ لَا بَعْثُكُمْ اِلَّا كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌۢ

نہیں پیدا کرنا تمہارا اور نہ دوبارہ زندہ کرنا تمہارا مگر مانند شخص ایک کے ہے تحقیق اللہ سننے والا

بَصِیْرٌ ﴿۲۸﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ یُوْلِجُ الَّیْلَ فِی النَّهَارِ وَ یُوْلِجُ

دیکھنے والا ہے (۲۸) کیا نہیں دیکھا آپ نے کہ اللہ داخل کرتا ہے رات کو میں دن اور داخل کرتا ہے

النَّهَارَ فِی الَّیْلِ وَ سَخَّرَ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ ۫ كُلٌّ یَّجْرِیْۤ اِلٰۤی

دن کو میں رات اور کام میں لگایا سورج کو اور چاند ہر ایک چلتا ہے تک

اَجَلٍ مُّسَمًّى وَّ اَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ ﴿۲۹﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ

وقت مقرر اور یہ کہ اللہ اس سے جو تم کرتے ہو خبردار ہے (۲۹) یہ اس لئے کہ اللہ ہی ہے

هُوَ الْحَقُّ وَ اَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الْبَاطِلُ ۙ وَ اَنَّ اللّٰهَ هُوَ

حقیقی ہستی اور یہ کہ جسے وہ پکارتے ہیں سوا اس کے بے حقیقت ہے اور یہ کہ اللہ ہی وہ

ع (۱۱) ۳ ۱۲ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ﴿۳۰﴾

بلند ہے بڑا ہے (۳۰)

بامحاورہ ترجمہ: ۔تم سب کا پیدا کرنا اور دوبارہ زندہ کرنا ایسا ہی ہے جیسے ایک جی کا پیدا کرنا، بیشک اللہ تعالیٰ سب کچھ سنتا دیکھتا ہے۔(۲۸) آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں (یعنی: اللہ تعالیٰ دن کے بعض حصہ کو رات میں داخل کر دیتا ہے جس سے رات لمبی اور دن چھوٹا ہو جاتا ہے اور رات کے بعض حصہ کو دن میں داخل کر دیتا ہے جس سے دن لمبا اور رات چھوٹی ہو جاتی ہے۔) اور سورج اور چاند کو کام میں لگا دیا اور ہر ایک مقرر وقت تک چلتا ہے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ اس کی خبر رکھتا ہے جو تم کرتے ہو۔(۲۹) یہ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ ہی اصل ہستی ہے اور جس کسی کو اس کے سوا اپنی مدد کیلئے پکارتے ہو جھوٹ ہے اور اللہ تعالیٰ سب سے بڑا اور بلند ہے۔(۳۰)

تفسیر

ارشاد ہے کہ: سنو! اللہ تعالیٰ کی قدرت میں ہر چیز ہے، تم سب کا پیدا کرنا اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کر دینا اس کے نزدیک کیا مشکل ہے، بے شمار زندہ چیزیں پیدا کرنا اور ایک زندہ چیز پیدا کرنا اس کے نزدیک دونوں برابر ہیں، سب کچھ اس کے ارادے کے تابع ہے، اِدھر ارادہ کیا اور اُدھر چیز موجود ہوئی، جیسے وہ سب کی ایک ہی وقت میں سنتا اور ایک ہی وقت میں دیکھتا ہے، اسی طرح پیدائش بھی ایک کی ہو یا بہتوں کی اس کیلئے برابر ہے، اس کی قدرت اسی میں دیکھ لو کہ کبھی دن بڑھتا ہے کبھی رات، چاند اور سورج برابر اپنے اپنے کاموں میں مصروف ہیں اور جو وقت ان کیلئے مقرر کر دیا گیا ہے اسی کے مطابق اپنا اپنا کام کر رہے ہیں اور کرتے رہیں گے، ان باتوں کی طرف توجہ کی ضرورت ہے، تا کہ معلوم ہو جائے کہ عبادت کے لائق صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے اور باقی

سارے معبود جھوٹے ہیں، بیشک اللہ تعالیٰ ہی سب سے برتر اور سب سے بڑا ہے۔

اور نشانیاں

اَلَمْ تَرَ اَنَّ الْفُلْكَ تَجْرِىْ فِى الْبَحْرِ بِنِعْمَتِ اللّٰهِ لِيُرِيَكُمْ

کیانہیں دیکھا آپ نے کہ جہاز چلتا ہے میں سمندر ساتھ نعمت اللہ کی تاکہ دکھائے تمہیں

مِّنْ اٰيٰتِهٖ ؕ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ﴿۳۱﴾ وَ اِذَا

کچھ نشانیاں اپنی تحقیق میں اس البتہ نشانیاں ہیں واسطے ہر صبر کرنے والے شکر کرنے والے کے(۳۱) اور جب

غَشِيَهُمْ مَّوْجٌ كَالظُّلَلِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ فَلَمَّا

ڈھانپ لیتی ہے ان کو موج جیسے سائبان پکارتے ہیں اللہ کو خالص بن کر لئے اسی کے بندگی پھر جب

نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ فَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ؕ وَ مَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا

بچالایا ان کو طرف خشکی کے میں سے ان میانہ روی کرتے ہیں اور نہیں مکرتا نشانیوں ہماری سے مگر

كُلُّ خَتَّارٍ كَفُوْرٍ ﴿۳۲﴾

ہر دھوکے باز ناشکرا(۳۲)

بامحاورہ ترجمہ:۔کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ سمندر میں جہاز اللہ تعالیٰ کی نعمت سے چلتے ہیں تاکہ اللہ تعالیٰ تمہیں کچھ اپنی قدرتیں دکھائے، البتہ اس میں ہر ایک صبر کرنے والے، شکر کرنے والے کیلئے نشانیاں ہیں۔(۳۱) اور جب اس کے سر پر موج آئے جیسے بادل تو اللہ تعالیٰ کو پکارنے لگیں خالص اعتقاد کر کے، پھر جب ان کو خشکی کی طرف بچادیا تو ان میں کوئی میانہ رو ہوتا ہے اور ہماری آیتوں کے منکر وہی ہوتے ہیں جو بدعہد اور ناشکرے ہوتے ہیں۔(۳۲)

لفظی تحقیق: خَتَّارٌ: فریبی۔ مبالغہ کا صیغہ ہے، (خ، ت، ر) سے ختر دھوکہ دینا، "خَتَّار" دھوکے باز،

غدار۔ **مُقْتَصِدٌ**: سنبھل کر چلنے والا۔ اسم فاعل ہے، اقتصاد سے جو قصد سے بنا ہے، **"مقتصد"** اعتدال۔

تفسیر

ارشاد ہے کہ: تم جہازوں کو دیکھتے ہو پانی کی سطح پر کیسے چلتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو اِدھر سے اُدھر اٹھا کر پہنچا دیتے ہیں، کیا تمہیں اس میں اللہ تعالیٰ کی قدرت نظر نہیں آتی؟ ہر معتدل مزاج شکر گزار کیلئے اس میں اللہ تعالیٰ کی نشانیاں ہیں، پھر کبھی طوفان آجاتا ہے اور پہاڑوں جیسی موجیں سر پر چھا جاتی ہیں، تو کشتی والے اللہ تعالیٰ ہی کو خلوص سے پکارنے لگتے ہیں، مگر خشکی میں آکر پھر شرک کرنے لگتے ہیں اور یہ کہنے لگتے ہیں کہ ہمیں ہمارے خداؤں نے ڈوبنے سے بچا کر کنارے تک پہنچا دیا۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ الْفُلْكَ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِنِعْمَتِ اللّٰهِ: کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ سمندر میں جہاز اللہ تعالیٰ کی نعمت سے چلتے ہیں، بیشک سمندر میں کشتیاں محض اللہ تعالیٰ کے فضل سے چلتی ہیں، جغرافیہ والے کہتے ہیں کہ پوری دنیا میں صرف ایک چوتھائی خشکی ہے، جبکہ اس کے اِردگرد چودہ کروڑ مربع میل پر پانی ہی پانی ہے، پرانے زمانے سے سمندری راستوں کو سفر کا ذریعہ بنایا جاتا رہا ہے، بڑے بڑے دریاؤں میں بھی ایک جگہ سے دوسری جگہ تک کا سفر کشتی کے ذریعہ ہوتا رہا ہے اور آج بھی بعض سمندروں میں بڑے بڑے سٹیمر چلتے ہیں، جبکہ بین الاقوامی نقل وحمل کیلئے تو سمندر کو ہی سفر کا ذریعہ بنایا جاتا رہا ہے، فرق صرف یہ ہے کہ پہلے زمانے میں یہ سفر بادبانی کشتیوں کے ذریعے ہوتا تھا جبکہ موجودہ زمانے میں لاکھوں ٹن وزنی جہاز ایجاد ہو چکے ہیں، جو لمبے سفر، تیز رفتاری، اور زیادہ سے زیادہ بوجھ اٹھانے کیلئے کارآمد ثابت ہو رہے ہیں، تیل سے چلنے والے بڑے بڑے جہاز اور ٹینکر لاکھوں ٹن سامان ایک برّاعظم سے دوسرے برّاعظم تک لاتے لیجاتے ہیں، کئی کئی منزلہ مسافر بردار جہاز بھی ہیں، مگر سمندروں کی وسعت کے پیش نظر ان کی حیثیت ایک تنکے سے زیادہ نہیں، جب ہوائیں چلتی ہیں، سمندروں میں طوفان آتے ہیں تو یہ بڑے بڑے جہاز بھی سمندری لہروں پر تنکوں کی طرح تھپیڑے کھاتے ہیں اور بعض اوقات

تمام تر انتظامات کے باوجود طوفانی لہروں کا مقابلہ نہیں کر سکتے اور غرق ہوجاتے ہیں، ابھی قریب زمانے میں ہندستان کا جہاز (دارا) سمندر میں غرق ہوا تھا، اس پر بارہ سو (۱۲۰۰) مسافر سوار تھے، باہر طوفان تھا اور ادھر جہاز کے انجن میں دھماکہ ہوا، پھر کیا تھا، جہاز ٹکڑے ٹکڑے ہوکر ڈوب گیا اور صرف دو اڑھائی سو آدمی بچائے جاسکے، باقی سب ڈوب کر مر گئے۔

ابھی چند سال کی بات ہے کہ فیصل آباد کے ایک صاحب نے خود اپنا واقعہ بیان کیا کہ وہ اٹلی کے ایک مال بردار جہاز پر ملازم تھے، اسی (۸۰) ہزار ٹن وزنی یہ جہاز پچھتر (۷۵) ہزار ٹن لوہا لیکر اٹلی سے امریکہ جارہا تھا، آٹھ دس عملے کے آدمی تھے، جن میں دو مسلمان اور باقی انگریز تھے، جہاز سخت طوفان میں پھنس کر ڈوبنے لگا، اس وقت اللہ تعالیٰ کی رحمت کے سوا کوئی آسرا نہ تھا، جب بچنے کی کوئی اُمید نہ رہی تو انگریزوں میں سے بعض نے شراب پی کر سمندر میں چھلانگ لگادی، کہنے لگے کہ ہم دو مسلمانوں نے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرکے ایک چھوٹی کشتی کو سمندر میں اُتارنے میں کامیاب ہوگئے، ہم سمندری لہروں کے تھپیڑے کھاتے رہے، بھلا اتنے بڑے جہاز کے مقابلے میں چھوٹی سی کشتی کی کیا حیثیت تھی، مگر ہم اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہیں ہوئے تھے، اتنے عرصہ میں باہر کی دنیا میں اس حادثے کی خبر پہنچ چکی تھی، کسی ملک کے ہیلی کاپٹر نے ہمیں سمندر سے زندہ نکال لیا اور لیجاکر ہسپتال میں داخل کرادیا، ہفتہ دس دن کے بعد ہمیں ہوش آیا تو وطن آنے کی اجازت ملی، مطلب یہ کہ سمندروں میں کشتیوں اور جہازوں کا چلنا محض اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے ہوتا ہے، ورنہ بڑے بڑے سمندروں کی سطح پر ان کشتیوں اور جہازوں کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی، ان سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ انسانوں کو اپنی قدرت کی نشانیاں دکھاتا ہے کہ دیکھو! اللہ تعالیٰ نے تمہاری زندگی کے کیا کیا سامان پیدا کر رکھے ہیں، اگر سامان لانے لیجانے کا یہ سلسلہ نہ ہو تو مختلف ملکوں کے لوگ سخت پریشانی محسوس کریں اور مختلف علاقوں کی زرعی اور صنعتی پیداوار سے فائدہ حاصل نہ کرسکیں اور ایک حد تک تجارت ٹھپ ہوکر رہ جائے۔

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ: البتہ اس میں ہر ایک صبر کرنے والے شکر کرنے والے کیلئے

نشانیاں ہیں، جو لوگ اس طرح کی مصیبتوں پر صبر کرتے ہیں اور مصیبتوں کے ختم ہونے پر شکر کرتے ہیں، ان کیلئے اس میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں ہیں، جنہیں دیکھ کر اللہ تعالیٰ کی قدرت پر ایمان والوں کا یقین اور بھی پختہ ہو جاتا ہے۔

صبر اور شکر بہت بڑے اصول ہیں، کوئی بھی انسان ان دو حالتوں سے خالی نہیں کہ یا تو اس پر تکلیف اور پریشانی کا دور ہوتا ہے اور یا آسودگی اور خوشحالی کا، جب کسی مؤمن کو پریشانی ہوتی ہے تو صبر کرتا ہے اور جب خوشحالی آتی ہے تو شکر کرتا ہے، پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان بھی ہے کہ: مؤمن آدمی کی حالت بہت خوب ہے جب اس کو تکلیف پہنچتی ہے تو صبر کرتا ہے اور جب راحت ملتی ہے تو شکر کرتا ہے، اس کیلئے دونوں حالتیں بہتر ہوتی ہیں۔

ابوجہل کے بیٹے حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ جو فتح مکہ تک مسلمان نہیں ہوئے تھے، مکہ سے بھاگ گئے تھے، جہاز پر سوار ہو گئے، مگر وہ بھی بھنور میں پھنس گیا، جب جہاز کو بچانے کی تمام کوششیں ناکام ہو گئیں تو جہاز والے کہنے لگے کہ اب خدا کے سوا ہمیں کوئی نہیں بچا سکتا، لہٰذا اسی کے سامنے گڑگڑا کر دعائیں کرو، اس پر عکرمہ رضی اللہ عنہ کے دماغ پر چوٹ لگی اور دل میں سوچا کہ آج تک تو ہم لات منات اور عزیٰ کو پکارتے رہے، مگر آج جب حقیقی مشکل میں پھنس گئے تو ہمیں صرف اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں بچا سکتا ہے، یہی سبق تو وہ دیتے ہیں جو آج ہمیں مشکل کے وقت دیا جا رہا ہے کہ جو رب العالمین پانیوں میں بچا سکتا ہے وہ خشکی پر کیوں نہیں بچا سکتا، چنانچہ دل میں پختہ ارادہ کر لیا کہ اگر جان بچ گئی تو سیدھا پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پہنچ کر ایمان لے آؤں گا، چنانچہ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ ایمان لائے اور بہترین مسلمان بنے۔

قیمتی نصیحت

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ وَ اخْشَوْا يَوْمًا لَّا يَجْزِيْ وَالِدٌ

اے لوگو! ڈرو رب اپنے سے اور خوف کرو اس دن کا نہ کام آئے کوئی باپ

عَنْ وَّلَدِهٖ ۫ وَ لَا مَوْلُوْدٌ هُوَ جَازٍ عَنْ وَّالِدِهٖ شَيْـًٔا ؕ اِنَّ وَعْدَ

سے اپنے بیٹے اور نہ کوئی بیٹا وہ کام آ سکے سے باپ اپنے کے کچھ تحقیق وعدہ

اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۗ وَ لَا يَغُرَّنَّكُمْ

اللہ کا سچا ہے پس نہ دھوکہ دے تمہیں زندگانی دنیا کی اور نہ دھوکہ دے تمہیں

بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ﴿٣٣﴾

بارے میں اللہ کے وہ دغاباز (۳۳)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اے لوگو! اپنے رب سے ڈرتے رہو اور ڈرو اس دن سے کہ کام نہ آئے گا کوئی باپ اپنے بیٹے کے اور نہ کوئی بیٹا کام آئے گا اپنے باپ کے کچھ بھی، بیشک اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے، سوتم کو دنیا کی زندگانی دھوکہ نہ دے اور نہ دھوکہ دے تمہیں وہ دغاباز (شیطان) اللہ تعالیٰ کے بارے میں۔ (۳۳)

تفسیر

اے لوگو! اپنے رب سے ڈرتے رہو، اس جگہ اللہ تعالیٰ کے نام یا کسی دوسری صفت کے بجائے ربّ کے لفظ کو انتخاب کرنے میں اشارہ اس طرف ہے کہ اللہ تعالیٰ سے خوف کا جو حکم ہے یہ وہ خوف نہیں جو کسی درندے یا دشمن سے ہوا کرتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ تو تمہارا ربّ یعنی پالنے والا ہے، اس سے اس طرح کا کوئی خطرہ نہیں ہونا چاہئے، بلکہ خوف سے مراد اس جگہ وہ خوف ہے جو اپنے بڑوں اور بزرگوں کی عظمت اور دبدبے کی وجہ سے ہونا لازم ہے، جیسے بیٹا اپنے باپ سے، شاگرد اپنے استاد سے ڈرتا ہے، وہ کوئی اس کے دشمن یا نقصان پہنچانے والے نہیں، مگر ان کی عظمت دلوں میں ہوتی ہے، وہی ان کو باپ اور استاد کی اطاعت پر مجبور کرتی ہے، یہاں بھی یہی مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عظمت تمہارے دلوں میں ہونی چاہئے تاکہ تم اس کی مکمل اطاعت آسانی سے کرسکو۔

اللہ تعالیٰ کی ناراضی سے ہر وقت ڈرتے رہو اور یاد رکھو کہ ایسا ہولناک دن آنے والا ہے جب باپ بیٹے کے اور بیٹا باپ کے کام نہیں آئے گا اور کوئی رشتہ دار، کوئی برادری والا اور دوست کسی کی مدد نہیں کر سکے گا، یہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے جو ٹل نہیں سکتا، اس لئے اس پر یقین کرو اور دنیا کی زندگی کے دھوکے اور فریب میں مت پھنسو، شیطان کی

چال میں مت آؤ، وہ انسان کو اللہ تعالیٰ کا نام لیکر دھوکہ دیتا ہے، مثلاً: کہتا ہے کہ میاں خوب عیش کرو اللہ غفور رحیم ہے، خبردار نجات اللہ تعالیٰ کے غضب سے ڈرنے میں ہے۔

ایک موقعہ پر خود پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے گھر والوں سے خصوصی خطاب فرمایا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پیاری بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہا، پھوپھی صفیہ رضی اللہ عنہا، چچا عباس رضی اللہ عنہ، کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آخرت کی فکر کرلو، میں دنیا کے مال کے ذریعے تو تمہاری مدد کر سکتا ہوں، لیکن اگر توحید اور ایمان سے خالی ہوئے تو قیامت والے دن تم کو نہیں بچا سکوں گا، لہٰذا تم خود اپنی جانوں کو دوزخ کی آگ سے بچانے کی کوشش کرو۔

وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ: اور نہ دھوکا دے تمہیں وہ دغاباز (شیطان) اللہ تعالیٰ کے بارے میں، امام ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: لفظ "غَرُوْرُ" (غ کی پیش کیساتھ) ہر اس چیز پر بولا جاتا ہے جو انسان کو دھوکے میں مبتلا کردے، خواہ وہ دنیا ہو، کوئی انسان ہو، جن یا شیطان ہو، تاہم اس مقام پر غرور سے مراد شیطان ہے، یعنی: خبردار رہنا کہ شیطان تمہیں بہکا کر دھوکہ میں نہ ڈال دے، شیطان سب سے بڑا فراڈیہ ہے، وہ تمہیں ورغلا کر توحید، ایمان اور نیکی کے راستے سے ہٹا کر شرک اور کفر اور گناہوں کے راستے پر ڈالنے کی کوشش کرتا ہے، لہٰذا اس سے بچ کر رہنا، دنیا کی رنگینیاں یا شیطان کا بہکاوا تمہیں دھوکے میں ڈال کر آخرت کی منزل سے غافل نہ کردے، لہٰذا اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور قیامت کی فکر کرو۔

احکام و مسائل

وَاخْشَوْا يَوْمًا لَّا يَجْزِيْ وَالِدٌ عَنْ وَّلَدِهٖ وَلَا مَوْلُوْدٌ هُوَ جَازٍ عَنْ وَّالِدِهٖ شَيْئًا: اور ڈرو اس دن سے کہ کام نہ آئے گا کوئی باپ اپنے بیٹے کے اور نہ کوئی بیٹا کام آئے گا اپنے باپ کے کچھ بھی، مراد اس سے وہ باپ اور بیٹے ہیں جن میں ایک مؤمن ہو دوسرا کافر، کیونکہ مؤمن باپ نہ اپنے کافر بیٹے کے عذاب میں کوئی کمی کر سکے گا نہ اس کو کوئی نفع پہنچا سکے گا، اسی طرح مؤمن بیٹا اپنے کافر باپ کے کچھ کام نہ آسکے گا۔

وجہ اس تخصیص کی قرآن کریم کی دوسری آیات اور حدیث کی روایتیں ہیں جن میں اس کی وضاحت ہے کہ قیامت کے دن ماں باپ اولاد کی اور اولاد ماں باپ کی شفاعت کریں گے اور اس شفاعت کی وجہ سے ان کو کامیابی بھی ہوگی، قرآن کریم میں ہے، "یعنی جو لوگ ایمان لائے اور ان کی اولاد بھی ان کے ایمان میں ان کے تابع ہوئی"۔

یعنی: وہ بھی مؤمن ہو گئے تو ہم ان کی اولاد کو بھی ان کے نیک ماں باپ کے درجہ میں پہنچا دیں گے، اگرچہ ان کے اپنے اعمال اس درجہ کے قابل نہ ہوں، مگر نیک ماں باپ کی برکت سے قیامت میں بھی ان کو یہ نفع پہنچے گا، مگر اس میں شرط یہی ہے کہ اولاد مؤمن ہو، اگرچہ عمل میں کچھ کوتاہی ہوئی ہو، اسی طرح ایک دوسری آیت میں ہے: "ہمیشہ رہنے کی جنتوں میں داخل ہوں گے اور ان کے ساتھ وہ لوگ بھی داخل ہوں گے جو ان کے ماں باپ، بیویوں اور اولاد میں سے اس قابل ہوں گے"۔

قابل ہونے سے مراد مؤمن ہونا ہے، ان دونوں آیتوں سے ثابت ہوا کہ ماں باپ اور اولاد، اسی طرح شوہر اور بیوی اگر مؤمن ہوں تو پھر ایک دوسرے کو قیامت میں بھی فائدہ پہنچے گا، اسی طرح بہت سی حدیثوں میں اولاد کا ماں باپ کی شفاعت کرنے کا ذکر ہے، اس لئے آیت کا یہ ضابطہ کہ کوئی باپ اپنے بیٹے کو اور بیٹا باپ کو محشر میں کوئی فائدہ نہ پہنچا سکے گا، یہ اسی صورت میں ہے کہ ان میں ایک مؤمن ہو دوسرا کافر۔

انسان نادان ہے

إِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَ يُنَزِّلُ الْغَيْثَ ۚ وَ يَعْلَمُ مَا

تحقیق اللہ پاس اس کے علم قیامت کا اور وہی اتارتا ہے مینہ اور جانتا ہے جو کچھ

فِي الْأَرْحَامِ ۗ وَ مَا تَدْرِيْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا ۗ وَ مَا

میں ہے رحموں اور نہیں جانتا کوئی شخص کیا کرے گا کل اور نہیں

تَدْرِيْ نَفْسٌۢ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوْتُ ۗ إِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ﴿٣٤﴾ ع ۴ ۱۴

جانتا کوئی شخص کون سی زمین میں مرے گا تحقیق اللہ جاننے والا خبردار ہے (۳۴)

بامحاورہ ترجمہ:۔ بیشک قیامت کا علم اللہ تعالیٰ کے پاس ہے اور وہ مینہ برساتا ہے اور جانتا ہے جو کچھ ماؤں کے پیٹوں میں ہے اور کسی آدمی کو معلوم نہیں کہ کل کیا کرے گا اور کسی کو معلوم نہیں کہ کس زمین میں مرے گا، تحقیق اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا خبردار ہے۔ (۳۴)

تفسیر

ارشاد ہے کہ: قیامت کا علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے اور مینہ برسانا بھی اسی کے علم اور اختیار میں ہے، کوئی آدمی نہیں جانتا کہ کل کیا ہوگا، اسے یہ بھی معلوم نہیں کہ کہاں مرے گا، یہ سب باتیں اللہ تعالیٰ کے علم میں ہیں وہ جس کو چاہے بتائے یا نہ بتائے، پھر انسان کس گھمنڈ پر بڑی بڑی امیدیں باندھتا ہے، بڑے بڑے منصوبے گھڑتا ہے، اپنے ہی خیال اور ناقص علم پر بھولا اور پھولا بیٹھا ہے، ابھی قیامت آجائے تو سب کچھ رکھا رہ جائے، بارہا انسان نے یہ سوچا کہ کل یہ کروں گا لیکن واقعات ایسے پیش آتے ہیں کہ سب کچھ دھرا رہ جاتا ہے، جب ان باتوں پر اختیار نہیں تو پھر اللہ تعالیٰ کا کہنا کیوں نہیں مانتے جو ان سب باتوں سے خبردار ہے اور انسان کو وہی حکم دیتا ہے جو اسکے حال کے مناسب ہو۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ غیب کی لاتعداد چیزیں ہیں، جنہیں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا، مگر اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے صرف پانچ چیزوں کا ہی ذکر کیوں کیا ہے؟۔

امام بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ، امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ اور بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ: اس آیت کا شانِ نزول یہ ہے کہ ایک شخص حارث بن عمرو رضی اللہ عنہ نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر ان پانچ ہی چیزوں کا سوال کیا تھا، جن کا جواب اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے ذریعے دیدیا، اس شخص کے پانچ سوال یہی تھے:

(۱)…. قیامت کب آئے گی۔ (۲)…. بارش کب ہوگی۔ (۳)…. بیوی حاملہ ہے وہ کیا جنے گی۔ (۴)…. میں کل کیا کام انجام دوں گا۔ (۵)…. میری موت کہاں واقع ہوگی، مفسرین یہ بھی فرماتے ہیں: کہ یہ پانچ چیزیں ایسی ہیں جن کو عام طور پر لوگ پیشگی جاننا چاہتے ہیں، لہٰذا ان چیزوں کا ذکر بطورِ خاص کردیا گیا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ : ارشاد ہوتا ہے کہ : بیشک اللہ تعالیٰ کے پاس ہی ہے قیامت کا علم ، یعنی : قیامت اچانک آئے گی اور کسی کو خبر بھی نہ ہوگی ، قیامت کے آنے کی کچھ نشانیاں بعد کے بعض واقعات تو اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو بتلا دیئے ہیں ، مگر اس کا عین وقت اللہ تعالیٰ نے نہ کسی فرشتے کو بتایا ہے ، نہ پیغمبر کو اور نہ کسی جن کو ، اس کا علم صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہے کہ قیامت کب واقع ہوگی۔

وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ : اور وہ مینہ برساتا ہے ، جہاں تک مینہ برسنے کی بات ہے تو سائنسی آلات کے ذریعے کسی حد تک تو اس کی پیشین گوئی کی جاسکتی ہے ، آجکل محکمہ موسمیات والے کے ذریعے ہوا کا رُخ اور دباؤ معلوم کرتے ہیں ، اور پھر اس سے مینہ کے برسنے کا علاقہ اور وقت متعین کرتے ہیں ، ان کی یہ پیشین گوئی بعض اوقات صحیح بھی ہوتی ہے اور بعض اوقات بالکل غلط ثابت ہوتی ہے ، کیونکہ مینہ کے برسنے کا علم بھی صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے ، یہ پیشین گوئی بارہ گھنٹے ، چوبیس گھنٹے یا اس سے کچھ زیادہ وقت کیلئے ہوتی ہے ، کوئی بھی ماہر مینہ برسنے کا عین وقت نہیں بتاسکتا اور نہ ہی وہ حصہ متعین کرسکتا ہے جس پر مینہ برسنے کی توقع ہے ، یہ بھی کوئی نہیں بتاسکتا کہ فی الواقع کتنے انچ یا کتنی مقدار میں بارش ہوگی اور پھر یہ بھی کہ یہ مقامی طور پر مفید ثابت ہوگی یا سیلاب کی صورت میں نقصان کا سبب ہوگی ، یہ تمام تفصیل مینہ برسنے کا حصہ ہیں اور ان سب کا صحیح صحیح علم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں۔

وَيَعْلَمُ مَا فِي الْاَرْحَامِ : اور جانتا ہے جو کچھ ماں کے پیٹ میں ہے ، اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا یہ بھی کوئی نہیں جانتا کہ اس حمل میں بچہ ہوگا یا بچی ، البتہ جدید سائنسی دور میں بعض مشینوں کی مدد سے کسی حد تک اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ بچہ متوقع ہے یا بچی ، مشینوں کی مدد کے بغیر اس کی پوری تفصیلات کوئی ماہر ترین ڈاکٹر بھی نہیں بتاسکتا ، بعض اوقات رحم میں بچہ الٹا ہونے سے یا کسی بیماری یا کبھی کبھار کسی اور وجہ سے بھی مشین سے اندازہ نہیں لگایا جاسکتا ، اور بعض اوقات اندازے غلط بھی ہوجاتے ہیں ، اگر کسی نے کوئی بات مشینی آلات کے ذریعے معلوم کرلی تو یہ علم غیب نہیں ہے ، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا علم مشینوں کی مدد کے بغیر ہے اور مکمل علم صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہی ہے۔

وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا : اور کسی آدمی کو معلوم نہیں کہ کل کو کیا کرے گا ، عام طور پر

ہر انسان اپنی روز مرہ کی زندگی کو متعین معمولات کے مطابق بسر کرنے کی کوشش کرتا ہے اور کوئی شخص آسانی سے کہہ سکتا ہے کہ آج تو اس نے اپنا کام ختم کرلیا، کل پھر فلاں وقت پر کام شروع کردے گا، مگر ہم بھی دیکھتے ہیں کہ انسان کو کتنے ہی واقعات معمول کے خلاف بھی پیش آجاتے ہیں، کسی شخص کو یقین ہوتا ہے کہ وہ کل اپنی ڈیوٹی پر حاضر ہوجائے گا، مگر راستے میں اسے کوئی حادثہ پیش آجاتا ہے اور وہ اپنے کام پر نہیں پہنچ پاتا؛ لہٰذا یقین کیساتھ کوئی بھی نہیں کہہ سکتا کہ وہ کل ضرور فلاں کام کرے گا، اس بات کا حقیقی علم بھی اللہ تعالیٰ کے پاس ہی ہے۔

وَ مَا تَدْرِیْ نَفْسٌۢ بِاَیِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ: اور کسی کو نہیں معلوم کہ کس زمین میں مرے گا، روزانہ ہم دیکھتے ہیں کہ انسان کسی کام کاج کیلئے نکلتا ہے تو اس کی موت گھر، شہر اور علاقے سے دور دراز جگہ پر واقع ہوجاتی ہے، حالانکہ ایسا ہونا اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں ہوتا، کتنے ہی لوگ ہیں جو بس، ریل یا ہوائی جہاز کے حادثوں میں جاں بحق ہوجاتے ہیں اور کتنے ہی ایسے بھی ہوتے ہیں جن کی لاش تک نہیں ملتی، سمندروں میں ڈوب جانے والوں یا صحرا میں جان دینے والوں کے متعلق کون جانتا ہے کہ ان کی موت کہاں اور کس جگہ آئی، پاکستان کی قومی کمپنی کا جہاز گلگت سے راولپنڈی آتے ہوئے، ایسا غائب ہوا کہ آج تک اس جگہ کا تعین بھی نہیں ہوسکا، جہاں وہ گر کر تباہ ہوا، لاش تو دور کی بات جہاز کا ڈھانچہ تک نہیں ملا، اس جہاز کے مسافر اور عملہ تک نہیں جانتے تھے کہ ان کی موت کہاں واقع ہوگی۔

مفسر ابو سعود رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ایک موقعہ پر ملک الموت حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس آئے، ان کے پاس ایک شخص بیٹھا تھا جس کی طرف ملک الموت نے گھور کر دیکھا، وہ شخص ڈر گیا اور حضرت سلیمان علیہ السلام سے عرض کیا کہ مجھے یہاں سے دور کہیں ہندستان کے کسی علاقے میں بھجوادو، جنات اور ہوا تو حضرت سلیمان علیہ السلام کے تابع تھے، آپ نے حکم کیا تو وہ شخص دور دراز علاقے میں پہنچا دیا گیا، پھر آپ نے ملک الموت سے پوچھا کہ آپ اس شخص کو گھور گھور کر کیوں دیکھ رہے تھے، تو ملک الموت نے بتایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ کا یہ حکم تھا کہ اس شخص کی جان ہندستان کے فلاں جنگل میں فلاں وقت پر قبض کرنی ہے، وقت بالکل قریب تھا مگر میں اس شخص کو آپ کے پاس بیٹھا ہوا دیکھ کر حیران ہو رہا تھا کہ اتنے تھوڑے وقت میں یہ شخص مقررہ جگہ تک کیسے پہنچ سکے گا، جبکہ اللہ تعالیٰ کا حکم بھی برحق ہے،

اوراس کی جان وہیں قبض ہونی ہے، اس طرح گویا وہ شخص خود اپنی خواہش پر اپنی موت کی جگہ پہنچ گیا اور ملک الموت نے اس کی جان اسی مقام پر قبض کرلی۔

مشہور ہے کہ بغداد کے کسی خلیفہ نے خواب میں فرشتے کو دریائے دجلہ سے نکلتے ہوئے دیکھا تو اس سے پوچھا کہ بتاؤ میری عمر کتنی باقی ہے؟ اس کے جواب میں فرشتے نے اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا، جبکہ ہاتھ کی پانچوں انگلیاں کھلی ہوئی تھیں، صبح ہوئی تو خلیفہ نے تمام دانشوروں کو جمع کرلیا اور خواب کی تعبیر پوچھی، ہر ایک نے اپنی اپنی سمجھ کے مطابق جواب دیا، کسی نے کہا اے خلیفہ! تیری عمر پانچ دن باقی رہ گئی ہے، کسی نے پانچ ماہ اور کسی نے پانچ سال بتائے مگر خلیفہ کو تسلی نہ ہوئی، کسی نے مشورہ دیا کہ اس کے متعلق امام اعظم امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا جائے، جب امام صاحب کے سامنے خواب کا واقعہ بیان کیا گیا تو امام صاحب نے فرمایا کہ: ہاتھ کی پانچ انگلیوں سے اشارے کا مطلب یہ کہ اے خلیفہ! آپ کا سوال ان پانچ چیزوں میں سے ایک کے متعلق ہے جن کا علم اللہ تعالیٰ نے مخلوق میں سے کسی کو نہیں دیا، پھر آپ نے یہی آیت تلاوت کی۔

اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ: اللہ تعالیٰ تعالیٰ ہر چیز کو جاننے والا اور ہر واقعہ کی خبر رکھنے والا ہے، اس کے علم سے کوئی چیز باہر نہیں۔

علمِ غیب پر اصولی بحث: اہل بدعت اور شیعہ حضرات کا عقیدہ ہے کہ پیغمبر، ولی اور امام بھی غیب جانتے ہیں، اس ضمن میں یہ بات سمجھ لینی چاہئے کہ حقیقت میں غیب وہ ہوتا ہے جو بغیر کسی ذریعہ کے خود بخود معلوم ہو، مگر اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر کو جو بات بتلاتا ہے اس میں وحی کا ذریعہ شامل ہوتا ہے، اسی طرح اولیاء اللہ کو بھی بعض اوقات کشف یا خواب کے ذریعے کچھ بتلا دیا جاتا ہے، ظاہر ہے یہ علم بھی تو بغیر واسطہ کے نہیں ہوتا، اسی طرح جس بات کو عقل یا غور وفکر کے ذریعے معلوم کیا جائے وہ بھی غیب نہ رہا، غیب وہی ہوگا جو بغیر کسی واسطے کے آئے اور وہ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کیساتھ مخصوص ہے۔

سورۂ لقمان پر ایک نظر

اس سورت میں پہلے اس بات کی طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ قرآن مجید کی باتیں حکمت کے مطابق ہیں، یعنی: اس کی ہر بات میں اس کا خیال رکھا جاتا ہے کہ ہر کام کا آخری نتیجہ درست ہو، خواہ اس کی خاطر تھوڑا سا بظاہر ذاتی فائدہ شروع میں چھوڑنا پڑے، اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ اس کی باتوں سے اصل فائدے وہی لوگ اٹھا سکتے ہیں جن کی طبیعت نیک کاموں کی طرف جھکی ہوئی ہے اور انجام پر نظر رکھتے ہیں، ان کو نماز پڑھنا اور محتاجوں کی مدد کرنا یقیناً پسند ہوگا اور پھر یہ لوگ اس کا بدلہ بھی فوراً یہیں دنیا میں نہیں مانگیں گے، بلکہ یقین رکھیں گے کہ دنیا عارضی قیام کی جگہ ہے اور انسان کی یہاں کی عمر محدود ہے، اس لئے نیک کاموں کا پورا پورا بدلہ یہاں نہیں مل سکتا، اس کا لازمی نتیجہ آخرت پر یقین رکھنا ہے۔

آگے کچھ ایسی باتیں بتائی گئی ہیں جن کا انجام اچھا نہیں اور آخرت میں ان کی وجہ سے بڑے دکھ اور آفتوں میں مبتلا ہونا لازمی ہے، ان میں سے اکثر چیزیں وہ ہیں جن میں فقط دنیاوی کھیل تفریح مقصود ہوتی ہے اور اتفاق سے یہ وہی باتیں ہیں جن میں دنیا کے اکثر لوگ آج کل مبتلا نظر آتے ہیں۔

فضول کہانیاں، ناول، من گھڑت افسانے، ناچ گانا، عالی شان مکانات، تصویر کشی، نقش نگاری، لچر پوچ شاعری اور وہ تمام کام جن کو فنونِ لطیفہ کا نام دیکر اچھا بتانے کی کوشش کی جاتی ہے، سب وہی باتیں ہیں جن کا انجام آخرت میں اچھا نہ ہوگا۔

اس سورۃ میں حضرت لقمان کا قصہ بیان کرکے اشارہ کیا گیا ہے کہ دنیا کے عقل مند ان باتوں کی اچھائی پر متفق ہیں جنہیں قرآن میں اچھا کہا گیا ہے اور ان باتوں کو برا جانتے ہیں جن کو اس میں برا بتایا گیا ہے۔

پھر بتایا گیا ہے کہ آنکھیں کھول کر تو دیکھو کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں تمام عالم میں ظاہر ہیں، ان کو دیکھ کر ان تمام باتوں کی سچائی کا یقین ہوجانا چاہئے جو قرآن کریم نے بتائی ہیں، پھر بھی اگر کوئی یقین نہ کرے تو وہ نادان ہے، ضد کی تو بات ہی اور ہے، ورنہ انسان کو ان باتوں کا نہ علم ہے نہ ان پر اختیار ہے جس کے بغیر اس کی

ساری کاروائیاں اور شیخیاں ذرہ سی حیثیت بھی نہیں رکھتیں۔

سورۃ السجدہ کا خلاصہ

اس سورۃ کا نام "سورۃ السجدہ" ہے، اسی نام کی ایک اور "سورۃ سورۂ حٰم سجدۃ" بھی ہے، اس میں سب سے پہلے اس بات کی طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ قرآن کریم یقیناً اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کی گئی کتاب ہے جو سارے جہانوں کا پالنے والا اور محافظ ہے، اس بات میں شک وشبہ کی گنجائش ہی نہیں، قرآن کریم کا طرزِ کلام اور بات کا طریقہ ہی صاف صاف کہہ رہا ہے کہ یہ اس جہاں کے بنانے والے نے اپنی تمام عاقل و بالغ مخلوق کی ہدایت کیلئے بھیجا ہے، اس کا خطاب کسی خاص قوم یا فرقہ سے نہیں، بلکہ اس مخلوقات سے ہے جو سمجھ اور ذمہ داری کا احساس اپنے اندر رکھتی ہے، کیا یہ مکہ کے نادان لوگ اس عظیم الشان کتاب کی بابت یہ کہتے ہیں کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے خود گھڑ لی ہے، عربی زبان سے واقف ہو کر ایسی بات کہنا ضد اور خود غرضی کے سوا اور کچھ نہیں ہوسکتا، چھوڑو ان باتوں کو یہ کتاب حقیقت اور سچی باتیں بتانے والی ہے اور ان لوگوں کو خبردار کرنے کیلئے بھیجی گئی ہے جن کے پاس اس سے پہلے کوئی پیغمبر نہیں آیا تاکہ انہیں دنیا بھر کا رہنما بنائے، یہ بتاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو پہچانو جس نے تنہا آسمان اور زمین اور ان کے درمیان کی ساری مخلوق پیدا کی اور پھر ان کا نظام قائم کر دیا، اس کے سوا تمہارا نہ کوئی ساتھی ہے نہ مددگار اس کے حکم کے مطابق چلو، دنیا میں کچھ دن جینا ہے پھر ہر ایک کی موت آ کر رہے گی، اس کے بعد دوبارہ زندگی ہوگی، عملوں کا حساب کتاب ہوگا اور ان کے مطابق جزا و سزا ملے گی، اس دن اللہ تعالیٰ کے نافرمان لوگ پچھتائیں گے اور دنیا میں دوبارہ بھیجے جانے کی درخواست کریں گے لیکن یہ درخواست منظور نہ ہوگی، کیونکہ انہیں پیغمبروں اور کتابوں کے ذریعے پورے طور پر سمجھا دیا گیا تھا کہ نہ مانو گے تو دوزخ ٹھکانہ ہوگا، جیسے تم دنیا میں ہمیں بھول گئے آج ہم تم کو بھلا دیں گے، آج تمہارے لئے سوا عذاب کے کچھ نہیں۔

دیکھو! اچھی طرح سن لو، ایمان والے وہ ہیں جو قرآن کریم کی آیتیں سُن کر اکڑفوں چھوڑ دیتے ہیں اور فوراً

اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ میں گر پڑتے ہیں، اس کے سامنے راتوں کو اٹھ اٹھ کر گڑ گڑاتے ہیں اور عاجزی کرتے ہیں، اس سے ڈرتے بھی ہیں اور اسی سے بخشش کی امید بھی رکھتے ہیں۔

دیکھو! دنیا میں چھوٹے چھوٹے عذاب انسان کو چونکانے کیلئے بھیجے جاتے ہیں، اگر نہ چونکے تو آخرت کا بڑا عذاب بھگتنا پڑے گا، یادرکھو قیامت برحق ہے اور اس دن سب جھگڑے چکا دیئے جائیں گے۔

آیاتها ـ ۳۰ سُوْرَةُ السَّجْدَةِ مَكِّيَّةٌ رکوعاتها ـ ۳

سورۃ السجدۃ مکی ہے۔اس میں تیس آیتیں اور تین رکوع ہیں۔

قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓمّٓ ﴿١﴾ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٢﴾ اَمْ

الف لام میم (۱) اتارنا کتاب کا نہیں شک میں اس سے رب جہانوں کے (۲) کیا

يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ۚ بَلْ هُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ

کہتے ہیں کہ یہ گھڑ لایا ہے وہ اسے نہیں تو یہ تو سچی بات ہے سے طرف رب آپکے تاکہ آپ ڈرادیں ایسی قوم کو کہ نہیں

اَتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ﴿٣﴾

آیا انکے پاس کوئی ڈرانے والا سے پہلے آپ تاکہ وہ سیدھے راستے پر آجائیں (۳)

بامحاورہ ترجمہ:۔ الٓمّٓ ۔ (۱) اس میں کچھ شک نہیں کہ کتاب کا اتارنا جہانوں کے پروردگار کی طرف سے ہے۔ (۲) کیا یہ کہتے ہیں کہ جھوٹ باندھ لایا ہے، نہیں بلکہ آپ کے رب کی طرف سے حق ہے تاکہ آپ ان

لوگوں کو ڈرائیں جن کے پاس آپ سے پہلے کوئی ڈرانے والا نہیں آیا تا کہ وہ سیدھی راہ پر آجائیں۔ (۳)

تفسیر

سورۃ السجدۃ کی فضیلت

حدیث شریف میں آتا ہے کہ: تیس آیتوں پر مشتمل یہ ایک ایسی سورۃ ہے جسے ایک شخص نے پڑھا تھا، تو اس سورۃ نے اس آدمی کے حق میں سفارش کی اور اس شخص کو اللہ تعالیٰ نے عذاب سے بچالیا، حدیث شریف میں آتا ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سونے سے پہلے "سورۃ الملک" اور "سورۃ السجدۃ" کی تلاوت فرمایا کرتے تھے، "مسند احمد" میں یہ روایت بھی موجود ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن فجر کی نماز میں عام طور پر "سورۃ السجدہ" اور "سورۃ الدھر" تلاوت فرمایا کرتے تھے، گویا جمعہ کے دن ان سورتوں کی تلاوت مستحب، یعنی: زیادہ ثواب ہے۔

اس آیت میں قرآن مجید کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہونے کا ذکر ہے، یہ ایسی واضح کتاب ہے جس میں شک نہیں کیا جاسکتا، یہ دراصل کافروں اور مشرکوں کے اُس اعتراض کا جواب ہے جس میں وہ کہتے تھے کہ اس کتاب کو پیغمبر نے خود گھڑلیا ہے، حالانکہ یہ بڑی ہی بیہودہ بات ہے، اللہ تعالیٰ نے تصدیق فرمائی ہے کہ یہ من گھڑت کتاب نہیں ہے، بلکہ یہ پروردگار کی طرف سے حق ہے یعنی بالکل سچی کتاب ہے اور اس کے اتارنے کا مقصد یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ڈرائیں اس قوم کو جن کے پاس آپ سے پہلے کوئی ڈرانے والا نہیں آیا، تا کہ یہ لوگ سیدھے راستے پر آجائیں۔

آسمانوں اور زمین کا چھ دن میں بنانا

اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ مَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ

اللہ | وہ ہے | بنائے جس نے | آسمان | اور | زمین | اور جو کچھ ہے درمیان ان دونوں کے | میں | چھ

اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ؕ مَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِيٍّ

دن | پھر | قائم ہوا | پر | عرش | نہیں لئے تمہارے | سوا | اس کے | کوئی | حمایتی

وَّ لَا شَفِيْعٍ ؕ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ④

اور نہ سفارشی کیا پس نہیں تم دھیان کرتے (۴)

بامحاورہ ترجمہ: ۔اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے آسمان اور زمین اور جو کچھ ان میں ہے سب کچھ چھ دن کے اندر بنایا، پھر عرش پر قائم ہوا، تمہارا اُس کے سوا کوئی حمایتی نہیں اور نہ کوئی سفارشی، کیا تم پھر بھی دھیان نہیں کرتے۔ (۴)

تفسیر

ارشاد ہے کہ: "رب العالمین" وہ اللہ تعالیٰ ہے جس نے چھ دن میں آسمان، زمین اور ان کے درمیان کی ساری مخلوق بنا ڈالی اور پھر عرش پر تختِ حکومت قائم فرمایا، ان سے کہہ دو کہ کائنات کے چپہ چپہ پر اسی کا حکم چلتا ہے، تم اس کی نافرمانی کر کے کہاں جاؤ گے؟ اور کس کی پناہ ڈھونڈو گے؟ اس کے سوا تمہارا کوئی دوست، حمایتی، ساتھی اور مددگار نہیں، نہ اس کی اجازت کے بغیر کوئی تمہاری سفارش کر سکتا ہے، اب تمہیں سوچنا چاہئے کہ جب واقعہ یہ ہے تو تمہارا اس کے سوا کہاں ٹھکانہ ہے، تم جو ایسی دیدہ دلیری سے اس کا انکار کر رہے ہو، نہ اس کے پیغمبر کو مانتے ہو، نہ اس کی کتاب پڑھتے ہو، نہ اس کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہو، یہ تمہاری سراسر نادانی ہے۔

مَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِيٍّ وَّ لَا شَفِيْعٍ: تمہارا اس کے سوا کوئی حمایتی نہیں اور نہ کوئی سفارشی، اس سفارش سے مراد مشرکانہ سفارش ہے، مشرکوں کا عقیدہ یہ ہے کہ جن جھوٹے معبودوں کی وہ عبادت کرتے ہیں، ان کو پکارتے ہیں اور نذر و نیاز پیش کرتے ہیں، کیا وہ انہیں قیامت کے دن بچا لیں گے، فرمایا: اس قسم کی کوئی سفارش نہیں ہوگی جس کے ذریعے ان کے جھوٹے معبودان کو بچا سکیں۔

اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ: پھر کیا تم دھیان نہیں کرتے، کیا تم ان باتوں میں غور و فکر کر کے نصیحت نہیں پکڑتے؟ اللہ تعالیٰ ہر چیز سے بلند و برتر ہے اور اس کے سوا تمہارا کوئی حمایتی اور سفارشی بھی نہیں ہے، لہٰذا کفر و شرک چھوڑ کر اس کے بندے بن جاؤ اور اللہ تعالیٰ کی توحید پر رہو۔

اللہ تعالیٰ کی تدبیر

يُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَى الْاَرْضِ ثُمَّ يَعْرُجُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ

تدبیر کرتا ہے ہر کام کی سے آسمان طرف زمین کی پھر چڑھے گا طرف اسکی میں دن

كَانَ مِقْدَارُهٗۤ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ۞ ذٰلِكَ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَ

کہ ہے مقدار اس کی ہزار سال اس حساب سے جو تم گنتی لگاتے ہو (۵) یہ ہے جاننے والا پوشیدہ اور

الشَّهَادَةِ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۞

ظاہر کا زبردست رحم والا (۶)

بامحاورہ ترجمہ: تدبیر سے کام آسمان سے زمین تک اتارتا ہے پھر وہ کام اس کی طرف چڑھتا ہے ایک دن میں جس کی تعداد تمہاری گنتی میں ایک ہزار سال کی ہے۔ (۵) یہ ہے چھپے اور کھلے کا جاننے والا، زبردست اور رحم والا۔ (۶)

تفسیر

ارشاد ہے کہ: اللہ تعالیٰ کے ہاں سے روزانہ ایک دن کے کام کی تفصیل زمین پر بھیجی جاتی ہے، اللہ تعالیٰ کے حکموں کو عمل میں لانے والے فرشتے اس کے مطابق اپنے اپنے کام میں لگ جاتے ہیں، اس کے بعد اس ساری کاروائی کی رپورٹ اللہ تعالیٰ کے حضور میں پہنچتی ہے اور وہاں سے دوسرے دن کیلئے حکم مقرر ہو کر آجاتا ہے، روزانہ اسی طرح ہوتا رہتا ہے، لیکن دنیا کے دنوں کے حساب سے اگر دیکھا جائے تو ایک دن دنیا کے ہزار سال کے برابر ٹھہرے۔

آگے ارشاد ہے کہ: ایسا مقرر اور جچا تلا انتظام اس سب حاکموں کے حاکم نے اپنی قدرت سے مقرر کر دیا ہے، جس کو ہر ایک پوشیدہ اور کھلی باتوں کی پوری پوری خبر ہے اور جو ظاہر اور باطن دونوں سے پورا پورا واقف ہے اور جو سب سے زیادہ قوت والا ہے۔

انسان کی پیدائش

الَّذِیْٓ اَحْسَنَ كُلَّ شَیْءٍ خَلَقَهٗ وَ بَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ

وہ جس نے اچھی بنائی ہر چیز جو پیدا کی اور شروع کی پیدائش انسان کی سے

طِیْنٍۚ۝۷ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِیْنٍۚ۝۸ ثُمَّ

گوندھی ہوئی مٹی (۷) پھر بنائی اولاد اس کی سے نچڑے سے پانی بے قدر (۸) پھر

سَوّٰىهُ وَ نَفَخَ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ وَ جَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَ الْاَبْصَارَ

برابر کیا اسے اور پھونکی میں اس سے روح اپنی اور بنائے لئے تمہارے کان اور آنکھیں

وَ الْاَفْـِٕدَةَ ؕ قَلِیْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ۝۹

اور دل بہت کم تم شکر کرتے ہو (۹)

بامحاورہ ترجمہ:۔ وہ جس نے ہر چیز خوب بنائی اور انسان کی پیدائش شروع کی ایک گارے سے۔(۷) پھر اس کی اولاد نچڑے ہوئے بے قدر پانی سے بنائی۔(۸) پھر اسے برابر کیا اور پھونکی اس میں اپنی ایک جان اور تمہارے لئے کان اور آنکھ اور دل بنا دیئے، تم بہت کم شکر کرتے ہو۔(۹)

تفسیر

جو چیز بھی اللہ تعالیٰ بنائی بہت اچھے طریقے سے اور بڑی خوبصورتی سے بنائی، اس طرح کی چیزیں اللہ تعالیٰ ہی بنا سکتا ہے اور ہر چیز اسی کی قدرت میں ہے، اس نے پانی میں گوندھی ہوئی مٹی سے پہلی دفعہ آدمی کو بنایا اور پھر اس کی پیدائش کا سلسلہ نطفہ کے ذریعے جاری کیا، نطفہ پانی کی شکل کا ایک فضلہ ہے جو انسان کی خوراک سے بنتا ہے، پھر انسان کے بدن کا ہر جوڑ صحیح طور پر اپنی اپنی جگہ بٹھایا اور سارے اعضاء درست کر دیئے۔

جب وہ ایک مناسب شکل کا ہوگیا تو اس کے اندر روح پھونکی جو اللہ تعالیٰ کے حکم سے بنی ہوئی ایک خاص چیز ہے، اس کے بعد انسان اپنے کان اور آنکھ سے سننے اور دیکھنے لگا اور اس کے دل میں عجیب وغریب قوتیں اپنا اپنا کام کرنے لگیں، پھر بھی تم اس کی شکر گزاری کم کرتے ہو۔

الَّذِیْٓ اَحْسَنَ کُلَّ شَیْءٍ خَلَقَهٗ: وہ جس نے ہر چیز خوب بنائی، اللہ تعالیٰ نے ہر شے کو ایسی حکمت اور مصلحت سے بنایا ہے کہ اس سے بہتر بنانا ممکن ہی نہیں، اللہ تعالیٰ کے بنانے میں درخت، پہاڑ، چرند، پرند، پھل اور پھول وغیرہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی قدرت کا کمال ہیں، خاص طور پر انسان کے متعلق فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ نے انسان کو بہترین سانچے میں پیدا کیا، انسان کی ظاہری شکل وصورت، اس کا قد، رنگت، بال، کھال، ہاتھ، پاؤں، حواس ظاہرہ اور باطنہ، غرضیکہ اللہ تعالیٰ نے ہر عضو کو کمال درجے کا بنایا ہے اور اس میں ضرورت کی ہر خوبی جمع کردی ہے، پھر فرمایا کہ: انسان کی پیدائش کی ابتدا مٹی سے کی، انسان میں تمام خوبیوں کے باوجود اس کی اصل مٹی ہے، اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام مٹی کے مادے سے بنایا اور پھر اس کی نسل کو ایک نطفہ سے بنایا، یہ قطرہ عورت کے رحم میں پہنچ کر بچے کی پیدائش کا ذریعہ بنتا ہے اور اسی سے نسل انسانی کا سلسلہ چل رہا ہے۔

ثُمَّ سَوّٰىهُ وَنَفَخَ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ: پھر اسے برابر کیا اور اس میں اپنی طرف سے پھونکی روح، یعنی: عورت کے رحم میں بچے کے اعضاء کو درست کیا اور ہر عضو کا اپنے ٹھکانے پر رکھا، جب ڈھانچہ مکمل ہوگیا تو پھر اس میں اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف سے روح پھونک دی، روح ایک نہایت ہی لطیف چیز ہے جو حمل کے بعد چوتھے مہینے میں دوسرے جہان سے آکر انسان میں داخل ہوتی ہے۔

وَجَعَلَ لَکُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ: اور تمہارے لئے کان اور آنکھ اور دل بنادیئے، یہ اللہ تعالیٰ کے احسانات کا ذکر ہورہا ہے کہ اس نے انسان کو اولاً مٹی سے پیدا کیا، پھر اس کی نسل نطفہ سے چلائی، پھر اس کو برابر کیا اور اس میں اپنی طرف سے روح پھونکی، پھر اس نے تمہارے کان، آنکھیں اور دل بنائے، کان اور آنکھیں انسان کیلئے بہت بڑی نعمت ہیں، کانوں سے سن کر اور آنکھوں سے دیکھ کر نتیجے نکالے جاتے ہیں، انسان

کے بولنے کا دارومدار بھی سننے پر ہے، جب تک وہ سنے گا نہیں، سیکھے گا نہیں تو بول بھی نہیں سکے گا، اسی طرح دل بھی انسان کیلئے بہت بڑی نعمت ہے، سوچنے سمجھنے کی صلاحیت اور محبت ونفرت کے جذبات دل میں پیدا ہوتے ہیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان تین چیزوں کو خاص طور پر ذکر کیا ہے۔

قَلِيلًا مَّا تَشْكُرُونَ: تم بہت کم شکر کرتے ہو، یعنی: تم میں سے بہت تھوڑے لوگ ہیں جو اپنے پیدا کرنے والے کا شکر ادا کرتے ہیں، ان اعضاء کا شکر ادا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ انسان کانوں کیساتھ اللہ تعالیٰ اور اس کے پیغمبر کی باتیں اور دوسری اچھی باتیں سنے، اپنے کاروبار اور فن کو سیکھنے کیلئے استعمال کر کے حلال روزی کا بندوبست کرے، اسی طرح آنکھوں کیساتھ قرآن پاک کی زیارت اور اس کی تلاوت کرے اور دوسری دینی کتابوں کا مطالعہ کرے، اللہ تعالیٰ کی قدرت کو دیکھ کر اس کی تعریف زبان پر لائے، اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی آنکھیں کسی غلط جگہ پر نہ ڈالے اور نہ کانوں کے ذریعے حرام باتوں کو سنے، اسی طرح دل کا شکر یہ یہ ہے کہ وہ اس کے ذریعے صحیح غور وفکر کر کے اللہ تعالیٰ کے ایک ہونے کو پہچانے، اپنے اختیار سے بری باتیں دل میں نہ لائے۔

مر کر جینا

وَ قَالُوْٓا ءَ اِذَا ضَلَلْنَا فِي الْاَرْضِ ءَ اِنَّا لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ؕ بَلْ

اور کہا انہوں نے کیا جب رَل مِل گئے میں زمین کیا پھر ہم میں پیدائش نئی پائیں گے بلکہ

هُمْ بِلِقَآئِ رَبِّهِمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۱۰﴾ قُلْ يَتَوَفّٰىكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ

وہ ملاقات میری سے رب اپنے کے انکار کرنے والے ہیں (۱۰) آپ کہیں وفات دے گا تمہیں فرشتہ موت کا

الَّذِيْ وُكِّلَ بِكُمْ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۱﴾ ع ۱۱ ۱۴

جو مقرر کر دیا گیا ہے پر تم پھر طرف رب اپنے کے دوبارہ لوٹائے جائینگے (۱۱)

بامحاورہ ترجمہ: ۔ اور کہتے ہیں جب ہم زمین میں مٹی ہو کر رَل مل گئے تو پھر ہم کو نئے سرے سے دوبارہ پیدا کیا جائے گا، بلکہ وہ اپنے رب کی ملاقات سے منکر ہیں۔ (۱۰) آپ کہیں موت کا فرشتہ تمہاری جان قبض کر لے گا

جوتم پر مقرر ہے، پھرتم اپنے رب کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔(۱۱)

تفسیر

ارشاد ہے کہ: یہ لوگ کیسے کہتے ہیں کہ جب ان کے اجزاء گل سڑ کر مٹی میں اِدھراُدھر پھیل جائیں گے تو اس کے بعد نئے سرے سے پھر انسان کیسے بنے گا؟ ان سے کہہ دو کہ اصل میں تم نے اپنے رب کو نہیں پہچانا، جب ایک دفعہ بدن بن گیا، روح اس میں آ گئی اور انسان پیدا ہو گیا تو اس کے بعد یہ سمجھ لو کہ موت کا فرشتہ تمہارے لئے مقرر کر دیا گیا ہے، وہ وقت جب آئے گا تمہارے بدن سے روح کھینچ لے گا، یہ روح باقی رہے گی، اس کیلئے دوبارہ بدن پھر اسی طرح بن جائے گا، جیسے پہلے تھا اور پھر روح اس میں داخل ہو جائے گی۔

وَ قَالُوْٓا ءَاِذَا ضَلَلْنَا فِي الْاَرْضِ: اور کہتے ہیں کہ جب ہم زمین مٹی ہو کر رل مل جائیں گے، جب کوئی انسان مر جاتا ہے تو اس کو زمین میں دفن کر دیا جاتا ہے اور کچھ عرصہ کے بعد اس کا جسم حتیٰ کہ ہڈیاں بھی گل سڑ جاتی ہیں اور وہ مٹی ہو کر مٹی میں مل جاتا ہے، ان چیزوں کو دیکھ کر کافر اور مشرک کہنے لگے کیا اس کے بعد ہم دوبارہ زندہ کر کے اٹھائے جائیں گے؟ اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ ان کا یہ اعتراض محض اس لئے ہے کہ یہ لوگ اپنے پروردگار کی ملاقات کے منکر ہیں، دوبارہ زندگی کا تو مقصد ہی یہ ہے کہ انسان اگلے جہان میں زندہ ہو کر اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہو اور دنیا کی زندگی کے عملوں کا حساب کتاب دے اور پھر اس کے نتیجے میں جزا یا سزا کو قبول کرے، مگر یہ لوگ چونکہ اپنی بدکرداری کی وجہ سے سزا کو قبول کرنے کیلئے تیار نہیں، اس لئے وہ سرے سے اللہ تعالیٰ کی ملاقات کا ہی انکار کر رہے ہیں، کہ نہ دوبارہ زندہ ہو کر اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہوں گے، نہ حساب کتاب کی منزل آئے گی اور نہ جزا و سزا کا مسئلہ پیدا ہو گا، اللہ تعالیٰ نے دوسری جگہ فرمایا کہ: یہ لوگ تو اپنے اس نرم و نازک جسم کی دوبارہ زندگی کا انکار کر رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے پیغمبر! آپ ان سے کہہ دیں کہ اگر تم پتھر یا لوہے جیسی سخت چیز بھی بن جاؤ تب

بھی اللہ تعالیٰ تم کو زندہ کر کے اپنے سامنے لا کھڑا کرے گا۔ (سورۃ بنی اسرائیل۔ آیت: ۵۰)

قُلْ يَتَوَفّٰىكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِيْ وُكِّلَ بِكُمْ: آپ کہیں موت کا فرشتہ تمہاری جان قبض کر لے گا جو تم پر مقرر ہے، اللہ تعالیٰ انسان کو زندگی عطا کرتا ہے اور پھر عزرائیل علیہ السلام کے ذریعے اس پر موت بھی طاری کرتا ہے، یہ فرشتہ اللہ تعالیٰ کے چار مقرب فرشتوں میں سے ایک ہے، اس کیساتھ اس کا عملہ ہوتا ہے جو تمام جہان کے انسانوں اور جانداروں کی روحیں قبض کرتا ہے، سورۃ الانعام میں ہے! جب تم میں سے کسی کی موت کا وقت آجاتا ہے تو ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے اس کی جان قبض کر لیتے ہیں (آیت، ۶۱)، مفسرین کرام اس کی تشریح اس طرح بیان کرتے ہیں کہ جب کسی کی موت کا وقت قریب آجاتا ہے تو عزرائیل علیہ السلام کے ساتھی فرشتے متعلقہ شخص کی جان کو اس کے جسم حتیٰ کہ اس کے ناخنوں اور بالوں سے سمیٹ لیتے ہیں،" سورۃ الواقعہ" میں ہے کہ حتیٰ کہ جب وہ بالکل حلق میں آجاتی ہے تو ملک الموت اس کو لے لیتا ہے اور پھر وہ اس کو آگے لے جاتے ہیں۔ (آیت: ۸۳)

حدیث میں ایک انصاری صحابی رضی اللہ عنہ کا واقعہ آتا ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس گئے جب اس کی روح نکل رہی تھی وہاں ملک الموت موجود تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: اے موت کے فرشتے! میرے صحابی کی روح نکالنے میں نرمی اختیار کرو، اس نے جواب دیا، اے محمد! خدا کی قسم میں تو ہر مؤمن کیساتھ نرمی کا معاملہ کرتا ہوں، میں تو اللہ تعالیٰ کے حکم کا پابند ہوں اور اس کے حکم پر عمل کرتا رہتا ہوں کہ کس شخص کی جان کو کس وقت اور کس جگہ پر قبض کرنا ہے، حقیقت یہ ہے کہ میں ایک مچھر کی جان بھی اپنے ارادے اور قدرت سے نہیں نکالتا، میں تو صرف اللہ تعالیٰ کے حکم پر جان نکالتا ہوں، مجھے بھی عین وقت پر ہی بتلایا جاتا ہے کہ فلاں شخص کی جان، فلاں وقت اور فلاں مقام پر قبض کرنی ہے۔

قیامت میں آنکھیں کھلیں گی

وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الْمُجْرِمُوْنَ نَاكِسُوْا رُءُوْسِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ط

اور اگر دیکھیں آپ جب یہ مجرم جھکائے ہوں گے سروں اپنے کو پاس اپنے رب کے

رَبَّنَآ اَبْصَرْنَا وَ سَمِعْنَا فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا اِنَّا مُوْقِنُوْنَ ﴿۱۲﴾

اے رب ہمارے دیکھا ہم نے اور سنا ہم نے پس لوٹا دے ہمیں کریں گے ہم اچھے کام تحقیق ہم یقین لے آئے (۱۲)

وَ لَوْ شِئْنَا لَاٰتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدٰىهَا وَ لٰكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّيْ

اور اگر ہم چاہتے تو دے دیتے ہر شخص کو ہدایت اس کی اور لیکن پختہ ہو چکا کہنا میرا کہ

لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَ النَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۳﴾

ضرور بھر دوں گا دوزخ کو سے جنوں اور لوگوں سب کے سب (۱۳)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور کاش! آپ دیکھیں جس وقت کہ مجرم اپنے رب کے سامنے شرمندگی سے سر جھکائے ہوئے ہوں گے اور کہیں گے، اے رب! ہم نے دیکھ لیا اور سُن لیا، اب ہمیں دوبارہ بھیج دے کہ ہم اچھے کام کریں، ہمیں یقین آ گیا۔ (۱۲) اور اگر ہم چاہتے تو ہر شخص کو اس کی راہ سجھا دیتے لیکن میری کہی بات پکّی ہو چکی کہ مجھے دوزخ جنّوں اور انسانوں سے اکٹھے بھرنی ہے۔ (۱۳)

تفسیر

اللہ تعالیٰ نے قیامت کے منکروں کی دوبارہ زندگی کا کچھ حال بیان فرمایا ہے کہ: آج تو یہ لوگ اس چیز کو ناممکن خیال کرتے ہیں، مگر قیامت والے دن جب یہ حقیقت میں اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر کئے جائیں گے تو ان کی پریشانی دیکھنے کے قابل ہوگی، اس دن اپنے رب کے سامنے سر جھکائے کھڑے ہوں گے اور عرض کر رہے ہوں گے کہ اے رب! ہماری آنکھیں اور کان کھل گئے اور اب ہمیں یقین ہو گیا کہ جو آپ کے پیغمبر نے آپ کی کتاب میں سے ہمیں پڑھ کر سنایا تھا صحیح تھا، اے رب! اب پھر ہمیں دنیا میں بھیج دے، اب کے ہم اچھے کام کر کے دکھائیں گے، لیکن ان کی یہ درخواست فضول ہوگی، کیونکہ دنیا ختم ہو چکی اور انہوں نے وہاں شیطان کے بہکاوے سے غلط کام کئے، ہم چاہتے تو زبردستی ہر شخص کو سیدھے راستے پر زبردستی چلاتے، لیکن دنیا میں ہر انسان کو اختیار دیا اور جنہوں نے غلط راستہ اختیار کیا خواہ وہ جن ہوں یا انسان ان سے جہنم کو بھر دیا جائے۔

برے عملوں کی سزا

فَذُوْقُوْا بِمَا نَسِيْتُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ۚ اِنَّا نَسِيْنٰكُمْ وَ

پس چکھو تم بدلہ اسکا جو بھلایا تم نے ملنا اپنے آج کے دن کا جو یہ ہے تحقیق ہم نے بھلا دیا تمہیں اور

ذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴﴾ اِنَّمَا يُؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا

چکھو عذاب ہمیشہ کا بدلے اسکے کہ تھے تم کرتے (۱۴) بات یہی ہے کہ ایمان لاتے ہیں آیتوں ہماری پر

الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِهَا خَرُّوْا سُجَّدًا وَّ سَبَّحُوْا بِحَمْدِ رَبِّهِمْ

وہی کہ جب انہیں یاددلائی جائیں وہ تو گر پڑیں سجدہ کرتے ہوئے اور پاکی بیان کریں خوبیوں اپنے رب کیساتھ

وَ هُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۱۵﴾ السجدة

اور وہ نہیں بڑے بنتے (۱۵)

بامحاورہ ترجمہ: سو! اب مزہ چکھو، جیسے تم نے اس اپنے ملنے کے دن کو بھلا دیا تھا ہم نے بھی تمہیں بھلا دیا اور چکھو ہمیشہ کا عذاب اپنے کئے ہوئے عملوں کے بدلے۔(۱۴) ہماری باتوں کو وہی مانتے ہیں کہ جب ان کو وہ سمجھائی جائیں تو سجدہ کرتے ہوئے گر پڑیں اور اپنے رب کی پاک ذات کو یاد کریں خوبیوں کیساتھ اور وہ بڑے نہیں بنتے۔(۱۵)

تفسیر

ارشاد ہے کہ: ان سے کہا جائے گا کہ قیامت کے دن کو تم نے دنیا میں بھلائے رکھا، آج تمہیں تمہارے عملوں کے سزا کے سوا کچھ نہیں ملے گا، تم نے ہمیں دنیا میں بھلا دیا، آج ہم تمہیں بھلا دیں گے، تمہارے وہی عمل جن کے اندر تم دنیا میں پھنسے ہوئے تھے آج وہ عمل تم کو عذاب بن کر گھیر لیں گے، ہماری آیتوں کو وہی مانتے ہیں جو انہیں سنتے ہیں اور سجدہ میں گر پڑتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرتے ہیں، اس کی خوبیاں گنتے ہیں، وہ اپنے

رب کو ہی سب سے بڑا اور افضل مانتے ہیں، اپنے آپ کو اس کے سامنے عاجز سمجھتے ہیں، ان کے دل میں بڑائی نہیں ہے، وہ ہمارے فرمانبردار بندے بنکر رہتے ہیں، یہ سجدہ کی آیت ہے۔

فَذُوْقُوْا بِمَا نَسِيْتُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا: سواب مزہ چکھو جیسے تم نے اس اپنے ملنے کے دن کو بھلا دیا تھا، فرمایا: اب تمہاری دنیا میں واپسی کی خواہش پوری نہیں ہوسکتی، اب تو صرف دنیا کی بُری زندگی کا بدلہ عذاب کی صورت میں ملنے والا ہے، اُس وقت تو کہتے تھے نہ کوئی قیامت ہے نہ حساب کتاب اور نہ کوئی عملوں کا بدلہ، مطلب یہی ہے کہ تم نے دنیا کی زندگی میں رہ کر آخرت کی زندگی کو نظر انداز کر دیا تھا، لہٰذا اب اس کا مزہ چکھو، آج ہم بھی تمہیں نظر انداز کرتے ہیں، آج تمہاری کوئی درخواست قبول نہیں کریں گے، بلکہ تمہیں اپنی رحمت سے دور کردیں گے، اب تمہارے ساتھ یہی برتاؤ ہونے والا ہے، اب اپنے اعمال کی سزا میں ہمیشہ کا عذاب چکھو۔

اِنَّمَا يُؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِهَا خَرُّوْا سُجَّدًا: ہماری باتوں کو وہی مانتے ہیں جن کے سامنے وہ تلاوت کی جائیں تو سجدہ کرتے ہوئے گر پڑیں، کافروں اور منکروں کی سزا کے ذکر کے بعد اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کا ذکر فرمایا ہے کہ جب ایمان والوں پر ہماری آیتیں پیش کی جاتی ہیں تو وہ سجدہ میں گر جاتے ہیں اور اپنے پروردگار کی تسبیح بیان کرتے ہیں اور دل میں عاجزی اور انکساری آجاتی ہے اور تکبر وغرور دفع ہوجاتا ہے، تکبّر بہت بری عادت ہے جو انسان کو گمراہی کی طرف لے جاتی ہے، اور شیطان بھی تکبر ہی کی وجہ سے مردود ٹھہرا، تکبّر انسان کے دل میں ہوتا ہے، کوئی علم کی وجہ سے تکبّر میں مبتلا ہوجاتا ہے، کوئی مال و دولت اور قوت کی وجہ سے، کوئی حسن وجمال اور فن کی وجہ سے، پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ: اے ایمان والو! ایک دوسرے کے سامنے فخر نہ کیا کرو، بلکہ تواضع اور انکساری اختیار کرو، بیشک اللہ تعالیٰ تکبّر کرنے والوں کو ہرگز پسند نہیں کرتا۔

احکام ومسائل

مسئلہ (۱): .... اس آیت کو ہر پڑھنے یا سننے والے مسلمان پر سجدہ تلاوت واجب ہوجاتا ہے، اگر ایک مجلس میں یہی آیت بار بار پڑھی جائے تو سجدہ ایک ہی بار کافی ہوگا۔

ایمان والے

تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّ
الگ رہتے ہیں پہلوان کے سے بستروں پکارتے ہیں اپنے رب کو ڈر اور

طَمَعًا ۡ وَّ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ⑯ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ
امید سے اور اسمیں سے جو دیا ہم نے خرچ کرتے ہیں (۱۶) پس نہیں جانتا کوئی شخص جو چھپا رکھی ہے

لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ⑰
ان کیلئے سے ٹھنڈک آنکھوں کی بدلہ اس کا جو تھے وہ کرتے (۱۷)

بامحاورہ ترجمہ: ۔ان (ایمان والوں) کے پہلو اپنے سونے کی جگہ سے جدا رہتے ہیں، اپنے رب کو پکارتے ہیں خوف اور اُمید سے اور جو کچھ ہم نے انہیں دیا اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔ (۱۶) سو! کسی کو معلوم نہیں جو آنکھوں کی ٹھنڈک اُن کے واسطے چھپی رکھی ہے، بدلہ اس کا جو وہ کرتے تھے۔ (۱۷)

لفظی تحقیق: تَتَجَافٰى: جدا رہتے ہیں۔ مضارع مؤنث ہے، "تَجَافٰى" دور ہونا، جس کا مادہ (ج، ف، و) ہے۔ "جَفْوٌ" اور "جَفَاءٌ" کے معنٰی دور کر دینا، اعراض کرنا۔ مَضَاجِعِ: لیٹنے کی جگہیں۔ "مَضْجَعٌ" کی جمع ہے جو اسم ظرف ہے، (ض، ج، ع) سے "ضَجْعٌ" کے معنٰی لیٹنا، "مَضْجَعٌ" لیٹنے کی جگہ یعنی: بستر۔ قُرَّةَ اَعْيُنٍ: آنکھوں کی ٹھنڈک۔ اس سے مراد دل کی خوشی اور بدن کا آرام ہے۔

تفسیر

اس آیت میں ایمان والوں کی اور نشانیاں بیان کی ہیں کہ وہ نیند چھوڑ کر بستروں سے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں اور نماز ادا کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈر کر اور اس کی رحمت کے امیدوار ہو کر اسے پکارتے ہیں اور جو اللہ تعالیٰ

نے انہیں دیا ہے اس میں سے اس کی رضامندی حاصل کرنے کیلئے خرچ کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کے کاموں کے بدلے ان کیلئے بڑی بڑی خفیہ نعمتیں تیار کر رکھی ہیں جو کسی آدمی کے علم میں نہیں آئیں، ان سے انہیں دل کی خوشیاں نصیب ہوں گی اور ان کی آنکھوں کو ٹھنڈک اور راحت ملے گی یعنی ظاہری اور باطنی دونوں قسم کی نعمتوں سے مالا مال ہوں گے، اللہ تعالیٰ کا خوف اور اس سے انعام کی تمنا ایمان کی نشانی ہے، کسی اور کا خوف نہ ہونا چاہئے نہ کسی کے انعام کا لالچ۔

تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ: ان (ایمان والوں) کے پہلو اپنے سونے کی جگہ سے جدا رہتے ہیں، مطلب یہ کہ جب رات کا آرام کرنے کا وقت ہوتا ہے تو ایمان والے اپنے نرم وگرم بستروں کو چھوڑ کر اپنے پروردگار کے سامنے حاضر ہو جاتے ہیں اور اپنے پروردگار کو خوف اور امید کیساتھ پکارتے ہیں، اس بات میں قدرے اختلاف ہے کہ وہ کونسی نماز ہے جس کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ ایمان والے اپنے پروردگار کو خوف اور امید سے پکارتے ہیں۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی روایت میں آتا ہے کہ: ہم لوگ مغرب اور عشاء کے درمیان نوافل ادا کیا کرتے تھے اور اس آیت سے یہی نماز مراد ہے، تاہم زیادہ تر مفسرین فرماتے ہیں کہ: اس سے تہجد کی نماز مراد ہے، سونے کے بعد دوبارہ اٹھ کر نماز ادا کرنا بڑا مشقت طلب کام ہے مگر اس نماز تہجد کا اجر بھی بہت زیادہ ہے۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعض حدیثوں سے بھی ثابت ہے کہ اس آیت میں جس نماز کا ذکر ہے وہ تہجد کی نماز ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے کہ: جنت میں ایسے بہترین محل ہوں گے کہ اندر سے باہر کا اور باہر سے اندر کا بخوبی نظارہ ہو سکے گا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا، حضور! یہ محل کن لوگوں کیلئے ہوں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو روزہ رکھیں گے، غریبوں مسکینوں کو کھانا کھلائیں گے اور ایسے وقت میں نماز ادا کریں گے جبکہ لوگ سوئے ہوئے ہوں گے، اور اس سے تہجد کی نماز ہی مراد ہے۔

اور باقی رہی یہ بات کہ ایمان والے اپنے پروردگار کو خوف اور ایمان کیساتھ پکارتے ہیں، تو ظاہر ہے کہ ایمان میں یہ دونوں چیزیں شامل ہیں، ایماندار آدمی کا ایمان خوف اور امید کے درمیان ہوتا ہے، حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کے بڑے بڑے پیغمبر بھی اس کے خوف سے لرزتے ہیں، اسی لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا تھا! پروردگار!

قیامت والے دن میری لغزشوں کو معاف فرما دینا، کہیں میری پکڑ نہ ہو جائے۔ (الشعرآء، ۸۲)، دوسری طرف مؤمن اللہ تعالیٰ سے ہمیشہ پُر امید رہتے ہیں کہ وہ ان کی لغزشوں کو معاف فرما کر نعمتوں سے نوازیں گے، کیونکہ اس کی رحمت اس کے قہر پر غالب ہے۔

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِیَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْیُنٍ: سو کسی کو معلوم نہیں جو آنکھوں کی ٹھنڈک ان کے واسطے چھپی رکھی ہے، مطلب یہ کہ آج کسی ایمان والے کے علم میں بھی نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کیلئے کیسے کیسے انعامات خفیہ طور پر رکھے ہوئے ہیں، جو انہیں جنت میں پہنچ کر ہی معلوم ہوں گے اور ان کیلئے آنکھوں کی ٹھنڈک بن جائیں گے، یعنی: وہ اس بدلے سے بہت خوش ہوں گے، فرمایا یہ بدلہ ہے ان عملوں کا جو کام وہ کرتے تھے۔

حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: جب اللہ تعالیٰ اگلوں اور پچھلوں کو قیامت کے روز جمع فرمائیں گے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک پکارنے والا کھڑا ہوگا، جس کی آواز تمام مخلوقات سنیں گی، وہ پکارے گا کہ محشر والے آج جان لیں گے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کون لوگ عزت و اکرام کے حقدار ہیں، پھر وہ فرشتہ آواز دے گا کہ محشر والوں میں سے وہ لوگ کھڑے ہوں جن کی صفت یہ تھی کہ ان کے پہلو بستروں سے الگ ہو جاتے ہیں، اس آواز پر یہ لوگ کھڑے ہوں گے جن کی تعداد بہت کم ہوگی (ابن کثیر)، اور اسی روایت کے بعض الفاظ میں ہے کہ یہ لوگ بغیر حساب کتاب کے جنت میں بھیج دیئے جائیں گے، اس کے بعد اور تمام لوگ کھڑے ہوں گے، ان سے حساب لیا جائے گا۔

مؤمن اور فاسق

اَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا ؕ لَا یَسْتَوٗنَ ۝۱۸ اَمَّا الَّذِیْنَ

کیا پس جو ہوا ایمان والا مانند اسکے ہے جو ہوا نافرمان نہیں برابر ہوتے وہ (۱۸) کہ وہ لوگ جو

اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ جَنّٰتُ الْمَاْوٰی ۫ نُزُلًۢا بِمَا كَانُوْا

ایمان لائے اور کئے انہوں نے نیک کام پس لئے ان کے باغ رہنے کے مہمانی بدلے اسکے جو تھے

يَعْمَلُوْنَ ﴿١٩﴾ وَ اَمَّا الَّذِيْنَ فَسَقُوْا فَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ؕ كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا
وہ کرتے (۱۹) اور وہ لوگ جو نافرمان پس ٹھکانا ان کا آگ ہے جب بھی ارادہ کریں گے

اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَآ اُعِيْدُوْا فِيْهَا وَ قِيْلَ لَهُمْ ذُوْقُوْا عَذَابَ
کہ نکلیں وہ سے اس لوٹا دیے جائیں گے میں اس اور کہا جائے گا سے ان چکھو عذاب

النَّارِ الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ﴿٢٠﴾ وَ لَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنَ الْعَذَابِ
آگ کا کہ تھے تم جسے جھٹلاتے (۲۰) اور البتہ چکھائیں گے ہم انہیں سے عذاب

الْاَدْنٰى دُوْنَ الْعَذَابِ الْاَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿٢١﴾ وَ مَنْ
تھوڑا پہلے عذاب بڑے سے تاکہ وہ واپس آجائیں (۲۱) اور کون ہے

اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ ثُمَّ اَعْرَضَ عَنْهَا ؕ اِنَّا مِنَ
زیادہ ظالم اس سے جسے یاد دلائیں گئیں آیتیں رب اسکے کی پھر منہ موڑا اس نے سے ان تحقیق ہم سے

الْمُجْرِمِيْنَ مُنْتَقِمُوْنَ ﴿٢٢﴾ ع ۲ ۱۱ ۱۵
مجرموں بدلہ لینے والے ہیں (۲۲)

بامحاورہ ترجمہ: ۔بھلا ایک ایسا شخص جو ایمان پر ہے اس کے برابر ہوسکتا ہے جو نافرمان ہے، نہیں برابر ہوتے ۔(۱۸) سو! وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے بھلے کام کئے تو ان کیلئے رہنے کے باغ ہیں، ان کے کاموں کے صلے میں جو وہ کرتے تھے۔(۱۹) اور وہ لوگ جو نافرمان ہوئے ،سو! ان کا ٹھکانہ آگ ہے، جب چاہیں کہ اس میں سے نکل پڑیں تو پھر اسی میں لوٹا دیئے جائیں اور کہیں ان سے چکھو آگ کا عذاب جسے تم جھٹلایا کرتے تھے۔(۲۰) اور البتہ ہم انہیں چکھائیں گے تھوڑا عذاب، بڑے عذاب سے پہلے تاکہ وہ لوٹ آئیں۔ (۲۱) اور اس سے زیادہ بے انصاف کون ہے جسے اس کے رب کی باتیں سمجھائی گئیں پھر وہ ان سے منہ موڑ گیا، البتہ ہمیں مجرموں سے بدلہ لینا ہے۔(۲۲)

لفظی تحقیق: فَسَقُوْا: باہر نکل گئے۔ ماضی سے ہے (ف، س، ق) "فسق" معنی حکم کے خلاف چلنا، "فاسق" اسی سے بنا ہے۔

تفسیر

کیا تم سمجھتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک جو بھیدوں سے واقف ہے، فرمانبردار اور نافرمان برابر ہیں، نہیں ایسا اندھیر اللہ تعالیٰ کے ہاں نہیں ہوسکتا، وہ اپنے فرمانبردار ایماندار بندوں کو ان کی فرمانبرداری کے بدلے رہنے کے باغ عطا فرمائے گا اور جنہوں نے اس کے بتائے ہوئے نیک کام کیے، ان کے بدلے انہیں آرام کا ٹھکانہ دے گا اور نافرمانوں کا ٹھکانہ آگ کے اندر ہوگا جو ان کے غرور وتکبّر کو ختم کردے گا۔

ارشاد ہے کہ: دوزخ کا جوش انہیں دروازہ کی طرف پھینکے گا، اس وقت شاید ان کے دل میں خیال آئے کہ دروازہ میں سے نکل بھاگیں، لیکن دوزخ کے دربان انہیں دھکے دیکر پھر اندر پھینک دیں گے اور کہیں گے کہ باہر جانے کے کیا معنیٰ، جس آگ کے عذاب کو دنیا میں تم بناوٹی بات اور جھوٹا سمجھتے تھے آج اس کا مزہ چکھو، آخرت کا عذاب تو بہت بڑا عذاب ہے، اس سے پہلے دنیا ہی میں ہم انہیں اس کے مقابلے میں چھوٹے چھوٹے عذاب چکھائیں گے کہ شاید وہ غلط راستہ چھوڑ کر سیدھے راستہ کی طرف لوٹ آئیں، اس سے مراد دنیا کی مصیبتیں، قحط، قتل، مال واولاد کی تباہی ہے، یہ اس لئے آتی ہیں کہ لوگ بُری باتیں چھوڑ کر اچھی باتیں اختیار کریں، سب سے زیادہ ظالم وہ لوگ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی باتیں سُن کر ان سے منہ پھیرلیں، یاد رکھو ہم ان ظالموں مجرموں کو سزا دے کر ہی رہیں گے۔

اَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا: ایک طرف اللہ تعالیٰ کی توحید کو ماننے والا شخص ہے، اس کے پیغمبروں اور کتابوں پر ایمان رکھنے والا ہے اور دوسری طرف اللہ تعالیٰ کی آیات کو جھٹلانے والا، پیغمبروں کا مذاق اڑانے والا، اللہ تعالیٰ کی کتاب کو قصے کہانیاں بتانے والا منکر آدمی ہے، بھلا ان دونوں کا انجام برابر ہوسکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے خود ہی فرمادیا: یہ دونوں برابر نہیں ہوسکتے، اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی اندھیر نگری نہیں ہے کہ بُرا بھلا ایک

جیسے ہوں، بلکہ وہاں تو حق وانصاف کے فیصلے ہوتے ہیں، وہاں ایماندار اور نافرمانوں کیساتھ ایک جیسا سلوک نہیں ہوگا، بلکہ ہر کام کا انجام اس کے عقیدے اور عمل کے مطابق ہوگا، یعنی مؤمن کامیاب ہوں گے اور کافر ناکام ہوکر دوزخ میں جائیں گے۔

اَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ: سو! وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے بھلے کام کئے، نیک عمل وہی ہوں گے جن کو خدا کا دین اور شریعت بھی نیک کہے، ان اعمال میں چاروں عبادتیں، یعنی: نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج ہیں، پھر جہاد، صدقہ، خیرات اور احسان وغیرہ نیک عمل میں شامل ہیں، ایسے لوگوں کے رہنے کیلئے جنتیں ہوں گی، یہ سب کچھ ان کے اکرام کے طور پر ہوگا، ان عملوں کے بدلے میں جو وہ دنیا کی زندگی میں کرتے تھے۔

وَ اَمَّا الَّذِیْنَ فَسَقُوْا فَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ: اور وہ لوگ جو نافرمان ہوئے سو ان کا ٹھکانہ آگ ہے، یعنی: جنہوں نے کفر، شرک اور نافرمانی کا راستہ اختیار کیا ان کا ٹھکانہ دوزخ کی آگ ہوگا اور وہ ایسا بُرا ٹھکانہ ہے کہ جب بھی اس سے باہر نکلنا چاہیں گے تو پھر اسی میں دھکیل دیئے جائیں گے اور انہیں دوزخ سے باہر نکلنے کی اجازت نہیں دی جائے گی، اور ان سے کہا جائے گا اس دوزخ کا عذاب چکھو جس کو تم ہمیشہ جھٹلایا کرتے تھے کہ کوئی قیامت نہیں ہے، وہاں نہ جنت ہے نہ دوزخ ہے، سورۃ الطّور میں دوزخ والوں کے متعلق حکم ہے کہ اس دوزخ میں داخل ہوجاؤ، اب یہاں صبر سے عذاب کو برداشت کرو یا بے صبری کرو، تمہارے لئے برابر ہے (آیت ۱۶)، یعنی: تمہیں یہ عذاب ملتا رہے گا، اور تمہاری چیخ وپکار ضائع جائے گی۔

وَ لَنُذِیْقَنَّهُمْ مِّنَ الْعَذَابِ الْاَدْنٰى دُوْنَ الْعَذَابِ الْاَكْبَرِ: اور البتہ ہم انہیں چکھائیں گے تھوڑا عذاب بڑے عذاب سے پہلے تا کہ وہ لوٹ آئیں، آخرت کا عذاب تو بڑا اور ہمیشہ کا عذاب ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: اس سے پہلے ہم دنیا میں کمتر عذاب کا مزہ بھی چکھاتے ہیں، مطلب یہ ہے کہ جب لوگ نافرمانی کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کسی بیماری، طوفان، زلزلہ، قتل وغارت گری، یا مالی وجانی نقصان کی صورت میں ان پر عذاب نازل فرمادیتا ہے اور اس سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ لوگ اِس سے ڈر کر کفر وشرک اور گناہوں سے باز آجائیں، انہیں اِس چھوٹے

عذاب کے ذریعے عبرت ہوجائے اور شاید یہ نافرمانی چھوڑ کر کے بڑے عذاب سے بچ جائیں۔

اللہ تعالیٰ مجرموں کو دنیا میں اس دنیاوی نظام کی موجودگی میں بھی بعض جرموں کی سزا دیتا رہتا ہے، کوئی بیماری آگئی، حادثہ پیش آگیا، جان، مال یا اولاد کا نقصان ہوگیا، قحط پڑ گیا یا جنگ ہوگئی، یہ سزا ہی کی مختلف صورتیں ہیں جو اللہ تعالیٰ لوگوں کیلئے وقتاً فوقتاً بھیجتا رہتا ہے، اس کے نتیجے میں نیک لوگ سمجھ جاتے ہیں اور وہ جرموں سے باز بھی آجاتے ہیں، مگر جو نافرمان قسم کے لوگ ہوتے ہیں وہ تنبیہ کا کچھ اثر قبول نہیں کرتے اور برے عملوں میں لگے رہتے ہیں، اور پھر آخرکار بڑے عذاب میں گرفتار ہوجاتے ہیں۔

وَ مَنۡ اَظۡلَمُ مِمَّنۡ ذُکِّرَ بِاٰیٰتِ رَبِّهٖ ثُمَّ اَعۡرَضَ عَنۡهَا: اور اس سے زیادہ بے انصاف کون ہے جسے اس کے رب کی باتیں سمجھائی گئیں پھر وہ ان سے منہ موڑ گیا، اس سے بڑا ظالم کون ہے کہ جب اس کے سامنے اس پروردگار کی آیتوں کا ذکر کیا جاتا ہے اور اسے بتایا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ حکم نازل فرمائے ہیں یا اس نے اپنی توحید کی دلیلیں پیش کی ہیں تو وہ شخص ان سے منہ موڑ لیتا ہے، توجہ ہی نہیں کرتا، بلکہ اچھی بات سنی ان سنی کردیتا ہے، ایسے لوگوں کے متعلق فرمایا کہ! بیشک ہم مجرموں سے انتقام لینے والے ہیں، ظاہر ہے جرم کرنے والا کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے انتقام سے بچ نہیں سکتا، اللہ تعالیٰ کی سزا وقتی طور پر رک تو سکتی ہے مگر ٹل نہیں سکتی، بعض مجرم دنیا میں سزا سے بچے رہتے ہیں، مگر مرنے کے فوراً بعد گرفتار ہوجاتے ہیں، حدیث میں آتا ہے کہ بعض جرموں کی سزا آخرت کے عذاب سے پہلے ہی ملنے لگتی ہے، جو لوگ والدین کو تنگ کرتے ہیں، رشتہ داری ختم کرتے ہیں، بسا اوقات ان کو دنیا میں ہی سزا ملنے لگتی ہے۔

ہم نے موسیٰ کو کتاب دی

وَ لَقَدۡ اٰتَیۡنَا مُوۡسَی الۡکِتٰبَ فَلَا تَکُنۡ فِیۡ مِرۡیَةٍ مِّنۡ لِّقَآئِهٖ

اور البتہ تحقیق | دی ہم نے | موسیٰ کو | کتاب | پس نہ | رہیں آپ | میں | شک وشبہ | سے | ملنے اسکے

وَ جَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ ﴿۲۳﴾ وَ جَعَلْنَا مِنْهُمْ اَىِٕمَّةً
اور کیا ہم نے اسے ہدایت واسطے بنی اسرائیل کے (۲۳) اور بنائے ہم نے میں سے ان پیشوا

یَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا ؕ۫ وَ كَانُوْا بِاٰیٰتِنَا یُوْقِنُوْنَ ﴿۲۴﴾
راہ پر چلاتے تھے سے حکم ہمارے جب صبر کیا انہوں نے اور تھے وہ پر آیتوں ہماری یقین کرتے (۲۴)

بامحاورہ ترجمہ: اور ہم نے موسیٰ کو کتاب دی، سو! آپ اس کے ملنے سے شک میں مت رہیں اور ہم نے اسے بنی اسرائیل کے واسطے ہدایت کا ذریعہ بنایا۔ (۲۳) اور ہم نے ان میں سے پیشوا بنائے جو ہمارے حکم سے لوگوں کو سیدھے راستے پر چلاتے تھے، جب انہوں نے صبر کیا اور ہماری باتوں پر یقین کرتے تھے۔ (۲۴)

تفسیر

کوئی شخص واقعی سچی بات کہہ رہا ہو اور حقیقت میں بہترین مشورے دے رہا ہو اور لوگ اس کی نہ سنیں تو اسے لازمی طور پر رنج اور دکھ ہوگا، ہوسکتا ہے کہ اس کے دل میں خیال گزرے کہ کہیں میں خود تو دھوکے میں مبتلا نہیں ہوں کہ اپنی بات کو سچ سمجھ رہا ہوں اور واقعہ میں وہ سچ نہ ہو، پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قرآن مجید پیش کیا اور مکہ کے اکثر لوگوں نے اسے نہ مانا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دل میں اس وجہ سے رنج و غم کے پیدا ہونے اور سوچ میں پڑ جانے کا امکان ایک انسان ہونے کی حیثیت سے تھا، اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تسلی دی جارہی ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کی طرف سے قرآن مجید کے ملنے میں شک میں نہ پڑیں، واقعی میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو قرآن مجید دیا گیا ہے، جو حق ہے، سچی کتاب کا اترنا کوئی انوکھی بات نہیں ہے، ہم نے موسیٰ کو کتاب دی جس سے بنی اسرائیل کو صحیح راستہ ملا اور ان میں دینی پیشوا اور امام پیدا ہوئے، جنہیں ہماری باتوں پر یقین تھا اور وہ مخالفوں کی تکلیفوں پر صبر کرتے رہے، چنانچہ ان کی بدولت بہت سے لوگوں کو سیدھے راستے پر چلنا نصیب ہوا اور انہیں کامیابی حاصل ہوئی، اسی طرح یہ قرآن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اتارا گیا ہے، جس سے مخلوق کا بڑا حصہ ہدایت پائے گا اور بڑے بڑے رہنما اس کی بدولت پیدا ہوں گے، اس

لئے صبر اور یقین کیساتھ اپنا کام کرتے رہو۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ: اور ہم نے موسیٰ کو کتاب دی، ظاہر ہے کہ اس سے مراد "تورات" ہے جو موسیٰ علیہ السلام پر اتاری گئی، جس طرح موسیٰ علیہ السلام کو "تورات" کی تعلیم واشاعت میں بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا اسی طرح آخری پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب قرآن کریم کی تعلیم، تبلیغ اور اشاعت پر بے شمار مصیبتیں برداشت کرنا پڑیں گی، اللہ تعالیٰ نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تسلی دی ہے، چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بہت سے حالات حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حالات سے ملتے جلتے ہیں؛ اس لئے اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو مثال کے طور پر پیش کیا ہے کہ ان کی طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی صبر و برداشت سے کام لے کر آنے والی مشکلوں پر قابو پائیں۔

وَجَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ: اور ہم اسے بنی اسرائیل کے واسطے ہدایت کا ذریعہ بنایا، "تورات" کے نزول کیلئے خود بنی اسرائیل نے صحرائے سینا میں درخوست کی تھی، موسیٰ علیہ السلام نے چالیس دن تک کوہِ طور پر اعتکاف کیا تو اللہ تعالیٰ نے تختیوں پر لکھی لکھائی کتاب "تورات" عطا فرمائی، جس کا مقصد یہ تھا کہ بنی اسرائیل اس کتاب کے احکام کے مطابق اپنی زندگیاں گزاریں اور اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کریں۔

وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا: اور ہم نے ان میں سے پیشوا بنائے جو ہمارے حکم سے راہ پر چلاتے تھے، اللہ تعالیٰ نے ان میں امام، یعنی: پیشوا بنائے جو ہمارے حکم سے لوگوں کی راہنمائی کرتے تھے، "ائمہ" امام کی جمع ہے اور یہ لفظ تین (۳) قسم کے لوگوں پر بولا جاتا ہے:

(۱)۔۔۔۔ علم والے۔ نمبر۔ (۲)۔۔۔۔ فقہاء۔ (۳)۔۔۔۔ وقت کے حکمران۔ امام سے مراد وہ شخص ہوتا ہے جس کے قول، فعل اور اخلاق کی پیروی کی جائے، فرمایا: ان کو امام اس وقت بنایا جبکہ انہوں نے صبر کیا اور وہ ہماری آیتوں پر یقین رکھتے تھے، گویا صبر اور یقین امامت کیلئے ضروری ہیں۔

فیصلہ کا دِن

إِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيمَا كَانُوا فِيهِ
تحقیق رب آپ کا وہی فیصلہ کرے گا درمیان ان کے دن قیامت کے میں اس بات کہ تھے وہ میں جس

يَخْتَلِفُونَ ﴿٢٥﴾ أَوَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ أَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ
اختلاف کرتے (۲۵) کیا اور نہ راہ دکھائی اس نے انکو کہ کتنی ہلاک کر دی ہم نے سے پہلے اس

مِّنَ الْقُرُونِ يَمْشُونَ فِي مَسٰكِنِهِمْ ۚ إِنَّ فِي ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ ۚ أَفَلَا
قومیں کہ پھرتے ہیں یہ میں گھروں اُن کے تحقیق میں اس البتہ نشانیاں ہیں کیا پس نہیں

يَسْمَعُونَ ﴿٢٦﴾ أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا نَسُوقُ الْمَاءَ إِلَى الْأَرْضِ الْجُرُزِ
سنتے وہ (۲٦) کیا اور نہیں دیکھا انہوں نے کہ ہم چلا کر لیجاتے ہیں پانی طرف زمین خشک کی

فَنُخْرِجُ بِهِ زَرْعًا تَأْكُلُ مِنْهُ أَنْعَامُهُمْ وَأَنْفُسُهُمْ ۚ أَفَلَا
پس ہم نکالتے ہیں سے اس کھیتی کہ کھاتے ہیں سے اس مویشی ان کے اور وہ خود کیا پس نہیں

يُبْصِرُونَ ﴿٢٧﴾ وَيَقُولُونَ مَتٰى هٰذَا الْفَتْحُ إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِينَ ﴿٢٨﴾
دیکھتے وہ (۲۷) اور کہتے ہیں کب ہوگا یہ فیصلہ اگر ہو تم سچے (۲۸)

قُلْ يَوْمَ الْفَتْحِ لَا يَنْفَعُ الَّذِينَ كَفَرُوا إِيمَانُهُمْ وَلَا هُمْ
کہیے دن فیصلے کا نہ فائدہ دے گا ان کو جو کافر ہیں ایمان ان کا اور نہ انہیں

يُنْظَرُونَ ﴿٢٩﴾ فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ وَانْتَظِرْ إِنَّهُمْ مُّنْتَظِرُونَ ﴿٣٠﴾
مہلت دیجائے گی (۲۹) پس منہ موڑ لیں سے ان اور انتظار کریں تحقیق وہ بھی انتظار کر رہے ہیں (۳۰)

بامحاورہ ترجمہ:۔ آپ کا رب ہی ان کے درمیان فیصلہ کرے گا قیامت کے دن اس بات کا جس میں وہ

اختلاف کرتے تھے۔(۲۵) کیا ان کو واضح نہیں ہوا کہ ان سے پہلے کتنی قوموں کے لوگ ان کے کفر وشرک کے سبب ہم نے تباہ کر ڈالے، جن کے گھروں میں اب یہ پھرتے ہیں، اس میں بہت سی نشانیاں ہیں، کیا وہ سنتے نہیں۔(۲٦) کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم پانی چلا کر لے جاتے ہیں ایک چٹیل زمین کی طرف، پھر ہم اس سے کھیتی پیدا کرتے ہیں کہ جس میں سے ان کے جانور کھاتے ہیں اور وہ خود بھی کھاتے ہیں، کیا وہ پھر بھی نہیں دیکھتے؟(۲۷) اور کہتے ہیں کب ہوگا یہ فیصلہ اگر تم سچے ہو۔(۲۸) آپ کہہ دیں کہ! فیصلے کے دن کافروں کو ان کا ایمان لانا کام نہ آئے گا اور نہ ان کو مہلت دی جائے گی۔(۲۹) سو! آپ ان کا خیال چھوڑ دیں اور منتظر رہیں کہ وہ بھی (نہ ان کی دھمکیوں سے ڈریں اور نہ ان کے مال کے لالچ میں آئیں بلکہ دین کی طرف دعوت کے کام کو جاری رکھیں۔) منتظر ہیں (اس وقت معلوم ہو جائے گا کہ کس کا انتظار واقع کے مطابق ہے آپ کا یا ان کا۔)(۳۰)

تفسیر

ارشاد ہے کہ: ہم خشک زمین میں پانی پہنچا دیتے ہیں اور اس میں ہری بھری کھیتیاں پیدا ہوتی ہیں، جن کی پیداوار سے ان کے جانور پیٹ بھرتے ہیں اور خود ان کی غذا کا سامان مہیا ہوتا ہے، کیا ان کی آنکھیں نہیں جو یہ نظارہ دیکھ کر اللہ تعالیٰ پر ایمان لائیں، ان سے کہہ دیا گیا کہ تمہارے عملوں کا فیصلہ قیامت کے دن ہوگا، اس پر پوچھتے ہیں کہ آخر وہ قیامت کب آئے گی؟، اگر تم سچ کہتے ہو تو اس کے آنے کا وقت مقرر کرو، ان سے کہہ دو کہ اس کے جاننے سے تمہیں کیا فائدہ ہوگا، تم تو اتنا سمجھ لو کہ جب بھی آئے گی تمہاری آنکھیں کھل جائیں گی اور ایمان لے آؤ گے، لیکن دیکھ کر ایمان لانا کسی کام کا نہیں، ایمان تو وہ کام دے گا جو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کے کہنے پر یقین کر کے اس دن کے آنے سے پہلے لایا جائے گا، یہ ان کا کہنا بے معنیٰ ہے، ان کی فضول باتوں سے منہ موڑ لیں اور اللہ تعالیٰ کے وعدہ کا انتظار کریں اور ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیں، یہ حقیقتاً اپنی پوری تباہی اور بربادی کا انتظار کر

رہے ہیں، ان کی ہٹ دھرمی کا نتیجہ یہی ہوگا۔

اِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَفۡصِلُ بَيۡنَهُمۡ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ: آپ کا رب ہی ان میں فیصلہ کرے گا قیامت کے دن، ان معاملوں میں جن میں یہ لوگ اختلاف کرتے تھے، حق کی مخالفت کرتے تھے، اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں کو تکلیفیں پہنچاتے تھے، قیامت کا انکار کرتے تھے، بیشک اللہ تعالیٰ ان کا فیصلہ قیامت کے دن فرمائیگا۔

اَوَلَمۡ يَهۡدِ لَهُمۡ كَمۡ اَهۡلَكۡنَا مِنۡ قَبۡلِهِمۡ: کیا ان کو واضح نہیں ہوا کہ ان سے پہلے کتنی قوموں کے لوگوں کو ان کے کفروشرک کے سبب ہم نے تباہ کرڈالا، آج یہ لوگ جن ہلاک کئے گئے لوگوں کے گھروں میں چلتے پھرتے ہیں، ان کے کھنڈرات پر سے گزرتے ہیں، کبھی وہ لوگ بھی دولت مند تھے، مگر آج ان کی ہلاکت کا منظر اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں، ان میں سے بعض تو طبعی موت مرے اور عاد اور ثمود، پرانے مصریوں اور کلدانیوں وغیرہ کو اللہ تعالیٰ نے ہلاک کیا، کیا یہ چیزیں ان کیلئے نصیحت حاصل کرنے کا سبب نہیں ہیں؟ جب یہ سرکش اور نافرمان لوگ دنیا سے ختم ہو گئے تو یہ مشرک بھی ان کی طرح ہلاک کردیئے جائیں گے۔

اِنَّ فِيۡ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ اَفَلَا يَسۡمَعُوۡنَ: بیشک اس میں نشانیاں ہیں، کیا یہ لوگ سنتے نہیں، اللہ تعالیٰ نے پرانی قوموں کا حال بیان کرکے خبردار کیا ہے، مگر اس کا فائدہ تو اسی کو ہوگا جو ان حالات کو غور سے سنے گا، جس نے سنا ہی نہیں، یعنی: ایک کان سے سنکر دوسرے کان سے نکال دیا، دل میں جگہ ہی نہیں دی، انہیں کون سی عبرت حاصل ہوگی؟ وہ تو انہی کے نقش قدم پر چل کر انہی کے انجام کو پہنچیں گے۔

اَفَلَا يُبۡصِرُوۡنَ: کیا یہ لوگ قدرت کی نشانیوں کو دیکھتے نہیں؟ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کی ایک ایسی زندہ مثال پیش کی ہے، جو ہر روز دیکھنے میں آتی ہے، لوگوں کے سامنے بارش برستی ہے، زمین میں ہریالی پیدا ہوتی ہے، فصل پکتی ہے اور پھر وہ جانداروں کی خوراک بنتی ہے، کیا یہ دلیل ان کیلئے کافی نہیں؟ پچھلی آیتوں میں واقعات کا ذکر کے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کیا یہ سنتے نہیں؟ ظاہر ہے کہ واقعات کا تعلق سماعت سے ہی ہوتا ہے اور اب آنکھوں سے دیکھی جاسکنے والی مثال بیان کر کے فرمایا ہے، کیا یہ دیکھتے نہیں؟ مطلب یہ کہ دونوں مثالیں غور وفکر کا مطالبہ کرتی ہیں تاکہ لوگ

بعض باتیں سنکر اور بعض باتیں دیکھ کر اللہ تعالیٰ کی توحید پر ایمان لے آئیں اور آنے والی ہمیشہ کی زندگی کو سنوار لیں۔

وَ يَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْفَتْحُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ: اگر تم اپنے وعدے میں سچے ہو بتلاؤ کہ فیصلے کا دن کب آئے گا؟ جب تم کامیاب نظر آؤ گے اور ہم ذلیل وخوار ہو جائیں گے، اس کا جواب اللہ تعالیٰ نے یوں دیا، اے پیغمبر! آپ کہہ دیں کہ فیصلے کے دن کافروں کا ایمان لانا ان کو کچھ فائدہ نہیں دے گا، بعض فرماتے ہیں کہ: فیصلے کے دن سے مراد بدر کا دن یا فتح مکّہ کا دن ہے، جب مسلمانوں کو غلبہ حاصل ہوا، ان دو موقعوں پر فیصلہ واقعی مسلمانوں کے حق میں ہوا اور کافر اور مشرک ذلیل وخوار ہوئے۔

صحیح بات یہ ہے کہ اس فیصلے کے دن سے مراد قیامت کا دن ہے کہ اس دن ہر چیز اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے لیکن اس دن آنکھوں سے دیکھ لینا ہرگز فائدہ مند نہ ہوگا اور نہ ہی ان کو مزید مہلت دی جائے گی کہ دنیا میں واپس جا کر اپنے عقیدے اور عمل کو درست کر لیں، پیچھے دوسرے رکوع میں گزر چکا ہے کہ جب مجرم لوگ عذاب کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے تو کہیں گے، اے ہمارے پروردگار! ہم نے دیکھ لیا اور سُن لیا، اب ہمیں دنیا میں واپس بھیج ہم اچھے کام کریں گے اور آپ کی باتوں پر یقین کریں گے (السجدۃ، آیت ۱۲)، مگر اس وقت کوئی درخواست قبول نہیں ہوگی اور ایسے مجرموں کو کوئی مہلت نہیں دی جائے گی، اللہ تعالیٰ فرمائے گا اب عمل کا وقت ختم ہو کر بدلہ کا وقت شروع ہو چکا ہے۔

فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَ انْتَظِرْ: آپ ان کافروں کی تکلیفوں پر درگزر کریں، ان کی طرف دھیان نہ دیں اور بدلے کے وقت کا انتظار کریں، کہ اللہ تعالیٰ ان کی تکلیفیں پہنچانے اور آپ کے صبر کا کیا نتیجہ نکالتا ہے، ایمان والوں کو دنیا وآخرت ہر جگہ پر کامیابی حاصل ہوگی، جبکہ کافر اور مشرک ذلیل وخوار ہوں گے، آج تو یہ دیکھ رہے ہیں کہ مٹھی بھر مسلمان کامیابی حاصل نہیں کر سکیں گے، مگر انہیں جلدی ہی پتہ چل جائے گا کہ اللہ تعالیٰ کی مدد کن کیساتھ ہے اور وہ کس طرح ایمان والوں کے حق میں نتیجہ نکالتا ہے۔

سورۃ الاحزاب کا خلاصہ

اس میں اس لڑائی کا بیان ہے جسے "غزوۂ احزاب" کہتے ہیں اور اسی کا نام غزوۂ خندق بھی ہے، کیونکہ سب

کافر جمع ہوکر مدینہ پر چڑھ آئے تھے، اور آپ نے مدینہ کے اس طرف خندق کھودنے کا حکم دیا تھا، جس طرف سے مکّہ والوں کے حملہ کا ڈر تھا، واقعہ یہ ہوا کہ بنی نضیر کو جو مدینہ کا ایک یہودی قبیلہ تھا، ان کے عہد کی خلاف ورزی کی وجہ سے انہیں مدینہ سے نکال دیا تھا، ان کے کچھ لوگ پہلے مکّہ کے قریش کے پاس گئے اور بدوؤں کے بڑے قبیلہ غطفان کے سرداروں سے ملے اور ان کو اکسایا کہ سب ملکر مدینہ پر چڑھائی کریں اور یہ بھی کہا کہ ہم تمہاری مدد کریں گے، نتیجہ یہ ہوا کہ قریش اور غطفان وغیرہ کے سارے قبیلوں نے ملکر تقریباً بارہ ہزار (۱۲۰۰۰) آدمیوں کے لشکر سے مدینہ کو تہس نہس کرنے کے ارادہ سے اس پر چڑھائی کردی، پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ کے گرد حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے مشورہ سے خندق کھودی اور شہر سے نکل کر خندق کے کنارے تین ہزار (۳۰۰۰) مسلمانوں کا لشکر جمع ہوگیا، دوسرے کنارے پر کافر ڈٹ گئے، اور دونوں کے بیچ میں خندق آگئی، کافر ایک مہینہ تک مسلمانوں پر تیراندازی کرتے رہے، مسلمانوں کو خوف ہوا کہ اب کسی وقت بڑا حملہ کردیں گے، ادھر یہودیوں کا ایک اور بڑا قبیلہ بنوقریظہ مسلمانوں سے وعدہ خلافی کرتے ہوئے کافروں سے مل گیا تھا اور مدینہ پر پیچھے سے حملہ کرسکتا تھا، مگر وہ اس انتظار میں رہے کہ جب مکہ کے کافروں کی کامیابی کی کوئی امید لگے گی تو وہ بھی اِدھر سے حملہ کردیں گے، اب مسلمانوں کو گھربار کی حفاظت کیلئے دہری محنت کرنا پڑی۔

بظاہر مسلمانوں پر بڑا سخت وقت تھا، مگر اللہ تعالیٰ نے ان کی مدد کی، سمندر کی طرف سے ایک ایسی سخت ٹھنڈی آندھی چلی کہ کافروں کا ٹھہرنا مشکل ہوگیا، پہلے قریش ابوسفیان کے مشورے سے گھبرا کر بھاگے، پھر انہیں دیکھ کر غطفان بھی چل دیئے اور مسلمانوں کے سر سے بلا ٹلی، جب مکہ کے کافروں سے بے فکر ہوئے تو مسلمانوں نے فوراً بنوقریظہ کا محاصرہ کرلیا، پچیس روز کے بعد انہوں نے ہار مان لی، بنواوس کے سردار سعد رضی اللہ عنہ بن معاذ پر اس کا فیصلہ چھوڑا گیا کہ ان کیساتھ کیا برتاؤ کیا جائے، انہوں نے فیصلہ کیا کہ ان کے مَردوں کو قتل کیا جائے اور عورتوں اور بچوں کو قیدی بنالیا جائے، اوران کا مال واسباب مسلمانوں میں تقسیم کردیا جائے۔

اس کے علاوہ سورۃ میں لے پالک کا حکم، مسلمان عورتوں کو باہر نکلنے میں احتیاط، پردہ کا حکم اور دوسری قیمتی

نصیحتیں ہیں، مکّی سورتوں میں عام طور پر بنیادی عقائد کا ذکر ملتا ہے، جبکہ مدنی سورتوں میں زیادہ تر شرعی حکم بیان ہوئے ہیں، اس سورۃ مبارکہ میں بھی بہت سے سماجی حکم بیان کئے گئے ہیں اور اس سورۃ کے ذریعے زمانہ جاہلیت کی بہت سی رسموں کو ختم کیا گیا ہے، عورتوں سے متعلق طلاق اور عدّت کے مسئلے بیان ہوئے ہیں، پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بیویوں کی خصوصیات اور عام مسلمان عورتوں کے بعض مسئلے بیان ہوئے ہیں، مشرک "متبنّٰی" یعنی: منہ بولے بیٹے کو حقیقی بیٹے کے حقوق دیتے تھے، جبکہ اللہ تعالیٰ نے اس کا ردّ کیا ہے، خاص طور پر منہ بولے بیٹے کی بیوی سے نکاح کا مسئلہ بھی آئے گا، عورتوں کیلئے پردے کے حکم دیئے گئے ہیں، بعض جرموں کی سزاؤں کا بیان ہے، اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ کا ذکر، توحید اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے آخری پیغمبر ہونے کا مسئلہ بیان ہوا ہے، منافقوں کی مذمت بیان کی گئی ہے، قیامت اور کتاب کا ذکر بھی آ گیا ہے، اس سورۃ مبارکہ کا ایک خاص موضوع پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے آداب ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی عزت واحترام کا خصوصی ذکر ہے، آپ کیلئے چار سے زیادہ نکاح کرنے کی اجازت کا ذکر ہے اور نماز میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر درود وسلام پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے۔

اٰیاتها – ۷۳ سُوْرَةُ الْاَحْزَابِ مَدَنِيَّةٌ رکوعاتها – ۹

سورۃ الاحزاب مکی ہے۔ اس میں تہتر آیتیں اور نو رکوع ہیں

ہدایتیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اتَّقِ اللّٰهَ وَ لَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَ الْمُنٰفِقِيْنَ ؕ

اے پیغمبر ڈریں اللہ سے اور نہ کہنا مانیں کافروں اور منافقوں کا

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۱﴾ وَّ اتَّبِعْ مَا يُوْحٰۤى اِلَيْكَ مِنْ
تحقیق اللہ ہے جاننے والا حکمت والا (۱) اور اتباع کریں اسکی جو وحی کی جائے طرف آپکی سے

رَّبِّكَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿۲﴾ وَّ تَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ
رب آپ کے کی تحقیق اللہ ہے سے اس جو تم کرتے ہو خبردار (۲) اور اعتماد کریں پر اللہ

وَ كَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۳﴾
اور کافی ہے اللہ کارساز (۳)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اے پیغمبر! اللہ تعالیٰ سے ڈریں اور کہا مت مانیں، (یعنی: نہ ان کی دھمکیوں سے ڈریں اور نہ ان کے مال کے لالچ میں آئیں، بلکہ دین کی طرف دعوت کے کام کو جاری رکھیں۔) کافروں اور منافقوں کا بیشک اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا حکمت والا ہے۔ (۱) اور اتباع کریں اس کا جو آپ کے رب کی طرف سے آپ کو وحی کی جاتی ہے، بیشک اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں کی خبر رکھتا ہے۔ (۲) اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھیں اور اللہ تعالیٰ کافی ہے کام بنانے والا۔ (۳)

تفسیر

ارشاد ہے کہ: اے پیغمبر! اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہیں اور ان کافروں اور منافقوں کا کہنا مت مانیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا ہے، وہ ساری باتوں سے واقف ہے، اس کی طرف سے جو وحی آپ کی طرف آئے اسی کے مطابق عمل کرتے رہیں، اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کاموں سے خوب خبردار ہے اور ہر طرح کی قدرت رکھتا ہے، اسی پر اعتماد کریں اور اسی پر بھروسہ رکھیں، وہ آپ کا ہر کام مکمل کردینے کیلئے بالکل کافی ہے۔

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اتَّقِ اللّٰهَ وَ لَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَ الْمُنٰفِقِيْنَ: اے پیغمبر! اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہیں اور کہا مت مانیں کافروں اور منافقوں کا، مکّی زندگی میں کافر اور مشرک پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سودے بازی کرنا

چاہتے تھے اور ان کی یہ پیشکش مدنی دور کی ابتدائی زندگی میں بھی ہوتی رہی کہ آپ اپنے دین میں کچھ نرمی اختیار کر لیں تو ہم بھی کسی قدر نرم پڑ جائیں گے اور اس طرح ہمارا اور آپ کا سلسلہ ساتھ ساتھ چلتا رہے گا۔"سورۃ القلم" میں اللہ تعالیٰ نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو یاد دلایا ہے کہ کافر چاہتے ہیں کہ آپ کچھ ڈھیلے پڑ جائیں تو وہ بھی نرم پڑ جائیں گے۔ (آیت:۹)

کافر چاہتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے معبودوں کی مذمت نہ کریں، بلکہ تھوڑی بہت ان کی تعریف کر دیا کریں اور اس بات کو تسلیم کر لیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کے ہاں سفارشی ہیں، تو ہم بھی آپ کے معبود، یعنی: اللہ تعالیٰ کے خلاف کوئی بات نہیں کریں گے اور نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیروکاروں کو تنگ کریں گے، منافق لوگ دوسرے طریقے سے کافروں کی ہاں میں ہاں ملاتے تھے، وہ کہتے تھے کہ اگر مشرکوں کیساتھ اس قسم کا امن سمجھوتہ ہو جائے تو اس میں کیا حرج ہے؟ لوگ امن و امان کی زندگی بسر کریں گے، جنگ و جدال پر توانائی خرچ کرنے کے بجائے لوگوں کی حالت بہتر بنائی جاسکے گی اور اسلام کو بھی تقویت حاصل ہوگی، مگر اللہ تعالیٰ نے واضح فرما دیا کہ عقیدے کے اظہار میں کسی قسم کی رعایت نہیں ہوسکتی، اور نہ ہی کسی قیمت پر کافروں اور مشرکوں سے کوئی سمجھوتہ ہوسکتا ہے، خوش اخلاقی اور معاشرتی تعلقات مختلف چیزیں ہیں مگر دین کے معاملے میں کوئی سودے بازی نہیں ہوسکتی کہ دین کی حقیقت کو ہی چھپا دیا جائے، اس میں نہ خوف کرنا چاہئے اور نہ لالچ میں آنا چاہئے، دین کے معاملہ میں کسی قسم کا ذاتی مفاد ہرگز پیشِ نظر نہیں رکھا جائے گا، اس مقام پر بھی اللہ تعالیٰ نے اس بات کو دہرایا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کافروں اور مشرکوں کی پیش کش کو قبول نہ کریں، بلکہ بلاخوف و خطر اللہ کا پیغام پہنچاتے رہیں، شرک کی تردید کریں مگر اچھے طریقے سے؛ جن کو یہ اللہ تعالیٰ کے سوا پکارتے ہیں (آپ کے ماننے والے) اُن کو گالی نہ دیں کہ یہ بد اخلاقی کی بات ہے۔ (سورۃ الانعام۔ آیت:۱۰۹)، دلیل کیساتھ کفر و شرک کا ردّ کریں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی حاجت روا اور مشکل کشا نہیں اور نہ کوئی سفارش کر سکتا ہے، یہ سب اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔

ان آیتوں میں پیغمبروں صلی اللہ علیہ وسلم کو دو حکم دیئے گئے ہیں، پہلا اللہ تعالیٰ سے ڈرو، دوسرا کافروں کا کہنا نہ ماننے کا، اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا حکم اس لئے دیا گیا کہ ان لوگوں کو قتل کرنا عہد کا توڑنا ہے جو حرام ہے، اور کافروں

کی بات نہ ماننے کا حکم اس لئے کہ ان تمام واقعات میں کافروں کی جو فرمائشیں ہیں وہ ماننے کے قابل نہیں، اس کی تفصیل آگے آتی ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا: بیشک اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا حکمت والا ہے، آخر میں یہ فرما کر حکمت بیان کردی گئی جو اوپر بیان کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہیں اور کافروں اور منافقوں کا کہنا نہ مانیں، کیونکہ سب کاموں کے انجام اور نتیجے کا جاننے والا اللہ تعالیٰ بڑا حکیم ہے، یہ اس لئے فرمایا کہ: کافروں اور منافقوں کی بعض باتیں ایسی بھی تھیں جن سے شر و فساد کم ہونے اور آپس میں میل جول کی فضا قائم ہونے وغیرہ کے فائدے حاصل ہوسکتے تھے، مگر حق تعالیٰ نے اس سے منع فرمایا کہ ان لوگوں کیساتھ یہ میل جول بھی دین کے خلاف ہے اور اس کا انجام اچھا نہیں۔

وَّ اتَّبِعْ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا: اور اتباع کریں اس کی جو آپ کے رب کی طرف سے آپ کو وحی کی جاتی ہے، کافروں اور منافقوں کی باتوں میں نہ آئیں، ان کی بات نہ مانیں، بلکہ جو کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ ﷺ کو وحی کے ذریعے بتلایا گیا ہے بس آپ اور آپ کے صحابہ اس پر چلیں، کوئی چیز اس سے چھپی ہوئی نہیں، چونکہ اس خطاب میں صحابہ کرام اور عام مسلمان بھی شامل ہیں، اس لئے آخر میں بصیغہ جمع "بِمَا تَعْمَلُوْنَ" فرما کر سب کو تنبیہ کردی گئی۔

وَّ تَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا: اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھیں اور اللہ تعالیٰ کافی ہے کام بنانے والا، آخر میں فرمایا کہ: اپنے مشن کو جاری رکھتے ہوئے صرف اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھروسہ کریں، تمام اسباب اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہیں، وہ جب چاہے گا انہیں مؤثر بنادے گا یا غیر مؤثر کردے گا، لہٰذا بھروسہ اسباب پر نہیں اللہ تعالیٰ کی ذات پر ہونا چاہئے، اس کے بغیر کوئی کچھ نہیں کرسکتا۔

اصل حقیقت

مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِيْ جَوْفِهٖ ۚ وَ مَا جَعَلَ

نہیں کئے اللہ نے کسی مرد کے دو دل میں سینے اس کے اور نہیں کیا

اَزْوَاجَكُمُ الّٰٓـِٔيْ تُظٰهِرُوْنَ مِنْهُنَّ اُمَّهٰتِكُمْ ۚ وَ مَا جَعَلَ

بیویوں تمہاری کو جنہیں تم مائیں کہہ بیٹھو میں سے ان مائیں تمہاری اور نہیں کیا

اَدْعِيَآءَكُمْ اَبْنَآءَكُمْ ؕ ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِاَفْوَاهِكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ

منہ بولے بیٹوں تمہارے کو بیٹے تمہارے یہ کہنا ہے تمہارا منہ اپنے سے اور اللہ

يَقُوْلُ الْحَقَّ وَ هُوَ يَهْدِي السَّبِيْلَ ④

کہتا ہے ٹھیک بات اور وہی سمجھاتا ہے راستہ (۴)

بامحاورہ ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے کسی آدمی کے سینے میں دو دل نہیں رکھے اور تمہاری بیویوں کو جنہیں تم ماں کہہ بیٹھتے ہو سچ مچ تمہاری مائیں نہیں بنایا اور تمہارے منہ بولے بیٹوں کو تمہارے حقیقی بیٹے نہیں بنایا، یہ تمہارے اپنے منہ کی بات ہے جو غلط ہے اور اللہ تعالیٰ ٹھیک بات کہتا ہے اور وہی راہ سمجھاتا ہے۔ (۴)

لفظی تحقیق: اَدْعِيَآءَ: منہ بولے بیٹے۔ "دَعِیٌّ" کی جمع ہے۔

تفسیر

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو اور ان کے ذریعے ان کے تمام ماننے والوں کو ہدایت کی جاتی ہے کہ کافروں اور منافقوں کی باتیں ماننے کے قابل نہیں ہیں، کیونکہ وہ جہالت میں مبتلا ہیں، ان کی باتیں حقیقت سے بہت دور ہیں، اللہ تعالیٰ سب چیزوں کے حالات اور ان کی حقیقت سے اچھی طرح واقف ہے، اس لئے وہ جو حکم دے گا حقیقت ہوگا۔

اس آیت میں ان کی بیکار باتوں کی حقیقت بیان کی گئی ہے، یہ لوگ ہوشیار اور عقلمند آدمی کی بابت کہہ دیتے ہیں کہ یہ دو دل والا ہے، اسی لئے یہ زیادہ سمجھدار ہے، یہ محض زبانی اور فرضی بات ہے، اللہ تعالیٰ نے کسی کے سینے میں دو دل نہیں بنائے، اسی طرح ان کا یہ عقیدہ کہ بیوی کو ماں کہہ دیا تو وہ ماں ہوگئی، کس قدر غلط بات ہے، اور جس کو زبان سے بیٹا کہہ دیا وہ سچ مچ بیٹا ہوگیا، یہ سب زبانی باتیں ہیں، منہ سے کہہ دینے سے کوئی بات واقع نہیں ہوجاتی، اللہ تعالیٰ کی بات میں بناوٹ کو دخل نہیں ہوتا، وہ بالکل سچی اور اصلی بات ہوتی ہے، انسان جو منہ سے کہہ دے وہ قانون نہیں بن جاتا، ہاں! اللہ تعالیٰ جو کہے وہ انسان کیلئے قانون بن جاتا ہے۔

مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِيْ جَوْفِهٖ: اللہ تعالیٰ نے کسی شخص کے سینے میں دو دل نہیں بنائے، مکّہ کے مشرکوں میں سے ایک ذہین آدمی کے بارے میں کہا جاتا تھا کہ اس کے دو دل ہیں، اس آیت سے اس بات کی نفی ہوگئی کہ دل ہمیشہ ایک ہی ہوتا ہے، بعض جسمانی اعضاء زیادہ ہوسکتے ہیں، جیسے کسی شخص کے ہاتھ پاؤں کی انگلیاں پانچ کے بجائے چھ ہوں، ایک مرتبہ اخبارات میں ایک عورت کی فوٹو آئی تھی جس کی تیسری آنکھ سر کی پچھلی جانب موجود تھی، تو ایسا مشاہدہ میں آتا رہتا ہے، مگر کسی شخص کے جسم میں دو دل کبھی نہیں پائے گئے۔

وَمَا جَعَلَ اَزْوَاجَكُمُ الّٰٓـئِْ تُظٰهِرُوْنَ مِنْهُنَّ اُمَّهٰتِكُمْ: اور تمہاری بیویوں کو جنہیں تم ماں کہہ بیٹھتے ہو سچ مچ تمہاری مائیں نہیں بنایا، دوسرا مسئلہ اللہ تعالیٰ نے بیویوں سے "ظہار" کرنے کے متعلق فرمایا ہے، "ظہار" کا معنیٰ ہے کہ کوئی شخص اپنی بیوی کو اپنی ماں کی پیٹھ، پیٹ، ران یا کسی دوسرے عضو سے تشبیہ دے، جس کا دیکھنا بھی حرام ہے، یا وہ اپنی بیوی کو، اپنی ماں، بہن میں سے کسی کے برابر قرار دے، ایسا کہنا اگرچہ ناجائز اور سخت ناپسندیدہ ہے، مگر اس سے بیوی حرام نہیں ہوجاتی، بلکہ شریعت کا مقرر کردہ کفارہ ادا کرکے مرد اور عورت دونوں میاں بیوی بن کر رہ سکتے ہیں، ظہار کرنے والا شخص ایک غلام آزاد کرے یا دو (۲) ماہ کے مسلسل روزے رکھے، یا ساٹھ (۶۰) مسکینوں کو کھانا کھلائے، جاہلیت کے زمانہ میں یہ تصور پایا جاتا تھا کہ جب کوئی شخص اپنی بیوی کیساتھ ظہار کا اعلان کردیتا تھا تو پھر وہ اس کیلئے ہمیشہ کیلئے حرام سمجھی جاتی تھی، اللہ تعالیٰ نے اسی بات کی تردید فرمائی ہے

کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری ان بیویوں کو تمہاری مائیں نہیں بنادیا جن سے تم ظہار کرتے ہو۔

وَ مَا جَعَلَ اَدْعِيَآءَكُمْ اَبْنَآءَكُمْ ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِاَفْوَاهِكُمْ: اور تمہارے منہ بولے بیٹوں کو تمہارا حقیقی بیٹا نہیں بنایا یہ تمہارے اپنے منہ کی بات ہے، اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے تیسرا مسئلہ منہ بولے بیٹے سے متعلق بیان کیا ہے، جاہلیت کے زمانے میں منہ بولے یا لے پالک بیٹے کو حقیقی بیٹے کی طرح سمجھا جاتا تھا، جب کوئی شخص کسی کو منہ بولا بیٹا بنالیتا تھا تو پھر وہ ایک دوسرے کے وارث بھی بن جاتے تھے، جس حقیقی بیٹے کے طلاق دینے کے بعد یا وفات پانے کے بعد اس کی بیوی سے نکاح کو حرام سمجھتے تھے اسی طرح منہ بولے بیٹے کے طلاق دینے کے بعد یا وفات پانے کے بعد اس کی بیوی سے بھی نکاح کو حرام قرار دیتے تھے، اللہ تعالیٰ نے اس کی بھی تردید فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے منہ بولے بیٹوں کو تمہارے حقیقی بیٹے نہیں بنایا، تم جو انہیں حقیقی بیٹے سمجھ کر وہی معاملہ کرتے ہو یہ درست نہیں ہے، یہ تو محض تمہارے مونہوں کی باتیں ہیں اور ان میں کچھ بھی حقیقت نہیں ہے، دراصل حق بات تو وہ ہے جو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ: منہ بولے بیٹے حقیقی بیٹے نہیں ہوتے اور نہ ہی ان پر حقیقی بیٹوں والے شرعی احکام لاگو ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی بات سچ ہے اور وہی سیدھے راستے کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔

یہ مسئلہ دراصل پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آزاد کردہ غلام حضرت زید رضی اللہ عنہ بن حارثہ کے سلسلے میں پیدا ہوا، آپ کا نام اسی سورۃ میں آگے آرہا ہے، یہ واقعہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کیساتھ نکاح سے بھی پہلے کا ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اپنے بھتیجے حکیم ابن حزام کو کہا کہ وہ عکاظ کی منڈی میں جا کر ان کیلئے کوئی اچھا سا غلام خرید لائے، جس سے خدمت لے سکیں، جب وہ منڈی میں گئے تو ان کی نظر حضرت زید رضی اللہ عنہ پر جم گئی، جو اس وقت چھوٹے بچے تھے اور بڑے ذہین معلوم ہوتے تھے، حضرت زید رضی اللہ عنہ حقیقت میں غلام نہیں تھے، بلکہ بہت بڑے قبیلے کلب کے چشم و چراغ تھے، اتفاق سے یہ اپنے ماموں کے ہاں گئے ہوئے تھے کہ وہاں ڈاکہ پڑا تو ڈاکو باقی چیزوں کیساتھ زید رضی اللہ عنہ کو بھی لوٹ کر لے گئے اور غلام بنالیا، اس طرح آپ بحیثیت غلام عکاظ کی منڈی میں پہنچ گئے، بہر حال حکیم ابن حزام رضی اللہ عنہ نے حضرت زید رضی اللہ عنہ کو خرید کر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں پیش کردیا، پھر جب

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نکاح حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے ہوگیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زید رضی اللہ عنہ کو اپنے لئے طلب کرلیا، جو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے بخوشی منظور کرلیا اور اس طرح حضرت زید رضی اللہ عنہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آگئے اور آکر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت کرنے لگے۔

جب حضرت زید رضی اللہ عنہ بڑے ہوگئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تجارت کے سلسلے میں شام کے سفر پر جانے کا اتفاق ہوا، وہاں ان کو ان کے والد حارثہ اور چچا نے پہچان لیا کہ

یہ تو ہمارا بچھڑا ہوا بچہ ہے، ان کو یہ بھی علم ہوگیا کہ آپ قریش میں غلامی کی زندگی بسر کررہے ہیں، چنانچہ جب حضرت زید رضی اللہ عنہ سفر سے واپس آگئے تو آپ کے والد اور چچا مکّے پہنچے اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ یہ ہمارا بچہ ہے، کسی وجہ سے غلامی کے چکر میں پھنس گیا ہے، آپ اسے چھوڑ دیں، ہم اس کا تاوان ادا کرنے کیلئے تیار ہیں، پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: مجھے تاوان کی ضرورت نہیں ہے، اگر زید جانا چاہتا ہے تو میری طرف سے کھلی اجازت ہے، اس وقت تک پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پیغمبری کا اعلان نہیں کیا تھا اور حضرت زید آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق سے اچھی طرح واقف ہوچکے تھے، حضرت زید رضی اللہ عنہ آپ کے غلاموں میں سب سے پہلے آپ پر ایمان لانے والوں میں سے ہیں، جب حضرت زید رضی اللہ عنہ کے والد اور چچا نے انہیں اپنے ساتھ چلنے کو کہا تو انہوں نے انکار کردیا اور کہا کہ آزاد زندگی کو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی غلامی پر ترجیح دیتا ہوں، وہ لوگ سخت مایوس ہوگئے، اسی دوران میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعلان فرمادیا کہ: میں نے زید کو آزاد کرکے اسے منہ بولا بیٹا بنالیا ہے، اب یہ میرا وارث ہوگا اور میں اس کا وارث، اس پر زید رضی اللہ عنہ کے والد اور چچا خوش ہوگئے کہ زید اگر ہمارے ساتھ نہ بھی جائے تو اب وہ آزاد تو ہوگیا ہے۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زید رضی اللہ عنہ کا نکاح اپنی پھوپی کی بیٹی حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے کروایا تھا، مگر ان کا آپس میں نباہ نہ ہوسکا، حضرت زید رضی اللہ عنہ نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو طلاق دیدی تو خود پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے نکاح کرلیا، مشرکوں کے نزدیک منہ بولے بیٹے کی طلاق یافتہ بیوی سے نکاح حلال نہیں تھا، اس لئے انہوں نے

اس مسئلہ کو خوب اچھالا اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو بدنام کرنے کی کوشش کی کہ انہوں نے اپنے بیٹے کی بیوی سے نکاح کر لیا ہے، اس پر اللہ تعالیٰ نے اس مسئلہ کو واضح کیا اور ان آیتوں کے ذریعے فرمایا: کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے منہ بولے بیٹوں کو تمہارے حقیقی بیٹے نہیں بنایا، یہ تو تمہاری اپنے منہ کی بات ہے، حق بات اللہ تعالیٰ کی ہے کہ منہ بولے بیٹے کی طلاق یافتہ بیوی سے نکاح بالکل حلال ہے۔

کسی کو بیٹا کہہ کر پکارنا دو وجوہات سے ہو سکتا ہے، پہلی وجہ یہ ہے کہ محض پیار محبت اور شفقت کی بناء پر کسی کو بیٹا کہہ کر پکارا جائے، اس میں کوئی حرج نہیں ہے، کیونکہ خود پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم حضرت انس رضی اللہ عنہ کو بھی (اے بیٹے) کہہ کر پکارا کرتے تھے، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ اور ایک اور صحابی کو بھی اسی طرح پکارتے تھے۔

"بخاری و مسلم" وغیرہ میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ اس آیت کے اترنے سے پہلے ہم زید بن حارثہ کو زید بن محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کہا کرتے تھے، کیونکہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو متبنّٰی بنالیا تھا، اس آیت کے اترنے کے بعد ہم نے یہ عادت چھوڑ دی۔

احکام و مسائل

مسئلہ (۱):.... اس سے معلوم ہوا کہ اکثر آدمی جو دوسروں کے بچوں کو بیٹا کہہ کر پکارتے ہیں، جبکہ محض شفقت کی وجہ سے ہو، منہ بولا بیٹا قرار دینے کی وجہ سے نہ ہو تو یہ جائز ہے مگر پھر بھی بہتر نہیں کہ صورتاً ممانعت میں داخل ہے۔

اصلی بات

اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآىِٕهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْٓا

پکارو تم انہیں نام سے باپوں انکے یہی پورا انصاف ہے نزدیک اللہ کے پس اگر نہ جانتے ہو تم

اٰبَآءَهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ وَ مَوَالِيْكُمْ ؕ وَ لَيْسَ عَلَيْكُمْ

باپوں ان کے کو پس بھائی ہیں تمہارے میں دین اور ساتھی تمہارے اور نہیں پر تم

جُنَاحٌ فِيْمَآ اَخْطَاْتُمْ بِهٖ ۙ وَ لٰكِنْ مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوْبُكُمْ ؕ وَ

کچھ گناہ میں اس چیز کہ چوک جاؤ تم میں جس اور لیکن جسے جان بوجھ کر کریں دل تمہارے اور

كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۵﴾

ہے اللہ بخشنے والا مہربان (۵)

بامحاورہ ترجمہ:۔ منہ بولے بیٹوں کو ان کے باپوں کے ناموں سے پکارو، اللہ تعالیٰ کے ہاں یہی بات زیادہ انصاف والی ہے، پھر اگر تم ان کے باپوں کو نہیں جانتے تو وہ تمہارے دینی بھائی ہیں اور دوست ہیں اور تم پر کوئی گناہ نہیں جس چیز میں تم سے غلطی ہو جائے، جو تم دل کے ارادے سے کرو اس سے بھی معافی مانگ لو، اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔(۵)

تفسیر

اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ: لے پالک کو ہمیشہ اس کے اصلی باپ کے نام سے پکارو، یہ بات اللہ تعالیٰ کے ہاں نہایت انصاف والی ہے، اگر اس کے اصلی باپ کا نام معلوم نہ ہو تو وہ تمہارا دینی بھائی ہے اور قریبی مددگار ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: جس شخص نے کسی کی نسبت غیر باپ کی طرف کی اس نے کفر کیا، یعنی: جان بوجھ کر اور ہٹ دھرمی کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے حکم کو نہ ماننا حرام اور کفر کے زمرہ میں آتا ہے، اس لئے فرمایا کہ: منہ بولے بیٹوں کو ان کے باپوں کے نام سے پکارو۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ اس آیت کے اترنے کے بعد پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید رضی اللہ عنہ سے کہا کہ تم ہمارے بھائی اور ہمارے ساتھی ہو، اس طرح گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت مبارکہ کی عملی تفسیر پیش کر دی۔

وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيْمَآ اَخْطَاْتُمْ بِهٖ: اس چیز میں تم پر کوئی گناہ نہیں جس میں تم نے خطا کی، مطلب یہ کہ اگر کسی نے غلطی سے یا بھول کر کسی کو اس کے باپ کے علاوہ غیر باپ کے نام سے پکارا تو اس میں کوئی گناہ نہیں، لیکن سچ مچ اگر اسے کسی کا بیٹا بتا دو گے تو اس کی وجہ سے گنہگار ہو گے، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان بھی ہے کہ:

اللہ تعالیٰ نے میری امت سے خطا اور بھول چوک کو معاف کر دیا ہے، ایسے شخص پر آخرت میں کوئی گناہ نہیں ہوگا، البتہ اگر کوئی جان بوجھ کر دل کے ارادے سے ایسا کام کرے تو گناہگار ہوگا، دیکھو! غلط باتوں سے توبہ کرو، اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے تمہارے گناہ معاف فرمائے گا، وہ بخشنے والا مہربان ہے۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا مرتبہ

اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَ اَزْوَاجُهٗٓ اُمَّهٰتُهُمْ ؕ وَ

پیغمبر زیادہ قریب ہیں سے ایمان والوں سے جانوں ان کی اور آپ کی بیویاں مائیں ہیں ان کی اور

اُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ مِنَ

والوں رشتہ بعض ان میں زیادہ قریب ہیں سے بعض دوسرے میں کتاب اللہ کی سے

الْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُهٰجِرِيْنَ اِلَّآ اَنْ تَفْعَلُوْٓا اِلٰٓى اَوْلِيٰٓئِكُمْ مَّعْرُوْفًا ؕ

باقی ایمان والوں اور مہاجرین سے مگر یہ کہ کرو تم ساتھ ساتھیوں اپنے کے اچھا برتاؤ

كَانَ ذٰلِكَ فِي الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا ۝٦

ہے یہی میں کتاب لکھا ہوا (۶)

بامحاورہ ترجمہ:۔ پیغمبر مؤمنوں پر خود ان سے بھی زیادہ حق رکھنے والے ہیں اور آپ کی بیویاں ان کی مائیں ہیں اور رشتہ دار بعض زیادہ تعلق رکھتے ہیں بعض کیساتھ میراث کا، اللہ تعالیٰ کی کتاب میں ایمان والوں اور ہجرت کرنے والوں سے مگر یہ کہ تم اپنے دوستوں کیساتھ احسان کرنا چاہو، یہ بات کتاب میں لکھی ہوئی ہے۔(۶)

تفسیر

ارشاد ہے کہ: تمہارا سب سے زیادہ قریبی تعلق پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے، وہ تم سے تمہاری جان سے بھی زیادہ قریب ہیں، تم خود اپنے خیر خواہ اور دیکھ بھال کرنے والے اتنے نہیں ہو سکتے جتنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہیں، ان کی

بیویاں تعظیم واحترام اور شریعت کے بعض خاص حکموں کے اعتبار سے ایمان والوں کی مائیں ہیں، انصار اور مہاجروں کے درمیان جو ابتداء میں بھائی چارے کا رشتہ قائم کر دیا گیا تھا وہ ان کے رشتہ داروں کے آجانے کی وجہ سے منسوخ ہو گیا، اب رشتہ داروں کا حق ان سے مقدم ہے، ویسے اگر اپنے ساتھیوں کیساتھ احسان کرنا چاہو تو اس میں کچھ حرج نہیں، یہ حکم اللہ تعالیٰ کی کتاب میں لکھ دیئے گئے ہیں۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایمان لانے والوں سے ان کی جان سے بھی زیادہ قریب ہونے سے ظاہر ہے کہ ایمان والے کا اپنی جان اور مال پر اتنا اختیار نہیں جتنا پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہے، آدمی اپنی جان کو ہلاک نہیں کر سکتا، لیکن اگر پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حکم دیں تو جان دینا فرض ہو جائے، اسی طرح اپنا مال خرچ کرنے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کی پابندی ہر ایمان والے پر فرض ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے مطابق قرآن کی بعض قرأتوں میں یہ الفاظ بھی آتے ہیں؛ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیویاں مؤمنوں کی مائیں ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے بمنزلہ باپ کے ہیں۔

اگر باپ اور بیٹے کے تعلق پر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ بیٹے کا دنیا میں آنا باپ ہی کی وجہ سے ہے، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے والدین کیساتھ بار بار اچھے برتاؤ کا حکم دیا ہے، باپ کی اپنے بیٹے سے اس قریب ترین تعلق کی بناء پر ہی بیٹے کیلئے باپ کی شفقت اور تربیت قدرتی ہوتی ہے، جتنی باپ کو بیٹے سے ہمدردی ہوتی ہے اتنی اور کسی سے نہیں ہوتی، ہر باپ کی یہی خواہش ہوتی ہے کہ اس کا بیٹا نیک ہو، نیک بخت، لائق اور باعزت ہو، یہ اس کی شفقت کا نتیجہ ہے، لیکن اگر غور سے دیکھا جائے تو پیغمبر اور امتی کا تعلق اس سے بھی زیادہ ہے، باپ تو بیٹے کیلئے دنیا میں آنے کا سبب ہوتا ہے، مگر پیغمبر کی جو شفقت اور تعلق امتی کیساتھ ہوتا ہے وہ باپ کی تربیت اور شفقت سے بھی کہیں زیادہ ہے، امتی کی روحانی تربیت، اس کا ایمان پیغمبر کے تعلق سے ہوتا ہے، اس لئے پیغمبر کی طرف سے جو شفقت، مہربانی، توجہ اور تربیت امتی کیلئے ہوتی ہے وہ ماں باپ سے کہیں زیادہ ہے، جسے ایمان نصیب ہو گیا، توحید سمجھ میں آگئی اور نیکی حاصل ہو گئی تو اسے ہمیشہ کیلئے جنت کی زندگی حاصل ہوئی، غرضیکہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہمارے ساتھ جو

ہمدردی، خیر خواہی، شفقت اور تربیت فرماتے ہیں، ایسی شفقت اور ہمدردی کوئی بھی نہیں کر سکتا، اس لئے فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ کے پیغمبر کو ایمان والوں کیساتھ ان کی جانوں سے بھی زیادہ قریبی تعلق ہے۔

وَ اَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ: کہ نبی کی بیویاں مؤمنوں کی مائیں ہیں، پیغمبر ﷺ کی بیویوں کو دو وجہ سے مؤمنوں کی مائیں کہا گیا ہے، پہلی وجہ تو یہ ہے کہ پیغمبر ﷺ کے دنیا سے رخصت ہوجانے کے بعد آپ کی بیویوں کا نکاح کسی بھی امتی کیساتھ جائز نہیں، اور دوسری وجہ ادب واحترام کی ہے، پیغمبر ﷺ کی بیویاں مؤمنوں کی مائیں ہیں، مگر ان کا ادب واحترام حقیقی ماؤں سے بھی بڑھ کر ہے۔

یہ بات سمجھ لینی چاہئے کہ پیغمبر کی بیویوں کے حکم حقیقی ماں کی طرح نہیں ہیں، مثلاً: کسی ماں کا اپنے بیٹے سے پردہ نہیں ہوتا، مگر پیغمبر کی بیویوں کا امت کے مَردوں سے پردہ ہوگا، اسی طرح بیٹا ماں کی وراثت میں حقدار ہوتا ہے، مگر پیغمبر کی بیویوں کی میراث میں امت کے مَردوں کا کوئی حق نہیں۔

وَ اُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ: اللہ تعالیٰ کی کتاب میں بعض رشتہ دار ایک دوسرے سے (میراث کا) زیادہ تعلق رکھتے ہیں دوسرے مؤمنین اور مہاجرین سے، جب مسلمان مکّہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچے تو پیغمبر ﷺ نے مہاجرین اور انصار میں بھائی چارے کا رشتہ قائم کر دیا تھا، ایک ایک مہاجر اور ایک ایک انصاری کو بھائی بھائی بنا دیا تھا، چنانچہ ہر دو بھائی حقیقی بھائیوں کی طرح ہو گئے، حتیٰ کہ فرمایا: اگر مہاجر بھائی فوت ہو جائے تو اس کی وراثت اس کے انصاری بھائی کو ملے گی اور اسی طرح انصاری بھائی کا وارث اس کا مہاجر بھائی ہوگا، یہ عارضی حکم تھا، پھر جب اسلام کو قوت حاصل ہوگئی، لوگ اسلام میں داخل ہو گئے اور مہاجرین کے رشتہ دار بھی اسلام میں داخل ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے پہلے حکم کو ختم کر دیا اور فرمایا کہ: وراثت کے معاملے میں دینی بھائی کی نسبت کسی شخص کے اصل رشتہ دار ہی زیادہ حقدار ہیں۔

عام مؤمنین اور مہاجرین کیساتھ اچھا برتاؤ کرنا، ان کو ہدیہ دینا، ان کی خدمت کرنا درست ہے، مگر وراثت

میں ان کا کوئی حصہ نہیں ہے، اپنی زندگی میں ہدیہ کے طور پر ان کو دے سکتے ہیں اور مرنے سے پہلے ایک تہائی یا اس سے کم کی وصیت کرنا بھی درست ہے۔

احکام ومسائل

اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ: مطلب یہ ہے کہ آپ کا حکم ہر مسلمان کیلئے اپنے ماں باپ کے حکم پر عمل کرنے سے بھی زیادہ ضروری ہے، اگر ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کسی حکم کے خلاف کہیں، ان کا کہنا ماننا جائز نہیں، اسی طرح خود اپنی خواہشوں پر عمل کرنے سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم پر عمل کرنا زیادہ ضروری ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: میں ہر مؤمن مسلمان پر ساری دنیا سے زیادہ شفیق اور مہربان ہوں اور ظاہر ہے کہ اس کا لازمی اثر یہ ہونا چاہئے کہ ہر مؤمن کو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت سب سے زیادہ ہو، جیسا کہ حدیث میں ارشاد ہے: تم میں سے کوئی اس وقت تک مؤمن نہیں ہوسکتا جب تک اس کے دل میں میری محبت اپنے باپ، بیٹے اور سب انسانوں سے زیادہ نہ ہو۔

پیغمبروں سے پکّا وعدہ

وَ اِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيْثَاقَهُمْ وَ مِنْكَ وَ مِنْ نُّوْحٍ وَّ

اور جب | لیا ہم نے | سے | پیغمبروں | پکّا ان کا وعدہ | اور | سے آپ | اور | سے | نوح | اور

اِبْرٰهِيْمَ وَ مُوْسٰى وَ عِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ۠ وَ اَخَذْنَا مِنْهُمْ

ابراہیم | اور | موسیٰ | اور | عیسیٰ | بیٹے | مریم کے | اور | لیا ہم نے | سے ان

مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ۝۷ لِّيَسْئَلَ الصّٰدِقِيْنَ عَنْ صِدْقِهِمْ ۚ وَ اَعَدَّ

وعدہ | پکّا | (۷) | تاکہ پوچھے | سچوں سے | سچائی ان کی | اور | تیار کیا

ع ۸ ۱۷

لِلۡكٰفِرِيۡنَ عَذَابًا اَلِيۡمًا ﴿۸﴾

واسطے کافروں کے عذاب دردناک (۸)

با محاورہ ترجمہ:۔ اور جب ہم نے پیغمبروں سے ان کا پکا وعدہ لیا اور آپ سے اور نوح سے اور ابراہیم اور موسیٰ اور مریم کے بیٹے عیسیٰ سے اور ہم نے ان سے پکا وعدہ لیا۔ (۷) تاکہ اللہ تعالیٰ سچوں سے ان کی سچائی کی بابت پوچھے اور کافروں کیلئے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔ (۸)

تفسیر

پیغمبروں کی کے بارے میں اس آیت میں ارشاد ہے کہ: پیغمبروں کا بڑا مرتبہ اس لئے ہے کہ ان سے اللہ تعالیٰ نے پکا وعدہ لیا ہے کہ وہ کسی ڈر اور لالچ کے بغیر انسان کو سچی سچی باتیں بتائیں گے، ارشاد ہے کہ اے محمد! ہم نے آپ سے اور آپ سے پہلے پیغمبروں نوح علیہ السلام، ابراہیم علیہ السلام، موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام ابن مریم سے پختہ وعدہ لیا ہے کہ تم ہمارے بندوں کو اعتقاد اور عمل کے صحیح راستہ پر ڈالنے کی کوشش کرو گے، آخر میں ہم ان کی سچائی کی بابت باز پرس کریں گے، یعنی: پیغمبروں سے سوال ہوگا کہ کیا انہوں نے پیغام پہنچانے کی ذمہ داری پوری کی؟ اور امتیوں سے پوچھا جائے گا کہ کیا انہوں نے پیغمبروں کی دعوت کو قبول کیا یا نہیں؟ اور سچوں کو اور ان کا کہنا ماننے والوں کو انعام واکرام سے مالا مال فرمائیں گے اور نافرمانوں کو نہایت درد اور دکھ پہنچانے والا عذاب دینگے۔

اس عہد کے متعلق مختلف اقوال ہیں کہ یہ کب لیا گیا، بعض فرماتے ہیں: عہد الست کی طرح یہ عہد بھی اس مادی جہان میں آنے سے پہلے لیا گیا تھا، البتہ بعض دوسرے مفسرین فرماتے ہیں کہ: یہ اللہ تعالیٰ نے ہر پیغمبر سے ان کے دنیا میں بھیجنے کے بعد لیا تھا۔

اللہ تعالیٰ کی مدد

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَآءَتْكُمْ
اے وہ جو ایمان لائے ہو یاد کرو احسان اللہ کا اوپر اپنے جب آپڑے تم پر

جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا وَّ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ
لشکر بھیج دی ہم نے ان پر آندھی اور لشکر جو نہیں دیکھے تم نے اور ہے اللہ

بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا ۟ۚ اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَ مِنْ اَسْفَلَ
جو تم کرتے ہو دیکھنے والا (۹) جب چڑھ آئے وہ تم پر سے اوپر تمہارے اور سے نیچے

مِنْكُمْ وَ اِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَ بَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَ
تمہارے اور جب مڑ گئیں آنکھیں اور پہنچ گئے دل گلوں تک اور

تَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا ۟ هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَ زُلْزِلُوْا
گمان کرنے لگے تم ساتھ اللہ کے بہت سے گمان (۱۰) اس جگہ آزمائے گئے ایمان والے اور جھنجوڑے گئے وہ

زِلْزَالًا شَدِيْدًا ۟ وَ اِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ
جھنجوڑنا سخت (۱۱) اور جب کہنے لگے منافق اور وہ لوگ میں دلوں جن کے

مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗۤ اِلَّا غُرُوْرًا ۟
مرض تھا نہیں وعدہ کیا ہم سے اللہ اور پیغمبر اس کے نے مگر دھوکہ دینے کو (۱۲)

بامحاورہ ترجمہ: اے ایمان والو! یاد کرو اللہ تعالیٰ کا احسان اپنے اوپر جب تم پر فوجیں چڑھ آئیں پھر ہم نے ان پر آندھی اور وہ لشکر بھیجے جو تم نے نہیں دیکھے اور اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کرتے ہو دیکھنے والا ہے۔ (۹) جب وہ چڑھ آئے تم پر اوپر کی طرف سے اور نیچے کی طرف سے اور جب پھر گئیں آنکھیں اور غم کے مارے کلیجے منہ کو

آ رہے تھے۔(۱۰) اس جگہ ایمان والوں کو آزمایا گیا اور جھنجوڑا۔(۱۱) اور جب منافقوں نے کہا اور ان لوگوں نے جن کے دلوں میں مرض تھا کہ اللہ اور اس کے پیغمبر نے ہم سے جو وعدہ کیا ہے دھوکہ دینے کو۔(۱۲)

تفسیر

پہلی آیتوں میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ایمان والوں کو جو ہدایتیں دی گئیں ان کو واضح کرنے کیلئے اب غزوۂ احزاب کا ذکر کیا جارہا ہے، چوتھی پانچویں ہجری میں بنی نضیر کے یہودی جنہیں اسلام دشمنی کی وجہ سے جلاوطن کر دیا گیا تھا، عرب کے بڑے بڑے قبیلوں کو اکسا کر مدینہ پر چڑھائی کی، جن کی فوجوں کا اندازہ واقعہ نگاروں نے بارہ ہزار (۱۲۰۰۰) ذکر کیا ہے، مسلمان کل تین ہزار (۳۰۰۰) تھے، بعض منافق بھی شامل تھے، مدینہ کے گرد خندق کھو دی گئی، خندق کے ایک طرف کافر اور دوسری طرف مسلمان ایک دوسرے کے مقابلہ میں ڈٹ گئے، اور ۲۰، ۲۵ دن اسی طرح ڈٹے رہے، ادھر یہودیوں کا قبیلہ بنی قریظہ جو ایک مضبوط قلعہ میں مدینہ کے مشرق میں رہتے تھے، مسلمانوں کیساتھ عہد و پیمان توڑ کر مکہ کے کافروں سے مل گئے تھے، ارشاد ہے کہ اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کا احسان یاد کرو کہ جب تم ہر طرف سے گھر گئے تھے تو تمہاری نجات کا سامان کر دیا، آندھی آئی اور فرشتوں کا لشکر جو تمہیں دکھائی نہ دیتا تھا، بھیج دیا اور ایک آواز آئی بھاگو بھاگو، تمہاری حالت یہ تھی کی مدینہ کے مشرق کی طرف سے جو اونچا علاقہ تھا اور مغرب کی طرف سے جو نیچا حصہ تھا، تمہیں دشمنوں نے اکٹھے ہو کر گھیر لیا تھا، دہشت کے مارے تمہاری آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئی تھیں، اور غم کے مارے تمہارے دل گلوں تک پہنچ گئے تھے۔

مصیبت واقعی اتنی شدید تھی کہ تمہارے اوسان خطاء ہو گئے اور اللہ تعالیٰ کے بارے میں تمہارے دلوں میں طرح طرح کے وسوسے گزرنے لگے تھے، سب اپنی اپنی اٹکلیں لڑا رہے تھے، کوئی کہتا تھا کہ بس اب خاتمہ ہے، ایسی مصیبت پہلے کبھی نہ آئی تھی، اب کے شاید ہی بچیں، بعض کمزور یقین والوں کے منہ سے بھی خوف کی وجہ سے ناامیدی کی باتیں نکلنے لگیں، حقیقت میں ایک طرف تقریباً سارا عرب سامان اور ہتھیاروں سے لیس حملہ کیلئے کھڑا

تھا، وہ فقط خندق کو دیکھ کر جھجک رہے تھے ورنہ کب کا حملہ کر کے مسلمانوں کا خاتمہ کر دیا ہوتا، دوسری جانب اندر والے یہودیوں نے عہدو پیمان توڑ ڈالے۔

بظاہر ان سب سے نمٹنے کا کوئی سامان نہیں تھا اور واقعی یہ بڑی آزمائش کا وقت تھا، دل ہل گئے، خوف وہراس نے ہر طرف سے گھیر لیا، منافق اور دل کے کھوٹے لوگ برملا کہنے لگے کہ اب وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے پیغمبر کے وعدے کہاں گئے؟

جیسا معتب بن قشیر اور اس کے ساتھیوں نے یہ بات اس وقت کہی تھی جب خندق کھودتے وقت پتھر پر کدال لگنے سے کئی بار ایسی چمک نکلی کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مجھ کو فارس اور روم اور شام کے محل اس کی روشنی میں نظر آئے اور اللہ تعالیٰ نے ان کی فتح کا وعدہ فرمایا ہے، جب کافروں کے لشکروں نے مدینہ کو ہر طرف سے گھیر لیا تو یہ لوگ کہنے لگے یہ تو حالت ہے اور اس پر روم و فارس کے فتح کی خوشخبری سنائی جارہی ہے، یہ محض دھوکہ ہے اور وہ اس کو اللہ تعالیٰ کا وعدہ نہ سمجھتے تھے نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیغمبر مانتے تھے۔

احزاب یا خندق کی جنگ ۵ھ میں لڑی گئی، اس سے پہلے کافر بدر اور احد کی جنگ میں مسلمانوں کو مغلوب کرنے میں ناکام ہو چکے تھے، مسلمانوں کی تعداد دن بہ دن بڑھ رہی تھی، اسلام قوت پکڑ رہا تھا اور یہی چیز کافروں کیلئے پریشانی کا سبب بنی ہوئی تھی اور وہ مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کیلئے مناسب موقع کی تلاش میں تھے، اس دوران بنونضیر کے بیس سردار مکہ میں قریش کے پاس حاضر ہوئے اور انہیں مسلمانوں کے خلاف اپنی مدد کا یقین دلایا، اس کے بعد بنونضیر کا یہ وفد بنوغطفان کے پاس گیا اور قریش کی طرح انہیں بھی جنگ کیلئے تیار کیا، پھر انہوں نے عرب کے بعض دوسرے قبیلوں کو بھی ساتھ ملایا اور مسلمانوں کے خلاف جنگ کیلئے تیار کر لیا، مکہ کے کافر پہلے ہی کسی ایسے موقع کی تلاش میں تھے، وہ فوراً جنگ کیلئے تیار ہو گئے، پروگرام کے مطابق یہ سارے قبیلے مدینہ کی طرف روانہ ہو گئے، اور چند دن میں مدینہ کے قریب دس ہزار کا لشکر جمع ہو گیا، یہ اتنا بڑا لشکر تھا کہ مدینے کی کل آبادی سے بھی زیادہ تھا۔

جونہی کافروں کا یہ لشکر مدینہ کے قریب آیا مخبروں نے اس کی اطلاع مدینہ میں کردی، اطلاع پاتے ہی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے مشورہ کیا اور حضرت سلمان فارسی کے مشورے سے مدینہ کے قریب خندق کھود دی گئی، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے دس دس آدمیوں کو چالیس چالیس گز کو کے ٹکڑے کو کھودنے کا حکم دیا، چنانچہ ساڑھے تین میل لمبی یہ خندق چھ دن میں مکمل کرلی گئی، یہ خندق اتنی چوڑی کھودی گئی تھی کہ کوئی اس کو چھلانگ لگا کر پار نہیں کرسکتا تھا اور اگر کوئی بیچ میں گر جاتا تو اتنی گہری تھی کہ کوئی نکل نہیں سکتا تھا۔

خندق کی کھدائی کے دوران بھی بہت سے واقعات پیش آئے اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض معجزے بھی ظاہر ہوئے، بھوک کی حالت میں صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین پیٹ پر پتھر باندھ کر خندق کھودتے رہے، اتنے میں دشمن بھی خندق تک پہنچ گیا اور مسلمانوں کا یہ دفاعی منصوبہ دیکھ کر حیران رہ گیا، وہ اس خندق کو پار نہیں کرسکتے تھے، اگر کسی نے خندق کو پار کرنے کی کوشش کی تو گر کر جان سے ہاتھ دھونے پڑے، کافروں کی طرف سے مدینہ کا گھیراؤ پچیس دن یا ایک ماہ تک جاری رہا، مگر کافر اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہوسکے۔

اس دوران میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی مدد دو طرح سے کی، ایک تو ان کی مدد کیلئے فرشتوں کا لشکر بھیج دیا اور دوسرا سخت آندھی بھیجی جس سے کافروں کے خیمے اکھڑ گئے، ہانڈیاں الٹ گئیں، اونٹ بھاگ کھڑے ہوئے اور اس طرح وہ بھاگنے پر مجبور ہوگئے، فرشتوں کا لشکر اللہ تعالیٰ نے بدر کے میدان میں بھی مسلمانوں کی مدد کیلئے بھیجا تھا، فرشتے براہِ راست تو جنگ نہیں لڑتے، مگر اللہ تعالیٰ ان کے ذریعے مسلمانوں کے دل مضبوط کردیتا ہے، پھر جس شخص کو اعتماد ہو کہ اس کیساتھ فرشتوں کی جماعت موجود ہے، اس کا حوصلہ بڑھ جائے گا اور مسلمانوں کے دلوں میں اعتماد پیدا ہوجائے گا، بہر حال کافروں کو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا اور مسلمان ان کے ناپاک منصوبے سے محفوظ رہے۔

اُحزاب کی جنگ

"قرطبی اور مظہری" کے حوالے سے

"احزاب" حزب کی جمع ہے، جس کے معنیٰ پارٹی یا جماعت کے آتے ہیں، اس جنگ میں کافروں کی مختلف

جماعتیں ملکر مسلمانوں کو ختم کردینے کا معاہدہ کر کے مدینہ پر چڑھ آئی تھیں، اس لئے اس جنگ کا نام "غزوۂ احزاب" رکھا گیا ہےاور چونکہ اس جنگ میں دشمن کے آنے کے راستے پر حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے مشورے اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم سے خندق کھودی گئی تھی، اس لئے اس جنگ کو جنگِ خندق بھی کہتے ہیں، جنگِ خندق کے فوراً بعد بنو قُریظہ سے بھی جنگ ہوئی مذکورہ آیتوں میں اس کا بھی ذکر ہے وہ بھی درحقیقت خندق کی جنگ کا ہی ایک حصہ تھا، جیسا کہ واقعہ کی تفصیل سے معلوم ہوگا۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس سال مکّہ سے ہجرت فرما کر مدینہ منورہ میں تشریف فرما ہوئے، اس کے دوسرے ہی سال میں بدر کی جنگ کا واقعہ پیش آیا، تیسرے سال میں اُحد کی جنگ پیش آئی، چوتھے سال میں یہ خندق کی جنگ واقع ہوئی اور بعض روایتوں میں اسے پانچویں سال کا واقعہ قرار دیا گیا ہے، بہرحال ہجرت کے شروع سے اس وقت تک کافروں کے حملے مسلمانوں پر مسلسل جاری تھے، جنگ خندق کا حملہ بڑی بھرپور طاقت وقوت کیساتھ کیا گیا تھا، اس لئے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام پر یہ جنگ دوسری سب جنگوں سے زیادہ سخت تھی، کیونکہ اس میں حملہ آوروں کی تعداد بارہ ہزار سے پندرہ ہزار تک بتلائی گئی ہے، اور اس طرف سے مسلمان کل تین ہزار وہ بھی بہت کم جنگی سامان کیساتھ اور زمانہ سخت سردی کا، قرآن کریم نے تو اس واقعہ کی شدّت بڑی ہولناک صورت میں یہ بیان فرمائی ہے "آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں، کلیجے منہ کو آنے لگے"۔

مگر جیسا کہ یہ وقت مسلمانوں پر سب سے زیادہ سخت تھا، ویسے ہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد بھی بھرپور تھی جس سے مشرکوں، یہودیوں اور منافقوں کی کمر ٹوٹ گئی اور آگے ان کو اس قابل نہیں چھوڑا کہ وہ مسلمانوں پر کسی حملے کا ارادہ کرسکیں، اس لحاظ سے یہ جنگ کفر و اسلام کا آخری معرکہ تھا جو مدینہ منورہ کی زمین پر ہجرت کے چوتھے یا پانچویں سال میں لڑا گیا۔

اس واقعہ کی ابتدا یہاں سے ہوئی کہ یہود کے قبیلہ بنونضیر اور قبیلہ ابو وائیل کے تقریباً بیس آدمی جو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مسلمانوں سے سخت دشمنی رکھتے تھے مکہ مکرمہ پہنچ گئے اور قریشی سرداروں سے ملاقات کر کے ان کو

مسلمانوں سے جنگ کرنے کیلئے تیار کیا، قریشی سردار سمجھتے تھے کہ جس طرح مسلمان ہماری بت پرستی کو کفر کہتے ہیں اور اس لئے ہمارے مذہب کو بُرا سمجھتے ہیں یہودیوں کا بھی یہی خیال ہے، تو ان سے موافقت واتحاد کی کیا توقع رکھی جائے، اس لئے ان لوگوں نے یہودیوں سے سوال کیا کہ آپ لوگ جانتے ہیں کہ ہمارے اور محمد کے درمیان دین ومذہب کا اختلاف ہے اور آپ لوگ اہل کتاب اور اہل علم ہیں، پہلے ہمیں یہ بات بتلایئے کہ کیا آپ کے نزدیک ہمارا دین بہتر ہے یا ان کا؟

سیاست کے میدان میں جھوٹ کوئی نئی چیز نہیں

ان یہودیوں نے اپنے علم وضمیر کے بالکل خلاف ان کو یہ جواب دیا کہ تمہارا دین محمد کے دین سے بہتر ہے، اس پر یہ لوگ کچھ مطمئن ہوئے، مگر اس پر بھی معاملہ یہ ٹھہرا کہ بیس آدمی یہ آنے والے اور پچاس آدمی قریش سرداروں کے مسجد حرام میں جا کر بیت اللہ کی دیواروں سے سینہ لگا کر اللہ تعالیٰ کے سامنے یہ عہد کریں کہ ہم میں سے جب تک ایک آدمی بھی زندہ رہے گا ہم محمد خلاف جنگ کرتے رہیں گے۔

یہ یہودی قریش کیساتھ معاہدہ کرنے کے بعد عرب کے ایک بڑے اور جنگجو قبیلہ غطفان کے پاس پہنچے اور ان کو بتلایا کہ ہم اور قریش اس پر متفق ہو چکے ہیں کہ اس نئے دین (اسلام) کے پھیلانے والوں کا ایک مرتبہ سب ملکر خاتمہ کردیں، آپ بھی اس پر ہم سے معاہدہ کریں اور ان کو یہ رشوت بھی پیش کی کہ خیبر میں جس قدر کھجور ایک سال میں پیدا ہوں گی وہ اور بعض روایتوں میں اس کا نصف قبیلہ غطفان کو دیا جائے گا، قبیلہ غطفان کے سردار عیینہ بن حصن نے اس شرط کیساتھ ان سے شرکت کو منظور کر لیا اور یہ لوگ بھی جنگ میں شامل ہو گئے۔

اور آپس کے فیصلے کے مطابق مکہ سے قریشیوں کا لشکر چار ہزار جوانوں، تین سو گھوڑوں اور ایک ہزار (۱۰۰۰) اونٹوں کے سامان کیساتھ ابوسفیان کی قیادت میں مکہ مکرمہ سے نکلا اور مرّ ظہران میں ٹھہرا، یہاں قبیلہ اسلم، قبیلہ اشجع، قبیلہ بنومرہ، قبیلہ بنو کنانہ، قبیلہ فزارہ، اور غطفان کے سب قبیلے شامل ہو گئے، جن کی مجموعی تعداد

بعض روایتوں میں دس، بعض میں بارہ اور بعض میں پندرہ ہزار بیان کی گئی ہے۔

مدینہ منوّرہ پر سب سے بڑا حملہ: بدر کی جنگ میں مسلمانوں کے مقابلے میں آنے والا لشکر ایک ہزار کا تھا، پھر اُحد کی جنگ میں حملہ کرنے والا لشکر تین ہزار کا تھا، اس مرتبہ لشکر کی تعداد بھی ہر پہلی مرتبہ سے زائد تھی اور سامان بھی، اور تمام عرب اور یہودی قبیلوں کی اتحادی طاقت بھی تھی۔

مسلمانوں کی جنگی تیاری

(۱)....اللہ تعالیٰ پر توکّل (۲)....باہمی مشورہ (۳)....طاقت کے مطابق جنگی تیاری

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو جب اس لشکر کے آنے کی اطلاع ملی تو سب سے پہلا کلمہ جو زبان مبارک پر آیا، یہ تھا! ہمیں اللہ تعالیٰ ہی کافی ہے اور وہی ہمارا بہتر کام بنانے والا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے صحابہ سے مشورہ کیا جس میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے، انہوں نے مدینہ کے اردگرد خندق کھودنے اور مدینہ میں رہ کر دشمن سے مقابلے کا مشورہ دیا، پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے یہ مشورہ قبول فرما کر خندق کھودنے کا حکم دیدیا اور خود بھی اس کام میں شریک ہوئے۔

خندق کی کھدائی: یہ خندق سلع پہاڑ کے پیچھے اس پورے راستے کی لمبائی پر کھودنا طے ہوا، جس سے مدینہ کے شمال کی طرف سے آنے والے دشمن آسکتے تھے، اس خندق کی لمبائی، چوڑائی اور گہرائی خود پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کھینچی، یہ خندق شیخین سے شروع ہو کر سلع پہاڑ کے مغربی کنارے تک آئی اور بعد میں اسے بڑھا کر "وادئ بطحان" اور "وادئ راتونا" کے مقام تک پہنچادیا گیا، اس خندق کی کل لمبائی تقریباً ساڑھے تین میل تھی، چوڑائی اور گہرائی کی صحیح مقدار کسی روایت سے معلوم نہیں ہوئی، لیکن یہ ظاہر ہے کہ چوڑائی اور گہرائی بھی خاصی ہوگی کہ جس کو پار کرنا دشمن کیلئے آسان نہ تھا۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے خندق کھودنے کے واقعہ میں یہ آیا ہے کہ وہ روزانہ پانچ گز لمبی اور پانچ گز گہری خندق کھودتے تھے، اس سے خندق کی گہرائی پانچ گز کہی جاسکتی ہے۔

اسلامی لشکر کی تعداد: اس وقت مسلمانوں کی تعداد کل تین ہزار تھی اور کل چھتیس گھوڑے تھے، جس وقت یہ اسلامی لشکر مقابلہ کیلئے روانہ ہونے لگا تو جو منافق لوگ مسلمانوں میں ملے جلے رہتے تھے انہوں نے پیچھے کھسکنا شروع کر دیا، کچھ چھپ کر نکل گئے، کچھ لوگوں نے جھوٹے عذر پیش کر کے پیغمبر ﷺ سے واپسی کی اجازت لینی چاہی، یہ اپنے اندر سے ایک نئی آفت پھوٹی، ان آیتوں میں انہی منافقوں کے متعلق چند آیتیں اتری ہیں۔

پیغمبر ﷺ نے اس جہاد کیلئے مہاجرین کا جھنڈا حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے سپرد فرمایا اور حضراتِ انصار کا جھنڈا حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے سپرد فرمایا، اس وقت مہاجرین و انصار کے درمیان موخات (بھائی چارے) کے تعلقات بڑی مضبوط بنیادوں پر قائم تھے، اور سب بھائی بھائی تھے۔

خندق کی کھدائی کی تقسیم پورے لشکر پر کی گئی: پیغمبر ﷺ نے پورے لشکر کے مہاجرین و انصار کو دس دس آدمیوں کی جماعت میں تقسیم کر کے ہر دس آدمیوں کو چالیس گز خندق کھودنے کا ذمہ دار بنایا۔

ایک عظیم معجزہ

اتفاق سے جو حصہ خندق کا حضرت سلمان وغیرہ کے حوالے تھا، اس میں ایک سخت اور چکنے پتھر کی چٹان نکل آئی، حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے ساتھی عمرو بن عوف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: اس چٹان نے ہمارے اوزار توڑ دیئے اور ہم اس کے کاٹنے سے عاجز ہو گئے تو میں نے سلمان رضی اللہ عنہ سے کہا یہ ہو سکتا ہے کہ ہم اس جگہ سے کچھ ہٹ کر خندق کھودیں اور ذرا سا ٹیڑھا کر کے اس کو اصل خندق سے ملا دیں، مگر پیغمبر ﷺ کی کھینچی ہوئی لکیر سے ہمیں اپنی رائے سے نہیں ہٹنا چاہئے، آپ پیغمبر ﷺ سے یہ واقعہ بیان کر کے حکم حاصل کریں کہ ہمیں کیا کرنا چاہئے؟

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ پیغمبر ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور واقعہ بتلایا، آپ ﷺ خود بھی اپنے حصہ کی خندق میں کام کر رہے تھے، خندق کی مٹی کو اس جگہ سے ہٹانے میں مصروف تھے، حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: میں نے آپ کو دیکھا کہ آپ ﷺ کے جسم مبارک کو غبار نے ایسا ڈھانپ لیا تھا کہ

پیٹ اور پیٹھ کی کھال نظر نہ آتی تھی، ان کو کوئی مشورہ یا حکم دینے کے بجائے خود ان کیساتھ موقع پر تشریف لائے اور دس حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین مع سلمان رضی اللہ عنہ کو جو اس کو کھودنے میں مصروف تھے، خندق کے اندر اتر کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی ان میں شامل ہو گئے، اور کدال اپنے ہاتھ میں لیکر اس چٹان پر ماری، اس ایک ہی مرتبہ کدال مارنے سے چٹان کا ایک تہائی حصہ کٹ گیا اور اس کیساتھ ہی ایک روشنی پتھر کی چٹان سے نکلی، اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوسری مرتبہ کدال ماری ایک تہائی چٹان اور کٹ گئی اور اسی طرح پتھر سے ایک اور روشنی نکلی، تیسری مرتبہ پھر کدال ماری تو باقی چٹان بھی کٹ کر ختم ہوگئی اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خندق سے باہر تشریف لائے اور اپنی چادر جو خندق کے کنارہ پر رکھ دی تھی اٹھالی اور ایک طرف بیٹھ گئے، اس وقت حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے پیغمبر! آپ نے جتنی مرتبہ اس پتھر پر کدال ماری میں نے ہر مرتبہ پتھر سے ایک روشنی نکلتی دیکھی، پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ: کیا واقعی تم نے یہ روشنی دیکھی ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے پیغمبر! میں نے اسے اپنی آنکھوں سے اچھی طرح دیکھا ہے۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: پہلی مرتبہ میں جو روشنی نکلی میں نے اس روشنی میں یمن اور کسریٰ کے شہروں کے محل دیکھے اور جبرائیل امین نے مجھے بتلایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت ان شہروں کو فتح کرے گی، جب میں نے دوسری مرتبہ کدال ماری تو اس روشنی میں مجھے رومیوں کے سرخ محل دکھائے گئے اور جبرائیل امین نے یہ خوشخبری دیدی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت ان شہروں کو بھی فتح کرے گی، یہ ارشاد سُن کر سب مسلمان مطمئن ہو گئے اور آئندہ کی کامیابی پر یقین ہو گیا۔

منافقوں کی طعنہ بازی اور مسلمانوں کا بے مثال یقین

اس وقت جو منافق خندق کی کھدائی میں شامل تھے، وہ کہنے لگے کہ تمہیں محمد کی بات پر حیرت و تعجب نہیں ہوتا، وہ تمہیں کیسے بیکار وعدے سنا رہے ہیں کہ مدینہ میں خندق کی گہرائی کے اندر انہیں حیرہ، مدائن اور کسریٰ کے محل

نظر آرہے ہیں اور یہ کہ تم لوگ ان کو فتح کروگے، ذرا اپنے حال کو تو دیکھو کہ تمہیں اپنے تن بدن کا تو ہوش نہیں، پیشاب پاخانے کی ضرورت پوری کرنے کی مہلت نہیں، تم ہو جو کسریٰ وغیرہ کے ملک کو فتح کروگے، اسی واقعہ پر یہ آیت اتری: "وَ اِذْ یَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَ الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗۤ اِلَّا غُرُوْرًا" اس آیت میں "اَلَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ" میں انہی منافقوں کا حال بیان کیا گیا ہے، جن کے دلوں میں منافقت کا مرض چھپا ہوا تھا۔

غور کیجیے! کہ اس وقت مسلمانوں کے ایمان اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خبر پر پورے یقین کا کیسا سخت امتحان تھا کہ ہر طرف سے کافروں کے گھیرے میں ہیں، خندق کھودنے کیلئے مزدور اور خادم نہیں، خود ہی یہ محنت ایسی حالت میں برداشت کررہے ہیں کہ سخت سردی نے سب کو پریشان کر رکھا ہے، ہر طرف سے خوف ہی خوف ہے، بظاہر بچنے کی کوئی امید نہیں، دنیا کی عظیم حکومتیں روم و کسریٰ کی فتح کی خوشخبری پر یقین کس طرح ہو؟ مگر ایمان کی اہمیت سب عملوں سے زیادہ اسی بناء پر ہے کہ اسباب وحالات کے سراسر خلاف ہونے کے وقت بھی ان کو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد میں کوئی شک وشبہ پیدا نہ ہوا۔

یہ کس کو معلوم نہیں کہ صحابہ کرام پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایسے جان قربان کرنے والے خادم تھے جو کسی حال میں بھی یہ نہ چاہتے تھے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود بھی اس مزدوری کی محنت میں ان کیساتھ شریک ہوں، مگر پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام کی دل جوئی اور امت کی تعلیم کیلئے اس محنت مزدوری میں برابر کا حصہ لیا۔

اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ خندق کی کھدائی کیلئے ہر چالیس گز پر دس آدمی کام کر رہے تھے، مگر یہ ظاہر ہے کہ بعض لوگ مضبوط اور جلد کام کرنے والے ہوتے ہیں، صحابہ کرام میں سے جن حضرات کا اپنا حصہ کھدائی کا پورا ہو جاتا تو یہ سمجھ کر خالی نہ بیٹھتے تھے کہ ہماری ڈیوٹی پوری ہوگئی، بلکہ دوسرے صحابہ جن کا حصہ ابھی مکمل نہیں ہوا تھا ان کی مدد کرتے تھے، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی محنت اور کوشش کا نتیجہ چھ دن میں سامنے آگیا کہ اتنی لمبی اور چوڑی اور گہری خندق چھ دن میں مکمل ہوگئی۔

اسی خندق کی کھدائی کے دوران وہ مشہور واقعہ پیش آیا کہ ایک دن حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھ کر یہ محسوس کیا کہ آپ شدید فاقہ سے ہیں، اپنی بیوی سے جاکر کہا کہ تمہارے پاس کچھ ہو تو پکالو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فاقے سے ہیں، بیوی نے کہا کہ ہمارے گھر میں ایک صاع بھر جَو رکھے ہیں میں ان کو پیس کر آٹا بناتی ہوں، ایک صاع ہمارے وزن کے اعتبار سے تقریباً ساڑھے تین سیر کا ہوتا ہے، بیوی پیسنے پکانے میں لگی، گھر میں ایک بکری کا بچہ تھا حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے اس کو ذبح کر کے گوشت تیار کیا اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بلانے کیلئے چلے تو بیوی نے پکار کر کہا کہ دیکھئے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیساتھ بہت بڑا مجمع صحابہ کا ہے صرف پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کسی طرح تنہا بلا لائیں، مجھے شرمندہ نہ کیجئے کہ صحابہ کرام کا بڑا مجمع چلا آئے، حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوری صورتِ حال بیان کردی کہ صرف اتنا کھانا ہے، مگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پورے لشکر میں اعلان فرمادیا کہ: چلو جابر کے گھر دعوت ہے، حضرت جابر رضی اللہ عنہ حیران تھے گھر پہنچے تو بیوی نے سخت پریشانی کا اظہار کیا اور پوچھا کہ آپ نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اصل حقیقت اور کھانے کی مقدار بتلادی تھی؟ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: ہاں وہ میں بتلا چکا ہوں تو وہ مطمئن ہوگئیں کہ پھر ہمیں کچھ فکر نہیں۔

واقعہ کی تفصیل اس جگہ غیر ضروری ہے، اتنا معلوم کر لینا کافی ہے کہ خود پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے مبارک ہاتھوں سے روٹی اور سالن سب کو دینے اور کھلانے کا اہتمام فرمایا اور پورے مجمع نے پیٹ بھر کھانا کھایا، اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: سب مجمع کے فارغ ہونے کے بعد بھی نہ ہماری ہنڈیا میں سے کچھ گوشت کم نظر آتا تھا اور نہ گوندھے ہوئے آٹے میں کوئی کمی نظر آتی تھی، ہم سب گھر والوں نے بھی پیٹ بھر کے کھایا، باقی پڑوسیوں میں تقسیم کردیا۔

اس طرح چھ دن میں جب خندق سے فراغت ہوگئی تو کافروں کا لشکر آپہنچا اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے سلع پہاڑ کو اپنی پشت کی طرف رکھ کر فوج کی صف بندی کردی۔

اس وقت دس بارہ ہزار کے مسلح لشکر کیساتھ تین ہزار بے سروسامان لوگوں کا مقابلہ بھی عقل میں آنے کی چیز

نہ تھی، اس پر ایک اور نیا اضافہ ہوا کہ لشکر میں قبیلہ بنونضیر کے سردار حُیَی بن اخطب جس نے سب کو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کی دشمنی پر جمع کرنے میں بڑا کام کیا تھا، مدینے پہنچ کر یہودیوں کے قبیلہ بنوقُریظہ کو بھی اپنے ساتھ ملانے کا منصوبہ بنایا، بنوقُریظہ اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان ایک صلح نامے پر دستخط ہو چکے تھے اور معاہدہ مکمل ہو کر ایک دوسرے سے بے فکر تھے، بنوقُریظہ کا سردار کعب بن اسد تھا، حیی بن اخطب اس کے پاس پہنچا، جب کعب کو اس کے آنے کی خبر ملی تو اپنے قلعہ کا دروازہ بند کرلیا کہ حیی اس تک نہ پہنچ سکے، مگر حیی بن اخطب نے آوازیں دیں اور دروازہ کھولنے پر اصرار کیا، کعب نے اندر ہی اندر سے جواب دیدیا کہ ہم تو محمد کیساتھ صلح کر چکے ہیں، اور ہم نے آج تک ان کی طرف سے معاہدہ کی پابندی اور صدق وسچائی کے سوا کچھ نہیں دیکھا، اس لئے ہم اس معاہدہ کے پابند ہیں، تمہارے ساتھ نہیں آسکتے، دیر تک حیی بن اخطب دروازہ کھولنے اور کعب سے باتیں کرنے پر اصرار کرتا رہا اور یہ اندر سے ہی انکار کرتا رہا، مگر بالآخر کعب کو بہت عار دلائی تو اس نے دروازہ کھول کر حیی کو بلایا، اس نے بنوقُریظہ کو وہ سبز باغ دکھائے کہ بالآخر کعب اس کی باتوں میں آگیا اور لشکر میں شرکت کا وعدہ کرلیا، اور جب کعب نے اپنے قبیلہ کے دوسرے سرداروں کو یہ بات بتلائی تو سب نے یک زبان ہو کر کہا کہ تم نے غضب کیا کہ مسلمانوں سے بلاوجہ عہد شکنی کی اور ان کیساتھ لگ کر اپنے آپ کو خطرے میں ڈال دیا، کعب بھی ان کی بات سے متاثر ہوا اور اپنے کئے پر شرمندہ ہوا، مگر بات اس کے ہاتھ سے نکل چکی تھی اور بالآخر یہی وعدہ خلافی بنوقریظہ کی ہلاکت و بربادی کا سبب بنی، جس کا ذکر آگے آئے گا۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو اس کی اطلاع ملی تو اس وقت میں ان کے وعدہ توڑنے کا سخت صدمہ پہنچا اور اس بات پر بڑی فکر ہوگئی کہ لشکر کے راستہ پر تو خندق کھوددی گئی تھی، مگر یہ لوگ تو مدینہ کے اندر تھے ان سے بچاؤ کیسے ہو، قرآن کریم میں جو اس جملہ کے متعلق فرمایا ہے کہ: کافروں کے لشکر تم پر اوپر اور نیچے سے چڑھ آئے تھے، اس کی تفسیر میں بعض مفسرین نے یہی فرمایا ہے کہ: اوپر کی جانب سے مراد بنوقُریظہ ہیں اور نیچے سے آنے والے باقی لشکر ہیں۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس وعدہ خلافی کی حقیقت اور صحیح صورت حال معلوم کرنے کیلئے انصار کے قبیلہ اوس کے سردار حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ اور قبیلہ خزرج کے سردار حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو وفد کی صورت میں کعب کے پاس بھیجا کہ اس سے گفتگو کریں اور یہ ہدایتیں دیدیں کہ اگر وعدہ خلافی کا واقعہ غلط ثابت ہو تو سب صحابہ کے سامنے کھل کر بیان کر دینا اور صحیح ثابت ہو تو آکر گول مول بات کہنا جس سے ہم سمجھ لیں اور عام صحابہ کرام میں پریشانی پیدا نہ ہو۔

یہ دونوں صحابہ وہاں پہنچے تو معلوم ہوا کہ وعدہ خلافی سچی ہے، واپس آکر ہدایت کے مطابق گول مول بات کہہ کر پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عہد شکنی کا واقعہ صحیح ہونے سے خبردار کر دیا۔

اس وقت جبکہ یہودیوں کا قبیلہ بنو قُریظہ جو مسلمانوں کا دوست تھا وہ بھی جنگ میں شامل ہو گیا، منافقوں میں سے بعض نے تو کھل کر پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف باتیں کہنا شروع کر دیں بعض نے حیلے بہانے بنا کر جنگ سے بھاگ جانے کیلئے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اجازت مانگی، جس کا ذکر آیتوں میں موجود ہے۔

اب جنگ کی یہ صورت تھی کہ خندق کی وجہ سے کافروں کا لشکر اندر نہ آسکتا تھا، اس کے دوسرے کنارے پر مسلمانوں کا لشکر تھا، دونوں میں ہر وقت تیر اندازی کا سلسلہ رہتا تھا، اسی حال میں تقریباً ایک مہینہ ہو گیا کہ نہ کھل کر کوئی فیصلہ کُن جنگ ہوئی تھی اور نہ کسی وقت بے فکری، دن رات صحابہ کرام اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خندق کے کنارے اس کی حفاظت کرتے تھے، اگرچہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود بھی محنت و مشقت میں شریک تھے، مگر آپ رضی اللہ عنہ پر یہ بات بہت سخت تھی کہ صحابہ کرام سب کے سب سخت بے چینی میں ہیں۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم میں یہ بات آچکی تھی کہ قبیلہ غطفان کے رئیس نے ان یہودیوں کیساتھ شرکت خیبر کی آدھی کھجوروں کی لالچ میں کی ہے، آپ نے غطفان کے دو سردار عیینہ ابن حصن اور ابولحارث بن عمرو کے پاس قاصد بھیجا کہ ہم تمہیں مدینہ طیبہ کا ایک تہائی پھل دیں گے، اگر تم اپنے ساتھیوں کو لیکر میدان سے واپس چلے جاؤ، یہ گفتگو درمیان میں تھی اور دونوں سردار راضی ہو چکے تھے، قریب تھا کہ معاہدہ صلح پر دستخط ہو جائیں، مگر پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارادہ کیا کہ صحابہ کرام سے اس معاملہ میں مشورہ لیں، قبیلہ اُوس و خزرج کے دو بزرگ سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ اور

سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو بلا کر ان سے مشورہ لیا۔

دونوں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے پیغمبر! اگر آپ کو اس کام کیلئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوا ہے تو ہمارے کچھ کہنے کی مجال نہیں ہم قبول کریں گے، ورنہ بتایئے کہ یہ آپ کی رائے ہے یا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں مشقت وتکلیف سے بچانے کیلئے یہ تدبیر کی ہے؟

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: نہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے اور نہ میری اپنی رائے ہے بلکہ صرف آپ لوگوں کو مصیبت وتکلیف میں دیکھ کر یہ صورت اختیار کی ہے، کیونکہ آپ لوگ ہر طرف سے گھرے ہوئے ہو، میں نے چاہا دشمنوں کی قوت کو اس طرح فوراً توڑ دیا جائے، حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، اے اللہ کے پیغمبر! ہم جس وقت بتوں کو پوجتے تھے، اللہ تعالیٰ کو نہ پہچانتے تھے اور نہ اس کی عبادت کرتے تھے، اس وقت ان لوگوں کو ہمارے شہر کے پھل میں سے ایک دانہ کی امید رکھنے کی ہمت نہیں تھی، اس کے علاوہ کہ وہ ہمارے مہمان ہوں اور مہمانی کے طور پر ہم ان کو کھلا دیں یا پھر ہم سے خرید کرلے جائیں، آج جبکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنی پہچان کرادی اور اسلام کا اعزاز عطا فرمایا، کیا آج ہم ان لوگوں کو اپنا پھل اور اپنے مال دیدیں گے؟ ہمیں ان کی صلح کی کوئی حاجت نہیں، ہم تو ان کو تلوار کے سوا کچھ نہیں دیں گے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ہمارے اور ان کے درمیان فیصلہ فرمادیں۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سعد رضی اللہ عنہ کی غیرت کو دیکھ کر اپنا یہ ارادہ چھوڑ دیا اور فرمایا کہ: تمہیں اختیار ہے جو چاہو کرو، سعد رضی اللہ عنہ نے صلح نامہ کا کاغذ ان کے ہاتھوں سے لیکر تحریر مٹادی، کیونکہ ابھی اس پر دستخط نہیں ہوئے تھے، غطفان کے سردار "عُیَیْنَہ" اور حارثہ جو خود اس صلح کیلئے تیار ہو کر مجلس میں موجود تھے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی یہ قوت وشدت دیکھ کر خود بھی اپنے دلوں میں ڈگمگا گئے۔

ادھر خندق کے دونوں طرفوں سے تیر اندازی اور پتھراؤ کا سلسلہ جاری رہا، حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ بنی حارثہ کے قلعہ میں جہاں عورتوں کو محفوظ کر دیا گیا تھا، اپنی والدہ کے پاس گئے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: میں بھی اس وقت اسی قلعہ میں تھی اور عورتوں کے لئے پردے کا حکم اس وقت تک آیا نہ تھے، میں نے دیکھا کہ سعد

بن معاذ رضی اللہ عنہ ایک چھوٹی زرہ پہنے ہوئے ہیں، جس میں سے ان کے ہاتھ نکل رہے تھے اور ان کی والدہ ان سے کہہ رہی ہیں کہ جاؤ جلدی کرو، پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیساتھ لشکر میں شامل ہوجاؤ، میں نے ان کی والدہ سے کہا کہ ان کیلئے کوئی بڑی زرہ ہوتی تو بہتر تھا، مجھے ان کے ہاتھ پاؤں کا خطرہ ہے جو زرہ سے نکلے ہوئے ہیں، والدہ نے کہا کچھ حرج نہیں، اللہ تعالیٰ کو جو کچھ کرنا ہوتا ہے وہ ہو کر رہتا ہے۔

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ لشکر میں پہنچے تو ان کو تیر لگا جس نے ان کے گھٹنے کو کاٹ دیا، اس وقت حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے یہ دعا کی کہ یا اللہ! اگر آئندہ بھی قریش کا کوئی حملہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقابلہ پر ہونا ہے تو مجھے اس کیلئے زندہ رکھئے، کیونکہ اس سے زیادہ میری کوئی تمنا نہیں کہ میں اس قوم سے جنگ کروں جنہوں نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تکلیفیں پہنچائیں، وطن سے نکالا، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جھٹلایا اور اگر آئندہ آپ کے علم میں یہ جنگ کا سلسلہ ختم ہوچکا ہے تو آپ مجھے شہادت عطا فرمائیں، مگر اس وقت تک مجھے موت نہ آئے جب تک بنی قُریظہ سے ان کی غداری کا انتقام لیکر میری آنکھیں ٹھنڈی نہ ہوجائیں۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کی یہ دونوں دعائیں قبول فرمائیں، اس واقعہ کو کافروں کا آخری حملہ بنادیا، اس کے بعد ان کو مسلمانوں پر چڑھ آنے کی ہمت نہ رہی اور مسلمانوں کی فتوحات کا دور شروع ہوا، پہلے خیبر پھر مکہ مکرمہ اور پھر دوسرے شہر فتح ہوئے، بنوقُریظہ کا واقعہ آگے آتا ہے کہ وہ گرفتار کرکے لائے گئے اور ان کے معاملہ کا فیصلہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے سپرد کیا گیا، ان کے فیصلے کے مطابق ان کے جوان قتل کیے گئے اور عورتیں، بچے قیدی کرلئے گئے اور مال مسلمانوں میں تقسیم کردیا گیا۔

اس واقعہ میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رات بھر خندق کی دیکھ بھال کرنی پڑتی تھی، اگر کسی وقت آرام کیلئے لیٹے بھی تو ذرا کسی طرف سے شور وشغب کی آواز آئی تو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسلحہ باندھ کر میدان میں جاتے تھے، حضرت ام سلمہ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: ایک رات میں کئی کئی مرتبہ ایسا ہوتا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ذرا آرام کرنے کیلئے تشریف لائے اور کوئی آواز سنی تو فوراً باہر تشریف لے گئے، پھر آرام کیلئے ذرا کمر لگائی اور پھر

کوئی آواز سنی تو باہر تشریف لے گئے۔

ام المؤمنین حضرت سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: میں بہت سی جنگوں مریسیع، خیبر، فتح مکہ اور حنین میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیساتھ رہی ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کسی جنگ میں ایسی سخت مشقت نہیں ہوئی، جیسی جنگ خندق میں پیش آئی، اس جنگ میں مسلمانوں کو زخم بھی بہت لگے، سردی بھی بہت سخت تھی، اس کیساتھ کھانے پینے کی ضروریات میں بھی تنگی تھی۔

ایک روز کافروں نے یہ طے کیا کہ سب ملکر یک بارگی حملہ کرو اور کسی طرح خندق پار کر کے آگے پہنچو، یہ طے کر کے بڑی بے جگری سے مسلمانوں کے مقابلہ میں آگئے، اور سخت تیر اندازی کی، اس میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو دن بھر ایسا مشغول رہنا پڑا کہ نماز کیلئے بھی ذرا سی مہلت نہ ملی، چار نمازیں ظہر، عصر، مغرب اور عشاء، عشاء کے وقت میں پڑھی گئیں۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دُعا

جب مسلمانوں پر شدت کی انتہا ہوگئی تو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کافروں کیلئے بد دعا کی، اور تین دن پیر، منگل، بدھ میں مسجد فتح کے اندر مسلسل کافروں کے لشکر کی شکست وفرار اور مسلمانوں کی فتح کیلئے دعا فرماتے رہے، تیسرے روز بدھ کے دن ظہر وعصر کے درمیان دعا قبول ہوئی اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے پاس تشریف لائے، فتح کی خوشخبری سنائی، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ: اس وقت کے بعد سے کسی مسلمان کو کوئی تکلیف پیش نہیں آئی۔

دشمنوں کی صفوں میں قبیلہ غطفان ایک بڑی طاقت تھی، حق تعالیٰ کی قدرت نے انہی میں سے ایک شخص نُعیم ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے دل میں ایمان ڈال دیا، اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر انہوں نے اپنے اسلام کا اظہار کیا اور بتلایا کہ ابھی تک میری قوم میں کسی کو یہ معلوم نہیں کہ میں مسلمان ہو چکا ہوں، اب مجھے فرمایئے کہ میں مسلمانوں کی کیا خدمت کروں؟، پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کہ تم اکیلے آدمی یہاں کوئی خاص کام نہ کرسکو گے، اپنی

قوم میں واپس جا کر انہی میں ملکر اسلام کی مدد کا کوئی کام کر سکو تو کرو، نُعیم ابن مسعود رضی اللہ عنہ ذہین سمجھدار آدمی تھے، انہوں نے ایک منصوبہ دل میں بنالیا اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کی اجازت چاہی کہ میں ان لوگوں میں جا کر جو مصلحت دیکھوں کہوں؟ آپ نے اجازت دیدی۔

نُعیم بن مسعود رضی اللہ عنہ یہاں سے بنوقُریظہ کے پاس گئے، جن کیساتھ زمانہ جاہلیت میں ان کے پرانے تعلقات تھے، ان سے کہا کہ اے بنوقُریظہ تم جانتے ہو کہ میں تمہارا پرانا دوست ہوں، انہوں نے اقرار کیا کہ ہمیں تمہاری دوستی میں کوئی شک نہیں، اس کے بعد حضرت نُعیم ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے بنوقُریظہ کے سرداروں سے خیر خواہانہ انداز میں سوال کیا کہ آپ لوگ جانتے ہیں کہ میں قریش مکّہ سے ہوں یا ہمارا قبیلہ غطفان یا دوسرے یہودی قبیلے ان کا وطن یہاں نہیں، یہ اگر شکست کھا کر بھاگ جائیں تو ان کا کوئی نقصان نہیں، تمہارا معاملہ ان سب سے مختلف ہے، مدینہ تمہارا وطن ہے، تمہاری عورتیں اور مال سب یہاں ہیں، اگر تم نے ان لوگوں کیساتھ جنگ میں شرکت کی اور بعد میں یہ لوگ شکست کھا کر بھاگ گئے تو تمہارا کیا بنے گا، کیا تم تنہا مسلمانوں کا مقابلہ کر سکو گے؟ اس لئے تمہاری خیر خواہی کیلئے یہ مشورہ دیتا ہوں کہ تم لوگ ان کیساتھ اس وقت تک جنگ میں شریک نہ ہو جب تک یہ لوگ اپنے خاص سرداروں کی ایک تعداد تمہارے پاس رہن نہ رکھ دیں کہ وہ تم کو مسلمانوں کے حوالہ کر کے نہ بھاگ جائیں، بنوقُریظہ کو ان کا یہ مشورہ بہت اچھا معلوم ہوا، اس کی قدر کی اور کہا کہ آپ نے بہت اچھا مشورہ دیا۔

اس کے بعد نُعیم ابن مسعود رضی اللہ عنہ قریشی سرداروں کے پاس پہنچے اور ان سے کہا کہ آپ لوگ جانتے ہیں کہ میں آپ کا دوست ہوں اور محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے بَری ہوں، مجھے ایک خبر ملی ہے تمہاری خیر خواہی کا تقاضا ہے کہ میں تمہیں وہ خبر پہنچادوں بشرطیکہ آپ میرا نام ظاہر نہ کریں، وہ خبر یہ ہے کہ یہود بنی قُریظہ تمہارے ساتھ معاہدہ کرنے کے بعد اپنے فیصلہ پر شرمندہ ہیں اور اس کی اطلاع محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس یہ کہہ کر بھیج دی ہے کہ کیا آپ ہم سے اس شرط پر راضی ہو سکتے ہیں کہ ہم قریش اور غطفان کے چند سرداروں کو آپ کے حوالے کر دیں کہ آپ ان کی گردن ماردیں، پھر ہم آپ کیساتھ ملکر ان سب سے جنگ کریں؟ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ان کی بات کو قبول کرلیا ہے،

اب بنوقُریظہ تم سے رہن، یعنی: یرغمال کے طور پر تمہارے کچھ سرداروں کا مطالبہ کریں گے، اب آپ لوگ اپنے معاملہ کو سوچ لو۔

اس کے بعد نُعیم ابن مسعود رضی اللہ عنہ اپنے قبیلہ غطفان میں گئے اور ان کو یہی خبر سنائی، اس کیساتھ ہی ابوسفیان نے قریش کی طرف سے عکرمہ بن ابی جہل کو اور غطفان کی طرف سے ورقہ ابن غطفان کو اس کام کیلئے مقرر کیا کہ وہ بنوقریظہ سے جا کر کہیں کہ اب ہمارا سامان جنگ بھی ختم ہو رہا ہے اور ہمارے آدمی بھی مسلسل جنگ سے تھک رہے ہیں، ہم آپ کے معاہدے کے مطابق آپ کی مدد اور شرکت کے منتظر ہیں، بنوقُریظہ نے ان کو اپنی قرارداد کے مطابق یہ جواب دیا کہ ہم تمہارے ساتھ جنگ میں اس وقت تک شریک نہیں ہوں گے جب تک دونوں قبیلوں کے چند سردار ہمارے پاس بطور رہن (یرغمال) کے نہ پہنچ جائیں، عکرمہ اور ورقہ نے یہ خبر ابوسفیان کو پہنچادی تو قریش اور غطفان کے سرداروں نے یقین کرلیا کہ نُعیم ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے جو خبر دی تھی وہ صحیح ہے، اور بنوقریظہ سے کہلا بھیجا کہ ہم ایک آدمی بھی اپنا آپ کو نہیں دیں گے، آپ کا دل چاہے تو ہمارے ساتھ جنگ میں شرکت کریں اور نہ چاہے تو نہ کریں، بنوقُریظہ کو یہ حال دیکھ کر اس بات پر جو نُعیم ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہی تھی اور زیادہ یقین ہوگیا، اس طرح اللہ تعالیٰ نے دشمن گروہ میں سے ایک شخص کے ذریعہ ان کے درمیان پھوٹ ڈالدی اور ان لوگوں کے پاؤں اکھڑ گئے۔

اس کیساتھ دوسری آسمانی مصیبت ان پر یہ آئی کہ اللہ تعالیٰ نے ایک سخت اور برفانی آندھی ان پر بھیج دی، جس نے ان کے خیمے اکھاڑ پھینکے، ہانڈیاں چولہوں سے اڑادیں، یہ تو ظاہری اسباب اللہ تعالیٰ نے ان کے پاؤں اکھاڑنے کیلئے پیدا فرمادیئے تھے، اس پر مزید اپنے فرشتے بھیج دیئے جو پوشیدہ طور پر ان کے دلوں پر رعب ڈال دیں، ان دونوں باتوں کا ذکر آیت کے شروع میں بھی موجود ہے، اس کا نتیجہ یہ تھا کہ اب ان لوگوں کیلئے بھاگ کھڑے ہونے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔

دوسری طرف پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نُعیم ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی کارگزاری اور لشکروں کی درمیان پھوٹ کی خبر ملی تو

ارادہ فرمایا کہ اپنا کوئی آدمی جا کر دشمن کے لشکر اور ان کے ارادوں کا پتہ لائے، مگر وہ سخت برفانی ہوا جو دشمن پر بھیجی گئی تھی پورے مدینہ پر چھائی ہوئی تھی اور مسلمان بھی اس سخت سردی سے متاثر ہوئے، رات کا وقت تھا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین دن بھر کی محنت و مقابلہ سے چور چور سخت سردی کے سبب سمٹے ہوئے بیٹھے تھے، پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجمع کو مخاطب کر کے فرمایا کہ: کون ہے جو کھڑا ہو اور دشمن کے لشکر میں جا کر ان کی خبر لائے؟ اور اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں داخل فرمائے، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا مجمع تھا مگر حالات نے ایسا مجبور کر رکھا تھا کہ کوئی کھڑا نہ ہوسکا، پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز میں مشغول ہو گئے اور کچھ دیر نماز میں مشغول رہنے کے بعد پھر مجمع کو خطاب کر کے فرمایا کہ: ہے کوئی شخص جو دشمن کے مجمع کی مجھ کو خبر لا دے اور اس کے بدلے میں جنت حاصل کر لے؟ اس مرتبہ بھی پورے مجمع میں سناٹا رہا، کوئی نہیں اٹھا، پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پھر نماز میں مشغول ہو گئے اور کچھ دیر کے بعد پھر تیسری مرتبہ وہی خطاب فرمایا کہ: جو ایسا کرے گا وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا؟ مگر پوری قوم دن بھر کی سخت تکان اور کئی وقت کے فاقے اور بھوک سے اور اوپر سے سردی کی شدت سے ایسی بے بس ہو رہی تھی کہ پھر بھی کوئی نہ اٹھا۔

حضرت حذیفہ بن یمان فرماتے ہیں کہ: اس وقت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرا نام لیکر فرمایا کہ حذیفہ تم جاؤ، حالت میری بھی سب جیسی تھی، مگر نام لیکر حکم دینے پر اطاعت کے سوا چارہ نہ تھا، میں کھڑا ہو گیا اور سردی سے میرا تمام بدن کانپ رہا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا ہاتھ مبارک میرے سر اور چہرے پر پھیرا اور فرمایا کہ: دشمن کے لشکر میں جاؤ اور مجھے صرف خبر لا دو اور میرے پاس واپس آنے سے پہلے کوئی کام نہ کرو، اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میری حفاظت کیلئے دعا فرمائی، میں نے اپنی تیر کمان اٹھائی اور اپنے کپڑے اپنے اوپر باندھ لئے اور ان کی طرف روانہ ہو گیا۔

جب یہاں سے روانہ ہوا تو عجیب ماجرا یہ دیکھا کہ خیمے کے اندر بیٹھے ہوئے جو سردی سے کپکپی طاری تھی وہ ختم ہو گئی، اور میں اس طرح چل رہا تھا جیسے کوئی گرم حمام کے اندر ہو، یہاں تک کہ میں ان کے لشکر کے اندر پہنچ گیا، میں نے دیکھا کہ ہوا کے طوفان نے ان کے خیمے اکھاڑ دیئے تھے اور ہانڈیاں الٹ دی تھیں، ابوسفیان آگ کے پاس بیٹھ کر سینک رہے تھے، میں نے یہ دیکھ کر اپنا تیر کمان سے نکالا اور ابوسفیان پر تیر پھینکنے ہی والا تھا

کہ مجھے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمان یاد آگیا کہ کچھ کام وہاں سے واپس آنے تک نہ کرنا، ابوسفیان بالکل میرے نشانے پر تھا، مگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان کی وجہ سے میں نے اپنا تیر واپس رکھ لیا۔

ابوسفیان حالات سے پریشان ہو کر واپسی کا اعلان کرنا چاہتا تھا، مگر اس کیلئے ضروری تھا کہ قوم کے ذمہ داروں سے بات کریں، رات کی تاریکی اور سناٹے میں یہ خطرہ بھی تھا کہ کوئی جاسوس موجود ہو اور ان کی بات سُن لے، اس لئے ابوسفیان نے یہ ہوشیاری کی کہ بات کرنے سے پہلے سارے مجمع کو کہا ہر شخص اپنے برابر والے آدمی کو پہچان لے، تا کہ کوئی غیر آدمی ہماری بات نہ سُن سکے۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: اب مجھے خطرہ ہوا کہ میرے برابر کا آدمی جب مجھ سے پوچھے گا کہ تو کون ہے؟ تو میرا راز کھل جائے گا، انہوں نے بڑی ہوشیاری اور دلیری سے اپنے برابر والے آدمی کے ہاتھ پر ہاتھ مار کر پوچھا تم کون ہو؟ اس نے کہا تعجب ہے تم مجھے نہیں جانتے، میں فلاں ابن فلاں ہوں، وہ قبیلہ ہوازن کا آدمی تھا، اس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو گرفتاری سے بچالیا۔

ابوسفیان نے جب اطمینان کرلیا کہ مجمع اپنا ہی ہے، کوئی غیر نہیں تو اس نے پریشان کن حالات اور بنو قُریظہ کی بدعہدی اور سامان جنگ ختم ہونے کے واقعات سنا کر کہا کہ میری رائے یہ ہے کہ اب آپ سب واپس چلیں اور میں بھی واپس جارہا ہوں، اسی وقت لشکر میں بھگدڑ مچ گئی اور سب واپس جانے لگے۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: میں یہاں سے واپس چلا تو ایسا محسوس ہوا کہ میرے گرد کوئی گرم حمام ہے جو مجھے سردی سے بچا رہا ہے، واپس پہنچا تو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نماز میں مشغول پایا، جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سلام پھیرا تو میں نے واقعہ کی خبر دی، پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس خبر سے خوش ہو کر ہنسنے لگے، یہاں تک رات کی تاریکی میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دندان مبارک چمکنے لگے، اس کے بعد پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے اپنے قدموں میں جگہ دی، اور جو چادر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اوڑھے ہوئے تھے اس کا ایک حصہ مجھ پر ڈال دیا، یہاں تک میں سوگیا، جب صبح ہوگئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہی مجھے یہ کہہ کر بیدار فرمایا کہ کھڑا ہوجا اے بہت سونے والے!

صحیح حدیث میں حضرت سلیمان بن صرد رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کی کہ کافروں کے لشکروں کے واپس جانے کے وقت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اب وہ ہم پر حملہ آور نہ ہوں گے، بلکہ ہم ان پر حملہ کریں گے اور ان کے ملک پر چڑھائی کریں گے۔

یہ ارشاد فرمانے کے بعد پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین مدینہ میں واپس آ گئے اور ایک مہینے کے بعد مسلمانوں نے اپنے ہتھیار کھولے۔

غزوۂ بنوقُریظہ

ابھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین مدینہ میں واپس پہنچے ہی تھے کہ اچانک جبرائیل امین علیہ السلام حضرت دحیہ کلبی کی صورت میں تشریف لائے اور فرمایا کہ: اگرچہ آپ لوگوں نے اپنے ہتھیار کھول دیئے ہیں، مگر فرشتوں نے اپنے ہتھیار نہیں کھولے، اللہ تعالیٰ کا آپ کو یہ حکم ہے کہ آپ بنوقریظہ کا گھیراؤ کریں اور میں آپ سے آگے وہیں جارہا ہوں۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ میں اعلان کرنے کیلئے ایک آدمی بھیج دیا جس نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ حکم لوگوں کو سنایا اور پہنچایا، کوئی آدمی عصر کی نماز نہ پڑھے جب تک بنوقُریظہ میں نہ پہنچ جائے۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سب کے سب اس دوسرے جہاد کیلئے فوراً تیار ہوکر بنوقُریظہ کی طرف روانہ ہو گئے، راستہ میں عصر کا وقت آیا تو بعض حضرات نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کے مطابق راستہ میں عصر کی نماز ادا نہیں کی، بلکہ بنوقُریظہ میں پہنچ کر ادا کی، اور بعض نے یہ سمجھا کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مقصد عصر کے وقت میں بنوقُریظہ پہنچ جانا ہے، ہم اگر نماز راستہ میں پڑھ کر عصر کے وقت میں وہاں پہنچ جائیں تو یہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کے خلاف نہیں، انہوں نے عصر کی نماز اپنے وقت پر راستہ میں ادا کرلی۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اس اختلاف کی خبر دی گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دونوں فریق میں سے کسی کو ملامت نہیں فرمایا، بلکہ دونوں کو درست کہا، بنوقُریظہ سے جہاد کیلئے نکلتے وقت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جھنڈا

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے سپرد فرمایا، پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے آنے کی خبر سُن کر بنوقُریظہ نے قلعہ کا دروازہ بند کردیا، اسلامی لشکر نے قلعہ کا گھیراؤ کرلیا، بنوقُریظہ کا سردار کعب جس نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عہد توڑ کر کافروں کیساتھ معاہدہ کیا تھا، اس نے اپنی قوم کو جمع کر کے حالات کی نزاکت بیان کرتے ہوئے تین صورتیں پیش کیں۔

پہلی.... یہ کہ تم سب کے سب اسلام قبول کرو اور محمد کے تابعدار ہو جاؤ، کیونکہ میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تم سب لوگ جانتے ہو کہ وہ حق پر ہیں، اور تمہاری کتاب تورات میں ان کی پیشینگوئی موجود ہے، جو تم پڑھتے ہو، اگر تم نے ایسا کرلیا تو دنیا میں اپنی جان و مال اور اولاد کو محفوظ کرلو گے اور آخرت بھی درست ہو جائے گی۔

دوسری.... صورت یہ ہے کہ تم اپنی اولاد اور عورتوں کو پہلے خود اپنے ہاتھ سے قتل کردو اور پھر پوری طاقت سے مقابلہ کرو، یہاں تک کہ تم سب بھی قتل ہو جاؤ۔

تیسری.... صورت یہ ہے کہ ہفتہ کے دن تم مسلمانوں پر یک بارگی حملہ کردو، کیونکہ مسلمان جانتے ہیں کہ ہمارے مذہب میں ہفتہ کے دن لڑائی حرام ہے، اس لئے وہ ہماری طرف سے اس دن بے فکر ہوں گے، ہم اچانک طور پر حملہ کریں تو ممکن ہے کامیاب ہو جائیں۔

کعب کی قوم نے تجویز سُن کر جواب دیا کہ پہلی بات، یعنی: مسلمان ہو جانا یہ تو ہم ہرگز قبول نہیں کریں گے، کیونکہ ہم تورات کو چھوڑ کر اور کسی کتاب کو نہ مانیں گے، رہی دوسری بات تو عورتوں بچوں نے کیا قصور کیا ہے کہ ہم ان کو قتل کریں؟ باقی تیسری بات خود تورات اور ہمارے مذہب کے خلاف ہے یہ بھی ہم نہیں کرسکتے۔

اس کے بعد سب نے اس بات پر اتفاق کیا کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے ہتھیار ڈال دیں اور آپ ان کے بارے میں جو فیصلہ فرمادیں اس پر راضی ہو جائیں، انصاری صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں جو لوگ قبیلہ اَوس سے متعلق تھے ان کے اور بنی قُریظہ کے درمیان پرانے زمانے میں معاہدہ ہو رہا تھا تو اَوسی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ ان لوگوں کو ہمارے حوالے کردیں، پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: کیا تم اس پر راضی ہو کہ میں ان کا معاملہ تمہارے ہی ایک سردار کے سپرد کردوں، یہ لوگ اس پر راضی ہو گئے اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: وہ تمہارے سردار سعد بن معاذ ہیں اس کا فیصلہ میں ان کے سپرد کرتا ہوں، اس پر سب لوگ راضی ہو گئے۔

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو خندق کی جنگ میں تیر کا گہرا زخم لگا تھا، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تیمارداری کیلئے مسجد نبوی میں ایک خیمہ لگوا کر اس میں ٹھہرا دیا تھا، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق بنو قریظہ کے قیدیوں کا فیصلہ ان پر چھوڑ دیا گیا، انہوں نے یہ فیصلہ دیا کہ ان میں سے جو جنگ کرنے والے جوان ہیں وہ قتل کر دیئے جائیں اور عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کیساتھ جنگی قیدی کا معاملہ کیا جائے، جو اسلام میں معروف ہے، یہی فیصلہ نافذ کر دیا گیا اور اس فیصلے کے فوراً بعد ہی حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے زخم سے خون بہہ پڑا، اسی میں ان کی وفات ہوئی، اللہ تعالیٰ نے ان کی دونوں دعائیں قبول فرمائیں، ایک یہ کہ آئندہ قریش کا پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی حملہ نہ ہوگا، دوسرے بنی قُریظہ کی غداری کی سزا ان کو مل جائے، وہ اللہ تعالیٰ نے انہی کے ذریعے دلوا دی۔

بھاگنے کا ارادہ

وَاِذْ قَالَتْ طَّآىِٕفَةٌ مِّنْهُمْ يٰٓاَهْلَ يَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ فَارْجِعُوْا

اور جب کہنے لگی ایک جماعت میں سے ان اے رہنے والو مدینہ کے نہیں ٹھہرنے کی جگہ لئے تمہارے پس لوٹ چلو

وَ يَسْتَاْذِنُ فَرِيْقٌ مِّنْهُمُ النَّبِيَّ يَقُوْلُوْنَ اِنَّ بُيُوْتَنَا عَوْرَةٌ

اور رخصت مانگنے لگا ایک فریق میں سے ان پیغمبر سے کہنے لگا تحقیق گھر ہمارے کھلے ہوئے ہیں

وَ مَا هِيَ بِعَوْرَةٍ اِنْ يُّرِيْدُوْنَ اِلَّا فِرَارًا ﴿۱۳﴾

اور نہیں وہ کھلے ہوئے نہیں ارادہ کرتے وہ مگر بھاگنے کا (۱۳)

ربع عند المتقدمين ۱۲

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور جب ان میں سے ایک جماعت کہنے لگی اے یثرب والو! تمہارے لئے کوئی ٹھکانا نہیں، واپس لوٹ چلو اور ان میں سے ایک گروہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے رخصت مانگنے لگا یہ کہہ کر کہ ہمارے گھر کھلے پڑے ہیں، حالانکہ وہ کھلے ہوئے نہیں تھے (نہ ان کی دھمکیوں سے ڈریں اور نہ ان کے مال کے لالچ میں آئیں، بلکہ دین کی طرف دعوت کے کام کو جاری رکھیں۔)، ان کا ارادہ تو بھاگ جانے کے سوا کچھ نہ تھا۔ (۱۳)

لفظی تحقیق: عَوْرَۃٌ: غیر محفوظ۔ عربی میں عورت اس چیز کو کہتے ہیں جو خطروں سے گھری ہوئی ہو، کوئی اس کا بچانے والا نہ ہو۔ یَثْرِبُ: پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے ہجرت فرما کر وہاں تشریف لیجانے سے پہلے مدینہ کا نام یثرب تھا۔

تفسیر

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین ہجرت کر کے مدینہ پہنچ گئے تو اس کا نام مدینۃ النبی (پیغمبر کا شہر) ہوگیا اور پھر اختصار کر کے صرف مدینہ کہنے لگے اس سختی اور مصیبت کے زمانے میں کچھ لوگ جو اپنے آپ کو مسلمان کہتے تھے، مگر ان کے دل میں ایمان کا اثر نہ تھا دوسرے مسلمانوں کو بہکانے لگے اور ان کو یہ کہہ کر ڈرایا کہ اے یثرب کے باشندو! دیکھتے ہو کہ صورتِ حال کیا ہے، سارے عرب اکٹھے ہو کر ہم پر چڑھ آئے ہیں، بنوقُریظہ نے بھی اپنا عہد و پیمان جو ہم سے کر رکھا تھا توڑ دیا ہے، اب ہم خندق پر اس عرب کے لشکروں کے سامنے پڑے ہیں تو اس سے کیا فائدہ، چلو گھر لوٹ چلیں، ان میں سے کچھ لوگ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچ گئے اور عرض کیا کہ شہر میں ہمارے گھر کھلے پڑے ہیں، خبر نہیں کب کیا ہو جائے، ہمیں اجازت دیجئے کہ شہر جا کر گھروں کی حفاظت کا بندوبست کریں، ارشاد ہے کہ: یہ سب بھاگ جانے کا بہانہ تھا، شہر کیلئے کوئی ایسا خطرہ نہ تھا، یہ لوگ تو گھروں کی حفاظت کا بہانہ کر کے بھاگ جانا چاہتے تھے، مفسرین کرام نے لکھا ہے کہ: کئی آدمی اس طرح پوچھ کر بھاگ گئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیساتھ صرف ایمان والے ہی رہ گئے تھے۔

مسلمانوں میں تو بے حد جوش و جذبہ پایا جاتا تھا، مگر منافقوں کا یہ حال تھا کہ وہ بددل ہو رہے تھے، کہنے لگے کہ اس جنگ سے پہلے اللہ تعالیٰ کے پیغمبر نے ہمیں یقین دلایا تھا کہ آئندہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ہی کامیاب کرے گا، پھر جب مدینہ کا پوری طرح محاصرہ ہوگیا تو وہ مجاہدین کی حوصلہ شکنی کرنے لگے اور ان میں سے ایک گروہ کہنے لگا، اے یثرب والو! یہاں دشمن کے مقابلے میں خندق کے کنارے مورچہ بند ہو کر رہنا تمہارے لئے کوئی مناسب ٹھکانہ نہیں ہے، یہاں تو تباہی اور بربادی ہے، دشمن بہت بڑی تعداد میں اسلحہ سے لیس تمہارے مقابلے میں ہے،

تمہاری تعداد کم ہے اور جنگی سامان کی بھی کمی ہے، حتیٰ کہ تمہاری خوراک کا بھی کوئی بندوبست نہیں اور تمہیں فاقے پر فاقے آرہے ہیں، ان حالات میں تم دشمن کا کیسے مقابلہ کرسکو گے؟ غزوۂ احد کے موقع پر بھی منافق اس قسم کی باتیں کر کے مسلمانوں سے علیحدہ ہو گئے تھے کہ ہم تمہارے ساتھ اس تباہی میں شریک نہیں ہوسکتے، کہنے لگے حالات اب بھی ناموافق ہیں، تم دس ہزار کے لشکر کا مقابلہ نہیں کرسکو گے، لہٰذا اپنے گھروں کو لوٹ جاؤ اور خود اپنے ہاتھوں سے اپنی ہلاکت کو نہ خریدو۔

بہرحال منافقوں کا ایک گروہ تو وہ تھا جو مخلص ایمان والوں کو اپنے گھروں میں واپس چلے جانے پر آمادہ کررہا تھا اور انہی میں سے دوسرا گروہ وہ تھا جو جھوٹے حیلے بہانوں سے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے جنگ سے واپس جانے کی اجازت مانگ رہا تھا کہ ہمارے گھر غیر محفوظ ہیں اور ہمارے گھروں کی چار دیواریاں بھی اونچی نہیں ہیں، ہوسکتا ہے کہ دشمن شہر میں گھس آئے اور ہماری عورتوں اور بچوں کو اٹھا کر لیجائے، مگر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: ان کے گھر قطعاً غیر محفوظ نہیں، بلکہ ٹھیک ٹھاک ہیں، حقیقت یہ ہے کہ یہ جھوٹے لوگ بہانے بنا کر بھاگنا چاہتے ہیں۔

دل کا کھوٹ

وَ لَوْ دُخِلَتْ عَلَيْهِمْ مِّنْ اَقْطَارِهَا ثُمَّ سُئِلُوا الْفِتْنَةَ لَاٰتَوْهَا

اور اگر داخل کیا جائے پر ان سے کناروں شہر کے پھر سوال کیا جائے ان سے فساد البتہ آپہنچیں اسپر

وَ مَا تَلَبَّثُوْا بِهَاۤ اِلَّا يَسِيْرًا ﴿۱۴﴾ وَ لَقَدْ كَانُوْا عَاهَدُوا اللّٰهَ مِنْ

اور نہ دیر لگائیں میں اس مگر تھوڑی سی (۱۴) اور البتہ تحقیق تھا عہد کیا انہوں نے اللہ سے

قَبْلُ لَا يُوَلُّوْنَ الْاَدْبَارَ ؕ وَ كَانَ عَهْدُ اللّٰهِ مَسْـُٔوْلًا ﴿۱۵﴾

پہلے نہ پھریں گے وہ پیٹھ اور ہے عہد اللہ کا پوچھا جانے والا (۱۵)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور اگر شہر میں کوئی ان پر اس کے کناروں سے گھس آئے اور ان سے چاہے دین میں

فساد تو مان لیں اور اس میں تھوڑی سی دیر نہ کریں۔(۱۴) حالانکہ وہ اس سے پہلے اقرار کر چکے تھے کہ اللہ تعالیٰ سے پیٹھ نہ پھیریں گے اور اللہ تعالیٰ کے اقرار کی پوچھ ہونی ہے۔(۱۵)

تفسیر

ارشاد ہے کہ: گھروں کی حفاظت کا عذر صرف ایک بہانہ ہے، بات یہ ہے کہ ان کے دل اسلام پر طرف پوری طرح مطمئن ہی نہیں تھے، اس وقت جو کافروں کا ہجوم دیکھا اور بظاہر مسلمانوں کی فتح کا کوئی نشان نظر نہ آیا تو جنگ کے میدان سے ہٹ کر شہر میں جا کر بیٹھ رہنے کی سوجھی، بالفرض مدینہ کے باہر سے کوئی ان میں گھس آئے اور ان سے مطالبہ کرے کہ مسلمانوں سے الگ ہو جاؤ اور ہمارے ساتھ ہو کر ان سے لڑو، تو فوراً ان کا ساتھ دینے کو تیار ہو جائیں اور ان کیساتھ ہو کر مسلمانوں سے لڑنے کیلئے نکل پڑیں، تیاری میں کچھ تھوڑی سی دیر لگے تو لگے ورنہ فوراً گھروں سے نکل کھڑے ہوں، نہ گھروں کی حفاظت کا بہانہ کریں اور نہ شکست کا خیال انہیں روکے گا۔

ارشاد ہے کہ: یہ وہی لوگ تو ہیں جنہوں نے جنگ اُحد کے بعد اللہ تعالیٰ کو حاظر و ناظر جان کر عہد کیا تھا کہ آئندہ کبھی میدانِ جنگ سے پیٹھ موڑ کر نہ بھاگیں گے، اب یہ عہد کی خلاف ورزی کیسی؟ انہیں یاد رکھنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کیساتھ جو عہد کیا جائے گا، اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی پوچھ ہوگی، وہ اس عہد کے پورا کرنے کے ذمہ دار ہیں، اگر توڑا تو اس کی سزا بھگتنے کیلئے تیار رہیں۔

اسلامی طرزِ عمل

قُلْ لَّنْ يَّنْفَعَكُمُ الْفِرَارُ اِنْ فَرَرْتُمْ مِّنَ الْمَوْتِ اَوِ الْقَتْلِ

آپ کہدیں ہرگزنہ نفع دے گا تمہیں بھاگنا اگر بھاگوگے تم سے موت یا قتل سے

وَ اِذًا لَّا تُمَتَّعُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۱۶﴾ قُلْ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَعْصِمُكُمْ

اور اس سے نہیں تمہیں نفع ہوگا مگر تھوڑا سا (۱۶) آپ کہدیں کون ہے وہ جو بچائے گا تمہیں

مِّنَ اللّٰهِ اِنْ اَرَادَ بِكُمْ سُوْٓءًا اَوْ اَرَادَ بِكُمْ رَحْمَةً ؕ وَ لَا
سے اللہ اگر اس نے چاہی تمہاری برائی یا چاہی پرتم رحمت اور نہ

يَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّ لَا نَصِيْرًا ﴿۱۷﴾
پائیں گے لئے اپنے سوا اللہ کے کوئی حمایتی اور نہ مددگار (۱۷)

بامحاورہ ترجمہ:۔ آپ ان سے کہہ دیں! یہ بھاگنا تمہارے کچھ کام نہ آئے گا، اگر تم مرنے سے یا قتل سے بھاگو گے اور پھر بھی پھل نہ پاؤ گے مگر تھوڑے دن۔(۱۶) آپ کہیں کون ہے جو تمہیں اللہ تعالیٰ سے بچائے گا؟ اگر وہ تمہارے ساتھ بُرائی چاہے یا مہربانی چاہے اور اللہ تعالیٰ کے سوا اپنے لئے کوئی حمایتی اور مددگار نہ پائیں گے۔(۱۷)

تفسیر

ارشاد ہے کہ: اسلامی رویہ یہ نہیں ہے جو یہ اختیار کررہے ہیں، ان کو اچھی طرح سمجھادو کہ موت سے یا قتل ہونے سے ڈرکر بھاگ جانا بیکار ہے، کوئی جگہ ایسی نہیں جہاں انسان موت سے بچ سکے، اگر وقت آگیا ہے تو جہاں جائے گا مَرکر رہے گا، اسی طرح لڑائی سے اس لئے جان چھڑانا کہ قتل ہوجانے کا خوف ہے بیکار بات ہے، ضروری نہیں کہ ہر شخص جنگ کے میدان میں مارا جائے اور فرض کرو کہ تم مسلمانوں کا ساتھ چھوڑکر بھاگ بھی جاؤ تو کتنے دن کیلئے جیو گے؟ اب نہ مرے تو تھوڑے دن بعد سہی، موت تو آکر رہے گی اسے کوئی نہیں ٹال سکتا، پھر ان سے صاف صاف کہہ دیں کہ زندگی اور موت اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے اگر اس نے حکم دیدیا ہے کہ تمہیں بُرائی پہنچے تو پہنچ کررہے گی اور اگر اللہ تعالیٰ نے ارادہ کرلیا ہے کہ تمہیں خوشی نصیب ہو تو ایسا ہی ہوکررہے گا، اس کے فیصلہ کے بعد نہ کوئی بُرائی سے بچاسکے گا اور نہ کوئی اس کی رحمت سے روک سکے گا، انہیں ماننا پڑے گا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا ان کا کوئی ساتھی ہے نہ حمایتی اور نہ مددگار۔

منافق خطرے کے وقت

قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الْمُعَوِّقِيْنَ مِنْكُمْ وَ الْقَآئِلِيْنَ لِاِخْوَانِهِمْ هَلُمَّ

خوب جانتا ہے اللہ روڑا اٹکانے والوں کو میں سے تم اور جو کہنے والے ہیں بھائیوں اپنے سے آ جاؤ

اِلَيْنَا ۚ وَ لَا يَاْتُوْنَ الْبَاْسَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝۱۸ اَشِحَّةً عَلَيْكُمْ ۚۖ فَاِذَا

طرف ہماری اور نہیں آتے لڑائی میں مگر کبھی کبھی (۱۸) بخل کرنے والے ہیں پر تم پس جب

جَآءَ الْخَوْفُ رَاَيْتَهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ تَدُوْرُ اَعْيُنُهُمْ كَالَّذِيْ

آئے ڈر کا موقعہ آپ انہیں دیکھتے دیکھ رہے ہیں طرف آپ کی گھومتی ہیں آنکھیں ان کی مانند اس شخص کے

يُغْشٰى عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ ۚ

کہ بیہوشی طاری ہو پر اس موت کی

بامحاورہ ترجمہ: اللہ تعالیٰ کو خوب معلوم ہیں جو تم میں سے جہاد سے روکنے والے ہیں اور اپنے بھائیوں سے کہتے ہیں ہمارے پاس آ ؤ اور لڑائی میں نہیں آتے مگر کبھی کبھی۔ (۱۸) بخل کرتے ہیں آپ سے، پھر جب اس جنگ کے خوف سے ڈر آتا ہے اس وقت تو آپ نہیں دیکھتے ہیں کہ آپ کی طرف تک رہے ہیں اور ان کی آنکھیں پھر جاتی ہیں جیسے کسی پر موت کی غشی طاری ہو جائے۔

لفظی تحقیق: اَلْمُعَوِّقِيْنَ: روکنے والے۔ "مُعَوِّقٌ" کی جمع ہے، جو "تَعْوِيْقٌ" سے اسم فاعل ہے، اس کا مادہ (ع، و، ق) ہے، عوق کے معنیٰ روکنا، عائق اسی سے اسم فاعل ہے، تعویق میں مبالغہ زیادہ ہے، یعنی: زور سے روکنا۔ ہَلُمَّ: اسم ہے جو امر حاضر کے معنیٰ میں مستعمل ہے یعنی چلے آؤ، آ جاؤ۔ اَشِحَّةً: (بخیل) "شَحِيْحٌ" کی جمع ہے جو (ش، ح، ح) سے صفت کا صیغہ ہے، اس کا مصدر "شُحٌّ" ہے جس کے معنیٰ ہیں کچھ دینے میں دریغ کرنا، کنجوسی کرنا۔

تفسیر

ارشاد ہے کہ: اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو خوب جانتا ہے جو تم میں گھسے ہوئے ہیں اور ضروری کاموں میں وقت کے اوپر رکاوٹیں پیدا کرتے ہیں اور برادری کے لوگوں کو ضروری جنگ سے روکتے ہیں اور کہتے ہیں کہ لشکر کو چھوڑ کر ہمارے پاس آ جاؤ، وہ لڑائی میں آتے ہی نہیں، مگر کبھی کبھی، تاکہ مسلمان ان سے بالکل بدک نہ جائیں اور غنیمت سے محروم نہ کر دیں، یہ لوگ ہمیشہ تمہیں مدد دینے میں بخل سے کام لیتے ہیں، کوئی خطرہ کا وقت آ جاتا ہے تو چہرہ پر مردنی چھا جاتی ہے اور آپ کی طرف ایسی آنکھوں سے دیکھتے ہیں جیسے مرتے وقت کسی کی پتلی پھر جاتی ہے اور وہ بے بس ہو کر دیکھتا معلوم ہوتا ہے۔

منافق خطرے کے بعد

فَاِذَا ذَهَبَ الْخَوْفُ سَلَقُوْكُمْ بِاَلْسِنَةٍ حِدَادٍ اَشِحَّةً عَلَى الْخَيْرِ ؕ

پس جب جاتا رہے خوف زبان درازی کریں آپ سے زبانوں تیز تیز سے گرے پڑتے ہیں پر مال

اُولٰٓئِكَ لَمْ يُؤْمِنُوْا فَاَحْبَطَ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ ؕ وَ كَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ

وہ لوگ نہیں ایمان لائے پس بیکار کر دیے اللہ نے عمل ان کے اور ہے یہ پر اللہ

يَسِيْرًا ⑲ يَحْسَبُوْنَ الْاَحْزَابَ لَمْ يَذْهَبُوْا ۚ

آسان (۱۹) گمان کرتے ہیں کافروں کی فوجوں کو کہ نہیں چلی گئیں

بامحاورہ ترجمہ: پھر جب ڈر کا وقت جاتا رہے چڑھ چڑھ کر بولیں آپ پر تیز زبانوں سے ٹوٹ پڑتے ہیں مال پر، وہ لوگ یقین نہیں لائے، پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے تمام اعمال برباد کر ڈالے اور یہ امر اللہ تعالیٰ پر آسان ہے۔(۱۹) سمجھتے ہیں کہ کافروں کی فوجیں چلی نہیں گئیں۔

لفظی تحقیق: سَلَقُوْا: لتاڑیں وہ۔ ماضی کا صیغہ ہے، (س، ل، ق) سلق کے معنیٰ ہیں بڑھ چڑھ کر بولنا، لتاڑنا۔ حِدَادٍ: تیز، حدید کی جمع ہے، جو (ح، د، د) سے بنا ہے، صفت کا صیغہ ہے، "حِدَّةٌ" کے معنیٰ تیزی کے ہیں، "حَدِیْدٌ" "تیز چیز جو کاٹنے والی ہو۔

تفسیر

پہلے ارشاد ہوا: کہ خطرہ اور ڈر کے وقت تو ان منافقوں کے چہرہ پر مُردنی چھا جاتی ہے، دم نکلنے کے قریب ہوجاتا ہے، اب اس آیت میں ارشاد ہے کہ: جب لڑائی کا خطرہ نہیں رہتا تو بڑھ چڑھ کر بولنے لگتے ہیں اور زبان بڑی تیزی سے چلنے لگتی ہے، کیونکہ یہ مال پر گرے پڑے ہیں اور غرض سے آگے بڑھ کر اپنے مصنوعی کارنامے جتانے لگتے ہیں اور دوسروں کو طعنے دیتے ہیں کہ تم نے تو کچھ بھی نہیں کیا۔

ارشاد ہے کہ: ان کے دل میں ایمان کا نام نہیں، اس لئے اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کے کاموں کی کوئی اہمیت نہیں، بے ایمان کچھ بھی کرے سب بیکار ہے، اللہ تعالیٰ کیلئے ایسا کردینا بالکل آسان ہے، لیکن انہوں نے تو کچھ کیا ہی نہیں، یہ تو فقط ڈر کے مارے کانپتے ہی رہے اور کافروں کی فوجیں بھاگ بھی گئیں، لیکن پھر یہ بھی کہے جاتے ہیں، نہیں جی! وہ برابر ڈٹی ہوئی ہیں، بھلا وہ کہیں جاسکتی ہیں۔

فَاَحْبَطَ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ: کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے عملوں کو ضائع کردیا ہے اور انہیں کچھ فائدہ نہ ہوگا اور ایسا کرنا اللہ تعالیٰ کیلئے بہت آسان ہے، آسان کا لفظ اس لئے استعمال کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ بلاوجہ کسی کا اچھا عمل ضائع نہیں کرتا، بلکہ وہ منافقوں کے اچھے اعمال کی طرف بھی توجہ کرتا ہے، لیکن ان میں کفر وشرک، منافقت پائی جاتی ہے جس کی اصلاح ممکن نہیں ہوتی، لہٰذا اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کو نہایت آسانی کیساتھ ضائع کرسکتے ہیں، عمل کی مقبولیت کا دارومدار ایمان پر ہے، جب ایمان ہی نہیں ہے، عقیدہ ہی درست نہیں ہے، تو پھر اعمال کا بھی کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔

مسلمانوں کیلئے نمونہ

وَ اِنْ يَّاْتِ الْاَحْزَابُ يَوَدُّوْا لَوْ اَنَّهُمْ بَادُوْنَ فِي الْاَعْرَابِ
اور اگر آئیں کافروں کی فوجیں پسند کریں گے وہ کہ کاش وہ باہر نکلے ہوئے ہوں میں دیہات
يَسْاَلُوْنَ عَنْ اَنْۢبَآئِكُمْ ؕ وَ لَوْ كَانُوْا فِيْكُمْ مَّا قٰتَلُوْٓا اِلَّا
پوچھتے رہیں خبریں تمہاری اور اگر ہوں میں تم نہ لڑیں وہ مگر
قَلِيْلًا ۟ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ
ع ۲ ۱۲ ۱۸
تھوڑا سا (۲۰) البتہ تحقیق تھی لئے تمہارے میں پیغمبر اللہ کے مثال اچھی لئے اس کے
كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَ الْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَ ذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا ۟
جو اُمید کرتا اللہ کی اور دن آخرت کی اور یاد کرتا ہو اللہ کو بہت (۲۱)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور اگر وہ فوجیں آجائیں تو یہ منافق چاہتے کہ کسی طرح ہم دیہات میں ہوتے اور دور ہی دور سے تمہاری خبریں پوچھ لیا کرتے اور اگر وہ تم میں موجود بھی ہوں تو لڑائی میں معمولی سا حصہ لیں۔(۲۰) تمہارے لئے پیغمبر کی زندگی بہترین نمونہ ہے اس کیلئے جو کہ امید رکھتا ہے اللہ تعالیٰ کی اور آخرت کے دن کی اور وہ اللہ تعالیٰ کو بہت یاد کرتا ہو۔(۲۱)

لفظی تحقیق: بَادُوْنَ: دیہات میں نکلے ہوئے۔ بادی کی جمع ہے، "بُدُوٌّ" کے معنیٰ باہر جنگل میں جانا، رہنا، "بَدَوِیٌّ" بمعنیٰ دیہاتی اسی سے بنا ہے۔ اُسْوَةٌ: (نمونہ، مثال)۔

تفسیر

منافقوں کا حال بیان ہو رہا ہے، ارشاد ہے کہ: اگرچہ کافروں کی فوجیں چلی گئیں ہیں لیکن وہ یہی کہے

جاتے ہیں وہ گئی نہیں ہیں اور ہمیں مار کر دم لیں گے، ان کے خوف سے لرز رہے ہیں، ان کی تمنا یہ ہے کہ اب کے وہ آئیں تو وہ شہر سے کہیں دور دیہات میں ہوں اور وہیں سے تمہارا حال پوچھ لیا کریں، اگرچہ وہ تمہارے ساتھ ہونے کی حالت میں بھی لڑائی میں کچھ حصہ نہیں لیتے یونہی کبھی کبھار برائے نام دکھاوے کو کچھ لڑتے ہیں تو کیا۔

جو اللہ تعالیٰ کو اور آخرت کو مان چکے ہیں اور دل میں اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے رہتے ہیں، ان کیلئے تو پیغمبر ﷺ کی مثال بہترین نمونہ ہے، جس پر انہیں چلنا چاہئے، وہ کبھی خطرے کے وقت نہیں گھبراتے، مصیبت کا دلیرانہ مقابلہ کرتے ہیں، جنہیں اللہ تعالیٰ سے ثواب ملنے کی امید ہے انہیں آپ ﷺ کی پیروی کرنی چاہئے۔

يَوَدُّوْا لَوْ اَنَّهُمْ بَادُوْنَ فِي الْاَعْرَابِ: حقیقت میں دشمن کی فوج اگر آجائے تو چاہتے ہیں کہ کاش! وہ دیہات میں ہوتے، کیونکہ شہر میں ہونے کی صورت میں انہیں دشمن کا خطرہ ہوتا ہے اور مال وجان کے ضائع ہونے کی فکر ہوتی ہے، کہتے ہیں کاش! کہ ہم شہر کے بجائے دیہات میں ہوتے اور وہیں بیٹھ کر مسلمانوں کے متعلق خبریں پوچھتے رہتے کہ ان کیساتھ کیا گزری ہے، وہ تو مخلص مسلمانوں کی شکست اور مالی وجانی نقصان کی خبر سننے کے منتظر رہتے ہیں، یہ اتنے بزدل لوگ ہیں کہ جونہی دشمن قریب آئے یہ خوف زدہ ہو کر تمنا کرنے لگتے ہیں کہ وہ شہر کے بجائے دیہات میں ہوتے تو مسلمانوں کیساتھ جنگ میں شریک نہ ہونا پڑتا۔

منافقوں کا جنگ سے دور رہنا ایک لحاظ سے اچھا ہے کیونکہ اگر وہ تمہارے درمیان بھی ہوں تو جنگ میں شریک نہیں ہوں گے، مگر بہت تھوڑا، مطلب یہ کہ تمہارے ساتھ رہنے کا فائدہ کچھ بھی نہیں، جب انہوں نے نہ صرف خود جنگ سے پیچھے ہٹنا ہے، بلکہ اپنے بھائی بندوں کو بھی لڑائی سے علیحدہ رہنے پر آمادہ کریں گے، اس لحاظ سے ایسے لوگ تمہارے درمیان رہ کر تمہارے نقصان کا باعث ہی بنیں گے، اچھا ہے کہ یہ دور ہی رہیں۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ: یقیناً اللہ تعالیٰ کے پیغمبر تمہارے لئے بہترین نمونہ ہیں، آپ ﷺ کی طرف دیکھیں کہ آپ ﷺ کس طرح دنیا کی تکلیفوں کو برداشت کرتے ہوئے دین پر جمے ہوئے ہیں، جنگِ خندق کے واقعہ ہی میں دیکھ لیں کہ پیغمبر ﷺ نے فاقے کے باوجود صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین

کیساتھ ملکر کام کیا، بڑی بڑی چٹانوں کو توڑا، مٹی اٹھا اٹھا کر دور لیجاتے رہے، یہ سب کچھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی رضا اور دین کی تائید کیلئے کیا اور یہی باقی لوگوں کیلئے نمونہ ہے، یہ تو جہاد کا موقعہ تھا ورنہ زندگی کے ہر موڑ پر تمام اٹھنے بیٹھنے، چلنے پھرنے، اونچ نیچ، صلح و جنگ، غرضیکہ ہر معاملہ میں اللہ تعالیٰ کے پیغمبر امت کیلئے نمونہ ہیں، لہٰذا جو لوگ بزدلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے مشقت اٹھانے سے ڈرتے ہیں انہیں پیغمبر کی ذات کا نمونہ دیکھنا چاہئے، اگر وہ اس قدر تکلیفیں برداشت کر رہے ہیں تو باقی لوگ کیوں نہیں کر سکتے؟

مگر یہ نمونہ اس شخص کیلئے ہے جو اللہ تعالیٰ سے امید رکھتا ہے اور قیامت کے دن پر بھی اسے یقین ہے کہ اس دن عملوں کا بدلہ دیا جائے گا، اگر اس سے خوف مراد لیا جائے تو معنیٰ یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر میں نمونہ ہے اس شخص کیلئے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے اور اسے قیامت کے دن کا بھی خوف ہے کہ وہاں ضرور حساب کتاب ہوگا، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خطبہ کی ابتدا میں فرمایا کرتے تھے: بہترین کتاب اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے اور بہترین نمونہ اور سیرت حضرت محمد پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ایمان والوں کیلئے کامل نمونہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کے پیغمبر کی ذات میں اس شخص کیلئے بھی بہترین نمونہ ہے جو اللہ تعالیٰ کا کثرت سے ذکر کرتا ہے، اللہ تعالیٰ کو بہت یاد کرنے والے شخص کے دل میں پاکیزگی اور روحانیت آئے گی اور ایسے شخص کو آخرت میں کامیابی نصیب ہوگی۔

مؤمنوں نے کیا کِیا؟

وَ لَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ ۙ قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَ

اور جب دیکھا ایمان والوں نے کافروں کی فوجوں کو بولے یہ ہے وہ جو وعدہ کیا تھا ہم سے اللہ نے اور

رَسُوْلُهٗ وَ صَدَقَ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ ۡ وَ مَا زَادَهُمْ اِلَّاۤ اِيْمَانًا وَّ

پیغمبر اس کے نے اور سچ کہا اللہ اور پیغمبر اس کے نے اور نہیں بڑھایا اسنے انمیں مگر یقین اور

تَسْلِيْمًا ﴿٢٢﴾ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۚ
فرمانبرداری (۲۲) میں سے مسلمانوں ایسے لوگ ہیں سچ کر دکھایا جنہوں نے وہ جو عہد کیا تھا اللہ سے پر جس

فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ ۖ وَ مَا بَدَّلُوْا
پس میں سے ان وہ ہے جو پورا کر چکا اپنا کام اور میں سے ان جو انتظار میں ہے اور نہیں بدلے وہ

تَبْدِيْلًا ﴿٢٣﴾ لِّيَجْزِيَ اللّٰهُ الصّٰدِقِيْنَ بِصِدْقِهِمْ وَ يُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ
کچھ بھی بدلنا (۲۳) تا کہ بدلہ دے اللہ سچوں کو سچائی ان کی کا اور عذاب دے منافقوں کو

اِنْ شَآءَ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿٢٤﴾ۚ
اگر چاہے یا توجہ کرے پر ان تحقیق اللہ ہے بخشنے والا مہربان (۲۴)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور جب مسلمانوں نے کافروں کے لشکروں کو دیکھا تو بولے یہ وہی ہے جو اللہ تعالیٰ نے اور اس کے پیغمبر نے ہم سے وعدہ کیا تھا اور اللہ تعالیٰ اور اس کے پیغمبر نے سچ کہا اور ان کا یقین اور ان کی فرمانبرداری اور بڑھ گئی۔(۲۲) اور ایمان والوں میں کتنے مرد ہیں کہ سچ کر دکھایا اس بات کو جس کا اللہ تعالیٰ سے وعدہ کیا تھا، پھر بعض تو ان میں سے وہ ہیں جنہوں نے اپنا وعدہ پورا کیا یعنی آخری دم تک منہ نہیں موڑا اور بعض ان میں سے شہادت کے انتظار میں ہیں اور اپنے ارادے میں ذرا سی بھی تبدیلی نہیں کی۔(۲۳) تا کہ اللہ تعالیٰ سچوں کو ان کے سچ کا بدلہ دے اور منافقوں کو عذاب دے اگر چاہے یا ان کے دل میں توبہ ڈال دے، بیشک اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔(۲۴)

تفسیر

منافقوں کی کافروں کے لشکر کو دیکھ کر جو حالت ہوئی اسے پہلے بیان کر دیا گیا، اس آیت میں اب اس بات کا بیان ہے کہ ایماندار مسلمانوں کی انہیں دیکھ کر کیا حالت ہوئی۔

ارشاد ہے کہ: سچے ایمانداروں نے جب کافروں کی فوجوں کو دیکھا کہ اُمڈی چلی آرہی ہیں تو ان کے منہ سے

بے ساختہ نکلا کہ اب اُس آزمائش اور امتحان کا وقت آ پہنچا جس کا اللہ تعالیٰ اور اس کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے وعدہ کیا تھا، اللہ تعالیٰ اور اس کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ کہا تھا، یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ایمان والوں بتلایا تھا چند دن میں دشمن بڑی تعداد میں حملہ کریں گے، یہ سوچ کر ان کے دل سے ڈر اور خوف نکل گیا اور اللہ تعالیٰ کی مدد کے منتظر رہتے ہوئے مقابلہ کی تیاریاں شروع کر دیں اور ان فوجوں کی آمد نے ان کا یقین اور اطاعت کا جذبہ بڑھا دیا، یہ ایمان والے ان منافقوں کی طرح نہیں ہیں جو خطرے کے وقت اپنے پہلے عہد و پیمان سارے توڑ بیٹھتے ہیں، ان میں بہت سے ایسے لوگ ہیں جنہوں نے اس وعدے کو جو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے کیا تھا پورا کر دکھایا، مصیبتیں اٹھائیں، مگر اپنی بات سے نہ پھرے۔

ایمان والے ہر مشکل وقت پر آگے آگے ہوتے ہیں، چنانچہ ان میں سے بعض تو شہید ہو گئے، جیسے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اُحد کے موقعہ پر شہید ہو گئے اور بہت سوں نے اپنی جانوں کو خطرے میں ڈال کر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کی، یہ اپنے عہد و پیمان سے ذرا بھی نہ پھرے، بات کے پکے اور قول کے سچے رہے، اب آگے یہ ہو گا کہ اللہ تعالیٰ سچے اور وفادار لوگوں کو ان کی سچائی اور وفاداری کا پورا پورا بدلہ دے گا اور دغا باز اور وعدے سے پھر جانے والے ایمان کے جھوٹے دعویٰ داروں کو اگر چاہے گا تو عذاب میں مبتلا کرے گا یا مہربانی کر کے انہیں توبہ کی توفیق عطا فرمائے گا اور ان کی طرف توجہ کرے گا، چنانچہ یہ سب باتیں دنیا میں بھی پوری ہوئیں اور آخرت میں بھی وعدہ کے مطابق پوری ہوں گی۔

کافروں کا انجام

وَ رَدَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِغَيْظِهِمْ لَمْ يَنَالُوْا خَيْرًا ؕ وَ كَفَى

اور لوٹا دیا اللہ نے ان لوگوں کو جو کافر ہوئے ساتھ غصے انکے کے نہ پائی انہوں نے کچھ بھلائی اور کافی ہوا

اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ قَوِيًّا عَزِيْزًا ﴿۲۵﴾ وَ اَنْزَلَ

اللہ مؤمنوں کی طرف سے لڑنے کو اور ہے اللہ زور والا زبردست (۲۵) اور اتار دیا

الَّذِيْنَ ظَاهَرُوْهُمْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ صَيَاصِيْهِمْ وَ قَذَفَ

انہیں جو مددگار بنے تھے ان کے والوں سے کتاب سے قلعوں ان کے اور ڈال دیا

فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ فَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ وَ تَاْسِرُوْنَ فَرِيْقًا ﴿۲۶﴾ وَ

میں دلوں ان کے رُعب ایک گروہ کو تم قتل کرتے ہو اور قید کرتے ہو اک گروہ کو (۲۶) اور

اَوْرَثَكُمْ اَرْضَهُمْ وَ دِيَارَهُمْ وَ اَمْوَالَهُمْ وَ اَرْضًا لَّمْ تَطَئُوْهَا ؕ

وارث کیا تمہیں زمین ان کی کا اور گھروں ان کے کا اور مالوں ان کے کا اور ایک زمین کا کہ تم نے اس پر ابھی تک قدم نہیں رکھے

۳ ع ۱۹ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا ﴿۲۷﴾

اور ہے اللہ پر ہر چیز قدرت رکھنے والا (۲۷)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور اللہ تعالیٰ نے کافروں کو پھیر دیا اپنے غصہ میں بھرے ہوئے کچھ بھلائی ہاتھ نہ لگی اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی لڑائی اپنے اوپر لے لی اور اللہ تعالیٰ قوت والا ہے زبردست ہے۔(۲۵) اور اہل کتاب سے جو ان کے پشت پناہ ہوئے تھے انہیں ان کے قلعوں سے اتار دیا اور ان کے دل میں دہشت ڈال دی، کتنوں کو تم نے قتل کیا اور کتنوں کو قید کرلیا۔(۲۶) اور تم کو ان کی زمین اور ان کے گھر اور ان کے مال کا اور ایسی زمین جس پر تم نے اپنے قدم نہیں رکھے تھے کا وارث بنایا اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔(۲۷)

لفظی تحقیق: صَيَاصِيْ: پناہ اور قلعے۔ "صِيْصِيَةٌ" کی جمع ہے، اس کے معنیٰ پناہ کی مضبوط جگہ یا طاقتور ہتھیار ہیں، یہاں پہلے معنیٰ مراد ہیں۔

تفسیر

کافروں کا اکٹھا لشکر جب مدینہ کا محاصرہ کر چکا تو منافقوں میں کھلبلی مچ گئی اور مسلمانوں نے دل جمعی سے ان کے مقابلہ کی تیاری کی، ان دونوں کا اس موقعہ پر رویہ الگ الگ بیان کرنے کے بعد ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ کی

آزمائش پوری ہوئی، منافقوں کا حال کھل گیا، ایمان والے کامیاب ہوئے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے کافروں کے لشکروں کو ناکام و نامراد میدان جنگ سے بھگادیا، ایک ایسی آندھی چلی کہ ان کے ہوش وحواس اڑ گئے اور بھاگتے ہی بن پڑی، بڑبڑاتے ہوئے، دل غصہ میں بھرے ہوئے وہاں سے بھاگے، کچھ کام نہ بنا، بلکہ اپنا ایک زبردست پہلوان عمرو بن عبدوُدّ کھو بیٹھے، جسے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قتل کیا، مسلمانوں کو لڑائی کی نوبت ہی نہ آئی، اللہ تعالیٰ نے انہیں لڑنے سے بچالیا اور اپنی تدبیر سے دشمن کو بھگادیا، جب ادھر سے میدان صاف ہوگیا تو غدار بنو قُریظہ کے یہودیوں کی باری آئی، اللہ تعالیٰ نے انہیں بھی ان کے مضبوط قلعوں سے باہر نکالا اور وہ بھی اپنی سزا کو پہنچے۔

یہود بنو قُریظہ جو اپنے مظبوط قلعوں میں مدینہ میں رہتے تھے اور مسلمانوں سے معاہدہ صلح کیا ہوا تھا، جب کافروں کے لشکر مدینہ پر حملہ کیلئے آئے تو یہ بھی ان کیساتھ مل گئے اور مسلمانوں سے جو عہد و پیمان کئے تھے سب توڑ ڈالے، جب کافروں کے لشکر بھاگ گئے تو بنو قریظہ اپنے قلعوں میں جا گھسے، پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور سارے مسلمانوں نے فوراً ان کا محاصرہ کرلیا، پچیس دن کے محاصرے کے بعد تنگ آکر انہوں نے صلح کی گفتگو شروع کی اور قلعوں سے باہر آگئے اور اس بات کو مان لیا کہ اوس کے سردار حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ جو ہمارے واسطے فیصلہ کریں گے وہ ہمیں منظور ہوگا، انہوں نے فیصلہ کیا کہ یہودیوں نے بُرے وقت میں بڑی غداری کی، ان کے نوجوان قتل کردیئے جائیں اور بچے اور عورتیں قیدی بنالئے جائیں اور ان کے مال و جائداد کے مالک مہاجرین ہوں، یہ فیصلہ تورات کے حکم کے موافق تھا۔

اس آیت میں ارشاد ہے کہ: اللہ تعالیٰ نے اپنی تدبیر سے یہودیوں کے دلوں میں مسلمانوں کا رُعب بٹھادیا، تم نے ان کے جوان قتل کئے، بچوں اور عورتوں کو قیدی بنالیا اور ان کے مال و جائداد پر مہاجروں نے قبضہ کرلیا اور انصار پر سے ان کا بوجھ ہلکا ہوگیا، اس کے بعد ارشاد ہے کہ: پھر ایک اور زمین پر تمہیں قبضہ دیا، جس سے مراد ہے خیبر کی زمین یا فتح مکّہ یا بعد کی فتوحات اسلامی ہیں، اس سے صاف ظاہر ہے کہ ہر چیز اللہ تعالیٰ ہی کے قبضے میں

ہے اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے اور جو چاہے کر سکتا ہے۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ اگرچہ مخلص مسلمان تھے، مگر بنی قُریظہ کے دوست تھے، اس لحاظ سے ان کا خیال تھا کہ سعد رضی اللہ عنہ ہمارے معاملہ میں زیادہ سخت رویہ اختیار نہیں کریں گے اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ: ان بدعہدوں کیلئے جو مناسب سمجھو سزا تجویز کرو، ان کے فیصلہ سنانے کے بعد پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: اے سعد! تم نے یہ فیصلہ پہلی کتابوں کے متابق کیا ہے، تورات میں یہ حکم موجود ہے کہ غداری کرنے والوں کی سزا یہ ہے کہ ان کے تمام لڑائی کے قابل مردوں کو قتل کر دیا جائے، عورتوں اور بچوں کو لونڈی اور غلام بنالیا جائے اور ان کی جائدادوں پر قبضہ کرلیا جائے، پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے فیصلہ کو قبول کر لینے کا اعلان فرمایا۔

گھریلو زندگی

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا

اے پیغمبر کہہ دیجئے بیویوں اپنی سے اگر ہو تم چاہتی زندگی دنیا کی

وَ زِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَ اُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ﴿۲۸﴾ وَ

اور زینت اس کی تو آؤ تمہیں کچھ دیدوں اور رخصت کردوں تمہیں چھوڑنا اچھا (۲۸) اور

اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ

اگر ہو تم چاہتی اللہ کو اور پیغمبر اس کے کو اور گھر آخرت کو پس تحقیق اللہ نے

اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۲۹﴾ يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ مَنْ يَّاْتِ

تیار کر رکھا ہے واسطے نیکی کرنیوالیوں کے تم سے ثواب بڑا (۲۹) اے عورتو! پیغمبر کی جو لائے

مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ يُّضٰعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ ؕ وَ كَانَ

میں سے تم بے حیائی کا کام صریح بڑھایا جائے گا لئے اس کے عذاب دُگنا اور ہے

ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴿۳۰﴾

یہ پر اللہ آسان (۳۰)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اے پیغمبر! اپنی عورتوں سے کہہ دیجئے کہ اگر تم دنیا کی زندگی اور یہاں کی رونق چاہتی ہو تو آؤ تمہیں کچھ فائدہ پہنچادوں اور بھلی طرح رخصت کردوں۔ (۲۸) اور اگر تم اللہ تعالیٰ کو اور اس کے پیغمبر کو اور آخرت کے گھر کو چاہتی ہو تو اللہ تعالیٰ نے ان کیلئے جو تم میں نیکی پر ہیں بڑا ثواب رکھا ہے۔ (۲۹) اے پیغمبر! کی عورتو! جو کوئی تم میں کھلی بے حیائی کا کام کرلائے تو اسے بڑھا کر دہرا عذاب دیا جائے گا اور یہ اللہ تعالیٰ پر آسان ہے کہ کسی کو دگنا عذاب دے۔ (۳۰)

تفسیر

ان آیتوں میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیویوں کو ہدایت کی جارہی ہے کہ وہ ایسا طرزِ زندگی اختیار کریں جو امت کی عورتوں کیلئے نمونہ بنے، آپ کی گھریلو زندگی نہایت سادہ تھی جو آتا فوراً خرچ ہوجاتا اور پھر تنگی پیش آتی، پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیویوں نے اور لوگوں کو مال ملتے دیکھ کر چاہا کہ انہیں بھی فراغت سے بسر کرنے کے لائق مال ملے۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کی یہ بات گراں گزری اور سوچ میں پڑ گئے، آخر میں یہ آیتیں نازل ہوئیں اور ان میں اچھی طرح سمجھادیا گیا کہ تمہیں اور مسلمانوں کیلئے نمونہ بننا ہے، اس لئے تم فیصلہ کرلو کہ اس کی ذمہ داری لینی ہے کہ نہیں، اگر یہ دنیا کا عیش و آرام چاہیں تو ان سے کہہ دو کہ میں تمہیں باقاعدہ کچھ دے دلاکر رخصت کردیتا ہوں اور اگر آخرت کو اختیار کریں اور پیغمبر کے گھر میں رہنا چاہیں تو انہیں اس طرح رہنا ہوگا جیسے ان سے کہا جائے گا، مسلمان عورتوں کو اس سے سبق لینا چاہئے کہ انہیں اپنی مقدس ماؤں کا ساڈھنگ اختیار کرنا ضروری ہے، اگر اسے نظر انداز کرکے اپنی خوشی پر چلیں تو وہ نالائق اولاد کہلائیں گی۔

ارشاد ہے کہ: اے پیغمبر کی عورتو! دنیا کی زندگی اور اس کی زینت چاہو تو تمہارا پیغمبر کے گھر میں کوئی کام

نہیں، قاعدے کے مطابق کچھ مال دے کر وہ تمہیں ہمیشہ کیلئے رخصت کردیں گے اور اگر اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ﷺ اور آخرت کی زندگی کو اختیار کرنا ہے تو اللہ تعالیٰ نے تم جیسی نیکوکار بیویوں کیلئے بڑا انعام واکرام تیار کر رکھا ہے، آگے ارشاد ہے کہ: تم اپنے مرتبہ کا خیال رکھو، بڑے مرتبہ والوں کا اجر بھی بڑا ہے، لیکن اگر ان سے خدانخواستہ کوئی برا کام ہو جائے تو چونکہ اس کا اثر انہی تک محدود نہیں ہوگا، بلکہ اس کا اثر ان کی پیروی کرنے والوں تک پہنچے گا، اس لئے ان کا عذاب بھی اوروں سے دوگنا ہوگا، اللہ تعالیٰ کیلئے یہ بات مشکل نہیں کہ عذاب کو دوگنا کردے، کیونکہ نہ کسی کا مرتبہ میں بڑا ہونا اس پر کچھ اثر ڈال سکتا ہے اور نہ کسی کا کم درجہ ہونا سزا کے معاملہ میں اسے کسی رعایت کا مستحق قرار دے سکتا ہے۔

پیغمبر کی بیویاں ہونا حقیقت میں بڑا مرتبہ ہے، جو دنیا جہان کی عورتوں میں سے کسی کو نہیں مل سکتا، پھر بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان سے بات اس طرح کی جارہی ہے جیسے عام درجے کے لوگوں سے کی جاتی ہے، یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید واقعی اللہ تعالیٰ کا کلام ہے کیونکہ اس میں خاص لوگوں سے بھی بات کا وہی طرز ہے جو عام لوگوں سے ہے۔

مسلمانوں کی لگاتار فتوحات اور ان کے نتیجے میں مال و دولت حاصل ہونے کی وجہ سے مسلمانوں کی مالی حالت بہت اچھی ہوگئی، اب آپ ﷺ کی بیویوں کے دل میں بھی یہ خیال پیدا ہوا کہ جس طرح عام مسلمانوں کی مالی حالت بہتر ہوگئی اسی طرح ان کو بھی کچھ نہ کچھ فائدہ پہنچنا چاہئے اور ان کو ملنے والے خرچہ میں اضافہ ہونا چاہئے، اس مسئلہ پر ساری بیویوں نے مشورہ کیا اور پھر حضرت امّ سلمہ رضی اللہ عنہا کو نمائندہ مقرر کیا کہ وہ اس معاملہ میں پیغمبر ﷺ سے بات کریں، کیونکہ آپ بڑی شائستہ اور سمجھدار خاتون تھیں، انہوں نے مناسب موقعہ پر دوسری بیویوں کی موجودگی میں پیغمبر ﷺ کی خدمت میں عرض کیا، یہ مطالبہ اگرچہ ناجائز نہیں تھا کیونکہ بیویوں کا حق ہے کہ وہ خاوند سے ضروریاتِ زندگی کا مطالبہ کریں، لیکن اس کے باوجود پیغمبر ﷺ نے اسے قناعت کے خلاف سمجھا اور آپ ﷺ بیویوں سے ناراض ہوگئے۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس مطالبے کا اس حد تک بُرا منا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی تمام بیویوں سے ایک ماہ کیلئے "ایلا" کرلیا، یعنی: علیحدگی اختیار کرلی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد نبوی کے قریب ہی ایک بالا خانے میں تشریف فرما ہوگئے، عام مشہور ہوگیا کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی بیویوں کو طلاق دیدی ہے، ان حالات میں بیویوں کا پریشان ہونا قدرتی بات تھی، تمام مسلمانوں کو بھی سخت پریشانی ہوئی، سب سے زیادہ پریشانی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو تھی، کیونکہ ان دونوں کی بیٹیاں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نکاح میں تھیں، کوئی شخص اس معاملہ میں مداخلت کی جرأت نہیں کرتا تھا، بالآخر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جرأت کرکے اس خاموشی کو توڑنے کی کوشش کی اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حاضر ہونے کی اجازت طلب کی جو دے دی گئی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حاضر ہوکر کھڑے کھڑے عرض کیا کہ کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی بیویوں کو طلاق دیدی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: نہیں! اس پر انہوں نے کہا اللہ اکبر! حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی کچھ ڈھارس بندھی تو انہوں نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیٹھنے کی اجازت چاہی، آپ کا مقصد یہ تھا کہ کوئی دل لگی کی بات کرکے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خوش کیا جائے، چنانچہ اجازت ملنے پر آپ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بیٹھ گئے اور بات شروع کردی کہ مکّہ میں تو ہم اپنی عورتوں پر غالب تھے اور کوئی ہمارے سامنے چوں چراں نہیں کرتی تھی، مگر مدینہ میں آکر ہماری عورتوں نے بھی انصار کی عورتوں کی دیکھا دیکھی انہی کا رنگ ڈھنگ اختیار کرلیا ہے، ایک مرتبہ خود میری بیوی نے مجھ سے زائد خرچہ کا مطالبہ کیا تو مجھے بڑا غصہ آیا اور میں نے اس کی گردن پر مکّے مارنے شروع کردیئے، یہ سُن کر پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسکرا دیئے اور اس طرح کچھ دیر تک گفتگو ہوتی رہی، اُدھر مسجد میں مسلمان بڑے پریشان بیٹھے تھے کہ پتہ نہیں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیا فیصلہ کیا ہے، کہیں واقعی بیویوں کو طلاق تو نہیں دیدی؟ اتنے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے واپس آکر مسلمانوں کو تسلی دی اور بتایا کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے طلاق نہیں دی، اسی طرح دن گزرتے رہے حتیٰ کہ انتیس دن کے بعد پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بالا خانے سے نیچے اترے تو اس وقت یہ آیاتیں نازل ہوئیں، ان آیاتوں میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیویوں سے خصوصی خطاب ہے، اللہ تعالیٰ نے ان کو خبردار کیا ہے اور اپنے پیغمبر کو حکم دیا ہے کہ وہ اپنی بیویوں سے پوچھ لیں، اگر وہ دنیا میں ٹھاٹھ باٹھ کی زندگی گزارنا چاہتی ہیں تو کہہ دیں کہ آؤ میں تمہیں اچھے طریقے سے رخصت

کردوں اور اگر تم اللہ تعالیٰ اور اس کے پیغمبر کی رضاء اور آخرت کا گھر چاہتی ہو تو پھر موجودہ حالت پر ہی صبر کرو۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیویوں نے زندگی بھر دنیا کے ساز و سامان اور زیب و زینت کے بجائے قناعت کو پسند کیا، آپ اپنی بیویوں کو جس قدر خرچہ عطا کرتے تھے وہ اسی پر گزارا کرتی تھیں، بلکہ اپنے حصہ میں سے زیادہ تر غریبوں اور مسکینوں پر خرچ کر دیتیں اور خود تنگی کی زندگی گذارتیں، پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد بھی آپ کی بیویوں نے خوشحالی کی زندگی نہیں گزاری، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس ایک بوری یا دو بوری بھر درہم ہدیہ کے طور پر آئے تو انہوں نے شام سے پہلے تقسیم کر دیے، خادمہ نے عرض کیا کہ آپ افطاری کیلئے تو کچھ رکھ لیتیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: اگر پہلے یاد کرا دیتی تو میں تمہیں اجازت دیدیتی، اب تو کچھ بھی باقی نہیں بچا۔

یہ ایک اصولی بات ہے کہ کسی شخصیت کا جس قدر درجہ بلند ہوگا، کوتاہی کی صورت میں اس کی پکڑ بھی اتنی ہی سخت ہوگی، ظاہر ہے کہ جو مرتبہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیویوں کو حاصل تھا وہ دنیا میں کسی عورت کو حاصل نہیں، لہٰذا فرمایا کہ: نیکی پر تمہارا اجر و ثواب بھی دوگنا ہے، اسی طرح برائی کی صورت میں تمہاری سزا بھی دوگنی ہو جائے گی، خود پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: اگر ہم آپ کو ثابت قدم نہ رکھتے تو آپ کافروں کی طرف مائل ہونے ہی لگے تھے اور اگر آپ ایسی بات کر بیٹھتے تو ہم آپ کو دنیا میں بھی دگنی سزا دیتے اور وفات کے بعد بھی اور پھر آپ ہمارے مقابلہ میں کسی کو اپنا مددگار نہ پاتے۔

"ترمذی" نے ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ جب یہ آیت اتری تو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس اظہار و اعلان کی ابتدا مجھ سے فرمائی اور آیت سنانے سے پہلے فرمایا کہ: میں تم سے ایک بات کہنے والا ہوں، مگر تم اس کے جواب میں جلدی نہ کرنا، بلکہ اپنے والدین سے مشورہ کر کے جواب دینا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: یہ مجھ پر خاص عنایت تھی کہ مجھے والدین کے مشورہ کے بغیر اظہارِ رائے سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرمایا، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یقین تھا کہ میرے والدین مجھے کبھی یہ رائے نہ دیں گے کہ میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے علیحدگی اختیار کرلوں، میں نے جب یہ آیت سنی تو فوراً عرض کیا کہ کیا میں اس معاملے میں اپنے والدین سے مشورہ لینے

جاؤں؟ میں تو اللہ تعالیٰ کو اور اس کے پیغمبر کو اور آخرت کے گھر کو اختیار کرتی ہوں، پھر میرے بعد سب بیویوں کو قرآن کا یہ حکم سنایا گیا، سب نے وہی کہا جو میں نے پہلے کہا تھا، کسی نے بھی دنیا کو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہنے کے مقابلے میں قبول نہ کیا۔ (قال الترمذی: هذاحديث حسن صحيح۔ ۵/۳۲۰: شركة مكتبة و مطبعة مصطفى البالي الحلبي،مصر)

بات کرنے کے آداب

وَ مَنْ يَّقْنُتْ مِنْكُنَّ لِلّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ تَعْمَلْ صَالِحًا نُّؤْتِهَآ

اور جو اطاعت کرے میں سے تم اللہ کی اور پیغمبر اسکے کی اور کام کرے نیک ہم دینگے اسے

اَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ ۙ وَ اَعْتَدْنَا لَهَا رِزْقًا كَرِيْمًا ﴿۳۱﴾ يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ

اجر اس کا دوبار اور تیار کر رکھا ہے ہم نے لئے اسکے رزق عزت والا (۳۱) اے عورتو! پیغمبر کی

لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ

نہیں ہو تم مانند کسی کے سے عورتوں اگر تم ڈر رکھو پس نہ نرمی کرو کلام میں

فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّ قُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ﴿۳۲﴾ وَ قَرْنَ

پس طمع کرے وہ جس کے میں دل اسکے بیماری اور کہو بات معقول (۳۲) اور ٹکی رہو

فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَ لَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى وَ اَقِمْنَ

میں گھروں اپنے اور نہ مٹکتی پھرو مٹکنا پہلے جاہلیت کے زمانہ کی طرح اور قائم رکھو

الصَّلٰوةَ وَ اٰتِيْنَ الزَّكٰوةَ وَ اَطِعْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ ؕ

نماز اور دیتی رہو زکوٰۃ اور فرمانبرداری کرو اللہ اور پیغمبر اسکے کی

بامحاورہ ترجمہ: ۔ اور جو کوئی تم میں سے اللہ تعالیٰ کی اور اس کے پیغمبر کی اطاعت کرے اور اچھے عمل کرے،

دیں گے ہم اس کو ثواب دوبار اور ہم نے اس کے واسطے عزت کی روزی رکھی ہے۔ (۳۱) اے پیغمبر کی عورتو! تم کسی ایک عام عورت کی طرح نہیں ہو، بلکہ تمہارا مرتبہ ساری دنیا کی عورتوں سے بڑھ کر ہے، اگر تم دل میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتی ہو تو کسی غیر مرد سے پردے میں رہتے ہوئے بات کرنے میں نرمی اختیار نہ کرو، پھر کوئی جس کے دل میں عشق کی بیماری ہے لالچ کرنے لگے اور رواج کے مطابق سادگی سے بات کرو۔ (۳۲) اور اپنے گھروں میں ٹک کر رہو اور پہلے جاہلیت کے زمانے کی عورتوں کی طرح (غیر مردوں کے سامنے) بن سنور کر نہ پھرو اور نماز قائم رکھو اور زکوٰۃ دیتی رہو اور اللہ تعالیٰ اور اس کے پیغمبر کی اطاعت کرتی رہو۔

لفظی تحقیق: **يَقْنُتْ**: جھکے، فرمانبرداری کرے۔ مضارع ہے (ق، ن، ت) سے، قنوت کے معنیٰ ہیں عاجزی کیساتھ دل سے فرمانبرداری کرنا۔ **اِتَّقَيْتُنَّ**: پرہیزگاری کرو تم، ماضی کا صیغہ ہے اتقاء سے، جو (و، ق، ی) سے بنا ہے، **وَقْیٌ** کے معنیٰ بچانا، **اِتِّقَاء** بچنا، مراد پرہیزگار ہونا ہے۔ **قَرْنَ**: قرار پکڑو۔ **تَبَرُّج**: اُبھرنا، نمایاں ہونا، یہ (ب، ر، ج) سے بنا ہے، برج بلند اور نمایاں چیز کو کہتے ہیں، **تبرج**: اٹھانا، دکھانا، ظاہر کرنا، یہاں اس سے مراد ہے ایسے لباس میں نکلنا جس سے بدن کی خوبصورتی اور بناوٹ ظاہر ہو، جو کہ ننگا پھرنے کے برابر ہے۔ **اَلْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى**: پہلا زمانہ جاہلیت کا، اس وقت عورتیں بے حیائی کیساتھ تقریباً ننگی پھرتی تھیں اور چاہتی تھیں کہ مرد ان کی طرف دیکھیں۔

تفسیر

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں کو حکم ہے کہ جو تم میں سے اللہ تعالیٰ اور اس کے پیغمبر کی فرمانبرداری کرے گی اور نیک کام کرے گی اسے ہم دُہرا ثواب دیں گے اور ہم نے اس کیلئے آخرت میں عزت کی روزی تیار کر رکھی ہے۔

ارشاد ہے کہ: تم اور عورتوں کی طرح نہیں ہو، تمہاری شان اوروں سے بہت بلند ہے، تمہیں ایسی نیک عادتیں اختیار کرنی چاہئیں جنہیں دیکھ کر اور عورتیں بھی اختیار کرنے لگیں، اس مرتبہ کی شان کا تقاضہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ سے ڈر کر بری عادتوں سے بچو اور ایسی باتوں کے پاس بھی نہ جاؤ جن سے خرابی پھیلنے کا اندیشہ ہو، ان میں سے

ایک بات تو یہ ہے کہ ضرورت کے وقت غیر مردوں سے بات چیت نرم اور نیچی آواز میں مت کرو، جو کہنا ہو وقار اور رعب کے لہجہ میں کہو۔

ارشاد ہے کہ: نرم آواز، نازک الفاظ اور اشاروں سے بات کروگی تو ایسے لوگ جن کے دل میں لالچ اور خراب خواہشوں کا زور ہے للچائی ہوئی نگاہ سے تمہاری طرف دیکھنے لگیں گے، اس لئے ضرورت کے وقت جو کچھ کسی مرد سے کہنا ہو سخت لہجہ میں کہو اور ہمیشہ ایسی بات کہو جو بھلی اور شائستہ ہو اور اپنا ٹھکانہ اپنے گھروں کو بناؤ اور اس طرح باہر مت پھرو جیسے پہلے زمانہ میں عورتیں اپنے بدن کے خوبصورت حصوں کی نمائش کرتی پھرتی تھیں اور چاہتی تھیں کہ مردان کی طرف دیکھیں، یہ باتیں چھوڑ دو اور اپنے گھروں میں وقار کیساتھ رہو اور ان باتوں کا خیال رکھو جو تمہیں "سورۃ النور" میں بتادی گئی ہیں، پابندی سے نماز پڑھو، زکوۃ ادا کرو، اللہ تعالیٰ اور اسکے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کرتی رہو۔

حکموں کا مقصد

اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَ

بات یہی ہے کہ چاہتا ہے اللہ تاکہ دور کرے سے تم گندگی اے پیغمبر کے گھر والو! اور

يُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا ﴿۳۳﴾ وَ اذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ

پاک کرے تم کو پاکیزگی دے کر (۳۳) اور یاد کرو جو پڑھی جاتی ہیں میں گھروں تمہارے سے آیتیں

اللّٰهِ وَ الْحِكْمَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ لَطِيْفًا خَبِيْرًا ﴿۳۴﴾ ع

اللہ کی اور دانائی کی باتیں تحقیق اللہ ہے اندرونی باتیں جاننے والا خبر رکھنے والا (۳۴)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اللہ تعالیٰ یہی چاہتا ہے کہ تم سے گندی باتیں دور کردے، اے پیغمبر کے گھر والو! اور تم کو اچھی طرح پاک کردے۔(۳۳) اور یاد کرو! جو تمہارے گھروں میں اللہ تعالیٰ کی آیتیں اور عقل مندی کی باتیں پڑھی جاتی ہیں، بیشک اللہ تعالیٰ بھید جاننے والا خبردار ہے۔(۳۴)

لفظی تحقیق: رِجْسٌ: ناپاک گندی باتیں، یہاں اس سے مراد گندی باتیں اور گندے خیالات ہیں۔

اَھْلَ الْبَیْتِ: گھر والے، یہاں اس سے مراد پیغمبر ﷺ کی بیویاں ہیں۔

تفسیر

ارشاد ہے کہ: تمہیں یہ ہدایتیں اس لئے دی جارہی ہیں کہ تم گندی باتوں اور گندے خیالوں سے الگ رہو، اور تمہارا دل پاک وصاف ہو، اور تم اچھی باتیں اور اچھے اخلاق سکھانے میں دوسروں کیلئے نمونہ بنو، نماز پڑھو، زکوٰۃ ادا کرو اور اللہ تعالیٰ اور اس کے پیغمبر کے کہنے پر چلو اور تم سے ایسی کوئی بات نہ ہونے پائے جو پیغمبر ﷺ کی ناراضگی کا باعث ہو۔

تمہارے اوپر اللہ تعالیٰ نے خاص فضل فرمایا ہے کہ تمہارے گھروں میں ہر وقت قرآن مجید کی آیتیں پڑھی جاتی ہیں، ان چیزوں کا بتانے والا اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کون ہوسکتا ہے، جو ہر کام کے انجام اور ہر بات کی تہہ کو پوری طرح جانتا ہے اور ہر چیز کی حالت سے پورا پورا خبردار ہے، اللہ تعالیٰ نے مہربانی فرما کر اپنے پیغمبر کو تمہارے پاس بھیجا ہے کہ ان کے ذریعے تمہیں یہ سب باتیں سمجھا دیں۔

وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِىْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ: اور تمہارے گھروں میں جو اللہ تعالیٰ کی آیتیں اور حکمت کی باتیں ذکر کی جاتی ہیں ان کو یاد کرو، ظاہر ہے کہ آیتوں سے مراد قرآن پاک کی آیتیں ہیں جو آپ ﷺ کی بیویوں کے گھروں میں پڑھی جاتی تھیں اور حکمت کا معنیٰ دانشمندی کی باتیں، دین کی سمجھ، اس سے مراد حدیث ہے، مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ: پیغمبر ﷺ کی حدیث کمال درجے کی حکمت یعنی دانشمندی کی باتیں ہیں، تو یہ چیزیں جو تمہارے گھروں میں پڑھی جاتی ہیں اُن کو یاد کرو، خود سیکھو اور دوسروں کو سکھاؤ تا کہ یہ چیزیں دوسروں کیلئے بھی نمونہ بن جائیں۔

لفظ "اُذْكُرْنَ" کے دو مطلب ہوسکتے ہیں، ایک یہ کہ ان چیزوں کو خود یاد رکھنا جس کا نتیجہ ان پر عمل کرنا ہے، دوسرا مطلب یہ ہے کہ جو کچھ قرآن ان کے گھروں میں ان کے سامنے اترے یا جو باتیں پیغمبر ﷺ نے

ان کو سکھائیں اُن کا ذکر امت کے دوسرے لوگوں سے کریں اور ان کو بتائیں۔

ابن العربی نے "احکام القرآن" میں فرمایا کہ: اس آیت سے یہ ثابت ہوا کہ جو شخص پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن مجید کی کوئی آیت یا حدیث سنے اس پر لازم ہے کہ وہ امت کو بتائیں، یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں پر بھی لازم کیا گیا کہ جو آیتیں ان کے گھروں میں اتری ہوں یا جو حدیثیں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کو حاصل ہوں اس کا ذکر امت کے دوسرے افراد سے کریں۔

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ لَطِيْفًا خَبِيْرًا: بیشک اللہ تعالیٰ بھید جاننے والا خبردار ہے، اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قیامت تک کے لوگوں کیلئے پیغمبر بنایا اور بلند مرتبہ عطا کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں کو وہ فضیلت عطاء فرمائی جو دنیا بھر میں کسی دوسری عورت کو حاصل نہیں، اُن کو امت کی مائیں بنایا تا کہ وہ امت کے حق میں دینی راہنمائی کا ذریعہ بن جائیں، چنانچہ ایسا ہی ہوا اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں امت کی دینی راہنمائی کا ذریعہ بنیں۔

مرد اور عورت کی برابری

اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَ الْمُسْلِمٰتِ وَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ وَ الْقٰنِتِيْنَ

تحقیق اسلام والے اور اسلام والیاں اور ایمان والے اور ایمان والیاں اور فرمانبردار مرد

وَ الْقٰنِتٰتِ وَ الصّٰدِقِيْنَ وَ الصّٰدِقٰتِ وَ الصّٰبِرِيْنَ وَ الصّٰبِرٰتِ

اور فرمانبردار عورتیں اور سچے مرد اور سچی عورتیں اور صبر کرنے والے اور صبر کرنے والیاں

وَ الْخٰشِعِيْنَ وَ الْخٰشِعٰتِ وَ الْمُتَصَدِّقِيْنَ وَ الْمُتَصَدِّقٰتِ وَ

اور تواضع کرنے والے اور تواضع کرنے والیاں اور صدقہ کرنے والے اور صدقہ کرنے والیاں اور

الصَّآئِمِيْنَ وَ الصّٰٓئِمٰتِ وَ الْحٰفِظِيْنَ فُرُوْجَهُمْ وَ الْحٰفِظٰتِ وَ

روزہ رکھنے والے اور روزہ رکھنے والیاں اور حفاظت کرنے والے شرمگاہوں اپنی کی اور حفاظت کرنے والیاں اور

الذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّ الذّٰكِرٰتِ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّ
یاد کرنے والے اللہ کو بہت اور یاد کرنے والیاں تیار کر رکھی ہے اللہ نے لئے ان کے مغفرت اور

اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۳۵﴾
اجر بڑا (۳۵)

بامحاورہ ترجمہ:۔ تحقیق مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں اور ایمان والے مرد اور ایمان والی عورتیں اور فرمانبردار مرد اور فرمانبردار عورتیں اور سچے مرد اور سچی عورتیں اور صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں اور عاجزی کرنے والے مرد اور عاجزی کرنے والی عورتیں اور خیرات کرنے والے مرد اور خیرات کرنے والی عورتیں اور روزہ دار مرد اور روزہ دار عورتیں اور شرم گاہوں کی حفاظت کرتے والے مرد اور حفاظت کرنے والی عورتیں اور اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے والے مرد اور یاد کرنے والی عورتیں، اللہ تعالیٰ نے ان کیلئے بڑی بخشش اور بڑا ثواب تیار کر رکھا ہے۔(۳۵)

تفسیر

قرآن مجید میں عام طور پر حکموں کے اندر آدمیوں کو مخاطب کیا گیا ہے اور ان میں اخلاق کی درستی، اچھی عادتوں کا اختیار کرنا، نیک ہونے کا ثواب، برائی کا عذاب سبھی کا بیان ہے، بعض عورتوں نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کہ ہم عورتوں کیلئے کیا حکم ہے، یہ سب کچھ تو مردوں سے خطاب کر کے کہا جا رہا ہے، اس پر یہ آیت اتری کہ نیک کاموں کی کوشش کرنے میں مرد اور عورت برابر ہیں، اور اس میں الگ الگ آدمیوں اور عورتوں کا ذکر کر کے بتادیا گیا کہ جو اچھی عادتیں اختیار کرے گا مرد ہو یا عورت اس کو اس کا برابر اجر ملے گا، اور دس صفتیں بیان کر کے کھول کر بتادیا کہ ان کے اختیار کرنے والے مرد اور عورتیں ثواب میں برابر ہیں، کوئی فرق نہیں۔

(۱)....اسلام، یعنی: حکم بجالانے کیلئے تیار ہوجانا۔(۲)....ایمان، یعنی: عقیدہ درست کرنا۔(۳)....عبادت، یعنی: حکم کے مطابق کام شروع کردینا۔(۴)....صدق، یعنی: قول و فعل میں سچائی اور دیانت۔(۵)....

صبر کرنا۔(۶)....روزہ رکھنا۔(۷)....تواضع ،یعنی: اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی کا اظہار کرنا اور لوگوں سے اپنے آپ کو بڑا نہ سمجھنا۔(۸)....خیرات ،یعنی: اپنے مال میں سے ضرورت مندوں کی ضرورت پوری کرنا۔ (۹)....اپنی عزت وناموس کی حفاظت کرنا۔(۱۰)....اللہ تعالیٰ کو یاد کرنا۔

جو مرد یا عورت ان دس باتوں پر عمل کرے ان کیلئے اللہ تعالیٰ کے ہاں بخشش اور بڑا ثواب تیار ہے، آگے بتایا کہ جب تم مرد ہو یا عورت اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار رہنے کا اقرار کر چکے تو خوب کان کھول کر سُن لو کہ اب تمہیں یہ اختیار حاصل نہیں کہ جس بات کے ہونے کا فیصلہ اللہ تعالیٰ اور اس کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کر دیں اس میں اپنی مرضی چلاؤ اور بیان بازیاں کرو، اب تمہیں ان کے حکم کے آگے سَر جھکانا چاہئے اور جو حکم دیں اس پر ٹال مٹول کئے بغیر عمل کرنا چاہئے۔

یہ اُس واقعہ کی تمہید ہے جس کی رُو سے ایک بہت پرانی رسم مٹائی گئی اور اللہ تعالیٰ کو یہ منظور ہوا کہ زبانی ہدایت کیساتھ اس رسم کو عملی طور پر مٹا کر بھی دکھایا جائے ،اس لئے جن کے ذریعہ یہ رسم مٹائی جائے گی انہیں تنبیہ کی گئی کہ تم کسی ٹال مٹول کے بغیر اس پر عمل کرو جس کے کرنے کا اللہ تعالیٰ اور اس کے پیغمبر حکم دیں۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمان عورتوں اور مسلمان مردوں کی جن صفات کا تذکرہ کیا ہے وہ اسلام کی بنیاد ہیں جن کو اپنانے سے انسان ترقی کی منزلیں طے کرسکتا ہے، اس آیت سے یہ حقیقت بھی واضح ہوتی ہے کہ قانون کی پابندی اور محنت وکوشش جس طرح مردوں کیلئے ضروری ہے اسی طرح عورتوں کیلئے بھی ضروری ہے اور اس میں دونوں برابر ہیں، یہ صفات پیدا کر کے مرد ہو یا عورت کامیابی حاصل کر سکتے ہیں، البتہ دونوں کے دائرہ کار مختلف ہیں، دونوں اپنے اپنے دائرہ کار میں رہ کر دین کے حکموں پر عمل کر سکتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے انعام کے حقدار بن سکتے ہیں۔

وَالْخٰشِعِیْنَ وَالْخٰشِعٰتِ: اور عاجزی کرنے والے مرد اور عاجزی کرنے والی عورتیں ۔ اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی کا کرنا کمال درجے کی صفت ہے اور ہر انسان کو اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی کرنی چاہئے،

اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبروں کے متعلق بھی فرمایا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے نہایت عاجزی کرنے والے ہیں، ویسے عام انسانوں کے ساتھ بھی عاجزی کا مطلب یہ ہے کہ ان کے سامنے غرور وتکبر سے پیش نہیں آنا چاہئے، پیغمبر ﷺ کا فرمان ہے کہ: اللہ تعالیٰ نے مجھ پر وحی نازل فرمائی ہے کہ ہر ایک کیساتھ تواضع سے پیش آؤں اور ایک دوسرے کے سامنے بڑائی کا نہ کروں کہ یہ ناپسندیدہ عمل ہے۔

وَالْمُتَصَدِّقِيْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ: اور صدقہ خیرات کرنے والے مرد اور صدقہ خیرات کرنے والی عورتیں، اللہ تعالیٰ کی راہ میں غریبوں، مسکینوں کی مالی مدد کرنا، بھوکے کو کھانا کھلانا، ننگے کو کپڑا پہنانا، بیمار کا علاج، غریب طلباء کے تعلیمی اخراجات پورے کرنا اور دیگر جائز فلاحی کاموں کیلئے مال خرچ کرنا دراصل اللہ تعالیٰ کی رضاء حاصل کرنا ہے، پیغمبر ﷺ کا ارشاد مبارک ہے کہ: صدقہ اللہ تعالیٰ کے غصے کو ٹھنڈا کرتا ہے اور بُری موت سے بچاتا ہے، پیغمبر ﷺ کے بعض صحابہ کا بیان ہے کہ انہوں نے پیغمبر ﷺ سے سُنا کہ قیامت کے دن مؤمن آدمی پر اس کے صدقہ کا سایہ ہوگا۔

وَالصَّآئِمِيْنَ وَالصّٰٓئِمٰتِ: اور روزہ دار مرد اور روزہ دار عورتیں، روزے میں رمضان کے فرض اور دوسرے دنوں میں نفلی روزے شامل ہیں، روزہ رکھنا بھی اسلام کے بنیادی اصولوں میں شامل ہے، حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ: میرا بندہ خالص میرے لئے روزہ رکھتا ہے اور اس کی جزاء بھی میں اپنی مرضی کے مطابق دوں گا، پیغمبر ﷺ کا یہ بھی فرمان ہے کہ: جنت کے ایک دروازے کا نام باب الریان (سیرابی کا دروازہ) ہے، جس میں سے صرف روزے دار ہی داخل ہوں گے۔

وَالْحٰفِظِيْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ: اور شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد اور حفاظت کرنے والی عورتیں، اللہ تعالیٰ نے پاکباز مردوں اور عورتوں کا ذکر فرمایا ہے کہ شرم گاہوں کی حفاظت بھی اسلامی تعلیمات میں سے ہے اور اس کی پابندی کرنے والے مردوں اور عورتوں کی تعریف فرمائی ہے۔

وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ: اور اللہ تعالیٰ کا کثرت سے ذکر کرنے والے مرد اور ذکر کرنے

والی عورتیں، حصن حصین والے بزرگ حضرت جزری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: جو شخص اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے کام میں مصروف ہے وہ اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے والا ہے، ویسے ہر شخص کیلئے زبانی ذکر ہی آسان ترین ذکر ہے، باقی عبادات کی تو مقدار مقرر ہے مگر ذکر کی کوئی مقدار مقرر نہیں کی گئی، کوئی جس قدر چاہے اللہ تعالیٰ کا ذکر کر سکتا ہے، ذکر سے مراد تلاوت قرآن، درود پاک، استغفار اور دوسرے ذکر ہیں۔

اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا: اللہ تعالیٰ نے ان کیلئے بخشش اور بڑا اجر تیار کر رکھا ہے، بخشش سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی غلطیوں کو معاف کر دے گا اور اللہ تعالیٰ انہیں آخرت میں بلند مقام عطاء فرمائے گا۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ: یعنی کسی مؤمن مرد اور مؤمن عورت کے لائق نہیں کہ جب اللہ تعالیٰ اور اس کا پیغمبر کسی معاملے کا فیصلہ کر دیں تو ان کے پاس کوئی اختیار باقی ہے، مطلب یہ کہ اللہ تعالیٰ اور پیغمبر کے فیصلے کے بعد کسی مؤمن مرد اور عورت کیلئے کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی کہ وہ اپنی مرضی سے فیصلے قبول کرے یا نہ کرے، بلکہ اسے تو ہر حالت میں اللہ تعالیٰ اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فیصلے کو حق جان کر اس پر عمل کرنا ہوگا۔

حضرت زید رضی اللہ عنہ کا حضرت زینب سے نکاح

جب حضرت زید رضی اللہ عنہ کو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آزاد کر دیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نکاح کیلئے اپنے پھوپھی کی بیٹی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو پسند کیا، ان کی والدہ کا تعلق تو قریش خاندان سے تھا، مگر وہ بنی اسد کے خاندان میں بیاہی ہوئی تھیں، وہ بھی عربوں کا ایک معزز خاندان تھا، اُدھر حضرت زید رضی اللہ عنہ ایک آزاد شدہ غلام تھے، اس لئے نہ تو خود حضرت زینب رضی اللہ عنہا اس رشتے پر راضی ہوئیں اور نہ ان کے بھائی عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کو یہ بات پسند آئی، لہٰذا انہوں نے یہ رشتہ منظور نہ کیا، مگر اس سلسلہ میں شاید اللہ تعالیٰ کے نزدیک کچھ اور مصلحتیں بھی تھیں، خاندانی غرور و تکبر کو ختم کرنا بھی مقصود تھا، جہاں تک ہم پلا ہونے کا تعلق ہے یہ بھی کوئی فرض واجب نہیں ہے، ایک دیندار آدمی خواہ

کمزور خاندان سے تعلق رکھتا ہوا اعلیٰ خاندان کی عورت کا ہم پلہ بن سکتا ہے، اور پھر حضرت زید رضی اللہ عنہ سے بڑا دیندار کون ہوسکتا تھا جو غلاموں میں سب سے پہلے ایمان لائے اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے مکمل فرمانبردار اور کمال درجے کی نیکی کے مالک تھے، بہرحال جب اس رشتہ کے سلسلہ میں حضرت زینب رضی اللہ عنہا اور ان کے بھائی راضی نہ ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں اتاریں کہ جب اللہ اور اس کا پیغمبر کوئی فیصلہ کرلیں تو پھر کسی مؤمن مرد اور مؤمن عورت کو اختیار نہیں رہتا کہ وہ اس فیصلہ کو نہ مانیں، اور اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کرے گا تو کھلی گمراہی میں جا پڑے گا، ان آیتوں کے اترنے پر حضرت زینب رضی اللہ عنہا اور ان کے بھائی عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ سمجھ گئے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے پیغمبر کا یہ فیصلہ ہے کہ یہ نکاح ہوجانا چاہئے، لہٰذا ان دونوں نے بغیر کسی ناراضگی کے یہ رشتہ قبول کرلیا اور اس طرح حضرت زید رضی اللہ عنہ کا نکاح حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے ہوگیا۔

شانِ نزول کے لحاظ سے یہ آیت حضرت زید رضی اللہ عنہ کے نکاح کے بارے میں اتری، مگر اس کا لفظ کو اللہ تعالیٰ اور اس کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر قسم کے حکم پر بولا جاتا ہے، اور کسی بھی فیصلے کے نہ ماننے کا کسی مؤمن کو اختیار نہیں اور جو ایسا کرے گا وہ گمراہی میں جا پڑے گا۔

فضول رسم مٹ کر رہے گی

وَ مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّ لَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا

اور نہیں ہے کسی ایمان والے کیلئے اور نہ ایمان والی کیلئے جب فیصلہ کردے اللہ اور پیغمبر اس کا کسی بات کا

اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ؕ وَ مَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَ

کہ رہے ان کو اختیار معاملے اپنے کا اور جو نافرمانی کرے گا اللہ کی اور

رَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ﴿٣٦﴾ وَ اِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِیْۤ اَنْعَمَ

پیغمبر اسکے کی سو وہ بھٹک گیا بھٹکنا کھلم کھلا (۳۶) اور جب کہا آپ نے اس شخص سے کہ انعام کیا

اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِ اَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَ اتَّقِ اللّٰهَ

اللہ نے پر اس اور انعام کیا آپ نے پر اس روک رکھ پاس اپنے بیوی اپنی کو اور ڈر اللہ سے

وَ تُخْفِيْ فِيْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِيْهِ وَ تَخْشَى النَّاسَ ۚ وَ اللّٰهُ

اور چھپاتے تھے آپ میں دل اپنے وہ جو اللہ ظاہر کرنے والا تھا اور آپ ڈرتے تھے لوگوں سے اور اللہ

اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰىهُ ؕ

زیادہ مستحق ہے کہ ڈریں آپ اس سے

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور کسی ایماندار مرد اور ایماندار عورت کیلئے کوئی اختیار نہیں کہ جب اللہ تعالیٰ اور اس کا پیغمبر ان کے بارے میں کوئی فیصلہ کردے، اور جس نے اللہ تعالیٰ اور اس کے پیغمبر کی نافرمانی کی سو وہ راستے سے بھٹک گیا کھلم کھلا۔(۳۶) اور جب آپ اس شخص سے کہنے لگے جس پر اللہ تعالیٰ نے احسان کیا اور آپ نے بھی اس پر احسان کیا، رہنے دے اپنے پاس اپنی بیوی کو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو، اور آپ اپنے دل میں ایک چیز چھپاتے تھے جسے اللہ تعالیٰ کھولنا چاہتا ہے اور آپ لوگوں سے ڈرتے تھے حالانکہ اللہ تعالیٰ اس بات کے زیادہ حق دار ہیں کہ آپ اس سے ڈریں۔

تفسیر

ارشاد ہے کہ: جو اللہ تعالیٰ اور اس کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نافرمانی کرے گا وہ سیدھے راستے سے بھٹک جائے گا اور اس کی گمراہی صاف ظاہر ہے، اس کے بعد اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے جس کے ذریعے ایک بُری رسم مٹائی گئی، واقعہ یہ ہے کہ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو کوئی ظالم بچپن میں پکڑ کر لے گیا اور مکہ میں غلام بنا کر بیچ دیا، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے انہیں خرید کر پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیدیا، کچھ دن بعد ان کے باپ بھائی کو پتہ چلا تو ان کے باپ اور بھائی پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے اور عرض کیا کہ آپ کچھ معاوضہ لے لیں اور اسے ہمیں دیدیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: معاوضہ کی کچھ ضرورت نہیں اگر یہ جائیں تو یونہی لے جاؤ، مگر حضرت زید رضی اللہ عنہ نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس رہنا پسند کیا،

آپ ﷺ نے انہیں آزاد کر کے بیٹا بنالیا اور چاہا کہ ان کا نکاح زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے کردیں جو آپ ﷺ کی پھوپھی اُمیمہ بنت عبدالمطلب کی بیٹی تھیں، حضرت زینب اوران کے بھائی نے اس رشتہ کو پسند نہ کیا، اس سے پہلے آیت اتری کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے پیغمبر کے فیصلہ پر مسلمانوں کو عمل کرنا چاہئے، حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے اللہ تعالیٰ اوراس کے پیغمبر فیصلے کے آگے سر جھکایا اورشادی ہوگئی۔

لیکن میاں بیوی کی طبیعت نہ ملی اور روزانہ جھگڑے ہونے لگے، زید رضی اللہ عنہ آتے اور آپ ﷺ سے شکایت کرتے کہ ان روزانہ کے جھگڑوں سے بہتر تو یہ ہے کہ میں زینب رضی اللہ عنہا کو طلاق دیدوں، یہاں سے اس آیت کا بیان شروع ہوتا ہے، ارشاد ہے کہ: زید رضی اللہ عنہ پر اللہ تعالیٰ نے بھی احسان کیا کہ اسلام سے نوازا اور اے پیغمبر! آپ نے بھی اس پر احسان کیا کہ اپنا بیٹا بنایا اوراپنی پھوپھی زاد بہن سے شادی کرادی، جب اس نے جھگڑے کی وجہ سے طلاق دینا چاہی تو آپ ﷺ نے اسے سمجھایا کہ اس میں ایک شریف خاتون کی توہین ہوگی، طلاق نہ دے، اللہ تعالیٰ سے ڈر اوراپنی بیوی کو اپنے ساتھ ہی رکھ۔

اس نصیحت کی تہہ میں چند خیال تھے جو آپ ﷺ دل میں چھپائے ہوئے تھے، ایک یہ کہ زینب رضی اللہ عنہا نے اپنی مرضی کے خلاف میرے کہنے سے زید رضی اللہ عنہ سے شادی کی تھی، طلاق کے بعد اسے صدمہ ہوگا اور ایک آزاد کردہ غلام سے طلاق کا داغ قریش کی ایک عورت پر لگ جائے گا، جس کی تلافی یونہی ہوسکتی ہے کہ میں خود اس کی دل جوئی کیلئے اس سے شادی کرلوں اوراس طرح حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو پیغمبر کی بیوی ہونے کا شرف حاصل ہوجائے گا اور طلاق کے صدمے کو بھول جائیں گی، دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے حکم بھی ہوچکا تھا کہ منہ بولے بیٹے اوراصلی بیٹے میں فرق ظاہر کرنے کیلئے یہ کرنا پڑے گا کہ زید رضی اللہ عنہ کے طلاق دینے کے بعد آپ ﷺ کی زینب رضی اللہ عنہا سے شادی ہو، تیسرے یہ کہ اس میں اندیشہ تھا کہ شادی کے بعد لوگ میری بابت طرح طرح کے جھوٹے چرچے کریں گے اور لوگوں کو میری طرف سے بدظن کرنے کی کوشش کرکے اپنی آخرت خراب کریں گے اوراسلام کو اس بہانے سے بدنام کرنے کی کوشش کریں گے۔

اسی قسم کے خیالات کی طرف آیت میں ارشاد ہے کہ: اے پیغمبر! آپ کے دل میں ڈر تھا کہ لوگ اس واقعہ کی وجہ سے آپ کو بدنام کریں گے اور اسے اسلام کی بدنامی کا ذریعہ بنائیں گے، لوگوں سے ڈرنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کے لائق نہیں، یہ حق اللہ تعالیٰ ہی کو پہنچتا ہے کہ اس سے ڈرا جائے، اس کے مقابلہ میں اور کوئی ایسا نہیں کہ آپ کے دل میں جس کا ڈر ہو، اس کے بعد جو ہونا تھا وہ ہوا۔

زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے طلاق دیدی، عدت گزر جانے کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی آئی کہ ہم نے آپ کا نکاح زینب رضی اللہ عنہا سے کر دیا، اس کا ذکر اور اس کی وجہ آگے بیان کی گئی ہے اور صاف کہہ دیا گیا ہے کہ لے پالک کسی کا اصلی بیٹا نہیں ہو جاتا اور اس کے حکم وہ نہیں ہو سکتے جو حقیقی بیٹے کے ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا حکم اٹل ہے

فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا لِكَىْ لَا يَكُوْنَ عَلَى

پس جب پوری کر چکا زید سے اس غرض ہم نے آپ کے نکاح میں دیدیا اسے تا کہ نہ رہے پر

الْمُؤْمِنِيْنَ حَرَجٌ فِىْٓ اَزْوَاجِ اَدْعِيَآئِهِمْ اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا ؕ

ایمان والوں تنگی میں بیویوں کے منہ بولے بیٹوں اپنوں کی جب وہ پوری کر چکیں سے ان غرض

وَ كَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ﴿۳۷﴾

اور رہے گا حکم اللہ کا پورا ہو کر (۳۷)

بامحاورہ ترجمہ:۔ پس! جب زید اس سے اپنی غرض پوری کر چکا تو ہم نے اسے آپ کے نکاح میں دیدیا تا کہ مسلمانوں پر اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں سے جب وہ ان سے اپنی غرض پوری کر لیں (نکاح کرنے میں) گناہ نہ رہے اور اللہ تعالیٰ کا حکم اٹل ہے جو پورا ہو کر رہے گا۔ (۳۷)

تفسیر

ارشاد ہے کہ: جب زید رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی کو طلاق دی تو ہم نے زینب رضی اللہ عنہا کو آپ کے نکاح میں دیدیا اور یہ سب کچھ اس لئے کیا گیا کہ مسلمان اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں سے جب وہ بیٹے اپنی شادی کر لینے کے بعد اپنی بیویوں کو طلاق دیدیں اور عدت گزر جائے تو نکاح کرنے میں ذرا بھی نہ جھجکیں، اللہ تعالیٰ کا اس بارے میں حکم یہی ہوا اور اللہ تعالیٰ کا حکم بہر حال لازمی طور پر پورا ہو کر رہتا ہے۔

دنیا کی اکثر قوموں میں دوسروں کی اولاد کو اپنی اولاد بنا لینے کا رواج ہے، عرب میں بھی یہ دستور تھا کہ جس شخص کو اپنے منہ سے بیٹا بنا لیا تو بس وہ اس کا بیٹا ہو گیا، اب اس کیساتھ وہی معاملہ ہوگا جو حقیقی بیٹے کیساتھ ہوتا ہے، پہلے قرآن مجید میں حکم بیان کر دیا کہ منہ بولے بیٹے اور حقیقی بیٹے برابر نہیں ہوتے۔

وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا: اور اللہ تعالیٰ کا حکم پورا ہو کر رہے گا، مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اصولی طور پر منہ بولے بیٹے کی طلاق شدہ بیوی سے نکاح کو جائز قرار دیا ہے اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا نکاح بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہونا اللہ تعالیٰ کے ارادے میں تھا اور ہو کر رہے گا، الغرض! جب حضرت زید رضی اللہ عنہ نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو طلاق دیدی تو عدت پوری ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نکاح میں دیدیا اور اس طرح اللہ تعالیٰ کا حکم اور ارادہ پورا ہو کر رہا۔

پیغمبر اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار ہیں

مَا كَانَ عَلَى النَّبِيِّ مِنْ حَرَجٍ فِيْمَا فَرَضَ اللّٰهُ لَهٗ ؕ سُنَّةَ اللّٰهِ

نہیں ہے پر پیغمبر کوئی تنگی اس بات میں جو مقرر کر دی اللہ نے لئے اسکے یہی طریقہ رہا ہے اللہ کا

فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ؕ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ قَدَرًا مَّقْدُوْرَا ۨ ﴿۳۸﴾

میں ان لوگوں جو گزرے پہلے اور ہوتا ہے حکم اللہ کا مقرر کیا ہوا ٹھیک اندازہ سے (۳۸)

بامحاورہ ترجمہ:۔ پیغمبر پر اس بات میں کچھ تنگی نہیں جو اللہ تعالیٰ نے اس پر مقرر کردی، جیسے اللہ تعالیٰ کا دستور ان لوگوں میں رہا ہے جو پہلے گزرے اور اللہ تعالیٰ کا حکم پورا ہو کر رہنے والا ہوتا ہے۔ (۳۸)

تفسیر

ارشاد ہے: کہ پیغمبر کیلئے تو راستہ بالکل آسان ہے، اسے سوا اللہ تعالیٰ کے کسی کی رضامندی اور ناراضی کا خیال ہی نہیں ہونا چاہئے، اسے نہ کسی کی ملامت کا ڈر ہونا چاہئے اور نہ بدنامی کے خوف سے اسے بے چین ہونا چاہئے، جس بات کا حکم اللہ تعالیٰ کی طرف سے آچکا اس پر بے جھجک عمل کرنا چاہئے، جتنے پیغمبر پہلے گزرے ہیں ان کیساتھ ہمارا یہی طریقہ رہا ہے کہ جس بات کا ہم نے انہیں حکم دیا اس کے کرنے میں انہیں کبھی بھی ذرا جھجک نہیں ہوئی اور جس سے ہم نے روک دیا اس کے قریب بھی وہ کبھی نہ پھٹکے، اللہ تعالیٰ نے لے پالک کے معاملہ کا فیصلہ اسی طرح کرنا منظور فرمایا کہ آپ کی شادی آپ کے منہ بولے بیٹے زید رضی اللہ عنہ کی مطلقہ بیوی سے ہو اور آئندہ کسی کو اس معاملہ میں شک وشبہ کی گنجائش نہ رہے۔

پیغمبروں کی شان

الَّذِيْنَ يُبَلِّغُوْنَ رِسٰلٰتِ اللّٰهِ وَ يَخْشَوْنَهٗ وَ لَا يَخْشَوْنَ اَحَدًا
وہ جو پہنچاتے ہیں پیغامات اللہ کے اور ڈرتے ہیں اس سے اور نہیں ڈرتے کسی سے

اِلَّا اللّٰهَ ؕ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا ﴿۳۹﴾ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَاۤ اَحَدٍ مِّنْ
سوا اللہ کے اور کافی ہے اللہ حساب کتاب کیلئے (۳۹) نہیں ہیں محمد باپ کسی کا میں سے

رِّجَالِكُمْ وَ لٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ
مردوں تمہارے اور لیکن رسول ہیں اللہ کے اور آخری ہیں پیغمبروں میں سے اور ہے اللہ

بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ﴿۴۰﴾ ع ۵
ہر چیز کا جاننے والا (۴۰)

بامحاورہ ترجمہ:۔وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کے پیغام پہنچاتے ہیں اور اس سے ڈرتے ہیں اور کسی سے نہیں ڈرتے سوا اللہ تعالیٰ کے اور اللہ تعالیٰ کو کافی سمجھتے ہیں حساب کتاب لینے کیلئے۔ (۳۹) محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ،لیکن اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور آخری ہیں سب پیغمبروں میں سے اور اللہ تعالیٰ سب چیزوں کا جاننے والا ہے۔ (۴۰)

تفسیر

ارشاد ہے کہ: یہ پیغمبر وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے سارے پیغام لوگوں کو پہنچا دیتے ہیں، ان کے دل میں اللہ تعالیٰ کا خوف ہوتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور سے نہیں ڈرتے ، اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں کی یہ خصوصیات ہیں، آپ بھی اے محمد! انہی میں سے ہو اور آپ نے اللہ تعالیٰ کا پیغام بے دھڑک اس کے بندوں کو پہنچا دیا ہے، منہ بولے بیٹے کی بابت حکم پہچانے کا ہم نے یہ طریقہ مقرر کیا کہ زینب رضی اللہ عنہا کی شادی پہلے آپ کے منہ بولے بیٹے زید رضی اللہ عنہ سے ہو اور پھر دونوں میاں بیوی کی طرح رہیں، پھر زید رضی اللہ عنہ، زینب رضی اللہ عنہا کو طلاق دے اور عدت گزرنے کے بعد ان کا نکاح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کر دیا جائے ، یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے جو پورا ہو کر رہے گا ، لوگو! سن لو، یہ کہنا کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی بہو سے شادی کر لی ، بالکل غلط ہے، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تم میں سے کسی مرد کے باپ نہیں، اس لئے تم میں سے کسی مرد کی بیوی پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بہو نہیں، لہٰذا آپ کے خلاف یہ پروپیگنڈہ بالکل غلط ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی بہو سے شادی کی، محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور آخری پیغمبر ہیں۔

آیت سے ظاہر ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد جو شخص پیغمبر ہونے کا دعویٰ کرے گا وہ جھوٹا ہوگا اور اس کا دعویٰ کسی بھی صورت قابل قبول نہ ہوگا، حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آخر زمانہ میں جو تشریف لائیں گے وہ ہرگز یہ نہ کہیں گے کہ میں پیغمبر کی حیثیت سے آیا ہوں، وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے امتی ہوں گے اور دجال کو قتل کریں گے، وہ کوئی اپنی نئی شریعت لیکر نہیں آئیں گے بلکہ اسلام پر عمل کریں گے۔

وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا: اور اللہ تعالیٰ سب چیزوں کا جاننے والا ہے، اور اگر یہ وسوسہ ہو کہ یہ نکاح ناجائز تو نہیں لیکن اگر نہ ہوتا تو بہتر ہوتا تاکہ لوگوں کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف باتیں بنانے کا موقع ہی نہ ملتا تو اس آیت میں جواب دیا کہ کسی چیز کے ہونے اور نہ ہونے کی بہتری کو اللہ تعالیٰ ہی خوب جانتے ہیں۔

احکام و مسائل

ان آیتوں میں ان لوگوں کے خیال کا ردّ ہے جو اپنی جاہلیت کی رسم کے مطابق زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بیٹا کہتے تھے اور ان کی طلاق کے بعد حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نکاح پر اعتراض کرتے تھے کہ بیٹے کی بیوی سے نکاح کرلیا، اس کے ردّ کیلئے یہ کہہ دینا کافی تھا کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زید کے باپ نہیں، بلکہ زید رضی اللہ عنہ کے باپ حارثہ ہیں، مگر اس میں مبالغہ اور تاکید کیلئے ارشاد فرمایا کہ: محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں تو ایسے شخص پر جس کی اولاد میں کوئی بھی جوان نہ ہو یہ اعتراض کیسے صحیح ہوسکتا ہے کہ اس کا کوئی بیٹا ہو اور اس کی بیوی آپ کے بیٹے کی بیوی ہونے کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر حرام ہو۔

اس مضمون کے بیان کیلئے مختصر الفاظ یہ تھے کہ "اَبَا اَحَدٍ مِّنْكُمْ" کہا جاتا، اس کے بجائے قرآن مجید نے لفظ "رِجَال" کا اضافہ کر کے اس شبہ کو دور کر دیا کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو چار بیٹیوں کے والد ہیں، تین بیٹے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے قاسم رضی اللہ عنہ، طیب رضی اللہ عنہ، طاہر رضی اللہ عنہ ہیں اور حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا سے ابراہیم رضی اللہ عنہ، کیونکہ یہ سب بچپن میں ہی وفات پا گئے ہیں ان میں سے کوئی بھی مَردوں کی حد میں داخل نہیں ہوا اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ اس آیت کے اترتے وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کوئی بیٹا نہ تھا، قاسم، طیب، طاہر کی وفات ہوگئی تھی اور ابراہیم ابھی پیدا نہیں ہوئے تھے، لہٰذا نہ وہ شادی کی عمر کو پہنچے اور نہ ان کی بیویاں ہوئیں جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بہوئیں ہوتیں۔

مخالفین کے اعتراض اور طعن کا جواب اسی جملہ سے ہوگیا تھا، مگر آگے دوسرے شبہات کو دور کرنے کیلئے فرمایا: "وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ" حرف "لٰكِنْ" عربی زبان میں اس کام کیلئے آتا ہے کہ پچھلے کلام میں جو کوئی شبہ

ہوسکتا تھا اس کو دور کیا جائے، یہاں جب پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق یہ بیان کیا گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امت کے مردوں میں کسی کے باپ نہیں تو اس پر یہ شبہ ہوسکتا تھا کہ ہر پیغمبر اپنی امت کا باپ ہوتا ہے، اس لحاظ سے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امت کے سبھی مردوں کے بلکہ ہر مرد اور عورت کے باپ ہیں۔

اس کا جواب "لٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ" کے لفظ سے یہ دیا گیا کہ خونی رشتے سے حقیقی باپ ہونا اور چیز ہے جس پر نکاح کے حلال وحرام کے حکم عائد ہوتے ہیں اور پیغمبر ہونے کی حیثیت سے امت کا روحانی باپ ہونا دوسری چیز ہے، جس سے یہ حکم متعلق نہیں ہوتے، تو گویا مطلب اس پورے جملے کا یہ ہوگیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امت کے مردوں میں سے کسی کے بھی خونی رشتے سے باپ نہیں لیکن روحانی باپ سب کے ہیں۔

اس میں ایک دوسرے اعتراض کا جواب بھی ہوگیا جو بعض مشرکوں نے کیا تھا کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم معاذ اللہ "اَبْتَرْ" ہیں، یعنی: آپ کی کوئی نرینہ اولاد نہیں ہے جس سے نسب چلے اور ان کا پیغام بڑھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد قصہ ختم ہوجائے گا کہ نہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نرینہ اولاد ہوگی اور نہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دین کا کام آگے بڑھے گا، قرآن مجید کے ان الفاظ نے یہ واضح کردیا کہ اگرچہ نرینہ اولاد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نہیں لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیغام نبوت کو پھیلانے اور قائم رکھنے اور بڑھانے کیلئے روحانی اولاد قیامت تک کام کرتی رہے گی۔

اس جگہ صفت خاتم النبیین کے اضافہ سے اس مضمون کی بھی اور زیادہ وضاحت اور تکمیل ہوگئی کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بے اولاد کہنا جہالت ہے، جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ساری امت کے روحانی باپ ہیں تو ساری امت آپ کی روحانی اولاد ہے جو آپ کے دین کے کام کو لیکر ہمیشہ چلتی رہے گی، کیونکہ لفظ خاتم النبیین (یعنی: آخری پیغمبر ہونے) نے یہ بھی بتلادیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد قیامت تک آنے والی سب نسلیں اور قومیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کی امت میں شامل ہوں گی، اس وجہ سے آپ کی امت کی تعداد بھی دوسری امتوں سے زیادہ ہوگی اور آپ کی روحانی اولاد دوسرے پیغمبروں کی نسبت زیادہ ہوگی۔

مسئلہ ختم نبوت

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری پیغمبر ہونا، آپ کے بعد کسی پیغمبر کا دنیا میں نہ آنا ایسا مسئلہ ہے جس پر صحابہ کرام سے لیکر آج تک ہر دور کے مسلمانوں کا اجماع و اتفاق رہا ہے، لیکن قادیانی فرقہ نے اس مسئلہ میں مسلمانوں کے دلوں میں شکوک وشبہات پیدا کرنے کیلئے بڑا زور لگایا ہے، سینکڑوں چھوٹی بڑی کتابیں شائع کر کے کم علم لوگوں کو گمراہ کرنے کی کوشش کی ہے، اس لئے حضرت مولانا مفتی محمد شفیع عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسئلہ کی پوری تفصیل ایک مستقل کتاب (ختم نبوت) میں لکھی ہے، جس میں قادیانیوں کی فریب کاری کا تفصیل سے جواب دیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی یاد

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا ﴿٤١﴾ وَّ سَبِّحُوْهُ
اے لوگو! جو ایمان لائے ہو یاد کرو اللہ کو یاد کرو بہت (۴۱) اور پاکی بیان کرو اسکی

بُكْرَةً وَّ اَصِيْلًا ﴿٤٢﴾ هُوَ الَّذِيْ يُصَلِّيْ عَلَيْكُمْ وَ مَلٰٓئِكَتُهٗ لِيُخْرِجَكُمْ
صبح اور شام (۴۲) وہی ہے جو رحمت بھیجتا ہے پر تم اور فرشتے اس کے تاکہ نکالے تمہیں

مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ وَ كَانَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَحِيْمًا ﴿٤٣﴾
سے اندھیروں طرف روشنی کے اور ہے وہ پر ایمان والوں رحم کرنے والا (۴۳)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کو بہت زیادہ یاد کرو۔(۴۱) اور پاکی بیان کرتے رہو اس کی صبح اور شام۔(۴۲) وہی ہے جو تم پر رحمت بھیجتا ہے اور اس کے فرشتے بھی رحمت کی دعا کرتے ہیں تاکہ تم کو اندھیروں سے اجالے میں نکالے اور وہ ایمان والوں پر مہربان ہے۔(۴۳)

تفسیر

اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کو انسانوں کی ہدایت کیلئے دنیا میں بھیجا، آپ ﷺ نے دنیا میں زندگی بسر کرنے کیلئے انسانوں کو وہ گُر بتائے کہ اگر نہ بتائے جاتے تو کبھی انسان کامیابی کا منہ نہ دیکھتا اور سیدھے راستے پر اس کا قدم کبھی نہ لگتا، آپ ﷺ پر پیغمبری کا سلسلہ ختم کر کے یہ بتادیا کہ اب انسانوں کو نیک کام دل جما کر اطمینان سے کرنے چاہئیں، اب نہ انتظار میں وقت ضائع کرنے کی ضرورت ہے اور نہ سستی اور کاہلی اختیار کرنے کا کوئی بہانہ ہوسکتا ہے۔

ان آیتوں میں ارشاد ہے کہ: تمہارا سب سے پہلا کام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو کثرت سے یاد کرو، دل سے اس کی تسبیح کو صبح اور شام اپنا ورد بناؤ، اس کے احسانات تم پر بیشمار ہیں، وہ اپنی رحمت تم پر نازل فرماتا رہتا ہے اور اس کے فرشتے اس کے حکم سے رحمتیں لیکر اترتے ہوتے رہتے ہیں، یہ رحمتیں قرآن کریم کی آیتیں ہیں جن کے ذریعے اللہ تعالیٰ تمہیں جہالت کی تاریکیوں سے نکال کر ہدایت کی روشنی میں لاتا ہے اور تم پر سیدھا راستہ واضح ہوجاتا ہے، یہ اس بات کی نشانی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے ایمان والے بندوں پر بڑا مہربان ہے، اس نے دنیا میں انہیں اِدھر اُدھر بھٹکنے سے بچالیا۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا: اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کیلئے خاص وقت اور خاص تعداد مقرر فرمائی ہے، مگر ذکر ایک ایسی عبادت ہے جس کی کوئی حد اور تعداد نہیں ہے، اس کیلئے نہ کوئی وقت مقرر ہے، نہ جگہ اور نہ تعداد، جس وقت، جہاں چاہو اور جتنا چاہو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرسکتے ہو، ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں آتا ہے کہ آپ ﷺ ہر وقت اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے تھے، مسند احمد کی روایت میں پیغمبر ﷺ کا یہ ارشاد بھی موجود ہے کہ: اللہ تعالیٰ کا ذکر کثرت سے کرو کہ لوگ تمہیں دیوانہ کہنے لگیں اور کثرت سے ذکر کا حق اس وقت ادا ہوگا جب کوئی اٹھتے، بیٹھتے اور لیٹتے ہوئے بھی اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا رہے، جب

اس کی یہ حالت ہوجائے گی تو وہ اللہ تعالیٰ کو زیادہ یاد کرنے والوں میں شمار ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ: جو شخص مجھے تنہائی میں یاد کرتا ہے تو میں بھی اس کو اپنے جی میں یاد کرتا ہوں اور جو کوئی کسی مجلس میں میرا ذکر کرتا ہے تو میں اس کا ذکر اس سے بہتر جماعت میں کرتا ہوں، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بھی ارشاد ہے کہ: اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نجات دلانے والی چیزوں میں ذکر سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں، صحابہ کرام بیان کرتے ہیں کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر مجلس کی ابتدا بھی اللہ تعالیٰ کے ذکر سے ہوتی تھی اور انتہا بھی ذکر پر ہوتی تھی، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ جو شخص کسی مجلس میں بیٹھتا ہے اور وہاں اللہ تعالیٰ کا ذکر نہیں کرتا (بعض روایتوں میں درود شریف کے متعلق بھی آتا ہے) تو وہ مجلس اس شخص کیلئے قیامت والے دن ندامت کا سبب بنے گی، وہ اس پر افسوس کرے گا کہ اس نے فلاں مجلس میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کیوں نہ کیا اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر درود کیوں نہ پڑھا۔

وَسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا: فرمایا: اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کا کثرت سے ذکر کرو اور اس کی تسبیح بیان کرو صبح کے وقت بھی اور پچھلے پہر بھی، تسبیح کا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر عیب، کمی اور کمزوروں سے پاک ہے، جب کوئی شخص اپنی زبان سے سبحان اللہ ادا کرتا ہے تو اس کا عقیدہ واضح ہوجاتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتا ہے۔

تسبیح اللہ تعالیٰ کی بہترین تعریف ہے، بعض فرماتے ہیں کہ: اس سے فجر اور عصر کی نمازیں مراد ہیں، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ: جو شخص ان دو نمازوں کی پابندی کرے گا وہ جنت میں داخل ہوگا اور اسے اللہ تعالیٰ کا دیدار نصیب ہوگا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ: تم ان دو نمازوں کو تھک ہار کر نہ چھوڑو بلکہ ان پر پختگی اختیار کرو۔

بعض فرماتے ہیں کہ: تسبیح سے مطلقاً ذکر مراد ہے، ذکر سے تو انسان کا کوئی بھی لمحہ خالی نہیں ہونا چاہئے، مگر یہ دو وقت ایسے ہیں جن میں اللہ تعالیٰ کے فرشتے حاضر ہوتے ہیں، فجر اور عصر کے وقت فرشتوں کی ڈیوٹیاں تبدیل ہوتی ہیں، ان اوقات میں لوگوں کے عمل اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش ہوتے ہیں، لہٰذا اس وقت اللہ تعالیٰ کا زیادہ سے زیادہ ذکر کرنا چاہئے تاکہ فرشتے اللہ تعالیٰ کے حضور جا کر گواہی دے سکیں کہ اے اللہ! ہم تیرے بندے کو اس حال میں چھوڑ کر آئے ہیں کہ وہ آپ کے ذکر میں مصروف ہے۔

هُوَ الَّذِيْ يُصَلِّيْ عَلَيْكُمْ وَمَلٰٓئِكَتُهٗ: جوتم پر رحمت نازل کرتا ہے اور اس کے فرشتے بھی۔ ”صلوٰۃ“ کا معنیٰ دعا ہے اور جب اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی جاتی ہے تو مطلب رحمت ہونا ہوتا ہے، یعنی: اللہ تعالیٰ تم پر رحمت بھیجتا ہے، لہٰذا تم اس کی خوشنودی کے کام انجام دو، جن کی وجہ سے اس کی رحمت زیادہ سے زیادہ تمہاری طرف متوجہ ہو، نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ کا خیال رکھو، اچھے اخلاق اپنے اندر پیدا کرو، ذکر کی کثرت رکھو، اللہ تعالیٰ اور اس کے پیغمبر کے حکموں کو پورا کرو، برائیوں سے بچو تو اللہ تعالیٰ تمہاری طرف متوجہ ہوگا۔

لِيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ: تاکہ وہ تمہیں کفر کے اندھیروں سے نکال کر ایمان کی روشنی کی طرف لے جائے، اگر تم اس نعمت سے واقعی فائدہ اٹھانا چاہتے ہو تو اللہ تعالیٰ کا کثرت سے ذکر کرو۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان

تَحِيَّتُهُمْ يَوْمَ يَلْقَوْنَهٗ سَلٰمٌ ۚ وَ اَعَدَّ لَهُمْ اَجْرًا كَرِيْمًا ﴿۴۴﴾

اور دعا ان کی جس دن وہ ملیں گے اس سے سلام ہوگی اور تیار کیا ہے لئے انکے ثواب عزت کا (۴۴)

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِيْرًا ﴿۴۵﴾ وَّ

اے پیغمبر بیشک ہم نے بھیجا آپ کو گواہ اور خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا (۴۵) اور

دَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَ سِرَاجًا مُّنِيْرًا ﴿۴۶﴾

بلانے والا طرف اللہ کی حکم اسکے سے اور چراغ روشنی پھیلانے والا (۴۶)

بامحاورہ ترجمہ: جس دن یہ لوگ اللہ تعالیٰ سے ملیں گے ان کی دعا سلام ہوگی اور ان کے واسطے عمدہ ثواب تیار کر رکھا ہے۔ (۴۴) اے پیغمبر! ہم نے آپ کو بھیجا بتانے والا اور خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا۔ (۴۵) اور اللہ تعالیٰ کی طرف اس کے حکم سے بلانے والا اور چمکتا ہوا چراغ بنا کر۔ (۴۶)

تفسیر

پہلے ارشاد ہوا کہ: اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں پر دنیا میں بڑی رحمت فرمائی کہ انہیں سیدھے راستے کی طرف ہدایت کی، گمراہی کے اندھیروں سے نجات دے کر روشنی میں پہنچایا، اس آیت میں ان کی آخرت کی حالت کا بیان ہے، ارشاد ہے کہ: یہ ایمان والے آخرت میں جب اللہ تعالیٰ سے ملیں گے تو ان کو ہر طرف سے سلام سلام کی آوازیں آئیں گی اور یہی پہلا تحفہ ہوگا جو انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملے گا اور اسی لفظ سے فرشتے ان کا استقبال کریں گے اور آپس میں ایک دوسرے کو دیکھ کر پہلا لفظ یہی ہوگا جو ان کے منہ سے نکلے گا اور اللہ تعالیٰ نے بڑی عزت اور شان والا اجر ان کیلئے تیار کر رکھا ہے۔

اس کے بعد پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مخاطب کر کے ارشاد ہوتا ہے کہ: ہم نے آپ کو دنیا میں گواہ، اچھوں کو خوشخبری سنانے والا، بروں کو ڈرانے والا اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے انسانوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلانے والا اور روشنی پھیلانے والا چراغ بنا کر بھیجا ہے۔

تَحِيَّتُهُمْ يَوْمَ يَلْقَوْنَهُ سَلٰمٌ: جس دن اس سے ملیں گے ان کی دعا سلام ہوگی، یعنی جس روز یہ اللہ تعالیٰ سے ملیں گے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو اعزازی طور پر سلام کیا جائے گا، یعنی: "اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ" کہا جائے گا، اللہ تعالیٰ سے ملنے کا دن کونسا ہوگا، امام راغب رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے فرمایا کہ: اس سے مراد قیامت کا دن ہے اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ: جنت میں داخل ہونے کا وقت مراد ہے، جہاں ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی سلام پہنچے گا اور سب فرشتے بھی سلام کریں گے، اور بعض مفسرین نے اللہ تعالیٰ سے ملنے کا دن موت کا دن قرار دیا ہے کہ وہ دن سارے جہان سے چھوٹ کر صرف ایک اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضری کا دن ہے، جیسا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ موت کا فرشتہ جب کسی مؤمن کی روح قبض کرنے کیلئے آتا ہے تو پہلے اس کو یہ پیغام پہنچاتا ہے کہ تیرے رب نے تجھے سلام بھیجا ہے۔

دو مسلمانوں کی ملاقات کے وقت بھی ایک دوسرے کو سلام کیا جاتا ہے، امام ابو بکر جصاص رحمۃ اللہ علیہ اور بعض

دوسرے مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ: یہ لفظ چاہتا ہے کہ جب دو مسلمان آپس میں ملیں تو ان کی دعا، سلام ہی ہونی چاہئے ،یعنی: "اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ" کہ دو مسلمانوں کی ملاقات پر ایک دوسرے کیلئے خیر وسلامتی کی دعا کریں، حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر ہر پیغمبر کے دور میں سلام و دعا کا سلسلہ جاری رہا ہے، پھر جب دو مؤمن جنت میں آپس میں ملیں گے تو وہاں پر بھی ان کی دعا، سلام ہی ہوگی، جب فرشتے جنتیوں کے پاس آئیں گے تو وہ بھی ان کو سلام کریں گے، پھر جب نیک لوگوں کے سامنے پیش ہوں گے تو وہاں بھی پروردگار فرمائے گا اے میرے بندو! میری طرف سے تم پر سلامتی ہو، غرضیکہ آپس کی ملاقات کے وقت بھی اور پروردگار کی طرف سے بھی سلام ہی سلام کہنے کی آواز ہوگی، اللہ تعالیٰ نے ایسے ایمان والوں کیلئے بڑی عزت والا اجر وثواب تیار کر رکھا ہے، ان کے درجے بلند ہوں گے اور انہیں عزت کا مقام حاصل ہوگا۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا: اے پیغمبر! ہم نے آپ کو بھیجا بتانے والا، مفسرین کرام بیان کرتے ہیں کہ "شاہد" کا معنیٰ گواہی دینے والا بھی درست ہے اور اے پیغمبر! ہم نے آپ کو اللہ تعالیٰ کے ایک ہونے کی گواہی دینے والا بنا کر بھیجا ہے، اس معنیٰ کی تائید پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک حدیث سے بھی ہوتی ہے، پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے سے دو جنازے گزرے، ایک میت کے متعلق صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے بتایا کہ یہ نیک اور اچھا آدمی تھا تو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اس پر واجب ہوگئی، پھر دوسرے جنازے کے متعلق صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے کہا یہ بُرا آدمی تھا تو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: واجب ہوگئی، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا اے اللہ کے پیغمبر! کیا چیز واجب ہوگئی؟ فرمایا: جس شخص کے متعلق تم نے اچھائی کی گواہی دی اس کیلئے جنت واجب ہوگئی اور جس کیلئے بُرائی کی گواہی دی اس پر دوزخ واجب ہوگئی، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین دفعہ فرمایا: تم زمین میں اللہ تعالیٰ کے گواہ ہو، یعنی: اللہ تعالیٰ کے دین اور اس کے ایک ہونے کی گواہی دینے والے ہو۔

قیامت کے دن جب پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہوں گے تو گواہی دیں گے کہ میں نے دین حق لوگوں تک پہنچا دیا تھا، سورۃ نساء میں ہے کہ: اس دن کیا حال ہوگا جب ہم امت میں سے گواہ لائیں گے اور پھر ان سب پر آپ کو گواہ کے طور پر پیش کیا جائے گا اور آپ گواہی دیں گے کہ میں نے دین حق کا پیغام امت

تک پہنچادیا تھا۔(النساء، آیت:۴۱)، یہی مضمون "حجۃ الوداع" کے خطبہ میں پایا جاتا ہے، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: میرے بارے میں تم سے قیامت کے دن سوال ہوگا تو تم کیا جواب دو گے؟ تو لوگوں نے عرض کیا کہ ہم گواہی دیں گے کہ آپ نے امانت کو ادا کر دیا، تبلیغ کا حق ادا کر دیا اور امت سے خیر خواہی کا حق بھی ادا کر دیا، غرضیکہ یہاں پر گواہی سے مراد دین حق کی تبلیغ کی گواہی بھی ہے۔

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کی حدیث ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ قیامت والے دن اللہ تعالیٰ پیغمبروں سے پوچھیں گے کہ میں نے تمہیں امانت دے کر بھیجا تھا، تم نے اس امانت کیساتھ کیا کیا؟ وہ جواب دیں گے کہ اے اللہ! ہم نے آپ کی امانت یعنی آپ کا پیغام اپنی اپنی امتوں تک پہنچادیا تھا، پھر امتوں سے پوچھا جائے گا کیا میرے پیغمبروں نے میری امانت تم تک پہنچائی؟ بعض امتیں ان کو سچا کہیں گی اور بعض انکار کر دیں گی کہ ہم تک امانت نہیں پہنچی، پھر انکار کرنے والی امتوں کے پیغمبروں سے پوچھا جائے گا کہ انہوں نے واقعی اللہ تعالیٰ کا پیغام امتوں تک پہنچادیا تھا؟ وہ اپنی بات کی سچائی کو ثابت کرنے کیلئے اللہ تعالیٰ کے آخری پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کی گواہی پیش کریں گے اور آخری امت گواہی دے گی کہ سب پیغمبروں نے اپنی اپنی امتوں تک آپ کا پیغام پہنچادیا تھا، پھر وہ امتیں اس گواہی پر اعتراض کریں گی کہ آخری امت کے لوگ ہم پر کیسے گواہ بن سکتے ہیں، جبکہ یہ تو ہمارے بعد دنیا میں آئے، آخری امت عرض کرے گی یا اللہ! آپ نے ہماری طرف اپنا آخری پیغمبر بھیجا اور کتاب اتاری، جس پر ہمارا ایمان واعتقاد ہے، ہمیں ہمارے پیغمبر نے بتایا کہ تمام پیغمبروں نے اللہ تعالیٰ کا پیغام اپنی اپنی امتوں تک پہنچادیا تھا، لہٰذا ہم یہ گواہی دینے میں سچے ہیں، پھر اللہ تعالیٰ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھیں گے کہ کیا آپ اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ پیغمبروں نے اپنی اپنی امتوں کو میرا پیغام پہنچادیا تھا؟ آپ ان کے گواہ بنیں گے کہ یہ سچ کہہ رہے ہیں۔

ایمان والوں کو خوشخبری

وَ بَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَضْلًا كَبِيْرًا ﴿٤٧﴾ وَ لَا

اور خوشخبری دیں ایمان والوں کو یہ کہ لئے ان کے سے اللہ بزرگی بڑی (۴۷) اور نہ

تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَ الْمُنٰفِقِيْنَ وَ دَعْ اَذٰىهُمْ وَ تَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ

کہنا مانئے کفر کرنے والوں کا اور منافقوں کا اور چھوڑیئے تکلیفیں ان کی اور بھروسہ کریں پر اللہ

وَ كَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۴۸﴾

اور کافی ہے اللہ کام بنانے کیلئے (۴۸)

با محاورہ ترجمہ:۔ اور ایمان والوں کو خوشخبری سنا دیں کہ ان کیلئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بڑی فضیلت ہے۔(۴۷) اور کہنا مت مانیں کافروں اور منافقوں کا اور درگزر کریں ان کی اذیت سے اور بھروسہ کریں اللہ تعالیٰ پر اور اللہ تعالیٰ کافی ہے کام بنانے والا۔(۴۸)

تفسیر

اس آیت میں ارشاد ہے کہ: ایمان والوں کو خوشخبری دو کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کا بہت بڑا مرتبہ ہے، اگر چہ اس وقت عارضی طور پر حالات تسلی بخش نہ ہوں، لیکن عنقریب آپ ان سب پر غالب آجائیں گے اور دنیا اور آخرت میں آپ کو قرآن کی بدولت سب پر فضیلت حاصل ہوگی۔

پھر ارشاد ہے کہ: اپنے فرائض کے انجام دینے میں کسی کافر اور منافق کا کہنا مت مانیں اور ان باتوں اور حرکتوں سے جن سے آپ کو اذیت پہنچے اس کی پرواہ نہ کریں، یہ آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے، آپ صرف اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کریں، اس کے سامنے کوئی دم نہیں مار سکتا، اس کے سامنے سب عاجز اور لاچار ہیں اور اللہ تعالیٰ آپ کے سارے کام بنانے کیلئے بالکل کافی ہے، اس کو کسی کے سہارے کی ضرورت نہیں اور سب اس کے سہارے کے محتاج ہیں۔

غیر مدخولہ کی طلاق

(یعنی: اس عورت کی طلاق جس کا شوہر سے ملاپ نہ ہوا ہو)

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ

اے لوگو جو ایمان لائے ہو جب نکاح کرو تم مؤمن عورتوں سے پھر طلاق دو انہیں

مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَا ۚ

پہلے اسکے کہ ہاتھ لگاؤ انہیں پس نہیں لئے تمہارے پر ان کوئی عدت کہ پوری کراؤ اسے

فَمَتِّعُوْهُنَّ وَ سَرِّحُوْهُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ﴿۴۹﴾

پس ان کو کچھ فائدہ دیدو اور چھوڑ دو انہیں چھوڑنا اچھا (۴۹)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اے ایمان والو جب تم مؤمن عورتوں کیساتھ نکاح کرو پھر تم ملاپ سے پہلے ان کو طلاق دیدو تو ان پر تمہاری کوئی عدت نہیں جسے تم شمار کرو، سو! ان کو کچھ فائدہ پہنچا دو اور اچھی طرح سے ان کو رخصت کرو۔ (۴۹)

تفسیر

اس آیت میں فرمایا گیا ہے کہ: کوئی مسلمان مرد جب کسی مسلمان عورت سے شادی کرے اور پھر اس سے ملاپ کئے بغیر کسی وجہ سے طلاق دیدے تو اس صورت میں عورت پر عدت واجب نہیں اگر وہ عورت چاہے تو تمہارے طلاق دینے کیساتھ ہی دوسرے سے نکاح کر سکتی ہے۔

اگر مہر طے نہیں ہوا تھا تو ایسی عورت کو کپڑوں کا ایک جوڑا دے دلا کر اچھے طریقے سے اسے رخصت کر دینا چاہیئے تا کہ اس کے کی دلجوئی ہو جائے اور اس واقعہ سے جو صدمہ اسے پہنچا اس کی تلافی ہو جائے، یہ عام

حکم ہے جس میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور سارے مسلمان شامل ہیں۔

شرافت اور اچھے برتاؤ کیساتھ رخصت کریں، زبان سے کوئی سخت بات نہ کہیں، مخالفت کے باوجود بھی اپنے جذبات پر قابو رکھیں اور کوئی دل دکھانے والی بات نہ کریں۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے حکم

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَحْلَلْنَا لَكَ اَزْوَاجَكَ الّٰتِيْٓ اٰتَيْتَ اُجُوْرَهُنَّ وَ

اے پیغمبر بیشک ہم نے حلال کیں لئے آپ بیویاں آپ کی جن کے دے چکے ہیں مہران کا اور

مَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ مِمَّآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلَيْكَ وَ بَنٰتِ عَمِّكَ وَ بَنٰتِ

جس کا مالک ہو دایاں ہاتھ آپ کا انہیں سے جو بغیر لڑے جنگ میں دیں اللہ نے آپ کو اور بیٹیاں چچا آپکے کی اور بیٹیاں

عَمّٰتِكَ وَ بَنٰتِ خَالِكَ وَ بَنٰتِ خٰلٰتِكَ الّٰتِيْ هَاجَرْنَ مَعَكَ ۫

پھوپھیوں آپکے کی اور بیٹیاں ماموؤں آپکے کی اور بیٹیاں خالاؤں آپکے کی جنہوں نے ہجرت کی ساتھ آپکے

با محاورہ ترجمہ:۔ اے پیغمبر! ہم نے آپ کیلئے وہ عورتیں حلال کر دیں جن کے مہر آپ دے چکے ہیں اور وہ عورتیں بھی آپ کیلئے حلال کر دیں جو آپ کی باندیاں ہیں اور اللہ تعالیٰ نے آپ کے ہاتھ لگا دیں اور آپ کے چچا کی بیٹیاں اور آپ کی پھوپھیوں کی بیٹیاں اور آپ کے ماموں کی بیٹیاں اور آپ کی خالاؤں کی بیٹیاں جنہوں نے آپ کیساتھ ہجرت کی۔

تفسیر

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کوئی بات اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر نہیں کرتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معمولی کاموں کیلئے بھی فیصلے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتے تھے، نکاح اور طلاق کے بارے میں عام حکم اتر چکے تھے، پھر بھی پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

اور آپ کی بیویوں کے بارے میں خاص طور پر اس آیت میں پھر حکموں کی وضاحت کی گئی تا کہ اس میں کوئی شبہ نہ رہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس بارے میں جو قدم اٹھایا وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے بالکل مطابق تھا، چنانچہ ارشاد ہے کہ: جتنی عورتیں آپ کے نکاح میں اس وقت ہیں قریش سے ہوں یا نہ ہوں، مہاجر ہوں یا نہ ہوں، وہ ہم نے آپ کیلئے حلال کر دیں، نیز وہ باندیاں جو کافروں کی جنگ میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے آپ کے ہاتھ لگیں وہ بھی آپ کیلئے بغیر نکاح کے حلال ہیں، عام مسلمانوں کیلئے چار سے زیادہ بیویوں کی اجازت نہیں، یہ آپ کی خصوصیت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کیلئے چار سے زیادہ بیویاں حلال رکھیں، اسی طرح آپ کے چچاؤں، آپ کی پھوپھیوں، آپ کے ماموؤں اور خالاؤں کی بیٹیوں سے نکاح کرنا آپ کیلئے جائز ہے، جو ہجرت کر کے آپ کیساتھ مدینہ چلی آئیں (آپ کیساتھ ہجرت کرنے کا مطلب یہ نہیں کہ ایک ساتھ قافلے کی صورت میں ہجرت کی ہو، بلکہ مطلب یہ ہے کہ جس طرح آپ نے ہجرت کی اسی طرح انہوں نے بھی ہجرت کی ہو)، معلوم ہوا کہ بیویوں کی تعداد کے بارے میں آپ کیلئے چار کی حد مقرر نہیں ہے، کیونکہ آپ کیلئے حد مقرر نہ ہونے میں بہت سی مصلحتیں ہیں اور اللہ تعالیٰ کی رضامندی اس کیساتھ ہے۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پچیس سال کی عمر میں ایک چالیس سالہ عورت حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا اور پہلی پچیس سالہ زندگی نہایت اچھے طریقے سے گزاری، گویا پچاس سال کی عمر تک تو آپ نے اسی ایک عورت پر اکتفا کیا، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے وفات پا جانے کے بعد آپ نے ایک دوسری بڑی عمر کی عورت حضرت سودہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا اور چار سال تک وہی اکیلی آپ کے نکاح میں ہیں، تیسری خاتون جس سے آپ نے نکاح کیا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیٹی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تھیں، ان کے ساتھ نکاح مکہ میں ہوا اور رخصتی مدینہ میں آکر ہوئی، قابل غور بات یہ ہے کہ جوانی کا زمانہ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو بوڑھی عورتوں کیساتھ گزار دیا تو بڑھاپے میں آپ کو زیادہ بیویاں کرنے کی کیا ضرورت پیش آگئی تھی؟

اس میں اللہ تعالیٰ کی مصلحت یہ تھی کہ چار سے زیادہ عورتیں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت میں رہ کر دین کے

حکموں کو سیکھیں اور پھر عام عورتوں کو بتائیں اور عورتوں کے مسائل میں ان کی شرعی راہنمائی فرمائیں تا کہ اسلام کی تبلیغ کو عام کیا جا سکے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَحْلَلْنَا لَكَ اَزْوَاجَكَ: اے پیغمبر! ہم نے آپ کیلئے وہ عورتیں حلال کر دیں جن کے مہر آپ دے چکے ہیں، آیت کے الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ چار سے زیادہ بیویوں کا حکم پیغمبر ﷺ کو خود اللہ تعالیٰ نے دیا تھا، اور اس آیت میں جو فرمایا ہے کہ جن کے مہر آپ دے چکے ہیں، یہ مہر کا ادا کرنا عورت کے حلال ہونے کیلئے شرط کے درجے میں نہیں بلکہ واقعہ کا اظہار ہے کہ جتنی عورتیں پیغمبر ﷺ کے نکاح میں آئیں آپ نے سب کا مہر نقد ادا کر دیا ادھار نہیں رکھا، آپ کی عادت یہ تھی کہ جس چیز کا دینا آپ کے ذمہ لازم ہوتا اس کو فوراً ادا کر دیتے تھے اور ٹال مٹول سے کام نہیں لیتے تھے۔

وَمَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ: وہ عورتیں بھی آپ کیلئے حلال کر دیں جو آپ کی باندیاں ہیں، مثلاً: حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا تعلق خیبر کے یہودی خاندان سے تھا اور وہ آپ ﷺ کے ہاں بحیثیت لونڈی آئی تھیں، یہودیوں کی ایک اور عورت ریحانہ بھی بطور لونڈی آپ کے ہاتھ آئی تھی، اسی طرح مصر کے بادشاہ مقوقس نے ماریہ قبطیہ نامی لونڈی آپ ﷺ کو ہدیہ کے طور پر بھیجی تھی، جس سے آپ کے بیٹے ابراہیم رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے تھے، تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے آپ ﷺ کیلئے لونڈیاں بھی حلال قرار دی ہیں، یہاں یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ لونڈیاں تو عام مسلمانوں کیلئے بھی حلال ہیں، اس میں پیغمبر ﷺ کیلئے کیا خصوصیت ہے؟ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ: لونڈیوں کے معاملے میں پیغمبر ﷺ کی خصوصیت یہ ہے کہ آپ کی وفات کے بعد کوئی آپ ﷺ کی کسی لونڈی سے بھی نکاح نہیں کر سکتا تھا کیونکہ ایک درجہ میں وہ بھی امت کی مائیں ہیں۔

وَبَنٰتِ عَمِّكَ وَبَنٰتِ عَمّٰتِكَ: اور ہم نے حلال قرار دیں ہیں آپ کے چچا کی بیٹیاں اور پھوپھی کی بیٹیاں اور ماموں کی بیٹیاں اور خالہ کی بیٹیاں جنہوں نے آپ کیساتھ ہجرت کی، رشتہ کی مذکورہ عورتوں کا نکاح تو عام مسلمانوں کے لئے بھی حلال ہے، تاہم پیغمبر ﷺ کی خصوصیت یہ ہے کہ آپ کا نکاح ان عورتوں سے صرف

اسی وقت حلال ہے جبکہ انہوں نے ہجرت بھی کی ہو، یعنی: مکہ چھوڑ کر آپ کے پاس مدینہ طیبہ آگئی ہوں، البتہ جن عورتوں نے ہجرت نہیں کی ان کے ساتھ آپ کا نکاح حلال نہیں۔

خاص خاص رعایتیں

وَ امْرَاَةً مُّؤْمِنَةً اِنْ وَّهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ اِنْ اَرَادَ النَّبِيُّ اَنْ
اور کوئی عورت مسلمان اگر بخش دے اپنا آپ لئے پیغمبر کے اگر چاہے پیغمبر کہ

يَّسْتَنْكِحَهَا ۗ خَالِصَةً لَّكَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۭ قَدْ عَلِمْنَا مَا
نکاح میں لے اسے خاص ہے یہ لئے آپکے سوائے مسلمانوں کے بیشک جانا ہم نے جو

فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ فِيْٓ اَزْوَاجِهِمْ وَ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ لِكَيْلَا
مقرر کیا پر ان میں بارے عورتوں ان کی اور جنکے مالک ہوئے دائیں ہاتھ ان کے تاکہ نہ

يَكُوْنَ عَلَيْكَ حَرَجٌ ۭ وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿٥٠﴾ تُرْجِيْ مَنْ
ہو پر آپ کوئی تنگی اور ہے اللہ بخشنے والا مہربان (۵۰) پیچھے ہٹادیں جسے

تَشَآءُ مِنْهُنَّ وَ تُـْٔوِيْٓ اِلَيْكَ مَنْ تَشَآءُ ۭ وَ مَنِ ابْتَغَيْتَ مِمَّنْ
چاہیں آپ میں سے ان اور پاس رکھیں اپنے جس کو چاہیں اور جسے چاہیں آپ میں سے ان

عَزَلْتَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكَ ۭ
جنہیں دور کردیا تھا آپ نے پس نہیں کوئی گناہ پر آپ

بامحاورہ ترجمہ: ۔اور ہم نے وہ مؤمن عورت بھی آپ کیلئے حلال کردی جس نے اپنا آپ پیغمبر کو بخش دیا، اگر پیغمبر چاہے تو اس سے نکاح کرلے، یہ حکم خاص آپ کیلئے ہے سوا اور سب مسلمانوں کے (یعنی: یہ حکم عام امتیوں کیلئے نہیں ہے۔)، ہم نے ان پر ان کی عورتوں کے حق میں اور باندیوں کے حق میں جو مقرر کردیا ہے ہمیں

معلوم ہے، تاکہ آپ پر تنگی نہ رہے اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔ (۵۰) آپ کا ان میں جس کو جی چاہے پیچھے رکھیں اور جگہ دیں اپنے پاس جس کو چاہیں اور جس کو آپ کا جی چاہے ان میں سے جنہیں کنارے کر دیا تھا اپنے پاس رکھیں تو آپ پر کوئی گناہ نہیں۔

تفسیر

فرمایا: پیغمبر ﷺ کیلئے اجازت ہے کہ اگر کوئی مسلمان عورت اپنے آپ کو بلا مہر آپ کے حوالہ کرنا چاہے اور آپ کی مرضی ہو کہ اس سے نکاح کر لیں تو کر سکتے ہیں، یہ بلا مہر نکاح کی اجازت صرف آپ کیلئے خاص ہے، واضح رہے کہ آپ نے عملاً اس رعایت سے کبھی فائدہ نہ اٹھایا۔

باقی مسلمانوں کیلئے وہی حکم ہے جو ہم نے مقرر کر دیا، یعنی: شرعی طریقہ کے مطابق گواہوں کے سامنے نکاح کریں، نیز: وہ ایک وقت میں چار سے زیادہ عورتیں اپنے نکاح میں نہیں رکھ سکتے اور وہ بھی چند شرائط کیساتھ، اسی طرح جنگ میں پکڑی ہوئی کافر عورتوں کی بابت بھی ان کیلئے خاص حکم ہیں جن کا اپنی اپنی جگہ پر ذکر کیا گیا ہے۔

اسلام میں صاف صاف اور کھلے قواعد ہر چیز کے موجود ہیں، جو شخص ان کے مطابق چلے اس پر کوئی الزام نہیں، اسی طرح پیغمبر ﷺ کو رخصتیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملی ہیں، ان پر عمل کرنا آپ کیلئے جائز ہے اور یہ عمل شریعت کے عین مطابق ہوگا۔

ارشاد ہے کہ: یہ خاص رعایت آپ کیساتھ اس لئے کی گئی ہے کہ آپ کا وقت فضول جھگڑوں میں خرچ نہ ہو اور اصل فرائض میں جن کا پورا کرنا آپ کے ذمہ ہے کوئی حرج واقع نہ ہو اور یہ سب اللہ تعالیٰ کی بخشش اور رحمت کی وجہ سے ہے، چنانچہ آپ کو اختیار دیا جاتا ہے کہ اپنی بیویوں کو جس طرح چاہیں رکھیں، خواہ کسی کو اپنے سے ایک طرف رکھیں (یعنی: باری نہ دیں) یا کسی کو اپنے پاس رکھیں (یعنی: باری دیں) اور جس کو ایک طرف کر دیا ہے اس کو اگر چاہیں تو پھر اپنے پاس بلا سکتے ہیں۔

غرض ! بیویوں کے بارے میں آپ کے اوپر کوئی پابندی نہیں نہ یہ ضروری ہے کہ ہر ایک کے پاس باری باری سے برابر مدت تک رہیں، جیسا کہ کئی بیویوں والوں کیلئے لازم ہے، بیویوں کے بارے میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے پورا اختیار تھا کہ جس طرح چاہیں رکھیں، پھر بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر ایک کی باری میں اس کے پاس رہے اور سب کے حقوق برابر پورے کیے۔

جھگڑوں کی روک تھام

ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ تَقَرَّ اَعْيُنُهُنَّ وَ لَا يَحْزَنَّ وَ يَرْضَيْنَ بِمَآ

یہ زیادہ قریب ہے اسکے کہ ٹھنڈی رہیں آنکھیں ان کی اور نہ غمگین ہوں اور راضی رہیں سے اس جو

اٰتَيْتَهُنَّ كُلُّهُنَّ ؕ وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ مَا فِیْ قُلُوْبِكُمْ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا

جو دیں آپ انہیں سب کی سب اور اللہ جانتا ہے جو میں ہے دلوں تمہارے اور ہے اللہ سب کچھ جاننے والا

حَلِيْمًا ﴿۵۱﴾ لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَآءُ مِنْۢ بَعْدُ وَ لَآ اَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ

بردبار (۵۱) نہیں حلال لئے آپکے عورتیں بعد اس کے اور نہ یہ کہ بدل لیں آپ سے ان

مِنْ اَزْوَاجٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ اِلَّا مَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ ؕ وَ

اور عورتیں اگرچہ اچھی لگے آپ کو خوبصورتی ان کی مگر جس کا مالک ہو دایاں ہاتھ آپ کا اور

كَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ رَّقِيْبًا ﴿۵۲﴾ ع ۶ / ۴

ہے اللہ پر ہر چیز نگہبان (۵۲)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اس میں قریب ہے کہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں اور غمگین نہ ہوں اور جو آپ نے انہیں دیا اس پر سب کی سب راضی رہیں اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا تحمل والا ہے۔ (۵۱) اس کے بعد آپ پر عورتیں حلال نہیں اور نہ یہ حلال ہے کہ ان کے بدلے اور عورتوں سے نکاح

کریں اگر چہ آپ کو ان کی صورت اچھی لگے سوا ان کے جو آپ کی باندیاں ہیں اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر نگہبان ہے۔(۵۲)

تفسیر

ارشاد ہے کہ: یہ سب کچھ اس لئے کیا گیا کہ آپ کی بیویوں کو کوئی شکایت پیدا نہ ہو اور ہنسی خوشی رہیں، رنج وغم نہ کریں اور جو آپ کی طرف سے انہیں ملے اس سے سب راضی رہیں کیونکہ کسی کو دور کرنے کسی کو پاس بلانے، کسی کی باری میں دوسری کے گھر چلے جانے میں رات دن جھگڑے رہتے، لیکن جب سب کو معلوم ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اختیار دیدیا ہے کہ جس طرح چاہیں بیویوں سے برتاؤ کریں تو اب شکایت کا کوئی موقعہ نہ رہا، اس صورت میں انہیں شکایت ہو ہی نہیں سکتی، کیونکہ جو کچھ آپ کریں گے وہ اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق ہوگا، اس لئے یہ ان کو خوش رکھنے، ان کے غمگین نہ ہونے اور جو ملے اس پر راضی رہنے کا زیادہ بہتر ذریعہ ہوگا، باقی لوگوں کے دل میں یہ خیال نہ گزرنا چاہئے کہ یہ رعایتیں ہمیں کیوں نہ ملیں؛ اس لئے کہ ان کو اور دینی کام اتنے انجام نہیں دینے جتنے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیئے ہیں، اللہ تعالیٰ دلوں کی باتیں خوب جانتا ہے، وہ سب کچھ جاننے والا اور خطاؤں سے درگزر کرنے والا ہے، اس کی بابت بدگمانی مت کرو۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے شروع کے تقریباً پچیس سال تنہائی کے گزارے، اس کے بعد حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا سے شادی ہوئی جو دو مرتبہ بیوہ ہو چکی تھیں، اس کے بعد آٹھ بیوائیں آپ کے نکاح میں آئیں، آپ کی وفات کے وقت آپ کی ۹ بیویاں موجود تھیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا، حضرت سودہ رضی اللہ عنہا، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا، حضرت زینب رضی اللہ عنہا، حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا، حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا، حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا، حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا، ان سب نے دنیا کی خوشحالی کا خیال چھوڑ کر اللہ تعالیٰ اور اس کے پیغمبر کی رضامندی کو پسند کیا، اس کا صلہ دنیا میں یہ ملا جس کا اس آیت میں بیان ہے کہ: جن عورتوں کو ہم نے آپ کے اوپر حلال کیا، جن کا ذکر اس سے پہلی آیت میں ہوا، ان کے سوا کسی اور عورت سے نکاح کرنا آپ کیلئے جائز نہیں اور یہ بھی جائز نہیں کہ موجودہ عورتوں میں سے کسی کو اس

لئے چھوڑ دیں کہ اس کے بدلے کسی اور سے نکاح کرلیں، خواہ حسن وصورت کے لحاظ سے وہ کتنی ہی اچھی ہو، موجودہ بیویوں سے زیادہ بیویاں تونہیں رکھ سکتے لیکن جوآپ کی باندیاں ہیں انہیں رکھ سکتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ کون اس کے حکموں کی پابندی کرتا ہے اور کون نہیں؛ اس لئے جو کام کرو اس بات کا خیال رکھ کر کرو، آپ کو بیویوں کی ہر بات کو برابر رکھنے یا نہ رکھنے کا اختیار دیا گیا تھا اور بیویاں آپ کی فرمانبرداری کا واضح اقرار کرچکی تھیں اور جو فیصلہ آپ فرمائیں اس کے ماننے پر ہر طرح رضامند تھیں، پھر بھی پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیویوں کے حقوق کا برابر خیال رکھا اور ان رخصتوں میں سے کسی سے فائدہ نہ اٹھایا اور ساتھ ہی دین کی تبلیغ کے سارے کام مکمل طور پر انجام دیئے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سوا ایسا اور کون کرسکتا تھا۔

ذٰلِكَ اَدْنٰٓی: آپ کو یہ عام اختیار دینے کی مصلحت یہ ہے کہ سب بیویوں کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں اور جو کچھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کو دیں اس پر راضی رہیں۔

یہاں یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ یہ حکم تو بظاہر بیویوں کی مرضی کے خلاف اور ان کے رنج کا سبب ہوسکتا ہے، اس کو بیویوں کی خوشی کا سبب کیسے قرار دیا گیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ دراصل ناراضی کا اصل سبب اس وقت ہوتا جب کسی کا کسی پر کوئی حق ہو اور وہ نہ ملے، جس شخص پر ہمارا کوئی حق واجب نہ ہو پھر وہ جو بھی کچھ دے اس سے خوشی ہی خوشی ہوتی ہے، یہاں بھی جب یہ بتلایا گیا کہ بیویوں میں برابری کرنا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر واجب نہیں بلکہ آپ مختار ہیں تو اب جس بیوی کو جو کچھ اور جتنا ملے وہ اس کو ایک احسان سمجھ کر خوش ہوگی۔

وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَلِيْمًا: اے مسلمانو! پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یہ رعایتی حکم سن کر دل میں یہ خیالات مت پکالینا کہ یہ حکم سب کیلئے عام کیوں نہ ہوئے، اگر ایسا کرو گے تو اللہ تعالیٰ کو تم لوگوں کی سب باتیں معلوم ہیں اور ایسا خیال کرنے پر تم کو سزا دے گا، کیونکہ اللہ تعالیٰ پر اعتراض اور پیغمبر پر حسد قابل سزا ہے اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا ہے، اعتراض کرنے والوں کو جو فوراً سزا نہیں ملی تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اللہ تعالیٰ کو اس کی خبر نہیں، بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ حوصلہ والا بھی ہے اس لئے سزا میں ڈھیل دیتا ہے۔

لَا یَحِلُّ لَکَ النِّسَآءُ مِنْۢ بَعْدُ: حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ آپ موجودہ بیویوں کے علاوہ مزید نکاح نہیں کر سکتے، اس کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ جب آپ کی بیویوں نے زیادہ خرچہ کا مطالبہ کیا اور آپ ناراض ہو گئے اور پھر اللہ تعالیٰ کے حکم سے بیویوں میں یہ اعلان فرمادیا کہ: اگر دنیا کی عیش و عشرت چاہتی ہو تو آؤ میں تمہیں اچھے طریقے سے رخصت کردوں اور اگر اللہ تعالیٰ اور اس کے پیغمبر کی رضاء اور آخرت کا گھر چاہتی ہو تو پھر اسی خرچہ میں گزارہ کرو، بیویوں نے دوسری بات کو پسند کیا اور زندگی بھر تنگی میں وقت گزار دیا حتیٰ کہ دو دو ماہ تک آپ کے گھروں میں چولہا نہیں جلتا تھا، جب انہوں نے اس تنگی پر صبر کیا تو اللہ تعالیٰ نے بھی ان کی قدر کرتے ہوئے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیدیا کہ آئندہ ان بیویوں کے علاوہ مزید نکاح نہ کریں، چنانچہ آپ نے اس حکم کی پابندی کی، آپ کے دنیا سے جانے کے وقت آپ کی "۹" بیویاں اور "۲" باندیاں موجود تھیں، ان کے علاوہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا مکہ میں فوت ہو چکی تھیں اور حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا مدینہ میں فوت ہو چکی تھیں۔

کھانے کی دعوت

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُیُوْتَ النَّبِیِّ اِلَّآ اَنْ یُّؤْذَنَ لَکُمْ

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو مت داخل ہو گھروں میں پیغمبر کے مگر یہ کہ اجازت دی جائے تمہیں

اِلٰی طَعَامٍ غَیْرَ نٰظِرِیْنَ اِنٰىهُ ۙ وَلٰکِنْ اِذَا دُعِیْتُمْ فَادْخُلُوْا فَاِذَا

طرف کھانے کیلئے نہ راہ دیکھتے ہوئے تیاری کی اور لیکن جب بلایا جائے تمہیں تو داخل ہو اور جب

طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا وَلَا مُسْتَاْنِسِیْنَ لِحَدِیْثٍ ؕ

کھا چکو تو اٹھ کر چلے جاؤ اور نہ جی لگا کر بیٹھو لئے باتوں کے

بامحاورہ ترجمہ:۔ اے ایمان والو! پیغمبر کے گھروں میں مت جاؤ مگر یہ کہ تمہیں کھانے کیلئے بلایا جائے (پہلے سے جا کر) اس کے پکنے کا انتظار نہ کرتے رہو، لیکن جب تمہیں بلائیں تب جاؤ پھر جب کھا چکو تو اٹھ کر چلے

جاؤ اور آپس میں باتوں میں جی لگا کر مت بیٹھو۔

لفظی تحقیق: اِنٰی: پکنے کا وقت۔

تفسیر

اس آیت میں مسلمانوں کو کھانے کی دعوت کے آداب سکھائے گئے ہیں، اس کی بنیاد اس پر ہونی چاہئے کہ دوسرے کو کوئی تکلیف نہ پہنچے، گھر انسان کیلئے ایک طرح کا خلوت خانہ ہے جس میں وہ ان باتوں کو کرتا ہے جس میں غیر کا دخل نہ ہونا چاہئے، اگر انسان کیلئے ایسی کوئی جگہ نہ رہے تو اسے بہت سی مشکلوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

کسی کے گھر میں یونہی بے باکی سے گھس جانا بیجا بات ہے، خاص کر پیغمبر کے گھروں میں جب جی چاہے مت گھس جایا کرو، فقط اس وقت جاؤ جب تمہیں کھانے کی دعوت دی جائے، اس پر بھی پہلے سے مت پہنچ جایا کرو کہ وہیں بیٹھ کر کھانے کے تیار ہونے کا انتظار کرتے رہو، عین کھانے کے وقت جاؤ اور کھانا کھاتے ہی اٹھ کر چلے آؤ، کھانا کھانے کے بعد باتیں بنانے مت بیٹھ جاؤ؛ اس لئے کہ تمہارا باتوں میں جی لگ گیا ہے اور اٹھنے کو جی نہیں چاہتا، عام طور پر گھر چھوٹے چھوٹے ہوتے ہیں وہاں وقت سے پہلے ہی جا کر ڈٹ جانا اور کھانا کھانے کے بعد بھی دیر تک بیٹھے باتیں بناتے رہنا مہمانوں کو کسی طرح مناسب نہیں، کیونکہ اس سے گھر والوں کو تکلیف ہوتی ہے۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا: پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں چونکہ کھانا کھلانے کا انتظام عام طور پر گھر کے اندر ہوتا تھا، جہاں عورتیں بھی ہوتی تھیں، علیحدہ بیٹھک نہیں ہوتی تھی اس لئے بسا اوقات میزبان کو مہمانوں کے وقت سے پہلے آجانے سے مشکل پیش آتی تھی، اس لئے فرمایا: کھانا تیار ہونے سے پہلے ہی نہ آجاؤ۔

ان آیتوں کا شانِ نزول یہ ہے کہ جب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کیساتھ ہوا تو آپ نے ولیمہ کی دعوت کا خاص طور پر انتظام کیا تھا، تاکہ لوگوں کو اچھی طرح علم ہو جائے کہ منہ بولے کی طلاق شدہ بیوی کیساتھ نکاح بالکل درست ہے، چنانچہ روایتوں میں آتا ہے کہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بکری ذبح کی اور روٹی پکوائی، تمام لوگوں نے جن کی تعداد تین سو کے قریب تھی گوشت روٹی کھائی، اس موقع پر امّ سلیم رضی اللہ عنہا نے کچھ

حلوہ بنا کر بھیجا، چنانچہ کھانے کے بعد حلوہ بھی کھایا گیا، اس موقع پر آپ نے باقی لوگوں کو بھی بلالیا، اتنی بڑی ولیمہ کی دعوت پیغمبر ﷺ نے اپنے دوسرے نکاحوں کے موقع پر نہیں کی، جب کھانا تیار ہوگیا تو لوگوں کو پیش کیا گیا وہیں گھر میں انتظام تھا، ام المؤمنین بھی اسی کمرے میں دیوار کی طرف رُخ کر کے بیٹھی تھیں، جب لوگ کھانا کھا چکے تو ان میں سے بعض وہیں بیٹھے بیٹھے باتیں کرنے لگے، اس پر پیغمبر ﷺ نے پریشانی محسوس کی، آپ چاہتے تھے کہ اب لوگ چلے جائیں لیکن آپ نے یہ کہنا مناسب نہیں سمجھا کہ اٹھ کر چلے جاؤ، اس دوران میں آپ ایک دفعہ اٹھ کر خود بھی باہر چلے گئے، خیال تھا کہ شاید مجھے دیکھ کر یہ لوگ بھی اٹھ جائیں گے مگر وہ باتوں میں مصروف رہے، پیغمبر ﷺ اندر تشریف لائے اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ کیا وہ لوگ ابھی بیٹھے ہیں یا چلے گئے ہیں؟ انہوں نے بتایا کہ وہ لوگ ابھی تک بیٹھے ہیں، اس دوران میں لوگوں کو پیغمبر ﷺ کی پریشانی کا احساس ہوا تو وہ اٹھ کر چلے گئے، اسی موقعہ پر یہ آیت اتری کہ بلا اجازت پیغمبر کے گھروں میں داخل نہ ہو کہ کھانا پکنے کا انتظار کرتے رہو، پھر جب کھانا کھا چکو تو چلے جاؤ اور بیٹھ کر باتیں نہ کرتے رہو۔

دعوتِ ولیمہ

نکاح کے بعد ولیمہ کی دعوت سنت ہے مگر یہ اپنی حیثیت اور گنجائش کے مطابق ہونا چاہئے، اگر کسی شخص کے پاس ولیمہ کرنے کی گنجائش نہیں ہے تو بیشک نہ کرے، پیغمبر ﷺ نے اپنے کئی نکاحوں کے موقعوں پر دعوت ولیمہ نہیں کیا، چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی کے وقت گھر میں کچھ نہیں تھا، حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے گھر سے دودھ کا ایک بڑا پیالہ آگیا تھا، پیغمبر ﷺ نے لوگوں کو بلا کر وہی پلا دیا تھا اور یہی اس نکاح کا ولیمہ تھا، حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے نکاح سفر کے دوران ہوا، آپ کے پاس تھوڑا سا ستو اور کھجوریں تھیں آپ نے دوسرے لوگوں سے فرمایا کہ: جس کے پاس جو کچھ کھانے کی چیز ہے لے آئے، کھانے پینے کی ساری چیزوں کو جمع کر کے چمڑے کے ایک دسترخوان پر رکھ دیا گیا اور سب نے کھایا، حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا یہی ولیمہ تھا، مقصد یہ کہ دعوت ولیمہ کوئی ایسی سنت

نہیں ہے جسے لازماً کیا جائے کہ آدمی کو اس کیلئے خواہ قرضہ لینا پڑے، ایسی بات نہیں ہے یہ دعوت حیثیت کے مطابق ہونی چاہیے کہ اسلام میں بناوٹی ٹھاٹھ باٹھ کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

احکام ومسائل

مسئلہ (۱):۔۔۔۔ یہ عام حالات میں ہے جہاں عادتاً مہمانوں کا کھانے کے بعد دیر تک بیٹھے رہنا میزبان کیلئے تکلیف کا سبب ہو، خواہ اس لئے کہ وہ فارغ ہوکر اپنے دوسرے کاموں میں لگنا چاہتا ہے یا اس لئے کہ ان کو فارغ کر کے دوسرے مہمانوں کو کھلانا مقصود ہے اور جہاں حالات اور عادت سے یہ معلوم ہو کہ کھانے کے بعد مہمانوں کا دیر تک آپس کی باتوں میں مشغول رہنا میزبان کیلئے کسی پریشانی کا سبب نہیں وہ اس سے مستثنیٰ ہوگا، جیسا کہ آج کل کی پارٹیوں اور دعوتوں میں رواج ہوگیا ہے۔

آزادی میں خلل

اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيٖ مِنْكُمْ ۫ وَ اللّٰهُ لَا يَسْتَحْيٖ
بیشک تمہاری بات تھی اذیت پہنچاتی پیغمبر کو پس وہ شرم کرتا تھا سے تم اور اللہ نہیں شرم کرتا

مِنَ الْحَقِّ ؕ وَ اِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْـَٔلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ؕ
سے حق بات اور جب مانگو تم ان سے کوئی برتنے کی چیز تو مانگو ان سے سے باہر پردہ کے

ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَ قُلُوْبِهِنَّ ؕ
یہ زیادہ پاک رکھے گا تمہارے دلوں اور ان کے دلوں کو

بامحاورہ ترجمہ:۔ تمہاری اس بات سے پیغمبر کو تکلیف تھی پھر وہ تم سے شرم کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ ٹھیک بات بتلانے میں شرم نہیں کرتا، یعنی: اٹھ جانے کے حکم کے بارے میں اور جب (پیغمبر کی) بیویوں سے کچھ کام کی

چیز مانگنے جاؤ تو پردے کے باہر سے مانگ لو اس میں پاکیزگی ہے تمہارے دل اور ان کے دلوں کی۔

تفسیر

ارشاد ہے کہ: تمہارے بلاوجہ بیٹھے رہنے سے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تکلیف پہنچی مگر وہ شرم اور لحاظ کی وجہ سے تم سے کہہ نہیں سکے کہ اب چلے جاؤ تمہارے بیٹھنے سے مجھے تکلیف ہو رہی ہے، آپ کا تکلیف اٹھانا اور جس کی وجہ سے تکلیف ہو رہی ہے اس سے کچھ نہ کہنا اونچے درجہ کا اچھا اخلاق ہے، لیکن اللہ تعالیٰ تو ادب اور قاعدے سکھانے میں اس وجہ سے نہیں رُک سکتا کہ تمہیں نصیحت ناگوار گزرے گی، اسے حق بات کہنے میں کسی سے شرم کرنے اور کسی کی دل جوئی کرنے کی خاطر چپ رہنے کی کوئی ضرورت نہیں، ورنہ پھر تم اپنی عادتیں درست کیسے کرو گے۔

دیکھو! جب تم پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر والوں سے ضرورت کی کوئی چیز مانگو تو بیبا کی سے سامنے نہ چلے آیا کرو، بلکہ پردہ کے پیچھے سے مانگا کرو، اس سے تمہارے بھی دل صاف رہیں گے اور ان کے بھی دل صاف رہیں گے، یہ ہدایت اس لئے دی جا رہی ہے کہ تم سے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ذرا بھی تکلیف نہ پہنچے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے صحیح بخاری میں آیا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: پردے کی حقیقت سے میں سب سے زیادہ واقف ہوں، کیونکہ میں اس واقعہ میں حاضر تھا جبکہ حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا نکاح کے بعد رخصت ہو کر پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر میں داخل ہوئیں اور مکان میں آپ کیساتھ موجود تھیں، آپ نے ولیمہ کیلئے کچھ کھانا پکوایا اور لوگوں کو دعوت دی، کھانے کے بعد کچھ لوگ آپس میں باتیں کرنے کیلئے وہیں جم کر بیٹھ گئے، ترمذی کی روایت میں ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی وہیں تشریف فرما تھے اور ام المؤمنین حضرت زینب رضی اللہ عنہا بھی اسی جگہ موجود تھیں جو حیاء کی وجہ سے اپنا رُخ دیوار کی طرف پھیرے ہوئے بیٹھی تھیں، ان لوگوں کے اس طرح دیر تک بیٹھنے سے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تکلیف ہوئی، آپ گھر سے باہر تشریف لائے اور دوسری بیویوں کے پاس ملاقات و سلام کیلئے تشریف لے گئے، جب آپ پھر گھر میں واپس آئے تو یہ لوگ وہیں موجود تھے، آپ کے لوٹنے کے بعد ان لوگوں کو احساس ہوا تو پھر وہ چلے گئے، پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکان کے اندر تشریف لائے تو تھوڑا سا وقت گزرا تھا کہ

آپ پھر باہر تشریف لائے، میں وہیں موجود تھا، آپ نے یہ آیت جو اسی وقت اتری تھی پڑھ کر سنائی:

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُیُوْتَ النَّبِیِّ. (الآیۃ)

احکام مسائل

مسئلہ (۱):..... اس جملے سے مہمانوں کی خاطرداری کا کتنا بڑا اہتمام معلوم ہوا کہ اگرچہ مہمانی کے آداب سکھانا آپ کا فرض تھا، مگر اپنا مہمان ہونے کی حالت میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو بھی مناسب نہ جانا یہاں تک کہ خود اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ادب سکھانے کیلئے آیت اتار دی۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا احترام

وَ مَا کَانَ لَکُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَ لَآ اَنْ تَنْکِحُوْٓا

اور نہیں روا لئے تمہارے یہ کہ ستاؤ تم پیغمبر اللہ کے کو اور نہ یہ کہ نکاح کرو تم

اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖٓ اَبَدًا ؕ اِنَّ ذٰلِکُمْ کَانَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِیْمًا ﴿۵۳﴾

بیویوں ان کی سے بعد اس کے کبھی بیشک یہ ہے نزدیک اللہ کے بڑا گناہ (۵۳)

اِنْ تُبْدُوْا شَیْـًٔا اَوْ تُخْفُوْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ کَانَ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا ﴿۵۴﴾

اگر ظاہر کرو تم کوئی چیز یا چھپاؤ تم اسے پس تحقیق اللہ ہے ہر چیز کا جاننے والا (۵۴)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور تمہیں نہیں جائز کہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر کو تکلیف دو اور نہ یہ بات روا ہے کہ اس کے پیچھے ان کی بیویوں سے کبھی نکاح کرو، بیشک اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ بہت بڑے گناہ کی بات ہے۔ (۵۳) اگر تم کسی چیز کو کھول کر کہہ دو یا اسے چھپاؤ تو اللہ تعالیٰ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔ (۵۴)

تفسیر

مسلمانوں کو ہدایت کی گئی ہے کہ جب تم محمد ﷺ کو اللہ تعالیٰ کا پیغمبر مان چکے تو پھر اس بات کا کوئی موقعہ ہی نہیں رہتا کہ کوئی بات ایسی کی جائے جس سے آپ کو تکلیف پہنچے، یہ کام تو ان لوگوں کا ہے جو آپ کی پیغمبری کا انکار کر چکے اور باوجود کھلی نشانیوں اور دلیلوں کے ہٹ دھرمی پر اتر آئے، دیکھو! تمہارے لئے یہ بھی جائز نہیں کہ تم پیغمبر ﷺ کی وفات کے بعد ان کی بیویوں سے شادی کرو، اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمہاری یہ بات حد درجہ بُری ہے، پہلے ان کو اُمہات المؤمنین یعنی تمام مسلمانوں کی مائیں کہہ کر اس طرف اشارہ کر دیا تھا لیکن چونکہ بات نہایت اہم تھی؛ اس لئے صاف الفاظ میں اس سے منع کر دیا گیا اور آگے اس کی تاکید کیلئے فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ کے ہاں اسے بہت بڑا گناہ قرار دیا گیا ہے اور پھر فرمایا کہ: شادی کرنا کیسا، اس بات کو تو زبان سے بھی مت نکالو بلکہ اس کا خیال بھی دل میں نہ لاؤ کیونکہ اللہ تعالیٰ جیسے کھلی ہوئی باتوں کا جاننے والا ہے ایسے ہی وہ دل میں چھپی ہوئی باتوں کا بھی جاننے والا ہے، اس کو ہر بات کا علم ہے اس لئے اپنے خیالات بھی پاک وصاف رکھو۔

پیغمبر ﷺ کی وفات کے وقت آپ کے نکاح میں "۹" بیویاں تھیں، مگر اس آیت کی رُو سے کسی امتی نے ان میں سے کسی سے نکاح نہیں کیا، آپ کی دو لونڈیاں بھی تھیں، مگر ان سے بھی کسی نے نکاح نہیں کیا، کیونکہ ایسا کرنا پیغمبر ﷺ کو اذیت پہنچانا تھا۔

پردہ کے اور حکم

لَا جُنَاحَ عَلَيْهِنَّ فِيْٓ اٰبَآئِهِنَّ وَ لَآ اَبْنَآئِهِنَّ وَ لَآ اِخْوَانِهِنَّ

نہیں گناہ پر ان میں باپوں اپنے کے اور نہ بیٹوں اپنے کے اور نہ بھائیوں اپنے کے

وَ لَآ اَبْنَآءِ اِخْوَانِهِنَّ وَ لَآ اَبْنَآءِ اَخَوٰتِهِنَّ وَ لَا نِسَآئِهِنَّ وَ

اور نہ بیٹے بھائیوں اپنے کے اور نہ بیٹے بہنوں اپنی کے اور نہ عورتوں اپنی کے اور

لَا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ ۚ وَ اتَّقِيْنَ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدًا ﴿۵۵﴾

نہ وہ جن کے مالک ہوئے داہنے ہاتھ ان کے اور ڈرتی رہو اللہ سے بیشک اللہ ہے ہر چیز کا دیکھنے والا (۵۵)

بامحاورہ ترجمہ:۔عورتوں پر اپنے باپوں کے اور بیٹوں کے اور بھائیوں کے اور اپنے بھائی کے بیٹوں کے اور اپنی بہن کے بیٹوں کے اور اپنی عورتوں کے اور اپنی لونڈیوں باندیوں کے سامنے آنے میں کوئی گناہ نہیں، اور اے عورتو! اللہ تعالیٰ سے ڈرتی رہو بیشک اللہ تعالیٰ کے سامنے ہر چیز ہے۔(۵۵)

تفسیر

پہلے مردوں کو حکم ہوا تھا کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیویوں کے سامنے نہ آئیں، اس سے قریبی رشتہ دار بھی ڈر گئے، اس آیت میں اس بات کو صاف کردیا گیا اور بتلا دیا گیا کہ قریب کے رشتہ داروں کے سامنے عورتوں کا آنا منع نہیں ہے، باپ، بھائی، بھائی کے بیٹے، بہنوں کے بیٹے یا مسلمان عورتیں جو گھروں میں کام کاج کیلئے آتی جاتی ہیں اور اپنی مملوکہ لونڈیوں، باندیوں کے سامنے آنے میں کوئی حرج نہیں۔

آگے ارشاد ہے کہ: یہ تو خیالات کے روکنے کیلئے صرف ظاہری روک تھام ہے، اصل چیز اللہ تعالیٰ کا خوف ہے جس سے دل کی اصلاح ہوتی ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ سے ڈر کر ان حکموں کی پوری پوری پابندی کرو، کیونکہ اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز چھپی ہوئی نہیں۔

دُرود وسلام

اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ؕ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

بیشک اللہ اور فرشتے اس کے رحمت بھیجتے ہیں پر پیغمبر اے لوگو! جو ایمان لائے ہو

صَلُّوْا عَلَيْهِ وَ سَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ﴿٥٦﴾

رحمت بھیجو | پر اس | اور | سلام | بہت (۵۶)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے پیغمبر پر رحمت بھیجتے ہیں اے ایمان والو! تم بھی اس پر رحمت اور سلام بھیجو۔ (۵۶)

تفسیر

اس سے پہلے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آداب کا حکم ہوا اور بتایا گیا کہ خیال رکھو کہ! کوئی ایسی بات تم سے نہ ہونے پائے جس سے آپ کو تکلیف پہنچے، اس آیت میں اسی پر اضافہ ہے کہ مسلمانوں کو چاہئے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود و سلام بھیجا کریں، اس سے آپ کی محبت دل میں بڑھے گی اور درود بھیجنے میں اللہ تعالیٰ کی اور اس کے فرشتوں کی پیروی نصیب ہوگی۔

ارشاد ہے کہ: اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر رحمت بھیجتا ہے اور اس کے فرشتے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے اللہ تعالیٰ سے رحمت کی دعا کرتے رہتے ہیں، اے ایمان والو! تم بھی پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود و سلام بھیجو، "صحیح بخاری" کی حدیث ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے کہا، اے اللہ کے پیغمبر! سلام بھیجنے کا طریقہ تو ہمیں معلوم ہو گیا کہ "التحیات" میں "اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَ رَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهٗ" کہا کریں، درود کا طریقہ بھی بتادیجئے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: آخری قعدہ میں "التحیات" کے بعد مجھ پر درود بھیجو، اس کے بعد وہ درود سکھایا جو "التحیات" کے بعد آخری قعدہ میں پڑھا جاتا ہے۔

"صلوٰۃ" کے معنیٰ ہمارے واسطے یہی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر پر رحمت بھیجنے کی دعا مانگا کریں، اس کے فائدے بیشمار ہیں اور ایک دفعہ دل سے درود پڑھنے والے پر اللہ تعالیٰ دس بار رحمت بھیجتا ہے۔

"درود شریف" کی فضیلت

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود پڑھنے کی فضیلت بہت سی روایتوں میں آتی ہے، "مسند احمد" کی روایت میں ہے کہ

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: جو شخص پیغمبر ﷺ پر ایک دفعہ "صلوٰۃ وسلام" پڑھے گا میں اس پر دس رحمتیں اتاروں گا، دس غلطیاں معاف کروں گا اور دس درجے بلند کروں گا، دوسری حدیث میں آتا ہے کہ وہ شخص بخیل ہے جس کے سامنے میرا نام ذکر کیا جائے مگر وہ "درود" نہ پڑھے۔

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ: کسی ایک مجلس میں آپ کا نام کئی دفعہ ذکر کیا گیا ہو تو صرف ایک مرتبہ "درود" پڑھنے سے حق ادا ہو جائے گا، پھر بھی اگر بار بار پڑھے گا تو زیادہ بہتر ہے، ہر دعا کے اوّل و آخر میں بھی "درود شریف" پڑھنا چاہئے کہ یہ دعاؤں کے قبول ہونے کی نشانی ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روایت میں آتا ہے کہ: پیغمبر ﷺ نے فرمایا کہ: جب تک درود شریف نہ پڑھا جائے انسان کی دعا زمین اور آسمان کے درمیان لٹکی رہتی ہے، جب "درود شریف" پڑھا جاتا ہے تو پھر وہ اُوپر جا کر قبولیت کے درجہ کو پہنچتی ہے۔

مسجد میں داخل ہوتے وقت اور باہر نکلتے وقت بھی "درود شریف" پڑھنا مستحب ہے، "مسلم شریف" میں اذان کے متعلق آتا ہے کہ جب مؤذن اذان ختم کرے تو مجھ پر "درود" پڑھو اور دعائے وسیلہ مانگو، جو شخص اس پر عمل کرے گا اس کیلئے میری شفاعت ضروری ہو جائے گی، بعض لوگ "اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ" کے کلمہ پر "درود شریف" پڑھتے ہیں حالانکہ پیغمبر ﷺ کی تعلیم یہ ہے کہ وہی کلمہ دہراؤ۔

"ابن ماجہ شریف" کی روایت کے مطابق وضو کرنے کے بعد بھی "درود شریف" پڑھنا مستحب ہے، کتابیں لکھتے وقت ان کے اول و آخر میں "درود شریف" لکھنا بھی مستحب ہے، جب کوئی شخص رات کے وقت نیند سے اٹھے تو اس کیلئے بھی "درود شریف" پڑھنا مستحب ہے، امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ: حدیثوں سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ کسی مصیبت یا تکلیف کے وقت بھی "درود شریف" پڑھنا مستحب ہے، جتنا "درود شریف" گناہوں کو مٹاتا ہے اتنا پانی بھی آگ کو نہیں بجھاتا، "درود شریف" پڑھنا غلام آزاد کرنے سے بھی زیادہ افضل ہے، اللہ تعالیٰ کے نزدیک پیغمبر کیساتھ محبت وعقیدت رکھنا اللہ تعالیٰ کے راستے میں جان قربان کرنے سے بھی زیادہ افضل ہے، خاص طور پر جمعہ کے دن "درود شریف" پڑھنا زیادہ ثواب کا سبب ہے۔

مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے "زاد السعید" کے نام سے ایک چھوٹا سا رسالہ لکھا ہے جس میں

"درود شریف" کے چالیس قسم کے الفاظ نقل کئے ہیں، اگر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے روزے کے سامنے ہوں تو "اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْكَ یَارَسُوْلَ اللهِ" کہنا چاہئے، البتہ اگر دور سے پڑھیں تو پھر "اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی" پڑھنا چاہئے "اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ" والے الفاظ بھی درست ہیں کہ ان میں درود بھی ہے اور سلام بھی، اور دونوں کا اکٹھا کرنا زیادہ بہتر ہے، صرف "صلوٰۃ" پڑھنا یعنی "صَلَّی اللّٰهُ عَلَی النَّبِیِّ" بھی ٹھیک ہے، ان الفاظ کیساتھ بھی سلام پڑھ سکتے ہیں "اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَ عَلٰی اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَ بَارِكْ وَسَلِّمْ کَمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی مَدَدَ مَا تُحِبُّ وَ تَرْضٰی" اس میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم، آپ کے صحابہ اور اہل بیت کا ذکر بھی آ گیا۔

"درود شریف" ضرور پڑھو، زیادہ سے زیادہ پڑھو، مگر اس طریقے اور ان الفاظ کیساتھ جو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھائے اور صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے ان پر عمل کیا، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور فرشتوں پر بھی سلام بھیجنا درست ہے۔

جب صحابہ کا ذکر آئے تو "رضی اللہ عنہ" کہنا چاہئے اور عام مؤمنین اور بزرگوں کا ذکر ہو تو "رحمۃ اللہ علیہ" کہنا چاہئے یا "غفر اللہ" کہنا چاہئے۔

"صلوٰۃ وسلام" کے معنیٰ

لفظ "صلوٰۃ" عربی زبان میں چند معانی کیلئے استعمال ہوتا ہے، رحمت، دعا، مدح وثناء، آیتِ مذکورہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف جو "صلوٰۃ" کی نسبت کی گئی ہے اس سے مراد رحمت نازل کرنا ہے، اور فرشتوں کی طرف سے "صلوٰۃ" ان کا آپ کیلئے دعا کرنا ہے، اور عام مؤمنین کی طرف سے "صلوٰۃ" کا مفہوم دعا اور حمد وثناء کا مجموعہ ہے۔

"صلوٰۃ وسلام" کے ذکر کردہ طریقہ کی حکمت

جو طریقہ "صلوٰۃ وسلام" کا پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک اور آپ کے عمل سے ثابت ہو اس کا حاصل یہ

ہے کہ ہم سب مسلمان آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے اللہ تعالیٰ سے رحمت وسلامتی کی دعا کریں، یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیت کا مقصد تو یہ تھا کہ ہم آپ کے عزت واحترام کا حق خود ادا کریں، مگر طریقہ یہ بتلایا کہ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں، اس میں اشارہ اس طرف ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عزت واحترام کا پورا حق ادا کرنا ہم میں سے کسی کے بس میں نہیں، اس لئے ہم پر یہ لازم کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں۔

احکام ومسائل

مسئلہ (۱):..... اس پر سب علماء کا اتفاق ہے کہ جب کوئی پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر کرے یا سنے تو اس پر "درود شریف" واجب ہوجاتا ہے، کیونکہ حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذکر مبارک کے وقت "درود شریف" نہ پڑھنے پر وعید آئی ہے، "جامع ترمذی" میں ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: ذلیل ہو وہ آدمی جس کے سامنے میرا ذکر آئے اور وہ مجھ پر درود نہ بھیجے۔ (قال الترمذی هذا حديث حسن و رواه ابن السني باسناد جيد)

اور ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ: بخیل وہ شخص ہے جس کے سامنے میرا ذکر آئے اور وہ مجھ پر "درود" نہ بھیجے۔ (رواه الترمذی وقال حديث حسن صحيح)

مسئلہ (۲):..... اگر ایک مجلس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر مبارک بار بار آئے تو صرف ایک مرتبہ "درود شریف" پڑھنے سے واجب ادا ہوجاتا ہے، لیکن مستحب یہ ہے کہ جتنی بار ذکر مبارک خود کرے یا کسی سے سنے ہر مرتبہ "درود شریف" پڑھے، حضرات محدثین سے زیادہ کون آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر کرسکتا ہے کہ ان کا ہر وقت کا مشغلہ ہی حدیث کا پڑھنا، پڑھانا ہے، جس میں ہر وقت بار بار آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر آتا ہے، تمام محدثین کا طریقہ یہی رہا ہے کہ ہر مرتبہ "درود وسلام" پڑھتے اور لکھتے ہیں حدیث کی تمام کتابیں اس پر گواہ ہیں، انہوں نے اس کی بھی پرواہ نہیں کی کہ اس بار بار "صلوٰۃ وسلام" لکھنے سے کتاب کی موٹائی زیادہ ہوجائے گی، کیونکہ اکثر تو چھوٹی چھوٹی حدیثیں آتی ہیں جن میں ایک دو سطر کے بعد نام مبارک آتا ہے اور بعض جگہ تو ایک سطر میں ایک سے زیادہ مرتبہ نام مبارک ذکر ہوتا ہے، حضرات محدثین کہیں "صلوٰۃ وسلام" نہیں چھوڑتے۔

مسئلہ(۳):.... جس طرح زبان سے ذکر مبارک کے وقت زبانی "صلوٰۃ وسلام" واجب ہے، اسی طرح قلم سے لکھنے کے وقت "صلوٰۃ وسلام" کا قلم سے لکھنا بھی واجب ہے اور اس میں جو لوگ حروف کا اختصار کر کے (صلعم) لکھ دیتے ہیں اور بعض صرف چھوٹا (ؐ) لکھ دیتے ہیں یہ کافی نہیں، پورا "صلوٰۃ وسلام" لکھنا چاہئے۔

مسئلہ(۴):.... آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کے وقت افضل اور اعلیٰ اور مستحب تو یہی ہے کہ "صلوٰۃ وسلام" دونوں پڑھے اور لکھے جائیں، لیکن اگر کوئی شخص ان میں سے ایک، یعنی: صرف "صلوٰۃ" یا صرف "سلام" پر اکتفاء کرے تو اکثر فقہاء کے نزدیک کوئی گناہ نہیں، شیخ الاسلام نووی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے دونوں میں سے صرف ایک پر اکتفاء کرنا مکروہ فرمایا ہے، ابن حجر ہیثمی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ: علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ کی مراد مکروہ سے مکروہِ تنزیہی، یعنی: خلاف اولیٰ ہے اور علماء کا مسلسل عمل اس پر ہے کہ وہ دونوں ہی کو جمع کرتے ہیں اور بعض اوقات ایک پر بھی اکتفاء کر لیتے ہیں۔

مسئلہ(۵):.... لفظ "صلوٰۃ" پیغمبر علیہم السلام کے سوا کسی کیلئے استعمال کرنا اکثر علماء کے نزدیک جائز نہیں، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک پیغمبر کے سوا کسی کیلئے "صلوٰۃ" کا استعمال مستقلاً مکروہ ہے، امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے اصحاب کا بھی یہی مذہب ہے، البتہ تبعاً جائز ہے، یعنی: پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر "صلوٰۃ وسلام" کیساتھ آل واصحاب یا تمام مؤمنین کو شریک کرے اس میں مضائقہ نہیں۔

امام جوینی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ: جو حکم لفظ "صلوٰۃ" کا ہے وہی لفظ "سلام" کا بھی ہے کہ پیغمبر کے سوا کسی کیلئے اس کا استعمال درست نہیں، اس کے علاوہ کہ کسی کو خطاب کرنے کے وقت دعا کے طور پر "السلام علیکم" کہے یہ جائز ومسنون ہے، مگر کسی غائب کے نام کیساتھ "علیہ السلام" کہنا اور لکھنا پیغمبر کے سوا کسی کیلئے درست نہیں۔

تکلیف پہنچانا

اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَ

بیشک | وہ لوگ جو | اذیت دیتے ہیں | اللہ | اور | پیغمبراسکے کو | لعنت کی ان پر | اللہ نے | میں | دنیا | اور

الْاٰخِرَةِ وَاَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴿۵۷﴾ وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ

آخرت اور تیار کیا لئے ان کے عذاب ذلت کا (۵۷) اور جو اذیت دیتے ہیں مؤمن مردوں کو

وَ الْمُؤْمِنٰتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَّ

اور مؤمن عورتوں کو بغیر اس کے کہ کمایا انہوں نے گناہ پس بوجھ اٹھایا انہوں نے جھوٹ باندھنے کا اور

اِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿۵۸﴾ ع ۶

گناہ کا کھلا (۵۸)

بامحاورہ ترجمہ:۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ کو اور اس کے پیغمبر کو ستاتے ہیں انہیں اللہ تعالیٰ نے دنیا میں اور آخرت میں پھٹکار دیا اور ان کے واسطے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔(۵۷) اور جو لوگ مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں بغیر گناہ کئے تو انہوں نے جھوٹ کا اور کھلے گناہ کا بوجھ اٹھایا۔(۵۸)

تفسیر

پہلی آیتوں میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تکلیف دینے اور اذیت پہنچانے سے منع کیا گیا اور بعض ان باتوں سے روکا گیا جن سے آپ کو یقیناً دکھ پہنچتا تھا یا دکھ پہنچنے کا اندیشہ تھا، اس آیت میں اوروں کو دکھ دینے اور ستانے والوں کو عام طور پر ڈرایا گیا ہے اور ان کی سزا بیان کی گئی ہے۔

ارشاد ہے کہ: جو لوگ قرآن کریم پر عمل نہیں کرتے اور اللہ تعالیٰ اور اس کے پیغمبر کو ستاتے ہیں، ان اللہ تعالیٰ کو ستانے والوں پر اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دکھ پہنچانے والوں پر اللہ تعالیٰ نے دنیا اور آخرت میں لعنت فرمائی ہے اور یہ کہ ان کیلئے دنیا اور آخرت میں عذاب تیار کر رکھا ہے جو انہیں ذلیل و خوار کر کے چھوڑے گا، اور اسی طرح جو لوگ بے گناہ مسلمان مردوں اور عورتوں کو ستاتے ہیں اور ان پر خواہ مخواہ تہمت لگا کر انہیں دکھ پہنچاتے ہیں، انہوں نے ایک تو جھوٹ کا الزام اور دوسرے کھلم کھلا تہمت کا گناہ انہوں نے اپنے سر لیا، ان دونوں کا بوجھ ان کی گردن پر ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰہَ: بیشک وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کو تکلیف پہنچاتے ہیں، اللہ تعالیٰ تو قدرت رکھنے والا ہے بھلا اسے کون تکلیف پہنچا سکتا ہے؟، یہاں پر تکلیف کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی شان میں کوئی گستاخی کی جائے، مثلاً: جو شخص کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی بیٹا بنالیا ہے، یا اللہ تعالیٰ کی بیوی ہے، یا اس کی اولاد ہے، یا اس کا کوئی شریک ہے، تو اس نے گویا اللہ تعالیٰ کو تکلیف پہنچائی، ایک حدیث میں یوں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: آدم کے بیٹے نے مجھے تکلیف پہنچائی ہے حالانکہ اس کو اس کا حق نہیں تھا، اور پھر اس بات کی تشریح اس طرح کی کہ لوگ حالات کو زمانے کی طرف منسوب کرتے ہیں کہ زمانہ خراب ہے، حالانکہ زمانہ تو میرے اختیار اور قبضے میں ہے، میں جس طرح چاہوں کروں، اس میں زمانے کا کیا قصور ہے؟ نیز فرمایا کہ: انسان مجھے جھٹلاتے ہیں اور کہتے ہیں خدا دوبارہ زندہ نہیں کرے گا اور قیامت نہیں آئے گی، اس طرح لوگ مجھے اذیت پہنچاتے ہیں اور یہ کہنا کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں، اس قسم کی باتیں کرنا اللہ تعالیٰ کو اذیت پہنچانا ہے۔

وَرَسُوْلَهٗ: اور اس کے پیغمبر کو تکلیف پہنچاتے ہیں، پیغمبر کو اذیت پہنچانے کی صورت یہ ہے کہ اس کی پیغمبری کا انکار کیا جائے، آپ کی لائی ہوئی کتاب کو جھٹلایا جائے، آپ کے لائے ہوئے دین اور آپ کی سنت کی مخالفت کی جائے، اسی طرح آپ ﷺ کی شان میں گستاخی کرنا تکلیف پہنچانے کی بلکہ کفر کی بات ہے، قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے مشرکوں اور کافروں کا حال بیان کیا ہے، کوئی آپ کو شاعر کہتا، کوئی مجنون اور کوئی (نعوذ باللہ) جھوٹا کہتا، یہ سب تکلیف پہنچانے کی باتیں ہیں، بعض عیسائیوں اور یہودیوں نے پیغمبر ﷺ کی سیرت پاک کو داغدار کرنے کی کوشش کی ہے اور اس سلسلہ میں چھ لاکھ سے زیادہ کتابیں لکھی ہیں، آپ کی بیویوں پر اعتراض کیا اور بیویوں کی تعداد کو نشانہ بنایا۔

یہاں پر اللہ تعالیٰ نے اللہ اور اس کے پیغمبر کو تکلیف پہنچانے کا ذکر کیا ہے اور فرمایا ہے کہ: جو لوگ ایسا کرتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان پر دنیا اور آخرت میں پھٹکار بھیجی ہے، ایسے لوگ لعنتی ہیں، وہ دنیا میں بھی رسوا ہوں گے اور آخرت میں بھی سخت عذاب میں مبتلا ہوں گے، دنیا میں تو مسلمانوں کی جماعت ان کا مقابلہ کر کے انہیں

ذلیل وخوار کرے گی اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کی پکڑ میں آئیں گے، بیشک اللہ تعالیٰ نے ان کیلئے ذلّت ناک عذاب تیار کر رکھا ہے، جس میں مبتلا ہو کر ہمیشہ کیلئے ناکام ونامراد ہو جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ اور اس کے پیغمبر کو اذیت پہنچانے کا ذکر کرنے کے بعد عام مؤمنین کے متعلق بھی فرمایا: اور وہ لوگ جو مؤمن مردوں اور مؤمن عورتوں کو تکلیف پہنچاتے ہیں اور وہ بھی بغیر ان کے گناہ کے یعنی ناحق، ایک مؤمن کا دوسرے مؤمن کو تکلیف پہنچانا جبکہ اس کے وجہ بھی کوئی نہ ہو نہایت ہی بری بات ہے، ترمذی شریف کی روایت میں مؤمن کی تعریف اس طرح کی گئی ہے: مؤمن حقیقت میں وہ ہے کہ لوگ اپنی جانوں اور مالوں میں اس سے امن میں ہوں، مطلب یہ کہ کسی مؤمن کو دوسرے مؤمن سے کوئی خطرہ نہ ہو کہ وہ اس کی جان و مال کے درپے ہے، مؤمن کی ایک صفت یہ بھی بیان کی گئی ہے: مؤمن وہ ہے جو اپنی شرارتوں سے اپنے پڑوسی کو تکلیف نہیں پہنچاتا۔

اگر کسی مرد یا عورت نے واقعی کوئی جرم کیا ہے تو اس کی سزا دلائی جائے، کسی بے گناہ مرد یا عورت کو کسی قسم کی تکلیف پہنچانا سخت گناہ کی بات ہے، یہ تکلیف خواہ گالی گلوچ کے ذریعے سے پہنچائی جائے یا مار پیٹ یا تہمت لگا کر، ایسا کرنے والوں کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا: انہوں نے بہت بڑے بہتان کا بوجھ اٹھایا ہے، جھوٹ باندھا ہے اور بہت کھلا گناہ کیا ہے۔

بہانہ بازوں کا علاج

يَاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَ بَنٰتِكَ وَ نِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ

اے | پیغمبر | کہہ دیجئے | بیویوں کو اپنی | اور | بیٹیوں اپنی کو | اور | عورتوں | مسلمانوں کی کو

يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ؕ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا

کہ لٹکا لیں | اوپر اپنے | سے | چادروں اپنی | یہ | قریب تر ہے اسکے | کہ | پہچانی جائیں | پھر نہ

يُؤْذَيْنَ ۗ وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۵۹﴾

ستایا جائے انہیں اور ہے اللہ بخشنے والا مہربان (۵۹)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اے پیغمبر! اپنی بیویوں اور اپنی بیٹیوں اور مسلمانوں کی عورتوں سے کہہ دیجئے کہ اپنے چہروں پر تھوڑی سی اپنی چادریں نیچی لٹکالیں، یہ اس سے بہت قریب ہے کہ پہچانی جائیں (کہ یہ مسلمان عورتیں ہیں) تو کوئی انہیں نہ ستائے اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔(۵۹)

لفظی تحقیق: يُدْنِيْنَ: لٹکالیں، مضارع کا صیغہ ہے، "اِدْنَاءٌ" سے جو (د،ن،و) سے بنا ہے، "دُنُوٌّ" کے معنی قریب آنا، "اِدْنَاءٌ" قریب کرنا، یہاں اس سے مراد چہرہ اور سر پر چادر نیچے تک لٹکالینا ہے۔

جَلَابِيْبِ: چادریں، جلباب کی جمع ہے، جو اس چادر کو کہتے ہیں جو لباس کے اوپر اوڑھی جائے، تاکہ لباس اور بدن دونوں چھپ جائیں۔

تفسیر

مسلمانوں کی عورتوں کو یہاں تک کہ پیغمبر ﷺ کی بیویوں کو بھی ضرورت کے وقت باہر نکلنا پڑتا تھا، منافق لوگ ایسے موقعوں کی تاک میں رہتے اور عورتوں کو چھیڑتے اور جب انہیں ڈانٹا جاتا تو کہتے کہ ہم نے سمجھا کہ کوئی لونڈی یا باندی ہوگی، ان کے اس بہانے کا علاج کرنے کیلئے ارشاد ہوا کہ آپ ﷺ کی بیویاں اور بیٹیاں اور عام مسلمان عورتوں کیلئے ضروری ہے کہ ضرورت کے وقت باہر جاتے وقت چادر کا ایک حصہ سر اور چہرہ پر نیچے تک لٹکالیا کریں، تاکہ لونڈیوں باندیوں میں اور ان میں فرق کرنا آسان ہوجائے کیونکہ لونڈیاں باندیاں اپنے آقا کی خدمت میں لگی رہتی ہیں اس لئے کام کاج کیلئے ان کو باہر نکلنے اور چہرہ وغیرہ کھولنے کی ضرورت پڑتی ہے، اور منافقوں کو یہ کہنے کا موقعہ نہ ملے کہ ہم نے یہ نہ سمجھا تھا کہ یہ کوئی شریف عورت ہے، اس لئے اپنی طرف سے یہ احتیاط برتنی چاہئے کہ سر اور چہرہ پر چادر نیچے تک لٹکالیں، چنانچہ اس پر عمل ہوا اور سوا ایک آنکھ کے سارا چہرہ ڈھکا جانے لگا۔

شانِ نزول

ان آیتوں میں پیغمبر کے گھر والوں کی عزت واحترام کے طور پر ان کو پردے کا حکم دیا گیا ہے، صحیح حدیث میں آتا ہے کہ آپ کی بیویاں رات کے وقت قضائے حاجت کیلئے گھروں سے باہر جاتی تھیں کیونکہ اس زمانے میں گھروں میں بیت الخلاء کا انتظام نہیں ہوتا تھا، بعض دوسری ضرورتوں کیلئے بھی گھر سے باہر جانا پڑتا تھا، چونکہ اس وقت منافق لوگوں کی طرف سے عورتوں کیساتھ چھیڑ چھاڑ کا خطرہ تھا؛ اس لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ منافقوں کی طرف سے بدسلوکی سے بچنے کیلئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیویوں کو باپردہ باہر نکلنا چاہئے، چنانچہ ۵ ھ میں اللہ تعالیٰ نے پردے کے حکم اتار دیئے، اس کے بعد پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عورتوں سے فرمایا کہ: تم اپنی حاجتوں کیلئے باہر جاسکتی ہو لیکن پردے کیساتھ، تاکہ کوئی بداخلاقی کا واقعہ نہ پیش آئے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کی بیویوں، بیٹیوں کو اور مسلمانوں کی عورتوں کو پردے کا حکم دیا گیا۔

پردے کے متعلق پہلے اسی سورۃ کے چوتھے رکوع میں گزر چکا ہے کہ آپ کی بیویاں گھروں میں رہیں اور جاہلیت کے زمانے کی طرح کھلے عام بے پردہ نہ پھریں، اس وقت بھی شریف عورتیں جلابیب، یعنی: بڑی چادریں استعمال کرتی تھیں، جس سے سارا جسم ڈھانپ لیا جاتا تھا اور جسمانی اونچ نیچ نظر نہیں آتی تھی، برقع بھی اسی مقصد کیلئے استعمال کیا جاتا ہے، بہرحال مقصد پردہ ہے خواہ برقع پہن کر ہو یا بڑی چادر لے لی جائے۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان مبارک ہے کہ: عورت کا سارا جسم ستر ہے، جب وہ باہر نکلتی ہے تو شیطان لوگوں کو متوجہ کرتا ہے، لہٰذا عورتوں کو بھڑکیلا لباس پہن کر باہر جانے سے منع کیا گیا ہے، حتیٰ کہ اگر وہ نماز کیلئے بھی جائیں تو سادہ لباس پہن کر نکلیں اور زیور نہ پہنیں، نہ خوشبو لگائیں، یہی چیزیں فتنے کا سبب بنتی ہیں، لہٰذا ان سے منع کیا گیا ہے، عورتوں کی پردہ داری کی خاطر ان پر نہ جمعہ فرض کیا گیا ہے اور نہ عید کی نماز واجب ہے، عام نمازوں میں بھی ان کیلئے جماعت کی پابندی نہیں کہ وہ ضرور مسجد میں ہی جا کر نماز ادا کریں، بلکہ ان کا نماز باجماعت کیلئے مسجد میں جانا مکروہ ہے، عورتوں کیلئے گھر میں نماز ادا کرنا زیادہ افضل ہے۔

اس آیت سے ان لوگوں کے اس غلط نظریہ کی بھی تردید ہوتی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صرف ایک ہی بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا تھی، لفظ "بَنٰتِكَ" بنت کی جمع ہے، جس کا مطلب ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کئی بیٹیاں تھیں، پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چار بیٹیاں تھیں جن کے نام زینب رضی اللہ عنہا، رقیہ رضی اللہ عنہا، ام کلثوم رضی اللہ عنہا اور سب سے چھوٹی بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہا ہیں۔

چونکہ آوارہ لوگ آزاد عورتوں کو چھیڑنے کی ہمت ان کی خاندانی وجاہت وحمایت کی وجہ سے نہ کرتے تھے، باندیوں کو چھیڑتے تھے، بعض اوقات باندیوں کے دھوکے میں آزاد عورتوں کو بھی چھیڑنے لگتے تھے، اس لئے اس آیت نے آزاد عورتوں اور باندیوں میں فرق کرنے کیلئے بھی اور اس لئے بھی کہ سر اور گردن وغیرہ ستر میں داخل ہے، پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیویوں، بیٹیوں اور عام مسلمانوں کی بیویوں کو یہ حکم دیا کہ لمبی چادریں پہن کر نکلیں، جس کو سر سے کچھ نیچے چہرے پر لٹکا لیا کریں، جسے اردو میں گھونگٹ کرنا کہتے ہیں، اس حکم سے شرعی پردہ کے حکم کی تعمیل بھی ہو جائے گی اور بہت سہولت کیساتھ آوارہ لوگوں سے حفاظت بھی ہو جائے گی۔

لونڈی کا شرعی پردہ وہ ہے جو آزاد عورتوں کا اپنے محرموں کے سامنے ہوتا ہے کہ مثلاً: چہرہ وغیرہ کھلا رکھنا جو آزاد عورت کیلئے اپنے محرموں کے سامنے جائز ہے، لونڈیوں کیلئے باہر بھی اس کی اجازت اس لئے دی گئی ہے کہ ان کا کام ہی اپنے آقا اور اس کے گھر کی خدمت ہے، جس میں اس کو باہر بھی بار بار نکلنا پڑتا ہے اور چہرہ اور ہاتھ چھپا کر رکھنا مشکل ہوتا ہے، بخلاف آزاد عورتوں کے کہ ان کو کسی ضرورت سے باہر نکلنا بھی پڑے تو کبھی کبھی ہوگا جس میں پورے پردہ کرنا مشکل نہیں، اس لئے آزاد عورتوں کو یہ حکم دیا گیا کہ وہ لمبی چادر جس میں پورا بدن چھپا کر نکلتی ہیں اس کو اپنے سر پر سے چہرے کے سامنے لٹکا لیا کریں، تاکہ چہرہ اجنبی مردوں کے سامنے نہ آئے، اس سے ان کا پردہ بھی مکمل ہو گیا اور لونڈیوں سے فرق بھی ہو گیا، جس کے سبب وہ آوارہ لوگوں کی چھیڑ چھاڑ سے خود بخود محفوظ ہو جائیں گی اور لونڈیوں کی حفاظت کا انتظام ان منافقوں کو سزا کی وعید سنا کر کیا گیا کہ اس سے باز نہ آئے تو اللہ تعالیٰ ان کو دنیا میں بھی اپنے پیغمبر اور مسلمانوں کے ہاتھوں سزا دلوائیں گے اور آخرت میں ان کیلئے رُسوا کرنے والا عذاب ہے۔

ضروری تنبیہ! اس آیت میں آزاد عورتوں کو چہرے کے پردہ کی ہدایت فرمائی کہ چادر کو سر کے اوپر سے لٹکا کر چہرے کو چھپالیں، تا کہ ان کا عام لونڈیوں سے فرق ہوجائے اور یہ آوارہ لوگوں کے فتنہ سے خود بخود محفوظ ہوجائیں، اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اسلام نے عصمت وعفت کی حفاظت میں آزاد عورتوں اور لونڈیوں کے درمیان کوئی فرق کردیا کہ عورتوں کی حفاظت کرائی اور لونڈیوں کو چھوڑ دیا، بلکہ حقیقت میں فرق آوارہ لوگوں نے خود کررکھا تھا کہ آزاد عورت پر ہاتھ ڈالنے کی تو جرأت و ہمت نہیں کرتے تھے، مگر لونڈیوں کو چھیڑتے تھے، اسلام نے ان کے اختیار کئے ہوئے طرزِ عمل سے یہ فائدہ اٹھایا کہ عورتوں کی اکثریت تو خود انہی کے طرزِ عمل کی ذریعہ خود بخود محفوظ ہوجائے، باقی رہا لونڈیوں کا معاملہ سوان کی عصمت کی حفاظت بھی اسلام میں ایسی ہی فرض وضروری ہے جیسی آزاد عورتوں کی، مگر اس کیلئے سخت قانون اختیار کئے بغیر چارہ نہیں، تو اگلی آیت میں اس کا قانون بتلادیا کہ جو لوگ اپنی اس حرکت سے باز نہ آئیں گے ان کو کسی طرح معاف نہ کیا جائے گا، بلکہ جہاں ملیں گے پکڑے جائیں گے اور قتل کردیئے جائیں گے، اس حکم نے لونڈیوں کی عصمت کو بھی آزاد عورتوں کی طرح محفوظ کردیا۔

وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا: اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے، مطلب یہ کہ اگر پردے کی پابندی کرنے کے باوجود کچھ کوتاہی رہ جائے تو اللہ تعالیٰ معاف کردے گا، اللہ تعالیٰ کے حکم کی پابندی کا جذبہ ہونا چاہئے، نیت نیک ہے تو اللہ تعالیٰ بلاوجہ کسی کی پکڑ نہیں کرتا۔

بدمعاشوں کی جھڑکی

لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ الْمُنٰفِقُوْنَ وَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّ
البتہ اگر | نہ | باز آئیں | منافق لوگ | اور | وہ | میں | دلوں جن کے | مرض ہے | اور

الْمُرْجِفُوْنَ فِي الْمَدِيْنَةِ لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ ثُمَّ لَا يُجَاوِرُوْنَكَ فِيْهَآ
گپیں اڑانے والے | میں | مدینہ | تو البتہ چھوڑینگے ہم آپکو | پر ان | پھر | نہ | ساتھ رہ سکیں گے آپکے | میں اس

اِلَّا قَلِيْلًا ﴿٦٠﴾ مَّلْعُوْنِيْنَ ۚ اَيْنَمَا ثُقِفُوْٓا اُخِذُوْا وَ قُتِّلُوْا تَقْتِيْلًا ﴿٦١﴾

مگر کچھ دن (۶۰) پھٹکارے ہوئے جہاں کہیں پائے جائینگے پکڑے جائینگے اور مارے جائینگے حکماً (۶۱)

بامحاورہ ترجمہ:۔ البتہ اگر منافق اور وہ لوگ جن کے دلوں میں شہوت پرستی کی بیماری ہے اور مدینہ میں جھوٹی خبریں اڑانے والے باز نہ آئے تو ہم آپ کو ان پر مسلط کر دیں گے، پھر وہ اس شہر (مدینہ) میں آپ کیساتھ سوا تھوڑے دن کے نہ رہنے پائیں گے۔(۶۰) پھٹکارے ہوئے جہاں کہیں پائے گئے پکڑے جائیں گے جان سے مارے جائیں گے۔(۶۱)

لفظی تحقیق: نُغْرِيَنَّ: مسلّط کردیں گے ہم۔ مضارع با تاکید ہے، اِغْرَاءٌ سے غَرْیٌ: زور، اِغْرَاءٌ: زور دینا، اکسانا، مسلط کرنا۔ يُجَاوِرُوْنَ: پڑوس میں رہیں گے۔ مضارع کا صیغہ ہے، مجاورةٌ سے جو (ج،و،ر) سے بنا ہے، جوار: قرب، نزدیکی، مجاوَرَةٌ: پڑوس میں رہنا۔

تفسیر

پہلے ارشاد ہوا کہ: احتیاط اس میں ہے کہ شریف عورتیں باہر نکلیں تو چہرہ، سر، بدن، لباس، چادر سے چھپا کر نکلیں، اس پر بھی اگر آوارہ لوگ باز نہ آئے تو ضرور ان کے ایمان میں خامی ہے، یا وہ صرف دکھاوے کے مسلمان ہیں یا پھر ان کے دل میں بیماری ہے، ان سے اور نیز ان سے جو وحشت ناک خبریں یا فحش باتیں شہر میں لوگوں کو پریشان کرنے یا ان کے اخلاق خراب کرنے کیلئے پھیلاتے ہیں، کہہ دو کہ اے پیغمبر ہم آپ کو انہیں سزا دینے کیلئے مقرر کر دیں گے، یا تو آپ ان کو شہر سے باہر نکال دیں گے یا پھر اگر وہ رہے بھی تو زیادہ دن نہ رہیں گے اور ان تھوڑے دنوں میں بھی ہر طرف سے ان پر پھٹکار پڑتی رہے گی، یہ نہ ہوگا کہ آزادی کیساتھ دندناتے پھریں اور شریف لوگوں کے ناک میں دم کرتے رہیں، ان کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر پکڑا جائے گا اور جب پکڑے جائیں گے تو اسی وقت سزا ملے گی، ان کیلئے بس یہی قانونی سزا ہوگی کہ فوراً انہیں جان سے مار دیا جائے، ان کو معلوم ہونا چاہئے کہ

معائنة اعتقد البيان ٢٠٠٧ ٢

عورتوں کا چھیڑنا اور ستانا انتہا درجے کی بدمعاشی ہے، خواہ وہ آزاد عورت ہو یا لونڈی باندی۔

امام ابوبکر جصاص رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: یہ تعزیری قانون کی طرف اشارہ ہے، بعض جرموں کی سزائیں تو اللہ تعالیٰ نے مقرر کردی ہیں کہ اس سے کم یا زیادہ سزا نہیں دی جاسکتی ان کو حدود کہا جاتا ہے، مگر تعزیری قانون میں سزا کی حد بندی نہیں کی گئی، بلکہ اسے مسلمان حاکم کی صوابدید پر چھوڑ دیا گیا ہے کہ وہ جرم کی نوعیت کو دیکھتے ہوئے سزا دے، تعزیرات میں معمولی سزا سے لیکر موت تک کی سزا دی جاسکتی ہے، قاضی کسی مجرم کو قید کی سزا دے سکتا ہے یا ملک سے نکالنے کا حکم دے سکتا ہے یا مجرم کو کوڑے لگوا سکتا ہے، یہاں پر "مُرْجِفُوْنَ" کا لفظ خاص طور پر توجہ طلب ہے، قوم کا حوصلہ پست کرنے کیلئے امن کا زمانہ ہو یا جنگ کا جھوٹی خبریں، یعنی: افواہیں پھیلانا دشمن کا ہمیشہ سے حربہ رہا ہے، یہاں پر چونکہ پردے کے حکم کا بیان ہو رہا ہے تو اس مقام پر "مُرْجِفُوْنَ" سے مراد بے حیائی اور فحاشی کی جھوٹی خبریں پھیلانے والے بھی ہوسکتا ہے۔

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ: تعزیری طور پر ان کے سر قلم کئے جاسکتے ہیں جو لوگ معاشرے میں فحاشی، بے حیائی اور بد اخلاقی پھیلاتے ہیں، وہ کسی ہمدردی کے لائق نہیں، انہیں سخت ترین سزا ملنی چاہئے، اس آیت میں ان لوگوں کو قید یا قتل کی سزا سنائی گئی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ معاملہ منافقوں کا تھا جو اپنے آپ کو مسلمان کہتے تھے اور جب کوئی مسلمان اسلام کے حکموں کی کھلی مخالفت اور انکار کرنے لگے تو شرعاً وہ مرتد ہے، اس کیساتھ شریعت میں کوئی مصلحت (کمپرومائز) نہیں کیا جائے گا، سوائے اس کے کہ وہ توبہ کرکے مسلمان ہوجائے اور اسلام کو دل و جان سے مان لے، ورنہ پھر اس کو قتل کیا جائے گا جیسا کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واضح ارشادات سے ثابت ہے۔

قاعدہ یہی ہے

سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ۚ وَ لَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ

دستور اللہ کا میں بارے ان لوگوں جو گزرے پہلے اور ہرگز نہ پائیں آپ دستور اللہ کا

تَبۡدِيۡلًا ﴿۶۲﴾ يَسۡـَٔلُكَ النَّاسُ عَنِ السَّاعَةِ ؕ قُلۡ اِنَّمَا عِلۡمُهَا عِنۡدَ
کوئی تبدیلی (۶۲) پوچھتے ہیں آپ سے لوگ بارے قیامت کے آپ کہہ دیجئے بس علم اس کا پاس ہے

اللّٰهِ ؕ وَ مَا يُدۡرِيۡكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ تَكُوۡنُ قَرِيۡبًا ﴿۶۳﴾
اللہ کے اور کس نے خبر دی آپ کو شاید وہ گھڑی ہو نزدیک (۶۳)

بامحاورہ ترجمہ: دستور بنا ہوا ہے اللہ تعالیٰ کا ان لوگوں کے بارے میں جو پہلے گزر چکے ہیں اور آپ اللہ تعالیٰ کے دستور میں کوئی تبدیلی نہیں دیکھیں گے، لوگ آپ سے قیامت کا پوچھتے ہیں، آپ کہیے! اس کی خبر اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے اور آپ کیا جانیں شاید وہ گھڑی قریب ہی ہو۔ (۶۳)

لفظی تحقیق: يُدْرِيْ: بتائے۔ مضارع کا صیغہ ہے، اِدْرَاءٌ سے جو (د، ر، ی) سے بنا ہے، "دَرْيٌ" کے معنیٰ جاننے کے ہیں، "اِدْرَاءٌ" اس کا متعدی ہے، یعنی: جتانا، "مَا يُدْرِيْكَ: تجھے کیا خبر۔

تفسیر

اس آیت میں ارشاد ہے کہ: ہمارا پرانا طریقہ یہی چلا آرہا ہے کہ سرکش لوگ جب حد سے زیادہ سر اٹھاتے ہیں اور کسی شرارت سے باز نہیں آتے تو دنیا میں امن وامان قائم کرنے کی خاطر ہم اپنے نیک بندوں کی مدد کرتے ہیں اور ان کے ذریعے سرکشوں کو ختم کر دیتے ہیں، اللہ تعالیٰ جو قاعدہ مقرر کر دیتا ہے پھر اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوسکتی، ان لوگوں کو قیامت سے ڈرایا جاتا ہے تو ڈھیٹ بن کر پوچھتے ہیں وہ تمہاری قیامت آئے گی کب؟ ان کے مذاق کی پرواہ کئے بغیر آپ ان سے کہہ دیں کہ اس کا علم تو اللہ تعالیٰ ہی کو ہے، کیا خبر وہ قریب ہی آگئی ہو، کوئی ذریعہ نہیں جس سے اس کے نزدیک یا دور ہونے کا پتہ لگے۔

اس آیت میں "مَا يُدْرِيْكَ" کے الفاظ ہیں جس کا معنیٰ ہے کہ آپ کو کس نے بتلایا، بعض جگہوں پر اسی کے ہم معنیٰ الفاظ "مَآ اَدْرٰكَ" بھی آتے ہیں، جیسے سورۃ القدر میں ہے "وَمَآ اَدْرٰكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ" اور آپ

کو کیا معلوم کہ شب قدر کیا چیز ہے؟ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ: جس چیز کے متعلق "یُدْرِیْكَ" آتا ہے، وہاں اس چیز کو ظاہر نہیں کیا جاتا اور جہاں "اَدْرٰكَ" استعمال ہوتا ہے وہاں بات کی وضاحت کر دی جاتی ہے، امام سفیان ابن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ جو امام اعظم امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے استاد ہیں، وہ بھی اس حقیقت کی تصدیق کرتے ہیں، چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے قیامت کیساتھ "یُدْرِیْكَ" کا لفظ استعمال کیا ہے تو اس کی تفصیل نہیں بتائیں، مگر "لیلۃ القدر" کیلئے "اَدْرٰكَ" استعمال کیا ہے تو آگے کچھ تفصیل بھی بتائی ہے کہ "لیلۃ القدر" ایک ہزار مہینے سے بہتر ہے اور اس میں "روح الامین" اور فرشتے اترتے ہیں وغیرہ۔

کافروں کا انجام

اِنَّ اللّٰهَ لَعَنَ الْكٰفِرِيْنَ وَ اَعَدَّ لَهُمْ سَعِيْرًا ﴿۶۴﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ

بیشک اللہ نے لعنت کی کافروں پر اور تیار کی لئے ان کے دہکتی آگ (۶۴) رہیں گے میں اُسی

اَبَدًا ۚ لَا يَجِدُوْنَ وَلِيًّا وَّ لَا نَصِيْرًا ﴿۶۵﴾ يَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوْهُهُمْ

ہمیشہ نہ پائیں گے حمایتی اور نہ مددگار (۶۵) جس دن اوندھے کئے جائینگے چہرے ان کے

فِى النَّارِ يَقُوْلُوْنَ يٰلَيْتَنَآ اَطَعْنَا اللّٰهَ وَ اَطَعْنَا الرَّسُوْلَا ﴿۶۶﴾

میں آگ کہیں گے اے کاش اطاعت کی ہوتی ہم نے اللہ کی اور اطاعت کی ہوتی ہم نے پیغمبر کی (۶۶)

بامحاورہ ترجمہ: بیشک اللہ تعالیٰ نے پھٹکار دیا ہے کافروں کو اور ان کیلئے دہکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے۔ (۶۴) رہا کریں ہمیشہ اسی میں نہ کوئی حمایتی پائیں اور نہ کوئی مددگار۔ (۶۵) جب وہ چہروں کے بل آگ میں اوندھے ڈالے جائیں گے (کبھی اس کروٹ کبھی اس کروٹ الٹ پلٹ کئے جائیں گے۔) کہیں گے کیا اچھا ہوتا کہ ہم نے اللہ تعالیٰ اور اس کے پیغمبر کی اطاعت کی ہوتی۔ (۶۶)

تفسیر

اللہ تعالیٰ کا انکار کرنے والوں کو اس آیت میں سخت تنبیہ کی گئی ہے اور ان کے انجام سے ڈرایا گیا ہے، ارشاد ہے کہ: اس میں ذرا بھی شک کی گنجائش نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو جو اسے نہیں مانتے، اچھی باتوں سے دور پھینک دیا ہے، ان سے وہ ناراض ہے اور ان کیلئے دہکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے جس میں انہیں داخل کیا جائے گا۔

یاد رکھو! ایک دن ایسا آنے والا ہے کہ آگ میں ان کو اوندھے منہ ڈال کر ان کے چہرے الٹ پلٹ کئے جائیں گے، اس دن ان کی حسرت کا کیا ٹھکانہ ہے، ان کے دل کی تہہ سے ایک چیخ نکلے گی کہ کاش ہم نے دنیا میں اللہ تعالیٰ کا اور اس کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا کہنا مانا ہوتا تو آج یہ بُرا دن دیکھنا نہ پڑتا اور جنت کے اندر آرام و آسائش کی زندگی گزار رہے ہوتے۔

حقیقت میں دنیا کی کچھ دن کی عارضی بہار کیلئے آخرت کا ہمیشہ کا عذاب مول لینا بہت بڑی نادانی ہے۔

خٰلِدِیْنَ فِیْهَاۤ اَبَدًا: وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے، یہ لوگ دنیا میں کفر و شرک میں مبتلا رہے اور اسی پروگرام کو غالب کرنے کی کوشش کرتے رہے، ایمان اور توحید کی مخالفت کرتے رہے، پیغمبروں کا مقابلہ کیا، ان پر بیہودہ اعتراضات کئے، دین کا مذاق اڑایا اور قیامت کا انکار کیا، لہٰذا اب یہ ہمیشہ کیلئے دوزخ میں رہیں گے اور پھر کوئی حمایتی اور مددگار بھی نہیں پائیں گے۔

رہنماؤں کا حشر

وَ قَالُوْا رَبَّنَاۤ اِنَّاۤ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَ كُبَرَآءَنَا فَاَضَلُّوْنَا

اور کہیں گے اے رب ہمارے! بیشک ہم نے کہنا مانا سرداروں اپنے کا اور وڈیروں اپنے کا پس بھٹکایا انہوں نے ہمیں

السَّبِیْلَا ﴿۶۷﴾ رَبَّنَاۤ اٰتِهِمْ ضِعْفَیْنِ مِنَ الْعَذَابِ وَ الْعَنْهُمْ

راستے سے (۶۷) اے رب ہمارے! دے ان کو دوہرا عذاب اور لعنت کر ان پر

ع ۸ ۵

لَعْنًا كَبِيْرًا ﴿٦٨﴾

لعنت بڑی (۶۸)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور کہیں گے اے رب! ہم نے کہا مانا اپنے سرداروں کا اور وڈیروں کا پھر انہوں نے ہمیں راستے سے بھٹکا دیا۔ (۶۷) اے ہمارے رب! انہیں دگنا عذاب دے اور ان پر بہت بڑی لعنت کر۔ (۶۸)

لفظی تحقیق: سَادَةٌ: بڑے مرتبے والے۔ "سَيِّدٌ" کی جمع ہے جو (س، و، د) سے صفت کا صیغہ ہے، اس کا مصدر "سِيَادَةٌ" ہے، جس کے معنیٰ سردار کے ہیں، "سَيِّدٌ" اصل میں "سَيْوِدٌ" تھا، واؤ کو یا سے بدل کر یا میں ادغام کر دیا۔

تفسیر

ارشاد ہے کہ: دنیا میں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے پیغمبر کے مقرر کئے ہوئے راستے سے منہ موڑ رہے ہیں وہ قیامت کے دن آگ میں پڑے کروٹیں بدل رہے ہوں گے اور حسرت سے کہیں گے، اے ہمارے رب! ہمیں تو دنیا میں ان ہمارے سرداروں اور وڈیروں نے کہیں کا نہ رکھا، یہ ہم سے بڑے درجے والے لوگ تھے، ہم چھوٹے درجے کے لوگ وہی کرتے تھے جو یہ ہمیں کرنے کو کہتے تھے، انہوں نے ہمارا بیڑہ غرق کر دیا، الٹی چال چلایا اور سیدھے راستے سے بھٹکایا، اے رب انہیں دوہری مار دے اور ہم سے دگنا عذاب دے اور ان کو اپنی رحمت سے پورے طور پر محروم کر، ان پر اتنی پھٹکار برسا کہ ان کے حلیے بگڑ جائیں، انہوں نے ہمارا دنیا میں ناس کیا آج تو ان کا پورا پورا ناس کر دے۔

اس آیت سے ان لوگوں کو سبق لینا چاہئے جو ی چاہت سے آگے بڑھ بڑھ کر لوگوں کے لیڈر اور قائد بننا چاہتے ہیں، قیامت کے دن یہ ان کا بڑھ بڑھ کر باتیں بنانا کچھ کام نہ آئے گا، اگر انہوں نے لوگوں کو اسلام کے راستہ کے سوا اور راستہ بتایا ہے تو وہ سمجھ لیں کہ ان کا کیا حشر ہونے والا ہے۔

قیمتی نصیحتیں

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اٰذَوْا مُوْسٰى فَبَرَّاَهُ
اے لوگو! جو ایمان لائے ہو مت ہو طرح ان لوگوں کے اذیت دی موسیٰ کو پھر بری کر دیا اسے

اللّٰهُ مِمَّا قَالُوْا ؕ وَ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِيْهًا ۟ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا
اللہ نے اس سے جو وہ کہتے تھے اور تھا وہ نزدیک اللہ کے عزت والا (۶۹) اے لوگو! جو ایمان لائے ہو

اتَّقُوا اللّٰهَ وَ قُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ۟
ڈرو اللہ سے اور کہو بات درست (۷۰)

با محاورہ ترجمہ:۔اے ایمان والو! تم ان جیسے مت بنو جنہوں نے موسیٰ کو ستایا، پھر اللہ تعالیٰ نے اسے ان کے تمام الزامات سے بری کر دیا اور وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں عزت والے تھے۔(۶۹) اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور سیدھی بات کہو۔(۷۰)

تفسیر

اللہ تعالیٰ کا دنیا میں انکار کرنے والوں کا قیامت کے دن بہت برا ہوگا، اس دن ان کی حسرت اور ندامت کی کوئی انتہا نہ ہوگی، ناامیدی کی حالت میں وہ اپنے سرداروں اور وڈیروں کو بری طرح کوسیں گے کہ انہوں نے ہمیں سیدھے راستے سے ہٹا کر ٹیڑھے راستہ پر ڈالا تھا، اس کے بعد اس آیت میں ایمان والوں کو عام ہدایت کی جاتی ہے کہ اپنے پیغمبر کیساتھ ایسا برتاو نہ کرو جیسا کہ بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کیساتھ کیا تھا، انہوں نے انہیں طرح طرح کی اذیتیں پہنچائیں، جھوٹے الزامات لگائے، اس سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تو کچھ نہ بگڑا کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بڑی عزت والے تھے، اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بے خطاء اور بے عیب ہونا سب پر

ثابت کر دیا لیکن ستانے والوں نے اپنی آخرت خراب کر لی۔

آگے ارشاد ہے کہ: ایمان لانے کے بعد تمہارا کام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے غضب سے بچنے کی کوشش کرتے رہو، اس کے ڈر سے بُری باتوں سے اپنے آپ کو روکو اور منہ سے جو بات نکالو وہ سچی ہونی چاہئے، سچائی اور دیانتداری انہی کو حاصل ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے کہنے پر چلتے ہیں، اسی کو تقویٰ کہتے ہیں اور جسے تقویٰ حاصل نہیں وہ اوروں کا قائد اور رہنما نہیں ہو سکتا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ایذارسانی کی ایک مثال "سورۃ المائدہ" میں موجود ہے، آپ نے اپنی قوم سے کہا کہ اپنے وطن شام و فلسطین کو آزاد کرانے کیلئے وہاں پر آباد کافر لوگوں کیساتھ جہاد کرو، اللہ تعالیٰ تمہیں فتح نصیب فرمائے گا، مگر قوم کہنے لگی اے موسیٰ! وہاں پر تو بڑے سخت قسم کے لوگ ہیں ہم ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے لہٰذا تم اور تمہارا خدا دونوں جا کر اس قوم سے جنگ کرو ہم تو یہیں بیٹھیں گے۔ (آیت: ۲۳، ۲۴)، اس صاف انکار سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو سخت تکلیف ہوئی، انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حضور عرض کیا، اے اللہ! اس قوم پر میرا بس نہیں چلتا، میں تو صرف اپنے بھائی کو ہی کہہ سکتا ہوں، لہٰذا آپ ہمارے اور نافرمان قوم کے درمیان فیصلہ فرما دیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اچھا، یہ شام اور فلسطین کی زمین ان پر حرام کر دی گئی ہے، اب یہ چالیس سال تک پھرتے رہیں گے، اس عرصہ میں اس نسل کے اکثر لوگ ختم ہو جائیں گے تو یہ سرزمین اگلی نسل کو منتقل کروں گا، چنانچہ ایسا ہی ہوا، مطلب یہ کہ قوم نے موسیٰ علیہ السلام کو اذیت پہنچائی اور خود اللہ تعالیٰ کی ناراضی اپنے سَر لی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعات میں آتا ہے کہ جب آپ نے اپنی قوم کے مالدار لوگوں کو زکوٰۃ ادا کرنے کیلئے کہا تو وہ بگڑ گئے، ان میں قارون سب سے آگے آگے تھا جس کے پاس بہت دولت تھی، قارون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بدنام کرنے کا ایک منصوبہ بنایا اور اس کام کیلئے ایک بدکار عورت کو لالچ دیکر آپ پر الزام لگانے کیلئے تیار کیا، ایک موقع پر حضرت موسیٰ علیہ السلام مجمع کے سامنے بدکاری کی مذمت بیان کر رہے تھے تو اس بدکار عورت نے

سب کے سامنے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر الزام لگایا کہ انہوں نے میرے ساتھ بدکاری کی ہے، لہٰذا بدکاری کی سزا سب سے پہلے ان کو ملنی چاہئے، اس تہمت سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو سخت ذہنی اذیت پہنچی، لیکن پھر بھی آپ نے لوگوں کے سامنے اس عورت کو قسم دلائی کہ اس اللہ کی قسم اٹھا کر بات کرنا جس نے سمندر کو پھاڑ کر اسرائیلیوں کو پار کر دیا اور فرعونیوں کو اسی سمندر میں غرق کر دیا اور جس اللہ نے تورات جیسی عظیم الشان کتاب اتاری، اس اللہ کی قسم اٹھا کر بتاؤ کہ کیا تمہارا الزام درست ہے، وہ عورت ڈر گئی اور اس نے اقرار کیا کہ اسے قارون نے پیسے دیکر یہ الزام لگانے کیلئے تیار کیا تھا، پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے قارون کے حق میں بددعا کی تو اللہ تعالیٰ نے اس کو سزا دی، "سورۃ القصص" میں ہے کہ: ہم نے اس کو خزانوں سمیت اور اس کی رہائش گاہ کو بھی زمین میں دھنسا دیا۔ (آیت،۸۱)، بہرحال حضرت موسیٰ علیہ السلام پر طرح طرح کے الزامات لگا کر آپ کو اذیت پہنچائی گئی، مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہر الزام سے بری کیا۔

تو یہاں پر اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو تنبیہ کی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی قوم کی طرح تم بھی اپنے نبی کی شان میں کوئی گستاخی نہ کر بیٹھنا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تکلیف پہنچے، آپ کی ذات پر بھی لوگ طرح طرح کے اعتراض کرتے تھے، پیچھے گزر چکا ہے کہ منافقوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ آپ نے اپنی بہو سے نکاح کر لیا، بعض آپ پر بیویوں کی تعداد کی وجہ سے عیاشی کا الزام لگاتے تھے جس سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سخت اذیت پہنچتی تھی، "سورۃ البقرہ" میں ہے کہ یہودی لوگ آپ کیلئے "رَاعِنَا" کے لفظ کو بگاڑ کر "رَاعِيْنَا" کہہ کر پکارتے تھے، جس کا معنیٰ چرواہا ہوتا ہے، اس پر اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ آپ کی ذات مبارکہ کیلئے یہ لفظ سرے سے استعمال ہی نہ کیا کرو، بلکہ اس کے بجائے "اُنْظُرْنَا" کا لفظ استعمال کیا کرو تا کہ کسی بگاڑ کا احتمال ہی باقی نہ رہے۔

آگے اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کیلئے ایک اور قانون بیان فرمایا ہے، ارشاد ہے: اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈر جاؤ اور ہمیشہ سیدھی بات کہو (آیت ۷۰)، ظاہر ہے کہ اگر سیدھی اور سچی بات کرو گے تو اس میں اذیت کا کوئی امکان نہیں ہوگا اور اگر الٹی پلٹی باتیں کرو گے تو پیغمبر کو تکلیف پہنچے گی، مفسر عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: سیدھی بات

سے مراد کلمہ "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" ہے، بعض دوسرے مفسرین فرماتے ہیں کہ: ہر سچی بات کو سیدھی بات کہا جاتا ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے "کتاب التفسیر" اور "کتاب الانبیاء" میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بہت حیاء کرنے والے اور اپنے بدن کو چھپانے والے تھے، ان کے بدن کو کوئی نہ دیکھتا تھا، جب غسل کی ضرورت ہوتی تو پردہ کے اندر غسل کرتے تھے، ان کی قوم بنی اسرائیل میں عام طور پر یہ رواج تھا کہ مرد سب کے سامنے ننگے ہو کر نہاتے تھے تو بعض بنی اسرائیل کہنے لگے کہ موسیٰ علیہ السلام جو ہمارے ساتھ ننگے نہیں نہاتے اس کا سبب یہ ہے کہ ان کے بدن میں کوئی عیب ہے یا تو برص ہے یا خصیتین بہت بڑھے ہوئے ہیں یا کوئی اور بیماری ہے جس کو چھپانے کیلئے وہ تنہائی میں نہاتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا کہ: حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان کی نگاہ میں ان عیبوں سے صاف دکھا دیں، ایک دن حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اکیلے میں غسل کرنے کیلئے اپنے کپڑے اتار کر ایک پتھر پر رکھ دیئے، جب غسل سے فارغ ہو کر اپنے کپڑے لینا چاہے تو یہ پتھر اللہ تعالیٰ کے حکم سے حرکت میں آ گیا اور کپڑے لیکر بھاگنے لگا، حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی لاٹھی اٹھا کر پتھر کے پیچھے یہ کہتے ہوئے چلے، اے پتھر! میرے کپڑے دیدے مگر پتھر بھاگتا رہا، یہاں تک کہ یہ پتھر ایسی جگہ جا کر ٹھہرا جہاں بنی اسرائیل کا ایک مجمع تھا، اس وقت بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو سر سے پاؤں تک ننگا دیکھا تو بدن صحیح وسالم تھا، جس میں ان کا لگایا ہوا کوئی عیب نہ تھا، اس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو سب کے سامنے ان عیبوں سے صاف دکھا دیا۔

وَ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِيْهًا: وجاہت والے مرتبے والے تھے، یعنی: حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے نزدیک وجاہت والے مرتبے والے تھے، مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی دعاؤں کو قبول فرماتے تھے، چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعاؤں کا قبول ہونا قرآن کریم میں ان واقعات سے ثابت ہے جس میں انہوں نے کسی چیز کی دعا مانگی، اللہ تعالیٰ نے اسی طرح قبول فرمائی، ان میں سب سے زیادہ عجیب یہ ہے کہ حضرت ہارون علیہ السلام کو پیغمبر بنانے کی دعا کی اللہ تعالیٰ نے قبول فرما کر ان کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کیساتھ پیغمبر بنا دیا۔

امانت کی ذمہ داری

يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ وَ مَنْ يُّطِعِ

سنوار دے لئے تمہارے عمل تمہارے اور بخش دے لئے تمہارے گناہ تمہارے اور جس نے اطاعت کی

اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا ﴿۷۱﴾ اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى

اللہ کی اور پیغمبر اسکے کی پس بیشک وہ کامیاب ہوا کامیابی بڑا (۷۱) بیشک ہم نے پیش کی امانت پر

السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ الْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَ اَشْفَقْنَ

آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پس انکار کردیا کہ اٹھائیں اسے اور ڈر گئے

مِنْهَا وَ حَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ﴿۷۲﴾ لِّيُعَذِّبَ

سے اس اور اٹھالیا اسے انسان نے بیشک وہ ہے حق مارنے والا نادان (۷۲) تاکہ عذاب دے

اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَ الْمُنٰفِقٰتِ وَ الْمُشْرِكِيْنَ وَ الْمُشْرِكٰتِ وَ يَتُوْبَ

اللہ منافق مردوں اور منافق عورتوں اور مشرک مردوں اور مشرک عورتوں اور معاف کرے

اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۷۳﴾ ع ۹ ۵ ۶

اللہ مؤمن مردوں اور مؤمن عورتوں کو اور ہے اللہ بخشنے والا مہربان (۷۳)

بامحاورہ ترجمہ:۔ وہ درست کردے گا تمہارے لئے تمہارے عملوں کو اور بخش دے گا تمہارے لئے تمہارے گناہ اور جو کوئی اللہ تعالیٰ اور اس کے پیغمبر کے کہنے پر چلا اس نے بڑی کامیابی حاصل کی۔(۷۱) ہم نے آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر امانت پیش کی پس انکار کیا اس کے اٹھانے سے اور اس سے ڈر گئے اور انسان نے اسے اٹھالیا وہ ہے بڑا بے ترس نادان۔(۷۲) تاکہ اللہ تعالیٰ عذاب دے منافق مردوں اور منافق عورتوں کو اور مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کو اور معاف کردے اللہ تعالیٰ ایماندار مردوں کو اور ایماندار عورتوں کو اور

اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔(۷۳)

تفسیر

ارشاد ہے کہ: اللہ تعالیٰ سے ڈرنے اور سیدھی اور سچی بات کہنے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے سارے کام سنوار دے گا اور تمہاری خطائیں معاف کردے گا، جس سے یقیناً تمہاری حالت دنیا اور آخرت دونوں جگہ درست ہوجائے گی، سچ پوچھتے ہو تو حقیقت یہی ہے کہ جس نے اللہ تعالیٰ اور اس کے پیغمبر کی فرمانبرداری کی تو اسی نے بڑی کامیابی حاصل کی، اس کا دونوں جہان میں بھلا ہوگا، تمام پریشانیوں سے نجات مل جائے گی، انسان کی زندگی اللہ تعالیٰ کی امانت کیلئے وقف ہونی چاہئے اور وہ امانت اللہ تعالیٰ کا خیال ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ خواہشوں کے خلاف اللہ تعالیٰ کا حکم مانو ورنہ سزا پاؤ گے۔

ارشاد ہے کہ: ہم نے بظاہر بڑی بڑی طاقتور مخلوق آسمان، زمین اور پہاڑ سب کے سامنے یہ امانت پیش کی کہ تمہیں یہ اختیار دیا جاتا ہے کہ سزا کا قانون منظور کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے حکم بجالانے کی ذمہ داری لو، یعنی: یہ بات منظور کرو کہ تمہارے لئے ایک خاص قانون شریعت مقرر ہو، جس کے مطابق اگر چلو تو کامیابی پاؤ گے اور اگر اس کی خلاف ورزی کرو تو اس کی سزا بھگتو گے، اس قانون کے مطابق چلنے میں تمہیں اپنی آزادی چھوڑنی پڑے گی اور اللہ تعالیٰ کے تمام حکموں کا اپنی خواہش کے برخلاف پابند ہونا پڑے گا۔

مخلوقات میں سے کسی نے اس امانت کا بوجھ اٹھانا منظور نہ کیا اور اس سے ڈر گئے، لیکن جب یہی امانت انسان کے سامنے پیش کی گئی تو اس نے جھٹ اس کو اٹھالیا، واقعہ یہ ہے کہ اس میں اس کے اٹھالینے کی صلاحیت تھی، کیونکہ یہ اس کا حق ادا کر بھی سکتا تھا اور اس کا حق ادا کرنے سے چوک بھی سکتا تھا، یہ غور کرکے اصل بات پہچان بھی سکتا تھا اور بے پروائی کیساتھ اس سے جاہل بھی رہ سکتا تھا، چنانچہ اس کا نتیجہ وہی ہوا جو ہونا چاہئے تھا، اللہ تعالیٰ حق ادا نہ کرنے والوں کو سزا دے گا خواہ وہ مرد ہوں یا عورت اور خواہ یہ حق ادا نہ کرنا منافقت کی صورت

میں ہو یا کھلے کفر وشرک کی صورت میں ہو، اللہ تعالیٰ ایماندار مردوں اور ایماندار عورتوں پر کرم فرمائے گا، کیونکہ ایمان، امانت کا حق ادا کرنے کی دلیل ہے، پھر ان میں سے اگر کسی سے حق ادا کرنے میں کچھ کوتاہی ہو بھی جائے تو اللہ تعالیٰ خطاء اور قصور معاف کرنے والا ہے اور اس کی رحمت بہت بڑی ہے، خلاصہ یہ ہے کہ انسان ایک ذمہ دار مخلوق ہے، اس کے عمل بیکار نہیں جائیں گے، ان کو جانچ تول کر ان کی جزا وسزا دی جائے گی۔

شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ نے امانت کی بات چند جملوں میں بڑے اچھے طریقے سے سمجھادی ہے، فرماتے ہیں کہ: انسان نے اپنی جان پر ترس نہ کھایا اور اس امانت کو اٹھالیا، نیز فرماتے ہیں کہ: اپنی خواہش کو روک کر حکم کی تعمیل کرنا گویا امانت کا حق ادا کرنا ہے، انسان کے اپنے دل میں کوئی خواہش ہے اور اللہ تعالیٰ کا حکم اس کے خلاف ہے تو اگر وہ اپنی خواہش کے خلاف حکم پر عمل کرے گا تو اس نے امانت کی پاسداری کی اور ایسا کرنا بہت بڑا عمل ہے، اللہ تعالیٰ نے آسمانوں، زمین اور پہاڑوں کا ذکر کیا ہے مگر ان میں تو خواہش پائی ہی نہیں جاتی یا اگر طبعی طور پر کوئی ہے تو وہ اس سے اِدھر اُدھر جانے کی طاقت ہی نہیں رکھتے اور اسی پر قائم رہتے ہیں، یہ انسان ہی ہے جو خواہش بھی رکھتا ہے اور پھر اللہ تعالیٰ کے حکموں کو پورا بھی کرتا ہے، اسی کا نام امانت کی ادائیگی ہے، امانت کا قانون بھی یہی ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کی امانت کو جان بوجھ کر ضائع کرے گا تو اسے اس کا بدلہ دینا پڑے گا اور اگر کوئی امانت کسی شخص کے اختیار کے بغیر ضائع ہو جائے تو اس کا بدلہ نہیں دینا پڑتا، بہر حال امانت سے مراد شریعت کے حکموں کی پابندی ہے۔

ہم نے یہ امانت، یعنی: حکم جو بمنزلہ امانت کے ہیں آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں کے سامنے پیش کی تھی، یعنی: ان میں کچھ شعور پیدا کر کے جو کہ اب بھی ہے ان کے سامنے اپنے حکم ماننے کی صورت میں اس پر انعام واکرام اور نہ ماننے کہ صورت میں اس پر عذاب پیش کر کے ان کو لینے نہ لینے کا اختیار دیا اور حاصل اس پیش کرنے کا یہ تھا کہ اگر تم ان حکموں کو اپنے ذمہ رکھتے ہو تو ان کے مطابق عمل کرنے کی صورت میں تم کو ثواب ملے گا اور اس کے خلاف کرنے کی صورت میں عذاب ہوگا، اور اگر نہیں لیتے تو مکلف نہ بنائے جاؤ گے اور ثواب وعذاب کے بھی حق دار نہ ہو گے، تم کو دونوں اختیار ہیں کہ اس کو نہ لینے سے نافرمان نہ ہو گے، جس قدر ان کو شعور تھا وہ اس مضمون کو سمجھ لینے کیلئے کافی تھا، چونکہ ان کو اختیار بھی دیا گیا تھا سو انہوں نے عذاب کے خوف کی وجہ سے ثواب والی صورت کو

بھی نہ لیا، اس کہ ذمہ داری سے انکار کر دیا اور اس کی ذمہ داری سے ڈر گئے کہ خدا جانے کیا انجام ہو اور اگر وہ اپنے ذمہ رکھ لیتے تو انسانوں کی طرح انہیں بھی عقل عطا کی جاتی جو کہ ثواب اور عذاب کی حکمت سمجھنے کیلئے ضروری ہے، چونکہ اس کو منظور نہیں کیا اس لئے عقل کی بھی ضرورت نہ ہوئی، غرض انہوں نے تو عذر کر دیا اور جب ان کے بعد انسان کو پیدا کر کے اس سے یہی بات پوچھی گئی تو انسان نے اس وجہ سے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا خلیفہ تھا اس لئے اس کو اپنے ذمہ لے لیا۔

لِيُعَذِّبَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ: تا کہ اللہ تعالیٰ سزا دے منافق مردوں اور منافق عورتوں کو جن کے دل میں بیماری ہے اور وہ اس امانت کی حفاظت نہیں کر سکے، وہ بلاشبہ سزا کے حقدار ہیں اور وہ مشرک مرد اور مشرک عورتیں بھی سزا کی حقدار ہیں۔

تمت بالخیر

Islamic Studies Publishers
Karachi-Pakistan

دفتر ریسرچ اینڈ رجسٹریشن آفیسر اوقاف

(حکومتِ سندھ)

جامع مسجد آرام باغ۔کراچی

فون نمبر 021-99332012 | موبائل: 0300-3311811

نشانِ مجاریہ ا۔آر۔آر۔او (اوقاف) A-64/2017 | مورخہ 28/9/2017

MUFTI MUNEER AHMED TARIQ
RESEARCH & REGISTRATION OFFICER
AUQAF DEPARTMENT GOVT. OF SINDH

تصدیق نامہ

میں نے مکتبہ ربانیہ کراچی کے مطبوعہ قرآن پاک مترجم بنام: آسان تفسیر القرآن مکمل (۱۰ جلدیں)، تالیف وترتیب حضرت مولانا مفتی اصغر علی ربانی صاحب مدظلہم کے عربی متن کو بغور پڑھا اور اسکے تمام حروف واعراب (زبر، زیر، پیش وغیرہ) کی پروف ریڈنگ اپنی زیرِ نگرانی کروائی ہے۔

الحمدللہ! بہت معیاری اور صحیح کتابت کرائی گئی ہے۔ تصدیق کی جاتی ہے کہ مذکورہ بالا قرآن پاک (اردو مترجم) آسان تفسیر القرآن (۱۰ جلدیں) تمام اغلاط سے پاک اور مبرا ہے۔ ان شاء اللہ

المصدق

مولانا مفتی منیر احمد طارق

ریسرچ ورجسٹریشن آفیسر اوقاف

حکومت سندھ
مفتی منیر احمد طارق
ریسرچ ورجسٹریشن آفیسر
محکمہ اوقاف سندھ کراچی

مکتبہ ربانیہ کراچی

ISLAMIC STUDIES PUBLISHERS